سرٹیفکیٹ

میں نے اِس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اور امعانِ نظر سے پڑھا ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اِس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

ابُوالفیض محمد عبدالکریم

خطیب جامع مسجد خانقاہ ڈوگراں

ضلع شیخوپورہ

[illegible]

تحقیقاتِ لغویہ

کلمات	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ	کلمات	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ	کلمات	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ
الف			بوار	١٤	٣٨	(ح)		
آلآءَ	٧	٩١	بروج	١٥	١٥	حرج	٧	١
اھلِ بیت	١١	١١٠	لِيُبْلِيَ	٨	٢٢	احبار	٩	٣٧
اواہ	١١	١١١	(ت)			حلیم	١١	١١١
اولوبقیہ	١١	١٢٣	مُتَبَّرٌ	٧	١٧١	حرضا	١٢	١١٨
یاسفٰی	١٢	١١٦	ث	٨	٧١	حمأ	١٥	٢٨
الآصال	١٣	٣٣	تثقفن	٨	٧١	لاحتنکن	١٧	٧٣
تاذن	١٤	١٠	یُثخِن	٨	٨٧	حاصبا	١٧	٨٢
ایکۃ	١٥	٥٠	یثنون	١١	١٠	(خ)		
امۃ	١٦	١٣٩	مثبورا	١٧	١١٥	خلف	٧	٢٢٥
(ب)			(ج)			خالفین	٩	١٢٥
مبوء صدق	١٠	١٢٦	اجمعوا	١٠	١٠١	خرص	١٠	٩٧
بادی الرای	١١	٤١	یجتبیک	١٢	١٠	خلصوا نجیا	١٢	١١٠
بُعدا	١١	٨٨	جفاء	١٣	٣٩	تخوف	١٦	٥٣
مبین	١٢	٢	یتجرعه	١٤	٢٣	تستخفونها	١٦	٩٦
یٰبُشْرٰی	١٩	٣٥	جبار	١٤	٢٤	(د)		
بُشْرٰی	١٢	١٣٠	تَجْئَرُوْنَ	١٦	٦٣	فدلّٰهما	٧	٢٩
بضاعۃ مزجاۃ	١٢	١٢٢	جاسوا	١٧	٨	مدحورا	٧	٢٢

کلمات	نمبر سورة	نمبر حاشیہ	کلمات	نمبر سورة	نمبر حاشیہ	کلمات	نمبر سورة	نمبر حاشیہ
ادعوه	۷	۴۱	زاهدین	۱۲	۳۷	تشخص	۱۴	۵۵
نستدرجهم	۷	۲۴۲	زبد	۱۳	۳۹	شیئ	۱۵	۱۱
دعا	۷	۲۵۱	یزجی	۱۷	۷۹	شهاب	۱۵	۱۸
دُنیا	۸	۵۳	(س)			(ر)		
دابة	۱۱	۱۳	انسلخ	۷	۲۳۲	رایتهم	۱۲	۶
مدرارا	۱۱	۷۸	استی	۱۰	۷۸	یرتع	۱۲	۲۲
ادلی دلوه	۱۲	۳۵	سیئی بهم	۱۱	۱۱۳	رابیا	۱۳	۳۹
دلوك	۱۷	۹۳	سجیل	۱۱	۱۲۱	ربما	۱۵	۳
(ذ)			مسومة	۱۱	۱۲۱	رواسی	۱۶	۲۴
ذکری	۷	۲	سولت	۱۲	۳۲	رفات	۱۷	۶۱
مذءوم	۷	۲۲		۱۲	۴۶	ارأیتك	۱۷	۷۴
ذریة	۱۰	۱۱۳	سیارة	۱۲	۳۵	الروح	۱۷	۱۰۲
(ر)			سخر	۱۳	۴	راودت	۱۲	۴۶
ارنی	۷	۱۷۸	سارب	۱۳	۲۳	شاکلته	۱۷	۱۰۱
رهبان	۹	۴۷	مسنون	۱۵	۲۸	(ص)		
رزق	۱۱	۱۳	سموم	۱۵	۲۹	تصدیة	۸	۴۳
اراذل	۱۱	۴۰	سبع المثانی	۱۵	۵۷	صنوان	۱۳	۱۳
مریب	۱۱	۹۳	(ش)			صدید	۱۴	۱۳
رهط	۱۱	۱۳۲	شی	۸	۲۷	مصرخی	۱۴	۳۰
الرفد المرفود	۱۱	۱۴۴	شرد	۸	۷۱	صلصال	۱۵	۲۸
لا ترکنوا	۱۱	۱۶۰	شان	۱۰	۸۷	فاصدع	۱۵	۹۵
(ز)			شهیق	۱۱	۱۵۱	(ض)		
زحفا	۸	۱۸	شغف	۱۲	۵۵	ضاق بهم ذرعا	۱۱	۱۱۳
زوجین اثنین	۱۱	۶۱	شدید المحال	۱۳	۲۹	ضلال	۱۲	۱۶
زفیر	۱۱	۱۵۱	شکرتم	۱۴	۱۰	اضغاث احلام	۱۲	۷۸

کلمات	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ	کلمات	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ	کلمات	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ
یطیروا	۷	۱۶۴	تفتؤا	۱۲	۱۱۸	المواخر	۱۶	۲۲
طغوا	۹	۱۷	تفندون	۱۲	۱۲۹	تمید	۱۶	۲۳
طوبیٰ	۱۳	۵۱	(ق)			ملة	۱۶	۱۳۲
(ظ)			قسط	۷	۴۰	(ن)		
ظالمین	۷	۲۴	اقیموا	۷	۴۰	انزلنا	۷	۳۲
ظن	۱۰		قصری	۸	۵۳	نصحوا	۹	۱۳۱
ظهريا	۱۱	۱۳۷	قدم صدق	۱۰	۵	الندامه	۱۰	۴۸
(ع)			مستقر	۱۱	۱۳	ناصیة	۱۱	
الاعراف	۷	۶۰	فانتقم	۱۱	۱۵۹	منیب	۱۱	۱۱۱
المعتدین	۱۰	۱۰۴	قصص	۱۲	۳	منضود	۱۱	۱۲۱
عنید	۱۱	۸۷	مقنعی	۱۴	۵۵	(و)		
استعمر	۱۱	۹۰	قسطاس	۱۷	۳۸	وسوس	۷	۲۵
عصبة	۱۲	۱۵	مقاما محمودا	۱۷	۵۵	وجوهکم	۷	۴۱
عقبیٰ	۱۳	۴۳	(ک)			موعظة	۱۰	۸۱
معایش	۱۵	۲۱	کافه	۹	۵۹	مستودع	۱۱	۱۳
عضین	۱۵	۶۳	کظیم	۱۲	۱۱۷	ولی	۱۰	۹۰
یستعتبون	۱۶	۱۰۳	کفور	۱۱	۲۰	توفیق	۱۱	۱۳۲
(غ)			الکبیر المتعال	۱۳	۲۲	الورد المورود	۱۱	۱۴۳
اغویتنی	۷	۲۰	اکنان	۱۶	۹۷	واردهم	۱۲	۳۵
یغنوا	۷	۱۱۹	(ل)	۷	۲۴	موزون	۱۵	۲۰
غیابات الجب	۱۲	۲۰	یلحدون	۷	۲۴۰	متوسمین	۱۵	۴۸
غیب	۱۶	۹۱	لطیف	۱۲	۱۴۱	(ہ)		
غسق	۱۷	۹۳	(م)			اِنّا هدنا	۷	۲۰۳
(ف)			مکاء	۸	۴۳	اولم یهد	۷	۱۲۸
فرح فخور	۱۱	۲۱	مثلات	۱۳	۱۶	هذا الادنی	۷	۲۲۵

	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ		نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ		نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ
یہرعون	۱۱	۱۱۵	ھباء	۱۴	۵۵	یوم	۱۱	۱۹
ھیت	۱۲	۴۶	تہجد	۱۷	۹۵	یؤس	۱۱	۲۰
تھوی	۱۴	۵۰	(ی)			ایام اللہ	۱۴	۹
مھطعین	۱۴	۵۵	ایام	۱۰	۱۳۵			

اَلتَّحقِیقاتُ النَّحوِیَّہ

	سورۃ نمبر	نمبر آیت
وہ تمھاری کسی بات سے غافل نہیں۔	۱۱	۱۲۳
علیم الٰہی۔	۱۳	۸ تا ۱۱
وہ ظالموں کے کرتوتوں سے غافل نہیں۔	۱۴	۴۲
وہ ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔	۱۴	۳۸
" " "	۱۶	۱۹
وہ اگلوں پچھلوں کو جانتا ہے۔	۱۵	۲۴
	۱۵	۲۶
وہ خلاق علیم ہے۔	۱۵	۸۶
تمھارا رب تمھیں خوب جانتا ہے۔	۱۷	۵۴
" " " "		۵۵
" " " "		۹۶
(ب) خالق و مالک		
ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔	۷	۱۱
خلق و امر کا وہ مالک ہے۔	۷	۵۴
زمین و آسمان میں اس کی حکومت ہے	۹	۱۱۶ مع حاشیہ
زمین و آسمان کی ہر چیز کا وہی مالک ہے۔	۱۰	۵۵
" " " "	۱۰	۶۶
" " " "	۱۰	۶۸
" " " "	۱۴	۲
اس نے زمین و آسمان کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔	۱۴	۱۹
وہ خلاق علیم ہے۔	۱۵	۸۶
وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے۔	۱۵	۲۳

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اس کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں۔	۱۵	۲۱
وہ ہر چیز اندازے سے اتارتا ہے۔	۱۵	۲۱
(ج) وہ قادر ہے		
وہ ہر چیز پر قادر ہے	۷	۵۴
" " "	۸	۴۱
دلوں میں الفت وہی پیدا کر سکتا ہے	۸	۶۳
وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے۔	۱۰	۵۶
وہی نفع و نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا	۱۰	۱۰۷
" " "	۱۱	۳۴
ہر چیز کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔	۱۱	۵۶
واللہ غالب علیٰ امرہ	۱۲	۲۱
جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جس کو ہدایت دیتا ہے۔	۱۳	۲۷
جسے گمراہ کر دے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔	۱۴	۴
" " "	۱۶	۹۳
جو چاہتا ہے کرتا ہے۔	۱۴	۲۷
تمھاری ظاہری و باطنی قوتیں اسی نے پیدا کی ہیں۔	۱۶	۷۸
جس کو ہم چاہتے ہیں کشادہ رزق دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں تنگ دست کر دیتے ہیں۔	۱۷	۳۰
کن فیکون۔	۱۶	۴۰
وہ ہر چیز پر قادر ہے۔	۱۶	۷۷

(۵) رحمتِ الٰہی

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اس کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔	۷	۵۶ مع حاشیہ
اللہ کی رحمت پرہیزگاروں کے لیے ہے	۷	۱۵۶
" " " " "	۷	۱۵۷
وہ صالحین کا ولی ہے۔	۷	۱۹۶
وہ صحابہ کے ساتھ رؤف رحیم ہے	۹	۱۱۷
وہ تو رب رحیم ہے۔	۹	۱۱۸
اللہ دارالسلام کی طرف بلاتا ہے۔	۱۰	۲۵
وہ حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔	۱۰	۳۵
وہ لوگوں پر بڑا فضل فرماتا ہے۔	۱۰	۶۰
میرا رب رحیم و ودود ہے۔	۱۱	۹۰ مع حاشیہ
جس کو ہم چاہتے ہیں اپنی رحمت سے سرفراز کرتے ہیں۔	۱۲	۹۶
وہ غفور رحیم ہے۔	۱۲	۹۸
" " " "	۱۶	۱۱۹
آپ کا رب مغفرت فرمانے والا ہے۔	۱۳	۶
تم اس کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے۔	۱۴	۳۴
میرے بندوں کو بتا دو کہ میں غفور رحیم ہوں اور میرا عذاب شدید ہے۔	۱۵	۴۹
" " " "	۱۵	۵۰
وہ رؤف رحیم ہے۔	۱۶	۷
وہ گناہوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا	۱۶	۶۱
ہم یونہی عذاب نازل نہیں کرتے۔	۱۷	۱۵

(۶) محبتِ الٰہی

ہدایتِ ربانی

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔	۹	۴
" " " "	۹	۷
اللہ تعالیٰ مطہرین سے محبت کرتا ہے۔	۹	۱۰۸
وہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔	۱۱	۱۱۵
وہ مصلحین کو ہلاک نہیں کرتا۔	۱۱	۱۱۷
اللہ تعالیٰ متقیوں اور محسنوں کے ساتھ ہے	۱۶	۱۲۸
وہ منیبین کو ہدایت دیتا ہے۔	۱۳	۲۷
وہ کس کو ہدایت دیتا ہے۔ (سنتِ الٰہی)	۱۶	۳۶
" " " "	"	"
جس کو وہ ہدایت دے، وہی ہدایت یافتہ ہے۔	۱۷	۹۷

اللہ تعالیٰ کن سے محبت نہیں کرتا اور ہدایت نہیں دیتا۔

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
وہ مسرفین سے محبت نہیں کرتا۔	۷	۳۱
وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔	۷	۵۵
وہ خائنوں سے محبت نہیں کرتا۔	۸	۵۸
اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔	۹	۱۰۹
فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔	۹	۲۴
وہ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔	۹	۹۶

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
وہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔	۱۴	۲۷
گمراہ ہونے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔	۱۶	۳۷
وہ جس کو گمراہ کرتا ہے۔ (سنت الٰہی)	۱۶	۳۶
(ذ) ذکرِ الٰہی کے آداب		
ذکرِ الٰہی کے آداب۔	۷	۲۰۵
ذکر بالجہر کا حکم۔	۷	۲۰۵ کا حاشیہ
ذکر بالجہر	۷	۵۵
	۷	۵۶ مع حاشیہ
ذکرِ الٰہی	۷	۱۸۰
کثرتِ ذکر باعثِ فلاح ہے۔	۸	۴۵
ذکرِ الٰہی سے دل مطمئن ہوتا ہے۔	۱۳	۲۸
(خ) متفرق		
وہ بہترین حاکم ہے۔	۷	۸۷

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اللہ کے بہترین نام ہیں۔	۷	۱۸۰
اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل میں حائل ہو جاتا ہے۔	۸	۲۴ مع حاشیہ
پلید کو پاک سے الگ کر دیتا ہے۔	۸	۳۷
اس قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جو اپنی حالت نہیں بدلتی۔	۸	۵۳
اللہ تعالیٰ دلوں کو جوڑتا ہے۔	۸	۶۳
اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔	۸	۴۶
اللہ کا نور کسی کے بجھانے سے نہ بجھے گا۔	۹	۳۲
ساری عزتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔	۱۰	۶۵
وہ غنی ہے۔	۱۰	۶۸
ہر فضیلت والے کو اس کا صلہ دے گا۔	۱۱	۳
اللہ تعالیٰ کی سنت تبدیل نہیں ہو سکتی۔	۱۷	۷۷
اللہ تعالیٰ کے بڑے خوبصورت نام ہیں۔	۱۷	۱۱۰
اللہ تعالیٰ فحش باتوں کا حکم نہیں دیتا۔	۷	۲۸
اس نے فواحش کو حرام کر دیا ہے۔	۷	۳۳

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
(ا) نبوت و رسالت		
نبی امی کی آمد سے بوجھ اتر گئے۔ زنجیریں کٹ گئیں۔	۷	۱۵۷
حضور ساری نوعِ انسانی کے رسول ہیں۔	۷	۱۵۸

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
نبی امی پر ایمان لانے کا حکم۔	۷	۱۵۸
آپ کو اللہ کافی ہے اور فرماں بردار مومن۔	۸	۶۴
میری مجال نہیں کہ قرآن حکیم میں ذرہ برابر ردوبدل کر سکوں۔	۱۰	۱۵
میرا کام وحی کی اطاعت کرنا ہے۔	۱۰	۱۵

انبیائے کرام علیہم السّلام

آدم علیہ السّلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
تخلیقِ آدم، فرشتوں کو سجدہ کا حکم، ابلیس کا انکار۔	۷	۱۱ تا ۲۵ مع حواشی
آپ کا جنت سے خروج اور اس کی حکمت۔ (سوز و گداز کی پرورش)	۷	۱۹
لغزش اور آپ کی استغفار۔	۷	۲۳
رسولوں کی بشریت۔	۱۴	۱۰
شیطان کا سجدۂ آدم سے انکار اور اس کی وجہ۔	۱۵	۳۱ تا ۳۵
شیطان کا مہلت طلب کرنا اور چیلنج۔	۱۵	۳۶ تا ۳۹
فرشتوں کو حکم کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ سب نے حکم کی تعمیل کی سوائے ابلیس کے۔	۱۷	۶۱
اس کا غدر اور چیلنج کہ میں اس کی نسل کو گمراہ کروں گا۔	۱۷	۶۲
اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اذنِ عام۔	۱۷	۶۳
" " " " "	۱۷	۶۴
میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چلے گا۔	۱۷	۶۵

۲۔ ابراہیم علیہ السّلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
کیا آپ کے والد مومن تھے۔	۹	۱۱۴
فرشتوں کی آمد اور اسحاق و یعقوب کی ولادت کی بشارت۔	۱۱	۶۹ ۷۰ ۷۱
مائی صاحبہ کا اظہارِ حیرت۔	۱۱	۷۲
فرشتوں کا جواب کہ اللہ سے کچھ بعید نہیں کہ وہ آپ کو پیرانہ سالی میں بچہ دے۔	۱۱	۷۳
اہلِ بیت کا معنی۔	۱۱	۷۳ مع حاشیہ
خانوادۂ خلیل کے لیے فرشتوں کی دعا۔	۱۱	۷۳
قومِ لوط کے لیے آپ کا مجادلہ۔	۱۱	۷۴
صفاتِ ابراہیمی اواہ حلیم منیب	۱۱	۷۵
مکہ شریف کے لیے آپ کی دعا۔	۱۴	۳۵
اپنی اولاد اور پیروکاروں کے لیے دعا۔	۱۴	۳۶ ۳۷
آپ کے والدین کا ایمان	۱۴	۴۱ مع حاشیہ
اپنی اولاد کو وادیٔ غیر ذی زرع میں آباد کرنے کی حکمت۔	۱۴	۳۷
ان کے لیے دعا کہ لوگوں کے دل ان کی طرف کھچے چلے آئیں۔	۱۴	۳۷
حمدِ باری	۱۴	۳۹
اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے اور اپنے والدین کے لیے دعا مغفرت۔	۱۴	۴۰
"	۱۴	۴۱
فرشتوں کی آمد اور بشارت۔	۱۵	۵۱ تا ۶۰
ابراہیم امۃ قانتاً کہنے کی وجہ	۱۶	۱۲۰
آپ پر انعامات ربانی۔	۱۶	۱۲۱ تا ۱۲۳

۳۔ داؤد علیہ السّلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
آپ کو زبور دی گئی۔	۱۷	۵۵

۷۔ موسیٰ علیہ السلام
۸۔ ہارون علیہ السلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم ہوا۔	۷	۱۰۳
یہ کون سا فرعون تھا۔	حاشیہ آیت مذکور	
فرعون کو آپ کی دعوت اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ۔	۷	۱۰۵
فرعون کا معجزہ طلب کرنا اور آپ کا عصا	۷	۱۰۶
اور ید بیضا دکھانا۔	۷	۱۰۷
	۷	۱۰۸ مع حواشی
آپ پر ساحر ہونے کا الزام۔	۷	۱۰۹
ملک پر قبضہ کرنے کا الزام۔	۷	۱۱۰
جادوگروں کی آمد۔ ان کا آپ سے مقابلہ اور شکست۔	۷	۱۱۱ تا ۱۱۹
حقیقت سحر	۷	۱۱۶ مع حاشیہ
کلیم کے ادب سے ساحروں کو ایمان نصیب ہوا۔ (ساحروں کی حیرت انگیز استقامت)	۷	۱۱۵ مع حاشیہ
فرعون کا ظلم و تشدد پر آمادہ ہو جانا۔	۷	۱۲۷
آپ کا اپنی قوم کو اللہ سے مدد مانگنے اور صبر کرنے کی تلقین فرمانا اور آزادی کا	۷	۱۲۸
وعدہ۔	۷	۱۲۹

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
قوم فرعون کا طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کیا جانا لیکن ہدایت پذیر نہ ہونا۔	۷	۱۳۰ تا ۱۳۵
بدفالی پکڑنا۔	۷	۱۳۱ مع حاشیہ
آخر کار وہ غرق کر دیئے گئے۔	۷	۱۳۶
کمزور بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دیا گیا۔	۷	۱۳۷
سمندر سے بخیریت گزرنے کے بعد بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام سے بت بنانے کا مطالبہ۔	۷	۱۳۸
آپ کی سرزنش	۷	۱۳۸ تا ۱۴۱
آپ کا طور پر جانا اور چالیس رات ٹھہرنا۔	۷	۱۴۲
صوفیاء کی چلہ کشی۔	۷	۱۴۲ کا حاشیہ
شوق دید کا اظہار۔	۷	۱۴۳ مع حاشیہ
چالیس رات کے بعد تورات کا ملنا	۷	۱۴۵
جس میں نصیحت اور ہر قسم کی تفصیل تھی۔	۷	۱۴۵
آپ کی غیر حاضری میں بنی اسرائیل کا بچھڑا بنانا اور اس کو پوجنا۔	۷	۱۴۸
طور سے واپسی اور حضرت ہارون سے تلخ کلامی۔	۷	۱۵۰
آپ کی امت میں اچھے لوگ بھی تھے۔	۷	۱۵۸
تیہ کے صحرا میں بارہ چشموں کا جاری کرنا۔	۷	۱۶۰

۱۲۔ یعقوب علیہ السلام

۱۳۔ یونس علیہ السلام

اسلام

اِنسان اور اُس کی عظمت کا قرآنی تصور

بنی اسرائیل

(د) انعامات خداوندی

ان کے علما اور ان کا طریقۂ کار

(ج) ان کا دفترِ عمل

جبر و قدر

جہاد

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
شماتت اعدائے پناہ کی دعا۔	۷	۱۵۰ مع حاشیہ
یاحی یاقیوم برحمتک الخ	۷	۱۵۵ مع حاشیہ
انت ولینا فاغفرلنا	۷	۱۵۵
" " "	۷	۱۵۶
شیطان کے شر سے بچنے کی دعا اور طریقہ۔	۷	۲۰۰
" " " "	۷	۲۰۱
دل کو راہ راست پر لانے کی دعا۔	۸	۲۴ مع حاشیہ
الٰہی ہمیں فتنہ نہ بنا۔	۱۰	۸۵
ہمیں کافروں کے شر سے نجات دے۔	۱۰	۸۶
کشتی میں سوار ہونے کی دعا۔	۱۱	۴۱ مع حاشیہ
نظرِ بد سے بچنے کی دعا۔	۱۲	۶۷ مع حاشیہ
حضرت یوسف کی دعا فاطر السموٰت الخ	۱۲	۱۰۱
بجلی گرنے سے بچنے کی دعا۔	۱۳	۱۳ مع حاشیہ
دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے۔	۱۳	۳۹ مع حاشیہ
بندگان خدا کی دعا کا اثر۔ حضرت مجددؒ کی دعا کی برکت	۱۳	۳۹ مع حاشیہ
جیت کے لیے دعا۔	۱۴	۲۷ مع حاشیہ

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اپنے والدین کے لیے دعا۔	۱۷	۲۴
دشمن سے مستور رہنے کی دعا۔	۱۷	۴۵ مع حاشیہ
الٰہی مجھے سچائی کے ساتھ داخل فرما اور سچائی کے ساتھ نکال اور مجھے سلطانا نصیرا عطا فرما۔	۱۷	۸۰

سیاست

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اسلام کی خارجہ پالیسی۔	۸	۷۲ مع حاشیہ
اگر کوئی معاہد قوم خیانت کرے، تو مسلمان کیا کرے۔	۸	۵۸ مع حواشی
عمرو بن عنبسہ نے حضرت امیر معاویہ کو روم پر لشکر کشی سے روکا۔	۸	۵۸ مع حاشیہ
اگر کفار صلح کے لیے ہاتھ بڑھائیں، تو تھام لو۔	۸	۶۱ مع حاشیہ
" " "	۸	۶۲
مشرکین کا مسلمانوں سے رویہ۔	۹	۸
لا یرقبوا فیکم الا ولا ذمۃ	۹ ۹ ۹	۸ ۹ ۱۰
اسیرانِ جنگ کے ساتھ برتاؤ۔	۸	۶۷ مع حاشیہ
جب تک کوئی قوم اپنے آپ کو نہ بدلے اس کی تقدیر نہیں بدلتی	۸	۵۳
اُمت کے مختلف گروہوں کے باہمی تعلقات، ان کے حقوق اور فرائض۔	۸	۷۲

شرک کا ابطال

شریعت

دیگر آسمانی کتب

قیامت

	نمبر سورة	نمبر آیت
وہ بتوں کو اللہ تعالٰی کا مدِ مقابل (ند) سمجھتے ہیں۔	۱۴	۳۰
بارگاہِ رسالت میں گستاخی۔ انک لمجنون	۱۵	۶

ج) اُن کے اطوار

	نمبر سورة	نمبر آیت
اللہ تعالٰی پر افترا پردازی۔	۷	۳۷
بُرے کام کرتے ہیں پھر کہتے ہیں اللہ نے ہمیں ایسا حکم فرمایا ہے۔	۷	۲۸
دین ان کے نزدیک لہو ولعب کا نام ہے۔	۷	۵۱
تکلیف کے وقت ان کا نظریہ کہ ایسی تکلیفیں ان کے باپ دادا کو بھی آتی تھیں۔	۷	۹۵ مع حاشیہ
اگر وہ ایمان لاتے اور متقی بنتے تو رزق کے دروازے کھل جاتے۔	۷	۹۶ مع حاشیہ
دلائل کے باوجود وہ راہِ حق سے بدکتے ہیں، اور غلط راہ پر دوڑا کرتے ہیں۔	۷	۱۴۶
یہ ڈنگروں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ نہ سمجھتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔	۷	۱۷۹
	۸	۲۲
	۸	۲۳
یہ راہِ حق سے روکتے ہیں اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں۔	۷	۴۵
انھیں یقین ہے کہ غریب مسلمانوں کو رحمتِ الٰہی سے کچھ حصّہ نہ ملے گا۔	۷	۴۹
اگر یہ دین حق ہے تو ہم پر پتھراؤ کیا جائے۔	۸	۳۲
ان کی نماز کی کیفیت۔	۸	۳۵
وہ راہِ حق سے روکنے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں۔	۸	۳۶

	نمبر سورة	نمبر آیت
ان کا انجام حسرت ہے۔	۸	۳۶
کفار بدترین ڈنگر ہیں۔ یہ عہد شکن ہیں۔	۸	۵۵
قرآن میں حسبِ خواہش ردوبدل کی کوشش کرتے ہیں۔	۱۰	۱۵ مع حاشیہ
طوفان میں گھِر جائیں تو خدا کو پکارتے ہیں۔	۱۰	۲۲
بچ جائیں تو پھر شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔	۱۰	۲۳
وہ حق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں تاکہ	۱۱	۱۹
اس میں رخنہ پیدا کریں۔	۱۱	مع حاشیہ
یہ مومنوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔	۱۱	۲۷
انبیاء کے ساتھ استہزاء	۱۳	۳۲
وہ آخرت سے زیادہ دنیوی زندگی کو پسند کرتے ہیں۔	۱۴	۳
وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔	۱۴	۳
وہ قرآن میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔	۱۴	۳
انھوں نے نعمتِ الٰہی کی ناشکری کی، اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں	۱۴	۲۸
دھکیل دیا۔	۱۴	۲۹
رسولوں کا استہزاء ان کی گمراہی کا سبب۔	۱۵	۱۲
انھوں نے قرآن کو پارہ پارہ کر دیا۔	۱۵	۹۱
مشرکین کے طور طریقے۔	۱۶	۵۳ تا ۶۲
اگر صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو وہ	۱۷	۴۵
روگردانی کرتے ہیں۔	۱۷	۴۶

(د) ان کی نجات نہیں

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں ان کی ہرگز نجات نہیں۔	۷	۴۰
	۷	۴۱
تکبر کرنے والوں کو آیات کے فہم سے محروم کر دیا جاتا ہے۔	۷	۱۴۶
آیات کی تکذیب کرنے والوں کو سخت عذاب!! استدراج۔	۷	۱۸۲
	۷	۱۸۳
جنھیں خدا گمراہ کر دے انھیں گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔	۷	۱۸۶
شیطان اپنے دوستوں کو مزید گمراہی میں دھکیل دیتا ہے۔	۷	۲۰۲
کفار پر اچانک عذاب۔	۷	۴
〃 〃 〃	۷	۵
کفار و مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت۔	۹	۱۱۳

ان کا ہولناک انجام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
ظالموں کی موت کی کیفیت۔	۷	۳۷
کفار ہلاکت کا انتظار کر رہے ہیں۔	۷	۵۳
کتنی بستیاں ہیں جن پر اچانک عذاب آیا۔	۷	۵
روزِ قیامت ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے۔	۷	۳۶ تا ۳۹
دوزخ میں پیاس کی شدت سے تڑپیں گے۔	۷	۵۰
اس عذاب کی وجہ۔	حاشیہ نمبر ۶۵	
برباد ہونے والی قوموں کے ذکر کے بعد موجودہ قوموں کا ذکر۔	۷	۹۷ تا ۱۰۰
آیات کی تکذیب کرنے والوں کو سخت عذاب۔	۷	۱۸۲
	۷	۱۸۳
کفار کے معبود ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔	۱۰	۲۸
دنیا بھر کا مال بطور فدیہ دیں گے قبول نہ ہوگا۔	۱۰	۵۴
وہ آتش جہنم میں پھینک دیے جائیں گے۔	۱۱	۱۵
〃 〃 〃 〃	۱۱	۱۶
ظالموں پر اللہ کی لعنت۔	۱۱	۱۸
وہ ظالم ترین ہیں۔	۱۱	۱۹ تا ۲۲
فرعون اپنی قوم کو آگ میں لے جائیگا۔	۱۱	۹۸
کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔	۱۱	۱۰۷
جو اللہ کی بات نہیں مانتے۔	۱۳	۱۹
جو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو توڑتے ہیں۔	۳	۲۵
زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان پر لعنت۔	۱۳	۲۵
ظالموں کا حالِ زار۔	۱۴	۴۳
〃 〃 〃	۱۴	۴۴
زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ لباس تارکول کا ہوگا۔	۱۴	۴۹
	۱۴	۵۰
کفار کا اظہارِ حسرت۔	۱۵	۲
گمراہوں کے لیے جہنم جس کے سات دروازے ہیں۔	۱۵	۴۳
	۱۵	۴۴

معاشیات

نواہی

مطبع ______ تخلیق مرکز پرنٹرز لاہور فون 7229416

کتابت ______ خوشنویس محمد ناصر، محمد صدیق، محمود اللہ صدیقی

متن ______ بشکریہ تاج کمپنی کراچی

تعداد ______ تین ہزار (۳۰۰۰)

تاریخ طباعت ______ جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ

ناشر ______ ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور

فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

تعارف سورۃ الاعراف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سورۃ پاک کا نام الاعراف ہے۔ یہ ۲۰۶ آیتوں اور چوبیس رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کے الفاظ کی تعداد ۳۳۲۵ ہے۔
یہ سورۃ بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اگرچہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کی پانچ یا آٹھ آیتیں مدنی ہیں (واسال اهل القریۃ الخ) لیکن محققین کا مختار قول یہ ہے کہ اس کی تمام آیتیں بلا استثناء مکی ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی بسند صحیح یہی مروی ہے۔

سورہ الانعام اور الاعراف کا زمانہ نزول قریب قریب ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکی دور کے آخری سالوں میں اس کا نزول ہوا۔

اس سورۃ میں بھی خطاب انہیں لوگوں سے ہے جو سورہ الانعام میں مخاطب تھے یعنی مشرکین عرب۔ اس لیے انہیں کے عقائد باطلہ کی تردید، انہیں کے اوہام فاسدہ کا ابطال، انہیں کی غلط کاریوں کا ازالہ اور انہیں کی کج فہمیوں کی اصلاح پر سارا زور صرف کیا گیا ہے۔ فرق صرف اجمال اور تفصیل کا ہے۔ سابقہ سورت میں جو مسائل اجمالاً مذکور ہوئے تھے یہاں انہیں تفصیلاً بیان کر دیا گیا ہے۔ پہلے بھی بتایا گیا تھا کہ انبیاء کرام نے جب اپنی اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی اور اس کے لیے ناقابل تردید دلائل پیش کیے تو ان میں غور وفکر کرنے کے بجائے ان کی قوموں نے ان کا مذاق اڑایا، ان کی تکذیب کی۔ اور انہیں اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس سورۃ میں متعدد انبیاء کرام نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام کا نام لے کر ان کے احوال بیان فرمائے اور ان کی قوموں نے جو ناروا سلوک اور معاندانہ برتاؤ اپنے مخلص، پاکباز رہنماؤں کے ساتھ کیا اس کا ذکر کیا اور اس حقیقت کو بڑی فصاحت سے آشکارا کیا کہ جب مزاج بگڑ جاتا ہے اور فطرت سلیمہ مسخ ہو جاتی ہے تو اس وقت حق پذیری کی استعداد بے کار اور مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ صداقت کا آفتاب اپنی تمام تابناکیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے لیکن آنکھیں اس کے نور کو نہیں دیکھ سکتیں۔ دلائل کی زبان اعلان حق کر رہی ہوتی ہے لیکن کان اسے سن ہی نہیں سکتے۔ اور دل ودماغ حق سمجھنے کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ افہام وتفہیم، ترغیب وترہیب کوئی چیز کارگر ثابت نہیں ہوتی۔

مختلف رسولوں کے احوال بتانے کے بعد کئی رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تفصیلاً بیان فرمائے۔ آپ کو دو قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ ایک فرعون اور اس کے حواری اور دوسرے آپ کی اپنی قوم بنی اسرائیل پہلا طبقہ حکمران تھا جسے بے پناہ اختیارات اور مراعات حاصل تھیں۔ ملک کی ساری دولت وثروت ان کی ملکیت تھی۔ عیش وعشرت کے سب سامان انھیں میسر تھے۔ وُہ کسی قیمت پر ان سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے حتیٰ کہ جب ان کے مقرر کیے ہُوئے معیار کے مطابق حق واضح ہو گیا۔ اور ان کے بُلائے ہُوئے جادُوگر معجزاتِ نبوت کے سامنے اپنے نظر فریب سحر کی بے سروپائی کا اعتراف کر کے باطل سے تائب ہو گئے۔ اور حضرت کلیمؑ پر صدقِ دل سے ایمان لے آئے۔ تب بھی فرعونی ذہنیت نے قبولِ حق سے گریز اختیار کیا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا صاف مطلب یہ تھا کہ وُہ اپنے ناجائز اختیارات اور مراعات سے محروم ہو جائیں۔ ان کی لُوٹ کھسوٹ پر پابندیاں لگا دی جائیں۔ اور ان کی عیش ونشاط کی بساط اُلٹ دی جائے۔ اور وُہ اس کے لیے کسی طرح آمادہ نہ تھے۔

دُوسرا طبقہ جس سے آپ کو واسطہ پڑا تھا وُہ آپ کی اپنی قوم بنی اسرائیل تھی جو مدت دراز سے غلامی کی زندگی گزار رہی تھی۔ ان کی ہمتیں پست اور ولولے سرد ہو چکے تھے۔ ذلت کی پستیوں میں پڑے رہنے میں وُہ بڑی لذت محسوس کرتے تھے۔ ان کی تن آسانی کا یہ عالم تھا کہ عزت کی بلندیوں تک پہنچنے کے لیے وُہ کسی جدوجہد کے لیے آمادہ نہ تھے وُہ چاہتے تھے کہ لڑے بغیر فتوحات کے دروازے اُن پر کھول دیے جائیں۔ اور تو اور انھیں کھانے پینے کے لیے بھی ہاتھ پاؤں ہلانے نہ پڑیں۔ بلکہ آسمان سے پکا پکایا کھانا ان کے دسترخوانوں پر چُن دیا جائے۔ اُن کی تعمیری قوتیں اتنی فرسودہ اور افسردہ ہو چکی تھیں کہ جدتِ فکر اور ندرتِ عمل کا ان کے ہاں تصور تک نہ تھا۔ دُوسروں کی تقلید اور پیروی کے لیے وُہ ہر لمحہ آمادہ رہتے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے وُہ فرعون کی غلامی سے آزاد ہو کر وادیٔ سینا میں پہنچے اور وہاں کے بت پرستوں کو دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنے لیے ایسا ہی بُت بنانے کی فرمائشیں شروع کر دیں اور آپ کی سرزنش پر بظاہر تو خاموش ہو گئے لیکن جب آپ چلہ کشی کے لیے کوہ طُور پر تشریف لے گئے تو خداوند حی و قیوم کو چھوڑ کر فوراً سامری کے بنائے ہُوئے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔

ان تمام واقعات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ احکامِ الٰہی سے دانستہ اور پیہم سرکشی، بے پناہ قوت و اختیار کا خمار اور ایسے ہی غلامانہ زندگی افراد واقوام کے ذہنوں کو بگاڑ دیتی ہے۔ اور انبیاء کرامؑ کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ان بگڑی ہوئی ذہنیتوں کی اصلاح کی جائے تاکہ ایک ایسا معاشرہ معرضِ وجُود میں آجائے جو طاقتور ہونے کے باوجُود انصاف پرست ہو۔ نظم وضبط کا پابند ہونے کے باوجُود غلامانہ بے بسی کا شکار نہ ہو۔ اور اس میں حقوق اور فرائض کے ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہوں۔ لیکن جو بدنصیب اللہ کے پیغمبروں کی مشفقانہ پند وموعظت کو قبول نہیں کرتا اور اپنی گمراہی پر بضد رہتا ہے تو مکافاتِ عمل کا قانون اُسے پیس کر رکھ دیتا ہے اور اُس کا نام ونشان تک صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔

نوعِ انسانی کے عہدِ طفولیت میں ہر قوم کی طرف الگ الگ نبی مبعوث ہوئے جو وقتی اور مقامی ضروریات کے پیشِ نظر اصلاحِ احوال کے لیے کوشاں رہے لیکن آخر میں وہ نبی مکرم اور رسولِ معظم تشریف لایا جس کی دعوت زمان و مکان کی حد بندیوں سے ناآشنا تھی ۔ وہ تمام انسانوں کا قیامت تک کے لیے ہادی و مرشد بن کر جلوہ افروز ہوا تھا ۔ اس لیے اس نے کھلے الفاظ میں یہ اعلان فرما دیا ۔ یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ۔ اے لوگو! میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں ۔ اس مقام پر ان عظیم مقاصد کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے جن کی تکمیل کے لیے اس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تھا ۔

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتُّ آيَاتٍ وَأَرْبَعٌ وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ اعراف مکی ہے اس کی ۲۰۶ آیتیں اور ۲۴ رکوع ہیں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓصٓ ﴿١﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ

الف لام میم صاد۔ یہ کتاب نازل کی گئی ہے آپ کی طرف پس چاہیے کہ نہ ہو آپ کے سینہ میں کچھ تنگی[1]

مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ

اس (کی تبلیغ) سے (یہ نازل کی گئی ہے) تاکہ آپ ڈرائیں اس سے[2] اور یہ نصیحت ہے مومنوں کے لیے[3] (اے لوگو) پیروی کرو جو نازل کیا گیا

[1] یہ سورۃ ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے نازل ہوئی۔ اس وقت کفار و مشرکین کی اسلام دشمنی حدِ کمال تک پہنچ چکی تھی۔ آیاتِ الٰہی کی تکذیب، احکامِ شرعی کا مذاق، مسلمانوں پر جور و جفا اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم و ستم ان کا مقصدِ حیات بن کر رہ گیا تھا۔ انھیں راہِ راست پر لانے کی ساری کوششیں بظاہر بے اثر معلوم ہو رہی تھیں جس سے حضور علیہ السلام کے دلِ نازک کو سخت صدمہ پہنچتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود فرمانِ خداوندی یہ تھا کہ دعوتِ حق دیتے چلو۔ پیغامِ حق سناتے رہو۔ راہِ راست کی طرف بلاتے رہو۔ اس لیے اس سورت کے آغاز میں اپنے محبوبِ کریم کو ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ آپ ان کفار کے معاندانہ رویہ سے تنگ دل نہ ہوں بلکہ اپنا فرض ادا کرتے چلے جائیں۔ اور اس کتابِ مقدس کی تبلیغ میں سرگرم رہیں۔ لفظ حرج۔ حرجۃ سے ماخوذ ہے۔ اور حرجہ گھنے درختوں کے اس جھنڈ کو کہتے ہیں جن کی شاخیں آپس میں اتنی الجھی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان میں سے کوئی گزر نہیں سکتا۔ اور گزرنے والا وہاں پہنچ کر حیران و ششدر ہو جاتا ہے حرج من الحرجة التي هي مجتمع الشجر المشتبك الملتف الذي لا يجد السالك فيه سبيلا واضحا ينفذ منه (المنار) اسی مناسبت سے تنگیٔ دل کو بھی حرج کہتے ہیں کیونکہ مخالفت کی آندھیوں میں انسان پریشان ہو کر گھبرا جاتا ہے۔ اس لیے مفسرین کرام نے اس کا معنی تنگیٔ دل سے کیا ہے۔ حرج ای ضيق ای لا يضيق صدرك بالابلاغ (قرطبی)

[2] آیت کے اس حصہ میں نزولِ قرآن کا مقصد بیان ہو رہا ہے کہ کفار اور منکرین کے لیے تو یہ انذار (ڈرانے) کا کام دیتا ہے اور انھیں بتا رہا ہے کہ اگر تم باز نہ آئے تو تمھارا انجام بڑا عبرتناک ہوگا۔ اور مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے اور انھیں ہر آن وہ عہد یاد دلاتا ہے جو انھوں نے اسلام قبول کرتے وقت اپنے رب سے باندھا تھا۔ ذکر کا معنی ہے صرف یاد کرانا۔ لیکن ذکری کا معنی بہت زیادہ اور بار بار یاد کرانا ہے۔ والذكرى كثرة الذكر وهو ابلغ من الذكر۔ (مفرداتِ راغب)

[3] آیتِ سابقہ میں اپنے رسول کو حکم دیا کہ اس کتاب کی تبلیغ میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھیں اب اپنے بندوں کو ارشاد

اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا

تمھاری طرف تمھارے رب کے پاس سے ۴؎ اور نہ پیروی کرو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی ۔ بہت ہی کم تم نصیحت

تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ

قبول کرتے ہو ۵؎ اور کتنی بستیاں تھیں ۶؎ برباد کر دیا ہم نے انھیں ۔ پس آیا ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت یا

فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے رسول اکرم کے ذریعہ ان کی طرف جو شریعت ، جو احکام نازل کیے ہیں اس کی تعمیل سے سرمو انحراف نہ کریں اور انھیں چھوڑ کر کسی اور نظام قانون کا اتباع نہ کرنے لگیں ۔ علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ جس طرح احکام قرآنی منزل من اللہ ہیں اسی طرح وہ احکام جن کو زبان رسالت نے بیان کیا ہے وہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی رائے نہیں بلکہ وحی الٰہی ہی ہیں یعنی الکتاب والسنۃ (القرطبی) دیعو القرآن والسنۃ لقولہ تعالیٰ وماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی (بیضاوی) علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ ان سے مراد کتاب وسنت دونوں ہیں کیونکہ سنت نبوی بھی منزل من اللہ ہے ۔ ارشاد الٰہی ہے کہ میرا محبوب اپنی ذاتی خواہش سے تو بولتا بھی نہیں ۔ جو بذریعہ وحی اسے حکم ملتا ہے وہی اس کی زبان پر آتا ہے ۔

۴؎ اس سے واضح ہوا کہ قرآن وسنت کی نصوص صریحہ کو چھوڑ کر منکرین حق اور مدعیان باطل کی آراء و افکار کی پیروی مسلمان کے لیے کسی طرح روا نہیں ۔ آج ہماری بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ جہاں کہیں ہم احکام الٰہی اور ارشادات نبوی کو اپنے مفاد اور آسائش سے مزاحم پاتے ہیں اس وقت مصلحت وقت کا بہانہ کر کے قرآن وسنت پر اپنی اھواء اور آراء کو ترجیح دے دیتے ہیں ۔

۵؎ یعنی جب تمھیں نصیحت کی جاتی ہے تو تم کچھ دیر تو اسے یاد رکھتے ہو لیکن قلیل عرصہ کے بعد اسے پھر بالکل فراموش کر دیتے ہو ۔ ما عملاً زائد ہے اور معنی مفہوم قلت کی تاکید کرتا ہے ۔ ای تتذکرون تذکرا قلیلا ۔ (بیضاوی)

۶؎ بسا اوقات انسان اپنی معاشی خوشحالی اور دنیاوی عزوجاہ کی وجہ سے یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ زندگی کا جو راستہ اس نے اختیار کر رکھا ہے وہی راہ راست ہے اور اس کا آفتاب اقبال اسی طرح ہمیشہ درخشاں رہے گا اس لیے وہ کسی رہنما کی دعوت کو غور سے سننا ہی گوارا نہیں کرتا ۔ یہی حالت مکہ کے سرداروں اور دولت مندوں کی تھی ۔ وہ اپنے جاہ و جلال اور عزت و وقار پر اتنے مطمئن تھے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کی طرف متوجہ ہونا ہی غیر ضروری سمجھتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ ان آیات میں ان کی چشم ہوش سے غفلت کا پردہ اٹھانے کے لیے سابقہ قوموں کے عبرت ناک انجام کا ذکر فرماتے ہیں کہ تمھاری طرح وہ بھی دنیا کی فنا پذیر لذتوں میں محو تھے اور ہمارے انبیاء کی دعوت پر غور و فکر تک کرنا اپنے لیے کسر شان سمجھتے تھے لیکن جب انھوں نے ہدایت قبول کرنے سے پیہم انکار کیا تو ایسے لمحوں میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہوا ۔

هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ

جب وُہ دوپہر کو سو رہے تھے پس نہ تھی ان کی (چیخ و) پکار جب آیا ان پر ہمارا عذاب بجز اس کے کہ

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ

انھوں نے کہا بے شک ہم ہی ظالم تھے ۷ سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے ۸ بھیجے گئے (رسول) جن کی طرف اور

لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا كُنَّا

ہم ضرور پوچھیں گے رسُولوں سے پھر ہم ضرور بیان کریں گے ۹ (ان کے حالات) ان پر اپنے علم سے اور نہ تھے ہم

جب کہ وُہ خواب راحت کے مزے لُوٹ رہے تھے۔ ان کو خبر تک نہ ہوئی اور ان کو نیست ونابُود کر دیا گیا۔ اس لیے اے اہلِ مکہ اس ڈھیل پر مت غرُور کرو۔ مہلت کی گھڑیوں کو غنیمت جانو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھیں بھی ایسے ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑے۔ کم خبریہ ہے اور کثرت کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ فجاءھا میں "فا" ترتیب کے لیے نہیں بلکہ محض عطف کے لیے ہے۔ فقال الفراء الفاء بمعنی الواو فلا یلزم الترتیب (قرطبی)۔ اور علامہ بیضاوی نے اھلکنا کا معنی کیا ہے اردنا اھلاک اھلھا یعنی جب ہم نے ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر عذاب بھیجا۔ اس حالت میں "فاء" اپنے معنی پر رہے گی اور بعض علماء نے اسے فاء تفصیلیہ بتایا ہے یعنی ہلاکت کی تفصیل کا بیان ہے کہ بعض قوموں پر رات کو عذاب نازل ہوا جیسے قوم لُوط اور بعض پر دوپہر کے وقت جب وُہ قیلولہ کر رہے تھے جیسے حضرت شعیب کی قوم پر۔ قیلولہ کہتے ہیں دوپہر کے وقت سونا یا صرف آرام کرنا۔ وھی نوم نصف النھار وقیل الاستراحۃ نصف النھار اذا اشتد الحر وان لم یکن معھا نوم۔ (قرطبی)

۷ یعنی جب عذاب الٰہی نے انھیں آپکڑا تو لگے چیخنے پکارنے اور اعترافِ جُرم کرنے۔ لیکن اس وقت ان کی یہ چیخ و پکار اور اظہارِ ندامت ان کے کسی کام نہ آیا اور وُہ تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ آج بھی ہر قوم اور ہر فرد کے لیے ان آیات میں درسِ عبرت موجُود ہے۔

۸ اُمتوں سے بھی بازپُرس ہو گی اور انبیاء و رُسل سے بھی پُوچھا جائے گا۔

۹ اس آیت میں شُبہ کا ازالہ کر دیا گیا جو شاید کسی کو ذہن کے دل میں پیدا ہو کہ کیا اللہ تعالیٰ کو ان باتوں کا علم نہ تھا کہ ان کے متعلق پُوچھنا شروع کر دیا۔ بتایا کہ ہمارے علم سے تو کوئی چیز مخفی نہیں اور ہمارا علم محیط ہر لحظہ ان کو اپنے احاطہ میں لیے ہُوئے تھا۔ اس پرسش میں حکمت یہ ہے کہ خود ان کی زبان سے ان باتوں کو منوا لیا جائے۔

غَآئِبِيْنَ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۣ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

ان سے غائب | اور (اعمال کا) تولنا اس دن برحق ہے نہ | پس جن کے بھاری ہوئے ترازو

نہ اعمال کے وزن سے کیا مراد ہے؟ میزان کی شکل وصورت کیسی ہوگی؟ کس چیز کا وزن کیا جائے گا۔ اعمال کا یا ان صحائف کا جن میں اعمال مرقوم ہوں گے؟ ان سوالات کے متعلق کتب تفسیر میں لمبی چوڑی بحثیں کی گئی ہیں۔ فرقہ معتزلہ کی رائے یہ ہے کہ اعمال اعراض ہیں۔ ان کے مادی اور محسوس اجسام نہیں ہیں۔ اس لیے ان کا وزن کیا جانا ناممکن ہے۔ نیز جب اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اچھے اور برے اعمال پر خوب آگاہ ہے تو پھر انہیں ترازو میں رکھ کر تولنا اور یہ دیکھنا کہ نیکی کا پلڑا جھکتا ہے یا برائی کا۔ یہ سب تکلف محض ہے۔ اس لیے وزن اعمال کا جہاں جہاں ذکر ہوا ہے معتزلہ کے نزدیک اس کا مطلب عدل وانصاف سے فیصلہ کرنا ہے لیکن علماء اہل السنت والجماعت نے ان کی اس رائے کو غلط اور فاسد قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر اس طرح تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر ہر چیز میں تاویل ہو سکتی ہے۔ شیاطین اور جنات سے مراد اخلاق مذمومہ، ملائکہ سے مراد صفات محمودہ اور صراط سے مراد دین حق لیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ سلف صالحین، صحابہ کرام اور تابعین نے اس قسم کی تاویلات کو ہرگز اختیار نہیں کیا۔ نیز اعمال کے تولنے کی غرض وغایت یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کی نیکیاں اتنی ہیں اور برائیاں اتنی۔ جیسے معتزلہ نے سمجھا ہے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ حقائق جو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہیں ان کو آشکارا کر دیا جائے۔ اور ہر خاص وعام کو اپنے اعمال کی حقیقت پر مطلع کر دیا جائے۔ ایسی پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عالم غیب کی جن حقیقتوں سے ہم کو آگاہ کیا گیا ہے اور تقریب فہم کے لیے ان کو بعض ایسے عنوانوں سے تعبیر کیا گیا ہے جن سے ہم مانوس ہیں۔ تو ہم اپنے ذہنوں کی تنگ دامانی کے پیش نظر عالم غیب کے ان حقائق کو بھی ان محسوس قالبوں میں ڈھالنے لگتے ہیں جن کے ہم عادی ہیں۔ اور اس طرح قسم قسم کی الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان امور کو صحیح طور پر سمجھنے کا یہی محفوظ طریقہ ہے کہ جتنا کچھ اس مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے صدق دل سے اس پر ایمان لے آئیں اور اس کی تفصیلات میں جانے کی کوشش نہ کریں۔ قرآن نے بتایا کہ اعمال کا وزن ہوگا اور اس کے لیے ترازو رکھا جائے گا۔ اور سنت صحیحہ نے بتایا کہ اس میزان کے دو پلڑے ہوں گے۔ ہم اس پر بے چون وچرا ایمان لے آئیں۔ وہ ترازو کیسا ہوگا۔ اس کے پلڑوں کی نوعیت کیا ہوگی۔ اور اعمال جو مجردات ہیں ان کو کیونکر تولا جائے گا اس کے علم کو اللہ اور اس کے رسول مکرم کی طرف تفویض کر دیں اور ان کی تفصیلات متعین کرنے میں اپنا وقت ضائع اور ذہن پریشان نہ کریں۔ اگر انسانی عقل نے آج حرارت اور روشنی کے درجات کو ناپنے، ہوا اور پانی کے دباؤ کا اندازہ کرنے کے لیے مقیاس اور آلات ایجاد کر لیے ہیں تو اس قادر مطلق کی قدرت کاملہ سے کیا بعید ہے کہ وہ ایسا ترازو پیدا فرما دے جس میں اعمال نیک وبد کو تولا جا سکے۔ والوزن یومئذ الحق کی ترکیب میں علماء کے دو قول ہیں۔ الوزن موصوف الحق صفت مبتدا اور یومئذ خبر۔ یا الوزن مبتدا۔ اور الحق خبر۔ میں نے ترجمہ میں اس دوسرے قول کو ہی اختیار کیا ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ

تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں اور جن کے ہلکے ہوئے ترازو تو یہ وہ لوگ ہیں

الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹ وَ

جنھوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو بوجہ اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ [۱۱] بے انصافی کیا کرتے تھے اور

لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا

یقیناً ہم نے ہی آباد کیا تمھیں زمین میں [۱۲] اور مہیا کر دیئے تمھارے لیے اس میں زندہ رہنے کے اسباب بہت ہی کم

مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا

تم شکر ادا کرتے ہو اور بے شک ہم نے پیدا کیا تمھیں [۱۳] پھر (خاص شکل و) صورت بنائی تمھاری پھر حکم دیا ہم نے

ع ۱ | ۸

[۱۱] آیات الٰہی سے بے انصافی اور ظلم کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان آیات میں غور و فکر نہ کرتے۔ ہدایت کی جو روشنی ان میں موجود تھی اس سے فائدہ نہ اٹھاتے۔ بلکہ ضد اور عناد کے باعث ان آیات سے منہ موڑے رہتے۔

[۱۲] اپنے احسانات کا ذکر فرما کر اپنے بندوں کو شکر گزاری کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ یعنی وہ ذات پاک جس نے تمھیں اس کرۂ ارضی پر آباد کیا۔ اور مزید برآں اس میں روئیدگی کی وہ صلاحیتیں ودیعت فرما دیں کہ ضرورت کی ساری چیزیں اس سے اُگتی ہیں۔ جا بجا پانی کے چشمے اُبل رہے ہیں۔ اس کے ان احسانات عظیمہ کے پیش نظر تو تم پر واجب تھا کہ تم اس کے احکام کی تعمیل میں ذرا سستی نہ کرتے لیکن یہ کتنی افسوس ناک بات ہے کہ تم پھر بھی ناشکری کرتے ہو۔

[۱۳] پہلے اُن احسانات کا ذکر فرمایا جن سے ہماری زندگی وابستہ تھی۔ اب ہمیں اپنی تخلیق اور ان نوازشات کی طرف متوجہ کیا جن سے ہمیں اور ہمارے باپ اَبُو البشر آدم علیہ السلام کو سرفراز فرمایا گیا تھا۔ کلام میں ایک عقدہ حل طلب ہے۔ ارشاد ہے کہ ہم نے تمھیں پیدا فرمایا پھر تمھیں دلفریب صورت بخشی (ثم قلنا للملئکۃ) پھر ہم نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا حالانکہ ہماری تخلیق اور تصویر سے پہلے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی سب سے پسندیدہ جواب یہ ہے کہ ولقد خلقنٰکم کا معنی ہے ولقد خلقنا اباکم وصورنا کم ای صورنا آدم ثم قلنا للملئکۃ الخ یعنی ہم نے تمھارے باپ آدم کو پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی اور پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے سجدہ کرو۔ اور یہ اسلوب بیان قرآن میں عام ہے کہ خطاب حاضرین کو ہوتا ہے لیکن اس سے مراد ان کے اسلاف ہوتے ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر یہودیوں کو فرمایا گیا واذ انجینٰکم من

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ

فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو[۱۴] تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے[۱۵] نہ تھا وہ سجدہ

السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ

کرنے والوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کس چیز نے روکا[۱۶] تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھے ابلیس نے کہا

مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ

کیونکہ میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور تو نے پیدا کیا اسے کیچڑ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُتر جاؤ

آلِ فرعون یا واذ قتلتم نفسا۔ حالانکہ نجات ان کے آباؤ اجداد کو دی گئی تھی اور قتل بھی اس زمانہ کے بنی اسرائیل نے کیا تھا۔

[۱۴] پیدائش انسان کا اسلامی نظریہ اس نظریہ سے بالکل مختلف ہے جسے ڈارون اور اس کے پیروکاروں نے پیش کیا ہے ان کے نزدیک انسان سلسلۂ ارتقاء حیات کی ایک آخری کڑی ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے اس میں کوئی ذاتی شرف نہیں۔ اپنے نظریہ کی حمایت میں دلائل کا انبار لگانے والے اس گرہ کو آج تک نہ کھول سکے کہ کس طرح حیوان انسان بن گیا۔ اس کے برعکس قرآن کے نزدیک انسان ایک عظیم المرتبت اور جلیل القدر مستقل بالذات مخلوق ہے اس کا ظہور نائب خداوندی کی حیثیت سے ہوا ہے۔ اس کے علم کا سمندر ساحل آشنا نہیں۔ اس کی تخلیقی قوتیں بے اندازہ ہیں یہ تسلیم کہ اس کا خمیر خاک کے ذروں سے اٹھایا لیکن نفخت فیہ من روحی (میں نے اپنی روح اس میں پھونک دی) کی آمیزش سے یہ ذرّے رشکِ مہر وماہ بن گئے۔ یہاں تک کہ نوری کائنات کو ازراہِ تعظیم ان کے سامنے سربسجود ہونا پڑا۔ وہ انسان جو حیوان کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اس انسان سے کتنا پست اور فروتر ہے جو سطحِ زمین پر اللہ کے نائب کی حیثیت سے جلوہ نما ہوا جس کے علوم کی وسعت نے عالمِ بالا کے مکینوں کو سراسیمہ کر دیا۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ انسانی عظمت وشرافت کا علمبردار اسلام ہے یا ڈارون اور اس کے پرستار۔

[۱۵] اس کے متعلق توضیحی نوٹ سورۂ بقرہ میں گزر چکے ہیں۔ ملاحظہ ضیاء القرآن جلد اول آیت ۳۴، البقرہ

[۱۶] بسا اوقات کسی چیز کی قدر وقیمت کا اندازہ لگاتے وقت اس کی ظاہری شکل وصورت کو ہی پیش نظر رکھا جاتا ہے اور اس کے جوہرِ ذاتی سے قطع نظر کر لی جاتی ہے۔ ابلیس کو فقط یہی یاد رہا کہ آدم کی تخلیق خاک سے اور اس کی آگ سے ہوئی ہے اور آگ افضل ہے خاک سے۔ اس لیے افضل کو یہ کب زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے سے کمتر کو سجدہ کرے۔ اس نادان کو یہ سمجھ نہ آئی کہ آدم کے سر پر تو خلافتِ ارضی کا تاج ہے۔ اس کا دل وہ آئینہ ہے جس میں آفتابِ حقیقت کی کرنیں نور افشاں ہیں

مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ

یہاں سے ۱۶ مناسب نہیں ہے تیرے لیے کہ تو غرور کرے یہاں رہتے ہوئے پس نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں

الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ

سے ہے ۱۸ بولا مہلت دے مجھے اس دن تک جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے ۱۹ اللہ نے فرمایا بے شک تو

نفخت فیه من روحی کا ستر نہاں اُس سے اوجھل رہا۔ اُسے یہ بھی نہ سوجھی کہ جب نُور سجدہ کُناں ہے تو نار کو سجدہ کرنے میں تامل کیوں ہو۔ بعض لوگ حضور رحمۃ للعالمین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کی ظاہری بشریت میں یوں کھو کر رہ جاتے ہیں کہ حقیقتِ محمدیہ کی جلوہ سامانیوں کو ان کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی ہے

دل بینا بھی کر خدا سے طلب! آنکھ کا نُور دل کا نُور نہیں

اور یہ بھی اُس کی سراپا غلط فہمی تھی کہ آگ خاک سے افضل ہے۔ حالانکہ اپنی صفات و خاصیات کے اعتبار سے جو رفعت خاک کو حاصل ہے وُہ آگ کو نصیب نہیں۔ متانت و وقار، حلم و صبر خاک کے خواص ہیں۔ اس کے برعکس طیش و تیزی غرور اور ارتفاع آگ کے لوازم ہیں۔ اسی وجہ سے آدم سے لغزش ہوئی تو فوراً نادم ہو کر تائب ہوئے اور مقامِ قرب پر فائز ہوئے ثم اجتباہ ربه فتاب علیه وھدی۔ اور ابلیس سے نافرمانی ہوئی تو وُہ اس پر اَڑ گیا اور ابدی شقاوت کا شکار ہو گیا۔

۱۷ے نکل جاؤ، ہماری بارگاہِ قُرب و رحمت میں صرف ان کے لیے جگہ ہے جو ہمارے ہر حکم کے سامنے سرافگندہ ہوں اکڑی ہوئی گردن والوں کا یہاں کیا کام حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسُول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ لا یدخل الجنة احد فی قلبه مثقال ذرة من خردل من کبر (مسلم) یعنی جس کے دل میں رائی کے دانہ جتنا غرور ہو گا اس پر جنت کے دروازے بند ہوں گے۔

۱۸ے صاغر اُس ذلیل و حقیر کو کہتے ہیں جو اپنی ذلت اور پستی پر خوش ہو۔ الصاغر الراضی بالمنزلة الدنیة (قاموس) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ذلیل و حقیر ہوتا ہے۔ شیطان کس مقامِ عزت پر فائز تھا۔ اور جب حکمِ الٰہی سے سرتابی کی تو ذلت و رسوائی کی پستیوں میں پھینک دیا گیا۔

۱۹ے حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ اسے مہلت دی جائے اور جب تک یہ دُنیا موجود ہے اس وقت تک حق و باطل کی آویزش جاری رہے۔ اس لیے اس کی درخواست قبول کر لی گئی۔

مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿١٥﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ

مُہلت دیئے ہُوؤں میں سے ہے۔ کہنے لگا اس وجہ سے کہ تُو نے مجھے ۲۰؎ (اپنی رحمت سے) مایُوس کر دیا ہے میں ضرور تاک میں بیٹھوں گا ان (کو گمراہ کرنے)

۲۰؎ کوئی ٹھوکر کھا کر سنبھل جائے تو اس کی خوش نصیبی، اور جو ٹھوکر کھا کر سنبھلنا تو درکنار جان بُوجھ کر ٹھوکر پر ٹھوکر کھاتے چلے جانا ہی اپنا شیوہ بنالے تو اُسے ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے کیوں بچایا جائے۔ شیطان نے ایک حکم عدُولی کی۔ اس پر نادم اور تائب ہونے کے بجائے اور اکڑتا چلا گیا اور آدم کے حسد نے اسے یُوں حواس باختہ اور گُستاخ کر دیا کہ ربُّ العزّت کو چیلنج دے دیا کہ جس انسان کی تُو نے اتنی تکریم کی ہے اور جس کو سجدہ نہ کرنے کے جُرم میں تو نے مجھے اپنی درگاہِ رحمت سے دھتکار دیا ہے۔ ان کو میں اپنے مکر و فریب کے شکنجہ میں یُوں کسُوں گا کہ وُہ تیرے نافرمان اور میرے فرماں بردار بن جائیں گے۔ لفظی تشریح: با سببیہ ہے۔ اغواء کا استعمال مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ کسی کو راہِ راست سے بھٹکا دینے کو بھی اغواء کہتے ہیں۔ کسی کو ایسا حکم دینا جس کی نافرمانی اس کی گمراہی کا باعث بن جائے اس کو بھی اغواء کہا جاتا ہے۔ نیز کسی کو اس کی گمراہی کی سزا دینے کو بھی اغواء کہتے ہیں۔ جیسے ان کان اللّٰہ یرید ان یغویکم یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہاری گمراہی کی تمہیں سزا دے۔ اس آیت میں آخری دو معنی مُراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو سجدہ نہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن کیونکہ اس حکم سے سرتابی شیطان کی گمراہی کا سبب بن گئی اس لیے اغویتنی کے لفظ سے تعبیر کیا جو لفظ اغواء کا دُوسرا معنی ہے۔ یا آدم کو سجدہ نہ کرنے کی سزا میں اسے جنّت سے نکال دیا گیا تھا اس لیے یہ لفظ استعمال کیا جو اس کا تیسرا معنی ہے۔ یہ شیطان کی دُوسری بے سمجھی تھی کہ وُہ اس بات پر پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ اسے ایسا حکم ہی کیوں دیا گیا جس کی تعمیل کے لیے وُہ تیار نہ تھا۔ حالانکہ اس کا کام حکمِ الٰہی کے سامنے بے چُون و چرا سر جھکا دینا تھا نہ کہ اس بحث میں اُلجھنا کہ ایسا حکم کیوں دیا اور ایسا کیوں نہ دیا۔ واغواہ فھو غوی ومنہ قولہ تعالیٰ حکایۃ عن ابلیس فبما اغویتنی ای اضللتنی و قیل فبما دعوتنی الی شیئ غویت بہ واما قولہ تعالیٰ ان کان اللّٰہ یرید ان یغویکم فقیل معناہ ان یعاقبکم علی الغی وقیل یحکم علیکم بغیکم (تاج العروس) علامہ قرطبیؒ نے اغواء کے دو مزید معنے مایُوس کرنا اور ہلاک کرنا بھی بیان کیے ہیں۔ وقیل خیبتنی من رحمتک وقیل المعنی فبما اھلکتنی بلعنک ایای والاغواء الاھلاک (قرطبی) ترجمہ میں میں نے علامہ قرطبیؒ کے بیان کردہ پہلے معنی کو ہی اختیار کیا ہے۔ ابلیس کی بے باکی اور گستاخی سے یہ بھی بعید نہیں کہ وُہ اپنی غلطی کا الزام اللہ تعالیٰ پر لگا رہا ہو کہ تو نے مجھے گمراہ کیا جیسے شریر مجرموں کا دستور ہے۔

الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ

کے لیے تیرے سیدھے راستہ پر پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس ۲۱ (بہکانے کے لیے) ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے

وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۗ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾

اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثر کو شکر گزار

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۗ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ

فرمایا نکل جا یہاں سے ذلیل (اور) راندہ ہوا ۲۲ جس کسی نے پیروی کی تیری ان سے تو یقیناً میں بھر دوں گا

جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٨﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

جہنم کو تم سب سے اور اے آدم! رہو ۲۳ تم اور تمھاری بیوی جنت میں

۲۱ یعنی میں اولادِ آدم کو راہِ راست سے بھٹکانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اُنھیں ہر سمت سے اپنے گھیرے میں لے لوں گا۔ شکوک و شبہات کے کانٹے چبھوؤں گا۔ ان کے سامنے نیکی کے راستہ میں سدِ سکندری بن کر کھڑا ہو جاؤں گا۔ اور اگر یہ کوئی نیکی کر بیٹھیں گے تو اس میں ریا کی زہر گھولنے کی سعی کروں گا۔ غرضیکہ اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کروں گا۔
ای لاصدنهم عن الحق وارغبهم فی الدنیا واشککهم فی الاخرة (قرطبی)

۲۲ مذءوم اور مذموم دونوں ہم معنی ہیں۔ قال ابن زید مذءوما ومذموما بمعنی سواء (قرطبی)

۲۳ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں ابلیس جنت سے نکال دیا گیا۔ اور آدم و حوا کو نعیمِ جنت سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن یہ گل و ریحان کی وادی جہاں لطف و سرور اور نکہت و نور کی نسیم محوِ خرامِ ناز تھی، ایک ایسے راہرو کی آخری منزل نہیں ہو سکتی جس کے ناصبور دل اور سیمابی فطرت کی قسمت میں کانٹوں کو پھول، ریگستانوں کو گلستان اور ظلمت کدوں کو بقعۂ نور بنانا لکھا جا چکا تھا۔ کوثر و سلسبیل کی زم زم خیز موجیں اس دل کو نہ بہلا سکیں جس کو اس کے خالق نے طوفان خیز سمندروں کو زیرِ نگیں کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ اب اس کو گوشۂ عافیت سے نکال کر عمل کے میدان میں لا کھڑا کرنے کی دو صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ تسبیح و تہلیل کرتے ہوئے فرشتوں کا ایک جلوس ہمراہ ہوتا اور آدم کی سواری جنت سے روانہ ہو کر اس خاکدانِ ارضی میں اترتی۔ دوسری صورت وہ تھی جو اختیار کی گئی۔ بظاہر پہلی صورت شانِ آدم کے زیادہ شایاں معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی مقتضی نہ ہوئی۔ اس طرح بے شک آپ نازو نعمت اور عزت و جاہ کے مظہر بن کر تو ظاہر ہوتے لیکن سوزِ عشق، دردِ فراق، آتشِ شوق، نیازمندی اور نالہ و زاری کے بلند لطیف

فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا

اور کھاؤ جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس (خاص) درخت کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے

مِنَ الظّٰلِمِينَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا

اپنا نقصان کرنے والوں سے ۲۴ پھر وسوسہ ڈالا ۲۵ ان کے (دلوں) میں شیطان نے تاکہ بے پردہ کر دے ان کے لیے

اور پاکیزہ جذبات سے آپ کے دل کی دنیا نا آشنا رہتی اور قرب و رضا کا وہ مقام جو محض عجز و انکساری، گریہ و زاری، دل کی بے چینی اور روح کی بے قراری کے عوض بخشا جاتا ہے وہاں تک آپ کی رسائی نہ ہوتی۔ اس لیے قصد و نیت کے بغیر اس شجر ممنوعہ کو چھو بیٹھے۔ غیرت الٰہی اتنا بھی برداشت نہ کر سکی زیر عتاب لا کر جنت سے نکال دیا۔ نگاہِ کرم کے برگشتہ ہونے سے غم و اندوہ کے بادل گھر آئے۔ شور و فغاں کی بجلیاں کڑکنے لگیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جس نے شجر محبت کی آبیاری کی۔ ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے دل کے سوز و گداز نے اسے زندگی کی حرارت بخشی۔ یہاں تک کہ آپ کی وہ ساری کی ساری صلاحیتیں بیدار ہو گئیں جن کا خلافتِ الٰہی کے تخت پر متمکن ہونے سے پہلے بیدار ہونا ضروری تھا۔ فظهر سر الخلافة والمحبة والمحنة والتحقق بمظاهر الجمال والجلال كالتواب والغفور والعفو والقهار والستار (روح البیان) ترجمہ۔ یوں گریہ پیہم کی برکت سے خلافت کا راز آشکارا ہوا۔ محبت اور محنت کی حقیقت پر آگاہی حاصل ہوئی۔ اور جمال و جلالِ خداوندی کے آپ مظہر بنے۔ مختلف اسماء حسنیٰ تواب، غفار، قہار اور ستار کی جلوہ نمائی ہوئی۔

۲۴ے صاحب تاج العروس نے لفظ ظلم کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ظلم کا لغوی معنی نقصان اور خسارہ ہے۔ اس تحقیق کے مطابق اس آیت کا وہ معنی ہو گا جو میں نے کیا ہے۔ نقل شيخنا عن بعض ائمة الاشتقاق ان الظلم في اصل اللغة النقص (تاج العروس) اور بطور استشہاد یہ آیت پیش کی ہے۔ وكلتا الجنتين آتت اكلها ولم تظلم منه شيئاً اي ولم تنقص۔ ویسے لفظ ظلم کا استعمال حق سے تجاوز کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے خواہ وہ تجاوز زیادہ ہو یا تھوڑا۔ اسی وجہ سے کفر، شرک اور گناہ کبیرہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور گناہ صغیرہ پر بھی۔ اسی لیے شیطان کو بھی ظالم کہا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کو بھی۔ اگرچہ ان دونوں کے ظالم ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ والظلم يقال في مجاوزة الحق الذي يجري مجرى نقطة الدائرة ويقال فيما يكثر ويقل من التجاوز ولهذا يستعمل في الذنب الكبير وفي الذنب الصغير ولذلك قيل في آدم في تعديه ظالم وفي ابليس ظالم وان كان بين الظلمين بون بعيد (مفردات)

۲۵ے علامہ ابو عبداللہ القرطبی نے وسوسہ کے دو معنی لکھے ہیں۔ ۱۔ الصوت الخفي۔ دھیمی دھیمی آواز۔ (۲) حديث النفس:

وُرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ

جو ڈھانپا گیا تھا ان کی شرم گاہوں سے ۲۶ اور (انہیں) کہا کہ نہیں منع کیا تمہیں تمہارے رب نے اس

الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ

درخت سے مگر اس لیے کہ کہیں نہ بن جاؤ تم ۲۷ دونوں فرشتے یا کہیں نہ ہو جاؤ ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے اور

دل کے خیالات شیطان نے کس طرح آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا؟ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ آدم علیہ السلام جنت کے دروازے پر آئے اور شیطان نے چپکے سے ان کو یہ بات کہہ دی بعض کی رائے یہ ہے کہ وُہ سانپ کے مُنہ میں داخل ہو کر جنت میں گیا اور آدم کو بہکایا وغیرہ وغیرہ لیکن زیادہ صحیح رائے حضرت حسن بصریؒ کی ہے کہ شیطان کو یہ قوت دی گئی تھی کہ وُہ زمین پر رہتے ہُوئے آدم وحوا کے قلوب میں وسوسہ ڈال سکے۔ قال الحسن کان یوسوس من الارض الی السماء والی الجنة بالقوة الفوقية التی جعله الله تعالیٰ له (رازی) وقیل من خارج السلطنة التی جعلت له (قرطبی) صوفیا کرام کے نزدیک تو دور سے توجہ باطنی کا اثر مسلمات سے ہے لیکن حکماء و فلاسفہ بھی اس کے منکر نہیں۔ قدیم فلاسفۃ اشراقیین دُور دراز سے محض اپنی قلبی توجہ سے اپنے شاگردوں کی اصلاح و تربیت کیا کرتے تھے۔ مسمریزم میں بھی عامل محض اپنی توجہ سے معمول کو بے ہوش کرتا ہے اور اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام کراتا ہے۔

۲۶ لام عاقبت کے لیے ہے یعنی شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنتی لباس اُتار دیا گیا اور وُہ اپنے آپ کو برہنہ دیکھنے لگے۔

۲۷ اس نے وسوسہ یہ ڈالا کہ یہ درخت جس کے قریب جانے سے ہی تمہیں روک دیا گیا ہے اس کی تاثیر یہ ہے کہ جو اس کا پھل کھائے گا اس میں فرشتوں کے سے خصائص پیدا ہو جائیں گے اور اُسے حیات جاوید نصیب ہو جائے گی۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ جب آپ مسجودِ ملائک تھے تو پھر آپ کے دل میں اپنے سے فروتر مخلوق بننے کا شوق کیسے پیدا ہوا؟ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ فرشتے زندۂ جاوید ہیں اس لیے آپ کے دل میں بھی ہمیشہ زندہ رہنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ طمع آدم فی الخلود لانه علم ان الملائکة لا یموتون الی یوم القیامة (القرطبی) بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ملائکہ انبیاء سے افضل ہیں۔ اس کا جواب علامہ بیضاوی نے یہ دیا ہے کہ آدم علیہ السلام کا مقصد یہ نہ تھا کہ ان کی حقیقت بشری حقیقتِ ملکی سے بدل جائے کیونکہ ایسا ہونا تو ناممکن تھا۔ آپ کا مدعا صرف یہ تھا کہ فرشتوں کے فطری کمالات اور طبعی خصوصیات مثلاً کھانے پینے سے استغناء وغیرہ سے بھی آپ کو متصف کر دیا جائے اس سے ملائکہ کی فضیلت مُطلقہ ثابت نہیں ہوتی۔ وجوابه انه کان المعلوم ان الحقائق لا تنقلب وانما کانت

فَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝٢١ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا

قسم اٹھائی ان کے سامنے کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ۲۸؎ پس شیطان نے نیچے گرا دیا ان کو دھوکے سے ۲۹؎ پھر جب

ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

دونوں نے چکھ لیا درخت سے تو ظاہر ہو گئیں ان پر ان کی شرم گاہیں اور چپکانے لگ گئے اپنے (بدن) پر

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا

جنت کے پتے اور ندا دی انھیں ان کے رب نے کیا نہیں منع کیا تھا میں نے تمھیں اس

الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝٢٢ قَالَا

درخت سے اور کیا نہ فرمایا تھا تمھیں کہ بلاشبہ شیطان تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے دونوں نے

رغبتهما في ان يحصل لهما ما للملائكة من الكمالات الفطرية والاستغناء عن الاطعمة والاشربة وذلك لا يدل على فضلهم مطلقا (بیضاوی)

۲۸؎ ابلیس نے اپنی بات کا یقین دلانے کے لیے اللہ کا نام لے لے کر قسمیں کھائیں۔ آدم علیہ السلام اب اس کو جھٹلا نہ سکے کیونکہ یہ بات آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی کہ شیطان لاکھ نافرمان اور بے ایمان اور میرا دشمن سہی لیکن وہ جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے۔ کریم الفطرت انسان کا اپنی پاک نفسی کے باعث کسی عیار کے مکر و فریب میں آجانا کوئی مشکل بات نہیں ہے

ان الكريم اذا تشاء خدعته

وترى اللئيم مجربا لا يخدع

(ابن نفطویہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب اپنے کسی غلام کو عبادتِ الٰہی میں ذوق و شوق سے سرگرم دیکھتے تو اسے آزاد کر دیتے۔ چنانچہ آپ کے اکثر غلام اپنے آپ کو آزاد کرانے کے لیے لمبی لمبی نمازیں پڑھا کرتے اور آپ حسب عادت انھیں آزاد کر دیتے۔ آپ کو عرض کی گئی کہ آپ کے غلاموں کی یہ عبادتیں اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ آپ کو فریب دینے کے لیے ہیں۔ تو آپ فرماتے۔ من خادعنا بالله انخدعنا: جو ہمیں اللہ کے نام سے دھوکہ دیتا ہے ہم اس کے دھوکہ میں آنے کے لیے تیار ہیں۔

۲۹؎ تَدْلِیَہ اور اِدْلاء دونوں کا معنی ہے کسی چیز کو اوپر سے نیچے لے جانا۔ فان التدلية والادلاء ارسال الشيء من اعلى الى اسفل (بیضاوی) یعنی شیطان نے آپ کو دھوکا اور فریب سے اپنے مرتبہ رفیعہ سے نیچے گرا دیا جنت کی بلندیوں

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

عرض کی اے ہمارے پروردگار! ۳۰ ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشش فرمائے تو ہمارے لیے اور نہ رحم فرمائے ہم پر تو یقیناً ہم نقصان

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي

اُٹھانے والوں سے ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیچے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے زمین

الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ

میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک (نیز) فرمایا اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور

فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ

اسی میں مرو گے اور اسی سے تم اُٹھائے جاؤ گے ۳۱ اے اولادِ آدم ۳۲ بیشک اُتارا ہم نے تم پر

سے زمین کی پستیوں میں پہنچا دیا۔

۳۰ے اگرچہ یہ خطا سہواً اور بلا قصد سرزد ہوئی تھی لیکن آدم علیہ السلام سراپا ندامت بن کر توبہ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ کاملین کا یہی شیوہ ہے کہ معمولی سی خطا پر بھی کانپ اُٹھتے ہیں اور آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں۔ اور اپنی عمر بھر کی عبادتوں اور ریاضتوں کو پرکاہ کی اہمیت بھی نہیں دیتے۔ بلکہ اپنے رب کریم کے دامنِ رحمت میں ہی پناہ تلاش کرتے ہیں۔ علی عادۃ الاولیاء والصالحین فی استعظامهم الصغير من السيئات واستصغارهم العظيم من الحسنات (کشاف) امام ابی حیان اندلسیؒ نے یہاں خوب لکھا ہے کہ پانچ چیزیں آدم کی نجات کا باعث بنیں۔ (۱) اپنی غلطی کا اعتراف (۲) اس پر ندامت (۳) اپنے آپ کو اس پر ملامت کرنا (۴) توبہ (۵) اور رحمتِ الٰہی پر آس۔ اور پانچ چیزیں شیطان کی تباہی کا باعث بنیں (۱) اپنے جرم کو تسلیم نہ کرنا (۲) نادم نہ ہونا (۳) ارتکابِ جرم پر اپنے آپ کو ملامت نہ کرنا بلکہ اس کے صادر ہونے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دینا (فبما اغويتني) (۴) توبہ نہ کرنا (۵) اور رحمتِ الٰہی سے مایوس ہو جانا۔

۳۱ے یعنی تمہارا مسکن اصلی و معاد یہی زمین ہے اگر خرقِ عادت کے طور پر کوئی شخص کسی وقت ایک معین وقت کے لیے اس سے اُوپر اٹھا لیا جائے مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیا جو شخص چند روز یا چند گھنٹے کے لیے زمین سے جدا ہو کر ہوائی جہاز میں مقیم ہو یا فرض کیجئے وہیں مر جائے وہ فیها تحيون و فيها تموتون کے خلاف ہو گا؟ کیونکہ وہ اس وقت زمین پر نہیں ہے معلوم ہوا کہ اس قسم کے قضایا کلیہ کے رنگ میں استعمال نہیں ہوتے۔ (حاشیہ علامہ عثمانی)

۳۲ے عرب کے بعض مشرک قبیلے طوافِ کعبہ کے وقت اپنا لباس اُتار دیتے۔ مرد اور عورتیں مادر زاد برہنہ ہو کر طواف کرتے۔ اور

لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ

لباس جو ڈھانپتا ہے تمھاری شرمگاہوں کو اور باعثِ زینت ہے۔ اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے ۳۳؎

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ۳۴؎ اے اولادِ آدم! نہ فتنہ میں مبتلا کر دے تمھیں

اسے کمال تقویٰ خیال کیا جاتا۔ نہ صرف عرب بلکہ دنیا کی اکثر قوموں میں اپنی مذہبی رسوم و عبادات کی ادائیگی کے وقت شرم و حیا کی چادر اتار پھینکتی ہیں۔ ہردوار اور بنارس میں اشنان کرنے والوں کے متعلق کسے معلوم نہیں کہ وہاں عریانی اور برہنگی کا کتنا شرمناک مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اور آج تو ثقافت و فن کی کسی محفل میں گرمی پیدا ہی نہیں ہوتی جب تک شرم و حیا کی ساری قدروں کو پاؤں تلے نہ روند ڈالا جائے۔ اس لیے یہاں خطاب کسی خاص قوم یا قبیلہ کو نہیں بلکہ لباس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ساری اولادِ آدم کو خطاب فرمایا جا رہا ہے۔ آیت میں لباس کے دو فائدے بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سترِ عورت کا کام دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ انسان کی آسائش اور زینت کا باعث ہے۔

لفظی تحقیق: انزلنا کا لغوی معنی تو اوپر سے نیچے اتارنا ہے۔ یہاں لباس کے لیے اس کا استعمال بطور مجاز ہے۔ یعنی بارش جو کپاس وغیرہ کی روئیدگی اور حیوانات (جن کی اون سے گرم کپڑے بنتے ہیں) کی زندگی کا سبب ہے۔ وہ کیونکہ اوپر سے نازل ہوتی ہے تو گویا لباس بھی اوپر سے ہی نازل ہوا۔ تسمیۃ المسبب باسم السبب۔ اور بعض علماء نے کہا انزل بمعنی خلق ہے۔ اور یہ استعمال بھی عام ہے۔ جیسے وانزل لکم من الانعام ثمانیۃ ازواج۔ سوأۃ: جسم کا وہ حصہ جس کا ننگا کرنا قبیح ہو۔ شریعتِ اسلامیہ میں مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنوں تک ڈھانپنا ضروری ہے اور عورت کے لیے نامحرم سے سارے بدن کا ڈھانپنا لازمی ہے۔ ریش: پرندوں کے پر و بال۔ وہ ان کے لیے زیب و زینت کا باعث بھی ہیں۔ اسی طرح لباس انسان کے لیے۔

۳۳؎ دنیا کا کوئی قیمتی سے قیمتی لباس بھی اس کی خوبصورتی اور پائیداری کا مقابلہ نہیں کر سکتا ؎

اذا المرء لم یلبس ثیابا من التقی تقلب عریانا وان کان کاسیا

جب تک کوئی شخص تقویٰ کا لباس زیبِ تن نہ کرے گا تو وہ ننگا ہے اگرچہ اس نے کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔

وخیر لباس المرء طاعۃ ربہ ولا خیر فیمن کان للہ عاصیا

اطاعتِ خداوندی سب سے بہتر لباس ہے اور جو اللہ کا نافرمان ہو اس میں نام کو بھلائی نہیں ہے

۳۴؎ لباس، اس کے لیے ایسے مواد کا مہیا کر دینا جس سے یہ تیار ہو سکے، اس کے علاوہ انسان میں لباس کی خواہشیں ودیعت کر دینا، پھر اسے لباس تیار کرنے کی سمجھ عطا فرما دینا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور علم کی ناقابلِ انکار دلیلیں ہیں۔

الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا

شیطان ۳۵ جیسے نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے (اور) اتروا دیا ان سے ان کا لباس

لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ

تا کہ دکھلا دے انہیں ان کے پردہ کی جگہیں۔ بے شک دیکھتا ہے تمہیں وُہ اور اس کا کنبہ جہاں سے تم نہیں دیکھتے ہو انہیں ۳۶

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا

بلاشبہ ہم نے بنا دیا ہے شیطانوں کو دوست ان کا جو ایمان نہیں لاتے ۳۷ اور جب کرتے ہیں کوئی

فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ

بے حیائی کا کام ۳۸ (تو) کہتے ہیں پایا ہم نے ایسا ہی کرتے ہوئے اپنے باپ دادا کو اور اللہ نے بھی ہمیں حکم دیا اس کا۔ آپ فرمائیے بے شک

۳۵ قصہ آدم بیان کرنے کا مدعا اور مقصد بتا دیا کہ اے اولادِ آدم اس شیطان کے مکر و فریب سے بچنا جو تمہارا ازلی دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ جیسے اس نے تمہارے باپ کو دھوکہ دیا تمہیں بھی وُہ راہِ حق سے منحرف کر دے اور تم بھی معتوب ہو جاؤ۔

۳۶ وُہ دشمن جو دین و ایمان کا دشمن ہو اور کھل کر سامنے نہ آئے بلکہ غیر مرئی طور پر رگ و ریشہ میں نفوذ کر جائے اور دوست اور خیر خواہ کا رُوپ بھر کر دل میں وسوسہ اندازی کرے اس کی طرف سے تغافل برتنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اس لیے اس سے چوکنا رہنے کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے۔ حضرت ذُوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ اگر تیرا دشمن ایسا ہے کہ وُہ تجھے دیکھتا ہے اور تو اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ تو ایک ایسی ہستی (اللہ تعالیٰ) کی پناہ میں آجا جو تیرے دشمن کو دیکھتا ہے لیکن وُہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔ قال ذوالنون ان کان هو یراك من حیث لا تراه فاستعن بمن یراه من حیث لا یراه وهو الله الغفار الستار۔ (مظہری)

۳۷ کفار کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے وُہ اللہ اور اس کے رسُول کو اپنا دوست اور مددگار بنا لیں اور چاہے شیطان کے ساتھ اپنی دوستی کا رشتہ جوڑ لیں۔ جب انھوں نے شیطان کی دوستی کو ترجیح دی تو ہم نے ان کو روکا نہیں بلکہ جس کو انھوں نے دوست بنانا چاہا انھیں اس کو دوست بنانے دیا۔ انا جعلنا کا یہی مطلب ہے اور اس کی تائید بعد میں آنے والی آیت کر رہی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شیطان اور کفار کے درمیان دوستی اور محبت کا رشتہ ہم نے مستحکم کیا اور ان کو اس کی دوستی پر مجبور کر دیا۔

۳۸ فاحشہ کہتے ہیں اس چیز کو جو حد درجہ قبیح اور معیوب ہو۔ فعلة متناهية فی القبح (بیضاوی) یہاں اس سے

اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اللہ حکم نہیں دیتا بے حیائیوں کا ۳۹؎ کیا ایسی بات لگاتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

آپ فرمائیے حکم دیا ہے میرے رب نے ۴۰؎ عدل و انصاف کا اور سیدھا کرو اپنے چہرے (قبلہ کی طرف) ہر نماز کے وقت

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ ۭ

اور عبادت کرو اس کی اس حال میں کہ تم خالص کرنے والے ہو اس کے لیے عبادت کو جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا تھا تمھیں ایسے ہی تم لوٹو گے

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا

ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دے دی اور ۴۱؎ ایک گروہ ہے کہ مقرر ہو گئی ان پر گمراہی انھوں نے بنا لیا

مُراد اُن کے سارے عقائدِ باطلہ اور اعمالِ قبیحہ ہیں۔ والظاهر انه يعم كل كبيرة (مظہری) یعنی جب کبھی انھیں ایسی بیہودگیوں سے روکا جاتا تو وُہ کہنے لگتے کہ ہمارے باپ دادا کا یہی طریقہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں یہی حکم دیا ہے۔

۳۹؎ ایسے قبیح اعمال اور باطل عقائد جن کو عقلِ سلیم قبول نہیں کر سکتی اللہ تعالیٰ ان کا حکم کیسے دے سکتا ہے۔

۴۰؎ بیانِ مفہوم سے پہلے چند الفاظ کی تحقیق ضروری ہے۔ (۱) القسط وهو الوسط من كل امر المتجافي عن طرفي الافراط والتفريط (بیضاوی) یعنی اعتقاد و عمل میں ہر طرح کی بے راہ روی اور افراط و تفریط اور مبالغہ آمیزی سے دامن بچا کر درمیانہ روی اختیار کرنا۔ (۲) اقیموا: اقامة الشيء اعطاء الشيء حقه وتوفيته شروطه: یعنی کسی چیز کو کما حقہ اس کی تمام شرائط کو پُورا کرتے ہُوئے ادا کرنا۔ (۳) الوجه: المراد منه توجه القلب وصحة القصد (المنار) دل کی توجہ اور نیتِ صحیحہ (۴) مسجد: ظرفِ زمان بھی ہے اور ظرفِ مکان بھی یعنی سجدہ کرنے کا وقت یا سجدہ کرنے کی جگہ۔ (۵) ادعوه اعبدوه۔ عبادت کرو (بیضاوی، ترجمہ شاہ ولی اللہؒ وغیرہا) آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان واہیات باتوں کا حکم نہیں دیا جیسے کفار کا دعویٰ ہے بلکہ اس کا فرمان تو یہ ہے کہ ہر بات میں میانہ روی اختیار کریں۔ افراط و تفریط سے دُور رہیں نماز کے وقت خضوع و خشوع کے ساتھ دل کی ساری توجہ یادِ الٰہی میں مرکوز کر دیں اور اس کی عبادت میں کسی اور کو کسی طرح شریک نہ کریں۔

۴۱؎ یعنی وُہ لوگ جنھوں نے اللہ کی دی ہوئی سمجھ سے صحیح کام لیا اور اس کے عطا فرمودہ اختیار اور آزادی کو اس کے حکم کا پابند بنا دیا انھیں راہِ ہدایت دکھا دی گئی اور اس پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما دی گئی۔ اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر

الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

شیطانوں کو (اپنا) دوست اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

اے آدم کی اولاد! پہن لیا کرو اپنا لباس ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ

اور فضول خرچی نہ کرو بے شک اللہ نہیں پسند کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو۔ آپ فرمائیے کس نے حرام کیا ۴۲ اللہ کی زینت کو

شریروں اور مفسدوں سے دوستی و محبت کا رشتہ جوڑ لیا۔ ان کے مقدر میں گمراہی لکھ دی گئی اور وہ بدنصیب اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں عین صواب ہے۔ اور یہ صرف اس وقت کے باطل پرستوں کا خیال نہ تھا بلکہ آج بھی راہِ حق سے بھٹکے ہوئے افراد اور قومیں بڑی شد و مد اور وثوق سے اپنی گمراہی کو عین حق کہتی ہیں۔ ان پر گمراہی مسلط کرنے کی وجہ بیان فرما دی کہ انھوں نے خود شیطان کی رفاقت اختیار کی اور اللہ اور اس کے رسول کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور خود کردہ را علاج۔

۴۲ے جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے کہ کفار کپڑے اتار کر طواف کرنے کو کمال تقویٰ خیال کیا کرتے تھے۔ نیز حج کے دنوں میں گھی اور گوشت کا استعمال بھی ترک کر دیتے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمان صاف و سفید احرام کی چادریں زیب تن کر کے مصروفِ طواف ہیں اور گھی گوشت وغیرہ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں تو یہ طریق کار انھیں اپنے زہد و تقویٰ کے معیار سے بہت فروتر معلوم ہوا تو لگے مسلمانوں پر زبانِ طعن دراز کرنے اور ان پر دنیا پرستی اور لذت طلبی کا الزام لگانے۔ قرآن فرماتا ہے کہ زینت و آرائش کی جن چیزوں اور عمدہ لذیذ کھانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال کیا ہے کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے انھیں حرام اور ممنوع قرار دے دے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے عمدہ لباس کے علاوہ زیب و زینت کی تمام اشیاء کو اس آیت میں داخل کیا ہے۔ خواہ ان کا تعلق لباس کی نفاست، جسم کی نظافت، گھر کی صفائی اور آرائش سے ہو یا لذیذ کھانوں اور بہترین سواری سے ہو بشرطیکہ شریعت نے اسے حرام نہ قرار دیا ہو اور اس میں فضول خرچی کا ارتکاب بھی نہ ہو۔ انه يتناول جميع انواع الزينة ويدخل تحتها تنظيف البدن من جميع الوجوه ويدخل تحتها المركوب الخ (کبیر)

اسی لیے مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی اپنے احباب کی ملاقات کے لیے جاتے تو عمدہ لباس پہن کر جاتے۔ قال ابو العالية كان المسلمون اذا تزاوروا تجملوا (قرطبی) حضور اکرم و اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی احباب کی ملاقات اور عام اجتماعات کے موقع پر خصوصی اہتمام فرمایا کرتے۔ چنانچہ حضرت مکحول حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت

الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ

جو پیدا کی اُس نے اپنے بندوں کے لیے (اور) کس نے حرام کیے لذیذ پاکیزہ ۴۳ کھانے آپ فرمائیے یہ چیزیں ۴۴

اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

ایمان والوں کے لیے ہیں اس دنیوی زندگی میں بھی (اور) صرف انہیں کے لیے ہیں قیامت کے روز یونہی ہم مفصل بیان کرتے ہیں

الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا

آیتوں کو ان لوگوں کے لیے جو (حقیقت کو) جانتے ہیں۔ آپ فرمائیے بے شک حرام کر دیا ہے ۴۵ میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو

ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا

ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں اور (حرام کر دیا) گناہ کو اور سرکشی کو بغیر حق کے اور یہ کہ شریک ٹھیراؤ

کرتے ہیں کہ رحمت عالمیان گھر تشریف فرما تھے اور باہر بعض لوگ منتظر کھڑے تھے۔ حضور جب باہر تشریف لے جانے لگے تو اپنی ریش مبارک اور گیسوہائے عنبریں کو درست فرمایا اور عمامہ مبارکہ کو سنوارا۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ بھی یوں اہتمام فرماتے ہیں؟ قال نعم اذا خرج الرجل الی اخوانہ فلیھیئ من نفسہ فان اللہ جمیل یحب الجمال تو حضور نے فرمایا ہاں۔ جب کوئی اپنے بھائیوں کی ملاقات کے لیے جائے تو تیار ہو کر جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی جمیل ہے اور جمال کو پسند بھی فرماتا ہے۔ (القرطبی)

۴۳ طیبات سے مراد وہ لذیذ طعام ہے جو حلال ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ الطیبات اسم عام لما طاب کسبا وطعما۔

۴۴ یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے حقدار اہل ایمان ہی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دنیا میں اہل ایمان کے علاوہ اور لوگ بھی ان سے متمتع ہوتے رہیں گے لیکن آخرت میں یہ نعمتیں ان خوش نصیبوں کے لیے مخصوص کر دی جائیں گی جنہوں نے اپنے منعم کو پہچانا اور اس کی نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن وہ نادان جو عمر بھر اس کی نعمتوں سے تو فائدہ اٹھاتے رہے لیکن اس کریم کو نہ پہچانا اور نہ اس کا شکریہ ادا کیا انہیں اس روز محروم کر دیا جائے گا۔

۴۵ حلت و حرمت میں انسانی خواہش کو کوئی دخل نہیں۔ بلکہ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال فرما دے اور حرام وہ ہے جسے وہ حرام قرار دے۔ پہلے کفار و مشرکین کی حرام کردہ اشیاء کے متعلق بتایا کہ یہ محض ان کی اپنی گھڑی ہوئی باتیں ہیں حقیقت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ اس آیت میں ان امور کی تصریح فرمائی جن کو اس علیم و حکیم نے حرام قرار دیا ہے۔ یہاں حرام کے مختلف انواع کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ (۱) فواحش اس کا واحد فاحشہ ہے جس کا معنی انتہائی قبیح فعل ہے۔ لیکن عرف عام

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا

اللہ کے ساتھ جس کے لیے نہیں اُتاری اللہ نے کوئی سند اور یہ کہ تم کہو اللہ پر ایسی بات جو

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

تم نہیں جانتے ہو اور ہر اُمّت کے لیے ایک وقت مقرر ہے سو جب آجائے ان کا مقررہ وقت تو نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ

ہیں ایک لمحہ اور نہ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں اے اولادِ آدم! اگر آئیں تمھارے پاس رسُول تم میں سے

يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

جو بیان کریں تم پر میری آیتیں تو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کرلی تو نہیں ہے [۴۶] کوئی خوف ان پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور غرور کیا ان سے

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان باندھا

ہیں اس کا معنی زنا ہے۔ قرآن نے بھی زنا کے متعلق یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ انه كان فاحشة۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر قسم کا زنا حرام ہے۔ چوری چھپے کیا جائے یا اعلانیہ۔ دوسری قسم اثم ہے۔ اس کا لغوی معنی گناہ ہے لیکن شراب کے کثیر التعداد ناموں سے ایک یہ بھی ہے۔ حسن بصری نے یہاں اثم کا معنی شراب کیا ہے۔ قال الحسن الاثم الخمر قال الشاعر۔ شربت الاثم حتی ضل عقلی۔ کذاك الاثم تذهب بالعقول (القرطبی) میں نے شراب (اثم) پی یہاں تک کہ میں بے ہوش ہو گیا شراب اسی طرح عقل کو ضائع کر دیتی ہے۔

تیسری قسم البغی ہے۔ اس کا معنی ہے ظلم میں حد سے تجاوز کرنا۔ الظلم وتجاوز الحد فیه۔ (القرطبی)

چوتھی قسم شرک ہے۔ پانچویں قسم اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتوں کا منسوب کرنا یعنی جو حکم اس نے نہ دیا ہو اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ (رازی و قرطبی)

[۴۶] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت کے دن ایمان داروں کو خوف و حزن نہیں ہوگا اور وہ گھبراہٹ اور پریشانی سے

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ

اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو۔ انھیں مل جائے گا ان کا حصہ جو ان کی

الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

قسمت میں لکھا ہے یہاں تک کہ جب آئیں گے ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے جو قبض کریں گے ان کی روحوں کو تو ان سے کہیں گے

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى

کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا ۴۸ کہیں گے وہ گم ہوگئے ہم سے اور گواہی دیں گے اپنے

اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ

نفسوں پر کہ وہ کافر تھے اللہ تعالیٰ فرمائے گا داخل ہو جاؤ ۴۹ ان امتوں میں جو گزر چکی ہیں

دوچار نہ ہوں گے۔ دليل على ان المؤمنين يوم القيامة لا يخافون ولا يحزنون ولا يلحقهم رعب ولا فزع (قرطبی)

۴۷ یعنی جتنی عمر ان کے لیے مقرر ہے جو مال و دولت، بیوی اور اولاد ان کی قسمت میں لکھی جا چکی ہے وہ بہر حال ان کو مل کر رہے گی۔

۴۸ فرشتے قبض روح کے وقت بطور زجر و توبیخ انھیں کہیں گے کہ بلاؤ ان اپنے بناوٹی خداؤں کو جن کی ساری عمر تم عبادت کرتے رہے تاکہ وہ تمھیں ہمارے قبضہ سے چھڑائیں۔ اس وقت غفلت کے پردے اٹھ جائیں گے اور حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ اور وہ جواب دیں گے کہ آج تو ان کا ہمیں کوئی نام و نشان نہیں مل رہا۔ اور صد حیف اگر ہم نے تو کفر میں اپنی زندگی برباد کر دی۔ ومعنى تدعون تعبدون (قرطبی) یعنی یہاں تدعون بمعنی تعبدون ہے۔ واين الالهة التي كنتم تعبدونها (بیضاوی) علامہ بیضاوی نے اس کا یہ مفہوم لکھا ہے کہ فرشتے انھیں کہیں گے کہ وہ خدا کہاں ہیں جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے۔

۴۹ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجرم قوموں کو حکم دیں گے کہ چلو دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ مجرمین کی حالت اس وقت ناگفتہ بہ ہوگی۔ دنیا میں تو ایک فاسق دوسرے فاسق کا سہارا بنا ہوا تھا۔ آپس میں محبت و اخلاص کے گہرے تعلقات قائم تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دوستی کبھی نہ ٹوٹے گی۔ لیکن جب جہنم کے لپکتے ہوئے شعلے اور دہکتے ہوئے انگارے نظر آئیں گے تو ساری دوستی کرکری ہو جائے گی۔ ایک دوسرے کی ہمدردی کرنے کے بجائے ایک دوسرے پر برسنے لگیں گے ہر ایک اپنی گمراہی اور ہلاکت کی ذمہ داری دوسرے پر ڈالے گا۔ پیروکار اپنے گمراہ پیشواؤں کو کہیں گے کہ تم پر خدا کی مار تم نے اپنے

مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ

تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے (ان کے پاس) دوزخ میں (داخل ہو جاؤ) جب بھی داخل ہوگی کوئی اُمّت تو وہ

اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا

لعنت بھیجے گی دُوسری اُمّت پر یہاں تک کہ جب جمع ہو جائیں گی اس میں سب اُمتیں تو کہے گی آخری اُمّت پہلی اُمتوں کے متعلق اے

هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ

ہمارے رب! انھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا پس دے ان کو دُگنا عذاب آگ سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لیے

ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۸ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ

دُگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے اور کہیں گی پہلی اُمتیں نشہ پچھلی اُمتوں سے کہ نہیں ہے تمھیں

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۳۹

ہم پر کوئی فضیلت پس چکھو عذاب بوجہ اس کے جو تم کیا کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ

بے شک جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان سے نہ کھولے جائیں گے ان کے لیے آسمان

ع ۴ / ۸ / ۱۱

ساتھ ہمارا بیڑا بھی غرق کر دیا۔ اور اُن کے پیشوا کہیں گے کہ تم نے کیوں ہمارا اتباع کیا۔ کیا تم خُود اندھے تھے۔ غرضیکہ مجرمین ایک دُوسرے پر خُوب الزام لگائیں گے اور کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ قرآن حکیم نے فرمایا ہے: الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین: اس روز سارے دوست ایک دُوسرے کے دُشمن بن جائیں گے بجز پرہیزگاروں کے (یعنی اُن کی دوستی اُس وقت بھی قائم رہے گی)

نشہ پہلی اُمتیں پچھلی اُمتوں کو یا پیشوا اپنے پیروؤں کو کہیں گے کہ ہمارے اور تمھارے جُرم کی نوعیت میں فرق نہیں کیونکہ اگر ہم تمھیں گمراہی کی طرف بُلانے کے مجرم ہیں تو تم اس کو قبول کرنے کے مجرم ہو۔ تمھارے پاس عقل تھی۔ آسمانی کتاب تھی اس کو سمجھانے والے تھے۔ حق کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ انھیں چھوڑ کر جو تم ہمارے ساتھ ہو لیے۔ سچی دعوت کو رد کر کے جو جھُوٹی دعوت قبُول کی۔ راہِ راست سے مُنہ موڑ کر غلط راستے پر جو تم چل نکلے تھے۔ کیا یہ تمھارا قصور نہ تھا؟

السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ

کے دروازے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک نہ داخل ہو اُونٹ سوئی کے ناکے میں ۵۱

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ

اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں جرم کرنے والوں کو ۵۲ ان کے لیے دوزخ کا ہی بچھونا ہوگا اور ان

فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کے اُوپر (اسی کا) اوڑھنا ۵۳ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۫ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور انھوں نے نیک عمل کیے (ہمارا قانون یہ ہے کہ) ہم تکلیف نہیں دیتے کسی کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے۔ وہ جنتی

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ

ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ہم نکال لیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں کینہ ہے ۵۴

۵۱ ان بدنصیبوں پر نہ آسمانی خیرات و برکات کا نزول ہوگا اور نہ ان کے اعمال نیک بندوں کی طرح آسمان کی طرف اُٹھائے جائیں گے۔ اور جب یہ مریں گے اور فرشتے ان کی خبیث رُوح لے کر آسمان کی طرف جائیں گے تو رحمت و قبولیت کے دروازے ان کے لیے نہ کھولے جائیں گے۔ اور انھیں واپس سجین کی پستیوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اور جس طرح سُوئی کے باریک سُوراخ سے ایک اُونٹ کا گزرنا محال ہے اسی طرح ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے۔

۵۲ یہاں مجرموں سے مُراد کفار ہیں۔ اور انھیں کفار کی سزا کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ کیونکہ آیات ربانی کی تکذیب اور پھر غرور و تکبر کفر نہیں تو اور کیا ہے۔

۵۳ المهاد: الفراش بچھونا اور الغواش جمع ہے الغاشیۃ کی۔ اُوپر اوڑھنے والی چیز یعنی اُوپر اور نیچے ہر طرف عذاب الٰہی کی آگ بھڑک رہی ہوگی کہیں پہلو چین اور قرار نصیب نہ ہوگا۔

۵۴ دُنیا میں بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے بسا اوقات متقی اور پارسا لوگوں کے تعلقات بھی کشیدہ ہو جاتے ہیں اور ایک دُوسرے کے متعلق کدورت اور ملال پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی یہ مخالفت اور باہمی رنجش نیک نیتی پر مبنی ہوتی ہے اس لیے جب قیامت کے دن اُنھیں جنت میں داخل ہونے کا اذن ملے گا تو اُن کے آئینہ قلب سے ان رنجشوں اور کدورتوں کا

غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

رواں ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں اور کہیں گے ساری تعریفیں ۵۵ اللہ کے لیے ہیں جس نے

هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ

راہ دکھائی ہمیں اس بہشت کی اور ہم ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے تھے اگر نہ ہدایت دیتا ہمیں اللہ تعالیٰ۔ بے شک آئے ہمارے

رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا

رب کے رسول حق کے ساتھ اور ان (خوش نصیبوں) کو آواز دی جائے گی ۵۶ کہ یہی وہ جنت ہے وارث بنائے گئے ہو تم جس کے

غبار صاف کر دیا جائے گا اور وہ سابقہ مخالفتوں کا کوئی اثر محسوس نہیں کریں گے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے کہ مجھے توقع ہے کہ میں عثمان، طلحہ اور زبیر انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ویروی عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال، ارجو ان اکون انا وعثمان وطلحۃ والزبیر من الذین قال اللہ تعالیٰ فیہم ونزعنا الخ۔ اور بعض علماء نے اس آیت کا یہ معنی بھی بتایا ہے کہ اہل جنت میں جو باہمی فرق مراتب ہو گا اس کی وجہ سے وہ آپس میں حسد نہیں کریں گے۔ ہر شخص اپنے حال پر مطمئن اور شاکر ہو گا۔

۵۵ جنت میں قرار پکڑنے کے بعد وہ اپنے رب مجید کی حمد و ثنا، اور اعتراف نعمت و احسان میں محو ہو جائیں گے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اہل جنت اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے کہ اس ذات پاک نے ہمیں قدرت بھی بخشی اور دین اسلام کو قبول کرنے کا قوی جذبہ بھی دل میں پیدا کر دیا کہ ہم دین اسلام کو قبول کر سکے۔ وقال اصحابنا معنی ھدانا اللہ انہ اعطی القدرۃ وضم الیہا الداعیۃ الجازمۃ وصیر مجموع القدرۃ وتلک الداعیۃ موجبا لحصول تلک الفضیلۃ۔ (کبیر)

۵۶ اہل جنت جب دخول جنت اور حصول مراتب کو محض اپنے رب کی دین اور عطا یقین کرتے ہوئے اس کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج ہوں گے تو بارگاہ الٰہی سے آواز آئے گی کہ مبارک ہو تم نے تمہارے نیک اعمال کی وجہ سے تم پر اپنا احسان فرمایا ہے۔ بندے کی شان بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ جن انعامات و احسانات سے اسے نوازا جائے اُسے اپنے رب کا فضل و کرم یقین کرے۔ اور رب کریم کی شان بندہ نوازی یہ ہے کہ اپنے بندوں کے اعمال جو سراپا نقص ہی نقص ہیں اور اخلاص و نیاز کے کتنے ہی اونچے مقام پر کیوں نہ فائز ہوں اللہ تعالیٰ کی شان قدوسیت و سبوحیت کے شایاں نہیں ان کو وہ شرف قبول عطا فرما کر ان ابدی نعمتوں کا سبب بنا دے۔ حالانکہ انسان کی ساری عمر کی نیاز مندیاں و عبادت گزاریاں کسی ایک نعمت کا بھی معاوضہ نہیں ہو سکتیں جن سے وہ اس دنیاوی زندگی میں لطف اندوز ہوتا رہا ہے۔ یہاں ایک شبہ

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٤٣ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ

بوجہ ان عملوں کے جو تم کیا کرتے تھے۔ اور آوازدیں گے جنتی دوزخیوں کو ۵۴ کہ بے شک

وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ

ہم نے پالیا جو وعدہ فرمایا تھا ہمارے ساتھ ہمارے رب نے سچا۔ تو کیا تم نے بھی پایا جو وعدہ کیا تھا تمھارے رب نے

حَقًّا ۚ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى

سچا وہ کہیں گے ہاں۔ تو پھر اعلان کرے گا ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان یہ کہ لعنت ہو اللہ کی

الظّٰلِمِيْنَ ۝٤٤ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ

ظالموں پر ۵۵ جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے اور چاہتے ہیں اسے کہ ٹیڑھا ہو جائے

ہوسکتا ہے کہ آیت نے بتایا کہ جنت میں دخول کی وجہ بندوں کے نیک اعمال ہیں۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ حضور نے فرمایا اعلموا ان احدکو لن یدخلہ عملہ الجنۃ۔ کہ خوب جان لو! کسی کا عمل کسی کو جنت میں ہرگز داخل نہیں کرسکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیک اعمال دخولِ جنت کا سبب قریبی ہیں۔ اور رحمتِ الٰہی سبب حقیقی ہے۔ آیت میں سبب قریبی کی طرف اشارہ ہے اور حدیث میں سبب حقیقی کی طرف۔

۵۴ ظالموں اور مجرموں کو مزید شرم دلانے کے لیے یہ سوال کیا جائے گا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جنت اور دوزخ کے درمیان بے حد وقیاس دُوری ہے۔ پھر اتنی دُور سے جنتیوں کی آواز دوزخیوں تک کیونکر پہنچے گی۔ امام موصوف اس کا جواب لکھتے ہیں کہ صرف بُعدِ مسافت آواز کے سُنے جانے سے مانع نہیں۔ عندنا البعد الشدید والقرب الشدید لیس من موانع الادراک (کبیر) ریڈیو کی ایجاد نے اس کی تصدیق کردی اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ علمی طور پر ہمارے علماء کرام کے نزدیک بھی یہ بات ثابت شدہ تھی کہ بُعدِ مکانی آواز کی لہروں کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ ان طے شدہ علمی مسلمات کی روشنی میں اگر یہ اعتقاد رکھا جائے کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے محبت کیش غلاموں کا درود شریف سُنتے ہیں تو اسے شرک کہنا کیوں کر درست ہے۔

۵۵ جن پر پھٹکار ڈالی جائے گی اُن کی صفات بھی ساتھ ہی بیان کردی گئیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ظالم ہیں اور ظلم سے مُراد یہاں کفروشرک ہے جیسا کہ سیاقِ کلام سے ظاہر ہے۔ دُوسری یہ کہ وہ خود بھی دینِ حق قبول نہیں کرتے اور دُوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ تیسری یہ کہ دینِ حق کے دلائل میں شکوک وشبہات ڈال کر اسے ٹیڑھا اور غلط دکھانے کی سعی کرتے ہیں۔ چوتھی یہ کہ ان کا

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ

اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اور ان دونوں (جنت ۹۵ و دوزخ) کے درمیان پردہ ہے۔ اور اعراف پر کچھ

رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ

مرد ہوں گے ۹۶ جو پہچانتے ہوں گے سب کو ان کی علامت سے ۹۷ اور وہ آواز دیں گے جنتیوں کو کہ

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ

سلامتی ہو تم پر (اور ابھی) جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ جنت میں داخل ہونے کے خواہشمند ہوں گے اور جب پھیری جائیں گی

آخرت پر ایمان نہیں۔ اور جو شخص ان چار گمراہیوں میں مبتلا ہو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر پھٹکار ڈالی جائے۔

۹۵ اسی حجاب کو سورۃ حدید میں سور یعنی دیوار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ۔ اس حجاب کی تفصیلی حقیقت نہ ہمیں بتائی گئی ہے اور نہ اس کے جاننے سے ہماری کوئی سعادت وابستہ ہے۔ اس لیے اس کی تفصیلات جاننے کے لیے سرگرداں رہنا تضیع وقت ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ میں ایک ایسا پردہ حائل ہے جو دوزخ کی آنچ کو جنت تک اور جنت کے روح پرور اثرات کو دوزخ تک نہیں پہنچنے دیتا۔

۹۶ اعراف جمع ہے عُرْف کی۔ اور عُرف کا لغوی معنی بلند جگہ ہے۔ والاعراف فی اللغۃ المکان المشرف جمع عرف (قرطبی) اس مناسبت سے گھوڑے کی گردن کے بالوں کو عرف الفرس اور مرغے کی کلغی کو عرف الدیک کہتے ہیں۔ یہاں اس حجاب کا بالائی حصہ مراد ہے۔ اور وہ لوگ جو وہاں اعراف میں ہوں گے وہ کون ہیں۔ اس کے متعلق مفسرین کرام نے پندرہ اقوال لکھے ہیں (روح البیان) حضرات عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ بن الیمان، ابن عباس، ضحاک اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم کا قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں مساوی ہوں گی۔ هم قوم استوت حسناتهم وسيئاتهم (قرطبی وغیرہ) اور دوسرے متعدد اقوال کو علامہ بیضاوی نے اپنی اس عبارت میں ذکر کر دیا ہے وقيل قوم علت درجاتهم كالانبياء والشهداء او خيار المؤمنين او علمائهم۔ یعنی بعض علماء کے نزدیک اعراف کی بلندیوں پر فائز ہونے والے انبیاء، شہداء، صلحاء اور علماء ہوں گے۔ ان کی عزت افزائی کے لیے ان کو اس بلند مقام پر ٹھیرایا جائے گا تاکہ تمام اہل محشر ان کی عظمت شان اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ واللہ اعلم۔

۹۷ اس بلند دیوار پر بیٹھے ہوئے اہل اعراف جنتیوں کو بھی شاداں و فرحاں دیکھ رہے ہوں گے اور دوزخیوں کو بھی گریاں و بریاں ملاحظہ کر رہے ہوں گے۔ جب ان کی نگاہ اہل جنت کی طرف اٹھے گی تو انہیں اس فوز مبین پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے سلامتی کی دعائیں دیں گے اور جب اہل جہنم کی طرف دیکھیں گے تو سراپا عجز و انکسار بن کر بارگاہ الٰہی میں اس

أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ

ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف (تو) کہیں گے اے ہمارے رب! نہ کر تو ہمیں ظلم پیشہ

الظّٰلِمِينَ ﴿٤٧﴾ وَنَادٰى أَصْحٰبُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمٰهُمْ

لوگوں کے ساتھ اور پکاریں گے اعراف والے ٦٢ ان لوگوں کو جنھیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی علامتوں سے

ع ٥ ١٢

قَالُوا مَا أَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٨﴾ أَهٰؤُلَاءِ

(انھیں) کہیں گے نہ فائدہ پہنچایا تمھیں تمھارے جتھے نے اور نہ اس سازوسامان نے جس کی وجہ سے تم غرور کیا کرتے تھے (اے

الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ

سرکشو!) کیا یہ (جنتی) وہی (نہیں) ہیں ٦٣ جن کے متعلق تم قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ نہیں عطا کرے گا انھیں اللہ اپنی رحمت سے

عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٤٩﴾ وَنَادٰى أَصْحٰبُ النَّارِ أَصْحٰبَ

(دیکھو انھیں تو حکم مل گیا ہے کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں نہیں کوئی خوف تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے اور آوازیں دیں گے دوزخی جنتیوں

الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوا

کو کہ انڈیلو ہم پر کچھ پانی یا جو کچھ دیا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ نے جنتی کہیں گے

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿٥٠﴾ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا

کہ اللہ نے حرام کردی ہیں یہ دونوں چیزیں کافروں پر جنھوں نے بنا لیا تھا اپنے دین کو کھیل

عذاب الیم سے بچنے کی دُعا کریں گے۔ آیت میں یطمعون بمعنی یعلمون ہے۔ وذلك معروف فی اللغة ان یکون طمع بمعنی علم۔ (قرطبی)

٦٢ے وہاں تو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اُس کے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت ہی کام آئے گی یہ دُنیاوی سازوسامان تو اُس روز کھوٹے سکوں سے بھی ناکارہ ثابت ہوں گے۔

٦٣ے ان کی شرمندگی اور شرمساری میں مزید اضافہ کرنے کے لیے اہلِ اعراف اُنھیں کہیں گے کہ یہ غریب و مسکین کلمہ گو

وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ

اور تماشہ اور فریب میں مبتلا کردیا تھا انھیں دنیا کی زندگی نے۔ سو آج ہم فراموش کردیں گے انھیں ۶۴ جیسے بھلا دیا تھا

يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ

انھوں نے اس دن کی ملاقات کو اور جس طرح وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور بے شک لے آئے ۶۵ ہم ان

بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

کے پاس ایک کتاب جسے ہم نے واضح کردیا ہے اپنے علم (کامل) سے قرآن حالیکہ وہ ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

کافر کس چیز کے ۶۶ منتظر ہیں بجز اس کے کہ قرآن کی دھمکی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جس روز ظاہر ہوگا اس کا انجام تو کہیں گے جو

جن کو تم خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے اور ازراہ نخوت کہا کرتے تھے کہ ان کو رحمتِ خداوندی سے کیا واسطہ! اس کی رحمتیں تو ہمارے لیے ہی مخصوص ہیں۔ آج ان کی طرف دیکھو وہ تو جنت کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ اور تمھارا یہ حال ہے۔

۶۴ نسیان (بھلا دینے) کا کیا معنی ہے؟ امام رازیؒ نے دو قول نقل کیے ہیں۔ (۱) نسی بمعنی ترک یعنی ہم انھیں چھوڑ دیں گے اور ان کو نجات نہیں دیں گے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم ان سے ایسا برتاؤ کریں گے جیسے ہم نے ان کو فراموش کر دیا ہے۔

۶۵ یہ مکالمہ اور گفتگو جو اہل اعراف اور اہل جہنم کے درمیان یا اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان ہوگی اس کے بیان کرنے کی غرض وغایت بتائی جا رہی ہے یعنی اس کا مقصد قصہ گوئی اور داستان سرائی نہیں بلکہ مدعا یہ ہے کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔ اور وہ لغزشیں اور قصور جن کی وجہ سے بڑے بڑے نامور لوگ آتشِ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے ان سے اجتناب کرو تاکہ اس دردناک انجام سے تمھیں دوچار نہ ہونا پڑے۔ اور ان کی غلط کاریوں میں سے تین خطرناک غلط کاریاں ہیں جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں کیا گیا۔

۱۔ احکامِ الٰہی کو لہو و لعب سمجھنا یعنی سنجیدگی سے ان کو قبول نہ کرنا بلکہ ان کو مذاق اور کھیل بنائے رکھنا۔ جی چاہا تو مان لیا اور جی چاہا تو انکار کر دیا۔

۲۔ دنیا کی محبت میں ایسا غرق ہو جانا اور اس پر اتنا فریفتہ ہو جانا کہ حلال حرام کی تمیز ہی نہ رہے۔

۳۔ روزِ قیامت کا انکار۔

۶۶ علامہ قرطبی نے ینظرون کا معنی ینتظرون کیا ہے یعنی کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں النظر: الانتظار (قرطبی)

نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ

بھلائے ہوئے تھے اسے اس سے پہلے کہ بے شک لائے تھے ہمارے رب کے رسول حق (پیغام) تو کیا آج ہمارے کوئی

شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ

سفارشی ہیں تو وہ سفارش کریں ہمارے لیے یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے تاکہ ہم عمل کریں اس کے برعکس جو ہم کیا کرتے تھے

قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ

بے شک انھوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو اور گم ہو گیا ان سے جو وہ بہتان باندھا کرتے تھے بلاشبہ

رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

تمہارا رب اللہ ہے جس نے ؎۶۷ پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر

تاویل اما یؤول الیه امره (بیضاوی) یعنی انجام کار۔ اس آیت میں کفار سے استفسار کیا جارہا ہے کہ جب ہدایت کا آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔ دلائل کی روشنی ہر سو پھیل چکی ہے تو وہ اب کیوں ایمان نہیں لاتے؟ کیا وہ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب وہ وعدے جو اہل ایمان سے کیے گئے اور عذاب و ہلاکت کی پیشین گوئی جو اہل باطل کے لیے کی گئی وہ پوری ہو لے تو ایمان لائیں گے۔ اگر ایسا ہے تو ان کی کم فہمی لائق صد افسوس ہے کیونکہ اس روز تو دفتر عمل تہہ کر دیا جائے گا اور جواب دہی کے لیے مخلوق عدالت خداوندی کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ اس وقت اگر وہ اپنے ایمان کا اعلان کر بھی دیں گے تو بے سود ہو گا۔ اس روز بصد حسرت و ہزار ندامت کہیں گے کہ کاش! آج ہمارا کوئی حمایت کرنے والا ہو یا ہمیں صرف ایک بار مہلت دی جائے کہ ہم دنیا میں لوٹ جائیں پھر ہم دکھا دیں کہ ہم کتنے فرماں بردار اور اطاعت گزار ہیں۔ اس وقت ان کی کوئی بات نہ سنی جائے گی ؎

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

؎۶۷ قیامت کے دن پیش آنے والے عبرت انگیز اور سبق آموز واقعات بیان کرنے کے بعد اب پھر توحید باری کے روشن دلائل پیش فرمائے جارہے ہیں۔ عام طور پر صبح سے لے کر شام تک کے وقت کو یوم (دن) کہا جاتا ہے لیکن یہاں اس وقت کا ذکر ہو رہا ہے جب کہ نہ سورج تھا اور نہ صبح و شام کا وجود تھا۔ اس لیے آیت کریمہ میں یوم سے مراد مطلق وقت ہے۔ اور لفظ یوم کا اطلاق اس معنی میں عموماً ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ الیوم یعبر به عن وقت طلوع الشمس الی غروبها وقد یعبر عن مدة من الزمان ای مدة کانت (مفردات القرآن) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت میں یوم سے مراد وقت کی وہ مقدار ہے جو ہمارے ہزار سال کے برابر ہے۔ وعن ابن

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ

متمکن ہوا عرش پر ۶۸ (جیسے اسے زیبا ہے) ڈھانکتا ہے رات سے دن کو ۶۹ درآں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ

تیزی سے اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے سن لو اسی کے لیے خاص ہے پیدا کرنا اور

عباس ان هذه الايام ايام الاخرة كل يوم الف سنة (نیشاپوری) ويوم عن الستة الايام كالف سنة مما تعدون (ابن جرير وغيره من المفسرين) امام ابن جریر اور دیگر مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ یہاں دن سے مُراد ایک ہزار سال کی مدت ہے یعنی کائناتِ ارضی وسماوی کی تخلیق چھ ہزار سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ مختلف مدارج حیات طے کرتے ہوئی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو چشم زدن میں اس ساری کائنات کو پیدا فرما دیتا لیکن اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی جو جلوہ گری اس تدریج میں ہے وُہ اہل فکر و نظر سے پنہاں نہیں۔ اگر کوئی چیز دفعۃً معرض وجود میں آجائے تو گمان ہو سکتا ہے کہ یہ محض اتفاقیہ امر تھا جو از خود ظہور پذیر ہو گیا لیکن اگر کوئی چیز مختلف مدارج طے کرتی ہوئی ضعف سے قوت، خامی سے پختگی اور نقص سے کمال کی طرف تدریجاً بڑھتی چلی جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی حکیم وعلیم ذات ہے جس کی توجہ اور تدبیر سے یہ سب کچھ نمودار ہو رہا ہے۔

۶۸ سلف صالح کا مسلک تو یہ تھا کہ وُہ ایسی آیات کی حقانیت پر ایمان رکھتے لیکن ان میں قیل وقال سے گریز اختیار کرتے۔ جیسے حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے آکر اس آیت کا مطلب دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر کس طرح استواء فرمایا تو آپ نے تھوڑے سے توقف کے بعد فرمایا۔ الاستواء معلوم والكيف غير معقول والايمان به واجب والسؤال عنه بدعة الخ یعنی ہمیں یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر استواء فرمایا لیکن اس کی کیفیت کیا تھی وُہ ہمارے فہم سے بالاتر ہے لیکن اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے متعلق گفتگو بدعت ہے۔ علماء متاخرین نے اس کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ استویٰ کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھ گیا کیونکہ وُہ مکان اور جلوس سے پاک ہے۔ بلکہ اس کا مدعا یہ ہے کہ کائناتِ ارضی وسماوی کی باگ ڈور اس نے اپنے دستِ قدرت میں تھام لی اور حکم وحکمرانی کو اپنے لیے مخصوص فرما لیا۔ استوى المراد منه كمال قدرته في تدبير الملك والملكوت۔

۶۹ اس آیت کریمہ میں توحید الوہیت اور توحید رُبوبیت کے روشن دلائل جمع کر دیئے گئے ہیں۔

۱۔ کائناتِ سماوی اور ارضی کی تدریجی تخلیق اور انھیں مختلف ادوار سے گزار کر مرتبۂ کمال تک پہنچانا۔

۲۔ تختِ حکومت ومسندِ تدبیر وجہانبانی پر متمکن ہو کر زمامِ اختیار اپنے دستِ قدرت میں رکھنا۔

۳۔ دن جو کاروبار کی ہنگامہ آرائیوں اور تلاش معاش کے لیے جدوجہد کے لیے ہے اور رات جو سکون وآرام کے لیے ہے

الْاَمْرُؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۝۵۴ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ

حکم دینا بھی۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو دعا کرو اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے اور

اُن کا باہم یُوں تسلسل قائم کر دینا کہ یکے بعد دیگرے بلا توقف اُن کا وُرُود ہوتا رہے۔

۴۔ چھوٹے بڑے تمام اجرامِ فلکیہ سُورج، چاند، ستاروں وغیرہ کا اس کے حکم کا پابند ہونا۔

۵۔ خلق وامر کا یکتا مالک ومختار ہونا۔

یہ تمام ایسی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس واطہر سے مختص ہیں۔ اور کوئی دُوسرا ان میں سے کوئی چیز اپنے لیے ثابت نہیں کر سکتا۔ تو جب ہر چیز اس کی پیدا کردہ ہے اور اس کے حکم کے سامنے بے چون وچرا سرافگندہ ہے تو کوئی عقل مند یہ کیونکر گوارا کر سکتا ہے کہ ان چیزوں میں سے کسی کو اپنا خُدا اور معبود بنا لے۔ خواہ وُہ چیز کتنی ہی بڑی، پُر ہیبت عظیمُ الشان اور مُفید ہو۔

۵۲ الخلق سے مُراد پیدا کرنا ہے اور الامر سے مُراد اُن کی تدبیر کرنا اور ان کے لیے تکوینی اور تشریعی احکام صادر کرنا۔ اس مختصر سے جملہ میں تخلیقِ کائنات کے متعلق تمام غلط نظریات کا ابطال کر دیا۔ بعض فلسفی سِرے سے وجُودِ باری کے قائل نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ساری کائنات خود بخود عدم سے وجُود میں آگئی۔ بعض وجُودِ باری کے قائل تو ہیں لیکن مادہ کو قدیم مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اس کے اجزا میں جوڑ توڑ سے مختلف اشیاء پیدا کر دیں۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق تو وُہ ہے لیکن ان کو پیدا کر دینے کے بعد اب اس کا اس کائنات سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ وُہ گوشۂ عزلت میں ہر چیز سے بے خبر اور بے اختیار بیٹھا ہے۔ قرآن نے اعلان کیا کہ خالق بھی وُہی ہے اور حاکم بھی وُہی ہے۔ اُسی کے اذن سے کوئی چیز نیست سے ہست ہوتی ہے اور اس کے حکم کے بغیر پتہ تک نہیں ہلتا۔ صُوفیاءِ کرام قدست اسرارہم کے نزدیک خلق سے مُراد عالمِ جسمانیات ہے یعنی عرش وکرسی، زمین وآسمان اور ان میں جو کچھ ہے اور الامر سے مُراد عالمِ مجردات یعنی قلب، رُوح، خفی اور اخفیٰ وغیرہ جو عرش سے بھی ماوراء ہیں انھیں عالمِ امر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انھیں مادہ کے بغیر محض امرِ کُن سے پیدا کیا گیا ہے۔ علامہ پانی پتی کی عبارت ملاحظہ ہو۔ قالت الصوفیۃ المراد بالخلق عالم الخلق یعنی الجسمانیۃ العرش وما تحتہ من السموات والارض وبینھما وعالم الامر یعنی المجردات من القلب والروح والسر والخفی والاخفی..... وسمیت بعالم الامر لان اللہ تعالیٰ خلقھا بلا مادۃ بامر کن۔ (مظہری)

۵۳ اپنی تمام حاجات اور مشکلات میں بارگاہِ الٰہی کی طرف رجُوع کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی دُعا کی قبولیت کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ان کا ذِکر بھی فرما دیا کہ انسان نخوت وغرور کو دل سے نکال کر غفلت وکاہلی سے اپنے آپ کو پاک کر کے سراپا عجز وانکسار بن کر اپنے رب کے حضور میں دستِ دُعا دراز کرے۔ دُوسری یہ کہ چلا چلا کر دُعا نہ مانگے کیونکہ آدابِ بارگاہِ ربانی کے خلاف ہے اور اس میں ریا اور دِکھلاوا کا بھی بہت امکان ہے بلکہ آہستہ آہستہ خاموشی سے

خُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٥﴾ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ

آہستہ آہستہ بے شک اللہ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو ۲؎ اور نہ فساد پھیلاؤ زمین میں

بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ

اس کی اصلاح کے بعد ۳؎ اور دُعا مانگو اس سے ڈرتے ہوئے اور اُمید کرتے ہوئے ۴؎ بے شک اللہ کی رحمت

اپنے دل نیاز مند کی حکایت درد و آرزو پیش کرے۔ ذکرِ الٰہی میں اصل تو یہی ہے لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ ذکر بالجہر ممنوع ہے درست نہیں۔ کیونکہ بعض مقامات پر اور بعض حالات اور حکمتوں کے پیشِ نظر ذکر بالجہر ذکرِ سِرّی سے افضل ہو جاتا ہے۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں ذکر بالجہر کا مقصد یہی ہے کہ طالبِ مولا غفلت و نسیان کی نیند سے بیدار ہو، دل میں حرارت پیدا ہو جس سے محبت و عشقِ الٰہی کے شعلے بھڑک اُٹھیں۔ اور یہ تو بہرحال ضروری ہے کہ دل میں ریا اور نمود کا گزر نہ ہو۔ چنانچہ بیہقیِ وقت حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی مجددی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ولعل الصوفیۃ الچشتیۃ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم اختاروا الجھر للمبتدئ لاقتضاء حکمۃ وھی طرد الشیطان ودفع الغفلۃ والنسیان وحرارۃ القلب واشتعال نائرۃ الحب بالریاضۃ یشترط لذلک الاحتراز عن الریاء والسمعۃ (مظہری)

۲؎ اعتداء کہتے ہیں حد سے تجاوز کرنے کو۔ یہاں اس دُعا کرنے والے کو معتدی (حد سے تجاوز کرنے والا) کہا گیا ہے جو ایسے اُمور کے لیے دُعا کرے جو عقلاً یا شرعاً ممنوع ہوں مثلاً نبوت کے مرتبہ تک رسائی کی دُعا، کسی حرام چیز کے لیے دُعا یا مسلمانوں کے حق میں بددُعا یا آدابِ دُعا کو جو نظرانداز کرے۔

۳؎ ہر قسم کی فساد انگیزی سے منع فرمایا جا رہا ہے چشموں کو بند کرنا۔ نہروں کو توڑ پھوڑ دینا، باغات کو اُکھاڑ دینا، کھیتوں کو اُجاڑ دینا، کارخانوں کو برباد کر دینا، تجارت وصنعت میں دھوکہ بازی کرنا، حکومتِ وقت کے خلاف بلاوجہ سازشیں کرنا غرضیکہ ہر قسم کی تخریبی کارروائی جس سے ملک کی معاشی اور اقتصادی خوشحالی متاثر ہو یا اس کے سیاسی استحکام کو نقصان پہنچے اسی طرح عقائدِ حقہ میں بھی، احکامِ شرعی میں اپنی اغراض کے لیے تحریف، غیر اسلامی عادات و اطوار کو اپنانا، اسلامی تہذیب و تمدن کو چھوڑ کر غیر اسلامی تہذیب اور ملحدانہ تمدن کو اختیار کرنا یہ سب ممنوع ہیں۔ اور یہ دونوں قسمیں قرآن کی اصطلاح میں فساد فی الارض کے عنوان کے نیچے مندرج ہیں۔

۴؎ دُعا مانگنے میں عجز و نیاز مندی اور ریا و نمود سے اجتناب کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دُعا مانگنے والے پر خوف و رجاء کی کیفیت طاری ہو۔ اگر ایک طرف اسے اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں کا فکر ہر وقت دامن گیر ہو تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی رحمتِ واسعہ سے اس کی آس و اُمید بندھی ہوئی ہو۔

قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا

قریب ہے نیکوکاروں سے ۵۵ اور وہی خدا ہے جو بھیجتا ہے ۵۶ ہواؤں کو خوشخبری سناتے ہوئے

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ

اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ۔ یہاں تک کہ جب وہ اٹھا لاتی ہیں بھاری بادل تو ہم لے جاتے ہیں

لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ

اُسے کسی ویران شہر کی طرف پھر ہم اُتارتے ہیں اس سے پانی پھر پیدا کرتے ہیں اس کے ذریعہ ہر قسم کے پھل

۵۵ یہ فرما کر دستِ دُعا پھیلانے والے کو یقین دلا دیا کہ اگر تم اطاعت گزار اور فرماں بردار ہو تو تمھیں خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹایا جائے گا بلکہ رحمتِ خداوندی اپنی بخشش و مغفرت اور قبولیت و عنایت سے تمھیں سرفراز فرمائے گی۔ یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ لفظ رحمت اِنَّ کا اسم ہے اور قریب اس کی خبر۔ اور نحو کا قاعدہ ہے کہ تذکیر و تانیث میں اسم و خبر میں موافقت ہونی چاہیے۔ لیکن یہاں رحمۃ (اسم) مؤنث ہے اور قریب (خبر) مذکر ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ علامہ قرطبی رح نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ اور ان میں سے مجھے فراء کا قول زیادہ پسند ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ قریب کبھی قرابت نسبی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی قربِ مکانی کے لیے۔ پہلی صورت میں تذکیر و تانیث میں موافقت ضروری ہے جیسے ھذہ المرأۃ قریبتی۔ لیکن دُوسری صورت میں مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال جائز ہے۔ دارك منا قريب و فلانة منا قريب قال الفراء: اذا كان القريب فى معنى المسافة يذكر ويؤنث وان كان فى معنى النسب فيؤنث بلا اختلاف (قرطبی) آیت مذکورہ میں قریب سے مراد قرابت نسبی نہیں بلکہ قربِ مکانی مراد ہے اس لیے قریب درست ہے۔

۵۶ یہاں اپنی ربوبیت کی ایک اور شان دکھائی۔ یعنی جب خشک سالی کی وجہ سے کھیت اور باغات اپنی ساری شادابیاں اور بہاریں کھو چکے ہوتے ہیں۔ جب روئیدگی کی قوت فرطِ تشنگی سے دم توڑنے لگتی ہے تو اس وقت رحمتِ خداوندی مائل بکرم ہوتی ہے۔ ابرِ رحمت نامعلوم وادیوں سے نکل کر آسمان پر چھا جاتا ہے اور موسلا دھار بارش برسنے لگتی ہے اور اس کے حیات بخش قطروں کی وجہ سے کائنات کی ہر چیز میں زندگی انگڑائیاں لینے لگتی ہے۔ یہ احسانِ عظیم جتلانے کے بعد فوراً منکرینِ قیامت کو ان کے فکر کی کوتاہی پر متنبہ فرما دیا کہ تمھیں یہ بہت محال نظر آتا ہے کہ ہزار ہا ہزار سال کے بعد مدفون مُردے کیوں کر اپنی قبروں سے دامن جھاڑتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ فرمایا کہ تم ہر وقت ہماری قدرت کے کرشمے دیکھ رہے ہو جو قادر و قیوم آنِ واحد میں ویران اور اُجڑے ہوئے علاقوں کو آباد اور شاداب کر دیتا ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ مارنے کے بعد پھر زندہ کر دے۔

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ

اسی طرح ہم نکالیں گے مُردوں کو تاکہ تم نصیحت قبول کرو اور جو سرزمین عمدہ زرخیز ہے ۵۸؎ نکلتی ہے

نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ

نکلتی ہے اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے نہیں نکلتی اس سے (پیداوار) مگر قلیل نکمّی اسی طرح ہم

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ

مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لیے جو شکر گزار ہے۔ بے شک ہم نے بھیجا ۵۹؎ نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم ۶۰؎ کی طرف

۵۸؎ ان دو آیتوں کو اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح جسم کی بقا اور نشوونما کے لیے قدرت نے ہزاروں سامان مہیا فرما دیے ہیں اسی طرح رُوحانی ترقی و اصلاح کو بھی عنایتِ الٰہی نے نظرانداز نہیں کیا۔ اگر وہاں ٹھنڈی ہوائیں، بادل اور بارش کا انتظام فرمایا ہے تو یہاں بھی اپنے برگزیدہ رسُولوں کو اپنی وحی اور ہدایت سے سرفراز فرما کر مبعوث فرمایا ہے۔ اور جس طرح بارش برسنے سے اچھی زمین رشکِ جناں بن جاتی ہے اور ردّی اور شور زمین میں تھور اور سیم کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور خار وار جھاڑیاں اُگ آتی ہیں اسی طرح نبوت کے فیضِ تربیت سے اچھی استعداد والے فائدہ اُٹھا کر صدیقیت و فاروقیت کے مناصبِ رفیعہ پر فائز ہو جاتے ہیں۔ اور بدطینت اور خبیث فطرت اس ابرِ کرم کی برکت سے محروم ہو جاتے ہیں اور ان کی شرپسندی، خبثِ باطن جو مصلحت اور فریب کے نقابوں میں مستور ہوتا ہے بے نقاب ہو جاتا ہے اور ان کی اخلاقی پستی اور گندی ذہنیت اُبھر کر سامنے آجاتی ہے۔ دانشورِ شیرازؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش کلام نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

گویا یہ آیتیں بعد میں آنے والے کئی رکوعوں کے لیے بطور تمہید ہیں۔

۵۹؎ اب چند جلیل القدر انبیاء جو مکہ اور عرب میں مشہور تھے کا تذکرہ اور ان کی قوموں نے اُن سے جو سلوک روا رکھا اُس کا بیان شروع ہو رہا ہے تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ رب کریم جس طرح انسان کی حیاتِ ظاہری کی بقا اور اس کی توانائیوں کی نشوونما کے لیے ہر ضرورت کے وقت بارش نازل فرماتا ہے اور اس سے ہر چیز اپنی استعداد کے مطابق استفادہ کرتی ہے اسی طرح انسان کی رُوحانی زندگی کے لیے بھی رسالت کا ابرِ رحمت بارہا اُمڈ کر آیا۔ اس سے ہدایتِ ربّانی کی بارشیں برسیں اور نیک فطرت لوگ اس سے مستفید ہوئے اور بدفطرت لوگ انبیاء کی مخالفت اور عداوت پر اُتر آئے اور طرح طرح کی حجت بازیوں کے باعث اس نعمت سے اپنے آپ کو محروم کر دیا۔ نیز اس سے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دلجوئی بھی فرما دی کہ اے حبیبؐ! اہلِ مکہ کی ایذا رسانی اور بے اتفاقی اور اعتراضات سے غمزدہ نہ ہو۔ تم سے

ع ۱۴ ۷

فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اِنِّيۡۤ اَخَافُ

تو انھوں نے کہا اے میری قوم ؎ عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمھارا کوئی معبود اللہ کے سوا ؎ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ

پہلے بھی ہمارے انبیاء کے ساتھ ان کی قوموں نے ایسا ہی سلوک کیا لیکن وُہ ان کی ستم کیشیوں کے باوجود کلمۂ حق کہتے رہے۔ اسی طرح آپ بھی اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز سے تیز تر کر دیجئے۔

؎ تورات کے بیان کے مطابق آپ کے باپ کا نام لمک تھا جب ان کے باپ کی عمر ۱۸۲ برس تھی تو آپ کی ولادت ہوئی۔ (پیدائش ۵ : ۲۸) آپ آدم علیہ السلام کی دسویں پشت میں تھے۔ اسی کتاب کے چھٹے باب میں حضرت نوحؑ کے متعلق مرقوم ہے :-

"نوحؑ مرد راست باز اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں بے عیب تھا۔" (پیدائش ۶ : ۹) لیکن اسی راست باز اور بے عیب ہستی کے متعلق تورات کی یہ آیتیں جب نظر سے گزرتی ہیں تو انسان حیران و پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔ طوفان سے بخیر و عافیت بچ نکلنے کے بعد نوحؑ کاشت کاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے (شراب) پی اور اسے نشہ آیا اور وُہ اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہو گیا۔" (پیدائش ۹ : ۲۰۔۲۱)

کیا لوگوں کو پاکبازی اور تقویٰ کی راہ دکھانے والا، کیا نبوت کے شرف سے مشرف ہو کر آنے والا ایسی مذموم اور گھٹیا حرکت کا ارتکاب کر سکتا ہے؟ کیا اخلاقی لحاظ سے وُہ اتنا پست ہو سکتا ہے کہ وُہ شراب سے بدمست ہو کر اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہو گیا ہو جہاں اس کی بہو بیٹیاں موجود ہوں گی؟ معاذ اللہ! چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا نے اس الزام کی صحت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ حیا سوز مے خواری کی یہ حکایت اس مقدس رہنما کی پاکیزہ سیرت سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی۔ جلد ۱۶، صفحہ ۴۷۶۔

"NOR DOES THE SHAMELESS DRUNKENNESS OF NOAH ACCORD WELL WITH THE CHARACTER OF THE PIOUS HERO OF THE FLOOD STORY"

VOLUME 16 : 476

آپ آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے رسُول تھے (نوح اول الرسل الی الارض بعد آدم علیہما السلام (قرطبی) آپ کے زمانہ کی صحیح تعیین تو مشکل ہے لیکن بعض اندازوں کے مطابق آپ کا زمانہ ۳۸۰۰ ق م تا ۲۸۵۰ ق م ہے۔ (ماجدی)

؎ اے میری قوم، کے محبت بھرے کلمات سے حضرت نوحؑ اپنی قوم کو خطاب فرما رہے ہیں تاکہ ان میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ میں کوئی بیگانہ اور اجنبی نہیں ہوں بلکہ ہم سب ایک ہی قوم کے فرد ہیں۔ اور جب ہمارا نفع و نقصان، عزت و ذلت ایک ہے تو کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ میں صحیح راہ سے تمھیں ہٹا کر غلط راستے پر ڈال دوں گا۔

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٥٩﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ

تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے ۸۲؎ ان کی قوم کے سرداروں نے کہا ۸۳؎ اے نوح ! ہم سمجھتے ہیں

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦٠﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ

تمھیں کھلی گمراہی میں آپ نے کہا اے میری قوم ! ۸۴؎ نہیں ہے مجھ میں ذرا گمراہی بلکہ میں تو رسول ہوں

۸۱؎ آپ نے سب سے پہلے انھیں شرک کی پستیوں سے نکل کر توحید کی رفعتوں کی طرف آنے کی دعوت دی اور انھیں بتایا کہ اس ذات پاک کے بغیر کوئی معبود نہیں۔ نوری و ناری، آبی و خاکی سب اس کی مخلوق ہیں اور اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں۔ جب اس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں تو اس کے علاوہ اور کسی کی عبادت کی جائے تو آخر کیوں؟

۸۲؎ پہلے تو عقل سلیم کو مخاطب فرمایا۔ اب ذرا دھمکی بھی دے دی کہ اگر تم شرک سے باز نہ آئے تو یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ کوئی معمولی سی بات ہے اس کے متعلق کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ بلکہ کان کھول کر سن لو عذاب شدید کی چکی میں پیس کر رکھ دیئے جاؤ گے۔ یوم عظیم سے مراد یا تو قیامت کا دن ہے یا اس تباہ کن سیلاب کے آنے کا دن ہے جس نے ان کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا۔

۸۳؎ قوم کے رؤوساء اور سرداروں کو ملأ کہتے ہیں کیونکہ ان کا زرق برق لباس اور ظاہری آن بان اور شان و شوکت آنکھوں کو پُر کر دیتی ہے ھم الاشراف فانھم یملأون العیون رواء (بیضاوی) جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تو بجائے اس کے کہ آپ کی قوم کا سربرآوردہ طبقہ آپ کی دعوت میں سنجیدگی سے غور و فکر کر کے اسے قبول کرتا۔ اُلٹا وہ بگڑ گیا۔ گویا نوح نے یہ کہہ کر ان کی سیادت کو چیلنج کر دیا ہے اور ان کے احساس نخوت کو ٹھیس لگا دی ہے۔ انھوں نے جھٹ حضرت نوح پر الزام لگا دیا کہ نوح بھٹک گیا ہے اور سیدھی راہ چھوڑ کر غلط راستہ پر چل نکلا ہے۔

۸۴؎ یہ بہتان عظیم سن کر بھی پیغمبر کے جذبہ خیر خواہی میں فرق نہ آیا اور بڑی فراخ دلی سے ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی۔ فرمایا اے بھلے مانسو! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اپنے دل سے گھڑ کر نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے وہی پیغام جوں کا توں تمھیں پہنچا رہا ہوں۔ نیز اس دعوت کی تہ میں میری کوئی ذاتی غرض یا منفعت پنہاں نہیں محض تمھاری خیر خواہی مطلوب ہے۔ تمھارا علم ادھورا اور ناتمام ہے کیونکہ اس کا ماخذ اندھی تقلید اور نفس پرستی ہے اور میرا علم کامل اور یقینی ہے۔ کیونکہ میرے علم کا سرچشمہ ذات باری ہے۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ راہِ راست سے کون بھٹکا ہوا ہے۔ اپنے مقام بلند کو کتنی وضاحت سے پیش فرمایا اور اپنی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا انھیں یقین دلانے کی کتنی دلسوز کوشش کی۔

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَ

سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے پہنچاتا ہوں تمھیں پیغامات اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تمھیں اور

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ

میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر ۸۵ کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے

رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾

رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعہ جو تم ہی میں سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمھیں (غضب الٰہی سے) اور تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ اور تاکہ تم پر رحم

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ

کیا جائے پھر بھی انھوں نے جھٹلایا نوح کو تو ہم نے نجات دی ان کو اور جو ۸۶ آپ کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے غرق کر دیا ۸۷ ان (بدبختوں) کو

۸۵ یہاں اُن کے ایک اور شبہ کا ازالہ فرمایا۔ وُہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ کوئی انسان بھی نبوت و رسالت کے مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ اور ذاتِ ربانی سے براہِ راست فیض حاصل کر کے لوگوں تک پہنچا سکتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ کام کوئی فرشتہ ہی کر سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ تمھاری یہ حیرت و پریشانی بے محل ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنے کسی کامل اور برگزیدہ بندے کو نعمت نبوت سے سرفراز کرنا چاہے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔

۸۶ افہام و تفہیم اور وعظ و نصیحت کا یہ سلسلہ ایک دو روز میں ہی ختم نہیں ہوا بلکہ حضرت نوحؑ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کی مخالفت برداشت کرتے رہے اور ان کی ہدایت پذیری کے لیے جان توڑ کوشش کرتے رہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ کے نبی کا ظرف ہی اتنا وسیع، حوصلہ اتنا بلند اور دل اتنا شفیق ہوتا ہے کہ وُہ تکذیب و انکار کے باوجود وعظ و نصیحت سے دست بردار نہیں ہوتا۔ آخر جب اتنا عرصہ دراز گزر گیا اور ان میں قبولِ ہدایت کی رغبت پیدا نہ ہوئی تو عذابِ الٰہی طوفان کی شکل میں ظاہر ہوا اور آپ کے فرمانبرداروں کے سوا سب کو تباہ و برباد کر دیا۔

۸۷ یہ الفاظ خود اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ طوفان صرف مکذبین و منکرین کے لیے بطور سزا کے آیا تھا۔ ساری دنیا سے اس کا تعلق نہ تھا۔ عراق کی سرزمین خصوصاً کوہ ارارات کی وادیوں میں اب تک ایک مہیب طوفان کے نشانات اہلِ فن کو ملتے رہتے ہیں۔ تورات میں اس طوفان کے سلسلہ میں یہ تصریحات ملتی ہیں: "اور نوحؑ چھ سو برس کا تھا جب طوفان کا پانی زمین پر آیا"۔ (پیدائش ۷: ۶) "جب نوحؑ کی عمر چھ سو برس کی ہوئی دُوسرے مہینہ کی سترھویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی"۔

كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ

جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو بے شک وہ لوگ دل کے اندھے تھے اور عاد کی طرف اُن کے بھائی

هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

ہُود کو بھیجا۸۸؎ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارا کوئی معبود اس کے سوا

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ

کیا تم نہیں ڈرتے کہنے لگے وہ سردار جو کافر تھے آپ کی قوم سے کہ (اے ہُود) ہم تو خیال کرتے ہیں

فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ

کہ تم نرے نادان ہو۸۹؎ اور ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو ہُود نے کہا اے میری قوم! نہیں

(پیدائش ۷: ۱۱/۱۲) طوفانِ نُوح کا تخمینی سال ۳۲۰۰ ق م ہے۔ فی الفلک کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی ڈونگیا ناؤ تھی۔ محققینِ اثریات کا خیال ہے کہ یہ خاصہ بڑا جہاز اُوپر نیچے تین درجوں کا تھا اور اس کی پیمائش توریت میں حسب ذیل دی جاتی ہے: اس کی لمبائی ۳۰۰ ہاتھ اور اس کی چوڑائی ۵۰ ہاتھ اور اس کی اُونچائی ۳۰ ہاتھ کی" (پیدائش ۶: ۱۵) گویا اتنا بڑا مسافروں کا جہاز (LINER) جو برطانیہ اور امریکہ کے درمیان عموماً چلتے ہیں۔ حسب روایت توریت یہ جہاز ۱۵۰ دن (یا ۵ مہینے) چلتا رہا۔ (ماخوذ از تفسیر ماجدی) واللہ اعلم بالصواب۔

۸۸؎ قوم عاد عرب کی قدیم اقوام میں سے تھی۔ جن کی قوت و شوکت اور حکومت و فرماں روائی کے بڑے مبالغہ انگیز افسانے زباں زدِ عوام تھے۔ ان کا یہ نام ان کے ایک دادے کے نام پر پڑ گیا تھا جس کا شجرہ یہ بتایا جاتا ہے۔ وھو عاد بن عوص بن ارم بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نُوح علیہ السلام۔ حضرت ہُود اسی قوم کی ایک معزز شاخ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے ہُود بن عبد اللہ بن رباح بن الجلود بن عاد الخ (قرطبی) ان کا مسکن احقاف کا علاقہ تھا جو یمن کا ایک حصہ ہے اور ان کا پایۂ تخت حضرموت تھا۔ یہ علاقہ اس وقت بہت سرسبز و شاداب تھا۔ یہ قوم اپنی قوت و وجاہت میں لاجواب تھی۔ دُور دراز تک اردگرد کا علاقہ ان کے زیرِ نگین تھا لیکن بدقسمتی سے یہ بھی شرک میں مبتلا تھے اور اپنے ہر کام کے لیے الگ الگ خدا بنا رکھے تھے۔ اُن کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہُود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انھوں نے انھیں باطل معبُودوں سے قطع تعلق کرنے اور اپنے مولائے حقیقی سے رشتۂ عبودیت جوڑنے کی دعوت دی۔

۸۹؎ آپ کی شفقت بھری دعوت کا ردِ عمل یہ ہوا کہ آپ کی قوم کے سرداروں نے آپ کو بے وقوف اور جھوٹا تک کہنا شروع

بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ

مجھ میں ذرا نادانی بلکہ میں تو رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے پہنچاتا ہوں تمھیں

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ

پیغامات اپنے رب کے اور میں تو تمھارا ایسا خیرخواہ ہوں جو دیانت دار ہو کیا تم تعجب کرتے ہو کہ آئی تمھارے پاس

ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا

نصیحت تمھارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعہ جو تم میں سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمھیں (عذاب الٰہی سے) اور یاد کرو

اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ

جب اس نے بنادیا تمھیں جانشین قوم نوح کے بعد اور بڑھا دیا تمھیں جسمانی لحاظ سے

بَصْطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا

قدوقامت میں ۹۰ تو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو ۹۱ شاید تم کامیاب ہوجاؤ وہ کہنے لگے (اے ہُود!) ۹۲

اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ

کیا تم اس لیے آئے ہو ہمارے پاس کہ ہم عبادت کریں ایک اللہ کی اور چھوڑ دیں ان معبودوں کو جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا

کردیا لیکن آپ کی جبین پر بل تک نہ آیا۔ اور نوح علیہ السلام کی طرح بڑی نرمی اور وضاحت سے اپنی سچائی اور اپنی دعوت کی صداقت کو واضح فرمایا۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ شفقت و خلوص کے مجسموں کو ان دل آزار الزامات سے متہم کیا جاتا ہے اور وہ بڑے حوصلے اور ہمت سے اپنا کام کرتے چلے جاتے ہیں۔

۹۰ قدوقامت، شکل و صورت اور قوت و طاقت میں۔

۹۱ آلاء کا واحد اِلًی، اَلًی، اِلْوٌ و اَلْیٌ ہے۔ اس کا معنی ہے نعمت۔

۹۲ کسی چیز کو ماننے یا نہ ماننے کے لیے وہ اپنی عقل ناقص کے فتوٰی کے پابند تھے۔ اُن کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکتی تھی کہ اس کارخانۂ ہستی کے مختلف نوعیت کے بیحد و بے حساب کام ایک ذات کی مشیت و ارادہ سے وابستہ ہیں۔ اُنھوں نے تو ہر کام کے لیے الگ الگ معبود بنا رکھے تھے۔ اور اس باطل کو حق یقین کرنے کے لیے ان کے پاس ایک اور زبردست

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ

سو لے آؤ ہم پر وُہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو ہُود (علیہ السلام) نے کہا واجب ہو گیا

عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ

تم پر تمھارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب ۹۳ کیا تم جھگڑا کرتے ہو مجھ سے ۹۴ ان ناموں کے بارے میں

سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ

جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمھارے باپ دادا نے (حالانکہ) نہیں اُتاری اللہ نے ان کے لیے کوئی سند

سہارا تھا وُہ یہ کہ اُن کے آباؤ اجداد کا یہی عقیدہ تھا اور وُہ کسی قیمت پر ان کی اندھی پیروی سے دستکش ہونے پر آمادہ نہ تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے نبی کی پند و نصیحت کو بڑی سرد مہری سے ٹھکرا دیا۔ اور انھیں صاف صاف کہ دیا کہ جس عذاب کی تم ہمیں ہر وقت دھمکیاں دیتے رہتے ہو اُسے لے آؤ۔ ایسا برتاؤ کوئی اس قوم کی ہی خصوصیت نہیں جب کبھی حق و صداقت کے کسی علم بردار نے اپنی قوم کو ان کی غلط روی سے روکا تو انھوں نے کم و بیش ایسا ہی جواب دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آباؤ اجداد گمراہ ہوں تو آنکھیں بند کیے ہوئے اُن کے پیچھے دوڑتے چلے جانا کوئی عقلمندی نہیں۔ لیکن اگر آباؤ اجداد حق پر ہوں بلکہ حق کے علم بردار رہے ہوں اور ان کی زندگیاں، ان کا عمل اور ان کا وجود ہی اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل ہو جیسے بفضل اللہ تعالیٰ اہل سُنّت و جماعت کے اسلاف کرام تھے تو ان کی اقتداء اور پیروی عین ہدایت اور سعادت ہے۔ حضرت غوث اعظم، حضرت خواجۂ اجمیر، حضرت داتا گنج بخش، حضرت غوث العالمین بہاؤ الحق والدین زکریا مُلتانی۔ حضرت مجدد الف ثانی وغیرہم من الاولیاء الکاملین قدست اسرارھم وُہ روشن چراغ ہیں جن کی درخشانیوں اور تابانیوں کے باعث صراطِ مستقیم منوّر ہے۔

۹۳ وقع بمعنی وجب یا نزل ہے۔ رجس سے مُراد عذاب ہے۔ لیکن بعض علماء نے فرمایا ہے کہ رجس کا معنی دل کی سیاہی ہے جو انکارِ حق سے آئینۂ دل پر تہ در تہ جمتی چلی جاتی ہے اور اس کی فطری نُورانیت اور صفائی کا ستیاناس کر دیتی ہے۔ وقیل عنی بالرجس الرین علی القلب بزیادۃ الکفر (قرطبی)

۹۴ اسماء سے مُراد وُہ بُت ہیں جن کی وُہ پرستش کیا کرتے تھے یعنی الاصنام التی عبدوھا (قرطبی) یعنی جن کو تم اپنا الٰہ اور معبُود سمجھ رہے ہو اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ یہ تمھاری اپنی من گھڑت باتیں ہیں جن کے لیے تمھارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں کہ قومِ عاد اللہ تعالیٰ کے وجُود کے قائل تو تھے اور یہ بھی مانتے تھے کہ وُہ زمین و آسمان کا خالق ہے۔ لیکن اپنے بتوں کو بھی اُلوہیت اور خالقیت میں یا مستحق عبادت ہونے میں اللہ وحدہٗ لاشریک

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ

سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں پھر ہم نے نجات دے دی ہُود کو اور جو اُن کے

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا

ہمراہ تھے اپنی خاص رحمت سے اور ہم نے کاٹ کر رکھ دی جڑ اُن لوگوں کی جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ۹۵ اور نہ تھے وہ

مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

ایمان لانے والے اور قوم ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا ۹۶ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی

کا ساجھی مانتے تھے (مظہری)۔ اسماء سے مُراد مسمّی ہے اور سمیتموھا کا مفعول ثانی الھۃ محذوف ہے۔ فی اسماءای اشیاء مسمیات سمیتموھا الھۃ (مظہری) ای فی اشیاء سمیتموھا الھۃ (بیضاوی)۔ ان کے بُتوں کے نام تھے صمود، صداء اور ہباء وغیرہ۔

۹۵ دابر اصل اور جڑ کو کہتے ہیں۔ یعنی ہم نے اُن پر ایسا مُہلک عذاب اُتارا جس نے ان سب سرکشوں کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔

۹۶ نوح اور ہُود علیہما السلام اور ان کی قوموں کے عبرت ناک تذکرہ کے بعد اب حضرت صالح اور ان کی قوم ثمود کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس قوم کا مسکن جزیرہ عرب کے شمال مغربی جانب شام وحجاز کے درمیانی علاقہ میں تھا۔ جس کی حدود وادی القریٰ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کے پایہ تخت کا نام الحجر تھا۔ اس قبیلہ کا نام ان کے ایک دادے کی وجہ سے ثمود رکھا گیا تھا۔ جس کا سلسلہ نسب یُوں بیان کیا گیا ہے۔ ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح۔ لیکن امام رازیؒ اور قرطبی نے ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام لکھا ہے۔ یہ قوم عاد کی ایک شاخ تھی جو وہاں سے ترکِ وطن کر کے یہاں آکر سکونت پذیر ہو گئی تھی۔ ان کا علاقہ بڑا زرخیز تھا۔ سرسبز کھیت، شاداب باغات اپنی بہار دکھایا کرتے تھے۔ ان کی آبپاشی کے لیے نہروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ لیکن دولت کی فراوانی نے ان کے اخلاق کی بُنیادوں کو متزلزل کر دیا۔ اخلاقی بے راہ روی سے عقائد میں بگاڑ پیدا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وہ بھی شرک کی لعنت میں گرفتار ہو گئے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی ہدایت کے لیے ان کے قومی اور وطنی بھائی حضرت صالح کو مبعوث فرمایا۔ جو اپنی خاندانی برتری اور شخصی کردار کے باعث بڑے محترم اور معزز تھے۔ آپ کا شجرہ نسب عُلماء تاریخ نے یہ تحریر کیا ہے۔ صالح بن عبید بن اسف بن ماشخ بن عبید بن حاذر بن ثمود۔ آپ کے زمانہ بعثت کا یقینی تعیّن تو بہت مشکل ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ آپ کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے تھا اور بعثتِ موسوی سے بہت عرصہ پہلے آپ کی قوم برباد ہو چکی تھی۔

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ

نہیں ہے تمھارا کوئی معبود اس کے سوا ۹۷ بے شک آچکی ہے تمھارے پاس روشن دلیل تمھارے رب کی طرف سے ۹۸ یہ اللہ

نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

کی اونٹنی ہے تمھارے لیے نشانی ہے پس چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ

بُرائی سے ورنہ پکڑ لے گا تمھیں عذاب دردناک اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تمھیں ۹۹ جانشین

۹۷ وہی دعوتِ توحید جو ہر نبی کی تشریف آوری کی غایت اسمیٰ ہوا کرتی ہے۔ آپ نے اپنی قوم کے سامنے اسی پیغمبرانہ اخلاص و شفقت کے ساتھ پیش کی۔

۹۸ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دعوت کو جھٹلایا گیا ہو گا اور آپ کی صداقت کے لیے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا گیا ہو گا۔ چنانچہ یہ اونٹنی آپ کی صداقت کے لیے ظاہر کی گئی۔ اس اونٹنی کا ذکر قرآن کریم میں کئی بار آیا ہے۔ اس میں وجہ اعجاز کیا تھی؟ مفسرین کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں بعض نے یہ کہا ہے کہ کیونکہ اس کی تخلیق ظاہری اسباب کے بغیر ایک چٹان سے ہوئی تھی اس لیے یہ معجزہ تھی۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ کیونکہ جو دن اس کے پانی پینے کا مقرر تھا اس دن اور کوئی جانور کنوئیں کے قریب نہیں آتا تھا۔ ان کے علاوہ اور کئی وجوہ اعجاز بیان کی گئی ہیں۔ لیکن اس بارے میں امام فخر الدین رازیؒ کی رائے نہایت پسندیدہ ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ اس میں کلام نہیں کہ اس اونٹنی میں کوئی ایسی خارق عادت خصوصیت تھی اس کا ذکر قرآن نے نہیں کیا۔ واعلم ان القرآن قد دل علی ان فیھا آیة فاما ذکر انھا کانت آیة من ای الوجوہ فھو غیر مذکور والعلم حاصل بانھا کانت معجزة من وجه مالا محالة واللہ اعلم (کبیر) اس لیے اس بحث میں الجھنا بے سود ہے۔ البتہ بعض لوگوں کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس میں بجز اس کے کوئی وجہ اعجاز نہ تھی کہ قوم ثمود کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ جس روز تم نے اسے گزند پہنچایا تمھیں برباد کر دیا جائے گا کیونکہ ایسی دلیل کا کیا فائدہ جس کی صداقت کا ظہور اس وقت ہو جب کہ اس سے راہ ہدایت پانے والے ہلاک و برباد ہو چکے ہوں۔

۹۹ حضرت صالح علیہ السلام کے وعظ کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ان احسانات اور انعامات کو فراموش نہ کرو جن سے اس نے تم کو نوازا ہے۔ قومِ عاد کی ہلاکت کے بعد غلبہ و اقتدار تمھیں بخشا گیا۔ تم کو فنِ تعمیر میں وہ مہارت عنایت کی کہ میدانی علاقوں میں تم شاندار محلات تعمیر کرتے ہو اور پہاڑی علاقوں میں سنگین چٹانوں کو چیر پھاڑ کر مکان بناتے ہو۔ ان کی عمارات کے آثار آج بھی موجود ہیں جو ایک وسیع رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں جو فنِ تعمیر میں ان کی مہارت

مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا

عاد کے بعد اور ٹھکانا دیا تمھیں زمین میں تم بناتے ہو اس کے میدانی علاقوں میں

قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا

عالیشان محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں مکانات سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور نہ پھرو

فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝۷۴ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ

زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے کہا ان سرداروں نے جو تکبر کیا کرتے تھے ان کی

قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ

قوم سے [۷۲] ان لوگوں کو جنھیں وہ کمزور و ذلیل سمجھتے تھے جو ان میں سے ایمان لائے تھے کیا تم یقین رکھتے ہو

اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۷۵

کہ صالح رسول ہے اپنے رب کی طرف سے انھوں نے کہا بے شک ہم اس پر جسے دے کر انھیں بھیجا گیا ہے ایمان لانے

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۷۶

والے ہیں کہنے لگے وہ لوگ جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو اس چیز کے جس پر تم ایمان لائے ہو منکر ہیں

کی گواہی دے رہے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیاوی علوم میں مہارت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جب کوئی قوم راہ راست سے بھٹک جاتی ہے تو کوئی علمی ترقی اسے اس کے دردناک انجام سے نہیں بچا سکتی۔

[۷۲] روٴسا ِقبیلہ کی شدید مخالفت کے باوجود چند خوش نصیب ایسے بھی تھے جو حضرت صالحؑ پر ایمان لے آئے۔ ان کی مالی حالت کمزور تھی اور معاشرہ میں بھی انھیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اس لیے بڑوں نے ازراہ تعجب پوچھا کیا تم سچ مچ صالح پر ایمان لے آئے ہو۔ جب انھوں نے اعتراف کیا تو متکبر رئیس بولے ہم تو ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا

پس انھوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اُونٹنی کی اور ۱۰۱؎ انھوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا اے صالح! لے آؤ

بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

ہم پر اس (عذاب) کو جس کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا اگر تم اللہ کے رسولوں سے ہو پھر آ لیا انھیں ۱۰۲؎ زلزلہ کے جھٹکوں نے تو

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ

صبح کے وقت وُہ اپنے گھروں میں مُنہ کے بل گرے پڑے تھے تو (صالح نے) منہ پھیر لیا اُن کی طرف سے اور (بصد حسرت) کہا اے میری قوم ۱۰۳؎!

۱۰۱؎ عقر کا لغوی معنی اُونٹ کے پاؤں کی کونچیں کاٹ دینا ہے لیکن ذبح کے معنی میں بھی عام مستعمل ہوتا ہے۔ قال الازھری العقر ھو قطع عرقوب البعیر ثم جعل النحر عقرا (مظہری) قوم ثمود میں حضرت صالح کے وعظ و نصیحت کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا۔ اور آپ کے خلاف عداوت کا جذبہ بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ساری قوم کے مشورہ اور رضامندی سے ایک بدبخت جس کا نام قدار بن سالف تھا (قرطبی) اس نے اکیلے یا اپنے چند ساتھیوں کی امداد سے اس اُونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ اور حضرت صالح کے قتل کی بھی سازش کرنے لگے۔ اور ان کی بے باکی کی یہ حالت ہو گئی کہ اللہ کے نبی کو چیلنج دے دیا کہ اب وُہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہر وقت ہمیں ڈرایا کرتے تھے۔ حضور کریم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ پہلے زمانہ کا بدبخت ترین آدمی وُہ تھا جس نے صالح کی اُونٹنی کو مار ڈالا اور آئندہ زمانہ کا بدبخت ترین آپ کا قاتل ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی اشقی الاولین عاقر ناقۃ صالح واشقی الآخرین قاتلک (مظہری)

۱۰۲؎ اگرچہ اُونٹنی کو ہلاک کرنے والا ایک شخص تھا لیکن اس کو تائید ساری قوم کی حاصل تھی اور وُہ اس کی حرکت پر رضامند تھے اس لیے اس کی سزا بھی صرف ایک شخص کو نہیں بلکہ ساری قوم کو دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سرکش اور نافرمان کو قوم کی تائید و حمایت حاصل ہو تو ساری قوم مجرم قرار دی جاتی ہے اور سبھی کو اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

۱۰۳؎ قوم کی بربادی کے بعد آپ وہاں سے روانہ ہُوئے۔ بعض کے نزدیک شام کا قصد کیا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ آپ مکہ کی طرف تشریف لے آئے۔ وہاں سے رخصت ہوتے وقت اس شفیق و مہربان نبی نے اپنے دلی قلق و حسرت کا اظہار کرتے ہُوئے ان مرے ہُوئے ثمودیوں کو یہ خطاب فرمایا۔ یہ بعینہٖ ایسا ہے جیسے جنگ بدر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس گڑھے کے کنارے تشریف لے گئے جس میں کفار مکہ کے لاشے پڑے تھے۔ وہاں جا کر فرمایا۔ اے ابُوجہل، اے اُمیہ، اے عتبہ، اے شیبہ! میرے رب نے فتح و نصرت کا جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا وُہ تو اس نے پُورا کر دیا۔ تم کہو تمھارے ساتھ ذلت و عذاب کا جو وعدہ تھا وُہ بھی پُورا ہُوا؟ حضرت فاروق اعظمؓ نے عرض کی یا رسُول اللہ آپ تین دن کے مُردوں کو خطاب فرما

لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ

بے شک پہنچا دیا میں نے تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں نے خیر خواہی کی تمھاری لیکن تم تو پسند ہی نہیں کرتے

النّٰصِحِیْنَ ۝٧٩ وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ

(اپنے) خیر خواہوں کو　　اور بھیجا ہم نے لوط کو جب اُنھوں نے کہا ٣٠ اپنی قوم سے کیا تم کیا کرتے ہو ایسی بے حیائی (کا فعل) جو تم سے پہلے

سے ہیں ؟ تو حضور نے فرمایا۔ ما انتم باسمع لما اقول منھم انھم الآن یسمعون ما اقول لھم غیر انھم لا یستطیعون ان یردوا علینا شیئا (بخاری و مسلم) میری گفتگو تم ان سے زیادہ نہیں سُن رہے ہو البتہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر بھی قبر میں سنتا ہے۔ جب ایسا ہے تو مومن قبر میں کیوں نہیں سُنتا ؟

٣٠ یہاں ایک دُوسری قوم کا ذکر ہو رہا ہے جو دریائے اُردن کی ترائی میں شام کے جنوب میں آباد تھی ان کا پایۂ تخت سدوم تھا۔ یہ علاقہ بھی بڑا زرخیز اور شاداب تھا میلوں تک پھل دار باغات کا سلسلہ چلا جاتا تھا لیکن یہاں بسنے والی قوم بڑی کمینہ خصلت اور بدکردار تھی۔ سرِ محفل بدکرداریاں کرتے اور بجائے شرمانے کے اس پر فخر کرتے۔ رہ چلتے مسافروں کو لُوٹ لینا، اپنے مہمانوں کی ہر چیز چھین لینا ان کا پسندیدہ شغل تھا۔ ایسی گری ہوئی اور رذیل قوم کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ آپ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے تھے۔ آپ کے والد کا نام حاران بن تارح تھا۔ آپ کافی عرصہ تک حضرت خلیل کی معیت میں رہے۔ بعد میں اُنھیں اہل سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس مقدس نبی کے متعلق موجودہ تورات میں جو شرمناک الزامات عائد کیے گئے ہیں دل گوارا نہیں کرتا اور حیا اجازت نہیں دیتی کہ انھیں یہاں نقل کیا جائے لیکن میرا یہ بھی فرض ہے کہ قرآن کے دعووں کی تصدیق کے لیے جو ثبوت ملے اُسے ہدیۂ ناظرین کروں۔ قرآن نے بارہا اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ علماء یہود نے اپنے رسول پر نازل شدہ کتاب تورات میں جا بجا تحریف کر دی اور اس میں طرح طرح کا ردّو بدل کیا۔ اس کی تصدیق کے لیے تورات کی مندرجہ آیات پڑھیے حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی کتاب پیدائش کے انیسویں باب کی آیات ٣٠ تا ٣٦ ملاحظہ ہوں۔

" اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اسے ضغر میں بستے ڈر لگا۔ اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے (٣٠) تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دُنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے (٣١) آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں (٣٢) سو اُنھوں نے اُسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی (٣٣) اور دُوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں

بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

کسی نے نہیں کیا ساری دُنیا میں فٹلہ بے شک تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے

مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ مَا كَانَ جَوَابَ

عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ تو حد سے گزرنے والے ہو اور نہ تھا فلا کوئی جواب

اور تو بھی جاکر اُس سے ہم آغوش ہو تاکہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں (۳۴) سو اُس رات بھی اُنھوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اُس سے ہم آغوش ہوئی۔ پر اُس نے نہ جانا کہ وُہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی (۳۵) سو لُوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں (۳۶)"

نعوذ باللہ من ذالک۔ کہاں نبوت کا مقام رفیع اور کہاں یہ اخلاقی پستی جس کے ارتکاب کا خیال آج بھی گھٹیا سے گھٹیا آدمی نہیں کر سکتا۔ سچ ہے یہ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہی کام تھا کہ انبیاء سابقین کے تقدس اور ان کی عصمت کو بیان کریں جن پر ان کے ماننے والوں نے یہ قبیح الزامات لگا رکھے تھے۔ ابھی ابھی نوح علیہ السلام پر میخواری کی جو تہمت تورات میں لگائی گئی ہے اُسے آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے ضمن میں ہی میں نے انسائیکلوپیڈیا کا حوالہ بھی دیا ہے۔ آخر یورپ کے عیسائی محققین کو بھی عظمتِ انبیاء کو تسلیم کرنا پڑا جس کو قرآن کریم نے سب سے پہلے پیش کیا۔

فٹلہ دیگر رذیل حرکتوں کے علاوہ وُہ ایک اور گندی عادت کا شکار تھے جو اُن سے پہلے کسی قوم میں موجود نہ تھی یعنی وُہ لڑکوں کے ساتھ بدمعاشی کیا کرتے تھے اور اس میں وُہ ذرا شرم محسوس نہ کرتے۔ حضرت لُوط علیہ السلام نے ان کو اس غیر طبعی فعل پر ٹوکا اور اُنھیں شرم دلائی کہ بے شرمو! ڈوب مرو۔ یہ طلاکن فرکرتے ہو۔ اور گناہ بھی ایسا جس کے مُوجد بھی تم ہو۔ خدا سے ڈرو کچھ تو حیا کرو۔

فلا حضرت لُوط کے وعظ سے وُہ بھڑک اُٹھے اور کہنے لگے ذرا دیکھو تو اس لُوط کو اور اس کے چیلوں کو۔ بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں۔ ہم ایسے رجعت پسند لوگوں کا وجُود اپنے ترقی پسند معاشرہ میں برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اُنھیں بیک زبان کہہ دو کہ اپنے زُہد و تقدس سمیت یہاں سے تشریف لے جائیں اور ہماری محفلِ عیش و طرب کو اپنے ان وعظوں سے بے لُطف نہ بنائیں۔ انسان پریشان ہو کر رہ جاتا ہے جب وُہ یہ پڑھتا ہے کہ اس ذلیل اور غلیظ فعل کو جس سے انسان کی عقلِ سلیم کو طبعی نفرت ہے صرف عہد قبل از تاریخ کے اہلِ سدوم نے ہی اپنے لیے پسند نہیں کیا بلکہ یُونان کے بڑے بڑے فلسفی اس کو ایک جائز اور پسندیدہ فعل شمار کیا کرتے تھے۔ اور تہذیب جدید کے مُوجد (یورپ) اور سرپرست (امریکہ) کے بڑے بڑے اہلِ قلم اس کو قانونی طور پر جائز قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔ کئی ممالک نے اسے قانونی طور پر جائز کر دیا ہے جن میں جرمنی کو سبقت حاصل ہے۔

قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ

ان کی قوم کے پاس سوائے اس کے کہ وُہ بولے باہر نکال دو انھیں اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے

يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾

پاکباز بنتے ہیں پس ہم نے نجات دے دی لُوط کو اور ان کے گھر والوں کو بجز اُن کی بیوی کے، وُہ ہو گئی پیچھے رہ جانے والوں

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور برسایا ہم نے ۱۰۷ اُن پر (پتھروں کا) مینہ تو دیکھو کیسا (عبرت ناک) انجام ہوا ۱۰۸ مجرموں کا

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ۱۰۹ اُن کے بھائی شعیبؑ کو اُنھوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا

۱۰۷ جب حضرت لُوط علیہ السلام کی کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی اور ان کی سرکشی اور نافرمانی بڑھتی ہی چلی گئی تو اُن پر آگ اور پتھروں کی ایسی تباہ کن بارش کی گئی کہ وُہ بالکل خاک سیاہ بنا کر رکھ دیئے گئے۔ قرآن حکیم میں دُوسری جگہ ہے کہ ان کی بستیوں کو اُلٹ کر رکھ دیا گیا۔ آج بھی بحرِ مردار کو جو اُردن کے اسی علاقہ میں ہے بحرِ لُوط کہا جاتا ہے اور محققین کا خیال ہے کہ یہی وُہ جگہ ہے جہاں قوم لُوط پر عذاب نازل ہوا۔ اور آثارِ قدیمہ کے ماہرین کو اس بحیرہ کے گرد و نواح میں اس برباد شدہ قوم کے کچھ آثار بھی ملے ہیں۔ علاقہ سدوم کی تباہی کا زمانہ تازہ تخمینوں کے مطابق ۲۰۶۱ قبل مسیح ہے۔

۱۰۸ اسلامی معاشرہ کو اس اخلاقی پستی سے بچانے کے لیے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس جُرم کا ارتکاب کرنے والے کے لیے سخت سزا تجویز فرمائی ہے۔ ابُوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی اور دارقطنی میں حضورؐ کا یہ فرمان مروی ہے من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول یعنی جس کو قوم لُوط کا فعل کرتے ہُوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت خالدؓ نے آپ کی خدمت میں ایسے مجرم کی سزا کے متعلق خط لکھا۔ آپ نے سب صحابہ کو مشورہ کے لیے طلب کیا اور مسئلہ پیش کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ مجرم کو تلوار سے قتل کر کے اس کی لاش جلا دی جائے۔ سب صحابہ نے آپ کی رائے کی تائید کی۔ چنانچہ خالد کو یہی لکھا گیا اور اُنھوں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ حضرت ابُوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حاکم وقت کو اختیار ہے کہ مجرم کو ایسی عبرت ناک سزا دے تاکہ کسی اور کو اس کے ارتکاب کی جرأت نہ ہو۔

۱۰۹ اس رکوع میں حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ مدین ایک شہر کا نام تھا جو بحرِ احمر

مِنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ

کوئی خدا اس کے بغیر۔ بے شک آگئی تمھارے پاس روشن دلیل تمھارے رب کی طرف سے تو پورا کرو ناپ

وَ الْمِیْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ

اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ فساد برپا کرو زمین میں

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۸۵ وَ

اُس کی اِصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمھارے لیے اگر تم ایمان لانے والے ہو اور

کے کنارے کوہ طور کے جنوب مشرق کی طرف آباد تھا جہاں حضرت شعیبؑ کی قوم رہائش پذیر تھی۔ اصل میں مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا نام تھا جو آپ کی اہلیہ محترمہ قطورا کے بطن سے تھے۔ اور یہ قوم ان کی نسل سے تھی۔ اسی وجہ سے اُنھوں نے اپنی بستی کا نام اپنے جدّ امجد کے نام پر رکھا تھا۔ یہ قوم تجارت پیشہ تھی۔ اور ان کی بستیاں وہاں تھیں جہاں جزیرہ نمائے عرب کی دو مشہور تجارتی شاہراہیں (یعنی یمن سے شام اور عراق سے مصر جانے والی شاہراہیں) آکر ملتی تھیں۔ اس لیے ان کی حیثیت ایک مشہور تجارتی منڈی کی تھی جہاں آنے جانے والے تجارتی قافلے اپنا سامان بیچتے بھی تھے اور اپنی ضروریات کی چیزیں خریدتے بھی تھے۔ اس لیے اہل مدین معاشی لحاظ سے بڑے خوشحال تھے

حضرت شعیب علیہ السلام کو اُن کے حسنِ استدلال اور فصیحانہ اندازِ کلام کی وجہ سے خطیبُ الانبیاء کہا جاتا ہے۔ آپ کے تبلیغی وعظوں کا خلاصہ جو قرآن نے ہمیں بتایا ہے وُہ یہ ہے کہ آپ کی قوم دو خرابیوں میں مبتلا تھی اور آپ نے اُنھیں کی اصلاح کے لیے اپنی کوششیں وقف کر دیں۔ ایک تو یہ کہ اگرچہ آپ کی قوم کا سلسلۂ نسب مؤحّدِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا تھا لیکن مرورِ وقت اور دُوسری مشرک قوموں سے میل جول کے باعث وُہ شرک میں مبتلا ہو گئے تھے اس لیے حضرت شعیبؑ نے سب سے پہلے اُنھیں یہ سمجھایا کہ خُدا ایک ہی ہے اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس کے بغیر کسی اور کی پرستش کرنا سخت نادانی ہے اور دُوسری خرابی جو اُن میں جڑ پکڑ چکی تھی یہ تھی کہ وُہ ایک تاجر پیشہ قوم ہونے کے باعث لین دین میں دھوکہ و فریب سے باز نہیں آتے تھے۔ اُن کی زندگی کا مقصد "زیادہ دولت کماؤ" بن کر رہ گیا تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وُہ کسی بڑی سے بڑی بے ایمانی اور فریب کاری کو جائز سمجھتے تھے۔ کم تولنا، کم ناپنا نیز دُوسرے لوگوں سے کوئی چیز خریدتے وقت ان کی سادگی سے فائدہ اُٹھا کر اُس کی قیمت کم دینا ان کے نزدیک ہرگز معیوب نہ تھا۔ حضرت شعیبؑ نے اس سے بھی ان کو روکا۔

آخر میں اپنی قوم کو تنبیہ فرمائی کہ اگر تم نے توحید کی جگہ شرک اور ہدایت کی جگہ گمراہی اختیار کی یا تجارتی اصولوں کو

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

مت بیٹھا کرو[١٢] راستوں پر کہ ڈراتے رہو تم (راہ گیروں کو) اور روکتے رہو تم اللہ کی راہ

اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا

سے جو ایمان لایا اللہ کے ساتھ اور تلاش کرتے ہو اس میں عیب۔ اور یاد کرو (وہ وقت) جب تم تھوڑے سے تھے

فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَاِنْ كَانَ

پھر اس نے تمھیں بڑھا دیا اور دیکھو! کیا ہوا انجام فساد برپا کرنے والوں کا[١٣] اور اگر ایک

طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا

گروہ تم میں سے ایمان لا چکا ہے اس کے ساتھ جو دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لایا تو

فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٧﴾

(ذرا) صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ کر دے اللہ ہمارے درمیان اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اپنی ذاتی منفعت کے لیے پامال کیا تو امن و ہدایت کی پُرسکون فضا میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اُٹھیں گے۔

[١٢] وہ لوگ اُن راستوں پر بیٹھ جاتے جو حضرت شعیبؑ کی قیام گاہ کی طرف جاتے اور جب انھیں کوئی شخص اُدھر جاتا ہوا ملتا تو اُس کے سامنے حضرت شعیبؑ کی مذمت کرتے اور آپ کے عقائد کو اس طرح پیش کرتے کہ یہ معلوم ہونے لگے کہ یہ عقائد سراسر باطل ہیں۔ اور اُن کے اس پروپیگنڈے کے باوجود بھی اگر کوئی اللہ کا بندہ حضرت شعیبؑ کے پاس جانے پر بضد ہوتا تو پھر ڈنڈے کے زور سے اُسے روکتے۔ اُن کے اس طرزِ عمل پر اُن کو سرزنش کی جا رہی ہے کہ ایسا کرنا چھوڑ دو۔ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

[١٣] یعنی تمھارے گرد و پیش بے شمار ایسے کھنڈرات موجود ہیں جو ان قوموں کا مسکن تھے۔ جو اپنے زمانہ میں قوت و شوکت، علم و صنعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ انھیں اپنے تمدن و طرزِ معاشرت پر ناز تھا۔ لیکن جب وہ نافرمانی کی راہ پر چل نکلیں تو پیس کر رکھ دی گئیں۔ تم ان کے دردناک انجام سے آنکھیں کیوں بند کیے ہوئے ہو۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ

کہنے لگے وُہ سردار جو غرور و تکبر کیا کرتے تھے ان (شعیب) کی قوم سے ۱۱۴ یا تو ہم نکال کر رہیں گے تمھیں اے شعیب!

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ

اور جو ایمان لائے تمھارے ساتھ اپنی بستی سے یا تمھیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں۔ شعیب نے کہا

اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ

اگرچہ ہم اس (ارتداد) کو ناپسند بھی کرتے ہوں ۱۱۵ پھر تو ہم نے ضرور بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اگر ہم لوٹ آئیں تمھارے

مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ

دین میں اس کے بعد کہ جب نجات دے دی ہمیں اللہ نے اس سے اور نہیں کوئی وجہ ہمارے لیے کہ ہم لوٹ آئیں

۱۱۴ حضرت شعیبؑ کا وعظ سراپا حقیقت تھا! اس میں صداقت کا نُور چمک رہا تھا۔ ہر لفظ اخلاص و شفقت کا آئینہ تھا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ آپ کا وعظ سُننے کے بعد ان کے دل پسیج جاتے اور اُن کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی دُور ہو جاتی۔ لیکن وہاں تو مسلسل سرتابیوں کی وجہ سے دل کا آئینہ زنگ آلود ہو چکا تھا۔ وُہ آپ کے ساتھ شائستہ انداز میں گفتگو کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے فوراً جبر و تشدد پر اتر آئے۔ اور باطل کا ہمیشہ سے یہی رویہ رہا ہے۔ دلیل و بُرہان کے میدان میں شکست کھانے کے بعد وُہ حق کو اپنی قوت سے کچلنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان لوگوں نے بھی اَدب و تہذیب کے سارے تقاضوں کو پسِ پُشت ڈال کر آپ کو دھمکی دینی شروع کر دی کہ اے شعیبؑ! اگر تم اور تمھارے چیلے ہمارے مذہب میں لوٹ نہ آئے تو تمھارا بوریا بستر اُٹھا کر شہر سے باہر پھینک دیا جائے گا اور تمھیں جلاوطن کر دیا جائے گا۔

۱۱۵ آپ نے فرمایا اے قوم! اگر ہم خوشی سے ان فکری اور عملی پستیوں میں جہاں تم نے اپنے آپ کو پھینک دیا ہے گرنے پر آمادہ نہ ہوں تو کیا تم ہمیں پھر بھی مجبور کرو گے کہ ہم اپنے آپ کو ہدایت کے مقامِ بلند سے ضلالت کے گڑھے میں ڈال دیں۔ ہمیں اتنا بے وقوف مت سمجھو کہ توحید کی شرابِ طہور پی لینے کے بعد ہم پھر کفر و شرک کے گندے اور غلیظ جوہڑ کی طرف آئیں گے۔ اور انسانی شرف و فضیلت کی قدروں پر ایمان لانے کے بعد پھر کسی لالچ میں آکر اُن سے رُوگردانی اختیار کر لیں گے۔ ہم پر تو اللہ تعالیٰ کا یہ خاص احسان ہے کہ ہماری رسائی اسلام کے چشمۂ صافی تک ہو گئی ہے۔

فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ

اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ جو پروردگار ہے ہمارا ۱۱۶ گھیرے ہوئے ہے ہمارا رب ہر چیز کو اپنے علم سے

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ

صرف اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اے ہمارے رب فیصلہ فرما دے ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ ۱۱۷ اور

اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ

تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے کہ اگر تم

اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

پیروی کرنے لگو شعیب کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے ۱۱۸ پھر پکڑ لیا انہیں زلزلہ نے

۱۱۶ پہلے اپنا پختہ ارادہ اور عزم بتایا کہ ہم راہ راست کو کسی قیمت پر بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے پر آمادہ ہیں لیکن اس میں خودی کی کچھ بو آ رہی تھی اس لیے فوراً اپنے عزم و ارادہ کی بے بسی کا اعتراف کیا اور ہر چیز اپنے مولائے حقیقی کے حوالہ کر دی۔ یعنی ہمارا ہدایت پر ثابت قدم رہنا اسی وقت تک ہے جب تک اس کی نظر کرم اور توفیق ہمارے شامل حال ہے۔ ورنہ ہماری سمجھ، نیکی اور تقویٰ کسی کام نہیں آ سکتے۔ سبحان اللہ! کیا مقام ہے پیغمبر کا۔ بارگاہ ربانی میں اتنی عزت و توقیر کے باوجود دل ہر لمحہ اپنے مالک کی بے نیازی سے لرزاں و ترساں ہے۔ مومن کی کیفیت بھی ایسی ہی ہونی چاہیے کہ اپنی ہر نیکی کو اپنے رب کا فضل تصور کرے اور اپنے علم، عمل اور تقویٰ پر ذرا گھمنڈ نہ کرے اور ہر لغزش سے اس کی پناہ مانگتا رہے۔

۱۱۷ یہاں افتح کا معنی ہے احکم یعنی ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔ احکم بیننا وبینهم والفتاح القاضی والفتاحة الحکومة (بیضاوی)

۱۱۸ مدین کے رئیسوں نے جب حضرت شعیب کی تبلیغ کو اثر انداز ہوتے ہوئے محسوس کیا تو اپنی قوم کو معاشی بدحالی سے خوفزدہ کرنا شروع کر دیا۔ انہیں بتایا کہ اگر تم نے شعیب کی بات مان لی اور کم تولنا، کم ناپنا وغیرہ ہتھکنڈوں کو استعمال کرنا چھوڑ دیا تو سن لو! یہ دولت و ثروت کی فراوانی، تجارت کی گہما گہمی اور معاشی فارغ البالی سب ختم ہو کر رہ جائیں گی پھر تم ہو گے اور تمہاری فاقہ مستیاں! اس روکھے پھیکے تقدس کو پھر بیٹھے چاٹتے رہنا۔ بیمار ذہن کچھ ایسا ہی سوچا کرتا ہے۔ اصولوں کی پابندی میں اسے اپنی ناکامی، راہ راست پر چلنے میں اپنی ہلاکت کے خدشات اور دین حق پر ایمان لانے میں اسے مہیب خطرات دکھائی دینے

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ

تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔ جن (بدبختوں) نے جھٹلایا شعیب کو (وہ یوں نابود کر دیے گئے)

لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾

گویا کبھی بستے ہی نہ تھے ان مکانوں میں ۱۱۹ جنھوں نے جھٹلایا شعیب کو ہو گئے وہی نقصان اٹھانے والے ۱۲۰

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ

تو منہ پھیر لیا اُن کی طرف سے اور کہا اے میری قوم! بے شک میں نے پہنچا دیے تھے تمھیں پیغامات اپنے رب کے اور میں نے نصیحت کی تھی

لگتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ نبی ایسے ہی بیمار ذہنوں کے علاج کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔

۱۱۹۔ لفظ غنی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ غنیتُ بالمکان اذا اقمت به وغنی القوم فی دارهم ای طال مقامهم فیها والمغنی المنزل والجمع المغانی۔ خلاصہ عبارت یہ ہے کہ غنی کا معنی ہے کسی جگہ مدتِ دراز تک اقامت گزیں رہنا اور رہائش گاہ کو مغنی کہتے ہیں اور اس کی جمع مغانی ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب مسلسل نافرمانی اور سرکشی کے باعث ان پر عذابِ الٰہی آیا تو وہ ہلاک و برباد ہو کر رہ گئے۔ اور اُن کے شاندار محلات اور کشادہ حویلیوں میں اُلّو بولنے لگے۔ جہاں زندگی اپنے تمام نخروں سمیت محوِ خرام تھی وہاں خاک اُڑنے لگی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہاں کبھی کوئی آباد ہوا ہی نہیں۔

۱۲۰۔ یعنی وہ تو اس خوف کی وجہ سے شعیب علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتے تھے کہ اگر انھوں نے ان کی شریعت پر عمل شروع کر دیا تو وہ مفلوک الحال اور کنگال ہو جائیں گے اور ان کی معاشی بدحالی کا آغاز ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تنبیہ فرماتے ہیں کہ ان کے یہ سب اندیشے غلط ثابت ہوئے اور نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے نبی کے دامن میں پناہ لی وہ تو دین و دُنیا میں کامیاب ہو گئے اور جنھوں نے آپ کی نافرمانی کی اُن کی دُنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد ہو گئی۔ وہ لوگ جو محض نام نہاد اور بے بُنیاد اقتصادی زبُوں حالی کے خوف سے شریعتِ اسلامیہ کے واضح احکام میں ردّ و بدل کرنے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں۔ انھیں چاہیے کہ وہ اہلِ مدین کے حالات کا بغور مطالعہ کریں اُن پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں صرف عقبیٰ کی نجات ہی نہیں بلکہ دُنیا کی خوشحالی بھی مضمر ہے۔ اور ان سے سرتابی کرنے والے صرف اپنی قیامت ہی خراب نہیں کرتے بلکہ اپنے ہاتھوں اپنی اس زندگی کو بھی تمام حقیقی خوشیوں اور راحتوں سے محروم کر دیتے ہیں۔

لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ

تمھیں۔ تو (اب) کیونکر غم کروں میں ۱۲۱؎ کافر قوم (کے ہولناک انجام) پر۔ اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں ۱۲۲؎

مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

کوئی نبی مگر یہ کہ (جب نبی جھٹلایا گیا) تو ہم نے مبتلا کر دیا وہاں کے باشندوں کو سختی اور تکلیف میں تاکہ وہ

يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا

گڑگڑانے لگیں۔ پھر ہم نے بدل دی تکلیف کی جگہ راحت ۱۲۳؎ حتیٰ کہ وہ پھلے پھولے اور کہنے لگے

۱۲۱؎ یہ بیان جو متعدد رکوعوں میں پھیلا ہوا ہے اس سے مدعا صرف داستان سرائی اور قصہ گوئی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو جھنجھوڑنا ہے۔ ان کے سامنے ان قوموں کا حال بیان کیا جن سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا جن کے کھنڈرات ان کے تجارتی کاروانوں کی گذرگاہوں کے ارد گرد واقع تھے، جن کی خوشحالی، بالادستی، غلبہ و اقتدار کی بڑی شہرت تھی اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام کی نافرمانی کے باعث ان کی تباہی و بربادی کے دلخراش واقعات سب کو معلوم تھے یہ بتا کر انھیں آگاہ کیا کہ میرا حبیب اور میرا مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء بھی انھیں تعلیمات کو کامل اور مکمل صورت میں تمھارے پاس لے آیا ہے جو پہلے نبیوں نے اپنی اپنی اُمتوں کو اپنے زمانہ میں ان کی عقلی بیداری کے مطابق اُنھیں دیں۔ اگر تم نے بھی انکار اور عناد کی روش اختیار کی تو یاد رکھو تمھارا بھی وُہی انجام ہو گا جو پہلے منکرین کا ہوتا آیا ہے۔ دونوں جہان کی سعادت اور سلامتی مطلوب ہے تو میرے پیارے رسُول کی اطاعت کرو اور اُس کا دامن رحمت مضبُوطی سے تھام لو۔

۱۲۲؎ یہاں من نبي کے بعد فکذب مضمر ہے فيه اضمار يعنى فكذب (مظہری) پہلے خاص خاص قوموں کے حالات بیان کیے اب ایک قاعدہ کلیہ بتایا جا رہا ہے جس کے ماتحت سب قوموں کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے یعنی جب کبھی کسی بستی میں نبی مبعوث کیا گیا اور وہاں کے رہنے والوں نے اس کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو فوراً ہی انھیں تباہ و برباد نہیں کر دیا جاتا بلکہ اگر نبی کی تعلیم کی صداقت، اس کی دلکش سیرت اور دُوسرے روشن معجزات اس کی قوم کو ان کی ہٹ دھرمی سے باز نہیں رکھ سکتے تو پھر انھیں طرح طرح کی مُصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے تاکہ غرور کا نشہ اُترے انھیں اپنے اور اپنے احباب کے مادی وسائل کی نارسائی کا یقین ہو جائے اور ان پر ان کی کمزوریاں عیاں ہو جائیں تاکہ وُہ باطل کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کر کے حق کے ظلِ رحمت میں آ جائیں۔ لعلهم يضرعون کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تکلیفیں انسان کو خواب غفلت سے چونکا دینے کے لیے ہوتی ہیں۔

۱۲۳؎ لیکن اگر یہ طریقہ بھی مؤثر ثابت نہ ہو تو پھر ان پر انعام و اکرام کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اولاد، مال، عزت،

اقوام عاد۔ ثمود۔ لوط اور شعیب کے علاقے
دمشق
شام
بیت المقدس
بحر لوط
قوم لوط
اردن
ایلہ
قوم شعیب
مدین
قوم ثمود کا علاقہ
مدائن صالح
حجر
عراق
مدینہ طیبہ
مکہ مکرمہ
طائف
ریاض
بحر احمر
خلیج فارس
ایران
قوم عاد کا علاقہ
یمن
الاحقاف
حضر موت
خلیج عدن
بحیرۂ عرب
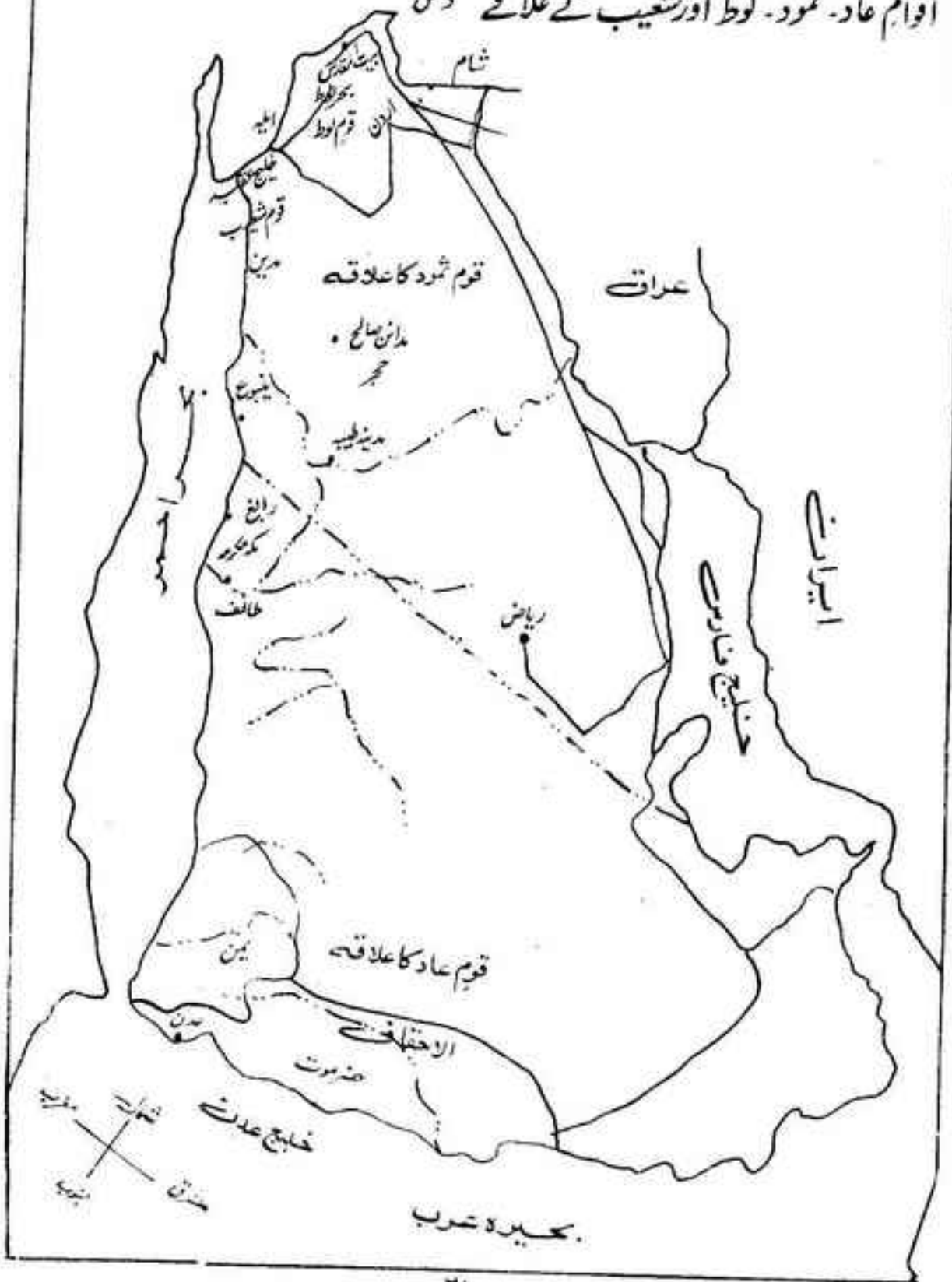
قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ

بے شک (یونہی) پہنچا کرتی تھی ۱۴۳؎ ہمارے باپ داداکو بھی (کبھی) تکلیف اور (کبھی) راحت تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اس حال میں کہ انہیں

وقار اور ہر قسم کی آسائشیں انہیں مہیا کر دی جاتی ہیں تاکہ وہ اپنے محسنِ حقیقی کو پہچان کر اس کی نافرمانی سے باز آجائیں اور اس کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لیں لیکن اگر وہ مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹنے کے بعد بھی بیدار نہ ہوتے اور نعمت و احسان کی فراوانی کے باوجود بھی اُن کے دلوں میں اپنے مہربان اور کریم پروردگار کے لیے شکر گزاری کا جذبہ پیدا نہیں ہوا تو پھر اُن کی اصلاح کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی۔ وہ جسم کے ایسے کرم خوردہ عضو کی طرح ہیں جس کا کاٹ دینا باقی جسم کی عافیت کے لیے ازبس ضروری ہے۔ علامہ قرطبی لفظ عفو کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اضداد سے ہے۔ اس کا معنی بڑھنا اور زیادہ ہونا بھی ہے اور مٹ جانا بھی۔ یہاں پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے عفوا کا معنی کثروا کیا ہے وعفا: من الاضداد۔ عفا: کثر وعفا: درس وقال ابن زید: کثرت اموالھم واولادھم (قرطبی)

۱۴۳؎ بجائے اس کے کہ وہ ان مصائب اور تکالیف سے عبرت حاصل کرتے اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے وہ یہ کہہ کر اپنے دلوں کو تسلی دے دیتے کہ یہ ژالہ باری جس نے ہمارے کھیتوں اور باغوں کا ستیاناس کر دیا ہے، یہ قحط جس نے زمین سے روئیدگی کی ساری قوت چھین لی ہے۔ یہ زلزلہ جس کے ہوش رُبا جھٹکوں نے ہماری بارونق اور آباد بستیوں کو زیروزبر اور فلک بوس عمارتوں کو پیوندِ زمین کر دیا ہے۔ یہ جنگ جس کی ہلاکت خیزیوں نے قیامت برپا کر دی ہے۔ یہ ہماری کسی اخلاقی کمزوری یا کاروباری بددیانتی اور غریبوں پر ظلم و تعدی کی سزا نہیں بلکہ پہلے بھی اکثر یُوں ہوتا رہا ہے۔ موسمی تغیرات یا سیاسی حالات کی وجہ سے یہ حادثات رُونما ہو گئے ہیں۔ اُن گزری ہُوئی قوموں کو ہم رہنے دیں۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ذرا اپنا محاسبہ کریں۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد کونسی ایسی مصیبت ہے جس سے ہم دوچار نہیں ہوئے سیلابوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو مشرقی اور مغربی پاکستان کے دریا اپنی قہر آلود موجوں سے تباہ سے ہزار ہا گاؤں کو بہا لے جاتے ہیں سینکڑوں بڑے بڑے شہروں کی بنیادیں لرز اٹھتی ہیں۔ جان و مال کے نقصانات کا اندازہ کروڑوں روپیہ سے زیادہ ہوتا ہے لیکن کیا ہم اس سے کچھ عبرت حاصل کرتے ہیں؟ کسی اپنی اخلاقی کمزوری سے تائب ہوتے ہیں؟ کسی قومی غداری سے دست کش ہوتے ہیں؟ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اس سال مون سون کی ہوائیں بڑے زور شور سے اٹھیں اور پہاڑوں سے آ کر ٹکرائیں اور متواتر کئی دنوں تک موسلا دھار بارش برستی رہی جس کی وجہ سے یہ طغیانی آ گئی اور فلاں فلاں گاؤں اور شہر غرقاب ہو گئے۔ پھر سیلاب زدگان کی امداد کے لیے رقص و سرود کی محفلیں ترتیب دی جاتی ہیں جہاں ننگے اور فحش گانے ہوتے ہیں اور ان ذلیل حرکات سے جو رقم اکٹھی ہوتی ہے وہ بھی اکثر و بیشتر امدادی پروگرام کے منتظموں کی جیب سے یُوں چمٹ کر رہ جاتی ہے کہ باہر نکلنے کا نام نہیں لیتی۔ آج کی مادہ پرستانہ ذہنیت جس نگاہ سے ان حادثات کو دیکھتی ہے اور پھر اس کے لیے جو علاج تجویز کرتی ہے ان تباہ ہونے والی قوموں کا بھی یہی حال تھا۔ اسی

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ

خواب وخیال بھی نہ تھا۔ اور اگر بستیوں والے ۱۲۵ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر

بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا

برکتیں آسمان کی اور زمین کی لیکن انھوں نے جھٹلایا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے انھیں بوجہ ان

يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ

کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اس حال میں کہ وہ

نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ

سو رہے ہوں ۱۲۶ یا کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت جب کہ وہ

کو قرآن نے اپنے معجزانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اور بیان کا مقصد یہ نہیں کہ ہم گزشتہ اقوام کی کج فہمیوں پر طنزیہ قہقہے لگا دیں یا رسمی طور پر اظہار افسوس کر دیں۔ بلکہ مقصد وحید یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور ان مہلت کی گھڑیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو اس دردناک انجام سے بچائیں جس سے سابقہ قوموں کو اپنی سرکشیوں کے باعث دوچار ہونا پڑا تھا۔

۱۲۵ یعنی ایمان اور تقویٰ کسی قوم کی ترقی کے راستہ میں حائل نہیں ہوتے جیسے عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کے باعث تو رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آجاتا ہے اور ہر جانب سے خیر و برکت کی فراوانی ہو جاتی ہے۔ زمین اپنے شکم میں پوشیدہ خزانوں کو اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتوں اور برکتوں کو بے دریغ نچھاور کر دیتا ہے ای لوسعنا علیهم الخیر من کل جانب ودا و مناه لهم وقیل برکات السماء المطر و برکات الارض النبات والزرع (مظہری) ترجمہ: ہم ہر طرف سے ان پر خیر و برکت کی فراوانی کر دیتے اور جو نعمتیں انھیں بخشی ہیں وہ ہمیشہ برقرار رہتیں۔ برکات آسمان سے مراد بارش ہے۔ اور برکات زمین سے مراد زراعت و نباتات ہے۔

۱۲۶ اے مکہ اور اس کے اردگرد بسنے والو! پہلے نبیوں کو جھٹلانے والی قوموں کا یہ انجام ہوا۔ اگر تم میرے رسول پر ایمان نہ لاتے اور اس کی مخالفت پر کمربستہ رہے تو کسی وقت بھی تم پر عذاب نازل کر دیا جائے گا اور تمھاری اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی جائے گی۔ والمراد بالقریٰ مکة وما حولها (قرطبی)

يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ

کھیل کود رہے ہوں تو کیا یہ بے خوف ہو گئے ہیں اللہ کی خفیہ تدبیر سے ۱۲۷؎ پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کی خفیہ تدبیر سے ۱۲۸؎ سوائے اس

الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ

قوم کے جو نقصان اٹھانے والی ہوتی ہے۔ کیا یہ حقیقت واضح نہ ہوئی ان لوگوں پر جو وارث بنے زمین کے اس کے اصلی مالکوں

اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

(کی تباہی) کے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو سزا دیں انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے اور مہر لگا دیں ان کے دلوں پر تاکہ

فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ

وہ کچھ سن ہی نہ سکیں یہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ۱۲۹؎ ان کی کچھ خبریں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا

اور بے شک آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ۔ اور نہ ہوا یہ کہ ایمان لاتے اس پر جس کو جھٹلا چکے تھے

۱۲۷؎ ان کے مکر و فریب کی انھیں جو سزا دی جانے والی تھی اُسے مکر اللہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ اور یہ استعمال عام ہے جس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ ای عذابه وجزاؤه علی مکرهم (قرطبی) اور علامہ بیضاوی فرماتے ہیں ومکر اللّٰه استعارة لاستدراج العبد واخذه من حیث لایحتسب (بیضاوی)

۱۲۸؎ هدی یهدی کا صلہ جب لام آتا ہے تو اس کا معنی "ظاہر ہونا واضح ہونا" ہوتا ہے۔ یہاں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ عدی الهدایة باللام لانه بمعنی یبین (بیضاوی) یعنی مشرکین مکہ بڑے کم فہم ہیں۔ گزشتہ قوموں کی تاریخ سے یہ اتنی عبرت بھی حاصل نہیں کرتے کہ نافرمانی کے باعث ان کا کتنا بُرا انجام ہوا۔ اور جس مالک و قادر نے ان قوموں کو ان کے کرتوتوں پر سزا دی۔ اس کی قوت و طاقت سلب نہیں ہو گئی۔ وہ آج انھیں بھی سزا دینے پر قادر ہے۔

۱۲۹؎ ان گاؤں سے حضرات نوح، لوط، ہود، شعیب علیہم السلام کی قوموں کی بستیاں مراد ہیں۔

۱۴ ع ۲

مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا

اس سے پہلے ۱۳۰ؔ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر ۱۳۱ؔ اور نہ پایا ہم نے

لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ

ان کی اکثریت کو وعدہ کا پابند ۱۳۲ؔ اور ضرور پایا اُن میں سے بہتوں کو حکم عدولی کرنے والا پھر

بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا

ہم نے بھیجا ۱۳۳ؔ ان کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انھوں نے انکار کر دیا

۱۳۰ؔ وُہ لوگ اتنے ضدی اور ہٹ دھرم تھے کہ جب ایک مرتبہ اُن کی زبان سے نکل گیا کہ وُہ ایمان نہیں لائیں گے تو پھر اُس پر جم گئے۔ کوئی وعظ، نصیحت، کوئی دلیل، کوئی معجزہ اُن کو حق قبول کرنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ یعنی معجزات کا مشاہدہ کرنے سے پہلے انھوں نے نبی کی دعوت ماننے سے جو انکار کیا تھا معجزات کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی اُسی انکار پر اڑے رہے۔

۱۳۱ؔ یہ سُنّتِ الٰہی ہے کہ جو قوم جان بُوجھ کر کفر و شرک میں مبتلا رہنا چاہتی ہے اور حق کو حق سمجھتے ہُوئے اُس کا انکار کرتی ہے اُس کی غور و فکر کی قوتیں بیکار کر دی جاتی ہیں۔ اور اس اختیاری کفر کے بعد ان پر ہدایت کے راستے بند کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ کوئی چشمِ بینا رکھتے ہُوئے دِن کی روشنی میں اس سے کام نہ لے تو وُہ اگر گڑھے میں گرتا ہے تو بصد شوق گرے۔ اس کی منت نہیں کی جائے گی کہ از راہِ نوازش ہمارے حال پر رحم فرماتے ہُوئے گڑھے میں نہ گریئے۔

۱۳۲ؔ عہد شکنی اُن کی فطرتِ ثانیہ ہے جو وعدہ بھی کرتے ہیں اُس کو توڑ دیتے ہیں۔ خواہ وُہ وعدہ اپنے خُدا سے کریں یا اس کے بندوں سے۔

۱۳۳ؔ مذکورہ بالا انبیاء کے بعد فرعون جو اپنے آپ کو خُدا یا مظہرِ خُدا سمجھتا تھا کی طرف اور اس کے درباریوں کی طرف حضرت مُوسیٰ کلیم مبعوث کیے گئے۔ اور انھیں زبردست معجزے عطا کیے گئے تاکہ کسی کو آپ کی صداقت میں شک نہ رہے۔ ہر خاص و عام سمجھ لے کہ ایسے معجزے دکھانے والا صرف اللہ تعالیٰ کا رسُول ہی ہو سکتا ہے۔ یہاں ظلم معنی کفر ہے کیونکہ معجزات کے ساتھ ظلم یہی ہے کہ ان کو دیکھ کر دعوتِ حق قبول کرنے کے بجائے اس کا شد و مد سے انکار کر دیا جائے۔ اسی لیے فکفروا بہا کے بجائے فظلموا بہا فرمایا۔

بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ

ان کا۔ سو دیکھو کیسا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا اور کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اے فرعون! ۱۳۴

اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى

بلاشبہ میں رسول ہوں پروردگارِ عالم کا واجب ہے مجھ پر ۱۳۵ کہ میں نہ کہوں اللہ پر

اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۗ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ

سوائے سچی بات کے۔ میں آیا ہوں تمھارے پاس روشن دلیل لے کر تمھارے رب کی طرف سے پس بھیج دے میرے ساتھ ۱۳۶

۱۳۴۔ جیسے شاہانِ ایران کو کسریٰ اور شاہانِ رُوم کو قیصر کہا جاتا تھا اسی طرح مصر کے بادشاہوں کا لقب فرعون تھا۔ اس زمانہ میں مصر کے لوگ سُورج کو سب سے بڑا دیوتا یقین کرتے تھے۔ اور جب تک کوئی بادشاہ اپنی مصری رعایا کے دلوں میں یہ تاثر نہ پیدا کر دیتا کہ وُہ سُورج کا اوتار ہے اس کی حکومت کو استحکام نصیب نہ ہوتا۔ اسی لیے انھوں نے اپنے لیے فرعون کا لقب تجویز کیا جو رَع سے ماخوذ ہے۔ اور سُورج کو مصری زبان میں رَع کہتے۔ حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کو جس فرعون سے واسطہ پڑا تھا وُہ اس خاندان کا ایک ہی بادشاہ تھا یا دو بادشاہ تھے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ دو فرعون تھے جس فرعون کے عہد میں آپ کی ولادت ہُوئی اور جس کے محل میں آپ نے پرورش پائی اس کا نام رعمسیس دوم تھا۔ جس کا عہدِ حکومت ۱۲۹۲ سے ۱۲۲۵ قبل مسیح تک تھا۔ اور جس فرعون کے زمانہ میں آپ پیغمبر بن کر آئے اُس کا نام منفتہ یا منفتاح تھا جو اپنے باپ رعمسیس دوم کے بعد تخت نشین ہوا۔

۱۳۵۔ علیّ بیاء مشدد اور علی دونوں قرأتیں ہیں۔ پہلی قرأت کے مُطابق حقیق کا معنی "واجب" ہو گا یعنی مجھ پر واجب ہے کہ سچی بات ہی کہوں۔ اور دُوسری قرأت کے مطابق حقیق بمعنی حریص ہو گا یعنی میں سچی بات کہنے پر بڑا حریص ہُوں اور اگر علی جارہ بمعنی با ہو تو پھر حقیق بمعنی واجب ہو گا۔ (قرطبی)

۱۳۶۔ حضرت یُوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل فلسطین سے ہجرت کر کے مصر آ گئے تھے لیکن مصریوں نے رفتہ رفتہ انھیں اپنا غلام بنا لیا۔ ان پر ہر قسم کے مظالم توڑے جاتے۔ اُن سے ہر طرح کی بیگار لی جاتی۔ یہ اپنے مصری آقاؤں کی زمینیں آباد کرتے، ان کے محلات تعمیر کرتے۔ ان کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ وُہ ان کی قوم بنی اسرائیل کو آزاد کر دے اور انھیں اجازت دے کہ وُہ یہاں سے سکونت ترک کر کے اپنے آبائی وطن میں رہائش پذیر ہوں۔

بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ

بنی اسرائیل کو ۔ فرعون نے کہا اگر تم لائے ہو کوئی نشانی تو پیش کرو اسے اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾

تم (اپنے دعوٰی میں) سچے ہو تو ڈال دیا موسیٰ ؑ نے اپنا عصا تو فوراً وُہ صاف اژدہا بن گیا ۱۳۷

وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ

اور نکالا اپنا ہاتھ (گریبان سے) تو فوراً وُہ سفید (روشن) ہوگیا دیکھنے والوں کے لیے کہنے لگے قوم فرعون کے رئیس

۱۳۷ فرعون کے مطالبہ پر آپ نے دو معجزے پیش کیے ۔ ایک تو آپ نے اپنا لکڑی کا عصا پھینکا تو وُہ اژدہا بن کر پھنکارنے لگا ۔ دُوسرا آپ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالا اور جب نکالا تو وُہ جگمگا رہا تھا اور دیکھنے والوں کی نگاہوں کو اس کی چمک خیرہ کر رہی تھی ۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں معجزات کا ذکر آتا ہے تو بعض طبیعتوں پر بڑی وحشت طاری ہوجاتی ہے اور اس خوف سے کہ کہیں ان واقعات کو قوانینِ فطرت کے خلاف پاکر علماء طبیعین قرآن کی تکذیب نہ کرنے لگیں ۔ وُہ ان واقعات کی ایسی رکیک تاویلیں کرتے ہیں جن کو قرآن کے الفاظ ہرگز قبول نہیں کرتے ۔ حالانکہ یہاں ان کے پریشان اور وحشت زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ۔ بات بالکل سیدھی سی ہے کہ خالقِ کائنات کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے ۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد وُہ اب ایک بے بس اور بے اختیار تماشائی بن کر رہ گیا ہے اور اس کو اس میں ردّ و بدل کا کوئی اختیار نہیں تو پھر آپ معذور ہیں ۔ قرآن جس خُدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے وُہ ایسا بے بس اور بے کس خُدا نہیں ۔ لیکن اگر آپ اسے کائنات کا خالق تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو رب اور قدیر بھی یقین کرتے ہیں تو پھر آپ پریشان کیوں ہوں ۔ وُہ مالک ہے اور اس پر قادر ہے کہ چاہے تو چھوٹے سے انڈے سے سانپ پیدا کردے اور چاہے تو اس معمول سے ہٹ کر لکڑی کے ایک ڈنڈے کو سانپ بنادے ۔ اگر علماء طبیعین اس بات پر مُصر ہوں کہ جو قواعد اور سُنن اس مادی کائنات میں کارفرما ہیں وُہ اٹل ہیں ان میں ردّ و بدل ممکن نہیں تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ کیا آپ کا علم فطرت کے تمام قوانین اور سُنن کو محیط ہے ؟ ممکن ہے کہ یہ تخلیق کسی ایسے قاعدہ کے مُطابق ہو ۔ جہاں تک ابھی آپ کے علم کی رسائی نہ ہوئی ہو ۔ نیوٹن اور بڑے بڑے سائنس دان اس کے معترف ہیں کہ ان کا علم ناتمام فطرت کے تمام قوانین و ضوابط کو محیط نہیں بلکہ وُہ ابھی تک صرف چند اسرار کی نقاب کُشائی کرسکے ہیں ۔

فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ

واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادُوگر ہے ۱۳۸؎ چاہتا ہے کہ نکال دے تمھیں تمھارے

اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى

ملک سے تو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو ۱۳۹؎ بولے مہلت دو اسے ۱۴۰؎ اور اس کے بھائی کو اور بھیجو

الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ

شہروں میں ہرکارے تاکہ وُہ لے آئیں تمھارے پاس ہر ماہر جادُوگر کو اور آگئے جادُوگر

فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ

فرعون کے پاس ۱۴۱؎ جادُوگروں نے کہا یقیناً (آج تو) ہمیں بڑا انعام ملنا چاہیے اگر ہم (مُوسٰی پر) غالب آجائیں۔ فرعون نے کہا بے شک

۱۳۸؎ جب فرعون کے درباریوں نے کلیمی کے عصا کو مہیب اژدہا بنتے ہُوئے دیکھا اور آپ کے ہاتھ کو آفتاب سے زیادہ چمکتا ہُوا پایا تو وُہ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ معجزہ ہے۔ اور فطرت اور قوانینِ فطرت کے خالق کی قدرت کا نمونہ ہے۔ وُہ بے چارے یہی کہہ سکے کہ عام جادُو کی طرح یہ بھی ایک نظر فریبی ہے لیکن اس سے بہرحال بہتر۔ اس لیے کہا کہ یہ تو بڑا ماہر جادُوگر ہے۔

۱۳۹؎ یعنی مُوسٰی اپنے محیّر العقول کرتبوں سے لوگوں کو مرعوب کر کے انھیں اپنا عقیدت مند بنالے گا۔ اور جب اسے قوت و اقتدار حاصل ہو گیا تو پھر ہماری حکومت کا تختہ اُلٹ کر خود بادشاہ بن بیٹھے گا۔ اور اس کے بعد قبطیوں کو ان کے آبائی وطن سے نکال دے گا۔ اس لیے اے قومِ قبط کے اُمراء! آؤ مشورہ دو کہ اس فتنہ کا سدِّباب کرنے کے لیے ہمیں کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔ افسوس! کہ وُہ مُوسٰی علیہ السّلام کو اپنا سیاسی حریف سمجھ بیٹھے۔ اور ان کے ذہن میں یہ بات نہ آسکی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رسُول ہے جو کسی ذاتی لالچ کے بغیر ان کی خیر خواہی میں کوشاں ہے اور ان کے پنجۂ استبداد سے اپنی مظلوم قوم کو رہائی دلانا چاہتا ہے۔

۱۴۰؎ مصر میں اُس وقت فنِ جادُوگری کو بڑا عروُج حاصل تھا۔ درباریوں نے جب ان خدشات اور خطرات کے متعلق سُنا تو بیک زبان پکار اُٹھے کہ آپ کی قلمرو میں بڑے بڑے ماہر جادُوگر موجود ہیں۔ آپ مُوسٰی اور اس کے بھائی کو چند روز کی مہلت دیں اور اپنے خاص آدمی بھیج کر اپنی مملکت کے چند ساحر جمع کر لیں جو مجمعِ عام میں مُوسٰی کے کرتبوں کی قلعی کھول دیں۔ اس تدبیر سے ہم اپنی حکومت اور اپنی قوم کی سروری کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

۱۴۱؎ ملک کے گوشہ گوشہ سے بڑے بڑے ماہر اور تجربہ کار جادُوگر آ جمع ہُوئے۔ اُنھیں علم تھا کہ جس مقصد کے لیے انھیں طلب

وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ

اور (اس کے علاوہ) تم خاصانِ بارگاہ سے ہو جاؤ گے جادوگروں نے کہا اے موسیٰ! یا تو تم (پہلے) ڈالو ورنہ

اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿١١٥﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ

ہم ہی (پہلے) ڈالنے والے ہیں ١٤٢ آپ نے فرمایا ١٤٣ تم ہی ڈالو پس جب انھوں نے ڈالا تو جادو کر دیا انھوں نے

النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿١١٦﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى

لوگوں کی آنکھوں پر ١٤٤ اور خوفزدہ کر دیا انھیں ١٤٥ اور مظاہرہ کیا انھوں نے بڑے جادو کا اور ہم نے وحی کی

کیا گیا ہے وُہ بڑا اہم ہے۔ وُہ فرعون کی بادشاہت کے متزلزل تخت کو سہارا دینے کے لیے بُلائے گئے تھے۔ اس لیے اُنھوں نے فرعون سے پہلے ہی منوا لیا کہ اگر اُنھوں نے مُوسیٰ کو شکست دے دی تو اُنھیں شاہانہ انعامات سے نوازا جائے گا اس مطالبہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اُنھیں اپنی کامیابی کا کامل یقین تھا تبھی تو وُہ انعامات کا وعدہ لے رہے تھے۔ فرعون جو نبوت کی پہلی ہی عتاب آلود نگاہ سے لرزہ بر اندام تھا یہ تسلی آمیز الفاظ سُن کر خوشی سے اُچھل پڑا اور کہنے لگا یقیناً تم پر انعام و اکرام کی بارش کی جائے گی اور صرف یہی نہیں بلکہ تم کو اپنے دربار کے خاص مقربین میں داخل کر لیا جائے گا۔

١٤٢ مقابلہ کی مقررہ تاریخ آگئی۔ مقامِ معین پر فریقین جمع ہُوئے۔ ایک طرف ساحرانِ مصر کا جمِ غفیر تھا جس کی پشت پناہی فرعون کر رہا تھا اور دُوسری طرف مُوسیٰ و ہارُون ایک مظلوم اور غلام قوم کے نمائندے، جن کے پاس ظاہری ساز و سامان سے کوئی چیز نہ تھی۔ جادُوگروں نے اپنی بہادری اور شجاعت کا اظہار کرتے ہُوئے مُوسیٰ علیہ السلام سے پُوچھا۔ کہیے پہل آپ کرنا چاہتے ہیں یا مقابلہ کا آغاز ہم کریں۔ مُوسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم ہی آغاز کرو۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ جادُوگروں نے ازراہِ ادب آپ سے یہ دریافت کیا۔ اور ان کی اِتنی سی بات اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی اور انھیں نعمتِ ایمان سے سرفراز فرما دیا۔ تادبوا مع موسٰی علیہ السّلام فکان ذٰلک سبب ایمانھم (قرطبی)

١٤٣ مُوسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنا جتنا زور دکھانا چاہتے ہو دکھا لو میں بعد میں اپنی صداقت کا معجزہ پیش کروں گا آپ کی اس اجازت کا مقصد یہ تھا کہ باطل اپنی تمام قوتوں کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس پر بھرپُور وار کر کے اس کی بے سروپائی کو عیاں کر دیا جائے تاکہ اس کے بعد کسی کے لیے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اور حق اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ جلوہ نما ہو جائے۔

١٤٤ اس سے سحر کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ سحر میں یہ طاقت نہیں ہوتی کہ وُہ کسی چیز کی ماہیت کو بدل دے مثلاً رسیوں کو حقیقتاً سانپ بنا دینا اس کے بس سے باہر ہے۔ اس کا اثر نظر بندی تک محدود ہوتا ہے۔ یعنی ایک چیز ہوتی کچھ ہے لیکن جادُو کے اثر سے دیکھنے والے اُسے کوئی اور چیز سمجھنے لگتے ہیں۔ علامہ ابن حیان الاندلسی لکھتے ہیں۔ وفی قولہ

مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ۝۱۱۷ فَوَقَعَ

موسیٰ کو کہ ڈال دیجئے اپنا عصا ۱۴۶ تو فوراً وہ نگلنے لگا جو فریب انھوں نے بنا رکھا تھا تو ثابت ہو گیا

الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۱۸ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا

حق اور باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے یوں فرعونی مغلوب ہو گئے ۱۴۷ وہاں (بھرے مجمع میں) اور پلٹے

سحروا اعین الناس دلالة علی ان السحر لا یقلب عینا وانما هو من باب التخییل (بحر محیط) یعنی سحروا اعین کے کلمات سے معلوم ہوا کہ جادو کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدل سکتا۔ لیکن اس کے اثر سے دیکھنے والے یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ چیز کی حقیقت بدل گئی ہے۔ دوسری جگہ (سورۃ طٰہٰ) اسی واقعہ کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی، ان کے جادو سے موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال ہونے لگا کہ یہ رسیاں سانپ بن کر دوڑنے لگی ہیں۔ یہاں بھی تخییل کا ہی ذکر ہے۔ اگرچہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ جادو کی ایک قسم تھی۔ اس کے علاوہ جادو کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس سے ماہیتِ شے بدل جاسکتی ہے لیکن قرآن کے الفاظ سے یہ چیز ثابت نہیں ہوتی۔

۱۴۵ یہاں استرھبوا بمعنی ارھبوا ہے یعنی انھوں نے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا اور باب استفعال باب افعال کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ وقال ابن عطیة واسترھبوا بمعنی ارھبوا واستفعل بمعنی افعل (بحر)

۱۴۶ جب وہ اپنے فن سحر کا مظاہرہ کر چکے اور اُن کی رسیاں سانپوں کی طرح بل کھا کر فضا میں لہرانے لگیں اور فرعون کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔ اور اس کی قوم اپنے ساحروں کے کمال پر عش عش کر اٹھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے حق کے علم بردار! اٹھ اور باطل کے خوشی سے تمتماتے ہوئے چہرہ پر زناٹے کا وہ چپت رسید کر کہ اس کا خمار اُتر جائے۔ اور وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائے۔ موسیٰ کلیم نے لکڑی کا ڈنڈا جس پر وہ ٹیک لگائے اب تک باطل کی ہرزہ سرائی کا مشاہدہ کرتے رہے تھے میدان میں ڈال دیا۔ اچانک وہ ایک مہیب اژدہا بن کر ان لہراتے ہوئے سانپوں کی طرف لپکا اور ان کو نگلنا شروع کر دیا۔ اور آن واحد میں فرعونیوں کا سارا بنا بنایا کھیل ختم ہو کر رہ گیا مجمع عام میں حق کا بول بالا ہوا۔ اور باطل کو شرمناک شکست ہوئی۔ اور اُن کی جادوگری کی عظمت اور سطوت کا پردہ چاک ہو گیا۔

۱۴۷ فرعون اور اُس کی قوم نے جب یہ ہوش رُبا منظر دیکھا ہوگا تو اُن پر کیا گزری ہوگی، شکست اور اتنی رُسوا کن شکست اور وہ بھی مجمع عام میں۔ فرطِ ندامت سے پانی پانی ہو گئے ہوں گے۔ اب انھیں اس بات میں کوئی شبہ نہ رہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ لیکن اپنی سیاسی اغراض اور مالی مصلحتوں کے پیش نظر وہ آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے۔

صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

ذلیل و خوار ہو کر اور گر پڑے ۱۴۸؎ جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) کہنے لگے ہم تو ایمان لے آئے سارے جہانوں کے پروردگار پر

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ

جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا فرعون نے کہا ۱۴۹؎ تم تو ایمان لائے ہوئے تھے اس پر اس سے پہلے

اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ

کہ میں (اس کے مقابلہ کی) تمھیں اجازت دیتا بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں تاکہ تم نکال دو یہاں سے

اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ

اس کے اصلی باشندوں کو ابھی (اس کا انجام) تمھیں معلوم ہو جائے گا۔ میں (پہلے) کٹوا دوں گا ۱۵۰؎ تمھارے ہاتھ اور تمھارے پاؤں

مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا

مختلف طرفوں سے پھر تمھیں سُولی پر لٹکا دوں گا سب کے سب کو۔ وہ بولے (پروا نہیں) ۱۵۱؎ ہم تو اپنے رب کی طرف

۱۴۸؎ مقابلہ میں جب اُنھوں نے اپنے جادو کی ناکامی اور اعجازِ موسوی کی کامیابی دیکھی تو وہ مجبور ہو کر سجدہ میں گر پڑے اور اس پروردگارِ عالم پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا جس کی اُلوہیت اور وحدانیت کا اعلان موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرمایا کرتے تھے۔

۱۴۹؎ مقابلہ کے میدان میں شکست کیا کم تھی کہ جادوگروں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر کے اس کی کمر توڑ دی لیکن نحاذ ذہین حالات کی نزاکت کو فوراً بھانپ گیا۔ جادوگروں کو خطاب کرتے ہوئے فوراً بول اُٹھا۔ اچھا! معلوم ہو گیا کہ تم بھی اسی باغی گروہ کے افراد ہو جن کا سرغنہ موسیٰ ہے۔ اور تم سب نے مل کر ہماری حکومت کا تختہ اُلٹنے اور قبطیوں کو اُن کے وطن سے نکالنے کی سازش کر رکھی ہے۔ ذرا ٹھیرو! ابھی تمھیں اس مکر و فریب کا مزہ چکھاتا ہوں۔

۱۵۰؎ کتنی دردناک سزا ہے جس کی وہ ان پاکبازوں کو دھمکی دے رہا ہے ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں کاٹ کر زندہ سُولی پر لٹکا دینا تاکہ تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر دم توڑ دیں۔ عشق و محبت کے متوالوں کے علاوہ کون ہے جو اس سزا کو جھیلنے کے لیے بخوشی تیار ہو۔

۱۵۱؎ حق جب دل میں اُتر جاتا ہے اور انسان کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے تو وہ انسان کو کیا سے کیا بنا دیتا ہے

مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ

جانے والے ہیں اور تو کیا ناپسند کرتا ہے ہم سے ۱۵۲؎ بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آیتوں پر جب آئیں ہمارے

رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ

پاس اے ہمارے رب! ۱۵۳؎ انڈیل دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں۔ اور کہا قوم فرعون کے سرداروں

قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَ قَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَ

نے ۱۵۴؎ (اے فرعون!) کیا تو (یونہی) چھوڑے رکھے گا موسیٰ اور اس کی قوم کو تاکہ فساد برپا کرتے رہیں اس ملک میں اور

اسی واقعہ سے اس کا پتہ چل جاتا ہے۔ رذالت اور کمینگی کے گہرے گڑھے میں گرے ہوئے جادوگروں نے جب حق کو قبول کر لیا تو وہ چشم زدن میں انسانیت کے اس ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز ہو گئے جہاں نوری فرشتوں کی بھی رسائی نہیں غیرتِ عشق نے انھیں اپنے ایمان کو کسی تقیہ کے غلاف میں لپیٹنے کی اجازت نہ دی۔ ایسی ہوش رُبا سزا سننے کے بعد بھی ان کے پاؤں نہیں ڈگمگائے بلکہ باطل کے چیلنج کو بخوشی قبول کر لیا۔ بھرے مجمع عام میں فرعون کے منہ پر اس کی دھمکی کا بڑی بے پروائی اور بے نیازی سے جواب دے کر اس کو اور بھی پاگل کر دیا۔ قربان جائے انسان حق کی دلربائی اور رعنائی پر ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود   جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

جب وہ لوگ ایمان لانے کے بعد اتنے جری اور نڈر ہو گئے تھے تو خاندان نبوت کا کیا کہنا، جن کے فیض نگاہ سے دنیا بھر کو ایمان، صداقت، شجاعت کی دولت ملی۔ کیا انھوں نے کسی کے ڈر سے، کسی مصلحت کے پیش نظر تقیہ کیا ہو گا۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی   اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۱۵۲؎ یہ کہہ کر انھوں نے فرعون کو ایک اور چرکہ لگایا یعنی ہم سے اگر کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہوتا اور تو ہمیں سزا دیتا تو کوئی معقول بات بھی تھی۔ اب تو ہمیں یہ سزا اس لیے دے رہا ہے کہ ہم نے اللہ کو وحدہٗ لاشریک مان لیا ہے اور اس کی آیات دیکھ کر اس کے رسول کی تصدیق کی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس سب سے بڑی اور روشن سچائی پر تو بھی ایمان لاتا اور ہمیں اس حق شناسی پر انعام دیتا لیکن الٹا تو ہمیں اس لیے سولی پر لٹکا رہا ہے یہ خود تیری نادانی اور بدنصیبی کی کھلی دلیل ہے۔

۱۵۳؎ فرعون کو کھری کھری سنانے کے بعد اب انتہائی خضوع و خشوع سے بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں اے مولا! امتحان کے ان مشکل ترین لمحوں میں ہمیں صبر عطا فرما اور جب ہماری روحیں اس پیکر خاکی سے نکلنے لگیں تو لبوں پر تیری توحید کی شہادت ہو۔

۱۵۴؎ قبطی سرداروں نے جب دیکھا کہ موسیٰ کا اثر و نفوذ دن بدن بڑھ رہا ہے۔ بنی اسرائیل کے علاوہ ان کی اپنی قوم کے کئی

يَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ

چھوڑ دے تجھے اور تیرے خداؤں کو اس نے (برافروختہ ہو کر) کہا ۱۵۵ (ہرگز نہیں) بلکہ ہم تہہ تیغ کر دیں گے ان کے لڑکوں کو

وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ

اور زندہ چھوڑ دیں گے ان کی عورتوں کو اور ہم بے شک ان پر غالب ہیں فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم کو (اے میری قوم) مدد طلب کرو اللہ سے ۱۵۶

اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ

اور صبر (و استقامت) سے کام لو۔ بلا شبہ زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے ۔ اور

افرادِ موسیٰ کی طرف مائل ہوتے جا رہے ہیں تو انہیں اپنے مستقبل کے متعلق شدید خطرات محسوس ہونے لگے اور فرعون کو یہ کہہ کر بھڑکانا شروع کر دیا کہ آپ کے ملک میں آپ کی خدائی اور آپ کے تجویز کیے ہوئے دوسرے خداؤں کی خدائی کے خلاف کھلم کھلا پرچار ہو رہا ہے اور آپ ہیں کہ اس بات کی پروا نہیں کرتے۔ اگر یہی لیل و نہار رہے تو یاد رکھیے فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے گی اور آپ کی خدائی کا تختہ الٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ آلِهَتَكَ (تیرے خدا) سے مراد کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ فرعون لوگوں سے تو اپنی عبادت کروایا کرتا تھا لیکن اس کا اپنا بھی ایک معبود تھا (گائے، ستارے، سورج) جس کی وہ پرستش کیا کرتا۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ خود تو وہ اپنے آپ کو بڑا خدا کہلواتا تھا اور اپنے علاوہ اس نے کئی اور معبود مقرر کر رکھے تھے اور اپنی قوم کو حکم دے رکھا تھا کہ اس کی عبادت کے ساتھ ساتھ وہ ان کی پوجا بھی کیا کرے۔ ایک قرأت آلِهَتَكَ میں الاهتك بھی ہے۔ جس کا معنی ہے عبادت۔ قيل كان يعبد الكواكب وقيل صنع لقومه اصناما وامرهم ان يعبدوها تقربا اليه ولذالك قال انا ربكم الاعلى وقرئ الاهتك اى عبادتك (بیضاوی) وہ باطل پرست جو حق کو حق سمجھنے کے باوجود اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے جب وہ حق کی روشنی پھیلتے ہوئے دیکھتے ہیں تو لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ لوگ ملک کے امن اور سلامتی کے لیے خطرہ ہیں۔ یہ بغاوت کی آگ بھڑکا رہے ہیں اور فتنہ و فساد پھیلا کر ملکی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔

۱۵۵ ان کی چال کامیاب رہی۔ فرعون بھڑک اٹھا اور انہیں یقین دلایا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ وہی ظالمانہ برتاؤ کرے گا جو پہلے ان کے ساتھ کیا جا چکا ہے۔ جب ان کے لڑکے قتل کر دیے جائیں گے تو ان کی لڑکیاں دوسری قوم میں جذب ہو کر رہ جائیں گی اور رفتہ رفتہ اس قوم کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۱۵۶ موسیٰ کو جب اس خونی منصوبہ کا علم ہوا تو آپ نے اپنی قوم کو صبر و استقامت کی تلقین فرمائی۔ اور انہیں بتایا کہ زمین کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اسی کے اختیار میں ہے کہ جس قوم کو چاہے اس زمین کا مالک بنا دے۔ اگر عارضی طور پر

الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾ قَالُوا أُوذِينَا مِن قَبْلِ أَن تَأْتِيَنَا وَمِن

اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے (مخصوص) ہے قوم موسیٰ ۱۵۷ نے کہا ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آئے ہمارے

بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس آپ نے کہا عنقریب تمھارا رب ہلاک کر دے گا تمھارے دشمن کو ۱۵۸

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾ وَلَقَدْ

اور (ان کا) جانشین بنا دے گا تمھیں زمین میں پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ۱۵۹ اور بے شک

أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ

ہم نے پکڑ لیا فرعونیوں کو ۱۶۰ قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی سے تاکہ وہ

فرعون کو مصر کی حکومت ملی ہے تو کیا ہوا اس کا انجام بڑا ہولناک ہوگا۔ اور آخر کار کامیابی اور کامرانی کا سہرا اُن کے سر باندھا جائے گا جو متقی و پرہیزگار ہیں۔

۱۵۷ فرعون کی یہ دھمکی سُن کر بنی اسرائیل گھبرا گئے۔ اور کہنے لگے اے موسیٰ! آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم فرعون کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے رہے۔ ہمارے معصوم بچوں کو بے دردی سے قتل کیا جاتا رہا اور ہماری خواتین کو اُنھوں نے لونڈیاں بنائے رکھا۔ خیال تھا کہ آپ کی آمد سے ہماری مصیبتوں کی کالی رات ختم ہوگی اور ہمیں آرام کا سانس نصیب ہوگا لیکن کچھ نہ ہوا وہی مصیبتیں ہیں اور وہی ہم ہیں۔ اب ہم کریں تو کیا کریں۔ جائیں تو کہاں جائیں؟

۱۵۸ موسیٰ نے اُنھیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور حکومت و اقتدار تمھیں بخش دیا جائے گا۔

۱۵۹ بڑا ہی غور طلب جملہ ہے یعنی تمھیں حکومت و اقتدار عطا فرمانے کے بعد وہ دیکھے گا کہ تم کہاں تک اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہو اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو کہاں تک پورا کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر قوم کو موقع دیتا ہے کہ وہ قوت و اختیار کی مسند پر بیٹھ کر یہ ثابت کرے کہ کیا وہ اس کی اہل ہے یا نہیں۔

۱۶۰ جیسے اس پارہ کی ابتدا میں بتایا گیا کہ کسی قوم پر فیصلہ کن عذاب فوراً ہی نہیں بھیج دیا جاتا بلکہ پہلے اسے مختلف قسم کی سختیوں سے دوچار کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کا سخت دل نرم ہو جائے اور وہ اس تنبیہ سے اپنی سابقہ کج روی کی تلافی کرے اور کبھی اس پر نعمتوں کی بارش کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے منعم حقیقی کو پہچان کر اور اس کی پیہم نوازشات سے متاثر ہو کر نافرمانی سے باز آ جائے۔

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ

نصیحت قبول کریں ۔ تو جب آتا ۔ ان پر خوشحالی (کا دور) ١٦١ (تو) کہتے ہم مستحق ہیں اس کے ۔ اور اگر

تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ

پہنچتی انھیں کوئی تکلیف (تو) بدفالی پکڑتے موسیٰ سے اور آپ کے ساتھیوں سے ١٦٢ سن لو! ان کی بدفالی تو (مکافات

عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا

عمل کے قانون کے مطابق) اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے ۔ اور انھوں نے کہا کیسی ہی تو لے آئے

اور جب سمجھانے کے یہ سارے طریقے بھی بے اثر ثابت ہو جاتے ہیں تو پھر ان پر ایسا عذاب نازل کیا جاتا ہے جو ان کا نام ونشان تک مٹا دیتا ہے۔ اسی سنتِ الٰہی کے مطابق آخری عذاب سے پہلے فرعونیوں کو کبھی مصائب وتکالیف سے اور کبھی انعامات اور نوازشات سے ہوشیار کیا جاتا رہا۔ اور اسی سلسلہ کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ سنین جمع ہے سنة کی۔ یہاں اس کا معنی قحط سالی ہے یعنی الجدوب وهذا معروف فی اللغة یقال اصابتهم سنة ای جدب (قرطبی)

١٦١ بجائے اس کے کہ وہ کچھ عبرت حاصل کرتے الٹا انھیں موسیٰ علیہ السلام کو ستانے کا ایک اور بہانہ ہاتھ آ گیا۔ اگر انھیں راحت وآرام ہوتا تو کہتے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم راہِ راست پر ہیں۔ اور اگر تکلیف کا سامنا ہوتا تو کہتے کہ یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی شامتِ اعمال ہے اور ان کی نحوست کا نتیجہ ہے۔

١٦٢ بدفالی اور بدشگونی کو عربی میں تطیر کہتے ہیں۔ کیونکہ اہلِ عرب اکثر پرندوں کی آوازوں سے بدفالی پکڑتے اس لیے یہ لفظ طیر سے مشتق ہوا۔ مشرک قوموں میں فال گیری کی رسم بہت قدیم سے ہے۔ ان کے اوہام پرست مزاج ہر چیز سے اثر قبول کرتے ہیں۔ کسی کام کو نکلے، راستے میں کوئی جانور سامنے سے گزر گیا کسی پرندہ کی آواز کان میں پڑ گئی فوراً گھر واپس لوٹ آئے۔ اسلام نے جہاں اور مشرکانہ رسموں کی ممانعت کی وہاں اس نے تطیر (بدفالی) کا خاتمہ کر دیا۔ چنانچہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے من رجعت الطیرة عن حاجته فقد اشرك۔ جو کسی چیز سے بدفالی پکڑ کر اپنے مقصد سے لوٹ آیا اس نے شرک کیا۔ عرض کی گئی یارسول اللہ! ایسا شخص کیا کفارہ دے تاکہ اس کی توبہ قبول ہو۔ فرمایا یہ کہے اللّٰهُمَّ لَا طَیْرَ اِلَّا طَیْرُكَ وَلَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُكَ ثم یمضی لحاجته (قرطبی) اے اللہ تیری فال کے بغیر اور کوئی فال نہیں۔ تیری بھلائی کے بغیر اور کوئی بھلائی نہیں۔ اور تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں یہ الفاظ کہہ کر اپنے کام کو چلا جائے تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔

بِهٖ مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾

ہمارے پاس نشانی (معجزہ) تاکہ تو جادو کرے ہم پر اس سے ہرگز نہیں ہم تم پر ایمان لانے والے ۱۶۳

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ

پھر بھیجا ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک ۱۶۴

وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور خون (یہ سب) واضح نشانیاں تھیں پھر بھی وُہ تکبر کرتے رہے اور وُہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے۔

وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا

اور جب آجاتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ! دُعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے اس

۱۶۳ے مُوسیٰ علیہ السلام کافی عرصہ تک اس مقابلہ کے بعد بھی مصر میں مقیم رہے اور اپنے معجزات دکھا دکھا کر انھیں دعوتِ حق دیتے رہے۔ لیکن وُہ اپنی ضد اور عناد پر اڑے رہے اور آخر صاف صاف کہہ دیا کہ آپ جو چاہیں جادُو کے کرتب دکھاتے رہیں ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اُن کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ تو تھی نہیں کہ انھیں موسیٰؑ کی صداقت میں شک تھا آپ کی صداقت تو اُن کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں تھی لیکن اس کو تسلیم کرنا ان کے لیے ٹیڑھی کھیر تھی۔ کیونکہ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وُہ اپنے ناجائز اختیارات اور مراعات سے محرُوم ہو جائیں۔ ان کی لُوٹ کھسوٹ پر پابندی لگا دی جائے اور اُن کی عیش و عشرت کی محفلیں درہم برہم کر دی جائیں وُہ اس کے لیے آمادہ نہ تھے۔ یہی روکاوٹیں ہیں جو ہر زمانہ میں حق قبول کرنے کے راستہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو جایا کرتی ہیں۔ مھما کے متعلق خلیل نحوی نے کہا ہے کہ اصل میں یہ ماما تھا۔ پہلا ما شرطیہ ہے اور دُوسرا جزا کی تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ پھر پہلے ما کے الف کو ھ سے بدل دیا تاکہ تکرار نہ ہو۔ قال الخلیل: الاصل ما ما الاولی للشرط والثانیة زائدة توکیدا للجزاء کما تزاد فی سائر الحروف مثل اما و حیثما واینما (قرطبی)

۱۶۴ے یہاں عذاب کی مختلف صُورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن میں وقتاً فوقتاً فرعونیوں کو مبتلا کیا گیا۔ طُوفان سے مُراد کثرتِ بارش سے سیلاب کا آجانا ہے۔ اور مجاہد اور عطاء سے طوفان بمعنی موت منقول ہے قال مجاھد وعطاء الطوفان الموت۔ نحاس کہتے ہیں کہ لغت میں ہر مہلک چیز کو طُوفان کہا جاتا ہے۔ کچھ تباہی تو سیلاب سے آئی۔ باقی ماندہ فصلوں کا صفایا ٹڈی دل نے کر دیا۔ قمل کے متعدد معنی ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ قمل وُہ گھن ہے جو گندم کو لگ جاتا ہے۔ ابن زید کہتے ہیں

عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ

عہد کے سبب جو اس کا تمھارے ساتھ ہے ۱۶۵ اگر تم ہٹا دو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ

مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى

کردیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو پھر جب ہم نے دُور کردیا اُن سے عذاب ایک مقررہ

اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

میعاد تک جس کو وُہ پہنچنے والے تھے تو فوراً انھوں نے (توبہ کا عہد) توڑ دیا پھر ہم نے بدلہ لیا اُن سے ۱۶۶ اور غرق کردیا انھیں

فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝

سمندر میں کیونکہ انھوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور وُہ اس (آنے والے) عذاب سے بالکل غافل تھے۔

کہ اس سے مُراد پِسُّو ہیں۔ اس کا ایک معنی جُوئیں بھی ہے یعنی پِسُّوؤں اور جُوؤں نے انھیں جسمانی اذیت پہنچا کر ناک میں دم کر دیا۔ اور اُن کے غلّے کے انباروں میں گُھن اور سُسری کثرت سے پیدا ہو گئی جس نے ان کو خاک کر کے رکھ دیا مینڈک اس کثرت سے نمُودار ہو گئے کہ گلی کُوچے، گھر کے دَر و دیوار اور کھانے کے برتن تک ان سے بھر گئے۔ پینے کا پانی گھڑوں میں بھر کر رکھتے تو وُہ خُون بن جاتا۔

۱۶۵ یعنی ان مذکورہ عذابوں میں سے جب بھی کوئی عذاب اُن پر نازل ہوتا اور اس سے نجات کی جب کوئی صُورت انھیں دِکھائی نہ دیتی تو بے بس ہو کر مُوسٰی علیہ السلام کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کرتے اے مُوسٰی! اپنے رب سے دُعا مانگو کہ یہ عذاب ٹل جائے تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ روانہ کردیں گے۔ اور جب مُوسٰی کی دُعا اور برکت سے وہ عذاب ٹال دیا جاتا تو وُہ ایمان لانے کا وعدہ توڑ ڈالتے اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے سے انکار کر دیتے۔ ہر بار وُہ وعدہ کرتے۔ اور جب مشکل آسان ہو جاتی تو پھر اس وعدہ کو توڑ دیتے۔

۱۶۶ جب وُہ کسی طرح ایمان لانے پر تیار نہ ہُوئے تو انجام کار ان کو بحرِ قلزم میں غرق کر دیا گیا۔ بانھم سے اس عذاب کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ ان کو یہ سزا بلا وجہ نہیں دی گئی بلکہ ان کی مسلسل تکذیب اور پیہم غفلت کی وجہ سے ان کو یہ روزِ بد دیکھنا پڑا۔

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ

اور ہم نے وارث بنادیا اس قوم کو جسے ذلیل وحقیر سمجھا جاتا تھا ۱۶۷ (انھیں وارث بنایا) اس زمین کے شرق و

وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ

غرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پُورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ ۱۶۸

عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ

بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انھوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا

فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿١٣٧﴾ وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ

فرعون اور اُس کی قوم اور (برباد کر دیئے) جو بلند مکان ۱۶۹ وہ تعمیر کیا کرتے تھے اور ہم نے پار اُتارا بنی اسرائیل کو

الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ ۚ قَالُوا

سمندر سے ۱۷۰ تو گزرے وہ ایک ایسی قوم پر جو مگن بیٹھے تھے اپنے بتوں کی عبادت میں۔ بنی اسرائیل نے کہا

۱۶۷ اپنی شانِ ذرہ نوازی کا اظہار فرمایا جارہا ہے کہ فرعون کو تو اس کے لاؤ لشکر سمیت ڈبو کر ہلاک کر دیا اور بنی اسرائیل جیسی ذلیل اور کمزور قوم کو اُن کا جانشین اور اُن کی وسیع مملکت کا وارث بنا دیا۔ ارض سے مُراد یہاں مصر و شام کے دونوں مُلک ہیں۔ والارض ھی ارض الشام ومصر (قرطبی) یہ سرزمین ظاہری اور باطنی برکات سے مالامال تھی۔ زمین کی زرخیزی، باغات کی کثرت اور پانی کی فراوانی کے باعث یہاں کے باشندے فارغ البال تھے اور باطنی برکت یہ تھی کہ شام کا علاقہ کثیر التعداد انبیاء کی قبور سے مزین تھا اور مصر میں حضرت یُوسف صدیق علیہ السلام کا مزار پُرانوار تھا۔

۱۶۸ فرعون کی ساری تدبیریں اکارت گئیں اور اُس کے سارے حربے ناکام ثابت ہُوئے اور اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل سے حکومت واقتدار کا جو وعدہ کیا تھا وُہ پُورا ہو کر رہا۔

۱۶۹ عرش یعرش اذا بنی۔ قال ابن عباس ومجاھد ای ما کانوا یبنون من القصور وغیرھا (القرطبی) محل تعمیر کرنا

۱۷۰ فرعون اور اُس کی قوم نے جو نارواسلوک حضرت کلیمؑ سے کیا اُس کی رُوئیداد تو آپ اب پڑھ چکے لیکن آپ کی اپنی قوم کا رویّہ بھی آپ کے ساتھ بڑا ناشائستہ اور غیر مہذبانہ تھا۔ مُوسٰی علیہ السلام نے اپنا عصا مارا سمندر میں ایک شگاف پیدا ہو گیا جس میں سے گزرتے ہُوئے وُہ دُوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور فرعون اور اُس کا لشکر اُن کی آنکھوں کے سامنے غرق ہو گیا

يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ

اے موسیٰ! بنا دو ہمارے لیے بھی ایک (ایسا) خدا جیسے اُن کے خدا ہیں موسیٰ نے فرمایا یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ)

تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

لوگ ہو بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے [۱۷۱] اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

موسیٰ نے کہا کیا بغیر اللہ کے میں تلاش کروں تمہارے لیے کوئی اور خدا [۱۷۲] حالانکہ اسی نے فضیلت دی ہے تمہیں سارے جہانوں پر [۱۷۳]

یہ قافلہ اب جزیرہ نمائے سینا کے جنوب کی طرف ساحل کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ راستے میں اُن کا گزر مفقہ کے مقام پر ہوا۔ جہاں مصریوں کا ایک بہت بڑا بت خانہ تھا۔ جس کے آثار اب بھی جزیرہ نما کے جنوب مغربی علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے قریب ایک اور مقام بھی تھا جہاں قدیم زمانہ سے سامی قوموں کی چاند دیوی کا بت تھا۔ غالباً انھیں مقامات میں سے کسی کے پاس سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل کو ایک مصنوعی خدا کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی۔ (تفہیم القرآن)

لیکن قرطبی نے قتادہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ قوم جن پر اُن کا گزر ہوا وہ لخم تھی جو رقہ شہر میں سکونت پذیر تھی۔ اور گائے کی پرستش کیا کرتی تھی۔ قال قتادة كان اولئك القوم من لخم وكانوا نزولا بالرقة وقيل كانت اصنامهم تماثيل البقر (قرطبی) اور علامہ بیضاوی اور دوسرے مفسرین نے اس قول کے علاوہ یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ وہ قوم عمالقہ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنے نبی کی صداقت کی آیات بینات دیکھنے کے باوجود بنی اسرائیل کا فوری طور پر شرک صریح کی طرف مائل ہو جانا اس بات کو بالکل واضح کر دیتا ہے کہ طبع انسانی ماحول سے کتنی جلدی متاثر ہوتی ہے اور غلامانہ زندگی فطرت سلیمہ کو کس طرح مسخ کر کے رکھ دیتی ہے۔

[۱۷۱] آپ نے فرمایا اے بے وقوفو! ایسے لوگوں کی تقلید کرنے کے لیے بے قرار ہو جو عنقریب ہلاک و برباد ہونے والے ہیں اور وہ باطل جو انھوں نے اختیار کر رکھا ہے اس کی بے سروپائی بھی ظاہر ہونے والی ہے۔ التبار۔ الهلاك۔ مُتَبَّرٌ۔ مهلك۔ ہر ٹوٹے ہوئے برتن کو بھی متبر کہتے ہیں۔

[۱۷۲] اپنے مسلک کی بڑی زوردار دلیل پیش فرمائی کہ میں اپنے خالق حقیقی کے سوا کسی غیر کی عبادت نہیں کرتا۔ فرمایا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور جو فضیلت اور شرف اس کو بخشا گیا ہے وہ کائنات کی کسی بڑی سے بڑی چیز کو بھی نہیں دیا گیا تو پھر اس سے بڑھ کر اور نادانی کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر کسی اور شے کو اپنا معبود بنا لے جو مرتبہ میں اس سے کہیں حقیر اور کم تر ہے۔

وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِۚ

اور وُہ وقت یاد کرو جب ہم نے نجات دی تھیں فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمھیں سخت عذاب

یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ

مار ڈالتے تھے تمھارے فرزندوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمھاری عورتوں کو اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے

رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا

بڑی آزمائش تھی ۔ اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے تیس رات کا اور مکمل کیا اسے

بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةًۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِیْهِ

دس مزید راتوں سے ۱۷۴ سو پوری ہو گئی اس کے رب کی میعاد چالیس راتیں اور (طور پر جاتے وقت) کہا موسیٰ نے اپنے بھائی

هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾

ہارون سے کہ میرا نائب رہنا میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کے راستہ پر ۱۷۵

۱۷۳ اس پر حاشیہ سُورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اوّل ۲ : ۴۹

۱۷۴ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی قیادت میں بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے چھٹکارا پانے کے بعد وادی سینا میں آکر آباد ہوئے۔ جہاں اُنھیں ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ مصر میں ہی آپ نے اپنی قوم کو بتا دیا تھا کہ جب وُہ آزادی کی نعمت سے سرفراز کیے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اُنھیں ایک جامع کتاب دے گا جس میں زندگی کے ہر شعبے کے لیے واضح ہدایات ہوں گی۔ اب وُہ کتاب عنایت کرنے کے لیے آپ کو کوہ طُور پر طلب کیا گیا۔ اور انھیں حکم دیا گیا کہ یہ مدت (جو پہلے تیس اور پھر چالیس روز کر دی گئی) تمام مشاغل سے الگ تھلگ ہو کر یادِ الٰہی میں بسر کریں تاکہ ذکر و فکر سے رُوح و قلب کو وُہ قوت و توانائی حاصل ہو جائے جس سے وُہ اس بارِ گراں کو اُٹھا سکیں۔ اولیاء کرام کی چالیس روزہ چلّہ کشیوں کی یہی اصل ہے۔ ان للاربعین خصوصیة فی اختصاص الکلام للانبیاء کما ان لها اختصاصا فی ظهور ینابیع الحکمة من قلوب الاولیاء کقوله علیه السّلام من اخلص لله اربعین صباحا ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه (رُوح البیان)

۱۷۵ حضرت موسیٰ علیہ السّلام جب جبلِ طُور پر روانہ ہونے لگے تو اپنے بھائی ہارُون کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اُنھیں ضروری ہدایات دیں۔ آپ کو اپنی قوم کے مزاج کا علم تھا۔ اس لیے آپ نے حضرت ہارُون کو یہ خصوصی حکم دیا کہ اگر ان کی غیر حاضری

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ

اور جب آئے موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر اور گفتگو کی اُن سے اُن کے ربّ نے (تو اُس وقت) عرض کی اے میرے

اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ

ربّ مجھے دیکھنے کی قوت دے تاکہ میں تیری طرف دیکھ سکوں ۱۷۱؎ اللہ نے فرمایا تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے ۱۷۲؎ البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف ۱۷۳؎ اگر

مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا

یہ ٹھیرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے ۱۷۴؎ پھر جب تجلّی ڈالی ان کے ربّ نے پہاڑ پر تو کر دیا اسے پاش پاش

میں یہ کوئی فتنہ و فساد برپا کریں تو آپ اُن کا ساتھ نہ دیں۔ حضرت ہارُون علیہ السلام اگرچہ عمر میں حضرت مُوسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے لیکن منصب رسالت میں وُہ آپ کے تابع تھے۔ اِس لیے آپ کے حکم کے پابند تھے۔

۱۷۱؎ جب چالیس روزہ مدت پُوری ہوگئی اور ذکرِ الٰہی سے قلب و رُوح میں کلامِ الٰہی سننے کی توانائی پیدا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی۔ جب کلام کی لذت رگ و پے میں سرایت کر گئی تو دل میں متکلم کے شوقِ دید کا طوفان اُمڈ آیا اور عرض کی کہ اے سراپا دلبری و رعنائی! چشمِ شوق اب ان حجابوں کو برداشت نہیں کر سکتی۔ از راہِ لطف و کرم انھیں اُلٹ دے اور مجھے اپنا آپ دکھا۔ علامہ بیضاوی نے اَرِنِیْ کے دو معنی بیان کیے ہیں:۔

۱۔ ارنی نفسك بان تمکننی من رؤیتك یعنی مجھے اپنے دیکھنے کی قدرت عطا فرما تاکہ میں تجھے دیکھ سکوں۔

۲۔ او تتجلی لی فانظر الیك یعنی خود حجاباتِ عظمت کو سرکا تاکہ چشمِ شوق لطفِ دید حاصل کر سکے۔

۱۷۲؎ یہ نہیں فرمایا لَنْ اُرٰی: میں دیکھا نہیں جا سکتا۔ تاکہ یہ سمجھا جائے کہ رویتِ باری ممتنع ہے۔ جیسے معتزلہ کا مذہب ہے۔ بلکہ فرمایا لَنْ تَرٰىنِیْ، اے مُوسیٰ آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے دیکھنے کی تاب فقط اس نگاہ میں ہے جو مازاغ کے سُرمہ سے سُرمگین ہے۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ دیدارِ الٰہی ناممکن نہیں اور یہی اہل السُّنّۃ والجماعت کا مسلک ہے۔ عند اھل السنۃ والجماعۃ الرویۃ جائزۃ۔ (قرطبی) اگر توفیقِ الٰہی شاملِ حال رہی تو سُورۃ النجم میں اس بحث کو ذرا تفصیلاً لکھا جائے گا۔

۱۷۳؎ حضرت کلیم کی عرضداشت کا جواب تو لَن ترانی سے دے دیا گیا لیکن مزید کرم کرتے ہُوئے فرمایا کہ ہم اپنی ایک تجلّی اس پہاڑ پر ڈالتے ہیں۔ اگر وُہ اس کو برداشت کر سکا تو پھر ممکن ہے کہ آپ بھی برداشت کر سکیں لیکن اگر اس کی سنگین چٹانیں اور فلک بوس چوٹیاں چُور چُور ہو جائیں تو پھر آپ کو خود بخود پتہ چل جائے گا کہ آپ کو بھی اس کا یارا نہیں تھا چنانچہ جب نُورِ الٰہی کی ایک کرن کوہِ طور پر جلوہ طراز ہوئی تو وُہ ریزہ ریزہ ہوگیا اور مُوسیٰ علیہ السلام اس منظر کی ہیبت و جلال سے

وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ

اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر — پھر جب آپ کو ہوش آیا تو ۱۷۹؎ عرض کی پاک ہے تو ہر نقص سے میں توبہ کرتا ہوں

وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٤٣﴾ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى

تیری جناب میں اور میں ۱۸۰؎ سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں — اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ میں نے ۱۸۱؎ سرفراز کیا ہے تجھے تمام

النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ

لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے — اور لے لو جو میں نے دیا ہے تمھیں اور ہو جاؤ شکر گزار

الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً

بندوں سے — اور ہم نے لکھ دی موسیٰ کے لیے ۱۸۲؎ تختیوں میں ہر چیز نصیحت پذیری کے لیے

بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

۱۷۹؎ جب کچھ وقت گزرنے کے بعد اُنھیں ہوش آیا تو اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے اپنے اس سوال پر معذرت پیش کی کیونکہ واصلانِ بارگاہِ الٰہی کے لیے اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی سوال کرنا بھی بہت بڑی بات ہے۔ اسی لیے توبہ کر رہے ہیں ؎ رضائے خاطرِ محبوب شرطِ دیدار است — بحکمِ شوق ملاحظہ مکن کہ بے ادبی ست

۱۸۰؎ یعنی اپنی اُمت کے مومنوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والا میں ہوں۔

۱۸۱؎ یعنی میں نے اپنا پیغامِ ہدایت پہنچانے کے لیے آپ کے ہمعصروں میں سے آپ کو چن لیا ہے۔ اور آپ کو بلا واسطہ کلام کرنے کی عزت سے ممتاز فرمایا ہے۔ جو نعمت دی جا رہی ہے اسے بصد شوق و مسرت قبول کرو اور اسی پر اس کا شکریہ ادا کرتے رہو۔ اور ان باتوں کے متعلق سوال نہ کرو جو آپ کی طاقت سے باہر ہیں۔ الناس سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ فالمراد عن الناس المرسل الیھم (قرطبی)

۱۸۲؎ جس مقصد کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو بلایا تھا اب اُس کی تکمیل فرمائی جا رہی ہے۔ یعنی وہ نسخہ ہدایت و رحمت جس میں ہر طرح کی نصیحتیں اور احکامِ شرعیہ لکھے ہوئے تھے آپ کو دیا گیا۔ یہی تورات تھی جو پتھر کی سلوں پر لکھی لکھائی بیک وقت آپ کو دے دی گئی۔ من کل شیئ مما یحتاج الیہ فی دینہ من الاحکام و تبیین الحلال والحرام۔ (قرطبی)

وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا

اور (لکھ دی) تفصیل ہر چیز کی پھر (فرمایا) پکڑ لو اسے مضبوطی سے ۱۸۳ اور حکم دو اپنی قوم کو کہ پکڑ لیں ۱۸۴

بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ

اس کی اچھی باتیں عنقریب میں دکھاؤں گا تمھیں نافرمانوں کا (برباد شدہ) گھر میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے

الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ

ان لوگوں (کی توجہ) کو جو غرور کرتے پھرتے ہیں زمین میں ناحق ۱۸۵ اور اگر دیکھ لیں تمام

۱۸۳ قوت اور مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ بڑی کوشش، محنت، ہوشیاری اور شوق سے اس پر عمل کرنے کا عزم کرکے اس کو ہاتھ میں لو۔ ای بجد ونشاط (قرطبی) ای بجد وعزیمۃ (بیضاوی)

۱۸۴ یعنی یہ کتاب اس لیے آپ کو عطا نہیں کی جا رہی کہ آپ خود اس پر عمل کرکے سمجھ لیں کہ آپ نے اس کا حق ادا کر دیا بلکہ خود عمل پیرا ہونے کے ساتھ اپنی قوم کو بھی حکم دیں کہ وہ اس کے احکام جو سراپا خیر و برکت ہیں پر عمل کریں اور اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کریں۔ اور اُن پر یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ اگر انھوں نے ہماری شریعت کے احکام سے سرتابی کی تو انھیں بھی وہ گھر دیکھنا پڑے گا جو سرکشوں اور نافرمانوں کا ٹھکانا ہے یعنی جہنم اور بعض علماء نے دار الفاسقین سے مصر و شام کے ممالک مراد لیے ہیں جہاں فرعون اور عمالقہ کی نافرمان قوموں کو نیست و نابود کر دیا گیا تھا اور جن کے کھنڈرات اپنے بنانے والوں کی عظمت و شوکت کی گواہی دے رہے ہیں۔

۱۸۵ یہاں ایک قاعدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ غرور و تکبر کی روش اختیار کرتے ہیں اور اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مست رہتے ہیں۔ اور انبیاء کی اطاعت کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ بطور سزا ایسے لوگوں کو کتاب الٰہی کے سمجھنے کی توفیق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس چشمہ حیات سے کسی طرح مستفید نہیں ہو سکتے۔ قال قتادہ سامنعھم فھم کتابی وقیل ساصرفھم عن نفعھا وذلک مجازاۃ علی تکبرھم (قرطبی) بغیر الحق کے الفاظ سے یہ بتا دیا کہ اُن کا یہ تکبر اور غرور بے وجہ ہے۔ انھیں ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اتنا اونچا اور بڑا سمجھنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی اطاعت سے انھیں عار ہو۔

اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ

نشانیوں کو تو بھی ۱۸۶ نہ ایمان لے آئیں ان پر۔ اور دیکھ بھی لیں راہ رُشد و ہدایت تب بھی نہ بنائیں اسے (اپنا)

سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ

راستہ۔ اور اگر دیکھیں گمراہی کے راستہ کو (تو جھٹ) بنالیں اسے (اپنی) راہ یہ (ساری غلط روی)

بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ

اس لیے ہے کہ انھوں نے ۱۸۷ جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (ہمیشہ) رہے ان سے غفلت برتنے والے اور جنھوں نے جھٹلایا

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ

ہماری ۱۸۸ آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو ضائع ہوگئے ان کے سارے اعمال کیا انھیں جزا دی جائے گی

۱۸۶ ان کے دل کی آنکھ کے بے نُور ہونے کی کیفیت بیان کی جارہی ہے کہ ہزار دلیلیں سُنتے ہیں بے شمار معجزے دیکھتے ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے نیکی اور ہدایت کا راستہ جو نورانی قندیلوں سے جگمگا رہا ہے۔ اس پر چلنے کے لیے انھیں کہا جائے تو ان کا دل ڈوب ڈوب جاتا ہے اور اندھیروں اور تاریکیوں سے گھری ہوئی ضلالت کی راہ پر چلنے کے لیے بڑے ہی بے تاب نظر آتے ہیں۔

۱۸۷ اس حقیقت کو پھر ایک بار واضح کر دیا کہ آیاتِ الٰہی کی جان بوجھ کر تکذیب اور ان کی طرف سے دانستہ غفلت و بے پرواہی انسان کی ابدی شقاوت کا باعث بن جاتی ہے۔ یہاں بنی اسرائیل کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ کان کھول کر ہمارا اٹل قانون سُن لو۔ تم سے پہلے جو قومیں تباہ و برباد کر دی گئیں اس کی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے غرور و نخوت کے نشہ میں مخمور ہو کر ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ ہماری آیات کی طرف بے التفاتی کی تو ہم نے ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت ان سے چھین لی۔ اگر تم نے بھی انھیں کی سی روش اختیار کی اور تورات کے مندرجہ احکام کو بسر و چشم قبول نہ کیا تو تمہارا انجام بھی وہی ہوگا۔ بنی اسرائیل کے علاوہ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الثناء والتحیۃ کو بھی اپنے اس قانون سے جس میں کوئی استثنا نہیں آگاہ کر دیا تاکہ وہ بھی گوشِ ہوش سے ہمارے نبی کی باتیں سُنیں اور چشم دل سے اس کے اسوۂ حسنہ کا مشاہدہ کریں تاکہ وہ اس نعمتِ عظمیٰ سے کماحقہٗ فائدہ اُٹھا سکیں ایسا نہ ہو کہ اپنے علم و دانش پر اترا کر میرے رسول کی سُنّت کو نظر انداز کر دیں اگر انھوں نے بھی ایسا کیا تو ان کو بھی وہی سزا دی جائے گی جو ان سے پہلے نافرمان قوموں کو دی گئی۔

۱۸۸ نیک اعمال کا اجر قیامت کے دن صرف ان لوگوں کو ہی عطا فرمایا جائے گا جو اللہ تعالیٰ، اُس کے رسولوں اور روزِ جزا

إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٧﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ

سوائے اس کے جو وُہ کیا کرتے تھے ؟ (ہرگز نہیں) اور بنا لیا قوم موسٰی نے ۱۸۹؎ ان کے (طور پر جانے کے) بعد

حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ

اپنے زیورات سے ایک بچھڑا جو محض ڈھانچہ تھا اس سے گائے کی آواز آتی تھی۔ کیا نہ دیکھا انھوں نے کہ وُہ نہ بات کر سکتا ہے

وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿١٤٨﴾ وَلَمَّا

اُن سے اور نہ انھیں ہدایت کی راہ بتا سکتا ہے انھوں نے (خدا) بنا لیا اُسے اور وُہ (پہلے سے) ظالم تھے ۔ اور جب وُہ

پر ایمان لائے کیونکہ انھیں کے اعمال کی غرض وغایت رضاء خداوندی اور نعیم جنت کا حصول تھا۔ لیکن وُہ لوگ جو نہ خدا پر ایمان اور نہ روز جزا پر یقین رکھتے ہیں قیامت کے دن اُن کے اعمال کا کوئی معاوضہ انھیں نہیں ملے گا۔ کیونکہ یہ اعمال کرتے وقت ان کے ذہن میں اس اجر کا کوئی تصور نہ تھا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر ایک مسلمان بھی لوگوں کے دکھلاوے کے لیے کوئی نیک عمل کرتا ہے۔ یا کوئی زاہدِ شب زندہ دار بھی اپنی اس شبانہ روز زہد و ریاضت سے لوگوں کے دلوں پر اپنی ولایت کا سکہ جمانا چاہتا ہے تو اس کے سارے اعمال رائیگاں ہو جاتے ہیں۔ تو ایک کافر کے اعمال کو قیامت کے روز کیوں مستحق اجر سمجھا جائے۔ ہاں دُنیا میں اُن کو ان اعمال کا معاوضہ کاروبار میں ترقی، سیاسی قوت و اقتدار وغیرہ کی شکل میں دے دیا جاتا ہے۔

۱۸۹؎ حضرت مُوسٰی علیہ السلام تو کوہ طُور پر تشریف لے گئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کامل ضابطہ حیات لاکر اپنی قوم کو دیں تاکہ ان کی زندگی اطاعتِ الٰہی کا ایک مکمل نمونہ بن جائے لیکن ان بھلے مانسوں نے آپ کی غیر حاضری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توحید سے ہی مُنہ موڑ لیا۔ وُہ اللہ جس نے فرعون کی غلامی سے ان کو آزاد کیا جس کی قدرت سے سمندر کی موجوں نے سمٹ کر ان کے لیے ایک شاہراہ بنا دی۔ اور جب اُن کا دُشمن فرعون اپنے لشکر جرار سمیت ان کی زد میں آگیا تو وُہ اس پر اُمڈ آئیں اور تنکوں کی طرح اُسے بہا لے گئیں۔ اس وحدہٗ لاشریک کو بھول گئے۔ اس محسن حقیقی سے اپنی بندگی کا رشتہ توڑ لیا اور ایک بچھڑے کی مُورتی کی پرستش شروع کر دی۔ ان کی عقلیں اتنی اوندھی تھیں کہ خدا بنانے کے لیے ان کی نظر انتخاب جس چیز پر پڑی وُہ دھات کی بنی ہوئی بچھڑے کی مُورتی تھی جو نہ بول سکتی تھی اور نہ کچھ سُن سکتی تھی۔ آپ اس کے سامنے شور و غل مچائیں اس کی طرف سے ایک بے معنی صدا کے بغیر کچھ سنائی نہ دیتا۔ اس قوم نے جس نے ہر قدم پر آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا تھا کیسے باور کر لیا کہ یہ ہمارا خدا ہے جس کا ڈھانچہ ان کے سامنے سامری نے تیار کیا تھا؟ اس کی توجیہ بجز اس کے اور کیا کی جا سکتی ہے کہ غلامانہ زندگی کا طویل عرصہ جو انھوں نے سرزمینِ مصر میں بسر کیا تھا۔ وہاں

سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ

سخت پشیمان ہوئے ۱۹۰؎ اور انھیں نظر آگیا کہ وہ (راہِ راست سے) بھٹک گئے (تو) کہنے لگے اگر نہ رحم فرماتا

يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ

ہم پر ہمارا رب اور نہ بخش دیتا ہمیں تو ہم ضرور ہو جاتے نقصان اٹھانے والوں سے اور جب واپس آئے ۱۹۱؎

وہ اپنے قبطی آقاؤں کو گائے کی پوجا کرتے ہوئے اور ان کی مورتیوں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا کرتے۔ اس چیز نے گائے کے تقدس کا ایسا نقش ان کی لوحِ ذہن پر کندہ کر دیا تھا کہ جہاں گائے یا بچھڑے کی کوئی مورتی نظر آئی وہاں وہ بے ساختہ اس کے سامنے بچھتے چلے گئے۔ اور عقل و فہم کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی الوہیت کو تسلیم کر لیا۔ موجودہ تورات میں بچھڑا بنانے کا الزام حضرت ہارون پر لگایا گیا ہے لیکن قرآن جو تمام سابقہ انبیاء کی صداقت اور ان کی عظمت و پاکیزگی کا نقیب ہے۔ اس نے ہمیں صراحت سے بتا دیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا دامن اس الزام سے بالکل پاک ہے بلکہ یہ کارستانی سامری کی تھی جس نے بنی اسرائیل سے سونے کے زیور جمع کیے انھیں گلایا اور اس سے بچھڑے کا ڈھانچہ تیار کر لیا اور اپنی فنی مہارت سے اس میں یہ بات پیدا کر دی کہ جب اس میں ہوا کا گزر ہوتا تو ایک بے معنی سی بیں بیں کی آواز نکلتی۔ اور یہ کوئی مشکل نہیں۔ آج ہم بیسیوں کھلونے ایسے دیکھتے ہیں جو بے جان ہوتے ہوئے طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں اور مختلف نوعیت کی آوازیں نکالتے ہیں۔

۱۹۰؎ یہ محاورہ ہے اور شدتِ ندامت اور پشیمانی پر دلالت کرتا ہے۔ يقال للنادم المتحير: قد سقط فی يده (قرطبی) کیونکہ انسان انتہائی ندامت کے وقت اپنے ہاتھ کاٹتا ہے تو گویا وہ ہاتھ اس سے کٹ کر الگ ہو جاتا ہے اس لیے اس حالت کو بھی ان الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ كناية عن اشتد ادندمهم كان النادم المتحسر يعض يده غما فتصير يده مسقوطا فيها (بیضاوی) موسیٰ علیہ السلام جب تورات لے کر واپس تشریف لائے اور قوم کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھا تو انھیں احساس ہوا کہ انھوں نے بڑی ہی زبردست حماقت کی ہے تو پچھتانے اور افسوس کرنے لگے اور اعتراف کیا کہ اگر ہم پر ہمارا رب مہربانی نہ کرتا تو ہم ہلاک ہو گئے تھے۔

۱۹۱؎ اللہ تعالیٰ نے وہاں ہی موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی کارستانی کی اطلاع دے دی تھی۔ آپ بڑے غضبناک ہو کر واپس لوٹے اور بنی اسرائیل کو غم و غصہ سے لبریز لہجہ میں زبردست ملامت اور تنبیہ کی۔ اسف انتہائی غصہ کی حالت کو اسف کہتے ہیں۔ قال ابو الدرداء الاسف منزلة وراء الغضب اشد من ذلك اس کا دوسرا معنی جو عام مشہور ہے وہ حزن و ملال ہے۔ (قرطبی)

مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ

موسیٰ اپنی قوم کی طرف خشمناک (اور) غمگین ہو کر (تو) بولے (اے قوم!) بہت بُری جانشینی کی ہے تم نے

مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ

میری میرے بعد کیا تم نے جلد بازی کی اپنے رب کے فرمان سے اور (غصہ سے) پھینک دیں تختیاں ۱۹۲ اور پکڑ لیا

بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ

سر اپنے بھائی کا (اور) کھینچا اُسے اپنی طرف ہارون نے کہا ۱۹۳ اے میری ماں جائے! اس قوم نے کمزور و بے بس

وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ٘ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ

بنا دیا مجھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں مجھے سو نہ ہنساؤ مجھ پر دشمنوں کو اور نہ شمار کرو مجھے اس

۱۹۲ شدتِ غضب میں ان پتھر کی تختیوں کو جن پر تورات لکھی ہوئی تھی ایک طرف رکھ دیا اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس میں حضرت ہارون علیہ السلام کی غفلت اور فرض ناشناسی کا بھی دخل ہے۔ آپ کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف زور سے کھینچا۔ کہتے ہیں کہ سات تختیاں تھیں جب آپ نے انھیں غصہ سے رکھا تو وہ ٹوٹ گئیں۔ چھ تختیاں جن میں ہر چیز کی تفصیل تھی وہ واپس اٹھالی گئیں اور ایک تختی جس میں موعظت وہدایت تھی وہ باقی رہ گئی۔ روی ان التوراۃ کانت سبعۃ اسباع فی سبعۃ الواح فلما القاھا انکسرت فرفع ستۃ اسباعھا وکان فیھا تفصیل کل شیئ وبقی سبع کان فیہ المواعظ والاحکام (قرطبی وبیضاوی)

۱۹۳ اگرچہ حضرت موسیٰ حضرت ہارون کے ماں باپ دونوں کی طرف سے سگے بھائی تھے لیکن ان کے جذبۂ شفقت ومحبت کو برانگیختہ کرنے کے لیے میری ماں کے بیٹے کے الفاظ سے اپنی معذرت کا آغاز کیا۔ اور کہا کہ میں نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی۔ میں تن تنہا تھا اور یہ ساری قوم ایک ہو گئی۔ انھوں نے مجھے بے بس اور کمزور سمجھتے ہوئے میرے سمجھانے کی ذرا پرواہ نہیں کی۔ اُلٹا مجھے مار ڈالنے کے درپے ہو گئے۔ آپ اگر میرے ساتھ اس طرح سختی کریں گے تو دشمن بغلیں بجائیں گے اور کہیں گے کہ ذرا دیکھو دونوں بھائی ایک دوسرے سے دست بگریباں ہیں۔ شماتۃ کہتے ہیں کسی کی تکلیف سے مسرور اور خوش ہونا اور یہ چیز سخت معیوب ہے۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے۔ اپنے بھائی کی مصیبت پر مت خوش ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت سے نجات دے دے اور تجھ کو اس میں مبتلا کر دے۔ لاتظھر الشماتۃ باخیک فیعافیہ

الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِاَخِیْ وَ اَدْخِلْنَا فِیْ

ظالم قوم کے ساتھ ۔ موسیٰ نے التجا کی اے میرے رب! ۱۹۴؎ بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو

رَحْمَتِكَ ۖ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ

اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں سے ۔ بے شک جنھوں نے بنایا بچھڑے کو معبود

سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ كَذٰلِكَ

جلدی ہی پہنچے گا انھیں غضب ان کے رب کی طرف سے اور رسوائی دنیا کی زندگی میں ۱۹۵؎ اور اسی طرح ہم

نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ

سزا دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو اور جنھوں نے کیے برے کام ۱۹۶؎ پھر توبہ کی اس کے

بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا ؗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَ لَمَّا

بعد اور ایمان لائے بے شک آپ کا رب اس کے بعد بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے اور جب

اللہ ویبتیک ۔ اور حضور کریم یہ دعا فرمایا کرتے تھے ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ سُوْءِ الْقَضَاءِ وَ دَرْكِ الشَّقَاءِ وَ شَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ (بخاری) ترجمہ : اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بری تقدیر سے ، بدبختی سے اور ایسی بات سے جس سے دشمن خوش ہوں ۔

۱۹۴؎ یعنی غصہ کی حالت میں اپنے بھائی پر جو میں نے سختی کی ہے وہ بھی معاف فرما دے ۔ اور اگر میرے بھائی سے ادائے فرض میں کوئی تقصیر ہو گئی ہے تو وہ بھی بخش دے اور ہم دونوں کو اپنی رحمت سے مالا مال فرما دے ۔

۱۹۵؎ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کی نگاہِ کرم سے محرومی سے بڑھ کر اور کونسی سنگین سزا ہے ۔ اس کے علاوہ ایسے نابکار مجرموں کو دنیا میں بھی ذلیل و خوار کر دیا جاتا ہے تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ اپنے رب کی نافرمانی کر کے وہ دنیا میں بھی چین کا سانس نہیں لے سکتے ۔

۱۹۶؎ اس کی رحمت بے پایاں اور اس کی بخشش بیکراں پر قربان ! کوئی کتنا ہی قصوروار اور خطاکار ہو اس کے درِ کرم پر حاضر ہو جائے تو اسے بھی محروم لوٹا نہیں دیا جاتا ۔ اس آیت میں اس مقام پر ان ربك (اے مصطفےٰ ! تیرا پروردگار) کے الفاظ کتنے پیارے اور کتنے معنی خیز ہیں ۔

سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۚ وَفِي نُسْخَتِهَا

فرو ہو گیا موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ تو اُٹھا لیا ان تختیوں کو ۱۹۷ اور ان کی تحریر میں

هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿١٥٤﴾ وَاخْتَارَ مُوسَىٰ

ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور چن لیے موسیٰ نے

قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۖ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ

اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے وعدہ ملاقات کے لیے ۱۹۸ پھر جب پکڑ لیا انھیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے تو موسیٰ نے کہا

۱۹۷ حضرت ہارونؑ کا معقول عذر سن کر اور قوم کو اپنی غلطی پر نادم و پشیمان دیکھ کر آپ کا غصہ فرو ہو گیا اور وہ تختیاں جو آپ طُور سے لائے تھے اور جنھیں فرطِ جلال میں پھینک دیا تھا اب ان کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں اٹھا لیا اور اپنی قوم کو بتایا کہ یہ وہ نسخۂ رشد و ہدایت ہے جس کا وعدہ میں نے تم سے کیا تھا۔ جس کے دل میں خوفِ خدا ہو گا اس کے لیے اس میں ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی۔ لیکن وہ لوگ جن کے دل پتھر ہو چکے ہیں اور خوفِ الٰہی سے خالی ہیں ان کے لیے اس میں حسرت و نامرادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

۱۹۸ بنی اسرائیل بچھڑے کی پرستش کا جرمِ عظیم کرنے کے بعد سخت پشیمان ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ ہماری مغفرت کے لیے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیجیے۔ حکم ہوا ان میں سے ستر آدمی منتخب کر کے اپنے ہمراہ لاؤ تاکہ وہ یہاں آکر ساری قوم کے نمائندوں کی حیثیت سے توبہ کریں۔ چنانچہ آپ اپنی قوم کے ستر نمائندوں کی معیت میں طُور کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو ایک بادل نمودار ہوا جس نے سارے پہاڑ کو گھیر لیا۔ وہاں پہنچ کر سجدہ میں گر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مولا کریم سے گفتگو کی جو انھوں نے سُنی۔ جب بادل چھٹ گیا اور سلسلۂ کلام بھی منقطع ہو گیا تو کہنے لگے موسیٰ! ہم نے گفتگو تو سُنی ہے لیکن جب تک ہم اپنی آنکھوں سے متکلم کو نہ دیکھ لیں، ہم کیسے یقین کر لیں کہ وہ خداوند تعالیٰ تھا۔ ممکن ہے کوئی اور ہو۔ اس پر زلزلہ کے شدید جھٹکے آنے لگے اور بجلی کڑکنے لگی۔ اس وحشت ناک منظر کی تاب نہ لا کر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہول منظر سے موت واقع ہو گئی۔ اور وہب کی رائے ہے کہ مرے نہیں تھے بلکہ بے ہوشی کی وہ کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ قریب المرگ ہو گئے تھے۔ (بیضاوی - قرطبی)

رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

اے میرے رب! ۱۹۹؎ اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انھیں اس سے پہلے اور مجھے بھی۔ کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس

السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ

(غلطی) کے جو کی (چند) احمقوں نے ہم سے نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش ۲۰۰؎ تو گمراہ کرتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور

تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ۲۰۱؎ تو ہی ہمارا کارفرما ہے ۲۰۲؎ بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر

۱۹۹؎ موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو آپ کو اپنی قوم کے برہم ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔ وہ لوگ جو بات بات پر بگڑ جانے کے عادی ہیں جب دیکھیں گے کہ ان کے ستر سر کردہ آدمی لقمۂ اجل ہو گئے ہیں تو نہ معلوم کیا اودھم مچائیں گے اس لیے آپ نے عرض کی اے مالک! اگر تیری مشیت یہی تھی کہ انھیں ہلاک کر دیا جائے تو انھیں پہلے ہی ہلاک کر دیا ہوتا۔ اب جب یہ میرے ہمراہ آئے ہیں تو تو نے انھیں ہلاک کر دیا میری قوم مجھے بدنام کرے گی اور مجھے ملزم ٹھہرائے گی۔ سفہاء سے مراد یا تو بچھڑے کے پجاری ہیں یا دیدارِ خداوندی کا مطالبہ کرنے والے۔

۲۰۰؎ فتنہ کہتے ہیں آزمائش اور امتحان کو۔ اي ماهذا الا اختبارك وامتحانك (قرطبی)

۲۰۱؎ اگر توفیقِ الٰہی انسان کی دستگیری کرے تو امتحان و آزمائش کے میدان میں وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس کی تائید اور توفیق شاملِ حال نہ ہو تو معمولی سی آزمائش بھی انسان کی لغزش کا سبب بن جاتی ہے۔ اور زہد و تقدس کے سارے جبے تار تار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ اپنی عقل کی نارسائی اور اپنی بے بسی کو ہر وقت پیشِ نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت میں پناہ ڈھونڈھے۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ دعائیہ کلمات کتنے دلکش اور کتنے حقیقت افروز ہیں۔ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ: اے زندۂ جاوید! اے ہر چیز کو زندہ رکھنے والے! میں تیری رحمت سے فریاد کرتا ہوں آنکھ جھپکنے کی قدر بھی مجھے (اپنی توفیق سے محروم کر کے) میرے نفس کے سپرد نہ کر۔ اور میرے تمام حالات کی خود ہی اصلاح فرما۔

۲۰۲؎ اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق اور مختارِ کل ہونے کا اعتراف کرنے کے بعد اب اپنا دامنِ طلب پھیلایا جا رہا ہے۔ ولینا: ہمارے دین و دنیا کے تمام کاموں کا تو ہی محافظ و نگہبان ہے۔ ہم جب تک اس دنیا میں ہیں ہمیں صحت و عافیت اور توفیقِ ہدایت اور شوقِ عبادت عطا فرما اور جب یہاں سے رختِ سفر باندھ کر دار البقاء کی طرف کوچ

الْغٰفِرِيْنَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ

بخشنے والا ہے۔ اور لکھ دے ہمارے لیے اس دُنیا میں خیر و برکت اور آخرت میں بھی

اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ

بے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف ۲۰۳ اللہ نے فرمایا میرا عذاب پہنچاتا ہوں میں اُسے جسے چاہتا ہوں اور میری رحمت

وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

کشادہ ہے ہر چیز پر ۲۰۴ سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ

اور وُہ جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں (یہ وُہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اُس رسول کی

النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ

جو نبی امی ہے ۲۰۵ جس (کے ذکر) کو وُہ پاتے ہیں لکھا ہُوا اپنے پاس تورات

کریں تو وہاں ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرما۔

۲۰۳ هدنا هاد یهود سے ہے جس کا معنی رجوع کرنا ہے۔ من هاد یهود اذا رجع (بیضاوی) یعنی گناہ و قصور کرنے کے بعد ہم پھر تیری بارگاہِ رحمت میں حاضر ہو گئے ہیں۔

۲۰۴ یعنی میرے اختیارات تو غیر محدود ہیں۔ جو چاہوں جیسے چاہوں کروں کسی کو اعتراض نہیں میری رحمت کے خزانے خرچ کرنے سے ختم نہیں ہوتے۔ میری رحمت کا دامن بہت وسیع ہے۔ لیکن اس کے حقدار صرف وہی لوگ ہیں جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔

۲۰۵ اس آیت میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصافِ جمیلہ اور حضورؐ کی بعثت کے مقاصدِ جلیلہ کو بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہونے کی وجہ سے حضورؐ کو رسول اور مخلوق کی طرف مبعوث ہونے کے باعث نبی فرمایا گیا۔ حضورؐ کو الامی کہنے کی متعدد توجیہات علماء کرام نے بیان کی ہیں:۔

(۱) منسوب الی الام یعنی هو علی ما ولدته امه لم یکتب ولم یقرء۔ ام (ماں) کی طرف منسوب کرتے ہوئے امی کہا یعنی جیسے نوزائیدہ بچہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتا اُسی طرح حضورؐ نے بھی کسی اُستاد سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اور اس کے باوجود

وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

اور انجیل میں [۲۰۶] وُہ نبی حکم دیتا ہے اُنھیں نیکی کا اور روکتا ہے انھیں بُرائی سے اور

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

حلال کرتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اُتارتا ہے ان سے

علُوم ظاہری و باطنی سے سینۂ مبارک کا لبریز ہونا حضوُرؐ کا روشن معجزہ ہے۔ وصفه الله به تنبيها على ان كمال علمه مع حاله احد معجزاته (مظہری) بعض نے کہا ہے کہ ام القریٰ (مکہ) کی طرف نسبت کی وجہ سے امّی کہا گیا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ امّی اُمّت کی طرف منسوب ہے یعنی حضوُر علیہ السّلام صاحب اُمّت ہیں اور اُمّت کی ت نسبت کے وقت حذف کردی گئی۔ جیسے مکّہ سے مکّی اور مدینہ سے مدنی میں ت محذوف ہے۔

۲۰۶۔ اس مقام پر حضرت صدر الافاضل قبلہ مولٰنا محمد نعیم الدین قدس سرّہٗ کا حاشیہ بڑا مفصّل ہے۔ اسی کا ایک اقتباس نقل کرنا کافی سمجھتا ہُوں "کتبِ الٰہیہ حضوُر سیّدِ عالم کی نعت وصفت سے بھری ہُوئی تھیں۔ اہلِ کتاب ہر قرن میں اپنی کتابوں میں تراش خراش کرتے رہے۔ اور ان کی بڑی کوشش رہی کہ حضوُر کا ذکر اپنی کتابوں میں نام کو نہ چھوڑیں۔ لیکن ہزاروں تبدیلیاں کرنے کے بعد بھی موجُودہ زمانے کی بائیبل میں حضوُرؐ کی بشارت کا نشان کچھ نہ کچھ باقی رہ ہی گیا۔ چنانچہ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۱ء کی چھپی ہُوئی بائیبل میں یوحنا کی انجیل کے باب چودہ کی سولھویں آیت میں ہے "اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وُہ تمھیں دُوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے" لفظ مددگار پر حاشیہ ہے۔ اس پر اس کے معنی وکیل یا شفیع لکھے ہیں۔ تو اب حضرت عیسٰیؑ کے بعد جو شفیع ہوا اور ابد تک رہے یعنی اس کا دین کبھی منسُوخ نہ ہو بجز سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کون ہے؟ پھر اُنتیسویں تیسویں آیت میں ہے "اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دُنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں" کیسی صاف بشارت ہے اور مسیح نے اپنی اُمّت کو حضوُرؐ کی ولادت کا کیسا منتظر بنایا اور شوق دلایا ہے۔ اور دُنیا کا سردار خاص سیّدِ عالم کا ترجمہ ہے۔ پھر اسی کتاب کے باب سولہ کی ساتویں آیت ہے "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہُوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وُہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمھارے پاس بھیج دُوں گا" اس کی تیرھویں آیت ہے "لیکن جب وُہ یعنی سچائی کا رُوح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وُہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وُہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا" اس آیت میں بتایا گیا کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی آمد پر دین کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ سچائی کی راہ یعنی دینِ حق کو مکمّل کردیں گے۔ (خزائن العرفان)

إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِهٖ وَعَزَّرُوهُ

ان کا بوجھ ۲۰۷ اور کاٹتا ہے وُہ زنجیریں ۲۰۸ جو جکڑے ہُوئے تھیں انھیں پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امّی) پر اور

وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهٗ ۙ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۵۷﴾

تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی اور پیروی کی اس نور کی جو اُتارا گیا آپ کے ساتھ ۲۰۹ وُہی (خوش نصیب) کامیاب کامران ہیں

۲۰۷ لفظ "اصر" دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اصر بمعنی ثقل: بوجھ اور اصر بمعنی عہد۔ یہاں دونوں معنی ملحوظ ہیں یعنی اعمالِ شدیدہ کا جو عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا حضورؐ کی تشریف آوری سے وُہ اس سے آزاد کر دیئے گئے۔ فوضع عنهم بمحمد صلی الله علیه وسلم ذلك العهد وثقل تلك الاعمال۔ ان کی شریعت کے چند احکام یہ تھے کہ اگر کسی کپڑے پر پیشاب وغیرہ گر جائے تو اس حصّہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا۔ ایامِ حیض میں عورت کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا تک ممنوع تھا۔ مالِ غنیمت کا استعمال جائز نہ تھا بلکہ اس کو ایک جگہ جمع کر کے نذرِ آتش کر دیا جاتا تھا۔

۲۰۸ اغلال جمع ہے اور اس کا واحد غُلّ ہے اس کا معنی ہے زنجیر۔ اس سے مُراد بھی شریعتِ مُوسوی کے شدید اور سخت احکام ہیں۔ مثلاً یوم سبت کو ہر دُنیاوی کام کی ممانعت تھی۔ اگر کوئی کسی کو قتل کر دیتا تو دیت کی گنجائش نہ تھی بلکہ قاتل کو بطور قصاص قتل کر دینا ضروری تھا۔ اسی طرح کئی دیگر احکام تھے لیکن رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے ان تمام میں تخفیف اور نرمی کر دی گئی۔ اگر کپڑا پلید ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کے لیے دھونا ہی کافی ہے حائضہ عورت سے صرف ہم بستری ممنوع قرار دی گئی۔ دُوسری پابندیاں ہٹا دی گئیں۔ قاتل سے دیت بھی قبول کرنے کی اجازت دی گئی مالِ غنیمت کا استعمال حلال کر دیا گیا کتنی آسانیاں اور نرمیاں کر دی گئیں۔ ہزار بار ہزار صلاۃ وسلام اس طلعتِ زیبا پر جس کی آمد سے گلشنِ عالم میں بہار آگئی۔ جس کے ظاہر ہونے سے کائنات میں اُجالا ہو گیا۔ توہمات کے قفس ٹوٹ گئے۔ غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں اور انسان کو شرفِ انسانیت سے آشنا کر دیا گیا۔ اغلال جمع ہے اور اس کا عطف اصر پر ہے جو واحد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصر مصدر ہے اگرچہ یہ لفظ واحد ہے لیکن اس میں کثرت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ فالجواب ان الاصر مصدر يقع على الكثرة لانه مصدر يقع على القليل والكثير من جنسه مع افراد لفظه (قرطبی)

۲۰۹ آخر میں بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ بتا دیا کہ فلاح وسعادت سے صرف وُہی سرفراز ہوگا جو میرے مصطفےٰ پر سچے دل سے ایمان لایا اور اس کی تعظیم وتکریم میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ اس کے دین کی نصرت اور اس کی شریعت کی تائید کے لیے ہر قربانی دینے پر مستعد ہوا۔ اور اس کے نورِ تاباں (قرآنِ حکیم) کے ارشادات پر عمل کرنے کے لیے دل وجان سے آمادہ ہوا۔ یہ آیت شانِ رحمۃ للعالمین کی آسمانی تفسیر ہے۔ ایمان کے بعد حضورؐ کی تعظیم وتکریم سب سے اہم ہے۔ بلکہ نصرت اور اتباعِ قرآن کا حق ادا ہی تب ہو سکتا ہے جب دل میں حضورؐ کا ادب واحترام ہو۔ ع ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ

آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف ۲۱۰؎ وہ اللہ جس کے لیے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا

بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی نہیں کوئی معبود سوائے اس کے وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے پس ایمان لاؤ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ

اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے جو خود ایمان لایا ہے اللہ پر اور اس کے کلام پر

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥٨﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

اور تم پیروی کرو اس کی تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا وَ

حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے ۲۱۱؎ اور ہم نے بانٹ دیا انھیں بارہ قبیلوں میں جو الگ الگ قومیں ہیں ۲۱۲؎ اور

۲۱۰؎ اس سے پہلے جتنے رسولوں کا ذکر ہوا وہ خاص خاص علاقوں اور مخصوص قوموں کے ایک مقررہ وقت تک مرشد و رہبر بن کر آتے تھے لیکن اب جس مرشد اولین و آخرین، جس رہبر اعظم کا ذکر خیر ہو رہا ہے اس کی شانِ رہبری نہ کسی قوم سے مخصوص ہے اور نہ کسی زمانہ سے محدود جس طرح اس کے بھیجنے والے کی حکومت و سروری عالم گیر ہے اسی طرح اس کے رسول کی رسالت بھی جہاں گیر ہے۔ ہر خاص و عام، ہر فقیر و امیر، ہر عربی و عجمی، ہر رومی و حبشی کے لیے وہ مرشد بن کر آیا۔ اسی لیے اس بات کا اعلان اس کی زبانِ حقیقت ترجمان سے کرایا کہ اے اولادِ آدم! میں تم سب کے لیے اپنے زمین و آسمان کے خالق و مالک کی طرف سے رشد و ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ اب تمہارے لیے ہدایت اور فلاح کا راستہ یہی ہے کہ اس کتاب کی پیروی کرو جو میں لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور میرے نقوش پا کو اپنے لیے خضرِ راہ بناؤ میری سنت سے انحراف نہ کرو۔

۲۱۱؎ اگرچہ بنی اسرائیل کی بڑی اکثریت کا طرزِ عمل حوصلہ شکن تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ جانا، اناڑی بچوں کی طرح اپنی بات خواہ کتنی نامعقول ہو منوانے پر بضد ہونا معمولی سے معمولی شبہ پر راہِ حق سے روگرداں ہو جانا ان کا معمول تھا لیکن اس کے باوجود ان میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو سچے مومن تھے۔ شریعتِ موسویہ کے پورے پورے پابند تھے۔ تورات کے احکام کی بجا آوری میں تندہی سے کوشاں تھے مفسرین کرام سے بہت سے اقوال مروی ہیں کہ اس گروہ سے کونسا گروہ مراد ہے اور وہ کس زمانہ

أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ إِذِ ٱسْتَسْقَىٰهُ قَوْمُهُۥٓ أَنِ ٱضْرِب بِّعَصَاكَ

ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف جب پانی طلب کیا آپ سے آپ کی قوم نے (ہم نے وحی کی) کہ مارو اپنے عصا سے اس

ٱلْحَجَرَ ۖ فَٱنۢبَجَسَتْ مِنْهُ ٱثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ

پتھر کو ۲۱۳ تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے جان لیا ہر ایک گروہ نے

میں تھا۔ لیکن اگر اس آیت کو اپنے عموم پر رہنے دیا جائے تو کسی قسم کا اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں بھی ایک فرماں بردار جماعت تھی۔ جب دوسری قوم نے بچھڑے کی پرستش شروع کی تو یہ اپنے مسلک توحید پر ثابت قدم رہی۔ آپ کے انتقال کے بعد بھی وہ احکام الٰہی پر صدق دل سے عمل پیرا رہی۔ اور عہد مصطفوی میں بھی ایسا گروہ موجود تھا جو تورات پر کاربند تھا۔ جب انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کیا اور حضور کی سیرت کا بغور مطالعہ کیا اور ان نشانات کو جو نبی آخر الزمان کے متعلق تورات میں مذکور تھے اس ذات اقدس میں موجود پایا تو فوراً ایمان لے آئے۔ اور دوسرے یہودیوں کی طرح اپنی چودھراہٹ کی خاطر قبول حق سے انکار نہیں کیا۔

۲۱۲۔ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹوں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دو فرزندوں کی اولاد تھے موسیٰ علیہ السلام جب انھیں لے کر وادیٔ سینا میں پہنچے تو ان کی تعداد کئی لاکھ تھی۔ اتنی کثیر تعداد کا داخلی نظم ونسق، ان کی دینی تربیت اور ان کی ہر طرح کی نگرانی کے لیے بحکم الٰہی آپ نے یہ انتظام فرمایا کہ ان کو بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہر گروہ کے لیے ایک ایک نگران مقرر کر دیا تاکہ ان کے باہمی جھگڑوں کا تصفیہ کرے۔ اور ان میں اگر سرتابی کا رجحان پیدا ہو تو اس کا سدباب کرے۔ اسباط جمع ہے سبط کی۔ اس کا معنی ہے پوتا (ولد الولد) یہ ترکیب میں اثنی عشرہ کی تمیز نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اسے سبطا (واحد) ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ بدل ہے اور امما صفت ہے۔ اور اسباطا موصوف ہے۔ (بیضاوی، مظہری)

۲۱۳۔ تیہ کے لق و دق صحرا میں پانی بالکل نایاب تھا۔ نہ کوئی نہر نہ دریا۔ نہ کوئی چشمہ نہ کنواں۔ آپ کی قوم نے شدت پیاس سے بے قابو ہو کر آپ سے پانی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ حکم ہوا کہ اس پتھر کو اپنے عصا سے مارو۔ عصا مارنے کی دیر تھی کہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ اور آپ نے ایک ایک چشمہ ایک ایک قبیلہ کے لیے مختص کر دیا تاکہ باہمی جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔

مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ

اپنا اپنا گھاٹ اور ہم نے سایہ کر دیا ان پر بادل کا ۲۱۴ اور ہم نے اُتارا ان پر من و

السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا

سلوٰی (اور فرمایا) کھاؤ ان پاک چیزوں کو جو ہم نے دی ہیں تمھیں اور نہیں ظلم کیا انھوں نے ہم پر بلکہ وہ اپنی

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَ كُلُوْا

جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے اور جب کہا گیا انھیں کہ آباد ہو جاؤ اس شہر میں ۲۱۵ اور کھاؤ

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ

اس سے جہاں سے چاہو اور کہو (اے کریم) بخش دے ہمیں اور داخل ہو دروازہ سے جھکتے ہوئے ہم بخش دیں گے

لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

تمھاری خطائیں (اور) زیادہ دیں گے احسان کرنے والوں کو تو بدل ڈالی جنھوں نے ظلم کیا تھا ان سے

قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ

بات خلاف اس کے جو کہی گئی تھی انھیں تب ہم نے بھیج دیا ان پر عذاب آسمان سے

۲۱۴ اُس ریگستان میں جہاں پانی کی ایک بوند تک نایاب تھی وہاں سایہ دار درختوں کا وجود کہاں؟ لیکن بغیر سایہ کے اس تپتے ہوئے ریگستان، چلچلاتی دھوپ میں گزر ہو تو کیسے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن پر یہ کرم فرمایا کہ جتنے علاقہ میں وُہ فروکش تھے اُن پر بادل کا سائبان تان دیا۔ نیز ریت کے ان ڈھیروں میں جہاں آبپاشی کا بھی کوئی انتظام نہ تھا وہاں کھیتی باڑی کیسے ہو سکتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ خاص سے منّ و سلویٰ اُتار کر ان کو فکرِ معاش سے بھی آزاد کر دیا۔ (ان تمام امور پر حواشی سورۃ البقرہ میں گزر چکے ہیں) ۲: ۵۷، ۵۸، ۵۹

۲۱۵ اس سے مراد بیت المقدس کا شہر ہے۔ اس پر حواشی سورہ البقرہ میں گزر چکے ہیں۔

بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۱۶۲﴾ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ

اس وجہ سے کہ وہ ظلم کیا کرتے تھے اور پوچھو ان سے ۲۱۶؎ حال اس بستی کا ۲۱۷؎ جو آباد تھی ساحل

الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ

سمندر پر جب کہ وہ حد سے بڑھنے لگے ہفتہ (کے حکم کے بارے) میں جب آیا کرتیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ان کے ہفتہ

شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا

کے دن پانی پر تیرتی ہوئیں ۲۱۸؎ اور جو دن ہفتہ کا نہ ہوتا تو وہ نہ آتیں ان کے پاس (اس طرح بے حرکت) ہم نے آزمائش میں ڈالا انھیں بسبب

يَفْسُقُونَ ﴿۱۶۳﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ

اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کہ تم کیوں نصیحت کرتے ہو اس قوم کو اللہ جنھیں ہلاک کرنے والا ہے

مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ

یا انھیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب؟ ۲۱۹؎ انھوں نے کہا تاکہ معذرت پیش کر سکیں تمھارے رب کے دربار میں (کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا)

۲۱۶؎ بنی اسرائیل کے لیے سبت (ہفتہ) کا دن عبادت کے لیے مخصوص تھا اور ہر طرح کے دوسرے کام کرنے کی انھیں اس دن ممانعت تھی۔ احکام الٰہی میں حیلہ و فریب کرنے میں بنی اسرائیل کو جو شہرت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ یہاں ان کی تاریخ کا ایک واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔

۲۱۷؎ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ بستی کون سی تھی؟ امام زہری نے اس کا نام طبریہ بتایا ہے۔ قتادہ کے نزدیک اس کا نام مقناۃ ہے۔ لیکن زیادہ صحیح قول وہ ہے جو حضرت ابن عباس عکرمہ اور سدی سے مروی ہے کہ یہ ایلہ کا شہر تھا جو اب عقبہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شہر بحرِ قلزم کی اس آبنائے کے سرے پر واقع ہے جو دور تک خشکی میں چلی گئی ہے جسے خلیج عقبہ کہتے ہیں۔

۲۱۸؎ شُرَّعًا جمع ہے اور اس کا واحد شارع ہے جو شرع بمعنی اشرف و دنی سے ماخوذ ہے یعنی یہ مچھلیاں سنیچر کے دن سر اٹھائے بے جھجک سطح آب پر تیرتی اچھلتی کودتی کثیر تعداد میں چلی آتی تھیں۔ (حواشی سورہ البقرہ میں ملاحظہ ہوں۔ آیت ۶۵)

۲۱۹؎ سنیچر کے روز مچھلیوں کے شکار کرنے نہ کرنے کے متعلق ایلہ کی آبادی تین مختلف الخیال گروہوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک گروہ تو وہ تھا۔ جو اس کھلی ہوئی نافرمانی کا ارتکاب کیا کرتا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو خود تو شکار نہیں کرتا تھا لیکن شکار کرنے والوں کو اس حکم عدولی سے روکتا بھی نہ تھا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو فریضۂ تبلیغ ادا کرنے میں ہمہ تن مشغول تھا۔ دوسرے گروہ نے اس تیسرے

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ

اور شاید وہ ڈرنے لگیں — پھر جب اُنھوں نے فراموش کر دی جو اُنھیں نصیحت کی گئی تھی (تو) ہم نے نجات دے دی

عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا

اُنھیں جو روکتے تھے بُرائی سے اور پکڑ لیا ہم نے اُن کو جنھوں نے ظلم کیا بُرے عذاب سے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کیا

يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

کرتے تھے ۲۲۰ — پھر جب اُنھوں نے سرکشی کی جس سے وہ روکے گئے تھے ہم نے حکم دیا اُنھیں کہ بن جاؤ بندر

خٰسِئِيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

راندے ہوئے ۲۲۱ — اور یاد کرو جب اعلان کر دیا آپ کے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہے گا ان پر روزِ قیامت تک

مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَ

ایسے (جابر) جو چکھاتے رہیں گے اُنھیں بُرا عذاب ۲۲۲ — بے شک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے — اور

گروہ کو کہا کہ تم خواہ مخواہ کیوں اپنا سر کھپاتے ہو۔ ان کی ہلاکت مقدر ہو چکی ہے اُنھیں سمجھانے سے کیا حاصل۔ اس فرض شناس گروہ نے اُنھیں جواب دیا کہ اس تبلیغ کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر قیامت کے روز ہم سے باز پُرس کی گئی تو ہم عرض کریں گے کہ اے خُداوند ہم نے تو ان نابکاروں کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اُنھوں نے ہماری ایک نہ سُنی۔ دُوسرا فائدہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ہمارے وعظ و نصیحت کرنے سے کسی کا دل پسیج جائے اور وُہ راہِ حق اختیار کر لے۔

۲۲۰ نسیان جان بُوجھ کر کسی چیز کو چھوڑ دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں اسی معنی میں مستعمل ہُوا ہے۔ والنسیان یطلق علی الساھی والعامد: التارك ای ترکوہ عن قصد (قرطبی)۔ بئیس بمعنی شدید ہے۔ جب ان کی نافرمانی اور عصیاں شعاری حد سے تجاوز کر گئی اور ان کے ہدایت پانے کی کوئی اُمید نہ رہی تو ان پر عذابِ الٰہی آیا جس نے ان کو ہلاک و برباد کر دیا۔ اور ان تین گروہوں میں سے صرف وُہی گروہ نجات پا سکا جو اُن کو وعظ و نصیحت کیا کرتا تھا۔

۲۲۱ ملاحظہ ہو حاشیہ متعلقہ آیت ۶۵ البقرہ۔ ضیاء القرآن جلد اوّل

۲۲۲ آگاہ اور خبردار کر دینے اور کسی فیصلہ کا اعلان کرنے کو تاذن کہتے ہیں۔ یہ لوگ کون تھے جن کے متعلق اعلان کیا گیا۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ وُہی لوگ ہیں جنھوں نے یوم سبت کے متعلق احکامِ الٰہی کو پس پُشت ڈال دیا۔ بعض کی رائے ہے کہ ان

إِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾ وَقَطَّعْنَٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِّنْهُمُ

بے شک وُہ غفور رحیم (بھی) ہے اور ہم نے بانٹ دیا انھیں زمین میں کئی گروہوں میں ۲۲۳ ان میں سے

ٱلصَّٰلِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنَٰهُم بِٱلْحَسَنَٰتِ وَٱلسَّيِّـَٔاتِ

کچھ نیک ہیں اور کچھ اور طرح ہیں اور ہم نے آزمایا انھیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦٨﴾ فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ

تاکہ وُہ (اللہ تعالیٰ) کی طرف رجوع کریں پھر جانشین بنے ۲۲۴ ان کے بعد وُہ ناخلف جو وارث ہوئے کتاب کے

يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا ٱلْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِن

وُہ لیتے ہیں مال اِس دُنیا کا اور (باایں ہمہ) کہتے ہیں کہ ضرور بخش دیا جائے گا ہمیں اور اگر

سے مُراد ساری یہودی اُمت ہے اور بعض کے نزدیک حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمعصر یہودی ہیں۔

۲۲۳ یعنی ہم نے ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ ان کا شیرازہ بکھیر دیا گیا۔ وُہ دُنیا کے مختلف ممالک میں ایک بے بس اقلیت بن کر رہ گئے۔ ان میں سے بعض نیکوکار بھی ہیں اور بعض بدکار بھی۔ ان کو راہِ راست پر لانے کے لیے ان کے ساتھ لُطف و عنایت کا رویہ بھی اختیار کیا گیا اور ان سے شدّت و سختی کا سلوک بھی کیا گیا۔

۲۲۴ یہود کی قومی سیرت کا ایک اور داغدار پہلو نمایاں کیا جا رہا ہے۔ یعنی وُہ مال و دولت جمع کرنے میں اتنے حریص تھے کہ وُہ رشوت لے کر اللہ تعالیٰ کے صریح اور واضح احکام میں ردّ و بدل کر دیتے اور تورات کی آیات میں کھُلم کھُلا تحریف کر دیتے۔ اُن کا مرض اَب لاعلاج ہو چکا تھا۔ کیونکہ اس سے باز آنے کی ایک ہی صُورت ہو سکتی تھی کہ ان کے دل میں عذابِ الٰہی کا خوف پیدا ہو اور اپنے ہولناک انجام سے ڈر کر وُہ توبہ کریں۔ لیکن وہاں تو اس کی اب کوئی گنجائش نہ رہی تھی کیونکہ انھوں نے اپنے آپ کو ایک شدید مغالطہ میں مُبتلا کر رکھا تھا۔ وُہ کہتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور پیارے ہیں ہمیں دوزخ کی آگ نہیں جلا سکتی۔ نیز ہم تورات کے عالم ہیں۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں ایسی خصوصی رعائتیں ہیں جن کی وجہ سے اس قسم کی بے راہ روی ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ ہماری بخشش کا ہم سے پختہ وعدہ کر دیا گیا ہے۔ جب کسی قوم کے ذمہ دار اور تعلیم یافتہ طبقہ کی اخلاقی پستی اور دُنیا پرستی کا یہ حال ہو تو عوام کا کیا حال ہو گا۔ اُمتِ محمدیہ کے مشائخ و علماء کو اپنی اولاد کی تعلیم اور دینی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ مبادا ان کی اولاد بھی ان بیماریوں میں مبتلا ہو جائے جن میں بنی اسرائیل کے علماء کی اولاد گرفتار ہو گئی تھی۔

يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ

آجائے ان کے پاس اور مال اس جیسا تو لے لیں اسے بھی کیا نہیں لیا گیا تھا ۲۲۵ ان سے پختہ وعدہ

الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَ

کتاب میں کہ نہ منسوب کریں اللہ کی طرف کوئی بات سوائے حق کے اور پڑھ لیا انھوں نے جو کتاب میں تھا اور

الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ

دار آخرت بہتر ہے ان کے لیے جو متقی ہیں تو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے اور جنھوں نے

يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے کتاب کو اور قائم کیا نماز کو بے شک ہم ضائع نہیں کریں گے اجر

۲۲۵ قرآن حکیم نے نہایت واضح الفاظ میں ان کا یہ مغالطہ دُور کر دیا کہ وُہ یہ کہنے کی کیسے جرأت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے تو اس بارے میں سخت ترین وعدہ لیا گیا تھا کہ وُہ ایسی کوئی بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کریں گے جو اس نے نہ فرمائی ہو۔ اتنے پختہ وعدہ کے بعد انھیں کب حق پہنچتا ہے کہ وُہ اس خود فریبی کا شکار رہیں۔ یہ دُنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کا فناپذیر سازوسامان کیا وقعت رکھتا ہے کہ انسان اس پر جنت کی ابدی زندگی اور اس کے آرام و راحت کو قربان کر دے۔

لفظی تحقیق:۔ (۱) خَلَفٌ اگر لام متحرک ہو تو اس کا معنی نیک اولاد ہے اور اگر خَلْفٌ لام ساکن ہو تو اس کا معنی بُری اولاد ہے۔ خَلْفٌ فی الذم بالاسکان وخَلَفٌ بالفتح فی المدح (قرطبی) (۲) عرض لغت میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جو جلدی فناپذیر ہو جائے۔ اسی وجہ سے دُنیاوی مال ومتاع کو بھی عرض کہتے ہیں کیونکہ اس کو بھی بقا نہیں العرض مالایکون له ثبات ومنه قیل الدنیا عرض حاضر یعنی مالاثبات لها (۳) هذا الادنی یہ جہان جو قریب ہے ای هذا العالم الادنی (مظہری)

یہ آیت جہاں یہود کے اس طریق کار اور اخلاقی پستی کی مذمت کر رہی ہے وہاں مسلمان مشائخ اور علماء کے لیے بھی اس میں درس عبرت ہے۔ وُہ چیز جو علماء و مشائخ بنی اسرائیل کے لیے شرمناک تھی کیا وُہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین اور کامل ترین بندے اور سید الانبیاء والمرسلین کی اُمت جسے خیر الامم کے لقب سے نوازا گیا ہے کے علماء و مشائخ کے لیے قابل برداشت ہو سکتی ہے۔ اگر آخری نبی کی آخری شریعت اور آخری کتاب کے امین اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کریں گے اور شریعت کے احکام بھی دولت کمانے کا ذریعہ بن کر رہ جائیں گے تو پھر اس چشمہ صافی سے دُنیا کے پیاسے کیونکر سیراب ہو سکیں گے۔

الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا

اصلاح کرنے والوں کا ۲۲۶ اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ ۲۲۷ ان کے اوپر اس طرح گویا وُہ سائبان ہے اور خیال کرنے لگے

اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

کہ وُہ ضرور گر پڑے گا ان پر (ہم نے کہا) پکڑ لو جو ہم نے دیا ہے تمھیں (پوری) قوت سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

پرہیزگار بن جاؤ اور (اے محبوب) یاد کرو جب نکالا آپ کے رب نے ۲۲۸ بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو

۲۲۶ اگر کوئی شخص احکامِ الٰہی پر کاربند ہے تو اس کے آباؤ اجداد کے اعمالِ بد کی وجہ سے اس کے اعمال رد نہیں کر دیئے جائیں گے بلکہ اس کو ان کا اجرِ جزیل عطا فرمایا جائے گا۔

۲۲۷ لسان العرب میں ہے النتق: الزعزعة والهزّ والجذب والنفض: یعنی نتق کا معنی جھٹکا دینا، زور سے ہلانا، کھینچنا اور جھاڑنا ہے۔ جب پہاڑ میں زلزلہ آتا ہے تو اسی قسم کی کیفیت رُونما ہوتی ہے۔ اور جو لوگ پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہوتے ہیں۔ انھیں یُوں معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ ان پر ابھی گرا چاہتا ہے۔ اسی قسم کی صُورتِ حال سے بنی اسرائیل کو دوچار کر دیا گیا۔ تورات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ کتاب خروج باب ۱۹ کی آیات ۱۶ تا ۱۹ ملاحظہ ہوں:۔

جب تیسرا دن آیا تو صبح ہوتے ہی بادل گرجنے اور بجلی چمکنے لگی اور پہاڑ پر کالی گھٹا چھا گئی اور قرنا کی آواز بہت بلند ہوئی اور سب لوگ ڈیروں میں کانپ گئے۔ اور موسیٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملائے اور وُہ پہاڑ سے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہِ سینا اوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اُترا اور دھواں تنور کے دھوئیں کی طرح اُوپر کو اُٹھ رہا تھا اور وُہ پہاڑ زور سے ہل رہا تھا۔

اس کے علاوہ نتق کا معنی اقتلع بھی ہے۔ یعنی کسی چیز کو جڑ سے اکھیڑ لینا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ذرا بعید نہیں کہ وُہ اس پہاڑ کو اکھیڑ کر ان کے سروں پر آویزاں کر دے۔ تالمود میں جو روایت ہے وُہ اسی معنی کی تصدیق کرتی ہے۔

۲۲۸ علامہ قرطبی نے اس آیت کو قرآن کی مشکل آیات سے شمار کیا ہے۔ اس لیے اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے ذرا تفصیل کی ضرورت ہے۔ معتزلہ کی رائے یہ ہے کہ جس سوال و جواب کا یہاں ذکر ہے وُہ خارج میں وقوع پذیر نہیں ہوا کہ کہیں آدم کی ساری اولاد کو جمع کر کے ان سے یہ سوال پوچھا گیا ہو اور اُنھوں نے بیک زبان بلیٰ کہہ کر جواب دیا ہو بلکہ یہ کلام بطور تمثیل کر کیا گیا ہے۔ اور توحیدِ باری کی آیاتِ بیّنات جو بڑی دریادلی سے انسان کے ظاہر و باطن میں بکھیر دی گئی ہیں۔ وُہ بزبانِ حال اس کی توحید کا اعتراف کرتے ہوئے بلیٰ بلیٰ کے نعرے لگا رہی ہے۔ علامہ بیضاوی کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے چنانچہ اس

وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ

اور گواہ بنا دیا خود اُن کو اُن کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا ہے شک تو ہی ہمارا رب ہے

اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝۱۷۲

ہم نے گواہی دی (یہ اس لیے ہوا) کہ کہیں تم یہ نہ کہو روزِ حشر کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے ۲۲۹

آیت کے ضمن میں وُہ لکھتے ہیں ای نصب لھم دلائل ربوبیته ورکب فی عقولھم مایدعوھم الی الاقرار بھا حتی صاروا بمنزلة من قیل لھم الست بربکم قالوا بلیٰ فنزل تمکینھم من العلم بھا وتمکنھم منه منزلة الاشھاد والاعتراف علی طریق التمثیل یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی روشن دلیلیں ان کے لیے قائم کر دی ہیں۔ اور ان کو اتنی سمجھ مرحمت فرما دی ہے کہ وُہ ان دلائل کے پیشِ نظر اس کی الوہیت کا اعتراف کریں۔ گویا اُن سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اور وُہ اعتراف کر رہے ہیں۔ یہ کلام بطور تمثیل ہے لیکن سلف صالحین کا مسلک یہ ہے کہ اس آیت کی صحیح تفسیر وُہ ہے جو احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی پشت پر اپنا دستِ قدرت پھیرا جس کی وجہ سے آپ کی ہونے والی ساری اولاد ظاہر ہو گئی۔ اور ان سے یہ سوال کیا گیا اور انھوں نے بلیٰ سے اس کا جواب دیا۔ اس حدیث سے اور اس کے علاوہ متعدد احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سوال وجواب حقیقت میں ہوا تھا۔ یہ محض تمثیل ہی نہیں جیسے معتزلہ کا خیال ہے۔ ان احادیثِ صحیحہ کی موجودگی میں ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس بات کو تسلیم کرنے میں تامل کریں جو قادرِ مطلق اپنی قدرتِ کاملہ سے قیامت کے دن سب اولادِ آدم کو میدانِ حشر میں جمع فرما سکتا ہے۔ اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وُہ پشتِ آدمؑ سے ان کی ساری اولاد نکال کر اپنی بارگاہ میں پیش کر دے۔ علامہ قطب الدین شیرازیؒ نے ان مختلف آراء میں بڑی عمدہ تطبیق کی ہے جس کو فضلاءِ اُمت نے بہت پسند کیا ہے۔ وُہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے دو میثاق لیے ہیں ایک حالی اور دُوسرا مقالی۔ حالی میثاق تو یہ ہے کہ اس کی فطرت میں عقیدۂ توحید کی طرف جو میلان رکھ دیا اور اس کے باطن میں دلائل کے جو چراغ روشن کر دیے ہیں وُہ اپنی زبانِ حال سے بلیٰ کہہ رہے ہیں۔ اور دُوسرا میثاق وُہ تھا جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے جو روزِ میثاق کو لیا گیا تھا۔ (روح المعانی)

۲۲۹ یہاں یہ شبہ دل میں کھٹکنے لگتا ہے کہ وُہ عہد جس کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے اور جس کی خلاف ورزی کو جُرم قرار دیا جا رہا ہے وُہ آج کسے یاد ہے؟ کیا ایسی چیز جو بالکل فراموش ہو چکی ہو وُہ بھی حجت قرار دی جا سکتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس میثاق کی یاد اگرچہ ذہن اور شعور سے محو ہو چکی ہے لیکن تحت الشعور میں اب بھی موجود ہے اور انسانی فطرت میں اس کی ایسی تخم ریزی کر دی گئی ہے کہ جب بھی اسے صحیح رہنمائی، صحیح تربیت اور مناسب ماحول نصیب ہوتا ہے تو فوراً یہ بیج اُگتا ہے اور چشم زدن میں

أَوْ تَقُولُوٓا۟ إِنَّمَآ أَشْرَكَ ءَابَآؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۢ

یا یہ نہ کہو کہ شرک تو صرف ہمارے باپ دادا نے کیا تھا (ہم سے) پہلے اور ہم تو تھے ان کی اولاد

بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ ٱلْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ

ان کے بعد تو کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے اس شرک کی وجہ سے جو کیا تھا باطل پرستوں نے۔ اور اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے

ٱلْءَايَٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٧٤﴾ وَٱتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ٱلَّذِىٓ ءَاتَيْنَٰهُ

ہیں نشانیاں تاکہ وہ (ان میں غور کریں) اور کفر سے باز آجائیں ۲۳۰ اور پڑھ کر سنائیے انھیں حال اس کا جسے ۲۳۱ دیا ہم نے (علم)

توحید کا شجرِ طیب اپنی آفاقی وسعتوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوجاتا ہے۔ اگر توحید کو قبول کرنے کی صلاحیت انسان کی فطرت میں ودیعت نہ کی گئی ہوتی تو کوئی تعلیم، کوئی رہنمائی، کوئی ماحول اس کو توحید کا سبق نہ ازبر کرا سکتا۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں فقط انھیں صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکتی ہیں جو پہلے سے انسانی تحت الشعور میں موجود ہوتی ہیں۔ ایک آدمی تیر بھی نہیں سکتا اور ہوا میں اُڑ بھی نہیں سکتا۔ لیکن آپ اس کی مناسب تربیت کرکے اُسے ایک بہترین تیراک تو بنا سکتے ہیں لیکن آپ ہزار جتن کریں اُس کو ہوا میں اُڑنا نہیں سکھا سکتے۔ اس کی وجہ یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں تیرنے کی استعداد رکھی ہے لیکن اُڑنے کی صلاحیت نہیں رکھی۔ تو معلوم ہوا کہ یوم میثاق کو جو بلیٰ ہم نے کہی تھی وُہ ہمیں بھول جائے تو بھول جائے لیکن وُہ ہمارے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے فقط کسی ماہر کے چھیڑنے کی منتظر ہے۔ ع تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز۔ وُہ لوگ جو اس اُبھرتی ہوئی فطری آواز کو دباتے رہتے ہیں۔ جو رُوح کی اس تشنگی کو سیراب کرنے سے دانستہ غفلت برتتے ہیں۔ قیامت کے دن اُن کا کوئی عُذر قابل قبول نہ ہوگا۔

۲۳۰ یہ جملہ معطوف ہے اور اس کا معطوف علیہ مقدر ہے۔ تقدیر عبارت یُوں ہے۔ لعلھم یتدبرون ویتدکرون فیؤمنوا ولعلھم یرجعون من الکفر (مظہری)، ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۲۳۱ وُہ کون تھا جس کا قصہ ان آیات میں بیان کیا جارہا ہے؟ بعض علماء کی رائے ہے کہ وُہ بنی اسرائیل کا ایک زاہد اور عالم تھا۔ جس کا نام بلعام بن باعوراء تھا۔ اپنے زمانہ میں علم و فضل میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں طلبہ اس کی علمی مجلسوں میں حاضر ہوتے اور اس کے خطبات کو قلمبند کرتے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حسد کرنے کے باعث اپنے علم و فضل کے باوجود راہِ حق سے منحرف ہوگیا۔ بعض کا خیال ہے یہ شخص امیہ ابن ابی الصلت الثقفی تھا جس نے قدیم آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ اور اسے معلوم تھا کہ اس زمانہ میں ایک رسول مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ یہ عہدہ اسے دیا جائے۔ لیکن جب تاجِ نبوت رحمتِ عالمیان کے سرِ مبارک پر رکھا گیا۔ تو حسد کے مارے جل بھن گیا اور کفر اختیار کیا۔ سعید بن مسیبؓ نے ابوعامر بن صیفی کا

اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

اپنی آیتوں کا تو وہ کترا کر نکل گیا ان سے ۲۳۲ تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان ۲۳۳ تو ہو گیا وہ گمراہوں میں

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ

اور اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث ۲۳۴ لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا

نام لیا ہے زمانہ جاہلیت میں وہ زہد و ریاضت کی زندگی بسر کرتا تھا اور اون کے بنے ہوئے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ وہ بھی نبوت کا امیدوار تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو اس نے بھی کفر اختیار کیا۔ لیکن ملحوظ رکھنے کی بات یہ ہے کہ جب قرآن حکیم نے اس کا نام نہیں لیا تو ہم بھی اس کی تعیین کے درپے نہ ہوں اور جو وقت اور کوشش اس کی شخصیت کا سراغ لگانے میں صرف کرنا ہے۔ وہ اس قصہ کو سمجھنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے میں صرف کریں۔

۲۳۲ سانپ کے اپنی پرانی کینچلی کو اتار دینے کو عربی میں انسلخت الحیة من جلدھا کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ جس طرح سانپ اپنی پہلی کینچلی کو اتار پھینکتا ہے اسی طرح اس شخص نے بھی ان آیات و ہدایات کو اتار کر پھینک دیا اور اس کی جگہ گمراہی اور ضلالت کا لباس اوڑھ لیا۔

۲۳۳ اتبع کا معنی ہے کسی کے پیچھے لگنا۔ ای لحق به یقال اتبعت القوم ای لحقتھم (قرطبی) جب انسان دانستہ آیات ربانی کا انکار کرتا ہے اور انھیں پس پشت ڈال دیتا ہے تو شیطان اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور ہر لمحہ اس کے دل میں وسوسہ اندازی کرنے لگتا ہے۔

۲۳۴ حقائق کا جو علم اسے عطا کیا گیا تھا اگر وہ اس پر عمل پیرا ہوتا تو مقربین بارگاہ الٰہی میں شمار ہوتا۔ اور مناصب رفیعہ اور مراتب عالیہ پر فائز ہوتا۔ لیکن اس بدنصیب نے تو اس سے ایسی آنکھیں بند کر لیں۔ اور نفسانی خواہشات کا ایسا پرستار بن گیا۔ اور حرص و لالچ کا اس پر ایسا غلبہ ہو گیا کہ یوں دکھائی دینے لگا کہ اس نے ذلت کی پستیوں سے چمٹے رہنے کا عزم مصمم کر لیا ہے اور وہ کسی طرح بھی انھیں چھوڑ کر ہدایت کی بلندی کی طرف ایک قدم بھی اٹھانے کے لیے آمادہ نہیں۔ و لوشئنا یعنی اگر ہم چاہتے تو اسے اپنی من مانی نہ کرنے دیتے اور اسے مجبور کرتے کہ وہ ان دلائل کی روشنی میں راہ حق پر طوعاً او کرہاً قدم بڑھاتا چلا جائے۔ لیکن ایسی جبری مداخلت ہماری حکمت کے منافی ہے۔ جو شخص جان بوجھ کر ہلاکت کے گڑھے میں چھلانگ لگانے پر بضد ہوتا ہے اسے اس کا شوق پورا کرنے دیا جاتا ہے۔ اخلد کا صلہ جب الی ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے اس چیز کی طرف مائل ہونا اخلد الیه مال و رکن (منجد)

هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ

اپنی خواہش کی تو اس کی مثال کتے جیسی ہے ۲۳۵ے اگر تو حملہ کرے اس پر تب بھی ہانپے اور اگر تو اسے

تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

چھوڑ دے تب بھی ہانپے یہ حال ہے اُن لوگوں کا جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ۲۳۶ے

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَاۗءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ

آپ سنائیں (انھیں) یہ قصّے شاید وُہ غور و فکر کرنے لگیں۔ بہت بُری کہاوت ہے اس قوم کی

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ

جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (وہ) اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے جسے ہدایت بخشے

اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

اللہ تعالیٰ سو وُہی ہدایت یافتہ ہے اور جنھیں گمراہ کر دے تو وُہی نقصان اُٹھانے والے ہیں

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ڮ لَهُمْ قُلُوْبٌ

اور بے شک ہم نے پیدا کیے ۲۳۷ے جہنم کے لیے بہت سے جن اور انسان ان کے دل (تو) ہیں

۲۳۵ے کتے کی فطرت میں حرص و طمع کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ جب دیکھو گلی سڑی چیزوں اور غلیظ ہڈیوں کی تلاش میں منہ لٹکائے کوچہ بکوچہ پھر رہا ہے۔ اس شخص کی مثال بھی ایسی ہے۔ حصولِ دولت کے لیے کتے کی طرح ہر حال میں ہانپتا پھرتا ہے۔

۲۳۶ے یعنی یہ خستہ حالی، پریشانی اور ہر وقت کا اضطراب کسی ایک منکرِ حق کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ جو بھی حق کو حق پہچانتے ہُوئے اس سے رُوگردانی کرتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ اس چیز کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ غفلت کے مارے ہوش میں آئیں اور عبرت حاصل کریں۔

۲۳۷ے بظاہر اس آیت میں اور وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جنوں اور انسانوں کی اکثریت کی تخلیق اس لیے کی گئی ہے کہ وُہ جہنم کا ایندھن بنیں۔ اور دُوسری آیت میں

لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ

لیکن وُہ سمجھتے نہیں ان سے ۲۳۸ اور اُن کی آنکھیں تو ہیں لیکن وُہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان تو ہیں

لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

لیکن وُہ سُنتے نہیں ان سے وُہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو

جن وانس کی تخلیق کی غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ وُہ عبادت کریں۔ امام رازیؒ کا پسندیدہ جواب یہ ہے کہ اس آیت میں لجھنم پر جو لام ہے وُہ لام عاقبت ہے یعنی ان کی تخلیق کا انجام یہ ہُوا کہ انھوں نے کفر و نافرمانی سے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنا دیا اور ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون میں لام غایت کا ہے۔ یعنی ان کی پیدائش کی حقیقی غرض و غایت یہ تھی کہ یہ عبادت کریں اور رضاء خداوندی حاصل کریں اور نعیم ابدی سے متمتع ہوں۔ اس لیے آیات میں تعارض نہ رہا۔ اور لام کا استعمال عاقبت کے لیے قرآن حکیم اور فصحاء عرب میں کثیر ہے۔ ارشاد باری ہے فالتقطه آل فرعون لیکون لهم عدوا۔ یعنی موسیٰؑ کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھا لیا تاکہ وُہ بڑا ہو کر ان کا دُشمن بنے۔ یہاں بھی لام عاقبت کے لیے ہے غایت کے لیے نہیں۔ کیونکہ اُٹھانے والوں کا مقصد یہ نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو کر ان کی ہلاکت و بربادی کا باعث بنیں۔ بلکہ اُن کا مقصد تو یہ تھا کہ جب یہ بڑا ہو جائے گا تو ہمارے کام آئے گا۔ لیکن اُن کے اُٹھانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بڑے ہو کر فرعون کو تباہ و برباد کر دیا۔ اسی طرح عربی کا ایک شعر ہے ؎

ولِلموت تغذو الوالدات سخالها ۔۔۔ کما لخراب الدهر تبنی المساکن

یہاں بھی لام غایت کا نہیں بلکہ عاقبت کا ہے۔ کیونکہ مائیں بچے اس لیے تو نہیں جنتیں کہ وُہ لقمۂ اجل بنیں۔ اور محلات اور حویلیاں اس لیے تو تعمیر نہیں کی جاتیں کہ وُہ ویران ہو جائیں۔ لیکن ہوتا ایسا ہی ہے۔ جو پیدا ہوتا ہے اُسے موت کا پیالہ پینا ہی پڑتا ہے اور جو عمارت کھڑی کی جاتی ہے وُہ ایک نہ ایک دن پیوندِ خاک ہو کر رہتی ہے۔

۲۳۸ یہاں ان کے ہولناک انجام کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ وُہ جہنم کا ایندھن اس لیے بنائے گئے کہ دعوتِ حق کو سمجھنے پیغامِ ہدایت کو سُننے اور اس کے روشن شواہد کو دیکھنے کی جو صلاحیتیں اُنھیں عطا فرمائی گئی تھیں اُنھوں نے اُنھیں بیکار بنا کر چھوڑ دیا۔ اور بے عقل چارپایوں کی طرح ہو کر رہ گئے جس طرح ان ڈنگروں کی ساری قوتیں اور اعضاء کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کے لیے وقف ہیں اسی طرح ان انسان نما حیوانوں کا مقصدِ وحید یہی ہے کہ اچھا کھائیں۔ اور دُوسری لذتوں سے لطف اندوز ہوں۔ زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد پیشِ نظر نہیں بلکہ بعض حالات میں تو یہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ وُہ بے عقل و بے سمجھ ہونے کے باوجود اپنے مالک کی خدمت گزاری سے مُنہ نہیں موڑتے اور اس کے بُلانے پر بھاگے چلے آتے ہیں۔ مگر انھیں تو یاد تک نہیں کہ ہمارا بھی کوئی خالق و مالک ہے اس لحاظ سے تو یہ حیوانوں سے بھی بدرجہا بدتر ہیں۔

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا

غافل (و بے خبر) ہیں اور اللہ ہی کے لیے ہیں نام اچھے اچھے ۲۳۹؎ سو پکارو اسے انھیں ناموں سے اور چھوڑ دو

الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

انھیں جو کجروی کرتے ہیں اس کے ناموں میں ۲۴۰؎ انھیں سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ

اور ان میں سے جنھیں ہم نے پیدا فرمایا ۲۴۱؎ ایک امت ہے جو راہ دکھاتی ہے حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ ہی عدل و انصاف کرتی ہے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ

اور جنھوں نے تکذیب کی ہماری آیتوں کی تو ہم آہستہ آہستہ پستی میں گرا دیں گے انھیں ۲۴۲؎ اس طرح کہ انھیں علم تک نہ ہو گا اور میں مہلت دیتا ہوں

۲۳۹؎ اب ذکر الٰہی کی ترغیب اور اس کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ قدوسیت اور سبوحیت پر دلالت کرنے والے بڑے پیارے پیارے اور معنی خیز نام ہیں۔ جب تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو تو ان پیارے پیارے ناموں سے یاد کرو۔ اپنی طرف سے اس کے لیے نئے نئے نام نہ گھڑو۔ کیونکہ تم اس کی رفعتِ شان کو نہیں پہچان سکتے۔ مبادا تمھاری زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل جائے جو اس کی شانِ خداوندی کے شایان نہ ہو۔ اور پھر تمھیں اُلٹا لینے کے دینے پڑ جائیں۔

۲۴۰؎ لغت میں الحاد کا معنی ہے سیدھی راہ سے منہ موڑنا معنی الالحاد فی اللغة المیل عن القصد قال ابن السکیت الملحد: العادل عن الحق المدخل فیه ما لیس منه (کبیر) اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کجروی اختیار کرنے کا مطلب ہے کہ ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر پر کیا جائے جیسے مسیلمہ کذاب کے پیروکار اس کو رحمن یمامة کہا کرتے تھے۔ یا بت پرستوں نے اپنے بتوں کے نام اللہ تعالیٰ کے اسماء سے مشتق کر کے رکھے ہوئے تھے۔ جیسے الٰہ سے لات، عزیز سے عزیٰ اور منان سے منات وغیرہا یا اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے اسماء تجویز کرنا جو اس کی شانِ عالی کے لائق نہیں یا اسماء الٰہیہ کو سحر وغیرہ کے لیے استعمال کرنا۔ یہ سب طریقے الحاد کے ہیں۔

۲۴۱؎ اس سے مراد نبی کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت ہے۔

۲۴۲؎ بسا اوقات انسان گمراہی اختیار کرتا ہے۔ اور اپنے مالکِ حقیقی کی نافرمانی میں رات دن سرگرم رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے مال و دولت میں دن بدن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کی قوت، اقتدار اور اختیار کی سرحدیں پھیلتی ہی چلی جاتی ہیں۔ اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہی صحیح طریق کار ہے جو اس نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ وہ گمراہی کے

لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا ٜ مَا بِصَاحِبِهِمْ

انھیں۔ بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پختہ ہے کیا اب تک نہیں غور وفکر کیا انھوں نے ۲۴۳؎ ان کے صاحب پر

مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ

تو جنون کا ذرا اثر نہیں ۲۴۴؎ نہیں ہے وُہ مگر کھلا ڈرانے والا کیا انھوں نے غور سے نہیں دیکھا آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّ اَنْ عَسٰۤی

زمین کی وسیع مملکت میں اور (اس میں) جو چیز پیدا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس میں کہ شاید

اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

نزدیک آگئی ہو ان کی مقررہ میعاد تو کس بات پر وُہ اس (قرآن) کے بعد ایمان لے آئیں گے۔

آخری کناروں تک جا پہنچتا ہے۔ یا بعض گمراہ مرتاضوں سے ایسے ایسے خرقِ عادت اُمور ظاہر ہوتے ہیں جو عام طور پر خاصانِ بارگاہِ خداوندی سے مخصوص ہیں جن پر وُہ پھسلتا ہی چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وُہ ہلاکت وبربادی کی اتھاہ گہرائیوں میں جاگرتا ہے۔ اسی چیز کو استدراج کہتے ہیں۔ اس کا معنی ہے آہستہ آہستہ کسی کو ہلاکت کے قریب کر دینا۔ یعنی سنقربھم الی الھلاك قلیلا قلیلا (مظہری) الاستدراج ھو الاخذ بالتدریج منزلة بعد منزلة۔ (قرطبی)

۲۴۳؎ کفار کیوں اسلام قبول نہیں کرتے؟ ان کی طرف جو نبی مکرم مبعوث فرمایا گیا ہے اس کے فضل وکمال، صدق مقال کا انھیں اعتراف ہے۔ اس کی قبل از نبوت چالیس سالہ زندگی کے سارے روز وشب ان کے سامنے ہیں۔ اور یہ کائنات کی کتاب جو کھول کر ان کے سامنے رکھ دی گئی ہے۔ اور جس کے ہر صفحہ پر اللہ تعالیٰ کی توحید کے روشن دلائل ثبت ہیں ان میں کیوں تامل نہیں کرتے؟ کیا وُہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان لانے کی ابھی آتنی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو بڑا وقت پڑا ہے۔ ایمان لانا اگر ضروری بھی ہوا تو بڑھاپے میں لے آئیں گے۔ لیکن وُہ کتنے نادان ہیں۔ انھیں کیا پتہ کہ موت کا پیغام ابھی آجائے اور انھیں یہاں سے عین عنفوانِ شباب میں کُوچ کرنا پڑے۔ پھر وُہ کیا کریں گے؟ اگر قرآن جیسی پاکیزہ اور مؤثر کتاب پر وُہ ایمان نہیں لاتے تو پھر اور کونسی ایسی کتاب آئے گی جس کو پڑھ کر وُہ ایمان لے آئیں گے؟ انھیں بار بار جھنجھوڑا جا رہا ہے۔ ان کے سارے شبہات کو دُور کیا جا رہا ہے۔ ان کے سارے بہانوں کا جواب دیا جا رہا ہے تاکہ کسی کو مجالِ معذرت نہ رہے۔

۲۴۴؎ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس وارفتگی سے انھیں اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ ان کے انکار کے باوجود جس خلوص سے انھیں گمراہی سے بچانا چاہتے تھے اسے دیکھ کر کفار یہ گمان کرنے لگے۔ کہ ان کا دماغ دُرست نہیں۔ انہیں جنون کا عارضہ

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ

جسے گمراہ کردے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے۔ وہ رہنے دیتا ہے انہیں کہ اپنی گمراہی میں

يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا

بھٹکتے رہیں۔ وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے قیامت کے متعلق کہ کب ہوگا اس کا وقوع آپ کہیے کہ اس کا

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ

علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے نہیں ظاہر کرے گا اسے اپنے وقت پر مگر وہی یہ (حادثہ) بہت گراں ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ

اور زمین میں نہ آئے گی تم پر مگر اچانک۔ وہ پوچھتے ہیں آپ سے گویا آپ خوب تحقیق کرچکے ہیں اس کے

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ

متعلق آپ فرمائیے اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۲۴۴ آپ کہیے

لاحق ہوگیا ہے۔ ورنہ اس سردمہری اور جفاکیشی کے بدلے اس سرگرمی اور خلوص و محبت کا کیا معنی؟ ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جارہا ہے کہ وہ نذیر مبین ہے۔ اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔

۲۴۴؎ روز قیامت پر ایمان اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ قرآن کریم نے انتہائی کوشش کی ہے کہ اپنے ماننے والوں کے دلوں میں یہ یقین راسخ کردے کہ اس زندگی کے بعد انہیں ایک دن بارگاہ رب العزت میں پیش ہونا ہے جب کہ ان کے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ اور ہر ایک سے ان اعمال کے مطابق سلوک کیا جائے گا جو وہ اس دنیوی زندگی میں بجالاتا رہا ہے لیکن جس طرح موت کا وقت لوگوں سے مخفی رکھنے میں حکمتیں ہیں اسی طرح قیامت کے دن کو بھی ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ اس کو انتہائی طور پر پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں یہاں بھی اور اس کے علاوہ متعدد مقامات پر قیامت کے وقوع کے علم کو علم الٰہی کی طرف تفویض کیا گیا ہے۔ اس آیت میں ایک مرتبہ فرمایا انما علمها عند ربی ، اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے اور دوسری مرتبہ فرمایا۔ انما علمها عند اللہ ، اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے انہیں آیات طیبہ کے پیش نظر اکثر مفسرین نے علم وقوع قیامت کے متعلق تصریح فرمائی ہے ان اللہ تعالیٰ قد استأثر بعلمها (کشاف وغیرہ) یعنی قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ مخصوص فرمالیا ہے چنانچہ علامہ بیضاوی نے اسے ان متشابہات سے شمار کیا ہے جن کا علم ذات الٰہی سے مختص ہے وہ سورۂ آل عمران کی آٹھویں آیت

وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم الخ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ اس آیت میں جن علماء نے الا اللہ پر وقف کیا ہے اُنھوں نے متشابہات سے وُہ اشیاء مُراد لی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔ ومن وقف علی الا اللہ فسر المتشابہ بما استاثر اللہ بعلمہ کمدۃ بقاء الدنیا ووقت قیام الساعۃ وخواص الاعداد کعدد الزبانیۃ او بما دل القاطع علی ان ظاہرہ غیر مراد ولعیین علی ما ھو المراد (بیضاوی) ترجمہ: جن علماء نے اس آیت میں الا اللہ پر وقف کیا ہے اُنھوں نے متشابہ کی تفسیر ان اُمور سے کی ہے جن کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ جیسے اس دُنیا کے بقاء کی مدت، قیامت برپا ہونے کا وقت، زبانیہ کی تعداد نیز وُہ آیات جن کا ظاہری معنی دلائل قطعیہ کے باعث مُراد نہیں ہو سکتا۔" لیکن ان عبارات سے یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید ان امور کے متعلق دُوسرے عام لوگوں کی طرح حضورِ نبی کریم بھی محض ناواقف اور بے خبر ہوں۔ اس وہم کا ازالہ حضرت علامہ محمود آلوسیؒ نے فرمادیا۔ اسی سابقہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں۔ ولعل القائل بکون المتشابہ مما استأثر اللہ تعالیٰ بعلمہ لایمنع تعلیمہ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بواسطۃ الوحی مثلا ولا القاءہ فی روع الولی الکامل مفصلا لکن لایصل الی درجۃ الاحاطۃ کعلم اللہ تعالیٰ وان لم یکن مفصلا فلا اقل من ان یکون مجملا ومنع ھذا اوذلک مما لایکاد یقول بہ من یعرف رتبۃ النبیؐ ورتبۃ اولیاء امتہ الکاملین (رُوح المعانی جلد ۳ صفحہ ۸۷)

ترجمہ: یعنی جنھوں نے متشابہ کی یہ تعریف کی ہے کہ وُہ اُمور جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے مختص فرمالیا ہے وُہ بھی اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بذریعہ وحی یہ امور مفصلاً سکھا دیئے ہوں یا ولی کامل کے دل میں القاء فرمادیا ہو۔ لیکن یہ تفصیل بھی اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ یا تفصیلاً نہیں تو اجمالاً۔ جس شخص کو بھی سید المرسلین کی شانِ رفیع کا علم ہے اور حضورِ پُرنور کی اُمت کے اولیاء کاملین کے رُتبہ کو جانتا ہے وُہ یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ ۱۲۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حبیبِ مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان پہچاننے والی چشمِ بینا عطا فرمادے۔ آمین۔

البتہ یہ شُبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ان اُمور کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بھی جانتے ہیں تو پھر ان اُمور کے علم کو ذاتِ خُداوندی سے مخصوص کرنا اور کلماتِ حصر کا ذکر کرنا چہ معنی دارد؟ اس شبہ کا ازالہ بھی فاضل آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا۔ لکھتے ہیں:۔

انما المنع من الاحاطۃ ومن معرفتہ علی سبیل النظر والفکر (رُوح المعانی جلد ۳ صفحہ ۸۷)

یعنی یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اسے کوئی نہیں جانتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا علم محیط نہیں یعنی اس کی تفصیلات اور پیش آنے والے واقعات کا احاطہ کیے ہوئے نہیں اور کوئی نظر و فکر اور سوچ بچار سے نہیں جان سکتا۔ اسی مفسرِ عظیم نے دُوسرے مقام پر تصریح کی ہے ویجوز ان یکون اللہ تعالیٰ قد اطلع حبیبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی وقت قیامہا علی وجہ کامل

لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ

نہیں مالک ہُوں میں اپنے آپ کے لیے نفع کا اور نہ ضرر کا   مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ ۲۴۵؎ اور اگر میں (تعلیم الٰہی کے بغیر)

لکن لاعلی وجه یحاکی علمه تعالی به الا انه سبحانه اوجب علیه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم کتمه لحکمة ویکون ذالك من خواصه علیه الصلوٰة والسلام (روح المعانی جلد ۹ صفحه ۱۳۳)

یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو قیامت کے وقت سے کامل طور پر آگاہ فرما دیا ہو لیکن وُہ کمالِ علم ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط و مکمّل سے مساوی ہو سکتا ہو۔ اور پھر اپنے رسُول کو کسی حکمتِ بالغہ کے پیشِ نظر مخفی رکھنے کا حکم دے دیا ہو۔ ۱۲

بعض علمائے کرام کے کلام میں جب یہ تصریح نظر سے گزرے کہ اس کا علم کسی نبی اور کسی مقرب فرشتہ کو بھی نہیں دیا گیا تو خیال رہے کہ اس سے مراد علمِ محیط و مکمّل ہے جو ذاتِ باری کے شایانِ شان ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق علم بھی نہیں عطا فرمایا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

۲۴۵؎ اس آیت کریمہ میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ذاتِ مقدسہ سے اُلوہیت کی نفی فرما رہے ہیں کہ میں خدا نہیں۔ کیونکہ خدا وُہ ہے جس کی قدرت کامل اور اختیار مستقل ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ نہ کسی کام سے اُسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ اُسے کسی کام پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور مجھ میں یہ اختیارِ کامل اور قدرتِ مستقلہ نہیں پائی جاتی۔ میرے پاس جو کچھ ہے میرے رب کا عطیہ ہے اور میرا سارا اختیار اسی کا عنایت فرمُودہ ہے۔ لا املك کے کلمات سے اپنے اختیارِ کامل کی نفی فرمائی اور الا ماشاء اللّٰه سے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھے کہ حضور کو نفع و ضرر کا کچھ اختیار ہی نہیں۔ فرمایا مجھے اختیار ہے اور یہ اختیار اُتنا ہی ہے جتنا میرے رب کریم نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کتنا عطا فرمایا ہے تو انسانی عقل کا کوئی پیمانہ اور کوئی اندازہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ کوئی بناوٹی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ اس ایک آیت کریمہ میں ہی غور فرمایئے ولسوف یعطیك ربك فترضٰی (اے حبیب!) تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تُو راضی ہو جائے گا۔ کیا لطف ہے حضور نے اپنی ساری توانائیوں اور قوتوں سے برات کرتے ہُوئے ہر بات اپنے خالق و مالک کی مرضی اور مشیت کے سپرد کر دی اور اس بندہ نواز نے اپنی مشیت کو اپنے محبوب بندے کی رضا و خوشنودی پر منحصر کر دیا۔ بتا دیا۔ تجھے دینے والا میں ہُوں۔ خود تمہیں دُوں گا اور اتنا دُوں گا جتنا تو چاہے گا۔ اب اُس عالی ظرف آقا کی وسعتِ ظرف کو ملاحظہ فرمایئے جب ولسوف یعطیك ربك فترضٰی کا مژدہ پہنچا تو عرض کی اے کریم! میں تو اس وقت تک راضی نہیں ہُوں گا جب تک میری اُمت کا آخری فرد بھی جنت میں نہ پہنچ جائے۔ انصاف کرو کیا آتشِ جہنم سے بچا لینا دفعِ ضرر باذن اللہ نہیں۔ کیا جنت میں پہنچا دینا نفع رسانی باذن اللہ نہیں؟ ہے اور یقیناً ہے۔

اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ لَاسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَيۡرِ ۚۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوۡٓءُ ۚۛ

جان لیتا غیب کو تو خود ہی بہت جمع کر لیتا خیر سے اور نہ پہنچتی مجھے کوئی تکلیف ۲۴۶

۲۴۶ آیت کے پہلے حصّہ کی طرح یہاں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ذاتِ مقدسہ سے اُلوہیت کی نفی فرما رہے ہیں۔ کیونکہ خدا وہ ہے جس کا علم ذاتی اور محیط ہو۔ اور میرا علم ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اس مقام کی توضیح کرتے ہُوئے علامہ خازن لکھتے ہیں کہ "اُمورِ غیبیہ کی خبر دینا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعظم معجزات سے ہے تو یہاں اس کی نفی کیوں کی جا رہی ہے۔ خود ہی جواب دیتے ہیں کہ حضور کا فرمانا بر سبیل تواضع اور انکسار اور ادب تھا۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے مطلع نہ کرے میں غیب نہیں جان سکتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور کا ارشاد اس وقت ہو جب غیب پر آگاہی نہیں بخشی گئی تھی اور جب آگاہ فرما دیا تو ارشاد فرمایا فلا یظهر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول الخ

اگر آیت کے الفاظ میں غور کیا جائے تو علامہ خازن کی یہ تحقیق بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں حروفِ شرط میں سے لَو مستعمل ہوا ہے اور علامہ جمال الدین ابن ہشام نے اپنی گراں قدر تالیف المغنی میں لو پر طویل بحث کرنے کے بعد لکھا ہے۔ یتلخص علی هذا ان یقال ان تدل لو علی ثلاثة امور عقد السببیة والمسببیة وکونهما فی الماضی وامتناع السبب (المغنی جلد اوّل صفحہ ۲۰۶) یعنی اس طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ لو تین امور پر دلالت کرتا ہے۔

(۱) شرط کو سبب اور جزا کو مسبب بناتا ہے۔ (۲) دونوں کا تحقق زمانۂ ماضی میں ہوتا ہے (۳) سبب ممتنع ہوتا ہے۔

اس تحقیق کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آیت میں غور کیجئے۔ کہ اگر یہاں علم غیب سے مراد علم ذاتی جو قدرتِ ذاتی کو مستلزم ہے نہ لیا جائے تو یہ سبب نہیں بن سکتا۔ کیونکہ صرف علم، خیر کثیر جمع کر لینے اور دفع ضرر کو دُور کرنے کا سبب نہیں ہوا کرتا۔ کیونکہ کسی تکلیف کے وقوع کا علم قبل از وقت ہو جاتا ہے۔ لیکن انسان اس سے بچ نہیں سکتا۔ موٹی سی بات ہے۔ کسی شخص کو عدالتِ عالیہ سے اگر پھانسی کا حکم ہو جائے تو وہ یہ جانتے ہُوئے کہ مجھے پھانسی دے دی جائے گی اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ اس لیے حصولِ خیر اور دفع ضرر کا سبب علمِ ذاتی ہی ہو سکتا ہے جو قدرتِ ذاتی کو مستلزم ہے۔ تب ہی لو شرط اور جزا میں سببیت کا علاقہ پیدا کر سکتا ہے جو اس کا پہلا خاصہ ہے۔ اس کا دُوسرا خاصہ کلام کو زمانۂ ماضی کے ساتھ مخصوص کرنا ہے اور زمانۂ ماضی میں کسی چیز کی نفی اس امر کو مستلزم نہیں کہ آئندہ بھی یہ نہ پایا جائے۔ لو کا تیسرا خاصہ یہ ہے کہ وہ سبب کے ممتنع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور علم غیب جس کا حصول ممتنع ہے وہ علمِ غیب ذاتی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے کسی غیب کو جان لینا کسی کے نزدیک بھی ممتنع نہیں بلکہ سب اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سکھلا دینے سے علمِ غیب حاصل ہو جاتا ہے۔ اب لو سے جس علمِ غیب کی نفی کی جا رہی ہے وہ وہ ہے جس کا حصول ممتنع ہے وہ علمِ غیب ذاتی ہے۔ اس لیے اس آیتِ کریمہ سے علمِ غیب عطائی کی نفی نہیں ہوتی اور ہم یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو باعلام اللہ تعالیٰ غیب کا علم حاصل تھا۔

إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٨﴾ هُوَ الَّذِي

نہیں ہُوں میں مگر ڈرانے والا (نافرمانوں کو) اور خوشخبری سُنانے والا اس قوم کو جو ایمان لائی ہے ۔ وُہ (خدا ہے) جس نے

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ

پیدا فرمایا ۲۲۷ تمھیں ایک نفس سے اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تاکہ اطمینان حاصل

إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا

کرے اس (جوڑے) سے پھر جب مرد ڈھانپ لیتا ہے عورت کو تو حاملہ ہو جاتی ہے ہلکے سے حمل سے پھر چلتی پھرتی رہتی ہے

أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ

اس کے ساتھ ۔ پھر جب وُہ بوجھل ہو جاتی ہے تو دُعا مانگتے ہیں (میاں بیوی) اللہ سے جو اُن کا رب ہے کہ اگر تو عنایت فرمائے ہمیں تندرست لڑکا تو ہم ضرور ہو جائیں گے

۲۲۷ے توحید کا بیان تب ہی مکمل ہو سکتا ہے جب اس کے ساتھ شرک کا رد بھی کیا جائے ۔ چنانچہ اس آیت میں شرک کی تردید کر کے مسئلہ توحید کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ خدا اور معبود تو وُہ ذات ہے جس نے تمھیں پیدا فرمایا اور تمھاری تسکین قلب اور راحت و آرام کے لیے تمھاری جنس سے صنفِ نازک کی تخلیق فرمائی اور تمھارے درمیان میاں بیوی کا رشتہ اُستوار کر دیا ۔ اب چاہیئے تو یہ تھا کہ تم ہمیشہ اپنے مولائے کریم کے حضور میں سرِ نیاز خم کیے رہتے اور اس کی عبادت اور یاد میں سرشار رہتے ۔ لیکن تمھاری حالت یہ ہے کہ جب تمھیں اُمید لگتی ہے تو تم دونوں میاں بیوی التجائیں کرتے ہو کہ اے ہمارے رب ! اگر تُو نے ہمیں صحیح اور تندرست فرزند عطا کیا تو ہم عمر بھر تیرے شکر گزار رہیں گے لیکن جب وُہ کرم فرماتا ہے اور تمھاری شاخِ آرزو پر اُمید کا پھول کھلتا ہے اور تمھاری گود اس ایک خوبصورت بچے سے آباد ہو جاتی ہے تو تم جھٹ اس دینے والے کو بھول جاتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ تو عمل مباشرت کا طبعی نتیجہ ہے ۔ یا یہ فلاں ستارے کی تاثیر ہے یا یہ ہمیں فلاں بُت نے بخشا ہے ۔ یہ کتنی احسان فراموشی اور حق ناشناسی ہے ۔ محققین علماء کرام کے نزدیک یہ روایت مردُود ہے کہ حضرت آدمؑ و حوّا نے شیطان کے بہکانے سے اپنے ایک بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا تھا (حارث شیطان کا نام تھا جس سے وُہ فرشتوں میں پکارا جاتا تھا) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سخت تردید کی ہے ۔ آیت کا مفہوم مختصراً ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیت کی لفظی تشریحات ملاحظہ فرمائیے ۔ لیسکن میں ھو ضمیر کا مرجع نفس ہے جو مؤنث سماعی ہے ۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ لتسکن ہوتا ۔ لیکن کیونکہ نفس سے مُراد یہاں مرد ہے اس لیے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے صیغہ مذکر (لیسکن) استعمال کیا ۔ اگر یہاں لفظ کی رعایت کی جاتی تو کلام میں غلط ہو جاتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ اس سے مُراد خاوند ہے یا بیوی ۔ کیونکہ یہاں دونوں مذکور

الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ

(تیرے) شکرگزار بندوں سے۔ پس جب اللہ عطا کرتا ہے ٢٤٨ انھیں تندرست لڑکا تو دونوں بناتے ہیں اللہ کے ساتھ شریک اس میں

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٩٠﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ

جو اس نے انھیں دیا تو بلند و برتر ہے اللہ ان سے جنھیں وہ شریک بناتے ہیں۔ کیا وہ ٢٤٩ شریک بناتے ہیں اسے جس نے پیدا نہیں کی

يُخْلَقُوْنَ ﴿١٩١﴾ۖ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ

کوئی چیز اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ اور وہ نہیں طاقت رکھتے ٢٥٠ ان کو مدد پہنچانے کی اور نہ اپنی آپ

ہیں۔ اس لیے معنی اور مفہوم میں التباس کو رفع کرنے کے لیے نفس کے مدلول (خاوند) کو پیش نظر رکھتے ہوئے صیغہ مذکر استعمال کیا (فلما تغشّٰها) کنایہ ہے صحبت سے۔ مرت به ای استمرت به والمراد بقيت به كما كانت قبل حيث قامت وقعدت واخذت وتركت (قرطبی)

٢٤٨ یعنی دونوں میاں بیوی اس لڑکے کو بتوں کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں۔ اور اُن کے نام عبدالعزّٰی، عبداللات رکھنے شروع کر دیتے ہیں۔ شركاء من الاصنام والاوثان ...... فان المشركين ينسبون ذلك الى الهتهم (قرطبی)

٢٤٩ لا یخلق وھم یخلقون میں دونوں ضمیروں کا مرجع ما موصولہ ہے۔ لیکن یخلق میں ھو ضمیر واحد ہے اور یخلقون میں ھم ضمیر جمع۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ علماء فرماتے ہیں کہ ما موصولہ کی دو حیثیتیں ہیں۔ لفظی اعتبار سے وہ واحد ہے اور لا یخلق میں اس کی اسی حیثیت کو معتبر رکھا گیا ہے اور معنوی لحاظ سے جمع ہے اور لا یخلقون میں اسی معنوی حیثیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ دوسری بات جو یہاں غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ شرکاء سے مراد بت ہیں اور وہ بے جان تھے۔ قاعدہ کے مطابق تو ان کے لیے ضمیر مؤنث ہونی چاہیے تھی۔ یہاں جمع مذکر کا صیغہ کیوں استعمال ہوا؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کیونکہ کفار و مشرکین کا عقیدہ ان کے متعلق یہ تھا کہ یہ بت عقل و حیات رکھتے ہیں اس لیے ان کے عقیدہ کے مطابق ان کا ذکر کیا گیا وھو ضمير الاصنام جيئ به على تسميتهم اياها الهة (بیضاوی، مظہری)

٢٥٠ یعنی یہ بے جان اور بے بس بت کب خدا ہو سکتے ہیں جب کہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ نہ کسی کا کچھ سنوار سکتے ہیں اور نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ المقصود من هذه الاٰية اقامة الحجة على ان الاوثان لا تصلح للالوهية (کبیر)

يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ

مدد کر سکتے ہیں اور اگر تو بلائے انھیں ۲۵۱ ہدایت کی طرف تو نہ پیروی کریں تمہاری۔

سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

یکساں ہے تمہارے لیے خواہ تم بلاؤ انھیں یا تم خاموش رہو (اے کفار) بے شک وہ جنھیں

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا

تم پوجتے ہو ۲۵۲ اللہ کے سوا بندے ہیں تمہاری طرح ۲۵۳ تو پکارو انھیں پس چاہیے کہ قبول کریں

۲۵۱ کیونکہ وہ نہ سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔

۲۵۲ قرآن کریم کی وہ آیات جہاں دعا یدعو کے فاعل مشرک ہیں اور مفعول ان کے معبودان باطل ہیں۔ وہاں تمام متقدمین علماء تفسیر نے دعا یدعو کا معنی عبد یعبد (عبادت کرنا) کیا ہے۔ تدعون ای تعبدون وقیل تدعونها الهة (قرطبی)۔ ای تعبدونهم آلهة (بیضاوی، مظہری)۔ ان الذین تدعون ایها المشرکون الهة من دون الله وتعبدونها (ابن جریر)۔ اس سے پہلے بھی جتنی آیات گزری ہیں جن میں یدعون، تدعون وغیرہ الفاظ ہیں وہاں بھی ان کا معنی یعبدون، تعبدون معتبر مفسرین کے حوالے سے نقل ہوتا آیا ہے۔ کیونکہ آج کل یہ چیز عام موضوع سخن بنی ہوئی ہے۔ اور بعض غیر ذمہ دار لوگ ان کلمات کے مفہوم کو صحیح نہ سمجھ سکنے کے باعث جمہور اہل اسلام کی تکفیر اور ان کو مشرک ثابت کرنے میں اپنی زبان وقلم کا سارا زور صرف کر رہے ہیں۔ اس لیے اگر اس کی مزید وضاحت ہو جائے تو بفضلہ تعالیٰ شاید تلخی کم ہو اور اس غیر صحت مند فضا میں کوئی خوش آئند تبدیلی رونما ہو جائے۔ علامہ ابن قیم نے لفظ دعا کی تحقیق کرتے ہوئے خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ الدعاء نوعان دعاء عبادة ودعاء مسألة والعابد داع والسائل داع (جلاء الافہام) یعنی دعا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دعا بمعنی عبادت ہے اور ایک دعا بمعنی سوال ہے۔ عبادت کرنے والے کو بھی داعی کہتے ہیں اور سائل کو بھی داعی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت کرنا شرک ہے لیکن کسی سے مانگنا یا سوال کرنا شرک نہیں۔ جن لوگوں نے قرآن حکیم میں کبھی غور وفکر کیا ہے ان پر مخفی نہیں کہ کفار ومشرکین کا اپنے بتوں کے متعلق کیا عقیدہ تھا؟ وہ ان کو الٰہ مانتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ انهم كانوا اذا قيل لهم لا اله الا الله يستكبرون ويقولون ائنا لتاركوا الهتنا لشاعر مجنون (صافات)۔ جب انھیں کہا جاتا کہ کہو لا اله الا الله تو وہ غرور کرتے ہوئے کہتے ہیں کیا ہم ایک شاعر مجنون کے کہنے پر اپنے آلهة (خداؤں) کو چھوڑ دیں۔ اگر آج بھی کوئی کسی کو الٰہ مانے اور اس کی عبادت کرے خواہ جس کو وہ الٰہ مان رہا ہے اور عبادت کرتا ہے۔ انسان ہو یا غیر انسان، زندہ ہو یا مردہ اس کو پکارنا خواہ دور سے ہو

لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَاۤ اَمْ

تمھاری پکار کو اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں چلتے ہیں وُہ جن کے ساتھ یا کیا

یا نزدیک سے شرک ہے لیکن کسی کو محض ندا کرنا جب کہ منادی کے متعلق ندا کرنے والے کا یہ عقیدہ نہ ہو شرک نہیں۔ اور اس کو بھی شرک قرار دینا بہت بڑی جسارت اور زیادتی ہے حقیقت یہ ہے کہ جو دُعا (پکارنا) شرک ہے وُہ ہر حال میں شرک ہے اور جو شرک نہیں وُہ کسی حال میں بھی شرک نہیں۔ انسان اور غیر انسان، زندہ اور فوت شدہ، نزدیک اور دُور کی قیود سب من گھڑت ہیں۔ آپ غور فرمایئے اگر دُور سے پکارنا ہی شرک ہو تو کیا کسی بُت کے پاس بیٹھ کر اسے پکارنا شرک نہیں ہو گا۔ اگر آپ کہیں کہ کیونکہ یہ بےجان ہیں اس لیے ان کو نزدیک سے پکارنا بھی شرک ہے تو آپ کا ان لوگوں کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو زندہ فرعون کی اس کے سامنے کھڑے ہو کر پرستش اور عبادت کیا کرتے تھے اور اس کے رُوبرُو اس سے فریاد کیا کرتے تھے۔ یقیناً وُہ بھی مُشرک تھے اگرچہ وُہ دُور سے پکار نہیں رہے تھے۔ اگرچہ وُہ بےجان کو پکار نہیں رہے تھے تو جو چیز مابہ الامتیاز ہے وُہ یہ ہے کہ پکارنے والا جس کو پکار رہا ہے اس کے متعلق اس کا عقیدہ کیا ہے۔ اگر وُہ اس کو الٰہ معبود اور خدا یقین کرتا ہے تو یہ شرک ہے۔ خواہ دُور سے ہو یا نزدیک سے۔ وُہ زندہ ہو یا مُردہ۔ قرآن کریم نے بارہا اس کی تصریح کی ہے۔ لا تدعوا مع اللہ الٰھا اٰخر۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خُدا سمجھ کر مت پکارو۔ اس لیے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم میں عرض حال کرنا یا صلوٰۃ و سلام پیش کرنا شرک نہیں۔ جیسے بعض غلو پسند لوگوں کا خیال ہے جنھوں نے مُسلمانوں کو مُشرک بنانا اپنے فنِ خطابت کا کمال سمجھا ہوا ہے۔ کوئی کلمہ گو حضور رحمۃ للعالمین کو الٰہ نہیں سمجھتا اور نہ حضور کی عبادت کرتا ہے۔ بلکہ ہر نماز میں کئی بار وُہ یہ اعلان کرتا ہے کہ اشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ میں گواہی دیتا ہُوں کہ محمد مصطفےٰ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسُول ہیں۔ وُہ آیات جو مُشرکین عرب کے حق میں نازل ہُوئیں اُن کو اہلِ اسلام پر چسپاں کرنا تو خارجیوں کا شیوہ تھا معلوم نہیں اپنے آپ کو اہلِ سُنّت کہلانے والے خوارج کے پیروکار کب سے بن گئے ہیں۔

۲۵۳ فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مُشرکین مکّہ تو بُتوں کے پرستار تھے۔ اور بُت پتھر اور لکڑی کے بےجان مجسمے ہوا کرتے تھے ان کو عباد امثالکم (تمھارے جیسے بندے) کیوں کہا گیا؟ امام نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ (۱) کیونکہ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ زندہ ہیں اور سُنتے سمجھتے ہیں اس لیے ان کے اعتقاد کے مُطابق اُن سے بات کی گئی۔ اور ان ساری آیتوں میں یہی اسلوب اختیار کیا گیا۔ وردت ھذہ الالفاظ علی وفق معتقد انھم ولذٰلک قال فادعوھم فلیستجیبوا لکم ولم یقل فلیستجیبن لکم وقال ان الذین ولم یقل ان التی۔ (۲) یہ الفاظ بطور استہزاء استعمال کیے گئے ہیں۔ یعنی اے عقل کے دُشمنو! اگر تمھاری بات ایک منٹ کے لیے مان بھی لی جائے کہ یہ زندہ ہیں اور سُنتے سمجھتے ہیں تو پھر بھی یہ زیادہ سے زیادہ تمھاری طرح انسان ہی ہوں گے۔ یہ آخر خُدا کیونکر بن گئے۔ اور اپنے جیسے انسان کی بندگی کا پٹہ گلے میں ڈالنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اوردفی معرض الاستھزاء

أَلَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ

ان کے ہاتھ ہیں پکڑتے ہیں وہ جن کے ساتھ یا کیا اُن کی آنکھیں ہیں دیکھتے ہیں جن سے ٢٥٤

أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ

یا کیا ان کے کان ہیں وہ سُنتے ہیں جن کے ساتھ آپ کہیے پکارو اپنے شریکوں کو ٢٥٥ پھر سازش کرو میرے خلاف

فَلَا تُنظِرُونِ ﴿١٩٥﴾ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ

اور مت مہلت دو مجھے یقیناً میرا حمایتی اللہ ہے جس نے اُتاری یہ کتاب ٢٥٦ اور وہ

بھم ای قصاری امرھم ان یکونوا احیاء عقلاء فان ثبت ذلک فھم عباد امثالکم و لا فضل لھم علیکم فلم جعلتم انفسکم عبیدا وجعلتموھا الھۃ وارباباً کبیر، علامہ قرطبی نے بتوں کو عباد کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وُہ بھی تمھاری طرح اس کے مملوک ہیں۔ اور تمھاری طرح اس کے پیدا کردہ ہیں۔ وسمیت الاوثان عباداً لانھا مملوکۃ للہ مسخرۃ۔ الحسن: المعنی ان الاصنام مخلوقۃ امثالکم (قرطبی)

٢٥٤ ان کی جہالت اور حماقت کو مزید آشکارا کیا جارہا ہے کہ تم صاحب عقل و ہوش ہوتے ہُوئے لکڑی اور پتھر کے بنائے ہُوئے بے جان مجسموں کی پُوجا کرتے ہو جن کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ نہ تو ان کے پاؤں ہیں کہ ان سے چل سکیں۔ نہ ہاتھ ہیں کہ ان سے کچھ پکڑ سکیں۔ نہ آنکھیں ہیں کہ کچھ دیکھ سکیں۔

٢٥٥ کفار مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ آپ ہمارے خداؤں کی توہین کرتے ہیں۔ اور ان کی خُدائی کو تسلیم نہیں کرتے۔ یاد رکھو اگر ہمارے بت برہم ہوگئے تو پھر خیر نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ وازکی الثنا کو حکم فرماتا ہے کہ اے حبیب! انھیں فرما دو کہ جو کچھ تمھارے بت میرا بگاڑ سکتے ہیں بگاڑ لیں اور میرا ذرا لحاظ نہ کریں میں اپنے مالک حقیقی کے بغیر کسی کو اپنا معبود اور الٰہ نہیں بنا سکتا۔

٢٥٦ میرا حامی و ناصر وُہ حی و قیوم ہے جس کی حمایت و نصرت ہمیشہ اپنے نیک اور فرمانبردار بندوں کے شامل حال رہا کرتی ہے۔ مجھے اس پر بھروسہ ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت میرا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ سچ یہ ہے کہ اہل حق کے پاس یہی ایک قوت ہے جس کے بل بوتے پر وُہ بڑی بے باکی سے ہر طاغوتی طاقت سے ٹکرا جاتے ہیں۔ ولی الشیء: الذی یحفظہ ویمنع عنہ الضرر (قرطبی) جو شخص کسی کی حفاظت کرے اور ہر قسم کے ضرر سے اسے بچائے اُس کو اُس کا ولی کہتے ہیں۔

يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

حمایت کیا کرتا ہے نیک بندوں کی۔ اور جن کی تم عبادت کرتے ہو ۲۵۷ اللہ کے سوا وہ طاقت نہیں رکھتے

نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى

تمہاری امداد کی اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم بلاؤ انھیں ہدایت کی طرف

لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

تو وہ نہ سنیں گے۔ اور تو دیکھے گا انھیں کہ دیکھ ۲۵۸ رہے ہیں تیری طرف حالانکہ انھیں کچھ نظر نہیں آتا

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا

قبول کیجئے معذرت (خطاکاروں سے) اور حکم دیجئے ۲۵۹ نیک کاموں کا اور رُخ (انور) پھیر لیجئے نادانوں کی طرف سے۔ اور اگر

۲۵۷ میرا حامی و ناصر تو وہ ہے جس کی یہ شان ہے۔ اور تمہارے باطل اور جھوٹے معبودوں کی بے بسی کا یہ عالم ہے۔ اب تم ہی فیصلہ کرو کامیاب و کامران کون ہوگا۔ اس مضمون کو دوبارہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات اچھی طرح ان کے ذہن نشین کرا دی جائے کہ ان کے معبود نہ اپنے پجاریوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ اپنے مخالفین کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔

۲۵۸ اُن کی مصنوعی آنکھیں تمہاری طرف کھلی ہوئی تو ہیں لیکن ہیں بے نور۔ انھیں دکھائی کچھ نہیں دیتا۔

۲۵۹ اس آیت میں تین امور کے متعلق ہدایت فرمائی گئی ہے۔ (۱) جو قصور وار معذرت طلب کرتا ہوا آپ کے پاس آئے اُسے کمال فراخ دلی اور شفقت سے معاف کر دیجئے اور بدلہ و انتقام لینے پر اصرار نہ کیجئے۔ ای خذ العفو عن المذنبين والمراد اعف عنهم (روح المعانی)۔ (۲) یہ کہ اچھی اور مفید چیزوں کے کرنے کا آپ لوگوں کو حکم دیجئے۔ العرف: المعروف المستحسن من الافعال (بیضاوی)۔ (۳) جاہل اور ناسمجھ لوگ اگر آپ کو بُرا بھلا کہیں تو اُن سے اُلجھئے نہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قرآن میں اخلاق حسنہ کے متعلق یہ جامع ترین آیت ہے۔ وليس في القرآن اجمع لمكارم الاخلاق من هذه الاية (قرطبی)۔ ہر مومن کو ان صفاتِ حسنہ سے متصف ہونا چاہیئے اور خصوصاً اس طبقہ کو جن کے ذمہ اشاعتِ دین اور تبلیغ اسلام کا فریضہ ہے انھیں تو خصوصی طور پر ان خصائل حمیدہ سے اپنے آپ کو مزین کرنا چاہیئے۔ اسی مضمون کو زیادہ تفصیل کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں بیان فرمایا ہے۔ امرني ربي بتسع الاخلاص في السر والعلانية والعدل في الرضا والغضب والقصد في الغنى والفقر وان اعفو عمن ظلمني واصل من قطعني واعطي من حرمني وان يكون نطقي ذكرا وصمتي فكرا

يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ

پہنچے آپ کو ۲۶۰؎ شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ تو فوراً پناہ مانگئے اللہ سے بیشک وہ سب کچھ سننے والا ۲۶۱؎

عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ

جاننے والا ہے بیشک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کیے ہیں ۲۶۲؎ جب چھوتا ہے انھیں کوئی خیال شیطان کی طرف سے

ونظری عبرۃ (قرطبی)

ترجمہ: مجھے میرے پروردگار نے نو باتوں کا حکم دیا ہے:-

۱۔ ظاہر و باطن میں اخلاص کو اپنا شعار بناؤں۔
۲۔ خوشنودی اور ناراضگی میں عدل کروں۔
۳۔ خوشحالی اور تنگ دستی میں میانہ روی اختیار کروں۔
۴۔ جو مجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کر دوں۔
۵۔ جو قطع تعلق کرے اُس سے صلہ رحمی کروں۔
۶۔ اُس کو دوں جو مجھے محروم رکھے۔
۷۔ میری زبان گویا ہو تو ذکر الٰہی سے۔
۸۔ خاموشی کی حالت میں اُس کی آیتوں میں غور و فکر کروں۔
۹۔ اور میرے دیکھنے میں عبرت پذیری ہو۔

۲۶۰؎ اما اصل میں ان شرطیہ اور ما زائدہ سے مرکب ہے۔ نزغ کا معنی ہے انگلیوں کے پوروں سے کسی کو گدگدانا۔ اس کا مطلب ہے کسی بُرائی پر اُکسانا اور کسی گناہ پر آمادہ کرنا۔ والنزغ النخس وھو الضرب برؤس الاصابع والمراد ھھنا التحریک الی الشر والاغواء او الوسوسۃ (مظہری) سابقہ آیت میں محاسن اخلاق کی تعلیم دینے کے بعد فرمایا کہ اگر شیطان انسان کی طبعی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس کو کسی ایسے کام پر اُکسائے جو کہ آداب قرآنی کے خلاف ہے۔ اور دل میں وسوسہ اندازی کرنے لگے تو انسان کو چاہیے کہ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر شیطان کی اس فریب کاری اور وسوسہ اندازی سے پناہ مانگے۔ وُہی ذات پاک اس کے ڈگمگاتے ہوئے پاؤں کو پھر ثبات بخشے گی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید سے مروی ہے کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی تو حضورؐ نے عرض کی کیف یارب والغضب؟ اے رب غصہ کا کیا علاج؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۶۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ تیری ہر بات بھی سُنتا ہے اور تیری التجا کو بھی جانتا ہے وُہ یقیناً تمھیں شیطان کے شر سے بچائے گا۔ یا تیرے دُشمنوں کے اقوال کو بھی سُنتا ہے اور ان کے اعمال کو بھی جانتا ہے وُہ خود اپنی قدرت سے تمھیں ان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے گا۔ تمھیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت۔

۲۶۲؎ نیک نہاد اور پرہیزگاروں کو اگر کوئی شیطانی وسوسہ راہِ حق سے بھٹکانے لگتا ہے اور اپنے دامِ فریب میں گرفتار کرنے لگتا ہے تو فوراً ان کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے اور وُہ ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور توبہ و استغفار شروع کر دیتے ہیں جس

تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي

تو وہ (خدا کو) یاد کرنے لگتے ہیں تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں شیطان کھینچے لے جاتے ہیں انھیں

الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْ لَا

گمراہی میں پھر (انھیں گمراہ کرنے میں) وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ اور (اے محبوب!) جب آپ نہیں لاتے ۲۶۳ ان کے پاس کوئی آیت تو

اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ

کہتے ہیں کیوں نہ بنا لیا تم نے خود اسے فرمائیے میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب سے یہ روشن دلیلیں ہیں تمہارے

مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَ اِذَا

رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہیں اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے اور جب ۲۶۴

کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شکوک و شبہات کی گرد چھٹ جاتی ہے۔ غفلت کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے اور شیطان کا دام ہمرنگِ زمین صاف دکھائی دینے لگتا ہے اور وہ خطرے کے اس مقام سے بخیریت گزر جاتے ہیں۔

۲۶۳ ویسے تو اجتبٰی کا معنی چن لینا ہے لیکن یہاں اس کا معنی اپنی طرف سے گھڑ لینا ہے۔ یقال اجتبیت الکلام ای انجلته واختلقته واخترعته اذا اجئت به من عند نفسك (قرطبی)، کفار فضول مطالبات اور لایعنی فرمائشیں کیا کرتے۔ اور جب ان کی توقع کے خلاف ان کے نزول میں تاخیر ہوتی تو کہنے لگتے آپ اپنی طرف سے آیتیں بنا کر کیوں پیش نہیں کر دیتے ان ناسمجھوں کو مقامِ نبوت کی نزاکتوں کا کیا احساس؟ یہاں تو دل میں کسی غیر کا خیال آجانا بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ نبی اپنی طرف سے کوئی آیت وضع کر کے اسے اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دے۔

۲۶۴ جب حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو کفار شور و غل مچاتے۔ نہ خود سنتے نہ اوروں کو سننے دیتے۔ اگر کسی آیت کے متعلق وہ فرمائش کرتے اور وہ پوری نہ کی جاتی تو از راہِ طعن حضور کو کہتے کہ جیسے خود بخود نبی بنے بیٹھے ہو اسی طرح ایک آیت بھی اپنی طرف سے بنا کر پیش کر دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے کفار! جب قرآن پڑھا جا رہا ہو۔ تو اسے غور سے سنو۔ اس کو سننے سے کچھ بعید نہیں کہ رحمتِ الٰہی کے دروازے تم پر کھل جائیں۔ اور تم اس دعوتِ حق کو قبول کرنے کے لیے اپنے سینہ کو منشرح پاؤ۔ اور بہت ممکن ہے کہ اس کے ظاہری جمال اور معنوی حسن سے متاثر ہو کر تمہیں یقین ہو جائے کہ یہ کسی انسان کا نہیں بلکہ رب ذوالجلال کا کلامِ بلاغت نظام ہے۔ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو وہ مؤدب ہو کر خاموشی سے بیٹھ جائے اور بڑے غور سے اس کی آیاتِ طیبات کو سنے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت

قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۲۰۴

پڑھا جائے قرآن (مجید) تو کان لگا کر سنو اسے اور چپ ہو جاؤ تاکہ تم پر رحمت کی جائے

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ

اور یاد کرو اپنے رب کو ۲۶۵؎ اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر

الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ۲۰۵ اِنَّ

(یوں یاد کرو) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی اور نہ ہو جاؤ (یادِ الٰہی سے) غافل رہنے والوں سے۔ بے شک

کا مستحق بن جائے۔ وظاهر اللفظ يقتضي وجوبهما حيث يقرء القرآن مطلقا وعامة العلماء على استحبابهما خارج الصلوٰة (بیضاوی) یعنی آیت کے الفاظ سے تو بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے سننا واجب ہے لیکن عام علماء کا قول ہے کہ یہ مستحب ہے۔

۲۶۵؎ دل کے آئینہ سے غفلت کا غبار اور روح کے رُخ تاباں سے نافرمانی کے داغ دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کی صبحیں اور شامیں یادِ الٰہی میں بسر کرے۔ ذکر تب اپنا پورا اثر دکھاتا ہے جب اس میں مذکورہ شرائط موجود ہوں۔ (۱) ذکر کرتے وقت انسان عاجزی اور انکساری کا مجسمہ بنا ہوا ہو۔ کبر و غرور اور غفلت و کاہلی سے کوسوں دور ہو۔ (۲) اسے اس بات کا ہر وقت شدید احساس ہو کہ اس کے اعمال اور اس کا ذکر اس بارگاہِ رفعت و جلال کے شایانِ شان نہیں۔ (۳) ذکر گلا پھاڑ پھاڑ کر نہ کرے جس میں بے ادبی کا شائبہ ہو بلکہ درمیانہ آواز سے کیا جائے جس میں ادب اور سنجیدگی ہو۔ ایک رات حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت صدیقؓ کے گھر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ چپکے چپکے ذکر میں مشغول ہیں۔ اور حضرت فاروقؓ کے گھر کے پاس سے گزرے تو ملاحظہ فرمایا کہ بلند آواز سے محوِ ذکر ہیں۔ صبح ہوئی تو دونوں کو بلایا۔ حضرت ابوبکرؓ کو ہدایت فرمائی کہ ذرا بلند آواز سے ذکر کیا کریں۔ اور حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ ذرا آہستہ ذکر کیا کرو۔ رضی اللہ عنہما وصلی وسلم علی ہادیہما ومرشدہما۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے خوب فرمایا ہے کہ اگر ذاکر کو ریاء کا اندیشہ ہو یا نمازیوں اور آرام کرنے والوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر آہستہ ذکر کرنا مستحب ہے۔ بصورتِ دیگر ذکر بالجہر افضل ہے۔ وقد جمع النووي بين الاحاديث الواردة في استحباب الجهر بالذكر والواردة في استحباب الاسرار به بان الاخفاء افضل حيث خاف الرياء او تاذي المصلون او النائمون والجهر افضل في غير ذلك۔ ان الشيخ المرشد قد يامر المبتدي برفع الصوت لتنقلع من قلبه الخواطر الراسخة فيه (روح البیان) تشریح لفظی: خیفة اصل میں خوفة تھا۔ واو ی سے بدل گئی۔ الغُدُوّ جمع غدوة۔

الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ

جو ۲۶۶؎ مقرب ہیں تیرے رب کے وُہ تکبر نہیں کیا کرتے اس کی عبادت سے اور پاکی بیان کرتے رہتے ہیں

وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝۲۰۶

اُس کی اور اُسی کو سجدہ کرتے ہیں

الثلثۃ ۲۶ ع ۱۸ السجدۃ ۱۴

قال الجوهری الاصیل الوقت بعد العصر الی المغرب وجمعه أُصُل وآصال واصائل۔ (قرطبی)

۲۶۶؎ الذین سے مُراد ملائکہ ہیں۔ اس سُورۃ کا اِختتام فرشتوں کے ذِکرِ خیر سے کیا جارہا ہے۔ اور بتایا جارہا ہے کہ جب یہ نُورانی اور پاک مخلوق ہر وقت اپنے پروردگار کے ہر حکم کے سامنے سرِتسلیم خم کیے ہُوئے ہے۔ ان کی زبانیں اپنے ربِّ قدیر کی حمد وثنا اور تسبیح وتمجید میں زمزمہ سنج ہیں۔ اور ان کے دِل اُس کی یاد میں محو ہیں اور اُن کی پیشانیاں اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں۔ تو اِنسان جو مسجُودِ ملائکہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اُس کا بھی فرض ہے کہ وُہ اپنے مولائے کریم کی عبادت اور اطاعت میں صبح وشام کوشاں رہے۔ ہردم اس کی یاد، اُس کے ذِکر اور اُس کی محبت میں سرشار رہے۔ اللهم اجعلنا من عبادك القانتين المخلصين الذاكرين بجاہ رحمة للعلمين عليه وعلى آله افضل الصلوات واطيب التسليمات۔

یہ آیتِ سجدہ ہے اور اس طرح کی بقول اصح چودہ آیتیں ہیں۔ جن کو جب اِنسان پڑھے یا سُنے تو سجدہ کرے۔ اسے سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔ اس کے ادا کرنے کی بھی وُہی شرطیں ہیں جو سجدۂ نماز کی ہیں۔ یعنی باوضو ہو، پاک جگہ ہو تفصیلی احکام کُتبِ فقہ میں مذکور ہیں۔

تعارف سورۃ الانفال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام: اس سورۃ پاک کا نام الانفال ہے کیونکہ اس کا آغاز انفال (اموال غنیمت) کے احکام بیان کرنے سے کیا گیا ہے۔ اس کی آیتوں کی تعداد پچھتر اور کلمات کی تعداد ایک ہزار پچھتر ہے۔ اگرچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کی سات آیتیں اذ یمکر بک الذین۔۔۔ الایۃ مکی ہیں لیکن صحیح قول یہی ہے کہ یہ سورۃ تمام مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔

زمانۂ نزول: سورۃ کے مضامین میں غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا نزول ۲ھ غزوۂ بدر کے فوراً بعد ہوا۔ کیونکہ اس سورۃ کا بیشتر حصہ غزوۂ بدر سے متعلق ہے اس لیے اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس غزوہ کے محرکات و اسباب اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے۔

غزوۂ بدر: اللہ تعالیٰ کا پیارا حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے جاں نثار غلام بارہ تیرہ سال تک کفار مکہ کے ظلم و ستم کو صبر و سکون سے برداشت کرتے رہے۔ اور ان کے دل کی دنیا میں نور حق سے اجالا کرنے میں کوشاں رہے۔ لیکن اسلام کا پودا ان کے دلوں کی سنگلاخ سرزمین میں جڑ نہ پکڑ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے مکہ سے اڑھائی تین سو میل دور یثرب نامی ایک بستی کے رہنے والوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ حج کے ایام میں وہاں کے کچھ لوگ حاضر ہوتے اور مشرف باسلام ہوتے۔ نبوت کے بارھویں سال قبیلہ خزرج کا ایک قافلہ جو پچھتر افراد پر مشتمل تھا، مکہ آیا اور حضور کے دست حق پرست پر بیعت کی اور یہ بھی درخواست کی کہ حضور مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں رونق افروز ہوں۔ انہیں ان خطرات اور مشکلات کا پورا احساس تھا جن سے انہیں دوچار ہونا تھا لیکن وہ ان کا سامنا کرنے کے لیے بخوشی تیار تھے۔ ہجرت کے بعد صورت حال بالکل بدل گئی۔ مکہ کے مظلوم و ستم رسیدہ مسلمان مدینہ طیبہ میں جمع ہو گئے۔ وہاں کے دو بڑے قبیلوں اوس و خزرج میں اسلام کی روشنی بڑی تیزی سے پھیلنے لگی۔ قلیل مدت میں مسلمانوں کی ایک مضبوط جمعیت معرض وجود میں آ گئی۔ اور اسلام کی اشاعت کا کام جو تیرہ سالہ مکی زندگی میں نہ ہو سکا وہ یہاں آ کر چند ماہ میں ہو گیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی مہاجرین و انصار کو اخوت کے رشتہ میں پرو دیا ہر مہاجر کا کسی انصاری کے ساتھ بھائی چارہ قائم کر کے اسلامی سوسائٹی کو نہایت استوار بنیادوں پر کھڑا کر دیا پھر یہودی قبائل جو مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں اقامت پذیر تھے ان کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے جس میں ہر ایک کو مکمل مذہبی آزادی دینے

کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ اگر کسی طرف سے مدینہ پر حملہ کیا جائے تو سب مل کر اس حملہ آور کا مقابلہ کریں گے۔

اہل مکہ ان حالات سے بے خبر نہ تھے۔ اسلام کی روز افزوں ترقی اور آس پاس بسنے والے قبائل سے مسلمانوں کے دوستانہ معاہدے ان کے لیے بڑی بے چینی اور اضطراب کا سبب تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اسلام کا عروج ان کے مشرکانہ عقائد اور جاہلانہ نظام حیات کے لیے موت کا پیغام ہے۔ اس لیے انھوں نے مدینہ کی فضا کو بھی اسلام اور اہل اسلام کے لیے ناساز گار بنانے کی تگ و دو شروع کر دی۔ مدینہ میں دو عنصر ایسے تھے جنھیں وہ بڑی آسانی سے اسلام کے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ عبداللہ بن اُبی اور یہود۔ حضور کی تشریف آوری سے پہلے عبداللہ بن اُبی کیلیے حالات اتنے سازگار ہو گئے تھے کہ اس کی بادشاہت کا اعلان کیا جانے والا تھا اور ایک زرگر کے پاس اس کے لیے تاج شاہی تیار ہو رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم رنجہ فرمانے کے بعد اس کی اُمیدیں خاک میں مل گئیں اس لیے اس کے دل میں اسلام کے خلاف بغض و عناد کا ایک اَنمٹ جذبہ پیدا ہو گیا۔ اب اسے اور اس کے حواریوں کو اہل مکہ بڑی آسانی سے اپنا آلۂ کار بنا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ یہود کے دلوں میں بھی حسد کی آگ بھڑکنے لگی تھی۔ ان بیچاروں نے تو اس خیال سے حضور کے استقبال میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور اس مقصد کے لیے مسلمانوں سے یارانہ گانٹھا تھا کہ وہ دل میں یہ سمجھے ہوئے تھے کہ یہ مصیبت زدہ جلاوطن لوگ جن کی مالی حالت بھی سخت ناگفتہ بہ ہے ان کو بہ آسانی سے اپنا حلقہ بگوش بنا لیں گے اور انھیں اپنے اغراض و مقاصد کے لیے استعمال کریں گے۔ لیکن جب پیغمبر اسلام اور اس کے فداکاروں کی مضبوط الگ شخصیت اور اسلام سے ان کی بے پناہ عقیدت و محبت کا تجربہ ہوا اور ان کی توقعات بر آتی دکھائی نہ دیں تو ان کے تیور بھی بدل گئے اور وہ بھی ایسے موقع کی تاک میں رہنے لگے جب وہ مسلمانوں کی جمعیت کو پراگندہ کر کے پھر اپنی برتری کا سکہ یثربی کسانوں کے دلوں پر جما سکیں۔ چنانچہ اہل مکہ نے ان لوگوں سے اسلام کے خلاف سازباز شروع کر دی اور مسلمانوں کو اپنی قوت سے مرعوب کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً جتھے بھیجنے شروع کر دیئے جو مدینہ کی چراگاہوں سے مسلمانوں کے مویشی ہانک کے لے جاتے۔ اور اگر اکا دکا کوئی مسلمان ہاتھ آجاتا تو اس پر حملہ کرنے سے بھی باز نہ آتے۔

ان حالات میں کیا مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہتے۔ اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتے کہ کس طرح مخالفت کی تند آندھیاں اٹھتی ہیں اور شمع اسلام کو گل کر کے چلی جاتی ہیں۔ کس طرح طوفان اُمنڈ کر آتے ہیں اور ان کے نخل آرزو کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ مسلمان اس جمعیت کے لوگ نہ تھے۔ انھیں زندہ رہنا تھا صرف اپنے لیے نہیں بلکہ ساری گم کردہ راہ اولاد آدم کے لیے تاکہ دنیا کا گوشہ گوشہ نور محمدی سے منور ہو جائے۔ اس لیے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے حضور کریم رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ضروری اقدامات فرمائے۔

کفار مکہ کو ان کے معاندانہ رویہ سے باز رکھنے انہیں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے روکنے کا آسان طریقہ یہ تھا کہ ان کی تجارتی شاہ راہ پر اپنی گرفت مضبوط کی جائے جو بحر احمر کے کنارے کنارے یمن سے شام کی طرف جاتی تھی اور جس پر اہل مکہ، طائف اور دوسرے قبائل کے تجارتی کاروان اپنا بیش قیمت سامان لے کر جاتے تھے۔ سامان سے لدے ہوئے دو دو ہزار اونٹوں کے قافلے بیک وقت چلتے تھے۔ مشہور مستشرق سپرنجر کے اندازہ کے مطابق اڑھائی لاکھ
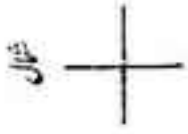
قریشِ مکہ کی تجارتی شاہراہ

شمال

بحر ابیض

شام

خیبر

مدینہ

ذوالعشیرہ

بدر

الابواء

طائف

مکہ

خلیج فارس

بحر احمر

بحیرۂ عرب

عدن

خلیج عدن

پاؤنڈ کی تجارت تو صرف اہلِ مکہ کی تھی۔ اور ان کی تمام تر معیشت کا انحصار اسی پر تھا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جہینہ، بنی ضمرہ، بنی مدلج وغیرہ قبائل سے معاہدے کیے جو اس شاہراہ کے اردگرد سکونت پذیر تھے۔ ان قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد کفارِ مکہ کو مرعوب کرنے اور ان کو اپنی بالادستی کا احساس دلانے کے لیے گاہے گاہے چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنے شروع کر دیئے۔

ہجرت کا دوسرا سال تھا، اور شعبان کا مہینہ تھا (فروری یا مارچ ۶۲۴ء) جب ابوسفیان کی قیادت میں اہلِ مکہ کا ایک تجارتی کاروان جس میں پچاس ہزار پونڈ کی مالیت کا سامان تھا، شام سے مکہ کی طرف لوٹ رہا تھا۔ اس کے ساتھ محافظ دستہ کی تعداد بہت کم تھی۔ اس خوف سے کہ کہیں مسلمان اس کاروان کی اطلاع پا کر اس پر حملہ نہ کر دیں، ابوسفیان نے ضمضم بن عمرو الغفاری کو اُجرت دی اور اسے دوڑایا کہ جا کر اہلِ مکہ کو اطلاع دے کہ وہ اس قافلہ کو مسلمانوں کی دست بُرد سے بچانے کے لیے نکلیں۔ جب وہ مکہ پہنچا تو اس نے (حسبِ دستورِ جاہلیت) اپنے اُونٹ کے کان کاٹ ڈالے۔ اس کی ناک چیر دی اپنے پالان کو اُلٹا ڈال دیا۔ اپنی قمیص کو آگے پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ یا معشر قریش! اللطیمۃ! اموالکم مع ابی سفیان قد عرض لہا محمد فی اصحابہ لا اری ان تدرکوھا الغوث! الغوث! اے گروہِ قریش! تمہارا مال واسباب تمہارا ساز و سامان۔ تمہارے اموال جو ابوسفیان کے قافلے میں تھے ان پر محمد (علیہ السلام) نے اپنے یاروں سمیت حملہ کر دیا ہے۔ میں نہیں خیال کرتا کہ تم اس کی حفاظت کر سکو گے، فریاد کو پہنچو۔ فریاد کو پہنچو۔

یہ سنتے ہی ابوجہل نے لوگوں کو جنگ پر اُبھارنا شروع کر دیا۔ تقریباً مکہ کا ہر گھر اس تجارت میں حصہ دار تھا اس لیے اس مہم میں ہر شخص کا ذاتی مفاد بھی تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک ہزار آزمودہ کار سپاہیوں کا لشکرِ جرار تیار ہو گیا جس میں ۷۰۰ زرہ پوش تھے اور سو سواروں کا دستہ بھی تھا۔ بڑے کروفر سے یہ لشکر اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے نکلا۔ راستہ میں انہیں اطلاع ملی کہ قافلہ صحیح سلامت مسلمانوں کی زد سے بچ کر نکل آیا ہے۔ اس پر کئی لوگوں نے یہ رائے دی کہ ہماری اس مہم کا مقصد پورا ہو گیا ہے اس لیے اب ہمیں واپس لوٹ جانا چاہیے لیکن ابوجہل اور لشکر کی بھاری اکثریت اس پر رضامند نہ ہوئی کیونکہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی اس مختصر جمعیت کو آج ہی ٹھکانے لگا دیا جائے تاکہ ان کا مذہب اور ان کی تجارتی شاہراہ جو ان کی رگِ حیات ہے اس مہیب خطرہ سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے اور اس کے اردگرد بسنے والے قبائل بھی اتنے ہراساں اور خوفزدہ ہو جائیں کہ وہ ان کی طرف آنکھ اُٹھانے کی جرأت بھی نہ کر سکیں۔

حضور نبی کریم تین سو تیرہ مسلمانوں کی معیت میں مدینہ سے نکلے جن میں ۸۳ مہاجر، ۶۱ قبیلہ اوس اور باقی (۱۷۰ کے قریب) قبیلہ خزرج کے انصار تھے۔ حضور جب وادی ذفران میں پہنچے تو اطلاع ملی کہ ابوجہل ایک لشکرِ جرار لے کر مکہ سے مدینہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اب مسلمانوں کا مدِ مقابل وہ تجارتی قافلہ نہ تھا جس کے محافظوں کی تعداد تیس چالیس کے لگ بھگ تھی بلکہ جنگجو اور تجربہ کار بہادروں کا ایک لشکرِ عظیم تھا جس کی قیادت مکہ کا مشہور سردار ابوجہل کر رہا تھا جو تعداد میں مسلمانوں کی اس مختصر جماعت سے تین گنا تھا اور ساز و سامان اور اسلحہ میں مسلمانوں کو ان سے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ حضور رحمتِ عالم بھی

حالات کا گہری نظر سے مطالعہ فرما رہے تھے۔ حضور کو یہ معلوم تھا کہ اگر آج کمزوری دکھائی گئی تو صرف یہی نہیں کہ کفار مکہ کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور وہ مسلمانوں کے خلاف اپنی مساعی کو تیز تر کر دیں گے بلکہ خود مدینہ میں مسلمانوں کے لیے زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ یہودی اور منافق جو ابھی تک سہمے سہمے رہتے ہیں وہ بھی دلیر ہو جائیں گے۔ اور داخلی امن بھی خطرہ کی نذر ہو جائے گا۔ اس لیے اب موقع تھا کہ جرأت و ہمت سے کام لے کر سرفروشانہ طور پر کفار کی طاقت سے ٹکر لی جائے۔

لیکن کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ایک مجلس مشاورت منعقد کی گئی جس میں مہاجرین اور انصار نے شرکت کی۔ ان کے سامنے حضور نے ساری صورت حال پیش فرما دی۔ حضرت صدیق و فاروق نے اپنے جذبۂ جانفروشی کا اظہار کیا۔ حضرت مقداد ابن عمرو کھڑے ہوگئے اور عرض کی یا رسول اللہ! امض لما اراك الله فنحن معك والله لا نقول لك كما قال بنو اسرائيل لموسى اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون ولكن اذهب انت وربك فقاتلا انا معكما مقاتلون: یا رسول اللہ! جیسے اللہ کا حکم ہے تشریف لے چلیے ہم حضور کے ساتھ ہیں۔ بخدا ہم حضور کی خدمت میں وہ بات نہیں عرض کریں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو یہ عرض کریں گے کہ آپ اور آپ کا رب کریم دشمن سے نبرد آزما ہوں، ہم سب آپکے ساتھ ہیں۔ پھر حضور نے فرمایا۔ اشيروا علي ايها الناس! اے لوگو بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ اب انصار کو خیال گزرا کہ شاید روئے سخن ہماری طرف ہے تو انصار کے علمبردار سعد بن معاذ اٹھے اور عرض کی كانك تريدنا يا رسول الله! قال اجل۔ قال سعد: لقد آمنا بك وصدقناك وشهدنا ان ما جئت به هو الحق واعطيناك على ذالك عهودنا ومواثيقنا على السمع والطاعة فامض لما اردت فنحن معك فو الذي بعثك لو استعرضت بنا هذا البحر فخضته لخضناه معك وما تخلف منا رجل واحد ۔۔۔۔ لعل الله يريك منا ما تقربه عينك فسر بنا على بركة الله۔

اے اللہ کے رسول! آپ ہماری رائے پوچھ رہے ہیں حضور نے فرمایا ہاں۔ تو سعد نے عرض کی۔ ہم آپ پر ایمان لائے آپ کی تصدیق کی اور اس بات کی گواہی دی کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ حق ہے۔ اور آپ کی کامل اطاعت کا پختہ وعدہ کیا۔ جدھر کا قصد ہے تشریف لے چلیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث فرمایا اگر آپ سمندر میں کودنے کا حکم دیں تو سب آپ کے ساتھ اس میں چھلانگ لگا دیں اور کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہے۔ میدان جہاد میں ہماری جانفروشیوں سے اللہ تعالیٰ آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ اللہ کی برکت پر چلیے ہم سب بستگان فتراک نیاز حضور کے ہمرکاب ہیں۔

اس طرح سرفروشوں کا یہ گروہ اپنے رب کے نام کو بلند کرنے کا عزم صمیم کر کے آگے بڑھا اور بدر کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ وہاں ایک طرف حضور کے ٹھہرنے کے لیے ایک چھپر (عریش) بنا دیا گیا۔ جنگ سے ایک روز پیشتر حضور اپنے صحابہ کی معیت میں میدان جنگ کے نشیب و فراز کا جائزہ لینے کے لیے نکلے۔ سارے میدان کا چکر لگایا۔ اور اسی اثنا میں ان مقامات کی نشاندہی بھی فرماتے گئے جہاں کل ہونے والی جنگ میں مکہ کے سرداروں کی لاشیں گرنے والی تھیں هذا مصرع فلان، یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے، هذا مصرع فلان: یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے۔

رات کو سب لوگ محو خواب تھے لیکن چشم مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء بیدار تھی۔ ساری رات اسلام کی نصرت اور

مسلمانوں کی فتحمندی کے لیے دعائیں فرماتے رہے۔ صبح ہوئی مسلمانوں کی صفوں کو درست کیا۔ سامنے کفار کا لشکر جنگ کی تیاری میں مصروف تھا۔ ان کی سہ گنا قوت کو دیکھا اور مسلمانوں کی بے بسی کو ملاحظہ فرمایا۔ اپنے عرش میں واپس تشریف لائے اور بارگاہ خداوندی میں انتہائی عجز و نیاز سے عرض کی۔ اللّٰهم هذه قریش قد اتت بخيلائها تحاول ان تكذب رسولك اللّٰهم فنصرك الذي وعدتني اللّٰهم ان تهلك هذه العصابة اليوم لا تعبد۔ "اے اللہ! یہ سامنے قریش ہیں جو نخوت و غرور کے سب سامان سے لیس ہو کر آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھٹلائیں۔ اے اللہ! اب آجائے تیری وہ مدد جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ! اگر ان مٹھی بھر مسلمانوں کو تو نے ہلاک ہونے دیا تو پھر تیری کبھی عبادت نہیں کی جائے گی۔

رمضان کی سترہ تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا۔ جب چشم آفتاب نے اور وادی بدر کے سنگریزوں نے اس انوکھی جنگ کا مشاہدہ کیا جس میں باطل اپنی پوری قوت و جبروت سے مسلح ہو کر حق کو کچلنے کے لیے نکلا تھا اور حق نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود باطل کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ اگر اس روز اللہ تعالیٰ کی تائید اور مسلمانوں کی جانفروشی کے باعث حق کا بول بالا نہ ہوتا تو آج آفتاب صداقت کی یہ جلوہ سامانیاں نہ ہوتیں بلکہ یہ کائنات کفر و شرک کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی ہوتی اسی لیے قرآن حکیم نے اس روز سعید کو یوم الفرقان فرمایا ہے۔ یعنی وہ دن جس نے حق و باطل کو الگ الگ کر دیا۔

یہ ہے اس جنگ بدر کا سیاسی اور تاریخی پس منظر جس کے متعلق اس سورۃ میں گفتگو فرمائی گئی ہے نیز اس میں مسلمانوں کو انکی اپنی کوتاہیوں پر بھی آگاہ کر دیا تاکہ وہ اپنی پہلی فرصت میں ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ فتح و کامرانی محض اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا نتیجہ ہے اس لیے اس کی اور اس کے رسول کریم کی اطاعت میں کوشاں رہو تاکہ تائید غیبی ہمیشہ تمہارے شامل حال رہے ایسا نہ ہو کہ تم اپنی بہادری اور شجاعت پر مغرور ہو کر احکام الٰہی اور ارشادات مصطفویﷺ سے سرتابی کرنے لگو۔

مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بھی واضح طور پر بیان کر دیا تاکہ اس کے متعلق بھی کسی قسم کا تنازع پیدا نہ ہو۔ اس کے ضمن میں صلح و جنگ کے متعلق معاہدوں کی پابندی کا حکم بھی فرمایا تاکہ یہ امت جس کے نبی کی بعثت کی ایک بڑی غرض مکارم اخلاق کی تکمیل ہے وہ صلح و جنگ ہر حالت میں ان مکارم اخلاق کی علمبردار ہو۔

سورۃ کے آخری حصہ میں حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابہ کرام کی شان بھی بیان فرما دی جن کی سرفروشیوں قربانیوں۔ جانبازیوں پیہم جدوجہد اور مسلسل سعی و عمل سے دین اسلام کو کامیابی اور عروج نصیب ہوا۔ تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر اسی اخلاص، اسی للّٰہیت، اسی ایثار اور اسی جانفروشی سے پرچم اسلام کو بلند سے بلند تر کرنے کے لیے ہمہ تن مصروف جہاد رہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (یہی لوگ سچے ایماندار ہیں)۔ کے کلمات سے ان حضرات قدسی صفات کے سچے اور کامل ایماندار ہونے کی خود خداوند علیم و خبیر نے شہادت دے دی اور پہلے ہی ان تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا جو یاران مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کے متعلق اسلام کے ظاہری اور باطنی دشمن قیامت تک اٹھانے والے تھے۔ تاکہ کوئی جان بوجھ کر ان شکوک و شبہات

کا شکار بننا چاہتا ہے تو بڑے شوق سے لیکن بے علمی اور بے خبری کی وجہ سے کوئی ان میں مبتلا نہ ہو۔
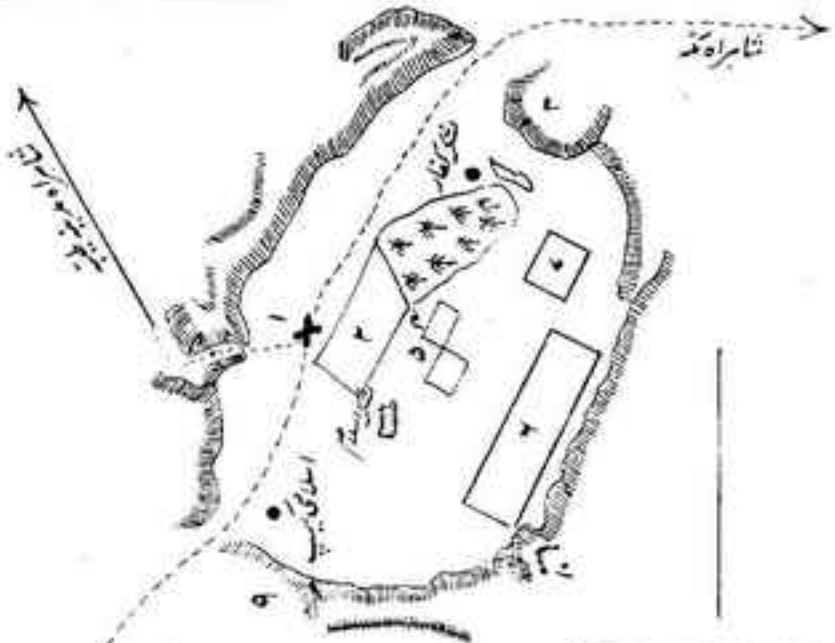
سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الانفال مدنی ہے اور اس کی ۷۵ آیات اور ۱۰ رکوعات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا

دریافت کرتے ہیں آپ سے غنیمتوں کے متعلق [1] آپ فرمایئے غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں۔ پس ڈرتے رہو

[1] اسلام سے پہلے اہل عرب کسی قانون اور ضابطہ کے پابند نہ تھے۔ ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں ان کے لاابالی مزاج سے وابستہ تھیں۔ صلح و جنگ کے رسم و رواج میں عدل و انصاف کے بجائے قوت اور دھاندلی کا دور دورہ تھا۔ اسلام نے یک لخت ان کی اس بے راہ روی کو قانون کا پابند نہیں کر دیا بلکہ آہستہ آہستہ حسبِ ضرورت احکام نافذ کیے۔ اس طرح وہ قوم جو ابھی چند سال پہلے انانیت اور سرکشی میں ضرب المثل تھی نظم و ضبط کی علمبردار بن گئی۔ بدر کی جنگ کفر و اسلام کی پہلی جنگ تھی۔ نئے مسائل جن سے مسلمان پہلے آشنا نہ تھے، کا وقوع پذیر ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ اس سورۃ کا آغاز ایک ایسی ہی الجھن اور اس کے حل سے کیا گیا۔ بات یوں ہوئی کہ جب نصرتِ ربانی سے مٹھی بھر نہتے مسلمانوں نے کفار کی عظمت و نخوت کو خاک میں ملا دیا اور ان کا لشکر جرار اپنے ستر سورماؤں کے لاشے اور ستر اسیر اور بہت سا سامان میدان میں چھوڑ کر بھاگا تو کچھ مسلمان دور تک ان کے تعاقب میں چلے گئے اور بعض مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس سامان پر قبضہ کر لیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اسے تقسیم کیسے کیا جائے۔ کیا عرب کے پرانے رسم و رواج کے مطابق کہ جو چیز جس کے ہاتھ لگے وہ لے کر چلتا بنے اور دوسرے منہ تکتے رہ جائیں یا اسلام اس کے متعلق بھی کوئی واضح ہدایت دے کر ہمیشہ کے لیے اس گڑبڑ کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ قرآن حکیم نے قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فرما کر اس ساری آوارگی کو ہی ختم کر دیا کہ میدانِ جنگ میں ہاتھ آنے والا اسباب و سامان افراد کی ملکیت ہی نہیں تاکہ وہ اس کی بنا پر ایک دوسرے سے جھگڑنا شروع کریں بلکہ اس کا مالک تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولِ مقبول ہے۔ اس لیے اللہ کا رسول اپنے مالک کے حکم سے جس طرح چاہے تقسیم فرما دے کسی کو اعتراض کا حق ہی نہیں۔ حضرت ابی امامۃ الباہلی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ آیت انفال کب نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہم بدریوں کے حق میں نازل ہوئی جب ہم نے مالِ غنیمت کے بارے میں جھگڑنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے اختیار سے نکال کر اپنے رسول کے حوالہ کر دیا اور حضور نے اسے برابر طور پر سب میں تقسیم فرمایا۔ فقال عبادۃ فینا معشر اصحاب بدر نزلت حین اختلفنا فی النفل وساءت فیہ اخلاقنا فنزعہ اللہ من ایدینا وجعلہ الی الرسول فقسمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بواء یقول علی السواء (قرطبی)

اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ

اللہ تعالیٰ سے اور اصلاح کرو اپنے باہمی معاملات کی ۲؎ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اگر تم

مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ

ایماندار ہو۔ صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ ۳؎ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں

قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ

ان کے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور صرف اپنے

یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

رب پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں (اور) جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو، نیز اس سے جو ہم نے انھیں دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں

اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ

یہی لوگ سچے مومن ہیں ۴؎ انہی کے لیے درجے ہیں ان کے رب کے پاس ۵؎، اور

انفال جمع ہے نفل کی۔ اس کا معنی ہے مالِ غنیمت۔ کیونکہ یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی عطا ہے۔ الانفال یعنی الغنائم والنفل الغنم لانہا من فضل اللہ وعطائہ (مظہری)

۲؎ آیت کے اس حصہ میں سابقہ حکم کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ مومن کی جنگ محض کلمۂ حق کو سربلند کرنے کے لیے ہونی چاہیے۔ دولت کے لالچ کا یہاں کیا دخل۔ اگر اموالِ غنیمت کی تقسیم افراد کی تحویل میں دے دی جاتی تو اس سے دو خطرے تھے۔ ایک تو یہ کہ اس طرح حسد و عناد کی ایک ایسی راہ کھل جاتی جس سے مسلمانوں کی جمعیت پارہ پارہ ہو جاتی دوسرا یہ کہ اخلاصِ نیت جو مسلمان کے اعمال کی روحِ رواں ہے ختم ہو کر رہ جاتا۔

۳؎ کمالِ ایمان کا وہ درجہ جس تک پہنچنے کی ہر مومن کے دل میں آرزو ہونی چاہیے اور اس کے لیے اسے ہر ممکن جدوجہد کرنی چاہیے اس پر وہی خوش نصیب فائز ہو سکتے ہیں جو ان صفات سے مزین ہوں جن کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔

۴؎ انھیں سچے مسلمان کا لقب اس لیے عطا فرمایا گیا کہ ان کے دل اگر خشیتِ الٰہی، اخلاص اور توکل کی صفاتِ عالیہ سے متصف ہیں تو ان کے ظاہری اعضاء رکوع و سجود اور عطاء صدقات میں مصروف ہیں۔ ان کا ظاہر بھی مطلع انوار ہے اور ان کا باطن بھی بقعۂ نور۔

مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٤﴾ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ

بخشش ہے ۵ اور باعزت روزی۔ جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴿٥﴾ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ

حق کے ساتھ ۷ اور بیشک اہلِ ایمان کا ایک گروہ (اس کو) ناپسند کرنیوالا تھا۔ جھگڑ رہے تھے آپ سے ۸ سچی بات میں

بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿٦﴾

اس کے بعد کہ وہ واضح ہو چکی تھی گویا وہ ہانکے جا رہے تھے موت کی طرف در آنحال کہ وہ (موت کو) دیکھ رہے ہیں۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ

اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کا ان دو گروہوں سے کہ وہ تمہارے لیے ہے ۹ اور تم پسند کرتے تھے

۵ دنیا میں بھی ان کی قدر ومنزلت بلند کر دی جاتی ہے اور جنت میں بھی ان کو مقاماتِ رفیعہ پر فائز کیا جائے گا۔

۶ اِس لفظ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی کامل سے بشری تقاضوں کے باعث کوئی خطا یا قصور سرزد ہو جائے تو اسے فوراً ٹھکرا نہیں دیا جاتا بلکہ اللہ کریم اسے اپنے دامنِ کرم میں پناہ دیتا ہے اور اس کی لغزش معاف فرما دی جاتی ہے۔

۷ مالِ غنیمت کے متعلق یہ طریقِ کار کیونکہ اہلِ عرب کے سابقہ رسم ورواج سے یکسر مختلف تھا اس لیے بعض طبیعتوں پر اس کی تعمیل بہت شاق گزری۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے حبیب! ان کی پسند و ناپسند کا خیال مت کرو بلکہ جو ہمارا حکم ہے اس پر کاربند ہو جاؤ۔ ان کی یہ ناپسندیدگی ایسی ہی ہے جیسے لشکرِ کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا فیصلہ بعض لوگوں کو ناگوار گزرا تھا۔ لیکن آپ نے ان کے انقباضِ طبع کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے فرمانِ الٰہی کی تعمیل کر دی تو اس کا کتنا خوشگوار نتیجہ نکلا۔ اسی طرح اموالِ غنیمت کے بارے میں بھی وہی بات تم سب کے لیے موجبِ خیر وبرکت ہے جس کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔

۸ جیسے اس سورہ کے تعارف میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ سے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی ظاہری غرض اہلِ مکہ کا تجارتی قافلہ تھا۔ اب باہر نکلے تو ابوجہل کی سرکردگی میں لشکرِ کفار کے آنے کی اطلاع ملی تو صورتِ حال بالکل بدل گئی۔ مسلمان نہ جنگ کی نیت سے مدینہ سے روانہ ہوتے تھے اور نہ جنگی ساز وسامان سے مسلح تھے۔ اتنے بڑے منظم اور مسلح لشکر سے ٹکرانا بعض لوگوں کو خلافِ مصلحت دکھائی دے رہا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو موت کے منہ میں پھینک رہے ہیں۔ لیکن حضور کریم نے جو مجلسِ مشاورت وادی ذفران میں منعقد کی اس میں شمعِ مصطفوی کے پروانوں نے جس جرأت اور جانفروشی کا اظہار کیا اس سے تمام لشکرِ اسلام کے حوصلے بلند ہو گئے اور کسی کو موت کا اندیشہ نہ رہا۔

اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

کہ نہتہ گروہ تمھارے حصہ میں آئے اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو حق کر دے اپنے

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٧ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ

ارشادات سے سلہ اور کاٹ دے کافروں کی جڑ۔ تاکہ ثابت کر دے حق کو اور مٹا دے باطل کو

الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝٨ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ

اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) عادی مجرم۔ یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے سلہ اپنے رب سے تو سن لی

لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩ وَمَا جَعَلَهُ

اس نے تمھاری فریاد (اور فرمایا) یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمھاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے درپے آنے والے ہیں سلہ اور

ف ان دو طاقتوں سے مراد ایک تو اہل مکہ کا تجارتی قافلہ ہے جو پچاس ہزار پونڈ کی مالیت کا سامان لیے شام سے مکہ کی طرف واپس لوٹ رہا تھا اور جس کے حفاظتی دستہ کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہ تھی۔ اور دوسرا وہ مسلح و منظم لشکر جو اپنی قوت و طاقت کے نشہ میں چور مسلمانوں کو پیس ڈالنے کے لیے مدینہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ تھا کہ ان دونوں میں سے ایک پر تمھیں غلبہ دیا جائے گا۔ یہ طبعی امر تھا کہ بعض صحابہ کی یہی آرزو ہو گی کہ تجارتی قافلہ ہاتھ لگے تاکہ کسی مزاحمت کے بغیر اتنی دولت فراواں مل جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی فتحمندی کے جو وعدے کیے گئے تھے ان کو پورا کیا جائے تاکہ مشرکین کا سر غرور خم ہو۔ حق کا بول بالا ہو۔ اور باطل کی رسوائی آشکارا ہو جائے۔ شوک کانٹے کو کہتے ہیں۔ یہاں شوکۃ سے مراد تیز دھار والے ہتھیار ہیں اسی لیے مسلح آدمی کو۔ جل شائک السلاح اور قلب کے بعد رجل شاکی السلاح کہتے ہیں۔

سلہ یحق الحق کا معنی ہے یظھر الحق یعنی حق کو ظاہر کر دے۔ کیونکہ حق بذاتِ خود حق ہوتا ہے وہ کسی کے حق بنانے سے حق نہیں بنتا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ شکوک و شبہات اور بغض و عناد کے جو پردے حق کو ڈھانپے ہوتے ہیں جن کے باعث سادہ لوح انسانوں کو اس کی پہچان نہیں ہوتی وہ اٹھا دیے جائیں اور حق اپنی تمام رعنائیوں اور دلربائیوں کے ساتھ آشکارا ہو جائے تاکہ اس کو پہچاننے میں کسی کو دقت نہ ہو۔ ای ان یظھر الاسلام۔ والحق حق ابدا ولکن اظہاره تحقیق له من اللہ اذا لم یظھر اشبه الباطل (قرطبی)

سلہ استغاثہ کا معنی ہے فریاد کرنا اور مدد طلب کرنا۔ الاستغاثة: طلب الغوث والنصر (قرطبی)۔ اس کے

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ

نہیں بنایا فرشتوں کے نزول کو اللہ نے مگر ایک خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمھارے دل ۱۳ اور نہیں ہے مدد مگر

عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً

اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ بہت غالب ہے حکمت والا ہے۔ یاد کرو جب اللہ نے ڈھانپ دیا تمھیں غنودگی سے ۱۴ تاکہ

مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ

باعث تسکین ہو اس کی طرف سے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کر دے تمھیں اس سے اور

مراد حضور رحمۃ للعالمین کی وہ عاجزانہ دعا اور نیاز مندانہ فریاد ہے جو بدر کے میدان میں ایک چھپر کے نیچے کھڑے ہو کر کی جس کا ذکر سورۃ کے تعارف میں گزر چکا ہے۔

۱۲ یعنی یکے بعد دیگرے قطار اندر قطار۔ فرشتوں کی جنگ میں شرکت کا منظر بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ غیر منظم انبوہ کی طرح جنگ میں شامل نہیں ہوتے تھے بلکہ مرتب دستوں کی صورت میں یکے بعد دیگرے میدان میں اترتے تھے جس سے مسلمانوں کے ہراساں دلوں کو اطمینان و تسکین نصیب ہوئی تھی اور کفار کے بڑے بڑے حوصلے ٹوٹ گئے تھے اور ہمتیں پست ہو گئی تھیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس دعا کے بعد حضورؐ نے اپنا سر مبارک جھکایا اور پھر اٹھا کر فرمایا ابشر یا ابابکر ھذا جبریل متحجرا بعمامۃ صفراء آخذ بعنان فرسہ بین السماء والارض۔ (مظہری عن البیہقی)۔ اے ابوبکر تمھیں خوشخبری ہو۔ یہ جبریل ہیں زرد دستار باندھے زمین آسمان کے درمیان اپنے گھوڑے کی باگیں پکڑے کھڑے ہیں۔

۱۳ فرشتوں کا نزول محض تمھاری تسکین و اطمینان کے لیے اور تمھیں فتح کا مژدہ سنانے کے لیے تھا ورنہ نصرت و کامرانی مرحمت فرمانے والا تو خود رب تعالیٰ تھا جس کی قدرت بے انداز اور حکمت بے نظیر ہے۔

۱۴ کفار میدان بدر میں پہلے پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے موزوں جگہ پر اپنے خیمے نصب کر لیے اور پانی پر بھی قبضہ کر لیا۔ مسلمان پہنچے تو بجز ریت کے ٹیلوں کے اور کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں پڑاؤ ڈالیں۔ چاروناچار وہیں خیمے گاڑ دیے۔ پانی کی بھی سخت قلت تھی چلتے ہیں تو پاؤں ریت میں دھنستے چلے جاتے ہیں۔ نماز کا وقت آتا ہے تو وضو و غسل کے لیے پانی ندارد پیاس لگتی ہے تو پینے کے لیے پانی نایاب۔ اس عجیب و غریب صورت حال سے مسلمانوں کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ادھر شیطان رہ رہ کر دل میں وسوسہ ڈالنے لگا کہ تم اپنے آپ کو خدا کا مقرب سمجھے ہوئے تھے۔ اب آنکھوں سے دیکھ لو کیا مقربین خدا کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان دونوں تکلیفوں کا ازالہ فرما دیا جس صبح کو جنگ ہونے والی تھی اس رات کو بادل گھر کر آ گئے اور اتنا موسلا دھار مینہ برسا کہ وادیاں لبریز ہو کر بہنے لگیں۔ مسلمانوں نے حوض بنا کر پانی جمع کر لیا اس طرح پانی

يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ

دُور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جما دے اس سے

بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا

تمہارے قدموں کو ۔ یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ

ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو میں ڈال دُوں گا کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ؕ

سو تم مارو (ان کی) گردنوں کے اُوپر ۱۵ اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر ۱۶

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ

یہ حکم اس لیے ہے کہ انہوں نے ۱۷ مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ کی

کی قلت دُور ہوگئی۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ بارش کے پانی سے ریت جم گئی اور مسلمانوں کو چلنے پھرنے میں آسانی ہوگئی اور کفار کی قیامگاہوں میں کیچڑ ہی کیچڑ ہوگیا اور ان کے لیے نقل و حرکت دوبھر ہوگئی۔ دوسری نوازش جو مولائے کریم نے لشکر اسلام پر فرمائی وہ یہ تھی کہ ان پر نیند مسلط کر دی گئی۔ رات بھر خوب سوئے۔ صبح اُٹھے تو بالکل ہشاش بشاش اور تازہ دم تھے تھکن اور افسردگی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ کفار کا رعب اور ہیبت دلوں سے دُور ہو چکی تھی۔ آیت کریمہ میں امنة منه کے الفاظ غور طلب ہیں یعنی یہ نیند اتفاقیہ نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت اور رحمت سے اسے مسلمانوں پر مسلط کیا تھا۔ رجز الشیطن سے مراد اس کی وہ وسوسہ اندازی ہے جو پانی کی نایابی اور حالات کی ناسازگاری کی بدولت وہ مسلمانوں کے قلوب میں ڈالنا چاہتا تھا۔

۱۵ اس آیت سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بالفعل لڑائی میں حصہ لیا۔ لیکن جن حضرات نے اسے مستبعد جانا ہے ان کا خیال ہے کہ فاضربوا میں خطاب مومنین سے ہے اور انہیں مارنے کا حکم دیا جارہا ہے لیکن آیت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔

۱۶ بنان ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے پوروں کو بھی کہتے ہیں اور بدن کے جوڑوں کو بھی۔ علماء کرام نے دونوں معنی مُراد

رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ

اور اس کے رسول کی تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (اے حق کے دشمنو!) یہ سزا ہے پس چکھو اسے نیز

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ

(یاد رکھو) کافروں کے لیے آتش (جہنم) کا عذاب بھی ہے۔ اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو ۳۱؎

لیے ہیں۔ قیل المراد بالبنان ھنا اطراف الاصابع من الیدین والرجلین وقال الضحاک البنان کل مفصل (قرطبی)

۳۰؎ میدان بدر میں جس ذلت و رسوائی کا کفار کو سامنا کرنا پڑا اور جس شکستِ فاش سے سابقہ پیش آیا یہ بلا وجہ نہ تھی بلکہ ان کی مسلسل چودہ پندرہ سالہ اسلام دشمنی کا نتیجہ تھا۔

۳۱؎ یہاں مجاہدینِ اسلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جب تم دینِ حق کے دشمنوں سے نبرد آزما ہو تو دادِ شجاعت دو اور پامردی اور بہادری سے ان کے سامنے ڈٹے رہو۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت تمہارے ہمرکاب ہو گی تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ حق کے علمبردار ہو کر باطل کے پرستاروں کے سامنے نامردی اور بزدلی کا مظاہرہ کرو اور میدانِ جہاد سے بھاگ کھڑے ہو۔ چنانچہ میدانِ جنگ سے فرار کو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اکبر الکبائر بڑے گناہوں سے بھی بڑا گناہ فرمایا ہے۔ والفرار کبیرۃ موبقۃ بظاھر القراٰن و اجماع الاکثر من الائمۃ (قرطبی) الفرار من الزحف کبیرۃ من الکبائر علی ھذا اکثر اھل العلم وبہ قال الائمۃ الاربعۃ من الفقہاء (مظہری)۔ لیکن یہ گناہ کبیرہ اس وقت تک ہے جبکہ دشمنوں کی تعداد دوگنا سے زائد نہ ہو۔ اگر اس سے زیادہ ہو تو پھر بھی ثابت قدم رہنا اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا ہی افضل ہے۔ جیسے جنگِ موتہ میں اہلِ اسلام کی تعداد صرف تین ہزار تھی اور ان کے مقابل قیصر کی فوج دو لاکھ تھی لیکن غلامانِ مصطفےٰ نے پرچمِ اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ فاتح اندلس طارقؒ صرف سترہ سو جانبازوں کے ساتھ لذریک شاہِ اندلس کے ستر ہزار شہسواروں سے ٹکرایا اور ان کو کچل کر رکھ دیا۔ طارق کے یہ شعر ان کی اور ان کے سپاہیوں کی اسلامی ذہنیت کے کتنے روشن آئینے ہیں ؎

رَكِبْنَا سَفِيْنًا بِالْمَجَازِ مُعَبِّرًا ۔۔۔ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ مِنَّا قَدِ اشْتَرٰى

ہم سمندر عبور کرنے کے لیے کشتیوں میں سوار ہوئے۔ یہ تمنا لیے ہوئے کہ شاید اللہ تعالیٰ از راہِ احسان ہم سے خرید لے

نُفُوْسًا وَّاَمْوَالًا وَّاَهْلًا بِجَنَّةٍ ۔۔۔ اِذَا مَا اشْتَهَيْنَا الشَّيْءَ فِيْهَا تَيَسَّرَا

ہماری جانوں، ہمارے اموال اور اہل و عیال کو جنت کے بدلے جہاں ہم جو چاہیں ہمیں بآسانی میسر آ جائے

وَلَسْنَا نُبَالِيْ كَيْفَ سَالَتْ نُفُوْسُنَا ۔۔۔ اِذَا نَحْنُ اَدْرَكْنَا الَّذِيْ كَانَ اَجْدَرَا

اگر ہم اپنی منزلِ مقصود کو حاصل کر لیں تو پھر ہمیں اس بات کی قطعاً پروا نہیں کہ ہمارے خون کے دریا کیسے بہے۔

آیت میں زحفًا کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ اس کا معنی کیا ہے؟ اور ترکیب میں کیا واقع ہوا ہے؟ زحف کا لغوی معنی ہے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ

کافروں کے لشکر جرار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف (اپنی) پیٹھیں۔ اور جو پھیرے گا ان کی طرف

يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ

اس روز اپنی پیٹھ بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو [۱۹] لڑائی کے لیے یا پلٹ کر آنیوالا ہو اپنی جماعت کی طرف

بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

تو وہ مستحق ہوگا اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ پس

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ

تم نے نہیں قتل کیا [۲۰] انھیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انھیں اور (اے محبوب!) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب [۲۱]

بچے کا زمین پر گھسٹ گھسٹ کر چلنا۔ اسی وجہ سے آہستہ چلنے کو بھی زحف کہتے ہیں۔ الزحف الدنو قليلًا قليلًا واصله الاندفاع على الالية (قرطبی)۔ اس لفظ کا اطلاق لشکر عظیم پر بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی کثرتِ تعداد کی وجہ سے آہستہ آہستہ ہی چل سکتا ہے۔ وفی القاموس الزحف الجيش يزحفون الى العدو۔ اپنے دونوں معنوں (مصدری اور اسمی) کے اعتبار سے یہ الّذین کفروا جو لقیتم کا مفعول ہے، کا حال ہے یا لقیتم کے فاعل (لقیتم کی ضمیر) اور مفعول (الّذین کفروا) دونوں کا حال ہے (مظہری)۔ میں نے ترجمہ میں زحف کا معنی اسی ملحوظ رکھتے ہوئے الذین کا حال بنایا ہے کیونکہ یہی مفہوم حقیقت سے قریب تر ہے کیونکہ کافر لشکر عظیم لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے تھے مسلمانوں کی تو کمزور اور قلیل جمعیت محض اپنے بچاؤ کے لیے میدان میں آ کھڑی ہوتی تھی۔

[۱۹] اس آیت میں ان مخصوص حالات کے پیش نظر دشمن کے سامنے سے ہٹنے کی اجازت دی جا رہی ہے جن میں جنگی مصلحتوں کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ لشکر اپنی موجودہ پوزیشن بدل کر نئی پوزیشن اختیار کرے تاکہ زیادہ قوت سے دشمن پر حملہ کیا جا سکے۔ یا اسلامی فوج کے کچھ سپاہی اگر کٹ کر الگ ہو گئے ہوں تو ان کو بھی اجازت ہے کہ وہ ہٹ کر اپنی فوج میں شامل ہو جائیں اور اس کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔

[۲۰] نہتے مسلمانوں کا اپنے سے تین گنا مسلح اور طاقتور لشکر کو یوں تہس نہس کر دینا اور اس کے بڑے بہادر رئیسوں کو کاٹ کر رکھ دینا محض نصرتِ خداوندی کا کرشمہ تھا۔ اس لیے صاف صاف بتا دیا کہ تم اپنی قوت و شجاعت پر نازاں نہ ہو بلکہ اپنے رب قدیر کا احسان سمجھو اور اس کے شکر گزار بنے رہو۔

[۲۱] ان کلمات میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خاص معجزہ کی طرف اشارہ ہے جس کا مشاہدہ دوست و دشمن

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ

آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر ۲۲؎ اپنی جناب سے بہترین احسان۔ بے شک

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾

اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ تو ہو ا اور بلاشبہ اللہ کمزور کرنے والا ہے کفار کے مکر و فریب کو۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

(اے کفار!) اگر تم فیصلہ کے طلبگار تھے ۲۳؎ تو (لو) آگیا تمھارے پاس فیصلہ اور اگر تم (اب بھی) باز آجاؤ تو وہ

نے بدر کے میدان میں کیا حضورؐ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھری اور کفار کے لشکر کی طرف پھینک دی۔ وہ لشکر جو ایک وسیع قطعہ میں پھیلا ہوا تھا۔ کوئی کھڑا تھا تو کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ کسی کا منہ ادھر تھا تو کسی کی پشت ادھر تھی۔ لیکن ایک کافر بھی تو ایسا نہ رہا تھا جس کی آنکھوں کو ریت کے ذرات نے بھر نہ دیا ہو۔ سب کی آنکھیں دیکھنے سے معذور ہو گئیں۔ اور وہ کچھ ایسے دہشت زدہ اور حواس باختہ ہوئے کہ اپنے مقتولوں کے لاشے بھی پیچھے چھوڑ کر سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! جب تم کنکریاں پھینک رہے تھے تو پھینکنے والا ہاتھ گو تمھارا تھا لیکن قوت و قدرت ہماری تھی جو اس میں کارفرما تھی کتنا ہی پیارا انداز بیان ہے۔

۲۲؎ علامہ زمخشری نے یبلی کا معنی یُعطی اور بلاء کا معنی عطاء کیا ہے۔ اور صاحب تفسیر مظہری نے یبلی کا معنی ینعم اور بلاء کا معنی نعمت فرمایا ہے۔ اگرچہ ابتلاء کا لغوی معنی اختبار یعنی آزمانا ہے لیکن آزمائش جس طرح تکلیف و مصیبت سے کی جاتی ہے اسی طرح عطاء و احسان سے بھی کی جاتی ہے۔ اس لیے آیت کے مفہوم کے پیش نظر یہاں لفظ ابلاء کی یہ توضیح بالکل صحیح ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو مسلمانوں کے لڑے بغیر ہی کفار کو نیست و نابود کر دیتا۔ ہزاروں فرشتوں کے اتارنے کے تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ ایک ہی فرشتہ سب کا خاتمہ کرنے کے لیے کافی تھا لیکن مسلمانوں کے ذریعہ اپنے دین کی حفاظت اس لیے کرائی گئی تاکہ انھیں دین کے پاسبان ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔ شہادت اور جہاد کی فضیلت سے انھیں سرفراز کیا جائے۔ کیا شان بندہ پروری ہے! کیا رحمت ذرہ نواز ہے۔ یہاں اسی شرف پاسبانی اور فضیلت شہادت کو لیبلی کے کلمات طیبات سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

۲۳؎ اب روئے سخن کفار کی طرف ہے۔ کفار جب مکہ سے روانہ ہوئے تھے تو غلاف کعبہ کو پکڑ کر انھوں نے دعا مانگی تھی اللھم انصر اقرانا للضیف واوصلنا للرحم وافکنا للعانی وان کان محمد علی حق فانصرہ وان کنا علی حق فانصرنا (کشاف) اے اللہ ہم دونوں فریقوں میں سے جو زیادہ مہمان نواز ہے، جو زیادہ صلہ رحم ہے، جو قیدیوں

وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ

بہتر ہے تمھارے لیے اور اگر تم پھر شرارت کروگے تو ہم پھر سزا دینگے اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمھیں تمھاری جماعت کچھ بھی چاہے

وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ

اس کی تعداد بہت زیادہ ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے ۳۴ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور

وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا

اس کے رسول کی اور نہ روگردانی کرو اس سے حالانکہ تم سن رہے ہو ۳۵ اور نہ بن جانا ان لوگوں کی

کو زیادہ آزاد کرنے والا ہے۔ اس کی مدد فرما۔ اگر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حق پر ہے تو اسے فتح دے اور اگر ہم حق پر ہیں تو ہمیں غلبہ بخش۔ کفار سے کہا جا رہا ہے کہ وہ دعا جو تم نے مانگی تھی وہ قبول ہوئی۔ جو حق پر تھا وہ غالب ہوا اور جو باطل سے چمٹے ہوئے تھے وہ مغلوب۔ اب باز آجاؤ۔ تمھارے معیار کے مطابق حق واضح ہوگیا اب تو کسی قسم کی غلط فہمی نہیں رہی۔ اگر پھر بھی تم نے حق کو قبول نہ کیا اور اس کی مخالفت سے باز نہ آئے تو یاد رکھو تمھیں آئندہ بھی ایسی ہی اندوہناک شکستوں سے دوچار ہونا پڑے گا فتح کا معنی فیصلہ بھی کیا گیا ہے۔

۳۴ اے کفار! جب تم تائید خداوندی سے محروم ہو اور مسلمان اس نعمت سے مشرف ہیں تو پھر خود ہی سوچو کیا تمھاری کامیابی کا کوئی امکان ہے چلو مان لیا تم بڑے نڈر اور بہادر ہو اور تمھاری تعداد بہت زیادہ ہے لیکن خود ہی بتاؤ کیا تم اللہ تعالیٰ کی طاقت سے ٹکر لے سکتے ہو۔

۳۵ اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسول عقائدِ اسلامیہ اور شریعتِ بیضاء کا سنگِ بنیاد ہے۔ اس کے بغیر نہ اسلامی عقائد کا پتہ چل سکتا ہے اور نہ شریعت کا۔ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ کے کلمات کتنے معنی خیز ہیں یعنی اتنا تغافل کہ قرآنی آیات سننے کے باوجود بھی اطاعتِ خدا و رسول میں کوتاہی۔ تعجب ہوتا ہے ان لوگوں پر جو تعلیماتِ قرآنیہ کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اطاعتِ رسول کے منکر ہیں بلکہ اتباعِ قرآن کو ترکِ اطاعتِ رسول کی دلیل بناتے ہیں۔ وہ اپنی روش پر خود ہی نظرثانی کریں کیا وہ قرآن سے اس کے نازل کرنے والے کی منشا کے خلاف تو استنباط نہیں کر رہے؟ کیا وہ اتنا بھی غور نہیں کرتے کہ اتباعِ قرآن تب ہی ہو سکتا ہے جب اس کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے اور اطاعتِ رسول کا حکم بھی قرآن کا ہی حکم ہے جو ایک بار نہیں سینکڑوں بار دیا گیا ہے۔ کیا وہ قرآن کے اس صریح حکم کی نافرمانی کر کے اپنے آپ کو قرآن کا متبع کہہ سکتے ہیں ؎

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ عمل کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ

طرح جنھوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے ۳۶؎ بیشک سب جانوروں سے

الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ

بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے ۳۷؎ اور اگر

لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا

جانتا اللہ تعالیٰ ان میں ۳۸؎ کوئی خوبی تو انھیں ضرور سنا دیتا۔ اور اگر سنا دیتا انھیں (قبول حق کی استعداد کے بغیر)

وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ

تو وہ پیٹھ پھیر دیتے رُوگردانی کرتے ہوئے۔ اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب

۳۶؎ اہل ایمان کو یہود و منافقین کے طریق کار کو اپنانے سے روکا جا رہا ہے کہ وہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے کتاب الٰہی کو سن لیا لیکن جب عمل کی باری آتی ہے تو انھیں سانپ سُونگھ جاتا ہے۔ جو انھوں نے سنا ہے اگر وہ اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے تو گویا انھوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ سننا تو وہ ہے جو انسان کو عمل کرنے پر آمادہ کر دے۔

۳۷؎ شر اصل میں اشر تھا۔ کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہمزہ ساقط ہو گیا۔ اسی طرح خیر بھی اصل میں اخیر تھا۔ والاصل اشر حذفت الهمزة لكثرة الاستعمال وكذا خير الاصل اخير (قرطبی)۔

جو لوگ سُننے اور بولنے کی قوتوں سے صحیح کام نہیں لیتے۔ حق کو سمجھنے کے لیے اور حق کی تبلیغ کے لیے ان سے استفادہ نہیں کرتے اُن کا شمار انسانوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی شکلیں اور صورتیں گو انسانوں کی سی ہیں لیکن درحقیقت وہ گونگے اور بہرے ڈنگر ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے کیونکہ ڈنگروں کو یہ نعمتیں بخشی ہی نہیں گئیں۔ وہ معذور ہیں لیکن ان لوگوں کو ان گراں بہا صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا گیا اور انھوں نے ان سے فائدہ نہ اٹھایا۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ان خداداد صلاحیتوں سے پوری طرح فائدہ اٹھا کر ہی ہم انسانی عظمت کی بلندیوں پر فائز ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ہماری حالت بے شعور مویشیوں سے بھی بدتر ہے۔

۳۸؎ اگر ان میں قبول حق کی استعداد ہوتی تو انھیں کلام الٰہی کو سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق دی جاتی لیکن کیونکہ انھوں نے پیہم سرکشی اور دانستہ کفر و عناد سے اپنی اس استعداد کا گلا گھونٹ دیا ہے اس لیے اب کوئی فائدہ نہیں۔ ایسی صورت میں اگر وہ قرآن کی آیات سن بھی لیں اور سمجھ بھی لیں تب بھی وہ ان کو قبول نہیں کریں گے بلکہ ازراہِ عناد اور تعصب

لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ

وہ رسول بلاتے تمھیں ۹۳؎ اس امر کی طرف جو زندہ کرتا ہے تمھیں اور خوب جان لو کہ اللہ کا حکم حائل ہو جاتا

انھیں حق جانتے اور پہچانتے ہوئے ان کا انکار کر دیں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ اہلِ مکہ حضورؐ سے فرمائش کیا کرتے تھے کہ آپ ہمارے جدِ امجد قصی کو زندہ کریں اگر اس نے آپ کی نبوت کی شہادت دی تو ہم بھی آپ پہ ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے ایمان لانے کی توقع ہوتی تو قصی کو زندہ کرنا کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی اور اسلام دشمنی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اگر قصی کو زندہ کر بھی دیا جائے اور وہ حضورؐ کی نبوت کی تصدیق بھی کر دے اور وہ اس کو آنکھوں سے دیکھ لیں اور اس کی شہادت کو اپنے کانوں سے سن بھی لیں تو پھر بھی پیٹھ پھیر دیں اور اپنے کفر و شرک سے ہی چمٹے رہیں۔

۹۳؎ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا مکرر حکم دینے کے بعد اس کی حکمت بھی بیان فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول جس چیز کی طرف تمھیں دعوت دے رہا ہے وہ تمہارے مردہ دلوں کو زندہ کرنے والی اور تمھاری جاں بلب روحوں کو تازگی و نشاط عطا فرمانے والی ہے۔ اذا دعاکم کا فاعل حضورؐ کی ذات ہے۔ لما میں لام بمعنی الی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی روشن اور سچی کتاب تو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سنتِ نبوی ہی تمھاری زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اسی کی پیروی میں تمھاری بقا و دوام کا راز مضمر ہے۔ لیکن ملت کے چند بہی خواہ ہمیں یہ کہہ کر سنتِ رسول کریم سے برگشتہ کر رہے ہیں کہ اطاعتِ رسول ہی وہ زنجیر ہے جس نے اُمت کے ہاتھ پاؤں کو مقید کر رکھا ہے یہی وہ افیون ہے جس نے اس کے قوائے فکر کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے اور یہی وہ اغلال و سلاسل ہیں جن کے توڑنے کا ہمیں حکم ملا تھا لیکن بعض سازشیوں (یعنی محدثین کرام) کے فریب میں آ کر ان کے ٹوٹے ہوئے حلقوں کو ہم نے فرطِ عقیدت سے چن چن کر پھر اپنے گلے میں ڈال لیا ہے۔ آپ خود فیصلہ فرمایئے کہ سنتِ نبوی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اور قرآن کا فرمان قابلِ تسلیم ہے۔ یا ان بہی خواہانِ اُمت کا جو اپنے عہد کے بدترین اور کامل ترین حاکم پرست ہونے کے باوجود ان مردانِ احرار کو حکومتِ وقت کے نمک خوار کہتے ہوئے نہیں شرماتے جن کے نعرہ ہائے حق سے بارہا ظلم و استبداد کے ایوانوں کی بنیادیں لرز اٹھی تھیں۔ صاحب تفسیر مظہری رقمطراز ہیں۔ فان طاعة الرسول فی کل امر یحی القلب وعصیانه یمیته رہبات میں سنتِ نبوی کی اطاعت سے دل زندہ ہوتا ہے۔ اور اس کی نافرمانی سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم اس طوفان خیز دور میں اپنے چراغِ ایمان کو روشن رکھ سکیں اور اطاعتِ حبیبِ خدا سے اپنے مُردہ دلوں کو زندہ کر سکیں۔ آمین ثم آمین۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ حضرت ابی سعید بن المعلیٰ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول کریم نے مجھے یاد فرمایا۔ نماز ختم کرنے کے بعد میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے حبیب اللہ! جب حضورؐ نے اس غلام کو یاد فرمایا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اب فارغ ہو کر حاضرِ بارگاہ ہو گیا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اے ابا سعید! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں پڑھا استجيبوا لله وللرسول اذا دعاكم لما يحييكم جس وقت تمھیں اللہ اور اس کا رسول بلائے فوراً حاضر

بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً

ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان ؏۳۰ بے شک اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے۔ اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے

لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

؏۳۱ (جو اگر برپا ہو گیا تو) نہ پہنچیگا صرف انہیں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے۔ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت

ہو جاؤ۔ فقہاء کرام نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور حضور اسے بلائیں تو وہ حاضر خدمت ہو جائے اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اجابۃ الرسول لا یقطع الصلوٰۃ (مظہری)

یہاں ایک نکتہ اور بھی غور طلب ہے۔ قاعدہ کے مطابق یہاں تثنیہ کا صیغہ دعَوَا ہونا چاہیے تھا کیونکہ ضمیر فاعل کا مرجع اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول دونوں ہیں اور دو کے لیے تثنیہ کا صیغہ ہوتا ہے۔ یہاں واحد کا صیغہ دعَا کا ذکر کرکے اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دعوت الگ الگ دعوتیں نہیں بلکہ ایک ہی دعوت ہے اس لیے یہاں تثنیہ کی ضرورت نہیں واحد کا صیغہ ہی کافی بلکہ مناسب ہے۔

؏۳۰ انسان کتنا ہی دانشمند اور طاقتور کیوں نہ ہو اگر اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے ارادے میں حائل ہو جائے تو وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ دل کی قلمرو میں اسی کی حکمرانی ہے۔ وہ چاہے تو نورِ عرفان سے اُسے درخشاں کر دے اور چاہے تو ہدایت کے سب چراغ بجھ جائیں اور گھُپ اندھیرا ہو جائے۔ اسی لیے حضور نبی کریم اکثر دعا فرمایا کرتے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ: اے دلوں کے پھیرنے والے میرے خدا! ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیر دے۔

؏۳۱ وہ فتنہ کونسا ہے جس کی آگ جب بھڑک اٹھتی ہے تو سب خشک و تر کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے؛ جس کا عذاب چند افراد تک محدود نہیں رہتا بلکہ ساری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔ علماء کرام نے اس ضمن میں تین امور کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے:

۱۔ نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے منع کرنے سے رک جانا۔ جس قوم میں فسق و فجور کا بازار گرم ہو اور علی الاعلان احکامِ شریعت کی خلاف ورزی کی جاتی ہو وہاں اہل علم اور اربابِ اثر و اقتدار کا خاموشی اختیار کر لینا اور بدکاروں اور نافرمانوں کو ان کی بداعمالیوں سے نہ روکنا ایک ایسا فتنہ ہے جس کا وبال ساری قوم کو اٹھانا پڑتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایھا الناس! مروا بالمعروف وانھوا عن المنکر قبل ان تدعوا اللہ فلا یستجیب لکم وقبل ان تستغفروا فلا یغفر لکم الخ (مظہری) اے لوگو! نیکی کا حکم کیا کرو اور برائی سے روکا کرو ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے پھر تم دعائیں مانگو اور وہ قبول ہی نہ فرمائے۔ تم استغفار کرو اور وہ تمہیں بخشے ہی نہیں۔

۲۔ ترکِ جہاد: جب کوئی قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اور اللہ کی راہ میں جان دینے سے اسے زندگی زیادہ عزیز معلوم ہوتی

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ

عذاب دینے والا ہے۔ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے ۴۲ کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے

فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ

ملک میں (ہر وقت) ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اُچک نہ لے جائیں تمہیں لوگ، پھر اللہ نے پناہ دی تمہیں اور

اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

طاقت بخشی تمہیں اپنی نصرت سے اور عطا کیں تمہیں پاکیزہ چیزیں تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا

اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور رسول سے اور نہ خیانت کرو ۴۳

تو ساری قوم کو ذلت و غلامی کی بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔

۳۔ میدان جہاد سے فرار علماء کرام نے ان تین امور کو بطور مثال ذکر فرمایا ہے۔ حصر مقصود نہیں۔

۴۲؎ ہجرت سے پہلے بے بسی اور بیکسی کی جو حالت تھی وہ مسلمانوں کو یاد دلائی جا رہی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد رکھتے ہوئے اس کی شکر گزاری میں مصروف رہیں۔ آیت میں ارض سے مُراد سرزمین مکہ ہے۔ ماویٰ (جائے پناہ) مدینہ طیبہ ہے۔ تائید سے مُراد بدر کی فتحمندی ہے۔ رزق سے مُراد اموال غنیمت ہیں جو پہلی اُمتوں پر حرام تھے اور ملت اسلامیہ کے لیے حلال کر دیئے گئے۔

۴۳؎ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول سے خیانت کا مطلب حضرت ابن عباسؓ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے (لاتخونوا الله بترك فرائضه والرسول بترك سنته) یعنی فرائض کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت نہ کرو اور سُنت سے روگردانی کر کے اس کے رسُول سے خیانت نہ کرو۔ اور قتادہ فرماتے ہیں اعلموا ان دين الله امانة فادوا الى الله ما ائتمنكم عليه من فرائضه وحدوده: خوب سمجھ لو اللہ کا دین امانت ہے۔ اس کے فرائض کی ادائیگی اور حدود کی پابندی کا تمہیں امین بنایا گیا ہے پس امانت میں خیانت نہ کرو۔ (مظہری) اسی طرح مسلمانوں کے راز دشمن تک پہنچانا، حکومت کے سربراہوں اعلیٰ افسروں اور ملازموں کا اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا، ملک کے صنعت کاروں اور تجار کا ملکی صنعت اور کاروبار میں دیانتداری کو نظر انداز کر دینا حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرنے میں داخل ہے۔

غور فرمایئے کتنے پُر جلال انداز میں فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے اور ارباب اقتدار کو متنبہ کیا جا رہا ہے

أَمٰنٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوٓا أَنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَ

اپنی امانتوں میں اس حال میں کہ تم جانتے ہو ۔ اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور

أَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ يَٰٓأَيُّهَا

تمہاری اولاد (سب) آزمائش ہے اور بیشک اللہ اسی کے پاس اجر عظیم ہے ۵۴؎ اے ایمان

الَّذِينَ ءَامَنُوٓا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ

والو! اگر تم ڈرتے رہوگے اللہ سے تو وہ پیدا کردے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت اور ڈھانپ دیگا

سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾ وَ

تم سے تمہارے گناہ اور بخش دیگا تمہیں ۵۵؎ اور اللہ بڑے فضل (و کرم) والا ہے ۵۶؎ اور

یعنی فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی اور امانتوں میں خیانت کوئی معمولی بات نہیں جسے نظرانداز کردیا جائے۔ بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت ہے۔ خیانت کا یہ جرم بھی ازحد سنگین ہے۔ اس پر مرتب ہونے والے نتائج بھی ملک اور قوم کے لیے تباہ کن ہیں اس لیے اس پر جو سزا ملے گی اس کی شدت اور سختی کا تم خود اندازہ کرلو۔

۵۴؎ مال اور اولاد سے بڑھ کر سخت آزمائش اور کونسی ہے۔ محبت مال و اولاد انسان کو بزدل بھی بنادیتی ہے اور بخیل بھی۔ حضور کے پاس ایک بچہ لایا گیا حضور نے اسے بوسہ دیا اور فرمایا اما انهم مبخلة مجبنة وانهم من ريحان الله (البغوی)۔ یہ اولاد انسان کو بخیل بھی بنادیتی ہے اور بزدل بھی۔ اور یہ اللہ کے پھول ہیں۔ اب جو اس طبعی محبت کے باوجود احکام الٰہی کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کرتا یقیناً وہ کامیاب ترین انسان ہے۔ ایک دوسرے لحاظ سے بھی اولاد بڑی آزمائش ہے۔ بچوں کی صحیح تربیت۔ ان کو صحیح مسلمان اور کامل انسان بنانا ان کی لوح دل پر اقدارِ عالیہ کے نقوش ثبت کرنا والدین کے لیے ایک کٹھن آزمائش ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا صحیح شکر ہے۔ جو کم نظر اپنی اولاد کے لیے دولت ہی اکٹھی کرتے رہتے ہیں اور انہیں اسی عشقی دیوی کی پرستش کا ڈھنگ سکھا کر ہی اپنے حقوق پدری کی تکمیل جانتے ہیں۔ انہوں نے اس نعمت عظمیٰ پر اپنے منعم حقیقی کا ہرگز شکرادا نہیں کیا۔ اور نہ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہوئے۔

۵۵؎ اللہ تعالیٰ اپنے پرہیزگار بندوں کو جن انعامات سے سرفراز فرماتا ہے اس آیت میں ان کا بیان ہے۔

۱۔ نعمتِ فرقان ـــــ ۲۔ ستر عیوب ـــــ ۳۔ آمرزش گناہ۔

فرقان مصدر ہے اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی قوت کو فرقان کہتے ہیں۔ ای بصيرة في قلوبكم تفرقون بين الحق والباطل

إِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ

یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپکے بارے میں وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا تھا ۳۷ تاکہ آپ کو قید کریں یا آپکو شہید کر دیں یا

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ

آپکو جلا وطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنیوالا ہے اور جب پڑھی جاتی ہیں

(مظہری) عارفین کاملین کا ارشاد ہے کہ ذکر الٰہی سے ایک نور پیدا ہوتا ہے جس سے حقائق اشیاء منکشف ہو جاتی ہیں۔ اور غلط و صحیح میں بین فرق محسوس ہونے لگتا ہے۔ وہٰذا فی اصطلاح الصوفیۃ بالکشف (مظہری) صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اسے کشف کہتے ہیں۔ اور حضور علیہ افضل الصلوات واجمل التسلیمات کے اس ارشاد گرامی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ مومن کی فراست سے ڈرا کرو وہ تو اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

پرہیزگاروں پر دوسرا انعام یہ کیا جائے گا کہ ان کے گناہوں کو چھپا دیا جائے گا تاکہ کسی کی نگاہ ان پر نہ پڑ سکے۔ علامہ ابن منظور تکفیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں (واصل الکفر تغطیۃ الشیء تغطیۃ تستھلکہ) یعنی کفر کا اصل مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ دینا کہ اس کا نام و نشان بھی محو ہو جائے۔

علامہ موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں (التکفیر فی المعاصی کالاحباط فی الثواب) اگر ثواب ملیامیٹ ہو جائے تو اس کے لیے احباط کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اگر گناہوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے تو وہاں تکفیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (لسان العرب)۔ اللہ تعالیٰ کا پرہیزگاروں پر یہ کتنا کرم ہے کہ عالم غفلت میں ان سے جو گناہ سرزد ہوئے ان کو وہ اپنے کرم کی چادر سے ڈھانپ دے اور کسی کو ان گناہوں کی اطلاع تک نہ ہو۔ ان نیک بختوں پر جو تیسرا احسان فرمایا جائے گا وہ یہ ہے کہ اگر بشری تقاضوں کے باعث ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے، کسی جرم کا وہ ارتکاب کر بیٹھیں تو اس پر قلم عفو پھیر دیا جائے گا اور اسے بخش دیا جائے گا۔

بیشک تقویٰ کے تقاضے بڑے گراں ہیں لیکن ان پر جن انعامات کی بارش کی جاتی ہے۔ ان کے باعث ان کی تلخی ان کی گرانی کا تصور تک محو ہو جاتا ہے۔

۳۶ یعنی اپنے پرہیزگار بندوں پر اس کی بخششیں بے اندازہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ کسی کا اس پر کوئی حق نہیں جس کا ادا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہو۔ راہ تقویٰ پر گامزن ہونا بھی تو محض اس کی توفیق و دستگیری کا ہی مرہون منت ہے۔

۳۷ اہل یثرب میں اسلام کی روشنی پھیلنے سے کفار مکہ کو یہ فکر دامنگیر ہو گئی تھی کہ کہیں حضور بھی ہجرت کر کے انھیں کے پاس نہ چلے جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر اسلام کے خطرہ کا سدباب ان کے اختیار سے باہر ہو جائے گا۔ چنانچہ کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پہلے انھوں نے اپنی قومی پارلیمنٹ (دار الندوہ) میں قوم کے مفکرین اور دانشوروں کا اجلاس طلب کیا۔

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ

ان کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتے ہیں (اجی) سن لیا ہم نے اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں۔ نہیں ہیں

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ

یہ مگر کہانیاں اگلے لوگوں کی۔ اور جب انھوں نے کہا اے اللہ! اگر ہو

بعض کی رائے یہ تھی کہ آپ کو ایک تنگ و تاریک حجرے میں ہمیشہ کے لیے قید کر دیا جائے بعض نے کہا کہ آپ کو یہاں سے جلا وطن کر دیا جائے لیکن آخری فیصلہ ابوجہل کی رائے کے مطابق ہوا کہ مکہ میں جتنے قبائل آباد ہیں ان میں سے ایک ایک جوان منتخب کیا جائے۔ سارے قبائل سے چنا ہوا بہادروں کا یہ دستہ رات کے وقت آپ کے گھر کا محاصرہ کرلے۔ سحری کے وقت جب حضورؐ باہر نکلیں تو یکبارگی آپ پر تلواروں کا مینہ برسا کر آپ کا چراغ حیات گل کر دیا جائے۔ اس کی حکمت یہ بیان کی گئی کہ اس طرح مکہ کے سارے قبائل اس قتل میں شریک ہوں گے اور بنی ہاشم کس کس سے انتقام لے سکیں گے۔ آخر کار وہ دیت لینے پر رضامند ہو جائیں گے اور ہم سب مل کر آسانی کے ساتھ دیت ادا کر دیں گے۔ سب نے اسے پسند کیا خصوصاً ابلیس جو شیخ نجدی بن کر شریک اجلاس ہوا تھا وہ تو خوشی سے لوٹ پوٹ ہو گیا اور کہنے لگا ھٰذا الرَّأْيُ لا رَأْيَ غَيْرُہ۔ ادھر لات و ہبل کے پرستار محبوب خدا کو قتل کرنے کی سازشیں کر رہے تھے اور ادھر ربّ محمدؐ اپنے محبوب کا بال بھی بیکا نہ ہونے کا ارادہ فرما رہا تھا۔ جبرئیل امین حاضر ہوئے اور اللہ کا حکم پہنچایا کہ آج کی رات ہجرت کی رات ہے۔ حضورؐ نے امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں۔ سورۃ یٰسین کی تلاوت فرماتے ہوئے اپنے کاشانۂ اقدس سے قدم مبارک باہر رکھا وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ الخ کی آیت تک پڑھ کر ان شمشیر بکف تمام سورماؤں پر پھونکا جو محاصرہ کیے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کی بینائی سلب ہو گئی۔ نیند سے اونگھنے لگے اور اللہ کا حبیب اپنے اللہ کی حفاظت میں بخیر و عافیت وہاں سے نکل کر اپنے یار وفاشعار حضرت ابوبکرؓ کے گھر آیا اور ان کو ہمراہ لے کر غار ثور کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضرت امام حسن عسکریؓ نے اپنی تفسیر میں تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا کہ وہ اس پرخطر سفر میں حضرت صدیقؓ کو ہمراہ لے جائیں و امرك ان تستصحب ابابكر آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ابوبکرؓ کو ساتھ لے جائیں۔ یہ روایت بالتفصیل سورۂ توبہ کی آیت ۴۰ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

آیت میں لِيُثْبِتُوْكَ کا کلمہ ہے۔ اس کا معنی ہے لِيَحْبِسُوْكَ۔ يسجنوك۔ تاکہ آپ کو محبوس کر دیں۔ قید کر دیں۔ (قرطبی)۔

۵۸ نضر بن حارث مکہ کا ایک متمول تاجر تجارت کی غرض سے حیرہ گیا۔ وہاں سے کہانیوں کی مشہور کتاب کلیلہ دمنہ اور قیصر و کسریٰ کے قصوں کی دوسری کتابیں خرید لایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلی امتوں کے عبرت آموز حالات بیان کرتے تو وہ بڑے غرور سے کہتا کہ ایسی باتیں اور حکایتیں تو میں بھی سنا سکتا ہوں (قرطبی)۔ وہ انتہائی ڈھٹائی سے دعویٰ تو کرتے

هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ

یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے ۵۹

أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ

اور لے آ ہم پر دردناک عذاب ۔ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انھیں حالانکہ آپ

فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ

تشریف فرما ہیں ان میں۔ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا انھیں ۶۰ حالانکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں اور کیا ہے

أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

آپکی ہجرت کے بعد اب کیا وجہ ہے ان کے لیے کہ نہ عذاب دے انھیں اللہ ۶۱ حالانکہ وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) ۶۲ مسجد حرام سے

کہ اگر ہم چاہیں تو ایسی کتاب بنا سکتے ہیں لیکن بار بار کے اصرار کے باوجود وہ اس جیسی ایک سورۃ تو کیا ایک آیت بھی پیش نہ کر سکے۔

۵۹ یہ دُعا مانگنے والا کون تھا؟ نضر بن حارث اور ابوجہل کے نام روایات میں آتے ہیں ممکن ہے دونوں ہوں۔ اور ممکن ہے کہ سب کفار ہوں لیکن ایک کی زبان نے ان کے دلی ارادے کی ترجمانی کی ہو۔

۶۰ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار سالہا سال تک اسلام کو مٹانے اور پیغمبرِ اسلام کو اذیت پہنچانے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر رہے تھے۔ اب تو انھوں نے چیلنج بھی دے دیا تھا کہ اے خدا! اگر یہ دین اور رسول حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا کر ہمیں ہلاک کر دے۔ اتنی باتوں کے باوجود غضب الٰہی کو کیوں حرکت نہ ہوئی۔ اور ان پر کیوں ایسا عذاب نہ اتارا گیا جو انھیں نیست و نابود کر کے رکھ دیتا تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت حاصل ہوتی۔ اس آیت میں اسی سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ درست ہے کہ ان کے اعمال، ان کے کرتوت اور ان کا دانستہ کفر پر اصرار اس امر کے مقتضی تھے کہ ان کی خواہش کے مطابق ان پر تباہ کن عذاب نازل کیا جاتا، لیکن اے میرے حبیب! جب تک تیرا وجود سراپا رحمت ان میں موجود ہے ان پر عذاب نہیں اترے گا۔ میں نے تیرے سر پر رحمۃ للعالمینی کا تاج رکھا ہوا ہے۔ تیرے سایۂ رحمت میں کفار اور عصیاں شعار سب کے لیے پناہ ہے لانک الرحمۃ للعٰلمین (روح المعانی)۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں تیرے ایسے غلام موجود ہیں جو ہر وقت میری بارگاہِ اقدس میں سرِ نیاز خم کر کے طلبِ مغفرت کر رہے ہیں کیا شان ہے اللہ کے محبوب کی اور کیا عزت ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے نیکوکار بندوں کی کہ ان کی برکت سے کافر اور نافرمان بھی عذاب سے بچے ہوتے ہیں۔ مجاہد کی رائے ہے کہ وھم یستغفرون سے مراد وہ سعید روحیں ہیں جو ان کفار کی پشتوں میں تھیں اور ابھی تک عالم اجسام میں ظہور پذیر نہیں ہوئی تھیں

وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

اور نہیں ہیں وہ اس کے متولی۔ اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں، لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ

نہیں جانتی۔ اور نہیں تھی ان کی نماز ۳۳ خانہ کعبہ کے پاس بجز سیٹی اور تالی

تَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ

بجانے کے۔ سو چکھو اب عذاب بوجہ اس کے کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔ بے شک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے ۳۴

۳۱ جب حضور اور حضور کے نام لیوا ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اب وہ رہ گئے اور ان کے کرتوت اتو ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا جس نے ان کی نخوت وغرور کو پامال کرکے رکھ دیا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ پہلی آیت میں جس عذاب کی نفی کی گئی ہے وہ عذاب استیصال ہے جو ساری کی ساری قوم کو برباد کرکے رکھ دیتا ہے اور اس آیت میں اس عذاب کا اثبات ہے جو محض تنبیہ اور سرزنش کے لیے کسی کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اتارا جاتا ہے۔

۳۲ ان پر عذاب الٰہی کے اترنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول اور اس کے سچے پیروکاروں کو اللہ کے گھر میں اللہ کی عبادت کرنے سے روک رہے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ کعبہ کے وہ متولی ہیں اور انھیں حق پہنچتا ہے کہ بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی عبادت کی تو ہر ایک کو اجازت ہو لیکن مولائے برحق کے سچے پرستاروں کو اسکی عبادت کرنے کی اجازت نہ دیں حالانکہ اس خانہ خدا کے متولی تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو متقی اور پرہیزگار ہوں۔ اور ان لوگوں کا اس گھر کی تولیت سے کوئی واسطہ نہیں جن کی پیشانیاں باطل معبودوں کے سامنے سجدہ ریزی سے داغدار ہو چکی ہیں۔

۳۳ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کفار طواف کعبہ بالکل ننگے ہو کر کیا کرتے۔ سیٹیاں اور تالیاں بجانا ان کی نماز تھی۔ جس میں بے معنی شور وشغب اور لایعنی لہو ولعب کے سوا کچھ نہ تھا۔ نہ تو ان میں ذکر الٰہی تھا اور نہ ان کو عجز ونیاز جو روح عبادت ہے سے کوئی واسطہ تھا۔ كانت قريش تطوف بالبيت عراة يصفقون ويصفرون فكان ذلك عبادة في ظنهم (قرطبی) والمكاء ضرب الايدى ہاتھ پر ہاتھ مارنا والتصدية الصياح شور وغل، سیٹی بجانا۔ منجد میں ہے مکا یمکو مکاء صفر بفيه وصدی بيديه: صفق: تالی بجانا۔

۳۴ عبادت تین قسم کی ہوتی ہے۔ قولی، فعلی اور مالی۔ ان کی قولی وفعلی عبادت کی جو کیفیت تھی وہ تو پہلے مذکور

فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۥ

اور یہ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کرینگے پھر ہو جائے گا یہ خرچ کرنا ان کے لیے باعث حسرت و افسوس پھر وہ مغلوب کر دیئے جائینگے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ

اور جنھوں نے کفر اختیار کیا وہ دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ تاکہ الگ کر دے اللہ تعالیٰ ناپاک کو

مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ

پاک سے اور رکھ دے سب ناپاکوں کو ایک دوسرے کے اوپر۔ پھر اکٹھا کر دے ان سب

جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ

کو۔ پھر ڈال دے اس مجموعہ کو جہنم میں۔ یہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔ فرما دیجیے

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ

کافروں کو کہ اگر وہ (اب بھی) باز آجائیں تو بخش دیا جائے گا انھیں جو ہو چکا۔

ع ۱۸

ہوتی۔ اب ان کی عبادت مالی کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ مال خرچ کرتے تو ہیں لیکن اللہ کا نام بلند کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس کی یاد اور ذکر سے لوگوں کو روکنے کے لیے۔ اور انھوں نے دیکھ لیا کہ اس کا انجام بجز حسرت و ندامت کے کچھ نہ ہوا۔ آئندہ بھی اگر انھوں نے ایسا کیا تو اس کا انجام بھی ایسا ہی حسرتناک ہوگا۔

لِيَمِيْزَ کا تعلق يُحْشَرُوْنَ کے ساتھ ہے۔ یعنی قیامت کے روز ناپاک اور پاک بالکل الگ الگ ہو جائیں گے۔ کافر اور مومن کے درمیان خلط ملط باقی نہیں رہیگا۔ سب کفار کو ایک جگہ جمع کر کے انھیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اس وقت انھیں پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانے کے لیے انھوں نے اپنی مال و دولت کے جو انبار لٹاتے تھے وہ سب رائیگاں گئے۔ انھوں نے جو کاوشیں اور قربانیاں باطل کو کامیاب کرنے کے لیے دی تھیں ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دنیا میں بھی قدم قدم پر انہیں ہزیمت اٹھانی پڑی اور قیامت کے روز بھی انھیں آتش جہنم کا ایندھن بننا پڑا۔ ان سے بڑھ کر خائب و خاسر اور کون ہو سکتا ہے۔ يَرْكُمَهٗ کی تشریح ان الفاظ کی گئی ہے: جَمَعَهٗ وَ جَعَلَ بَعْضَهٗ فَوْقَ بَعْضٍ حَتّٰى يَصِيْرَ كَامًا مَرْكُوْمًا كَرُكَامِ السَّحَابِ (المنجد) یعنی ایک دوسرے پر ڈالتے جانا یہاں تک کہ ایک ڈھیر کی شکل پیدا ہو جائے جس طرح ریت کا ڈھیر ہوا کرتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفار کے نیم جان لاشے ایک دوسرے پر ڈھیر کر دیے جائیں گے اور پھر

وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَ قَاتِلُوْهُمْ

اور اگر وہ پہلے کرتوت دُہرائیں تو گزر چکا ہے ۳۶ طریقہ پہلے نافرمانوں کے ساتھ اور اے مسلمانو! لڑتے رہو ان سے

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ

یہاں تک کہ باقی نہ رہے کوئی فساد اور ہو جائے دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ۳۸ ۔ تو پھر اگر وہ باز آ

انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَ اِنْ تَوَلَّوْا

جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے خوب دیکھنے والا ہے ۔ اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو

فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمھارا کارساز ہے ۔ وہ کیا ہی بہترین کارساز ہے اور کتنا بہترین مددگار ہے ۔

انھیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ لیمیز کا تعلق یغلبون کے ساتھ ہے۔

۳۶ یعنی پہلی اُمتوں کے حالات یہ بار بار سن چکے ہیں۔ انھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جب ان اُمتوں نے اپنے نبیوں کی نافرمانی کی تو عذاب الٰہی آیا جس نے ان کو نیست و نابود کر دیا۔ ان لوگوں کی روش بھی اگر ایسی رہی تو ان پر بھی مکافاتِ عمل کے قانون کی وہی دفعہ لاگو ہوگی جس کو یہ خود اچھی طرح جانتے ہیں۔

۳۷ فتنہ کا معنی فساد کیا گیا ہے۔ ای فساد فی الارض (مظہری)

۳۸ صاحب قاموس نے لفظ دین کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: الدین القهر و الغلبة و الاستعلاء و السلطان (قاموس) یعنی دین کا معنی غلبہ، بالادستی اور قوت و اقتدار ہے۔ صاحب تفسیر مظہری نے یہاں دین کے انھی معانی کو ترجیح دی ہے یعنی تم جنگ جاری رکھو تاکہ حکومت و فرمانروائی اللہ تعالیٰ کی ہو جائے۔ عدل و انصاف اور حریت و مساوات کا دور دورہ ہو۔ اور کسی پر بے جا تشدد اور زیادتی کر کے اس کو اس کے عقائد سے روکا نہ جا سکے۔

لیس الدین ملة الاسلام وما یتعبد به و الا یلزم التعارض بین هذه الآیة و بین قوله تعالیٰ حتی یعطوا الجزیة عن ید وهم صاغرون بل المراد منه القهر و الغلبة و الاستعلاء و السلطان و الملك و الحكم (مظہری)

ترجمہ: اس آیت میں الدین سے ملت اسلامیہ یا اس کا نظام عبادت مراد نہیں ورنہ اس آیت میں اور دوسری آیت حتی یعطوا الجزیة الآیہ میں تعارض لازم آئے گا کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جب تک وہ دین اسلام کو قبول نہ کر لیں

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جان لو کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو ۴۹ تو اللہ کے لیے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے لیے اور

وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ

رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے ۵۰ اگر

اس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھو اور دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ سرِ تسلیم خم کر دیں اور جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو جنگ بند کر دو۔ اس لیے یہاں "الدین" کا مفہوم غلبہ، بالادستی، قوت اور اقتدار ہے۔ یعنی جب ملتِ اسلامیہ کو غلبہ اور اقتدار حاصل ہو جائے گا تو پھر اس کے ظلِ ہمایوں کے نیچے اپنوں اور بیگانوں سب کو پناہ مل جائے گی۔ کسی پر جبر و استبداد نہ ہوگا۔ اسلام کو قبول کرنے والے اور اس کو قبول نہ کرنے والے سب عزت اور آزادی کی زندگی بسر کر سکیں گے۔

۴۹ وہ مال جسے کوئی فرد یا جماعت کوشش اور سعی سے حاصل کرے اسے لغت میں غنیمت کہتے ہیں۔ الغنیمۃ فی اللغۃ ما ینالہ الرجل او الجماعۃ بسعی (قرطبی)۔ لیکن عرفِ شرع میں صرف اس مال کو غنیمت کہتے ہیں جو کفار سے قوت و غلبہ اور لشکر کشی سے حاصل کیا جائے۔ مال الکفار اذ ظفر بہ المسلمون علی وجہ الغلبۃ والقہر (قرطبی)۔ لیکن کفار کا وہ مال جو بغیر لڑے ہاتھ آ جائے اسے اصطلاحِ شریعت میں فَیْ کہتے ہیں۔ والفیئ ھو کل مال دخل علی المسلمین من غیر حرب ولا ایجاف (قرطبی)۔ غنیمت کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب اس کے متعلق جو ارشادِ ربانی ہے اسے سمجھیے۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ الگ کر لیا جائے گا اور بقیہ چار حصے غازیوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے سنتِ نبوی نے ہمیں بتایا کہ پیادہ مجاہد کو ایک حصہ ملے گا اور سوار کو تین حصے ملیں گے۔ حضرات فاروقؓ، شیرِ خداؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ اور فقہاء میں سے امام مالکؒ، شافعیؒ، احمد ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے۔ حضرت امام صاحبؒ کا مسلک ہے کہ پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو دو۔ (مظہری)

۵۰ باقی رہا مال کا پانچواں حصہ خمس تو اس کے مصارف اس آیت میں وضاحت سے بیان فرما دیے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام محض تبرک کے لیے لیا گیا ہے۔ یہ کوئی مستقل مصرف نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا ایک حصہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ الگ مصرف ہے اور اس حصہ کا مال کعبہ شریف پر خرچ کیا جائے گا۔ ۲۔ دوسرا حصہ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے۔ حضور اسے اپنی ضروریات اور اہل و عیال پر خرچ کر سکتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد یہ مصرف ختم ہو گیا۔ ۳۔ ذی القربیٰ سے مراد حضور کریم کے قریبی رشتہ دار ہیں اور وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے افراد۔ اور بعض کے نزدیک صرف بنی ہاشم ہیں۔ کیونکہ ان پر صدقات حرام ہیں اس لیے ان کی کفالت کا انتظام اس مد سے کر دیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تصریح کی ہے کہ حضورؐ کے رشتہ داروں کا حصہ قیامت تک بحال

كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ

تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے (محبوب) بندہ پر اللہ فیصلہ کے دن

رہے گا۔ وسهم ذوي القربى في بني هاشم وبني المطلب الفقير منهم والغني والذكر والانثى وعندي انه يخير الامام في تعيين المقادير وكان عمر رضي الله عنه يزيد في فرض آل النبي صلى الله عليه وسلم ويعين المدين منهم والناكح وذا الحاجة۔ (حجة الله البالغة): رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو ملے گا۔ ان کے امیر اور فقیر، مرد اور عورت سب حقدار ہیں۔ اور امام وقت حسب ضرورت حصہ میں کمی بیشی بھی کر سکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم اہل بیت کرام کو دوسروں سے زیادہ حصہ دیتے اور ان میں سے اگر کوئی زیادہ ضرورتمند ہوتا مثلاً مقروض، شادی کرنے والا، تنگدست تو اس کی زیادہ امداد فرماتے۔ اسی طرح صاحب تفسیر مظہری نے بڑے شرح وبسط سے اس موضوع پر بحث کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وبهذا ثبت ان سهم ذوي القربى لم يسقط ويعرف دفعه اليهم غنيهم وفقيرهم (مظہری)۔ اس بحث سے ثابت ہو گیا کہ حضورؐ کے رشتہ داروں کا حصہ ساقط نہیں ہوا۔ ان کے اغنیاء اور فقراء سب کو ملے گا۔ علامہ ابن حیان اندلسی لکھتے ہیں۔ والظاهر بقاء هذا السهم لذوي القربى وانه لغنيهم وفقيرهم (بحر) ظاہر یہ ہے کہ یہ حصہ بدستور باقی ہے اور غنی اور فقیر دونوں کو دیا جائے گا۔ ۴۔ یتامیٰ۔ ۵۔ مساکین۔ ۶۔ مسافر۔ مال غنیمت کے خمس کے یہ مصرف ہیں۔

اللہ یعنی مال غنیمت کے متعلق یہ احکام جو تمھیں دیئے جا رہے ہیں اگر تمھارے دلوں میں نورِ ایمان ہے تو ان پر عمل کرنا ہو گا۔ اور اس سلسلہ میں اپنی من مانی کرنے والے یہ سمجھ لیں کہ ان کو ایمان کامل کی لذت سے ابھی آشنا نہیں کیا گیا۔ اور فیضانِ نبوت سے فیضیاب ہونے والوں کے متعلق دنیا کو اچھی طرح علم ہے کہ انھوں نے تعمیلِ حکم کا حق ادا کر دیا۔ انھیں ان کے معلم و مرشد نے یہ حکم دیا کہ فادوا الخيط والمخيط واكبر من ذالك واصغر ولا تغلوا فان الغلول عار ونار (حدیث) کہ جو چیز غنیمت میں ملے اسے امام وقت کی خدمت میں پیش کر دو۔ خواہ وہ سوئی تاگہ ہو یا اس سے بڑی یا چھوٹی چیز۔ اور غنیمت میں خیانت نہ کرو کیونکہ یہ دنیا میں باعثِ رسوائی ہے اور عقبیٰ میں موجب عذاب۔ جب ان صحرا نشینوں کے لیے کسریٰ کے قصر ابیض نے اپنے دروازے کھول دیئے اور اپنے قیمتی نوادرات اور تاریخی عجائبات کو ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ مؤرخ کی نگاہ ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ ہر چیز دل لبھانے والی، آنکھوں کو خیرہ کرنے والی، بڑی بڑی خشک طبیعتوں کو للچا دینے والی۔ لیکن کیا مجال کہ غلامانِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کے دلوں میں خیانت کا خیال تک آیا ہو۔ ہر ایک چیز احتیاط سے اٹھائی گئی۔ وہاں سے بارگاہِ خلافت میں لائی گئی اور اس بے شمار قیمتی سامان میں ایک پائی کی بد دیانتی بھی تو نہ ہوئی۔ یہ قرآن کی تعلیم کا اثر تھا۔ یہ تربیتِ مصطفوی کی برکت تھی۔ یہی وہ اخلاق کی بلندی اور سیرت کی پختگی اور دیانت و ذمہ داری کا قوی احساس تھا جس نے عرب کے ان پڑھ بدوؤں کو دنیا کا امام بنا دیا۔ کاش! فرزندِ خلیل اور دخترِ بتول اپنے مقام بلند سے آگاہ ہو جائیں۔ کاش! یہ وارفتۂ حسنِ فرنگ اپنی دلآویزیوں اور رعنائیوں کا مشاہدہ کرنے لگے ؎

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ

جس روز آمنے سامنے ہوئے تھے دونوں لشکر ۵۲ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جب تم

بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ

وادی کے نزدیک والے کنارے پر تھے اور وہ (لشکر کفار) دور والے کنارہ پر تھا۔ اور (تجارتی) قافلہ نیچے کی طرف تھا

مِنْكُمْ ؕ وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَ لٰكِنْ لِّیَقْضِیَ

تم سے ۵۳ اور اگر تم (لڑائی کے لیے) وقت مقرر کرتے تو پیچھے رہ جاتے وقت مقررہ سے لیکن (یہ بلا ارادہ جنگ اس لیے ہوئی) تاکہ

اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ

کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا تاکہ ہلاک ہو جسے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ

یَحْیٰى مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ

رہے جسے زندہ رہنا ہے دلیل سے ۵۴ اور بیشک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔ یاد کرو

اے تماشاگاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا مے روی

۵۲ فرقان کہتے ہیں حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا۔ یوم فرقان سے مراد بدر کا دن ہے جس روز شکوک و شبہات کے سب بادل چھٹ گئے تھے اور حق اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو گیا تھا۔

۵۳ وہ احسان یاد دلایا جا رہا ہے جو بدر کی جنگ کے دوران میں مسلمانوں پر کیا گیا تھا۔ اس آیت کے چند کلمات تحقیق طلب ہیں۔ عُدوۃ: جانب الوادی۔ وادی کی ایک طرف کو عدوہ کہتے ہیں۔ بکسر عین (عِدوۃ) بھی پڑھا گیا ہے۔ پہلی صورت میں اس کی جمع عُدیٰ اور دوسری صورت میں عِدیٰ ہوگی۔ الدُّنیا ادنیٰ کی مؤنث ہے جو دنیٰ یدنو (قریب ہونا) سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد وادی بدر کی وہ سمت ہے جو مدینہ طیبہ سے قریب تر تھی۔ قُصْوٰی اقصیٰ کی مؤنث ہے۔ قصا یقصُو (دور ہونا) سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد وادی بدر کی دوسری سمت ہے۔ رکب: اونٹوں کا قافلہ۔ اس سے مراد اہل مکہ کا تجارتی کارواں ہے جو شام سے مکہ واپس آ رہا تھا۔

۵۴ جیسے پہلے بیان ہو چکا کہ مسلمان کفار سے جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم تیاری کر کے نکلتے تو ان کی کثرت اور اپنی قلت کو ملاحظہ کر کے ہمت ہار بیٹھتے۔ اور میدان جنگ سے کترا کر نکل جاتے۔ لیکن چونکہ مشیت

يُرِيكَهُمُ اللّٰهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ

جب دکھایا اللہ نے آپ کو لشکرِ کفار ۵۵ خواب میں قلیل اور اگر دکھایا ہوتا آپکو لشکرِ کفار کثیر تعداد میں تو ضرور تم

لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ

لوگ ہمت ہار دیتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس معاملہ میں لیکن اللہ نے (تمھیں) بچا لیا بیشک وہ خوب جاننے والا ہے

الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا

جو کچھ سینوں میں ہے اور یاد کرو جب اللہ نے دکھایا تمھیں لشکرِ کفار جب تمھارا مقابلہ ہوا تمھاری نگاہوں میں قلیل

وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَ

اور قلیل کر دیا تمھیں ان کی نظروں میں تاکہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا ۵۶ اور اللہ تعالیٰ

إِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً

کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سارے معاملات۔ اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو

ربانی یہ تھی کہ حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو اس لیے حالات ایسے پیدا کر دیے گئے کہ جنگ کے بغیر کوئی چارۂ کار ہی نہ رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری ہو کر رہی۔ اس جنگ میں کفار کی رسوا کن شکست سے حقیقت اتنی واضح اور روشن ہو گئی کہ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اب اگر کوئی اسلام قبول کر کے حیاتِ جاودانی قبول کرتا ہے تو دلیل سے اور اگر کوئی کفر سے چمٹا رہتا ہے تو جان بوجھ کر اپنی مرضی سے۔ کیا عجیب اور حسین تعبیر ہے۔

۵۵ یہاں یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ نبی کا خواب حق ہوا کرتا ہے کیونکہ یہ وحی کی ہی ایک قسم ہے پھر اس کے برعکس واقع ہونے کا تو احتمال ہی نہیں۔ اگر خواب میں قلیل دیکھا تھا اور واقع میں ان کا کثیر ہونا خواب کی تکذیب نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ خواب میں قلیل دکھانے کا مطلب یہ تھا کہ ان کی تعداد خواہ کچھ ہو لیکن وہ قلیل تعداد کی طرح ضعیف و کمزور ہوں گے۔ اور خواب کا یہی مطلب صحابہ کرام نے سمجھا تھا۔

۵۶ حکمتِ خداوندی کی کرشمہ سازی یہ تھی کہ مسلمانوں کو کافر تھوڑے نظر آ رہے تھے جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ثابت قدم رہیں اور گھبرائیں نہیں اور کافروں کو مسلمان قلیل التعداد دکھائی دے رہے تھے تاکہ وہ خوفزدہ ہو کر لڑے بغیر بھاگ کھڑے نہ ہوں اور جائیں بچا کر نکل نہ جائیں۔ اس طرح دونوں فریق اپنی کامیابی کا یقین کرتے ہوئے میدانِ جنگ

فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ٥٦ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ

وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا

کی اور اس کے رسول کی ٥٧ اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا اور (ہر

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ

مصیبت میں) صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ٥٩ اور (دیکھو!) نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جو نکلے تھے

دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور (محض) لوگوں کے دکھلاوے کے لیے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے ٦٠ اور

میں کود پڑے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ان نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں ان کے ستر گبر موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اور کفر کا زور توڑ کر رکھ دیا گیا۔

٥٦ گھبراتے ہوئے دلوں کو تسکین دینے والا اور اکھڑے ہوئے قدموں کو جمانے والا اللہ تعالیٰ کا ذکر پاک ہی تو ہے۔ اہل فکر و نظر سے مخفی نہیں کہ فتح و کامیابی کے حقیقی اسباب یہی ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ کامیابی کا سہرا اسی کے سر باندھا گیا جو ناموافق حالات میں ثابت قدم رہا۔ اور اس کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں دعا و فریاد تو سونے پر سہاگہ ہے۔

٥٧ قرآن حکیم تو واضح طور پر ارشاد فرما رہا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا رعب دشمن کے دل پر چھایا رہے۔ تمہاری ہوا بندھی رہے۔ اور تمہارے اتحاد و اتفاق کی بنیاد متزلزل نہ ہو تو اطاعت رسول کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو یہی ایک سپر ہے جس پر تم اہواء و اغراض کے تیروں کو سہار سکتے ہو۔ اور ہمارے عصر حاضر کے ماہرین قرآن ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ انتشار و افتراق کی یہ وبا جو اسلامی کیمپ میں قیامت ڈھا رہی ہے یہ سنت رسول سے سرتابی کا نتیجہ نہیں جس میں عملی طور پر امت کا اکثر حصہ مبتلا ہے بلکہ اتباع سنت کی شامت ہے۔ اب خدا کے یہ سادہ دل بندے کیا کریں۔ قرآن کی صاف اور کھلی ہوئی بات مانیں یا معارف قرآنی کے ان شارحین کی نکتہ آفرینیوں کو تسلیم کریں؟

٥٩ اس آیت میں جو ارشادات فرمائے گئے ہیں ان پر کاربند ہونا آسان کام نہیں۔ قدم قدم پر شیطان نے جال بچھا رکھے ہیں۔ صبر کے بغیر اس پر خار وادی کو طے کرنا ناممکن ہے اس لیے صبر و استقامت کی تلقین کی جا رہی ہے۔ آخر میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت فقط انہی کے شامل حال ہوتی ہے جو مشکلات اور مصائب کا بڑی مردانگی سے مقابلہ

وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے (اپنے علم اور قدرت سے) گھیرے ہوئے ہے اور یاد کرو جب آراستہ کر دیئے انکے لیے شیطان نے

اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ

ان کے اعمال اور (انہیں) کہا کہ کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں نگہبان ہوں

جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ

تمہارا ۱۶ تو جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگا ، اور بولا

کر رہے ہوتے ہیں۔

۱۶ جہاد میں ثابت قدم رہنے اور بارگاہِ الٰہی میں دامن دعا و دست التجا پھیلانے کا حکم دینے کے بعد اخلاصِ نیت کی تعلیم فرمائی جا رہی ہے۔ کیونکہ تمام اسلامی اعمال کی روح رواں حسن نیت ہے۔ کفار کا لشکر جب مکہ سے بدر کی طرف روانہ ہوا تو ان کے ہمراہ ایسی دوشیزائیں بھی تھیں جو گانے بجانے اور ناچنے میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ انکے علاوہ شراب ناب کے بھرے ہوئے مٹکے بھی ساتھ تھے۔ جگہ جگہ پر ان کی بزم عیش و طرب منعقد ہوتی جس میں بادۂ گلفام کے ساغر گردش میں آتے اور ناچ اور گانا ہوتا۔ ابوجہل کو جنگ کا ارادہ ترک کرنے کے لیے جب کہا گیا تو اس نے جواب دیا واللہ لا نرجع حتی نرد بدرا فنشرب فیہا الخمور و تعزف علینا القیان . . . . حتی تسمع العرب بمخرجنا فتہابنا آخر الابد (قرطبی) بخدا ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑے بغیر ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ یہاں تک کہ ہم میدانِ بدر میں پہنچیں۔ وہاں شراب کا دور چلے گا۔ رقص و سرود ہوگا۔ سارا عرب سُنے گا اور اُن کے دلوں پر ہمارا رُعب قیامت تک کے لیے جم جائے گا۔ آج بھی کفر کا لشکر جدھر رُخ کرتا ہے فسق و فجور کا ایک طوفانِ بدتمیزی اُمڈ کر آجاتا ہے۔ جو عصمت و ناموس، انسانی شرف، بلند اخلاقی قدروں کو تنکوں کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے جاہلیت قدیم و جدید کے مزاج کی یکسانی پر۔ دو ہزار سال پہلے اس کی جو خصوصیات تھیں، علم و ہنر کی بے اندازہ ترقی کے باوجود ان میں سرِمو فرق نہیں آیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جو امریکی افواج اپنے دوست ملک برطانیہ میں اقامت گزیں رہیں ان کی عیش کوشی کی وجہ سے خود امریکی اخباروں کے اندازہ کے مطابق ستر ہزار حرامی بچے پیدا ہوئے (بحوالہ العصری ۲۸) ۔ اب آپ خود اندازہ لگائیے کہ ایسی فوج ظفر موج اپنے سبز قدم جس سرزمین (خصوصاً دشمن ممالک) میں رکھے گی وہاں کیا حشر برپا ہوتا ہوگا۔

۱۶ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ شیطان کا یہ قول الفاظ کا جامہ پہنے ہوئے نہ تھا بلکہ وسوسہ اندازی کی صورت میں تھا۔ اس نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا تھا کہ ان کی کامیابی یقینی ہے ان کا یہ لشکر جرار مسلمانوں کے مٹھی بھر

إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّنكُمْ إِنِّيٓ أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّيٓ أَخَافُ ٱللَّهَ ۚ

میں بری الذمہ ہوں تم سے۔ میں دیکھ رہا ہوں وہ جو تم نہیں دیکھ رہے۔ میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے ٦٢

وَٱللَّهُ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ إِذْ يَقُولُ ٱلْمُنَٰفِقُونَ وَٱلَّذِينَ

اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ یاد کرو جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ جن کے

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ

دلوں میں (شک کا) روگ تھا کہ مغرور کر دیا ہے انہیں ان کے دین نے ٦٣ اور جو شخص بھروسہ کرتا ہے

غیر مسلح سپاہیوں کا چشم زدن میں صفایا کر کے رکھ دے گا۔ اسی خمار میں لشکر کفار قدم قدم پر سبوا نڈیلتا، ڈینگیں مارتا، شیخی بگھارتا بڑھتا چلا گیا اور جب حق کی تندر اور جیالی قوت سے مقابلہ ہوا تو سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ مقالۃ نفسانیۃ والمعنی انہ القی فی روعھم وخیل الیھم وانھم لا یغلبون ولا یطاقون لکثرۃ عددھم وقلۃ عدوھم (بیضاوی)

امام رازیؒ نے اس قول کو حضرت حسن بصری اور اصم کی طرف منسوب کیا ہے وھو قول الحسن والاصم (کبیر) علامہ ابو حیان الاندلسی نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ ممکن ہے کہ کسی مغرور کافر نے اپنے فوجیوں کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے یہ الفاظ کہے بھی ہوں لیکن چونکہ اس کا یہ قول محض شیطان کے اغواء سے ہی ہوا اس لیے بطور مجاز اسے شیطان کی طرف ہی منسوب کر دیا لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ جب یہ لشکر مکہ سے روانہ ہونے لگا تو انھیں یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں موقع پا کر بنی بکر اور کنانہ جن کا انھوں نے ایک آدمی قتل کیا ہوا تھا بدلہ نہ لے لیں تو شیطان سراقہ بن مالک کی شکل میں ان کے پاس آیا اور انھیں اپنی قوم (کنانہ) کی طرف سے تسلی دی اور یہ الفاظ بھی کہے۔

٦٢ شیطان نے پہلے تو انہیں خوب بھڑکایا اور بڑی یقین دہانی کرائی کہ آج تم پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا تمھارے لشکر جرار کے ساتھ ٹکر لینے کی کسی میں ہمت نہیں اور ساتھ ہی وعدہ کیا کہ میں تمھارا نگہبان ہوں۔ اگر تمہیں کسی کمک کی ضرورت پڑی تو میں مہیا کروں گا لیکن جب اسلام کے شیروں نے کفر کی لومڑیوں پر حملہ بولا اور ان کی ایک ہی گرج سے کفار کے کلیجے شق ہونے لگے اور ادھر آسمان سے ملائکہ کی فوج نازل ہونے لگی تو شیطان نے یہ منظر دیکھ کر راہ فرار اختیار کی اور بلند آواز سے پکارا کہ اے مشرکین مکہ! میں تم سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ اس آڑے وقت میں میں تمھاری کچھ امداد نہیں کر سکتا مجھے وہ چیزیں نظر آ رہی ہیں جن کو دیکھنے سے تمھاری آنکھیں قاصر ہیں۔ یہ کہہ کر شیطان ان کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر دم دبا کر بھاگ گیا۔

شیطان کا رویہ اپنے پرستاروں کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح کا رہا ہے پہلے وہ ان کو خوب اکساتا ہے۔ ان سے جھوٹے وعدے کرتا ہے۔ انہیں سنہری سپنے دکھاتا ہے اور جب وہ اس کے پھیلائے ہوئے دام میں پھنس جاتے ہیں اور اپنے

عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ

اللہ پر تو بیشک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے ۷۴ اور (اے مخاطب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے

كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا

ہیں کافروں کی فرشتے (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر اور (کہتے ہیں اب) چکھو آگ

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ

کا عذاب ۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے ۷۵ اور اللہ تعالیٰ ہرگز

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

ظلم کرنے والا نہیں ہے (اپنے) بندوں پر ۔ جیسے دستور تھا فرعونیوں کا ۷۶ اور جو (زبردست) لوگ ان سے پہلے

گناہوں کی دلدل میں دھنسنے لگتے ہیں تو انھیں بے یار و مددگار چھوڑ کر خود رفوچکر ہو جاتا ہے جو بدنصیب اس کے دام فریب میں پھنس جاتا ہے اس کا یہی حشر ہوا کرتا ہے نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

۷۳ وہ لوگ جن کے دلوں میں یقین کا نور نہیں تھا۔ جو زندگی اور موت، فتح و شکست، عزت و ذلت کے اسلامی معیار سے ابھی واقف نہ تھے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ یہ ۳۱۳ نہتے سپاہی اتنی بڑی فوج سے ٹکر لینے جا رہے ہیں تو انھوں نے کہا کہ ان کو تو ان کے دین نے پاگل بنا دیا ہے۔ اپنے نفع و نقصان کی بھی تمیز نہیں رہی۔ موت کے منہ میں چھلانگ لگانے جا رہے ہیں اور کس خوشی سے اور کس شوق سے۔ اہل محبت کو ایسے دانا ناصحین سے ہمیشہ واسطہ پڑتا رہتا ہے۔

یا لائمی کف الملام عن الذی   اضناہ طول سقامہ وشقائہ

یعنی اے مجھے ملامت کرنے والے! مجھ پر طعن و ملامت کے تیر نہ برسا۔ مجھے تو درد محبت اور دیرینہ علالت نے پہلے ہی نحیف و نزار کر دیا ہے۔

۷۴ قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان کی خود فراموشی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس قادر و توانا ذات پر تکیہ کر لیا ہے کہ جس پر جس نے تکیہ کیا وہ کامیاب و کامران ہو گیا۔

۷۵ اس سے بھی صاف معلوم ہوا کہ جزاء و سزا انسان کے اپنے عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کا نتیجہ ہے۔ کسی کو بلاوجہ کوئی سزا نہیں دی جاتی۔

۷۶ یعنی جس طرح قوم فرعون اور متعدد دوسری قوموں پر ان کی مسلسل نافرمانی اور پیہم ایذا رسانی کے باعث عذاب

كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ

تھے۔ انھوں نے کفر کیا آیاتِ الٰہی کے ساتھ تو پکڑ لیا انھیں اللہ نے انکے گناہوں کے باعث۔ بیشک اللہ قوت والا

شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً

سخت عذاب دینے والا ہے ف۶۷ یہ اس لیے کہ اللہ ف۶۸ نہیں بدلنے والا کسی نعمت کو جس کا انعام اس نے فرمایا

أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ

ہو کسی قوم پر یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہی اپنے آپ کو۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا

عَلِيمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا

جاننے والا ہے۔ (کفار مکہ کا طرزِ عمل بھی) فرعونیوں اور ان دوسرے سرکشوں کا سا ہے جو پہلے گزر چکے انھوں نے جھٹلایا

بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ ۚ

اپنے رب کی آیتوں کو ف۶۹ پس ہم نے ہلاک کر دیا انھیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور ہم نے غرق کر دیا فرعونیوں کو

آیا اسی طرح ان کا بھی انجام ہونے والا ہے۔

ف۶۷ پہلی آیت میں تو یہ بتایا کہ ظلم و ستم سے ذاتِ الٰہی پاک و بالاتر ہے۔ اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ بے بس اور کمزور بھی نہیں کہ کوئی اس کی نافرمانی کرتا رہے اس کے رسولوں کو ستاتا رہے تو وہ کچھ نہ کر سکے۔ بلکہ اگر اس کی رحمت کسی کو ڈھیل دیئے رکھے تو اس کی مہربانی اور اگر وہ ناراض ہو کر پکڑ لے تو پھر کوئی فرعون ہو یا نمرود، جمشید ہو یا فریدوں وہ چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اور جب وہ پکڑ کر جھنجھوڑتا ہے تو پھر بادشاہ تو کیا کہنا رستم و سہراب کا زہرہ آب ہو جاتا ہے۔

ف۶۸ یہ آیت کریمہ اتنی واضح اور روشن ہے کہ کسی مزید تشریح کی گنجائش نہیں۔ گزری ہوئی اور موجودہ قوموں کے عروج و زوال کے لیے یہی اٹل قانون ہے۔ جو چاہے اس کو گوشِ ہوش سے سُنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے۔

ف۶۹ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک عمدہ نکتہ پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں پہلی آیت میں ہے کفروا بآیٰت اللہ (اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کیا)۔ دوسری آیت میں ہے کذبوا بآیٰت ربھم (انھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا) پہلی آیت میں اشارہ ہے۔ دلائلِ توحید و الوہیت کے انکار کی طرف اور دوسری میں تربیت و پرورش کی آیات کی طرف اور دونوں کا طبعی نتیجہ الگ الگ بیان کر دیا۔

وَكُلٌّ كَانُوا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

اور وہ سب کے سب ظالم تھے۔ بلاشبہ بدترین جانور ۵۰ اللہ کے نزدیک وہ انسان ہیں جنھوں نے

كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ

کفر کیا پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے۔ وہ جن سے (کئی بار) آپ نے معاہدہ کیا۔ پھر وہ توڑتے رہے

عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ

اپنا عہد ہر بار اور وہ (عہد شکنی سے) ذرا نہیں پرہیز کرتے۔ پس اگر آپ پائیں ۵۱ انھیں

فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

(میدان) جنگ میں تو دانھیں عبرتناک سزا دے کر منتشر کر دو انھیں جو انکے پیچھے ہیں۔ شاید وہ سمجھ جائیں۔ اور

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى

اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح

۵۰ ان سے مراد بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی قبائل ہیں جن سے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے صلح کا معاہدہ فرمایا تو انھوں نے کفار کو اسلحہ دیا کہ عہد شکنی کی۔ پھر تائب ہوئے اور دوبارہ معاہدہ کیا لیکن جب غزوۂ خندق میں سارا عرب مدینہ پر حملہ آور ہوا تو کفار کا پلہ بھاری دیکھ کر پھر یہ یہودی ان کی طرف جھک گئے اور عین حالتِ جنگ میں مسلمانوں سے دغا کی۔ والمعنی بهم قريظة والنضير نقضوا العهد فاعانوا مشركي مكة بالسلاح ثم اعتذروا فقالوا انسينا فعاهدهم عليه السلام ثانية فنقضوا العهد يوم الخندق (قرطبی)۔

۵۱ لغت میں تشرید کا معنی ہے ہلاک اور پراگندہ کرنا۔ التشريد في اللغة التبديد والتفريق (قرطبی) لیکن اس کا عام استعمال اس مفہوم میں ہوتا ہے کہ کسی کو ایسی سزا دینا جسے دیکھ کر دوسرے لوگ ان کی راہ اختیار کرنے سے رک جائیں۔ الزجاج: افعل بهم فعلا من القتل تفرق به من خلفهم۔ امام لغت و نحو زجاج کہتے ہیں کہ ان بار بار عہد شکنی کرنے والوں کو وہ عبرتناک سزا دو جو دوسروں کو خوفزدہ کر دے تاکہ کوئی قبیلہ عہد شکنی کی جرأت نہ کر سکے۔ ترجمہ میں میں نے اسی مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ثقف کا معنی ہے پانا۔ يقال ثقفته اثقفه ثقفا اي وجدته (قرطبی)۔

سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآىِٕنِیْنَ ۝ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ

طور پر ۸۱ بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا خیانت کرنے والوں کو ۸۲ اور ہرگز نہ خیال کریں

كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ۝ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ

کافر کہ وہ بچ کر نکل گئے یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ اور تیار رکھو ان کے لیے ۸۳ جتنی استطاعت رکھتے

۸۱ یہاں سواء کا معنی ہے علیٰ طریق مستو قصد (بحر محیط)۔ یعنی اگر تمہارا کسی قوم سے معاہدہ ہو اور تمھیں ایسے آثار دکھائی دینے لگیں جن سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ عہد شکنی پر آمادہ ہیں اور دشمن سے ساز باز کر رہے ہیں تو اچانک ان پر حملہ نہ کرو بلکہ پہلے ان کو اطلاع دے دو کہ تمہاری شرارتوں اور تمہارے مشکوک رویّے کے پیش نظر ہم اس معاہدہ سے دست بردار ہیں تاکہ معاہدہ کے کالعدم ہونے کا تمھیں اور انھیں مساوی طور پر علم ہو۔ علامہ قرطبی نے وضاحت کی ہے کہ جب معاہد قوم سے ایسے آثار نمایاں ہوں جن سے ان کی غداری اور خیانت کا پتہ چلتا ہو تو پہلے ان کا معاہدہ ان کے منہ پر دے مارو تب ان کے خلاف کوئی کارروائی کرو۔ لیکن اگر کھلم کھلا انھوں نے عہد شکنی کر دی تو پھر کسی تکلف کی ضرورت نہیں تم مناسب قدم اٹھا سکتے ہو (قرطبی)

۸۲ خیانت کوئی بھی کرے اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے ہو تو اور بھی معیوب ہے کیونکہ وہ تو بلند اخلاقی قدروں کے محافظ اور نقیب بن کر آئے ہیں۔ تاریخ اسلامی کا یہ واقعہ کتنا رُوح پرور ہے جسے امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور رُومیوں کے درمیان ایک عارضی صلح کا معاہدہ ہُوا۔ جب اس معاہدہ کے اختتام کا وقت قریب آنے لگا تو امیر معاویہ اپنا لشکر لے کر رُوم کی سرحد کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ جس روز معاہدہ ختم ہو دشمن کو مزید مہلت دیئے بغیر اس پر حملہ کر دیا جائے۔ جب لشکر روانہ ہونے لگا تو صفوں کو چیرتا ہُوا ایک سوار آگے بڑھا وہ کہہ رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لا غدر (اللہ بڑا ہے اللہ بڑا ہے وعدہ پورا کیا جائے دھوکہ اور خیانت نہ کی جائے) لوگوں نے پہچانا تو وہ عمرو بن عبسہ تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے انھیں پاس بلا کر وجہ پوچھی تو بولے سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من کان بینه وبین قوم عهد فلا یشد عقدۃ ولا یحلها حتی ینقضی امدها او ینبذ الیهم علی سواء فرجع معاویه بالناس (قرطبی)۔ کہ میں نے اپنے مُرشد و ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سُنا ہے کہ جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو اس وقت تک نہ کوئی گرہ باندھے اور نہ کھولے جب تک وقتِ مقررہ نہ آ جائے یا ان سے معاہدہ فسوخ نہ کر دیا جائے۔ اپنے رسُولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی سُننے کے بعد امیر معاویہ نے سرِ اطاعت خم کر دیا اور اپنے لشکر سمیت اپنی فرودگاہ میں واپس چلے گئے۔ یہ نہیں کہا کہ بدلے ہوئے حالات میں ہم رسُول کی سُنت فرسودہ کو کہاں گلے لگائے پھریں۔ وقت کے تقاضے اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم اب اس فرمان پر عمل پیرا ہوں۔ جب تک مومن اپنے رسُولِ کریم کے فرمان کو واجب التسلیم یقین کرتا رہا اس کی جبین کے شکن دیکھ کر وقت کے تقاضے

مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

ہو قوت وطاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے ۹۵ تاکہ تم خوفزدہ کرو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن

وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا

کو اور دوسرے لوگوں کو ۹۶ ان کھلے دشمنوں کے علاوہ تم نہیں جانتے ہو انھیں (البتہ) اللہ جانتا ہے انھیں۔ اور جو چیز

اپنے آپ کو بدل دیا کرتے تھے۔ اور جب سے سنتِ نبوی سے رُوگردانی کا رُجحان ترقی کرنے لگا ہے وقت کے تقاضے نت نئے لباس میں، ان کا عشوہ وناز نت نئے انداز میں ہم سے ہماری اپنی ذات اور اس کی مخصوص روایات کی نفی کرا رہا ہے۔ جو قومیں اپنے تمدن وثقافت، اپنے عقائد ونظریات، اپنے اطوار وعادات سے بے تعلق ہو کر دوسری قوموں کی پیروی اور تقلید کرنے لگتی ہیں۔ وہ یاد رکھیں وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود رہی ہیں۔ حُسن وجمال اپنی ذات کی جلوہ نمائی میں ہے کسی کا بہروپ بدلنے میں نہیں۔ کوئی اچھا بہروپیا بہرحال بہروپیا ہی ہے۔

۹۵ ہر موقع پر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کی تعلیم دینے والا قرآن مسلمانوں کو ہر طرح کے سامان جنگ سے لیس ہونے کی تاکید کر رہا ہے تاکہ کوئی کوتاہ اندیش توکل کو بے عملی کا مترادف نہ سمجھ لے۔ اسباب بھی اسی نے بنائے ہیں۔ ان میں حیرت زا تاثیرات اسی کی حکمت نے رکھدی ہیں اور ان سے کام لینے کا اسی نے حکم فرمایا ہے۔ قوۃ سے یہاں کسی خاص ہتھیار کی تخصیص مقصود نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس سے جنگ میں طاقت حاصل ہو۔ کل ما یتقوی بہ فی الحروب (بیضاوی) امام ابوبکر جصاص اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں: عموم اللفظ شامل لجمیع ما یستعان بہ علی العدو ومن سائر انواع السلاح وآلات الحرب (احکام القرآن) یعنی لفظ کا عموم بتا رہا ہے کہ اس سے مُراد ہر وہ اسلحہ ہے (جدید ہو یا قدیم) جس سے جنگ میں قوت وطاقت میسر ہو سکے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لفظ قوت کی تفسیر ان الفاظ میں منقول ہے۔ الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی۔ خبردار! قوت رمی ہے (تین بار)۔ کلامِ رسالت کی گیرائی ملاحظہ ہو، سہم اور قوس (تیر وکمان) نہیں فرمایا بلکہ رمی کا عام لفظ استعمال فرمایا تاکہ دُور سے نشانہ پر پھینکے جانے والے تمام ہتھیار جو اس وقت موجود تھے اور جو قیامت تک ایجاد ہونے والے تھے سب کو شامل ہو۔

۹۶ رباط مصدر ہے اور اسم مفعول مربوط کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ گھوڑے جو جہاد کی نیت سے بندھے ہوئے ہوں تاکہ جب ضرورت پڑے ان پر سوار ہو کر غازی میدانِ جنگ کی راہ لیں۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عمدہ گھوڑوں سے بہت اُنس تھا حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز حضور کو دیکھا کہ گھوڑے کی پیشانی پر اپنی انگشت مبارک پھیر رہے ہیں اور زبانِ پاک سے فرما رہے ہیں۔ الخیل معقود فی نواصیہا الخیر الی یوم القیامۃ الاجر والغنیمۃ (رواہ مسلم) گھوڑوں کی پیشانیوں میں تاقیامت خیر وبرکت رکھدی گئی ہے اجر بھی اور غنیمت بھی۔

تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ

خرچ کرو گے راہِ خدا میں اس کا اجر پورا پورا دیا جائے گا تمہیں ۹۶ اور (کسی طرح) تم پر

لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى

ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر کفار مائل ہوں صلح کی طرف تو آپ بھی مائل ہو جائیے اس کی طرف ۹۷ اور بھروسہ کیجیے اللہ

اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ

تعالیٰ پر بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ ارادہ کریں کہ آپ کو دھوکہ دیں (تو آپ

فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾

فکر مند کیوں ہوں) بیشک کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ ۹۸ وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں (کی جماعت) سے

۹۵ اسلام کے بعض دشمن تو وہ تھے جن کی دشمنی عیاں تھی۔ اور مسلمانوں کو ان کا علم تھا لیکن ان کے علاوہ اور بھی کئی بدباطن تھے جو مسلمانوں کی نگاہوں سے پنہاں سہی لیکن اللہ عزوجل کے علم سے تو پوشیدہ نہ تھے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ بعض نے روم و ایران کا نام لیا ہے۔ بعض نے یہود اور منافقین کا۔ لیکن اس تعیین کی کیا ضرورت؟ قیامت تک اس شمعِ حق کو بجھانے کی کوشش کرنے والی خدا معلوم کتنی قومیں کس کس علاقہ سے اٹھیں گی سب کی سازشوں کو ناکام بنانا، سب کے منصوبوں کو خاک میں ملانا امتِ مسلمہ کا فرضِ اولین ہے۔

۹۶ جان و مال، وقت اور کوشش کی جو قربانی تم دو گے وہ رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ دین و دنیا میں تمہیں اس کا وہ معاوضہ دیا جائے گا جو اس مولائے کریم کی شانِ جود و کرم کے شایاں ہے۔ حضرت ابن ابی مسعود انصاری فرماتے ہیں ایک آدمی ایک اونٹنی کو نکیل ڈالے ہوئے بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہوا اور عرض کی ھذہ فی سبیل اللہ کہ یہ اللہ کی راہ میں میں نے دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لك بها یوم القیامة سبع مائة ناقة كلها مخطومة (مسلم) یعنی اس کے بدل قیامت کے دن تمہیں سات سو اونٹنیاں ملیں گی۔ ہر ایک کی ناک میں نکیل پڑی ہو گی۔

۹۷ اگر کفار جنگ کی بجائے صلح پر آمادہ ہوں تو تمہیں بھی چاہیے کہ خونریزی سے ہاتھ اٹھا لو اور صلح کر لو۔ فاجنح کا امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے ہے یعنی امام وقت کو اجازت ہے کہ اگر وہ صلح میں مصلحت سمجھے تو صلح کر لے الامر للاباحة والصلح جائز مشروع ان رای الامام فیه مصلحة (مظہری)۔ لفظ سلم مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے اسی لیے لها ضمیر مؤنث اس کی طرف راجع ہے۔ یذکر و یؤنث (تاج العروس)

وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اور اسی نے اُلفت پیدا کر دی ان کے دلوں میں ۱۰؎ اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تو

مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ

نہ اُلفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُلفت پیدا کر دی ان کے درمیان ۱۱؎ بلاشبہ وہ

حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اے نبی (مکرم) کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں مومنوں سے ۱۲؎

۹؎ اگر وہ بظاہر صلح پر آمادہ ہوں اور اندر ہی اندر تمہیں زک پہنچانے کی تیاریاں کر رہے ہوں تب بھی تم صلح کے لیے بڑھنے والے ہاتھ کو جھٹک نہ دو بلکہ اسے گرم جوشی سے تھام لو۔ اللہ تعالیٰ جس نے پہلے بھی ہر مشکل میں تمہاری اعانت کی ہے وہ اب بھی قادر ہے کہ تمہارے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے اور تمہیں کامیاب کر دے۔

ان دو آیتوں پر غور فرمایئے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اسلام صلح و امن اور سلامتی کا دین ہے اور وہ اپنے ماننے والوں کو فقط اس وقت جنگ کی اجازت دیتا ہے جب اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر اب جنگ سے گریز کیا گیا تو باطل کا بے رحم ہاتھ حق کے شجر ثمر بار کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دے گا۔ ان حالات میں جہاد سے فرار صلح پسندی کی علامت نہیں بلکہ بزدلی اور نامردی ہے جسے اسلام اپنے فرزندوں کے لیے ہرگز گوارا نہیں کرتا۔

۱۰؎ عرب کے سارے جزیرہ میں ہر طرف نفرت اور عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مزاج اتنے آوارہ اور جذبات اتنے مشتعل تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر لڑائی ٹھن جاتی اور صدیوں قتل و غارت کا بازار گرم رہتا خصوصاً اوس و خزرج کی دشمنی نے تو اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ ان کی مصالحت کا امکان تک نہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدینہ میں آمد سے دو سال پہلے ان کے درمیان خونریز معرکہ ہوا تھا۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو بالکل نیست و نابود کرنے کا عزم کر کے میدان میں نکلے تھے۔ تاریخ میں یہ جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ اس طرح ہر طرف نفرت و عداوت کے شعلے بھڑک رہے تھے اور ہر سمت بغض و کینہ کے انگارے دہک رہے تھے۔ جب صلح و محبت کا پیامبر تشریف لایا تھوڑے عرصہ میں ہی دلوں کی دنیا میں انقلاب آ گیا۔ بغض و عناد کی جگہ محبت و اخلاص نے لے لی۔ مولانا عثمانی نے کیا خوب لکھا ہے: "خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی اُلفت دوسرے کے دل میں ڈال دی اور پھر سب کی اُلفتوں کا اجتماعی مرکز حضور انور کی ذات منبع البرکات کو بنا دیا۔"

۱۱؎ وہ دل جو نفرت سے بھرے ہوئے تھے ان میں اُلفت پیدا کر دینا اور ایک دوسرے کا جاں نثار بنا دینا کوئی

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلَى الۡقِتَالِ ؕ اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ

اے نبی! برانگیختہ کیجیے مومنوں کو جہاد پر ۸۵۳ اگر ہوں تم سے

عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ

بیس آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دوسو پر اور اگر ہوتے تم میں سے

مِّائَةٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۶۵﴾

سو آدمی (صبر کرنیوالے) تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر کیونکہ یہ کافر وہ لوگ ہیں ۸۵۴ جو کچھ نہیں سمجھتے (اے مسلمانو!)

اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡكُمۡ وَعَلِمَ اَنَّ فِيۡكُمۡ ضَعۡفًا ؕ فَاِنۡ يَّكُنۡ

اب تخفیف کردی ہے ۸۵۵ اللہ تعالیٰ نے تم پر اور وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے۔ تو اگر ہوتے تم میں سے

آسان کام نہ تھا۔ دنیا بھر کے خزانے بھی اگر اس مقصد کے حصول کے لیے خرچ کر دیئے جاتے تب بھی یہ چاک رفو نہیں ہو سکتے تھے یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے عداوت کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو بجھا دیا، ٹوٹے ہوتے دلوں کو جوڑ دیا۔

۸۵۲ ومن اتبعک کا عطف اللہ پر بھی ہو سکتا ہے اور حسبک کے کاف خطاب پر بھی۔ علماء کرام نے دونوں وجہیں جائز رکھی ہیں۔ تفسیر قرطبی کے محشی نے ایک تیسری وجہ بھی لکھی ہے جسے احسن الوجوہ کہا ہے کہ یہاں کلام میں اضمار ہے اور تقدیر کلام یوں ہے حسبک الله وحسبک من اتبعک من المؤمنین۔ معنی کے لحاظ سے اس میں اور پہلی وجہ میں کوئی فرق نہیں یعنی اے حبیب! آپکی نصرت و اعانت کیلیے اللہ اور آپکے مومن غلام کافی ہیں۔ آپکو کسی غیر کے سہارے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

۸۵۳ یعنی اگر مسلمان صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں گے تو اپنے سے دس گنا لشکرِ کفار پر غالب آئیں گے۔ یہ جملہ اگرچہ خبریہ ہے لیکن معنوی لحاظ سے امر ہے کہ مسلمان دس گنا طاقت کے سامنے ڈٹ جائیں۔ اور قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔ کفار اپنی تعداد کی کثرت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو مغلوب نہیں کر سکیں گے۔

۸۵۴ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان ایسے بلند مقصد کے لیے جنگ کر رہے ہیں جو انھیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دین الٰہی کے نفاذ سے مظلوم انسانیت کی دادرسی ہوگی۔ باطل خداؤں کی عظمت کا تختہ الٹ دینے سے حریت و مساوات کا پرچم لہرائے گا۔ اپنے مقصد کی عظمت پر یقین اور اس کے لیے ہر قربانی پر آمادہ ہونے کا ایمان ان کے دلوں کو تقویت اور ان کے قدموں کو ثبات بخشے گا اور وہ بڑی بے جگری سے ان کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن کفار کی یہ ترک تازی اور یہ جنگ آزمائی کسی بلند اور عظیم مقصد کے لیے نہیں بلکہ محض تعصب و عناد کا نتیجہ ہے اس لیے وہ معنوی قوت ان میں مفقود ہے جو کامیابی

مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

سو آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر ۔ اور اگر ہوں گے تم میں سے

اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

ایک ہزار (صابر) تو وہ غالب آئیں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۶۵

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ

نہیں مناسب نبی کے لیے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی ۶۶ یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرلے زمین

کے لیے شرط اول ہے۔

۶۴ سابقہ حکم کے کچھ عرصہ بعد دوسرا حکم نازل ہوا۔ اور پہلے حکم میں تخفیف کر دی گئی اور صرف اپنے سے دگنی تعداد کے سامنے سینہ سپر ہونے کا حکم دیا گیا۔

۶۵ بہرحال یہ امر پیش نظر ہے کہ یہ وعدہ نام نہاد مسلمانوں سے نہیں جو مصیبت اور آزمائش کے لمحات میں ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں بلکہ ان سچے اہل ایمان سے ہے جو راہ حق میں پیش آنے والی ہر تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے ہیں۔ حالات کی سنگینیوں میں ان کا جوش ایمانی بڑھ جاتا ہے اور دشمن کی قوت و تعداد کو دیکھ کر وہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں اور فولادی چٹان بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۶۶ علامہ قرطبی اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ آیت بدر کے روز نازل ہوئی۔ اس میں صحابہ کرام پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میدان بدر میں کفار کے قدم اکھڑے اور وہ وہاں سے بھاگ نکلے تو چاہیے تھا کہ مسلمان اسی جوش و خروش سے ان کا تعاقب کرتے اور کفر و شرک کے ان سرغنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تاکہ کفر کی کمر ٹوٹ جاتی اور اس کے پرستاروں کی قوت و نخوت بالکل دم توڑ دیتی۔ وہ مال غنیمت اکٹھا کرنے اور قیدیوں کو جکڑبند کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اور مسلمانوں کے اس طرز عمل سے بڑے بڑے کافر جان بچا کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور سالہا سال تک مسلمانوں کے لیے تکلیف کا باعث بنے رہے۔ اگر اس روز مال غنیمت جمع کرنے کے بجائے ان کفار کا قلع قمع کر دیا جاتا تو کفر کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو جاتا۔ جب حضرات سعد بن معاذ، عمر بن خطاب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم نے مسلمانوں کو غنیمت سمیٹتے ہوئے دیکھا تو ان بزرگواروں کو سخت ناگوار گزرا۔ علامہ قرطبی کی عبارت نقل کرنے میں اگرچہ طوالت ہے لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں، فرماتے ہیں: وھذہ الآیۃ نزلت یوم بدر، عتابا من اللہ لاصحاب نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم والمعنی ماکان ینبغی لکم ان تفعلوا ھذا الفعل الذی اوجب ان یکون للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اسری قبل الاثخان ولھم

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ

تم چاہتے ہو دنیا کا سامان ؎ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لیے) آخرت اور اللہ تعالیٰ

هٰذا الاخبار بقوله تريدون عرض الدنيا و النبي صلى الله عليه وسلم لم يأمر باستبقاء الرجال وقت الحرب . ولا اراد قط عرض الدنيا و انما فعله جمهور مباشري الحرب فالتوبيخ و العتاب انما كان متوجها بسبب من اشار على النبي باخذ الفدية هٰذا قول أكثر المفسرين وهو الذي لا يصح غيره .

ترجمہ: یہ آیت بدر کے روز نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ پر عتاب فرمایا جا رہا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ ہرگز مناسب نہ تھا کہ تم کفار کی قوت کو پوری طرح کچل دینے سے پہلے انھیں قیدی بناتے اور ان سے فدیہ وصول کرتے۔ تم دنیا کے سامان کا ارادہ رکھتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کفار کو قید کرنے کا حکم دیا اور نہ متاعِ دنیا کو کبھی لائقِ اعتنا سمجھا۔ یہ غلطی عام مجاہدین سے سرزد ہوئی پس یہ عتاب انہیں لوگوں پر ہے جنھوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا۔ علامہ قرطبی آخر میں فرماتے ہیں: اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ اور اس کے بغیر اس آیت کی کوئی توجیہ درست نہیں۔

توضیحِ مرام کے لیے مولانا مودودی کی یہ عبارت بہت مفید ہے۔ اسی آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں: "میرے نزدیک اس مقام کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جنگِ بدر سے پہلے سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی ہدایات دی گئی تھیں ان میں یہ اشارہ ہوا تھا کہ فاذا لقيتم الذين كفروا فضرب الرقاب حتى اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا بعد و اما فداء حتى تضع الحرب اوزارها۔ اس ارشاد میں جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دیا جائے پھر قیدی پکڑنے کی فکر کی جائے۔ اس فرمان کی رُو سے مسلمانوں نے بدر میں جو قیدی گرفتار کیے اور اس کے بعد ان سے جو فدیہ وصول کیا وہ تھا تو اجازت کے مطابق مگر غلطی یہ ہوئی کہ دشمن کی طاقت کو کچل دینے کی جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتاہی کی گئی۔ جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگ گیا اور بہت کم آدمیوں نے دشمن کا کچھ دور تک تعاقب کیا حالانکہ اگر مسلمان پوری طاقت سے ان کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ عتاب فرما رہا ہے۔ اور یہ عتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر ہے" (تفہیم القرآن جلد دوم)۔

؎ اثخان کا لغوی معنی ہے کسی چیز کا گاڑھا ہو جانا تاکہ وہ بہہ نہ سکے۔ یقال ثخن الشيء فهو ثخين اذا غلظ ولم يسل (مفردات)۔ ویسے اس کا استعمال کثرتِ قتل اور غلبہ اور تسلط جو کثرتِ قتل کا نتیجہ ہے کے معانی میں بھی ہوتا ہے۔ والاثخان كثرة القتل وقيل حتى يثخن: يتمكن وقيل الاثخان القوة و الشدة (قرطبی) اور صاحب تاج العروس اس لفظ کی مزید

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَآ

بڑا غالب (اور) دانا ہے۔ اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاءِ اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں

أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَٰلًا طَيِّبًا ۚ

بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا۔ سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾ يَٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ قُل

اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے نبی (کریم) آپ فرمائیے ۸۹

تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واثخن فی العدو وبالغ فی الجراحة فیهم۔ واثخن فلانا اوهنه وفی الصحاح اثخنته الجراحة اوهنته وقوله تعالیٰ حتی اذا اثخنتموهم ای غلبتموهم وکثر فیهم الجراح (تاج العروس)۔

ترجمہ: جب دشمن کو سخت زخمی کیا جائے تو کہتے ہیں اثخن فی العدو اور اس کا معنی کمزور کرنا بھی ہے۔ صحاح میں ہے اثخنته الجراحة اسے زخموں نے کمزور کر دیا۔ قرآن کریم کی اس آیت کا بھی یہی معنی ہے کہ وہ زخموں سے چور چور ہو گئے اور تم ان پر غالب آ گئے۔

۸۹ اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے زرِ فدیہ روانہ کیا۔ چچا عباس نے عرض کی یا رسول اللہ آپ جانتے ہیں کہ میں مسلمان ہوں۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے اسلام کو جانتا ہے اگر تمہارا دعویٰ اسلام درست ہے تو اس فدیہ کا تمہیں اچھا بدلہ مل جائے گا لیکن کیونکہ تم بظاہر کفار کے ساتھ بدر میں آئے ہو اس لیے فدیہ ادا کرنا پڑے گا۔ عباس نے عرض کی کہ میرے پاس تو کچھ نہیں میں کہاں سے لاؤں؟ نبی مرسل نے فرمایا فاین المال الذی دفنته انت وام الفضل فقلت لها ان اصبت فی سفری هذا فهذا المال لبنی فضل وعبد الله وقثم۔ وہ مال کہاں گیا جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے فلاں جگہ دفن کیا تھا اور تم نے کہا تھا اگر میں اس سفر میں مارا جاؤں تو یہ مال میرے بچوں فضل، عبد اللہ اور قثم کو دے دینا۔ عباسؓ سراپا تصویرِ حیرت بن کر رہ گئے اور گویا ہوئے یا رسول اللہ! انی لاعلم انک رسول الله ان هذا شیئ ما علمه غیری وغیر ام الفضل۔ میں مان گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں کیونکہ جس چیز کی خبر آپ نے دی اس کا علم تو بجز میرے اور ام الفضل کے اور کسی کو نہ تھا۔ چنانچہ جہاں دوسرے قیدیوں سے بیس اوقیہ فدیہ لیا گیا وہاں آپ سے سو اوقیہ سونا لیا گیا۔ اس کے علاوہ اپنے دونوں بھتیجوں عقیل اور نوفل اور اپنے حلیف عتبہ کا زرِ فدیہ بھی انہیں ہی ادا کرنا پڑا۔ آپ کے اور آپ کے مثل دوسرے اسیروں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(قرطبی و دیگر تفاسیر)

لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤی اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ

ان قیدیوں سے جو تمھارے قبضہ میں ہیں ۔ اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں میں

خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ

کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمھیں بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے اور بخشے گا تمھارے (قصور) اور اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۰﴾ وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ

غفور رحیم ہے ۔ اور اگر وہ ارادہ کریں آپ سے دھوکہ بازی کا (تو حیرت کیوں ہو) انھوں نے تو دھوکہ کیا

مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

ہے اللہ سے پہلے بھی (اسی لیے) تو اللہ تعالیٰ نے قابو دے دیا (تمھیں) ان پر اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے یقیناً جو لوگ

اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ

ایمان لائے، ہجرت کی، اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں

اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ

اور وہ جنھوں نے پناہ دی (مہاجرین کو) اور (ان کی) مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں نوٹ۹۰

نوٹ۹۰ اس آیت میں ملّتِ اسلامیہ کے مختلف گروہوں کا ان کی اپنی الگ نوعیت کے لحاظ سے ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان کے باہمی دینی، سیاسی تعلقات اور حقوق و فرائض کی نوعیت بیان کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت اسلام کی عادلانہ خارجہ پالیسی کا ستون قرار دی گئی ہے۔ وھذا الحکم من اصول سیاسۃ الاسلام الخارجیۃ العادلۃ (المنار) اس وقت اسلامی معاشرہ مختلف عناصر پر مشتمل تھا (۱) مہاجرین (۲) انصار (۳) وہ لوگ جو اسلام تو قبول کر چکے تھے لیکن دارِ کفر میں رہائش پر رضامند تھے۔ ان کی بھی دو قسمیں تھیں۔ ایک تو وہ مسلمان جو ایسی کافر حکومت کی رعایا ہوں جس کے درمیان اور حکومتِ اسلامیہ کے درمیان دوستی اور صلح کا کوئی معاہدہ نہ ہو۔ دوسرے وہ مسلمان جو ایسی کافر حکومت کی رعایا ہوں جس کا اسلامی حکومت کے ساتھ دوستی کا معاہدہ ہو چکا ہو۔ اب ان مختلف عناصر کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی اس کا بھی تفصیلاً ذکر کر دیا کہ مہاجرین اور انصار میں تو کامل موالات ہوگی۔ ایک دوسرے کی ہر طرح اعانت اور ہر خطرہ سے ایک

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ

اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی - نہیں تمہارے لیے ان کی وراثت سے کوئی چیز

شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ

یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں - اور اگر وہ مدد طلب کریں تم سے دین کے معاملہ میں تو فرض ہے تم پر

النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

ان کی امداد مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تمہارے اور انکے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہو چکا ہے - اور اللہ تعالیٰ جو کچھ

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ

تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے - اور وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں [91]

دوسرے کی حفاظت لازمی ہوگی۔ اولئک بعضہم اولیاء بعض۔ لیکن وہ مسلمان جو کافر حکومت کی رعایا ہیں ان کے درمیان اور دارالاسلام کے اہل اسلام کے درمیان اسلامی اور دینی اخوت تو ہوگی لیکن سیاسی بھائی چارہ نہ ہوگا۔ ان کی حفاظت اور امانت کی کوئی ذمہ داری خلیفۂ وقت پر نہ ہوگی کیونکہ انھوں نے دار حرب کو اپنا وطن بنا کر یہ حق بخوشی ضائع کر دیا ہے۔ مالکم من ولایتہم من شیء۔ لیکن اگر دینی لحاظ سے انھیں کوئی تکلیف پہنچے مثلاً انھیں ترکِ اسلام پر یا شعائرِ اسلام کی توہین پر مجبور کیا جائے تو پھر اگر اس کافر حکومت کا اسلامی حکومت سے کوئی معاہدہ نہیں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کریں۔ وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر۔ لیکن اگر اس کافر حکومت سے دوستی کا معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر اس معاہدہ کا احترام ضروری ہے۔ لیکن مسلمان قیدی یا کمزور اور ضعیف لوگ جو دار کفر میں مجبوراً اقامت گزین ہیں ان کی رہائی بالاتفاق تمام اہل اسلام پر فرض ہے۔ قال ابن العربی الا ان یکونوا اسراء مستضعفین فان الولایۃ معہم قائمۃ و النصرۃ لہم واجبۃ حتی لا تبقی منا عین تطرف الخ (قرطبی)۔ ترجمہ: امام ابن عربی فرماتے ہیں اگر مسلمان دار کفر میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہوں، کمزور اور ضعیف ہوں، اپنا بچاؤ کرنے سے عاجز ہوں تو پھر موالاۃ باقی رہے گی۔ اور جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی جھپک رہی ہو ان کی امانت اور نصرت ہم پر فرض ہوگی۔

[91] قرآن کریم نے انسانی معاشرہ کو نسل، زبان، دولت اور منصب کی بنیادوں پر تقسیم نہیں کیا۔ یہاں معاشرہ کی تقسیم کا دار و مدار ایمان اور کفر پر ہے۔ مومنین بلا امتیاز نسل، زبان، ملک ایک طبقہ ہیں اور کفار اسی طرح ایک الگ طبقہ ہیں۔ یہی انسانی معاشرہ کی صحیح تقسیم ہے جسے عقل سلیم تسلیم کرتی ہے۔ اسی حقیقت کو یہاں وضاحت سے بیان فرما دیا۔

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾ وَ

اگر تم (ان حکموں پر) عمل نہیں کرو گے تو برپا ہو جائیگا فتنہ ملک میں اور (پھیل جائے گا) بڑا فساد ۹۲ اور جو

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ

ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا میں اور جنھوں نے

آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَ

پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی (خوش نصیب) لوگ سچے ایماندار ہیں ۹۳ انھیں کے لیے بخشش ہے اور

رِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

با عزت روزی ۹۴ اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا

۹۲ اس جملہ سے مذکورہ احکام الٰہیہ کی حکمت بیان فرمادی کہ اگر تم امن وسلامتی کی آرزو رکھتے ہو تو ان ارشاداتِ ربانی پر شرحِ صدر سے عمل کرو۔ ورنہ فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھے گی اور تمہاری ترقی اور خوشحالی کے سارے منصوبوں کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔ تمہارا ذہنی سکون بھی تم سے چھن جائے گا اور مسرت وشادمانی کے ہمارے پروگرام بھی تلپٹ ہو جائیں گے۔ ان احکام کی بجا آوری سے تم اپنے خداوند کریم کو بھی راضی کر لوگے اور اپنی دنیوی زندگی کو بھی ہر قسم کی کامیابیوں سے ہمکنار کرلوگے۔

۹۳ حبیبِ کبریا علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ افضل التحیۃ واجمل الثناء کے صحابہ کرام کو بارگاہِ الٰہی سے اولٰئک ھم المؤمنون حقًّا کا جو لقب عطا کیا جا رہا ہے یہ ان کی عمر بھر کی قربانیوں، دلسوزیوں اور نیازمندیوں کا بہترین صلہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کے مومن برحق ہونے پر شاہد ہے تو پھر کیا انھیں کسی دوسرے گواہ کی گواہی کی بھی حاجت ہے؟ وہ اس لیے تو ایمان لائے ہی نہ تھے کہ چودھویں صدی کا بے عمل خود فراموش اور خدا فریب مسلمان انھیں ایمان کا سرٹیفکیٹ مرحمت فرمادے۔ اے شمعِ توحید کے پروانو! اے محبوبِ خدا کے عاشقانِ دلفگار! اور اے ناموسِ اسلام کے جوانمرد پاسبانو! مبارک بصد مبارک! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تم جیسا دل اور تم جیسی نگاہ بخشے اور تمہارے نقوشِ پا کو خضرِ راہ بنانے کی سمجھ عطا فرمائے آمین بجاہ حبیبہ الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

۹۴ مغفرت اور رزقِ کریم کا وعدہ فرما کر انھیں دونوں جہانوں کی سعادتوں سے بہرہ مند فرما دیا۔ یعنی اے میرے حبیب کے جانباز صحابہ اور سرفروش ساتھیو! قیصر وکسریٰ کے خزانے تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دیئے جائیں گے اور

مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ

تمھارے ساتھ مل کر تو وہ بھی تمھیں میں سے ہیں ۹۵؎ اور رشتہ دار (ورثہ میں) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں

فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۵﴾

حکم الٰہی کے مطابق ۹۶؎ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اگر کوئی غلطی تم سے سرزد ہو گئی تو اسے بخش دیا جائے گا۔ اب ہم خود غور کریں جن کی لغزشوں کی بخشش کا رب کریم نے وعدہ فرما دیا ہے تو ہم میں سے کسی کو ان پر انگشت نمائی کا حق پہنچتا ہے ؟

۹۵؎ یعنی صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کرنے والوں اور نصرت دین کے لیے سربکف میدان میں آنے والوں کا مقام بیشک بہت بلند ہے لیکن اس کے بعد بھی ہجرت کر کے آیا اور اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا وہ بھی احکام شرعیہ اور دیگر تمام سیاسی حقوق میں یکساں ہیں۔ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی نصرت بھی ضروری ہو گی اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے۔

۹۶؎ ہجرت کے بعد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار اور مہاجرین میں جو بھائی چارہ اور مؤاخاۃ قائم کی تھی اس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے۔ اس آیت میں توارث کا یہ طریقہ منسوخ قرار دیا گیا اور صرف قریبی رشتہ داروں میں وراثت محدود کر دی گئی۔

سُورَةُ التَّوْبَة

اس سُورۃ پاک کے متعدد نام منقول ہیں لیکن ان میں سے دو زیادہ مشہور ہیں۔ التوبہ اور البراءۃ۔ کیونکہ اس میں چند مخلص اہل ایمان کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے اس لیے اسے توبہ کہا گیا۔ اور کیونکہ اس میں مشرکین عرب کے ساتھ جتنے سابقہ معاہدے تھے ان کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا گیا اس لیے اسے براءت کہا گیا۔ یہ سورۃ سولہ رکوعوں، ایک سو انتیس آیتوں اور چار ہزار اٹھتر کلمات پر مشتمل ہے۔

نُزُول باتفاق علماء یہ سُورۃ مدنی ہے۔ اس میں مذکورہ واقعات کو بنظر غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورۃ ۹ھ میں نازل ہُوئی کیونکہ غزوۂ تبوک جس کا ذکر یہاں بڑی شرح وبسط سے کیا گیا ہے وہ ماہ رجب ۹ھ میں ہُوا اور مشرکین سے عام بیزاری اور قطع تعلقات کا اعلان بھی اس حج کے موقع پر کیا گیا جو ذی الحجہ ۹ھ میں ادا کیا گیا۔ اگرچہ غزوۂ تبوک سے متعلقہ آیات کا نزول اعلانِ براءۃ والی آیات سے پہلے ہُوا لیکن موخر الذکر کی اہمیت کے پیشِ نظر ترتیب قرآنی میں اسے مقدم رکھا گیا۔ قال القشیری هذه السورة نزلت فی غزوة تبوك ونزلت بعدها (قرطبی)

اس سُورۃ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس سے پہلے بسم اللہ شریف نہیں لکھی جاتی۔ اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ کیونکہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے آغاز میں بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں دیا اس لیے نہیں لکھی گئی۔ والصحیح ان البسملة لم تکتب لان جبریل علیه السلام ما نزل بها فی هذه السورة (قرطبی)

مضامینِ سُورۃ کہ جو اب تک کفر و شرک کا ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ بنا ہُوا تھا ۸ھ میں فتح ہُوا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے بے خانماں مہاجروں اور انصار نے پھر حرم خلیل میں توحید کا پرچم لہرا دیا۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ عرب کے بیشتر قبائل خود بخود آ کر مشرف باسلام ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ اسلام کا اثر و نفوذ جزیرہ عرب کی سرحدوں کو عبور کر کے دوسرے ہمسایہ ممالک میں بھی محسوس ہونے لگا۔ عرب خصوصاً حجاز کا بے آب وگیاہ خطہ کسی فاتح کے لیے اپنے اندر کوئی دلکشی نہیں رکھتا تھا۔ اسی لیے دائیں بائیں دو جابر سلطنتیں ہونے کے باوجود کسی نے اس کو زیر نگین کرنے کی خواہش ہی نہیں کی۔ اسی وجہ سے یہاں کے داخلی حالات سے بھی انھیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے جو انقلاب رونما پذیر ہو رہا تھا اس کی اطلاعیں وقتاً فوقتاً قیصر روم تک پہنچتی رہتی تھیں لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ ایک داخلی معاملہ ہے اور اس میں اتنی تاب نہیں کہ کسی دن اس کے لیے بھی خطرے کا باعث بن سکے۔ لیکن اسی اثنا میں

چند واقعات ایسے رُونما ہوئے جنھوں نے اسے اس نئی طاقت کی اہمیت کا احساس دلا دیا۔

دوسرے بادشاہوں کی طرح حضور علیہ السلام نے بُصریٰ کے حاکم شرحبیل کی طرف بھی دعوتِ اسلام دینے کے لیے اپنا مکتوب اپنے قاصد کے ہاتھ روانہ کیا۔ لیکن شرحبیل نے اُسے قتل کر دیا۔ ذات اطلح کے باشندے مدینہ طیبہ سے پندرہ مسلمانوں کو اپنے ہمراہ اس غرض سے لے آئے کہ وہ انھیں دینِ اسلام سکھائیں گے لیکن انھوں نے بھی غدر کیا اور ان مسلمانوں کو سوائے ایک کے شہید کر دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان شہداء کا انتقام لینے کے لیے تین ہزار کی جمعیت حضرت زید بن حارثہ کی قیادت میں روانہ فرمائی۔ شرحبیل ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لیے بڑھا۔ اور ہرقل کا بھائی تھیوڈور بھی ایک لاکھ کا لشکرِ جرار لے کر اس کی امداد کو آپہنچا۔ تین ہزار مجاہدین کے سامنے اب دو لاکھ فوج صف بستہ تھی۔ مسلمان بھی کب ٹلنے والے تھے۔ جنگ شروع ہوئی یکے بعد دیگرے تین مسلمان جرنیلوں زید بن ثابت، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کے بعد حضرت خالدؓ نے آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا اٹھایا اور اس بے جگری اور جانبازی سے اپنے سے چھیاسٹھ گنا فوج کا مقابلہ کیا کہ ان کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اب ہرقل کی آنکھیں کھلیں کہ عرب کے جن صحرا نوردوں کو وہ خاطر میں نہیں لایا کرتا تھا ان کے بازو اتنے مضبوط اور ان کی تلواریں اتنی تیز ہیں کہ اس کی دو لاکھ فوج بھی انھیں شکست نہ دے سکی۔ انہی دنوں میں یہ واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا کہ ہرقل کی عرب فوج کا ایک اعلیٰ افسر فروہ بن عمرو جذامی مشرف باسلام ہو گیا۔ ہرقل نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا اور اسے کہا کہ یا تو اس نئے دین سے تائب ہو کر اپنا سابقہ مذہب (عیسائیت) اختیار کر لو ورنہ تمھارا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اس نے بڑی خوشی سے جان دے دی لیکن اپنے ایمان سے دستکش ہونا گوارا نہ کیا۔ ان واقعات نے ہرقل کو چوکنا کر دیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آج ہی مسلمانوں کی ہر لحظہ بڑھتی ہوئی قوت کو کچل دے گا۔ چنانچہ اس نے زور و شور سے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور خود بڑھ کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے پر تولنے لگا۔

رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نگاہ دُور بین دُور افق پر نمودار ہونے والے فتنہ و فساد کے بادلوں کو کیسے نظر انداز کر سکتی تھی۔ چنانچہ حضورؐ نے بھی شام پر چڑھائی کا عزم فرما لیا۔ حالات بڑے ناسازگار تھے۔ ملک میں عام قحط سالی کا دور دورہ تھا۔ گرمی کا موسم تھا چلچلاتی دھوپ اور جھلس دینے والی لُو غضب ڈھا رہی تھی۔ ریتلی زمین تانبے کی طرح تپ رہی تھی۔ صحابہؓ فرماتے ہیں جب جہاد پر جانے کا حکم ہوا تو شدت کی گرمی تھی۔ باغات میں کھجوریں پک رہی تھیں۔ کھجوریں کھانے ٹھنڈا پانی پینے، گھنے سایہ میں بیٹھنے اور آرام کرنے کے دن تھے۔

جب جنگ کی تیاری کا حکم ہوا تو مردانِ وفاکیش تو بلا تأمل تعمیلِ حکم کے لیے حاضر ہو گئے۔ اور ہر ایک نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مالی امداد بھی کی۔ عورتوں نے اپنے کانوں کی بالیاں اور گلے کے ہار تک اتار کر پیش کر دیئے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف نے ہزارہا اشرفیاں لا کر قدموں میں ڈھیر کر دیں۔ حضرت صدیقؓ نے اپنی عمر بھر کا اندوختہ اٹھا کر بارگاہِ نبوت میں حاضر کر دیا۔ لیکن ان سرفروشوں اور جاں نثاروں کے علاوہ کئی اور عناصر بھی تھے۔ ایک عنصر منافقین کا تھا وہ بھلا
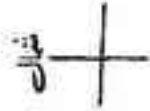
کب ان زحمتوں اور صعوبتوں کو گوارا کرنے والے تھے۔ طرح طرح کے جھوٹے اور بے سروپا بہانے پیش کرتے اور حضور ان سے صرف نظر کر لیتے۔ یہ لوگ اور دوسرے مشرک دل ہی دل میں بڑے خوش تھے۔ انھیں یقین تھا کہ مسلمان اب بچ کر واپس نہیں آئیں گے بلکہ قیصر کی افواجِ قاہرہ انھیں کاٹ کر رکھ دیں گی اور اس طرح اسلام کا چراغ بجھ جائے گا۔ ان کی ساری امیدیں اب اس جنگ پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔

آخر تیس ہزار کا یہ لشکر اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول کی قیادت میں اپنے مولائے کریم کا نام بلند کرنے کے لیے اور اسلام کی عظمت کا جھنڈا گاڑنے کے لیے موسم کی اس ناسازگاری کے باوجود، سامانِ خورد و نوش کی قلت اور سواریوں کی کمیابی کے باوجود دنیا کی ایک عظیم ترین طاقت سے ٹکر لینے کے لیے روانہ ہوا۔ عشاقِ باصفا کا یہ کاروان تپتے ہوئے ریگستانوں کو ریشم و حریر سمجھتا ہوا، نوکِ خارِ مغیلاں سے اپنی آبلہ پائی کا درماں کرتا ہوا، بادِ سموم کو نسیمِ لطف و عنایت تصور کرتا ہوا بڑھتا چلا گیا۔ اور تبوک کے مقام پر جا کر خیمہ زن ہوا۔

قیصر کو جب اطلاع ملی کہ جن کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے وہ حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا وہ جوانمرد اپنے فقر و درویشی سے مسلح ہو کر اس کی طاقت و سطوت کو اس کے اپنے ملک میں اور اس کے اپنے گھر میں للکارنے آگئے ہیں تو اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اپنی فوجوں کو سرحد سے ہٹالے اور اپنے شہروں میں قلعہ بند ہو جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیس روز تک وہاں قیام فرمایا اور اس عرصہ میں ارد گرد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اپنا باجگزار بنایا۔ چنانچہ جرباء، اذرح اور عمان کے لوگوں نے جزیہ دینے پر صلح کی۔ ایلہ کا عیسائی حکمران یوحنا دربارِ رسالت میں آکر صلح کا خواہاں ہوا اور تین سو دینار سالانہ ادا کرنے پر مصالحت کی۔ دومۃ الجندل کے عیسائی حاکم اکیدر پر حملہ کرنے کے لیے حضرت خالد کو روانہ کیا۔ چنانچہ وہ اس کو قید کر کے اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر واپس آتے۔ اگرچہ روم کے ساتھ جنگ نہیں ہوئی لیکن اس مہم سے اسلام کی ترقی میں بڑی مدد ملی۔ سلطنتِ روم کی سرحد کے ساتھ ساتھ جتنے عرب قبائل تھے یا تو وہ مسلمان ہو گئے یا باج گزار۔ اس طرح عرب کی یہ سرحد دشمن کی یلغار سے محفوظ ہو گئی۔ نیز قیصر اور اس کے اعوان و انصار کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو گئی کہ مسلمان ایک تر نوالہ ہیں جب ان کی مرضی ہوگی وہ انھیں نگل جائیں گے۔ اس کے علاوہ تمام عرب قبائل پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی اور بیچارے منافقین اور اسلام کے تمام بدخواہوں کی آرزوؤں پر تو پانی پھر گیا۔ اور بڑی مدت کے بعد امید کی جو کرن انھیں افق پر نظر آئی تھی وہ بھی مایوسی کے گھپ اندھیروں میں گم ہو کر رہ گئی۔ غزوۂ تبوک کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا جو اپنی اہمیت میں کسی سے کم نہیں کہ منافقین بے نقاب ہو گئے اور جو مراعات ان کے ساتھ پہلے روا رکھی جاتی تھیں ان سے وہ محروم کر دیئے گئے۔

دوسرا اہم واقعہ جس کا ذکر اس سورۃ میں کیا گیا ہے وہ مشرکین اور کفار کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی تنسیخ ہے۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیشہ کوشش فرمائی کہ تمام غیر مسلم قوموں کے ساتھ صلح و سلامتی سے رہیں۔ اسی مقصد کے لیے ان کے ساتھ صلح کے معاہدے کیے گئے۔ لیکن فریقِ ثانی نے ان کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور جب کبھی موقع ملا

عہد شکنی کر دی۔ اسی سال ماہ ذی قعد میں مسلمانوں کا ایک قافلہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ امیر الحج حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس قافلہ کی روانگی کے بعد اس سورۃ کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔ کیونکہ مجمع عام میں ان کا اعلان کرنا ضروری تھا اور حج کے موقع پر عرب کے اطراف واکناف سے لوگ جمع ہونے والے تھے اس لیے حضور نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو پیچھے روانہ فرمایا تاکہ حج کے روز یہ اعلان عام کر دیا جائے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ تمام کفار سے کیے گئے معاہدوں کی تنسیخ نہیں کی جارہی بلکہ ان قوموں کے معاہدوں کی تنسیخ کا اعلان کیا جارہا ہے جنھوں نے پہلے عہد شکنی کی تھی۔ چنانچہ آیت ۴ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اب جب کہ عرب کے طول وعرض میں اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا تو ضروری تھا کہ کعبۂ مقدسہ سے کفار کی تولیت ختم کر دی جائے اور اہل ایمان کو اس کا متولی بنایا جائے۔ چنانچہ یہ حکم بھی فرما دیا کہ آج کے بعد مسلمان ہی کعبہ اور مسجد حرام کی خدمت انجام دیا کیا کریں گے۔

ابھی تک مشرکین حرم کعبہ میں آکر اپنی سابقہ مشرکانہ رسوم ادا کیا کرتے تھے۔ اب یہ کیونکر مناسب تھا کہ اسلام کے برسر اقتدار آجانے کے بعد بھی اس حریم قدس میں مشرکانہ رسوم ادا ہوں جسے اس کے تعمیر کرنے والے نے محض اس لیے تعمیر کیا تھا کہ اس میں خدائے واحد کی عبادت کی جائے۔ اس لیے اس سال سے اس کی بھی ممانعت کر دی گئی۔ انہی امور کے متعلق ضمنی بحثیں اور بھی ہیں۔ اپنے اپنے مقام پر ان کی وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سُورۃ توبہ مدنی ہے۔ اس کی ۱۲۹ آیتیں ہیں اور ۱۶ رکوعات ہیں۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱﴾

یہ قطع تعلق (کا اعلان) ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا مشرکوں میں سے[1]

[1] جیسے پہلے کئی بار مذکور ہوا کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عرب کے تمام قبائل کے ساتھ امن اور دوستی کے معاہدے کیے لیکن مسلمانوں کی ظاہری کمزوری کے پیش نظر وہ ان معاہدوں کا احترام شاذ ونادر ہی ملحوظ رکھا کرتے اور جب کبھی انھیں موقع ملتا مسلمانوں کو زک پہنچانے سے گریز نہ کرتے۔ اب جبکہ حضور تبوک کے سفر پر روانہ ہوئے جو مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل دور تھا اور قیصر کی فوج سے نبرد آزما ہونے کا ارادہ تھا تو شرک وکفر کے پرستاروں کے ہاں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ انھیں یقین تھا کہ قیصر مسلمانوں کو پیس کر رکھ دے گا اور اب مسلمان ان کی عہد شکنی کے متعلق ان سے باز پرس نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے طرح طرح کی جھوٹی افواہیں پھیلانے لگے اور ہر ممکن ذریعہ سے عہد شکنی کرنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ حضور اپنے غلاموں کے ہمراہ مظفر ومنصور واپس تشریف لائے۔ اب فیصلہ طلب امر یہ تھا کہ کیا ان مارہائے آستین کو کھلی چھٹی ملی رہے کہ جس وقت موقع دیکھیں اسلامی دین اور اسلامی ریاست کو ڈستے رہیں۔ جب کبھی مسلمان کسی بیرونی دشمن کی طرف متوجہ ہوں تو پیٹھ میں خنجر پیوست کر دیں۔ اس لیے تبوک سے واپسی کے بعد جب ذیقعد ۹ھ میں مسلمانوں کا قافلہ سفر حج پر روانہ ہو چکا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں صاف صاف حکم دیا گیا تھا کہ اب کفر کے ساتھ سابقہ معاہدے منسوخ ہیں۔ دوستی کے لباس میں اسلامی انقلاب کو زک پہنچانے کی انھیں اجازت نہیں دی جائے گی۔ حضور کریم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو روانہ فرمایا کہ حج کے دن یہ اعلان عام کر دیں۔ حضرت صدیقؓ اپنے قافلہ سمیت مکہ کی طرف جا رہے تھے کہ اونٹنی کے بلبلانے کی آواز کان میں آئی۔ فوراً پہچان گئے اور فرمانے لگے ھذا رغاء ناقة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یہ تو میرے رسول مکرم کی اونٹنی کی آواز ہے۔ جب حضرت علیؓ قریب پہنچے تو پوچھا امیر او مامور؟ کیا آپ کو امیر بنا کر بھیجا گیا ہے یا مامور بنا کر۔ حضرت علیؓ نے بتایا امیر الحج آپ ہی ہیں میں تو مامور بن کر آیا ہوں اور یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ چنانچہ آپ حضرت صدیقؓ کی اقتداء میں ہی نمازیں ادا کرتے، آپ کی ہدایت کے مطابق ارکان حج ادا کرتے مکہ پہنچے۔ اور دسویں ذی الحجہ کو جمرۃ العقبہ کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا اے لوگو! میں اللہ کے رسول کا پیغامبر بن کے آیا ہوں اور اس سورۃ کی ابتدائی تیس یا چالیس آیتیں تلاوت فرمائیں۔ اور اس کے بعد کہا کہ مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ تمھیں یہ حکم بھی سنا دوں:

۱۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کو نہ آئے۔

فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ

(اے مشرکو!) پس چل پھر لو ملک میں چار ماہ [۳] اور جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے

مُعْجِزِي اللَّهِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝۲ وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ

اللہ تعالیٰ کو [۴] اور یقیناً اللہ تعالیٰ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو [۵] اور اعلان عام ہے اللہ

۲- کوئی برہنہ ہو کر طواف نہ کرے۔

۳- اہل ایمان کے بغیر کوئی شخص جنّت میں داخل نہ ہو گا۔

۴- اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے اگر اس نے عہد شکنی میں پہل نہ کی تو اس کا عہد پورا کیا جائے گا اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں اسے چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس اعلان پر مخالفین کی طرف سے جو ردِّ عمل ہوا وہ اس بات کا شاہد عادل ہے کہ یہ قطع تعلقات مناسب بلکہ ضروری تھا اور اس میں ذرا سا تأمل اپنے آپ کو فریب دینا تھا۔ فقالوا عند ذالک یا علی (ابلغ ابن عمک انا قد نبذنا العهد وراء ظهورنا وانه ليس بيننا وبينه عهد الا طعن بالرماح وضرب بالسيوف (رازی)

انھوں نے کہا اے علی! اپنے چچا کے بیٹے (یعنی رسُولِ مکرم) کو بتا دینا کہ ہم نے معاہدوں کو پس پُشت پھینک دیا ہے اور ہمارے اور ان کے درمیان ایک دوسرے کو نیزوں اور تلواروں سے گھائل کرنے کے سوا کوئی دوسرا معاہدہ نہیں۔ براءة کا معنی ہے انقطاع العصمة یہ خبر ہے اور اس کا مُبتدا هذه محذوف ہے۔ ترجمہ میں میں نے اسی ترکیب کو ملحوظ رکھا ہے۔

[۳] فَسِيحُوا امر کا صیغہ ہے جو سیاحت سے ماخوذ ہے۔ سیاحت کا معنی ہے ملک کے اطراف و اکناف میں چلنا پھرنا۔ اصل السياحة الضرب فی الارض والاتساع فی السیر۔ یہاں مدعا یہ ہے کہ تمہیں چار ماہ تک ہر طرح کی مکمل آزادی ہے جہاں چاہو جاؤ جس سے چاہو ملو تم پر کسی قسم کی پابندی نہیں۔ علامہ قرطبی کلبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی مدت اُن لوگوں کے لیے تھی جن کے معاہدہ کی میعاد چار ماہ سے کم تھی یا میعاد مقرر ہی نہ تھی لیکن جن کے ساتھ چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لیے معاہدہ کیا گیا تھا ان کے متعلق حکم ہُوا کہ اس کو مقررہ وقت تک نبھاؤ۔ فاتموا الیهم عهدهم الی مدتهم۔

[۴] کفار کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ یہ میعاد کسی کمزوری یا ضعف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں تمہاری مصلحت ملحوظ ہے تاکہ تم اپنے مستقبل کے متعلق ٹھنڈے دل سے خوب سوچ لو مخالفین کے ساتھ یہ نرمی اور رواداری اس وقت برتی جا رہی ہے جب کہ مکہ فتح ہو چکا تھا اور اردگرد کے قبائل یا اسلام لا چکے تھے یا اطاعت قبول کر چکے تھے۔ کفر کی چند پراگندہ جماعتوں کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر جمعیت نہ تھی جس سے اسلام کو اب جزیرۂ عرب میں اندیشہ ہو عین قوت و سطوت کے وقت اپنے دشمنوں سے نرمی کا یہ سلوک اسلام کے دینِ رحمت ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

[۵] دنیا میں قتل و ذلّت اور آخرت میں عذاب۔ اِخزاء کا معنی ہے رُسوا کن ذلّت۔ الاذلال مع اظهار الفضيحة۔ (رازی)

وَرَسُولُهُ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ

اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے لیے بڑے حج کے دن کہ اللہ تعالیٰ بری ہے

مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن

مشرکوں سے۔ اور اس کا رسول بھی [1] اب بھی اگر تم تائب ہو جاؤ تو یہ بہتر ہے تمہارے لیے [2] اور اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِينَ

تم منہ پھیرے رہو تو خوب جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ تعالیٰ کو [3] اور خوشخبری سنا دو

كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣﴾ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ

کافروں کو دردناک عذاب کی۔ بجز ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا [4]

[1] ورسولہٗ معطوف ہے اس کا معطوف علیہ اللہ کا کلمہ ہے جو اَنَّ کا اسم ہے اور منصوب ہے۔ نحو کا قاعدہ یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا اعراب ایک جیسا ہوا کرتا ہے۔ اس قاعدہ کی رو سے رَسُوْلَهٗ (منصوب) ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں رَسُوْلُهٗ (مرفوع) ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ بیشک ورسولہٗ معطوف ہے لیکن یہ مفرد معطوف نہیں بلکہ یہ مبتدا ہے اس کی خبر بَرِیْءٌ محذوف ہے۔ رسولہٗ اپنی خبر سمیت بصورت جملہ معطوف ہے اور اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْءٌ بصورت جملہ معطوف علیہ ہے۔ اس لیے یہاں یہ اشکال وارد نہیں ہوتا۔

[2] توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ اپنی کارستانیوں پر اگر تم نادم ہو کر حاضر ہو جاؤ گے تو تمہیں دھتکارا نہیں جائیگا بلکہ آغوشِ لطف و کرم کو تم اپنے لیے کشادہ پاؤ گے۔ تمہاری گزشتہ نافرمانیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

[3] لیکن اگر اب بھی تم شرارتوں سے باز نہ آئے اور بدستور مخالفت پر کمربستہ رہے تو کان کھول کر سن لو تمہاری کوئی تدبیر، کوئی کوشش، کوئی سازش اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو ناکام نہیں بنا سکتی۔ تمہارا انجام دنیا میں بھی بہت ذلت آمیز ہوگا اور آخرت کے دردناک عذاب کا تو تم تصور تک نہیں کر سکتے۔

[4] اس آیت نے سابقہ حکم کی وضاحت کر دی کہ صرف ان قبائل کے معاہدوں کو منسوخ کیا جا رہا ہے جنہوں نے معاہدوں کی خود پہلے خلاف ورزی کی اور ان کا احترام نہ کیا لیکن جو اپنے معاہدوں کے پابند ہیں۔ نہ کھلے طور پر اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں اور نہ پوشیدہ طور پر مسلمانوں کے دشمنوں کی امداد کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو معاہدے ہو چکے ہیں ان کی پابندی لازمی ہے۔

ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا

پھر انھوں نے نہ کمی کی تمہارے ساتھ ذرہ بھر اور نہ انھوں نے مدد کی تمہارے خلاف کسی کی۔ تو پورا کرو

إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾

ان سے ان کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک۔ بیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو ۹

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے ۱۰ تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انھیں اور

وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ

گرفتار کرو انھیں اور گھیرے میں لے لو انھیں اور بیٹھو ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ۔ پھر اگر یہ

تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ

توبہ کرلیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ۔ بے شک

۹ گویا عہد کو پورا کرنا بھی تقویٰ کے لوازمات سے ہے اور متقین کا شعار ہے۔ آیت کے اس تتمہ نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاہدوں کی پابندی کی اہمیت کو بالکل واضح کر دیا۔ تعلیل وتنبیه على ان اتمام عهدهم من باب التقوىٰ (مظہری)۔

۱۰ سلخ کا معنی ہے کسی ایسی چیز کو اتار پھینکنا جو جسم کے ساتھ چمٹی ہوتی ہو۔ جیسے بکری کی کھال ادھیڑنے کو بھی سلخ شاۃ کہا جاتا ہے اور یہاں مراد ہے ان مہینوں کا ختم ہو جانا۔ مرصد: رصدگاہ جہاں کسی چیز کی تاک میں بیٹھا جائے۔ اشہر حُرُم سے مراد یہاں وہ چار ماہ ہیں جو کفار و مشرکین کو بطور مہلت دیئے گئے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کو منع کر دیا گیا تھا کہ وہ چار ماہ تک کفار کے ساتھ تعرض نہ کریں۔ اس لیے انھیں بھی حُرمت والے کہا گیا۔ مشرکین سے مراد صرف عہد شکنی کرنے والے مشرک ہیں۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ یہ مشرکین جن کو تم نے چار ماہ کی مہلت دے رکھی ہے جب یہ مہینے گزر جائیں تو پھر ان عہد شکن مشرکوں پر ٹوٹ پڑو۔ آمادۂ جنگ ہوں تو انھیں تہ تیغ کر دو۔ اگر کسی قلعہ یا محفوظ جگہ میں قیام پذیر ہوں تو ان کو گھیرے میں لے لو۔ اگر قابو میں آجائیں تو گرفتار کر لو غرضیکہ اب یہ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ ہاں اگر عمر بھر کی سرکشی کے بعد بھی سچے دل سے توبہ کرلیں اور اپنی توبہ کی سچائی کا عملی ثبوت بھی مہیا کر دیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو مایوس نہ کرے گی۔

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ

اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ طلب کرے آپ سے

فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

تو پناہ دیجیے اسے تاکہ وہ سنے اللہ کا کلام پھر پہنچا دیجیے اسے اس کی امن کی جگہ میں سلہ یہ حکم اس لیے ہے

قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝٦ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ

کہ وہ ایسی قوم ہیں جو (قرآن کو) نہیں جانتے۔ کیونکر ہو سکتا ہے ۱۲ (ان عہد شکن) مشرکوں کے لیے کوئی معاہدہ اللہ کے

اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ

نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مسجدِ حرام کے پاس

۱۱ ان مشرکین میں سے جن کے ساتھ جنگ کرنے کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اگر کوئی مشرک قرآن کے پیغام کو سمجھنے، اپنی غلط فہمیاں اور شبہات دُور کرنے کے لیے ان چار ماہ کے گزرنے کے بعد بھی آنا چاہے تو آپ اسے موقع دیں کہ وہ آئے اور سمجھے اور اس عرصہ میں اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ اس کے بعد اگر حق کی روشنی اس کے دل کے افق پر نمودار ہو جائے تو عین مطلوب ورنہ اسے بڑی حفاظت سے اس کے مسکن اور قیام گاہ تک پہنچا دیں۔ آیت میں المشرکین کی وضاحت ان الفاظ سے کی گئی ہے: الذین امرتک بقتالھم (قرطبی۔ مظہری)۔ امام ابوبکر جصاص نے اس آیت سے کئی احکام مستنبط کیے ہیں جن کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا:۔

(۱) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر اسلام کی صداقت معلوم کرنا چاہے تو ہم پر فرض ہے کہ ہم اسے یہ موقع دیں اور پوری کوشش کریں تاکہ اس کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے۔

(۲) اس عرصہ میں اس کی حفاظت کی ذمہ داری حکومتِ اسلامیہ پر ہوگی۔

(۳) وہ آدمی مقررہ وقت تک ہی سلطنتِ اسلامیہ میں رہ سکتا ہے اسے غیر معین وقت تک یہاں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۴) اگر وہ زیادہ عرصہ رہنا چاہے گا تو اسے اس مملکت کی شہریت قبول کرنا پڑے گی۔

۱۲ یہاں بھی انہیں مشرکین کا ذکر ہے جنہوں نے معاہدہ کر کے توڑنا اپنا شیوہ بنا رکھا تھا۔ کیف یہاں استفہام کے لیے نہیں بلکہ اظہارِ حیرت و تعجب کے لیے ہے اور یہاں کلام میں اضمار ہے تقدیرِ کلام یوں ہے کیف یکون للمشرکین عھد

الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

تو جب تک وہ قائم رہیں تمہارے معاہدہ پر تم بھی قائم رہو ان کے لیے ۱۳ بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا

الْمُتَّقِينَ ۝٧ كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ

ہے پرہیزگاروں سے۔ کیونکر (ان کے معاہدہ کا لحاظ رکھا جاتے) حالانکہ اگر وہ غالب آجائیں تم پر تو نہ لحاظ کریں تمہارے بارے

إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَ

میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی عہد کا ۱۴ راضی کرنا چاہتے ہیں تمھیں (صرف) اپنے منہ کی باتوں سے اور انکار کر رہے ہیں

أَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ۝٨ اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا

ان کے دل اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں۔ انھوں نے بیچ دیں اللہ کی آیتیں تھوڑی سی قیمت پر (مزید برآں) روکا انھوں نے

عَن سَبِيلِهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝٩ لَا يَرْقُبُونَ

(لوگوں کو) اللہ کی راہ سے ۱۵ بیشک وہ بہت بُرا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔ نہیں لحاظ کرتے

مع اضمار الغدر (یعنی ان کے دل میں تو دھوکا اور غدر کے جذبات ہیں پھر ایسے لوگوں کے معاہدوں پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

۱۳ مصلحت کے تقاضے کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ حالات کتنے ہی اشتعال انگیز ہوں، عہد شکنی کا آغاز فرزندانِ توحید سے ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ جب تک کفار اپنے عہد پر قائم رہیں تمھیں بھی قائم رہنا چاہیے۔ اگر وہ عہد شکنی کی ابتدا کریں تو پھر تم کو بھی اجازت ہے۔

۱۴ کیف یہاں بھی اظہار حیرت و تعجب کے لیے ہے۔ اِلّ یہاں قرابت اور رشتہ داری کے معنی میں مستعمل ہوا ہے (قالہ ابن عباس) اور ذمّۃ سے مُراد معاہدہ ہے مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے معاہدوں کا کیا اعتبار جو اگر غالب آجائیں تو خون کے دریا بہا دیں اور تمہارے ساتھ ان کے جو خونی رشتے ہیں انھیں بھی بھلا دیں۔ اور جو امن اور صلح کے عہد و پیمان کر چکے ہیں وہ بھی فراموش کر دیں۔ ان کی یہ سب چکنی چپڑی باتیں ظاہر داری کے لیے ہیں ورنہ ان کے دلوں میں تو تمہارے خلاف دشمنی کا لاوا اُبل رہا ہے۔

۱۵ مروی ہے کہ جب اہل مکہ کی قوت کمزور ہوتی نظر آنے لگی تو اہل طائف نے انھیں مالی امداد کا یقین دلایا اور اسلام کے ساتھ جنگ کرنے پر انھیں پھر اکسانا شروع کر دیا۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ کفار مسلمانوں سے مصروف جنگ

فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩ فَاِنْ

کسی مومن کے حق میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی وعدہ کا - اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں - پس اگر یہ

تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ

توبہ کریں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں ۱۶ دین میں -

وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں اپنی آیتیں اس قوم کیلیے جو علم رکھتی ہے - اور اگر یہ لوگ توڑ دیں اپنی قسمیں ۱۷

رہ کر اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہے تھے کہ اس دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کی فناپذیر عیش و عشرت کے وہ اتنے دلدادہ ہیں کہ انھوں نے آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی لازوال نعمتوں کو نظرانداز ہی کر رکھا ہے - اس حقیقت کو قرآن نے لفظ اشتراء (خریدنے) سے تعبیر فرمایا، کیونکہ مشتری (خریدار) بھی قیمت سے خرید کردہ چیز کو زیادہ پسند کرتا ہے -

۱۶ عمر بھر کی ایذا رسانی اور غلو آشامی کے بعد بھی اگر وہ دعوت اسلام قبول کریں تو انھیں اسلامی برادری میں شامل کر لیا جائے گا - ان کے ساتھ کسی قسم کا ناروا سلوک نہیں کیا جائے گا - پہلے مسلمانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور اس کی رضا کے یہ بھی مستحق ہو جائیں گے - معاشرتی، ثقافتی اور تمدنی حیثیت سے ان کے وہی حقوق ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں - انھیں پھلنے پھولنے کے تمام مواقع فراہم کیے جائیں گے -

۱۷ جن کفار و مشرکین نے اسلام قبول کر کے اس کے احکام بجا لانے کا وعدہ کر لیا یا اسلامی مملکت کی پرامن رعایا بن کر رہنا منظور کر لیا، پھر اگر وہ یہ عہد توڑ دیں یا اسلام کے عقاید و نظریات پر زبان طعن دراز کرنے لگیں تو انھیں مملکت اسلامیہ کا باغی تصور کیا جائے گا - اسی آیت سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ذمی نے اگر حکومت اسلامیہ کے احکام کی خلاف ورزی شروع کر دی یا اسلام کے عقاید پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے تو اس کا وہ معاہدہ کالعدم ہو جائے گا - وفیہ دلالۃ علی ان اھل العھد متی خالفوا شیئاً مما عوھدوا علیہ وطعنوا فی دیننا فقد نقضوا العھد (احکام القرآن للجصاص)۔ طعن کا لغوی معنی ہے نیزہ کا وار کرنا - اسی طرح ہر وہ بات جو دل کو دکھ پہنچانے والی ہو اس کو بھی طعن کہتے ہیں بعض علماء لغت نے یہ فرق کیا ہے کہ طعن کا معنی جب نیزہ زنی ہو تو یہ نَصَرَ یَنْصُرُ کے باب پر ہو گا - اور جب طعن بالقول ہو تو فَتَحَ یَفْتَحُ کے باب پر ہو گا (قرطبی) اور دین پر طعن کرنے کا یہ مطلب ہے کہ دین کی طرف ایسی غلط بات منسوب کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں یا دین کے وہ عقائد اور احکام جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں ان کا مذاق اڑایا جائے و الطعن ان ینسب الیہ مالا یلیق بہ او یعترض بالاستخفاف علی ما ھو من الدین لما ثبت

مِّنۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡكُفۡرِ ۙ

اپنے معاہدہ کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین پر تو جنگ کرو کفر کے پیشواؤں سے ۱۸

اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا

بیشک ان لوگوں کی کوئی قسمیں نہیں ہیں (ایسوں سے جنگ کرو) تاکہ یہ لوگ (عہد شکنی سے) باز آجائیں کیا نہیں جنگ کرو گے تم

نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ

اس قوم کے ساتھ جنہوں نے توڑ ڈالا اپنی قسموں کو اور ارادہ کیا انھوں نے رسول کو نکال دینے کا ۱۹ اور انہی نے آغاز کیا تھا تم پر

مَرَّةٍ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾

زیادتی کا پہلی مرتبہ۔ کیا تم ڈرتے ہو ان سے ۲۰ (سنو) اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر ہو تم (سچے) ایماندار۔

من الدليل القطعي على صحة اصوله واستقامة فروعه (قرطبی۔ ابن العربی)۔

۱۸ ان لوگوں کو کفر کے پیشوا اور سرغنے کہا جارہا ہے جو قبولِ اسلام کے بعد مرتد ہو گئے۔ جو اسلام کے سایہ میں امن و راحت کی زندگی بسر کرنے کے باوجود اتنے طوطا چشم ہیں کہ اس پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ ان کی قسموں پر اعتماد کرنا یا ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آجانا بڑی سادہ لوحی ہے جو ایمانی فراست سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ ان کی کھوپڑی پر جب تمہارا آہنی گرز پڑے گا تو ان کو ہوش آئے گا اور وہ حقیقت شناسی کی طرف مائل ہوں گے۔ کفار کی ذہنیت کا کتنا صحیح تجزیہ ہے۔

۱۹ صاحب تفسیر مظہری نے لکھا ہے کہ یہ آیت یہود، منافقین اور کفارِ مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوۂ تبوک پر روانہ ہوتے تو انھوں نے حضور کو مدینہ سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور مشرکین عرب کو اپنی اعانت کا یقین دلا کر انھیں ایک بار پھر بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہی قول راجح ہے کیونکہ یہ سورۃ غزوۂ تبوک کے زمانہ میں نازل ہوئی۔ وهذا اظهر لان السورة نزلت بعد غزوة التبوك (مظہری)

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ "ان زوردار الفاظ سے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلانے کی وجہ یہ ہے کہ حج کے موقع پر اسلام کی جس نئی پالیسی کا جو اعلان کیا گیا تھا اس سے اندیشہ تھا کہ کہیں کفر کی بچی کھچی جماعت اپنی بقا و سلامتی کے لیے اپنی ساری قوتوں اور وسائل کو داؤ پر لگا کر عرب کے اطراف و اکناف میں عام بغاوت کی آگ نہ بھڑکا دے۔ ان سے تمام معاہدوں کی منسوخی کا اعلان، کعبہ کی تولیت سے محرومی، حج کعبہ کی ممانعت وغیرہ ایسے احکام تھے جن سے ان کا بھڑک اٹھنا کوئی مستبعد نہ تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو ان ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہوشیار اور مستعد رہنے کا حکم جاری کر دیا۔ اور

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ

جنگ کرو ان سے ۲۱ عذاب دیگا انھیں اللہ تعالیٰ تمھارے ہاتھوں سے اور رسوا کریگا انھیں اور مدد کریگا تمھاری انکے

يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ

مقابلے میں اور (یوں) ٹھنڈے کر دیگا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہے ۲۲ اور (یوں) دُور فرما دیگا غصہ انکے دلوں کا

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ

اور اپنی رحمت سے توجہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے ۲۳ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے کیا تم

حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

یہ خیال کر رہے ہو ۲۴ کہ تمھیں (یونہی) چھوڑ دیا جائیگا حالانکہ ابھی تک پہچان نہیں کرائی اللہ نے ان کی جو جہاد کرینگے تم میں سے

پھر ایسے انقلابی فرامین پر کسی قسم کے احتجاج کے ظہور پذیر نہ ہونے کی یہی وجہ تھی کہ انھیں ہر طرف مسلمان شمشیر بکف اور مستعد کھڑے دکھائی دے رہے تھے (واللہ اعلم بالصواب)

۲۰ یعنی کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے تم اس لیے پہلو تہی کرنا چاہتے ہو کہ تمھیں اندیشہ ہے کہ وہ تم پر غالب آجائیں۔ اس وسوسہ کو دل سے نکال دو۔ ڈرنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ توانا ہے جس کو تم نے اپنا رب اور معبود یقین کیا ہوا ہے اور ایمان صادق کا یہی تقاضا ہے۔

۲۱ کفن بردوش میدانِ کارزار میں تم قدم رکھو گے تو اللہ کی مدد تمھاری پشت پناہی فرمائے گی۔ اس نے کفار کو ذلیل و رُسوا کرنے کا جو اٹل فیصلہ فرما دیا ہے اس کا ظہور تمھارے ہاتھوں سے ہوگا۔ تمھیں کمزور اور بے بس سمجھنے والے تمھارے قدموں کی ٹھوکروں میں ہونگے۔

۲۲ کفار کے ساتھ جنگ کا حکم دے کر انھیں بتایا جا رہا ہے کہ برسوں سے وہ تمھیں ستا رہے ہیں اور تمھارے دل ان کی ایذا رسانیوں سے داغ داغ ہیں۔ اب وقت ہے کہ تم کفر و فسق کے ان علمبرداروں پر ضرب کاری لگا کر ان کی نخوت کو خاک میں ملا دو۔ اسلام کی فتح اور کفر کی ذلت دیکھ کر تمھارے دل باغ باغ ہو جائیں گے اور تمھارا بوجھ ہلکا ہو جائے گا اور انتقام کے جو شعلے بھڑک رہے ہیں وہ سرد پڑ جائیں گے۔

۲۳ اب تک جو کفر سے چمٹے ہوئے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن پر رحمت خداوندی جب توجہ فرمائیگی تو ان کے دلوں کے قفل بھی کھل جائیں گے اور وہ مستقبل میں اسلام کے جانباز سپاہی ثابت ہوں گے۔

وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ

اور جنھوں نے نہیں بنایا بغیر اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے (کسی کو اپنا)

وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ

محرم راز۔ اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔ نہیں ہے روا مشرکوں کے لیے

أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ

کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو ۳۵ حالانکہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی۔

أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ إِنَّمَا

یہ وہ (بدنصیب) ہیں ضائع ہو گئے جن کے تمام اعمال۔ اور دوزخ کی آگ میں ہی یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ صرف وہی

يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ

آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روز قیامت پر اور قائم کیا

۳۴ جہاد کو گراں سمجھنے والوں اور اس سے جی چرانے والوں کو بطور زجر و توبیخ فرمایا جا رہا ہے کہ کیا تم یہ گمان کر رہے ہو کہ تمہارا زبان سے کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہوگا اور کسی آزمائش سے تمہارے اس دعویٰ ایمان کو پرکھا نہیں جائے گا۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو تم خود فریبی میں مبتلا ہو۔ خوب کان کھول کر سن لو عمل کی کسوٹی پر تمہارے ظاہر اور باطن کو پرکھا جائے گا۔ جب جہاد کے نقارہ پر چوٹ پڑے گی تو تمھیں سربکف میدان میں حاضر ہونا ہوگا۔ اسلام کے مفاد کے لیے اپنے سابقہ تعلقات اور دوستانہ مراسم کو قربان کرنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل اسلام کے ساتھ اپنے دلی تعلقات کو استوار کرنا ہوگا۔ علم کا معنی یہاں جاننا نہیں بلکہ جتانا اور پہچان کروانا ہے۔ اس کی تحقیق کئی مقامات پر پہلے گزر چکی ہے۔ ولیجہ اس شخص کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے دلی راز کہہ سکے۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے یہی لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ فوليجة الرجل من يختص بدخلة امره دون الناس والواحد والجمع فيه سواء (قرطبی)۔

۳۵ مسجدیں محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں خصوصاً مسجد حرام جس میں کعبہ مقدسہ ہے۔ اس لیے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ ان کی تعمیر، ان کی مرمت، ان کی آبادی اور ان کے دوسرے انتظام کا متولی کفار اور مشرکین کو بنایا جائے۔ اس آیت کریمہ نے اس امر کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا اور اس حکم سے حرم کعبہ جو سالہا سال کفار و مشرکین کی تولیت میں تھا

الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ

نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے پس امید ہے کہ یہ لوگ

اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ

ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے ۲۶ کیا تم نے ٹھیرا لیا ہے ۲۷ حاجیوں کو پانی پلانے والے کو

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ

اور مسجد حرام کے آباد کرنے والے) کو اس شخص کی مانند جو ایمان لے آیا اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور جہاد کیا

مسلمانوں کو اس کا متولی بنا دیا گیا۔ فاقتضت الآیة منع الکفار من دخول المسجد ومن بنائها وتولی مصالحها والقیام بها (جصاص)۔ آیت سے پتہ چلتا ہے کہ کافر نہ مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں نہ اس کو تعمیر کر سکتے ہیں نہ اس کے متولی بن سکتے ہیں۔

۲۶ مساجد کے متولی اور منتظم وہی لوگ بن سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر یقینِ محکم رکھتے ہوں اور عملی اعتبار سے وہ نماز اور زکوٰۃ کے پورے پورے پابند ہوں اور ان کے کردار کی بلندی کا یہ عالم ہو کہ دین کے معاملہ میں وہ کسی سے خوفزدہ نہ ہوں اور رضاءِ الٰہی پر کسی کی خوشنودی کو ترجیح نہ دیں۔ عمارتِ مسجد میں اداءِ نماز، ذکرِ الٰہی اور تعلیمِ قرآن کے علاوہ اس کی تعمیر، اس کی مرمت، اس کی صفائی اور روشنی سب داخل ہیں وعمارتها تزیینها بالفرش وتنویرها بالسرج وادامة العبادة والذکر ودرس العلم فیها وصیانتها عما لم تبن له (بیضاوی)۔

۲۷ میدانِ بدر میں جب (حضرت) عباس اسیر ہوئے تو کسی نے ان کو اسلام قبول نہ کرنے پر ملامت کی انھوں نے کہا اگر تمھیں اسلام لانے اور جہاد کرنے کا فخر ہے تو ہم بھی تم سے کم نہیں۔ مسجد حرام کی آبادی، کعبہ کی خدمت گزاری اور حجاج کو پانی پلانے کی عزت تو ہمیں ہی حاصل ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ شرک کی موجودگی میں تمھاری یہ باتیں ان لوگوں کے اعمال کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کا سکہ جمانے کے لیے سر بکف میدانِ جہاد میں آ موجود ہوتے ہیں۔ الفاظِ آیت سقایة اور عمارة مصدر ہیں۔ اگر یہ اسم فاعل کے معنی میں یہاں مستعمل ہوں تو کلام میں کسی لفظ کو مقدر ماننے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی معنی ہو گا کہ حاجیوں کو پانی پلانے والا اور مسجد کو آباد کرنے والا اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے اور جہاد کرے۔ اور اگر مصدر اپنے مصدری معنی میں ہی مستعمل ہو تو پھر کلام میں حذف ماننا پڑے گا اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو مشبہ میں محذوف مانیں تو اس وقت تقدیرِ کلام ہو گی اجعلتم اهل سقایة الحاج وعمارة المسجد الحرام اور یا مشبہ بہ میں محذوف مانیں تو اس وقت تقدیرِ کلام ہو گی اجعلتم سقایة الحاج وعمارة المسجد الحرام کایمان من اٰمن بالله وجهاد من جاهد۔ (مظہری۔ قرطبی۔ بیضاوی)۔

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی

اس نے اللہ کی راہ میں وہ نہیں یکساں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۱۹ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ

ان لوگوں کو جو ظالم ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا

سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ

میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بہت بڑا ہے (ان کا) درجہ اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۲۰ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ

نزدیک ۴۸ اور یہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں ۴۹ خوشخبری دیتا ہے انھیں ان کا رب اپنی رحمت

۴۸ کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کی خدمتگزاری اور مسافروں کی مہمان نوازی کو اسلام سے روگردانی کرنے کی صورت میں اپنی نجات کے لیے کافی سمجھنے والے کان کھول کر سن لیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان کے بغیر اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اس کی بارگاہِ عالی میں تو انہی کے لیے اعزاز و اکرام کے رتبے ہیں جو ایمان، ہجرت اور جہاد کی صفات سے متصف ہیں۔

۴۹ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں رحمتِ الٰہی اور رضاءِ خداوندی کی نویدِ جانفزا سنائی جا رہی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس کے بعد اور رہ ہی کیا جاتا ہے جس کے حصول کی تمنا دل میں پیدا ہو۔ اللھم اجعلنا منھم بجاہ حبیبک المکرم سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلٰی الہ وسلم۔ ان صفات سے پوری طرح متصف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام تھے جنھوں نے کفار کی سفاکیوں اور سنگدلانہ جور و ستم کا بڑی مردانگی سے مقابلہ کیا جنھوں نے محض اپنے دین کی خاطر اپنے شاد و آباد گھروں کو چھوڑ کر غریب الوطنی کی سختیوں اور پریشانیوں کو خوش آمدید کہا جنھوں نے میدانِ جہاد میں عدیم المثال سرفروشی اور جانبازی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ کفر کے علم سرنگوں ہو گئے۔ کفار کے چھکے چھوٹ گئے اور اسلام کا آفتابِ اقبال ہر سو ضیاء پاشیاں کرنے لگ گیا۔ ایسے ہی نفوسِ قدسیہ کے بارے میں قرآن کریم گواہی دے رہا ہے کہ بارگاہِ ربّ العزت میں ان کے درجات بڑے بلند ہیں۔ اپنے رب کی راہ میں اپنے گھر، اپنے سر اور اپنا مال و متاع قربان کرنے والے دیوانگانِ عشق کے سروں پر فوز و کامرانی کا زرنگار تاج سجایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے، جس سے کسی کے دل کا راز بھی پوشیدہ نہیں، جس کے سامنے ہر شخص کا ماضی، حال اور مستقبل آشکارا ہے، جن لوگوں کے بارے میں اس کی زبانِ قدرت شہادت دے رہی ہے واُولٰئک ھم الفائزون الخ ان کے بارے میں چہ میگوئیاں، ان کے ایمان پر اعتراض کسی ایسے شخص کو تو ہرگز

مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ

اور اپنی خوشنودی کی اور (لیے) باغات کی کہ ان کے لیے ان میں دائمی نعمت ہوگی۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

وہ اس میں تا ابد۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اجر عظیم ہے۔ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

نہ بنا لو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دلی دوست اگر وہ پسند کریں

الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

کفر کو ایمان پر سلہ اور جو دوست بناتا ہے انھیں تم میں سے تو وہی لوگ ظلم

الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ

کرنے والے ہیں۔ (اے حبیب!) آپ فرمائیے اگر ہیں تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور

اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ

تمھاری بیویاں اور تمھارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار

تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو سلہ زیادہ پیارے ہیں تمھیں اللہ تعالیٰ سے

زیب نہیں دیتے جو قرآن کو اللہ کا کلام مانتا ہے اور اللہ کو علیم وخبیر یقین کرتا ہے۔

سلہ دارکفر کو چھوڑ کر دار اسلام کی طرف ہجرت کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی رشتہ داریاں ہی تو تھیں جن کی محبت اور خاطرداری کی وجہ سے انسان اس فریضہ کی ادائیگی سے محروم رہ جاتا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ کسی سے خواہ وہ تمھارے باپ اور بھائی ہی کیوں نہ ہوں ایسی دلی دوستی قائم نہ کرو جو کسی وقت حکم الٰہی کی بجا آوری میں حائل ہو۔

سلہ اس آیت کریمہ میں ہر طرح کے بندھنوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن میں انسان اپنے آپ کو اپنی فطرت اور ضرورت

وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم ۲۳

کے باعث بندھا ہوا ہوتا ہے۔ ماں باپ کی محبت اپنی اولاد سے اور اولاد کی اپنے ماں باپ سے۔ بھائی بہنوں کی باہمی اُلفت میاں بیوی کا گہرا تعلق یہ سب انسانی فطرت کے تقاضے ہیں۔ مال، کاروبار اور مکانات وغیرہ سے انسان کا لگاؤ اس لیے ہے کہ وہ زندگی بسر کرنے اور اسے عزت و آرام سے گزارنے میں ان کا محتاج ہے۔ دینِ اسلام کیونکہ دینِ فطرت ہے وہ انسان کے طبعی تقاضوں اور اس کی ضروریات کا مناسب خیال رکھتا ہے اس لیے اس نے یہ حکم نہیں دیا کہ سرے سے یہ محبت کے رشتے توڑ دئے جائیں اور ان چیزوں کی طرف سے بالکل توجہ ہی ہٹالی جائے۔ لیکن کیونکہ انسانی زندگی کی غرض و غایت صرف انہی چیزوں تک محدود نہیں بلکہ ان سے بہت آگے اور بہت بلند ہے اس لیے انسان کو انہی تعلقات اور انہی اشیاء میں کھو جانے سے روکا ہے اور حکم دیا کہ بیشک ان اشیاء سے محبت و پیار کرو لیکن صرف اس حد تک جبکہ یہ چیزیں تمہاری روحانی ترقی میں حائل نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم کی محبت اور عشق سے نہ ٹکرائیں۔ ایثار و شہادت کے میدان میں جانے سے تمہارا راستہ نہ روکیں۔ اگر کبھی ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو پھر ان تعلقات کو اور ان چیزوں کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے آگے نکل جاؤ۔ تب تم اپنے آپ کو ایماندار کہلانے کے حقدار ہو۔ بعض علماء نے یہاں محبت طبعی اور اختیاری کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاں تک انسان کا اختیار ہے وہ اللہ اور رسول سے زیادہ محبت کرے اور اگر بلا اختیار وہ کسی اور سے زیادہ محبت کرے تو حرج نہیں۔ لیکن حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان ہی کیا ہے جس کی طبیعت شریعت اسلامی کی پابند نہ ہو۔ قلت وکمال الایمان ان یکون الطبیعة تابعة للشریعة فلا یقتضی الطبع الا ما یامرہ الشریعة۔ چنانچہ حدیثِ پاک میں بھی صراحۃً موجود ہے کہ جب تک اللہ کا رسول ماں باپ، اولاد اور ہر چیز سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہو اس وقت تک انسان مومن نہیں ہو سکتا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ اس کے بعد علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ یہ نعمت بجز اولیاء کاملین کی صحبت کے نصیب نہیں ہو سکتی۔ وذالک کمال الایمان لا یکتسب ذلک الا من مصاحبة ارباب القلوب الصافیة والنفوس الزاکیة وھذہ الاٰیة وما ذکرنا من الاحادیث یوجب افتراض اکتساب التعرف من خدمة المشائخ رضی اللہ عنہم اجمعین (مظہری)۔ سچ تو یہ ہے کہ ایمان کا لطف ہی تب آتا ہے جب دل میں اللہ اور اس کے رسول کا عشق شعلہ زن ہو۔ اس وقت یہ ساری زنجیریں خود بخود پگھل جاتی ہیں اور سارے حجاب تار تار ہو جاتے ہیں۔ ماں باپ اپنے بچوں کے تڑپتے ہوئے لاشے دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں۔ عورتیں اپنے شوہروں کے سربریدہ جسم دیکھ کر سجدۂ شکر ادا کرتی ہیں اور یہی دعائیں مانگتی ہیں کہ اے اللہ العٰلمین ہمارے ماں جائے کو شہادت نصیب فرما۔ اس وقت نہ رات کو نیند ستاتی ہے اور نہ دن کو تھکن محسوس ہوتی ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ کے یہ شعر پڑھیے اور اہلِ عشق و محبت کی بیتابیاں

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ

اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے۔ بیشک مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہت سے

مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ

جنگی میدانوں میں ۳۳ اور حنین کے روز بھی ۳۴ جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے پس نہ

ملاحظہ فرمایئے: ؎

أحبك حبين حب الهوى — وحبا لأنك أهل لذاكا
فأما الذي هو حب الهوى — فشغلي شغلت به عن سواكا
وأما الذي أنت أهل له — فكشفك لي الحجب حتى أراكا (المنار)

ترجمہ: (۱) اے مولا! میں تجھ سے دوہری محبت کرتی ہوں۔ ایک تو یہ کہ تو میرا محبوب ہے۔ دوسری یہ کہ تو اس قابل ہے کہ تجھ سے محبت کی جائے۔ (۲) پہلی محبت نے تو مجھے ماسوا سے بے خبر کر دیا ہے۔ (۳) دوسری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ حجاب سرک جائیں اور چشم شوق لذت دید حاصل کرے۔

۳۲ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور راہ حق میں جہاد کرنے سے زیادہ تمہیں کوئی چیز عزیز اور پیاری ہے تو پھر عذاب الٰہی کا انتظار کرو۔ اب تم رحمت و عنایت کے مستحق نہیں رہے بلکہ ناراضگی اور عتاب کے سزاوار ہو گئے ہو۔

۳۳ سورۂ براءۃ کے اعلان سے جو حالات پیدا ہو گئے تھے اور اندیشہ تھا کہ کفار پھر ایک بار سب مل کر جان کی بازی لگا دیں گے۔ مسلمانوں کے دلوں سے ایسے وسوسے دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ جس خدا نے اس سے پہلے بے شمار موقعوں پر تمہاری دستگیری فرمائی ہے اور تمہاری قلیل تعداد کو دشمن کی کثرت پر فتح دی ہے اس کی نصرت آج بھی تمہارے ساتھ ہے۔ کل ہی کی بات یاد کرو حنین میں کس طرح تمہاری پسپائی کو اس کی نصرت اور اعانت نے فتح مبین میں تبدیل کر دیا۔ آج بھی اسی پر توکل کرو اور دشمن کی کسی سازش سے مت گھبراؤ۔

۳۴ مکہ مکرمہ فتح ہوتا ہے اور کفر و شرک کا محکم حصار پیوند خاک کر دیا جاتا ہے۔ پندرہ دن تک مسلمان امن و سکون سے مکہ میں ٹھیرے رہتے ہیں اور طواف کعبہ کی حسرتوں کو پورا کرتے ہیں۔ اسی اثناء میں اطلاع ملی کہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے لشکر جرار کے ساتھ ادھر کا رخ کرتے ہیں۔ لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ دس ہزار انصار و مہاجر تھے اور دو ہزار مکہ کے نومسلم بعض مشرک بھی شریک ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے جب بارہ ہزار کا لشکر جرار دیکھا تو بعض نے دل ہی دل میں خیال کیا کہ آج کوئی طاقت ہمیں مغلوب نہیں کر سکتی۔ جب یہ لشکر حُنین کی وادی میں پہنچا جو مکہ کے جنوب مشرق کی طرف صرف تین میل دور ہے تو مالک بن عوف کی قیادت میں ہوازن و ثقیف

تُغۡنِ عَنۡكُمۡ شَيۡـًٔا وَّضَاقَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ

فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے ۔ پھر تم

وَلَّيۡتُمۡ مُّدۡبِرِيۡنَ ۝۲۵ ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَ

مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے ۔ پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی (خاص) تسکین اپنے رسول پر اور

عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا وَعَذَّبَ الَّذِيۡنَ

اہل ایمان پر اور اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور عذاب دیا کافروں

كَفَرُوۡا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝۲۶ ثُمَّ يَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ

کو ۔ اور یہی سزا ہے کافروں کی ۳۵؎ پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد

کے ماہر تیر انداز تنگ وادی کی کمین گاہوں میں چھپ کر بیٹھ رہے جب مسلمان ٹھیک ان کی زد میں آگئے تو مالک نے تیر برسانے کا حکم دیا۔ تیروں کی بے پناہ اور غیر متوقع بارش سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا حضور کریم کی معیت میں صرف ۔ ابو بکرؓ، عمرؓ، عباسؓ، علیؓ، ابو سفیان بن الحارث اور چند اور جاں نثار رہ گئے ۔ اس نازک حالت میں حضورؐ کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ پلٹنے ثبات میں جنبش نہ ہوئی۔ سفید خچر پر سوار تھے۔ اسے ایڑی لگائی اور دشمن کی صفوں کی طرف بڑھایا۔ حضرت عباسؓ نے باگ تھام رکھی تھی اور ابو سفیان بن الحارث نے رکاب پکڑی ہوئی تھی۔ حضورؐ فرما رہے تھے انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبد المطلب ۔ اسی حالت میں حضورؐ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر ان کی طرف پھینکی ۔ کوئی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں نہ پڑی ہو۔ آسمان سے فرشتوں کا غیر مرئی لشکر بھی اتر آیا ۔ دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے ۔ حضورؐ کے حکم سے حضرت عباسؓ نے بلند آواز میں مہاجرین اور انصار کو پکارا : یا معشر الانصار الذین آووا و نصروا یا معشر المہاجرین الذین بایعوا تحت الشجرة ان محمدا حی نعلموا ترجمہ : اے گروہ انصار جنہوں نے غریب الدیار مہاجرین کو پناہ دی اور نازک اوقات میں اسلام کی امداد کی ۔ اے گروہ مہاجرین، جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں سب ان کے پاس جمع ہو جاؤ :

آواز سنتے ہی صحابہ پروانہ وار دوڑے چلے آئے اور حضورؐ کے ارد گرد جمع ہو گئے ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت سے اہل اسلام کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی ۔

۳۵؎ یعنی کفار کی یقینی فتح رسوا کن شکست میں بدل گئی ۔ ستر آدمی قتل ہوئے ۔ ہزاروں کی تعداد میں قید ہو گئے ۔

ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

جس پر چاہے گا ۳۲ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اے ایمان والو!

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ

مشرکین تو نرے ناپاک ہیں ۳۳ سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام سے اس

فقط عورتوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ بے اندازہ مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ ۲۴ ہزار اونٹ، تیس ہزار بھیڑیں اور بکریاں۔ چار ہزار اوقیہ چاندی ذلک کے لفظ نے یہ بتا دیا کہ کفار کا طبعی انجام یہی ہے کہ ان کو ہر میدان میں شکست کا سامنا کرنا پڑے اور قیامت کے ابدی عذاب سے پہلے دنیا میں ہی وہ اپنے کیے کی سزا بھگت لیں۔

۳۲ حنین کی فتح کے بعد طائف کا محاصرہ کیا گیا جو اٹھارہ روز تک جاری رہا اس کے بعد حضور کریم جعرانہ کے مقام پر واپس تشریف لائے جہاں سارا مالِ غنیمت اکٹھا کیا گیا تھا اور اس کو حکمِ خداوندی کے مطابق تقسیم فرمایا۔ اس کے بعد ہوازن کا ایک وفد جو مشرف باسلام ہو چکا تھا حاضرِ خدمت ہوا اور رحمت و شفقت کا خواستگار ہوا حضورؐ نے فرمایا میں نے اتنے روز اس مال کی تقسیم میں تاخیر کی لیکن تم نہ آئے۔ اب مال تقسیم ہو چکا ہے۔ اب دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو۔ اہل و عیال یا مال و اسباب۔ انھوں نے عرض کی ہم مال و اسباب کے طلبگار نہیں۔ ہمارے اہل و عیال واپس فرما دیجیے۔ چنانچہ حضورؐ نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ مسلمان ہو کر ہمارے پاس آتے ہیں ہم نے انھیں اختیار دیا ہے کہ چاہے مال و اسباب لے لیں چاہے اہل و عیال آزاد کرا لیں۔ انھوں نے اہل و عیال کو آزاد کرانا پسند کیا ہے اس لیے ان کے جو اسیر میرے حصہ میں اور عبد المطلب اور ہاشم کی اولاد کے حصہ میں آتے ہیں میں انھیں آزاد کرتا ہوں۔ اپنے آقا و مرشد کا ارشاد سن کر سب انصار و مہاجر بیک زبان عرض پرداز ہوئے اما ما کان لنا فھو لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ یا رسول اللہ! جو قیدی ہمارے حصہ میں آتے ہیں سب حضورؐ کی نذر ہیں۔ چنانچہ اس طرح ان دشمنوں کے اہل و عیال کو عزت و احترام سے آزاد فرما دیا۔ اس فیاضانہ سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام سے عداوت اور عناد کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد پڑ گئے اور حضور کریم کی دریا دلی کو دیکھ کر اسلام کے قدیم دشمن بھی اسلام کے گرویدہ ہو گئے۔ اس آیت میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔

۳۳ فتح مکہ کے بعد بھی مشرکین عرب حرمِ کعبہ میں داخل ہوتے اور اپنے جاہلانہ رواج کے مطابق طواف کرتے اور ارکانِ حج بجا لاتے۔ اس آیت نے آئندہ کے لیے ممانعت کر دی کہ کعبۂ مقدسہ جو محض اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے وہاں اب مزید کسی مشرکانہ پوجا پاٹ کی اجازت نہیں ہو گی سیٹیاں اور تالیاں بجا بجا کر برہنہ طواف کرنا اور اس قسم کی دوسری لغو رسمیں قطعاً بند ہیں۔ مشرکین کے نجس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد اور باطل نظریات کی وجہ سے ناپاک ہیں۔ ائمہ مجتہدین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اس حکم کی نوعیت کیا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک

عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ

سال کے بعد اور اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا ۳۸ تو غنی کر دے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے

فَضْلِهٖٓ إِنْ شَآءَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِينَ

فضل و کرم سے اگر چاہے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے۔ جنگ کرو ۳۹ ان لوگوں سے جو نہیں

لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ

ایمان لاتے اللہ پر ۴۰ اور نہ روزِ قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے

کوئی مشرک کسی اشد ضرورت کے بغیر کسی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کوئی کافر مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا، دوسری مساجد میں داخلہ ممنوع نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر مسجد میں کافر داخل ہو سکتا ہے اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حج کرنے اور اپنی مشرکانہ رسوم ادا کرنے کے لیے داخلہ بند ہے۔ (جصاص)

۳۸ جب کفار سے قطع تعلق کا اعلان کر دیا گیا تو بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال گزرا کہ اس طرح تو تجارتی کاروبار بھی بند ہو جائے گا ضرورت کی چیزیں نایاب ہو جائیں گی اور کھانے پینے کی اشیاء کی بھی تنگی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رزق کی بست و کشاد میرے دستِ قدرت میں ہے یہ خوف دلوں سے نکال دو۔ حضرت صدر الافاضل فرماتے ہیں (اگر چاہے) فرمانے میں تعلیم ہے کہ بندے کو چاہیے کہ طلبِ خیر اور دفعِ آفات کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور تمام اُمور کو اسی کی مشیت سے متعلق جانے (خزائن العرفان)۔

۳۹ جب جزیرہ عرب کے بیشتر حصہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور مشرکین کی طاقت ختم کر دی گئی تو ارد گرد کی حکومتوں کو بھی اسلام کی روز افزوں قوت سے خدشہ پیدا ہونے لگا اور انھوں نے اسلام کو کچل دینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس سے تاریخِ اسلام کے نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اب مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکینِ عرب کے بجائے عیسائیوں کی فوجیں صف بستہ ہونے والی تھیں۔ اس لیے اس آیت میں اہلِ کتاب کے ساتھ جنگ کرنے کے قواعد و ضوابط بیان کیے جا رہے ہیں۔

۴۰ اہلِ کتاب کے ساتھ جنگ کی اجازت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں چار بنیادی خرابیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ان کا ایمان نہیں کیونکہ انھوں نے اس کے بیٹے مان رکھے ہیں۔ روزِ قیامت جو روزِ حساب ہے اس کے متعلق بھی انھوں نے من گھڑت تصورات قائم کر رکھے ہیں۔ ان کی آسمانی کتابوں میں جو احکامِ الٰہی ہیں ان کو انہوں نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کی نذر کر دیا ہے جس حکم کو چاہا مان لیا اور جس کو چاہا نظر انداز کر دیا اور دینِ حق (اسلام) جب ان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ایسے لوگ اگر تسلط و اقتدار کے مالک بن گئے تو ظلم و تشدد کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے

الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾

یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ لـــہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں ـــ٤٢

لیے اگر ان کی طرف سے حملہ یا نقضِ امن کا خطرہ ہو تو ان سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

لـــہ اگر وہ اسلام کی بالا دستی کو تسلیم کرتے ہوئے مملکتِ اسلامیہ کا پُر امن شہری بن کر رہنا چاہیں تو وہ جزیہ ادا کر کے ایسا کر سکتے ہیں۔ جزیہ وہ ٹیکس ہے جو کسی مملکت کے شہریوں پر عائد کیا جاتا ہے اور کتبِ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا آغاز اسلام سے پہلے نوشیرواں نے کیا تھا اور عرب کے وہ صوبے جو ایرانیوں کی عملداری میں تھے اس سے خوب واقف تھے۔ اسی لیے جب یمن کے عیسائی (اہلِ نجران) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اسلام قبول کرنے سے معذرت پیش کی لیکن ساتھ ہی جزیہ ادا کرنے پر آپ سے صلح کر لی۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں یہ پہلا جزیہ ہے جو وصول کیا گیا۔ جزیہ کے عائد کرنے کی مختلف وجوہات جو علماء نے بیان کی ہیں صاحب المنار نے انھیں یکجا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ان کے قتل نہ کیے جانے کا بدل ہے یا ان کی حفاظت اور ان کو فوجی خدمات سے مستثنیٰ کرنے کا معاوضہ ہے یا وہ مساویانہ حقوق جو انھیں مملکتِ اسلامیہ کا شہری ہونے کی وجہ سے حاصل ہیں اور انھیں مذہبی اور معاشی آزادی جو دی گئی ہے یا ان کے مال و جان و آبرو کی حفاظت کی جو ذمہ داری لی گئی یہ اس کا معاوضہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوجی خدمات سے انھیں مستثنیٰ کرنے اور ان کے مال و جان اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لینے کا معاوضہ ہے۔ حضرت خالد بن ولید نے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم سے جو معاہدہ کیا تھا اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

"هذا كتاب من خالد بن وليد لصلوبا بن نسطونا وقومه اني عاهدتكم على الجزية والمنعة فلك الذمة والمنعة وما منعناكم فلنا الجزية والا فلا. كتب سنة اثنتي عشرة في صفر"

ترجمہ:۔ یہ عہد نامہ ہے جو خالد بن ولید نے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم سے کیا۔ میں تم سے اس بات کا معاہدہ کرتا ہوں کہ تم جزیہ ادا کرو اور ہم تمھاری حفاظت کریں۔ جب تک ہم تمھاری حفاظت کریں گے ہم جزیہ وصول کرنے کے حقدار ہیں ورنہ نہیں۔ (ماہ صفر ١٢ھ)

اس روایت سے اور اس کی ہم معنی متعدد روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جزیہ اس ذمہ داری کا معاوضہ تھا جو مسلمان ان کی حفاظت اپنے ذمہ لیا کرتے تھے اور ایسا بھی ہوا کہ جب کبھی مسلمانوں نے محسوس کیا کہ وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ

اور کہا یہود نے کہ عُزیر اللہ کا بیٹا ہے ۴۳؎ اور کہا نصرانیوں نے کہ مسیح

سے قاصر ہیں تو انھوں نے جزیہ کی وصول شدہ رقم واپس کر دی۔ چنانچہ جنگِ یرموک سے پہلے جب مسلمانوں نے جنگی مصلحت کے پیشِ نظر حمص وغیرہ کو خالی کرنا ضروری سمجھا تو افواجِ اسلامیہ کے سپہ سالارِ عام حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے تمام ماتحت جرنیلوں کو حکم بھیجا کہ اپنے اپنے علاقہ سے جو جزیہ اور خراج انھوں نے وصول کیا ہے وہ لوگوں کو واپس کر دیں اور انھیں بتائیں کہ تمھاری حفاظت کی ذمہ داری ہم نے قبول کی تھی جس کے عوض تم نے ہمیں یہ رقوم دی تھیں سردست ہم اس کو نبھانے سے قاصر ہیں اس لیے ہم یہ واپس کر رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر کامیابی بخشی تو جو معاہدہ ہمارے اور تمھارے درمیان ہو چکا ہے وہ بحال رہے گا۔ اگر تم نے اسے نہ توڑا تو ہم اس کی پابندی کریں گے جب وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کا یہ رویّہ دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے اور وہ دعائیں مانگنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں پھر واپس لائے اور دشمن پر غلبہ نصیب کرے ردکم اللہ علینا ونصرکم علیہم فلو کانوا ھم لم یردوا علینا شیئاً "اللہ تعالیٰ تمھیں ہمارے پاس واپس لائے اور تمھاری مدد فرمائے۔ اگر وہ (رومی) ہوتے تو ہمیں پھوٹی کوڑی بھی واپس نہ کرتے" یہی وہ بے مثل کردار تھا جس نے انھیں اسلام کا گرویدہ بنا دیا۔ عہدِ فاروقی میں ہمیں ایسے متعدد واقعات دکھائی دیتے ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ جب جزیہ ادا کرنے والوں نے جنگ میں شرکت کی تو ان کا جزیہ معاف کر دیا گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کس سے جزیہ لے کر صلح کی جا سکتی ہے امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں کہ اہلِ کتاب سے جزیہ پر صلح کرنے کا حکم قرآن کریم میں ہے اور مجوس جو اہلِ کتاب نہ تھے ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جزیہ قبول فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام کفار سے خواہ وہ اہلِ کتاب نہ ہوں جزیہ لیکر صلح کر لینا شرعاً جائز ہے بجز عرب کے بت پرستوں کے کہ ان کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ اسلام یا تلوار۔ مولانا آزاد نے یہاں خوب لکھا ہے: "باقی رہے مشرکینِ عرب، تو ان کا سوال عملاً پیدا ہی نہیں ہوا کیونکہ سورۃ براءۃ کے نزول کے بعد تمام مشرکینِ عرب مسلمان ہو چکے تھے اور حکمتِ الٰہی کا فیصلہ یہی تھا کہ جاہلیتِ عرب کا شرک پھر یہاں سر نہ اٹھائے" لیکن جو قبیلے یا اہلِ ملک جزیہ ادا کرنے پر صلح کرتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے تمام افراد پر بلا استثناء جزیہ کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے بلکہ عورتیں، بچے، بوڑھے، لنگڑے، اپاہج وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ولذلک قال اصحابنا ان من لم یکن من اھل القتال فلا جزیۃ علیہ فقالوا من کان اعمٰی او زمنا او مفلوجا او شیخاً کبیراً فانیاً وھو موسر فلا جزیۃ علیہ (جصاص)

۴۲؎ امام شافعی اپنی احکام القرآن میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں سمعت رجالاً من اھل العلم یقولون الصغاً ان یجری علیہم حکم الاسلام (احکام القرآن للشافعی) یعنی اہلِ علم نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ اسلام کے احکام ان پر نافذ کیے جائیں۔

۴۳؎ جب یہود کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئیں، انبیاء کو بیدریغ قتل کرنا، تورات کے احکام میں من مانی تاویلات کرنا ان کی عادت بن گئی تو خدا کا عذاب بخت نصر (متوفی ۵۶۱ ق م) کی صورت میں نمودار ہوا۔ جس نے بیت المقدس کی

ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِــــُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ

اللہ کا بیٹا ہے ٥٤ یہ ان کی (بے سر و پا) بات ہے انکے مُونہوں سے نکلی ہوئی ٥٥ نقل اُتار رہے ہیں اُن لوگوں کے

كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا

قول کی جنہوں نے کفر کیا پہلے ٥٦ ہلاک کرے انھیں اللہ تعالیٰ، کدھر بھٹکے چلے جارہے ہیں۔ انھوں نے بنا لیا

اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یہود کو ہزاروں کی تعداد میں بے رحمی سے قتل کیا گیا اور تورات کے موجودہ نسخے بھی اس شورش میں ضائع ہوگئے تو اس وقت حضرت عزیر جنھیں عبرانی میں عزرا (EZRA) (متوفی ٤٥٨ ق م تقریباً) کہتے ہیں نے اپنی یاد سے یہود کو تورات عہد نامہ قدیم کی املاء کرا دی اور کچھ مدت کے بعد جب تورات کا ایک قدیم نسخہ دستیاب ہوا تو وہ بعینہٖ اسی طرح پایا گیا جس طرح حضرت عزیر نے تحریر کرایا تھا۔ اس سے آپ کی قدر و منزلت یہود کے دلوں میں بہت بڑھ گئی اور آپ کو مجدد دین موسوی کا خطاب دیا گیا۔ اور ان میں سے بعض نے تو اتنا غلو کیا کہ انھیں ابن اللہ کہنا شروع کر دیا۔ عام یہودیوں کا تو یہ عقیدہ نہ تھا صرف یہودیوں کا ایک گروہ اس کا قائل تھا جن کے نام بروایت ابن عباس یہ ہیں۔ سلام بن مشکم نعمان بن اوفی، وشاس بن قیس ومالک بن الصیف (بحر) اور اب اس عقیدہ کے لوگ ختم ہو چکے ہیں قال النقاش لم یبق یھود یقولھا بل انقرض (بحر وغیرہ)۔ اور جب قوم کے بعض ذمہ دار افراد کسی بات کے قائل ہوں تو وہ بات ان کی ساری قوم کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے اگرچہ ساری قوم نے وہ بات نہ بھی کہی ہو۔

٥٤ ابن اور ولد دو عربی لفظ ہیں۔ ولد تو صُلبی اولاد کو ہی کہا جاتا ہے۔ ابن کا اگرچہ حقیقی معنی یہی ہے لیکن بطور مجاز محبوب اور لاڈلے کو بھی ابن کہہ دیتے ہیں جیسے نحن ابناء اللہ و احباؤہ میں ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کی اکثریت کا عقیدہ تو یہی ہے کہ ابن کا معنی (SON OF GOD) ہے لیکن بعض اس سے اس کا مجازی معنی مُراد لیتے رہے ہیں۔ علامہ ابن حیان فرماتے ہیں کہ جب نبوت محمدی کا نور ظہور ہوا اور ابنیت کے عقیدہ کے بطلان پر اٹل دلائل قائم کر دیے گئے اور مناظروں میں بھی عیسائیوں کو لاجواب ہونا پڑا تو لاچار ہو کر انھوں نے ابن اللہ کا یہ مجازی مفہوم (یعنی محبوب) بیان کرنا شروع کر دیا ویقال ان بعضھم یعتقدھا بنوۃ حنو و رحمۃ وھذا القول لم یظھر الا بعد النبوۃ المحمدیۃ و ظھور دلائل صدقھا و بعد ان خالطوا المسلمین وناظروھم فرجعوا عما کانوا یعتقدون فی عیسیٰ (بحر المحیط)

٥٥ علماء معانی نے یہاں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں قول کے ساتھ فم (مُنہ) یا لسان (زبان) مذکور ہے وہاں اس کا معنی غلط اور بے سروپا بات ہے یعنی ان کے پاس اس عقیدہ کی کوئی دلیل نہیں یونہی تُک بازی اور زبانی باتیں ہیں۔

٥٦ یضاھئون کا معنی ہے ملتا جلتا ہونا۔ اسی وجہ سے اس عورت کو بھی ضہیاء کہتے ہیں جس میں انوثت کی علامات

اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَالۡمَسِيۡحَ ابۡنَ

اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر ۷۷ اور مسیح فرزند

مَرۡيَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ

مریم کو بھی۔ حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انھیں بجز اس کے کہ وہ عبادت کریں (صرف) ایک خدا کی۔ نہیں کوئی خدا بغیر اس کے

سُبۡحٰنَهٗ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ

وہ پاک ہے اس سے جسے وہ اس کا شریک بناتے ہیں ۷۸ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو ۷۹

نہ پائی جاتی ہوں اور وہ اپنے چہرہ مہرہ سے مردوں کی ہی شکل دکھائی دے۔ آیت کے ان الفاظ سے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہودی اور عیسائی جو حقیقت میں توحید کے علمبردار تھے ان میں مشرکانہ نظریات سرایت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اردگرد جو مشرک قومیں آباد تھیں وہ خدا کو مجسم چیز مانتی تھیں۔ اور دوسری اشیاء میں اس کے حلول کی قائل تھیں مثلاً یونان کے فلسفی۔ ان سے یہ لوگ متاثر ہوتے اور ان کے مشرکانہ نظریات کو بڑی فراخدلی سے اپنے دین توحید میں داخل کر لیا۔ یہودی اور عیسائی مذہب کس طرح یونانی، رومی اور مصری فلسفیانہ نظریات سے متاثر ہوا، یہ اب کوئی راز نہیں رہا بلکہ یورپ کے محققین نے اس پر سیر حاصل کتابیں لکھ کر قرآن حکیم کے اس ارشاد کی تائید کر دی ہے۔

۷۷ احبار جمع ہے حبر کی۔ اہل تفسیر اسے حَبر (بالفتح) اور اہل لغت اسے حِبر (بالجر) پڑھتے ہیں لیکن فراء نے کہا ہے کہ دونوں طرح صحیح ہے۔ الکسر والفتح لغتان۔ اس کا معنی ہے جید عالم جو بڑی عمدگی اور سلیقہ سے بات کر سکے وھو الذی یحسن القول وینظمہ ویتقنہ بحسن البیان عنہ (قرطبی)۔ رہبان راہب کی جمع ہے جو رھبۃ بمعنی خوف سے ماخوذ ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ کے خوف سے اپنی ساری زندگی اس کی عبادت کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔

۷۸ حضرت عدی بن حاتم پہلے عیسائی تھے۔ اب انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ انھوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ! ہم تو انھیں رب نہیں مانتے۔ قرآن کی اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ حلال چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کر دیتے تو کیا تم ان کی ان باتوں کو نہیں مانتے تھے۔ عدی نے عرض کی کہ ایسا تو ہم کرتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا یہی ان کو رب ٹھیرانا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اگر کوئی حرام کر دے یا ان کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دے تو اس نے گویا تشریع و قانون سازی جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جن لوگوں نے اس کی ان باتوں کو مان لیا۔ گویا انھوں نے اس کی خدائی کو تسلیم کر لیا۔

۷۹ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک اسلام کے اس روشن چراغ کو بجھانے کی کتنی کوششیں کی گئیں۔ یہودیت، عیسائیت

بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲

اپنی پھونکوں سے اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے اپنے نور کو اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) کافر۔

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ

وہی (قادر مطلق) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

تمام دینوں پر ۳۸ اگرچہ ناگوار گزرے (یہ غلبہ) مشرکوں کو۔ اے ایمان والو!

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ

بیشک اکثر پادری اور راہب کھاتے ہیں لوگوں کے مال

بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ

ناجائز طریقہ سے ۳۹ اور روکتے ہیں (لوگوں کو) راہ خدا سے ۴۰ اور جو لوگ جوڑ کر رکھتے ہیں ۴۱

اور شرک و کفر نے سر جوڑ جوڑ کر علانیہ مقابلے بھی کیے اور سازشوں کے خطرناک جال بھی بچھائے لیکن اسلام کا نور درخشاں ہی رہا اور رہے گا۔ اس کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی ہی رہی اور بڑھتی ہی رہے گی۔ خداوند عالم کا یہ وعدہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت نبوت مصطفوی کے آفتاب جہانتاب کو گرہن نہیں لگا سکتی۔

۳۸ جہاں تک دلیل و برہان کا تعلق ہے اسلام کا غلبہ تمام دوسرے مذاہب پر ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مسلم رہا ہے اور جب کبھی ملت اسلامیہ نے احکام الٰہی کو صدق دل سے اپنایا تو سیاسی اقتدار بھی انہی کی کنیز بنا رہا اور جب کبھی انھوں نے احکام الٰہی پر عمل کرنے میں غفلت اور کوتاہی برتی تو ان کا سیاسی زوال بھی شروع ہو گیا۔ اور اسلام کے غلبہ کی یہ بھی ایک روشن دلیل ہے۔

۳۹ قانون سازی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر بنی اسرائیل کے عالموں اور راہبوں نے طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے لوگوں کا مال لوٹنا شروع کر دیا۔ عیسائی مذہبی رہنماؤں کو قرون وسطیٰ میں جو تسلط اور اقتدار حاصل رہا اس سے انھوں نے کس طرح ناجائز فائدہ اٹھایا اور کس بے دردی سے اپنے عقیدت مندوں کی دولت کو ہتھیایا اس کی روداد بڑی دلچسپ اور بڑی المناک ہے۔ کیتھولک فرقہ کا پوپ جنت کے ٹکٹ قیمتاً فروخت کیا کرتا تھا۔ اس کے نائب بھی

الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ

سونا اور چاندی ۵۴ اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں تو انھیں خوشخبری سنا دیجیے

بخشش گناہ کے پروانے لکھ کر دیا کرتے تھے اور خریدار اپنی مالی استطاعت کے مطابق اس کی قیمت ادا کیا کرتا تھا۔ بادشاہوں، شہزادوں، اُمراء، وزراء اور قوم کے دولتمند طبقہ کی خاطر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا کرتے اور اس طرح ان سے مُنہ مانگے نذرانے وصول کرتے۔ رشوت لے کر مقدمات کا فیصلہ کرتے اس کے علاوہ اور متعدد طریقے تھے جن سے وہ دولت کے پجاری دولت جمع کرنے میں شب و روز مصروف رہا کرتے۔ لیکن یہ چیز کبھی ذہن سے نہ اُترے کہ یہی بدکاریاں اگر اسلام کے عالم اور پیر کریں گے تو وہ بھی اسی طرح مجرم قرار دیے جائیں گے بلکہ ان کا جرم اور زیادہ سنگین ہوگا کیونکہ وہ سیّد المرسلین خاتم النبیین کی آخری شریعت کے امین اور نگہبان ہیں۔

۵۲ صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ اپنی حرص کی تکمیل کے لیے یہ نازیبا حرکتیں کرتے ہیں بلکہ وہ طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کو حق قبول کرنے سے بھی متنفر کرتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ دھاندلی اسی وقت تک رہے گی جب تک لوگ ان کے دامِ فریب میں گرفتار ہیں اور اگر اس کے پُرزے اُڑ گئے تو پھر یہ سادہ لوح ان کے قابو میں آنے کے نہیں۔

۵۳ اگرچہ بعض علماء نے اس آیت کو بھی اہلِ کتاب سے مخصوص کیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس میں اہلِ کتاب اور مسلمان سب داخل ہیں جس میں یہ خرابی ہوگی وہ اس سزا کا مستحق ہوگا۔ وقال ابوذر وغیرہ المراد بہا اہل الکتاب وغیرہم من المسلمین وھو الصحیح (قرطبی) کیونکہ اگر صرف اہلِ کتاب مُراد ہوتے تو پھر الذین کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔

۵۴ کنز لغت میں اس مال کو کہتے ہیں جسے اکٹھا کر کے جمع کر دیا جائے۔ الکنز اصلہ فی اللغۃ الضم والجمع۔ اس آیت کے متعلق صحابہ کا آپس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابوذرؓ کی رائے ہے کہ وہ مال جو ضرورت سے زیادہ ہو اس کو جمع کر کے رکھنے کی یہی سزا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ لیکن جمہور صحابہ جن میں خلفاء راشدین بھی ہیں کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جاتی وہ اس وعید میں داخل نہیں۔ ان الکنز اسم لما لم یؤد زکاتہ المفروضۃ (جصاص) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ کنز نہیں اگرچہ وہ سات زمینوں کے نیچے مدفون ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے خواہ وہ ظاہر ہی کیوں نہ ہو۔ ما أدی زکاتہ فلیس بکنز وان کان تحت سبع ارضین وما لم تود زکاتہ فھو کنز وان کان ظاھرا (المنار) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ ہمایوں میں بھی مالدار صحابہ (حضرت عثمانؓ و عبد الرحمٰنؓ) موجود تھے اور حضورؐ نے انھیں کبھی حکم نہیں دیا کہ تم سارا مال صدقہ کر دو بلکہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے جب اپنا سارا مال راہِ خدا میں دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضورؐ نے منع فرمایا۔ ہاں اگر صورتِ حال نازک ہو جائے، عام قحط سالی کا دور دورہ ہو، لوگ فاقوں مر رہے ہوں، بیت المال خالی ہو چکا ہو۔ اس وقت صرف زکوٰۃ کی ادائیگی پر اکتفا نہیں کیا جائیگا بلکہ حاکمِ وقت ضرورت کے مطابق زکوٰۃ سے زیادہ بھی وصول کر سکتا ہے۔ ان حالات میں دولت کا جمع رکھنا بھی جائز

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى

دردناک عذاب کی۔ جس دن تپایا جائیگا ۵۹؎ (یہ سونا چاندی) جہنم کی آگ میں پھر داغی جائیں گی

بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ

اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پشتیں (اور انھیں بتایا جائیگا) کہ یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا

فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا

اپنے لیے تو اب چکھو (سزا اس کی) جو تم جمع کیا کرتے تھے۔ بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ

عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ

ماہ ہے کتاب الٰہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ان میں سے

اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ

چار عزت والے ہیں۔ یہی دین قیّم ہے ۶۰؎ پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں

نہ ہو گا ولا یجوز انخار الذھب و الفضۃ فی مثل ذلک الوقت (قرطبی)۔

۵۹؎ اس کی وضاحت کے لیے یہ حدیث ہی کافی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے: ما من صاحب ذھب وفضۃ لا یؤدی منہا حقہا الا اذا کان یوم القیامۃ صفحت لہ صفائح من نار فاحمی علیہا فی نار جہنم فیکوی بہا جنبہ وجبینہ وظہرہ کلما بردت اعیدت لہ: جس شخص کے پاس سونا اور چاندی ہو لیکن وہ اس کا حق ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کی تختیاں بنائی جائیں گی اور انھیں آتش جہنم میں گرم کرکے اس شخص کے پہلو، پیشانی اور پشت پر داغ لگائے جائیں گے جب بھی وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی انھیں پھر گرم کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہمیں دردناک انجام سے بچنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

۶۰؎ بارہ قمری مہینوں میں سال کی یہ تقسیم کسی انسان کا فعل نہیں تاکہ اس میں رد و بدل کی گنجائش ہو بلکہ خالق ارض و سما نے یہ محکم نظام روز ازل سے قائم فرمایا ہے۔ اس میں کوئی اپنی خواہش اور مصلحت کے پیش نظر تبدیلی نہیں کر سکتا۔ ان بارہ مہینوں سے چار ماہ رجب، ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم حرمت والے مہینے ہیں۔ ان میں ہر طرح کا فتنہ و فساد اور جنگ و قتال قطعاً ممنوع ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اہل عرب ان مہینوں کا بڑا احترام کیا کرتے تھے اور اگر اپنے باپ کا قاتل

اَنۡفُسَكُمۡ وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً ؕ

اپنے آپ پر ۵۸ اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے ۵۹ جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝۳۶ اِنَّمَا النَّسِيۡٓءُ زِيَادَةٌ فِي

خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (حُرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا ۶۰ تو اور اضافہ کرتا ہے

بھی انھیں مل جاتا تو اسے بھی کچھ نہ کہتے۔ کتاب اللہ سے مُراد یا تو لوحِ محفوظ ہے یا قرآن حکیم۔

۵۷ یہی محکم شریعت ہے یا سال کی تقسیم کا یہی صحیح حساب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرعی احکام کی بجاآوری میں انھیں قمری مہینوں کا اعتبار ہوگا۔ قیّم اصل میں قیوم تھا پھر سید کی طرح اس میں بھی تعلیل ہوئی۔

۵۸ احکام الٰہی سے سرتابی ہر وقت بُری ہے۔ لیکن ان حُرمت والے مہینوں میں نافرمانی بہت ہی قبیح ہے اس لیے خصوصی طور پر ان مہینوں میں نافرمانی سے باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ نیز جس طرح مقدس مقامات اور مبارک اوقات میں نیکی کا ثواب زیادہ ملتا ہے اور اس کی برکات کا نزول دل پر زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ان مقامات اور اوقات میں نافرمانی کی سزا بھی زیادہ ہوتی ہے اور طبیعت انسانی پر اس کی نحوست کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ان وقوع الطاعة فی ہذہ الاوقات اکثر تاثیرا فی طہارة النفس ووقوع المعاصی فیہا اقوی تاثیرا فی خبث النفس (کبیر)

۵۹ اگر مشرک ان مہینوں کے احترام کو پس پشت ڈال دیں اور تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تم بھی متفق اور متحد ہو کر ان کے سامنے صف بستہ ہو جاؤ۔ کافۃ کف کا مصدر ہے اور یہاں حال واقع ہوا ہے۔ واحد، تثنیہ، جمع مذکر و مؤنث سب کے لیے یہی آتا ہے۔

۶۰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے سال کے یہ چار مہینے حُرمت اور عزت والے شمار ہوتے تھے اور ان میں لڑائی کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی۔ نیز فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے ماہ ذوالحجہ کی تاریخیں مقرر تھیں کچھ عرصہ بعد اہل عرب پر اس حکم کی پابندی گراں گزرنے لگی۔ ان کا پیشہ قزاقی، رہزنی اور مار دھاڑ بن کر رہ گیا تھا۔ تین ماہ تک متواتر (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم) ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا ان کے لیے ناقابل برداشت تھا اس لیے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان مہینوں میں سے جس کو چاہا اعلان کر دیا اور اس میں جی بھر کر قتل و غارت کی اور اس کی جگہ سال کے کسی دوسرے مہینہ کو حرام کر دیا۔ حرمت والے مہینوں کی تعداد بھی چار رہی اور ان کا کام بھی بن گیا۔ نیز حج علاوہ ایک عبادت کے ان کے لیے ایک بہت بڑا تجارتی میلہ بھی تھا۔ دور دراز سے تجارتی قافلے آتے جس سے انھیں بہت نفع ہوتا لیکن حج کا فریضہ کیونکہ قمری سال کے ذی الحجہ کے مہینہ میں ادا کیا جاتا تھا اس لیے یہ ایسے موسم میں بھی آ جاتا جب کہ سخت سردی یا گرمی ہوتی اور موسم کی اس ناسازگاری کی وجہ سے ان کا کاروبار ماند پڑ جاتا اور انھیں دلخواہ نفع نہ ہوتا۔ اس مشکل کا حل انھوں نے یہ تجویز کیا کہ حج ہمیشہ معتدل موسم میں ادا

الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ

کفر میں گمراہ کیے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے ہیں

عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ

اسی کو دوسرے سال تاکہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنھیں حرام کیا ہے اللہ نے تاکہ اس حیلہ سے حلال کریں جسے حرام کیا

لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۷

ہے اللہ نے ۶۱ آراستہ کر دیئے گئے ہیں انکے لیے انکے بُرے اعمال اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کفر اختیار کیے ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اے ایمان والو! کیا ہو گیا ہے تمھیں کہ جب کہا جاتا ہے تمھیں کہ نکلو راہِ خدا میں ۶۲

کیا جاتے اس کے لیے انھوں نے حج کی مقررہ تاریخوں کو بدل دیا اور قمری سال کے بارہ مہینوں میں کبیسہ کا ایک مہینہ بڑھا دیا اس طرح تینتیس سال کے بعد صرف ایک بار حج اپنی صحیح تاریخوں ۹، ۱۰ ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا۔ ان دونوں صورتوں میں چونکہ صرف اپنی ذاتی سہولتوں اور مالی منفعتوں کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے اٹل اور محکم احکام میں ردوبدل کر لیا کرتے تھے اس لیے ان کے اس فعل کو زیادۃ فی الکفر کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ ۱۰ھ میں جب رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مکہ تشریف لے گئے تو اس سال ان کے دستور کے مطابق بھی حج ۹، ۱۰ ذی الحجہ کو ادا ہونا قرار پایا تھا اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والثنا نے فرمایا ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات و الارض یعنی اس سال بھی حج انہی تاریخوں میں ادا کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اس کے لیے مقرر فرمائی تھیں۔ اس میں مسلمانوں کے لیے بھی درسِ عبرت ہے کہ وہ اپنی ذاتی مصلحتوں اور دوسرے وجوہ کے لیے احکام الٰہی میں ردوبدل نہ کریں۔ نسا کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو اپنے وقت سے مؤخر کر دینا۔ قال الجوھری النسیٔ فعیل بمعنی مفعول من قولک نسأت الشیٔ فھو منسوء اذا اخرتہ (قرطبی)۔

۶۱ یہی سب سے بڑی بدبختی ہے کہ انسان گناہوں کو ثواب اور مضر چیزوں کو نفع رساں سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے اور یہ شیطان کا وہ دامِ فریب ہے جس سے توفیقِ الٰہی کی یاوری کے بغیر کوئی بچ نہیں سکتا۔ یاحی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ۔

۶۲ جب غزوۂ طائف وحنین سے فارغ ہو کر مسلمان مدینہ طیبہ پہنچے تو شام سے اطلاعیں آنے لگیں کہ قیصر روم

أَثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ

تو بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم نے پسند کر لی ہے دُنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں۔

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنفِرُوا

سو نہیں ہے سروسامان دنیوی زندگی کا آخرت میں مگر قلیل۔ اگر تم نہیں نکلو گے ۶۳

اپنے لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہا ہے اور غسان کا بادشاہ جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھا وہ بھی اس کے ہمراہ ہے۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہاں انتظار کرنے کے بجائے خود اس کے ملک پر چڑھائی کا عزم فرمایا اور مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی سخت گرمی کا موسم تھا۔ پکی ہوئی کھجوروں کے نظر فریب خوشے لٹک رہے تھے۔ ٹھنڈا پانی پینے، گھنے سایہ میں بیٹھنے اور آرام کرنے کے دن تھے۔ ان حالات میں اتنی طویل مسافت طے کر کے جانا اور ایک منظم اور مسلح لشکر سے نبرد آزما ہونا کوئی کھیل تماشا نہ تھا۔ منافق تو سب کے سب جھوٹے بہانے بنا کر الگ ہو گئے۔ بعض مسلمانوں کو بھی ابتداء میں یہ سفر بہت مشکل نظر آیا۔ اس وقت ربّ ذوالجلال نے اس پُرجلال انداز میں جہاد کی دعوت دی جس سے اہل ایمان کی آنکھیں کھل گئیں سستی اور کاہلی کافور ہو گئی اور سب کے سب (باستثناء تین) سربکف اپنے محبوب رسُول کی قیادت میں قیصر کی افواج قاہرہ کو للکارنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ انفروا کا معنی ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف بڑی تیزی اور سُرعت کے ساتھ منتقل ہونا النفر هو التنقل بسرعة من مكان الى مكان لامر يحدث۔ اور اثّاقلتم کا معنی ہے بوجھل ہو جانا اس میں بھی زجر و توبیخ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ راہ جہاد میں تمہارے قدم نہیں اُٹھ رہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم بوجھ سے لدے ہو اور زمین پر گرا چاہتے ہو۔

۶۳ دعوت جہاد قبول نہ کرنے پر جو آثار مرتب ہوتے ہیں ان کا ذکر فرمایا جا رہا ہے یعنی اگر تم جذبہ سرفروشی سے سرشار ہو کر میدان جہاد میں نہ نکلے تو تمہیں دنیا و آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ دُنیا میں تمہاری عزت و دبدبہ خاک میں مل جائے گا اور آخرت میں دوزخ کا ایندھن بنا دیئے جاؤ گے یہی سزا کچھ کم نہ تھی لیکن اس کے بعد جس چیز کا ذکر ہو رہا ہے وہ تو اس سے بھی سنگین ہے۔ ارشاد ہے کہ ہم نے جو تمہیں اپنے دین متین کی خدمت کی سعادت اور اپنے محبوب رسُول کی غلامی کا شرف عطا فرمایا ہے اس سے محروم کر دیئے جاؤ گے اور کسی اور قوم کو یہ خدمت تفویض کر دی جائے گی۔

اللہ اکبر! اے غفلت کی نیند سونے والے مسلمان! اے دعوائے ایمان کے باوجود اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکام خداوندی کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والی اُمّت! سُن رہے ہو اس ربّ ذوالجلال کا ارشاد، اس کی محکم کتاب کا اٹل فیصلہ اگر اس نے اپنی بارگاہ رضا و قرب سے نکال دیا، اگر اس نے اسلام کی زرتار قبا اُتار لی۔ اگر فراق کی منحوس رات نے اپنا دامن پھیلا دیا تو پھر کیا کرو گے ؎

ہجر کی رات کاٹنے والو کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی؟

يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ

تو اللہ عذاب دیگا تمہیں دردناک عذاب۔ اور بدل کر لے آئیگا کوئی دوسری قوم تمہارے علاوہ اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا

شَيْــًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ

کچھ سلکہ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کریم کی سلکہ تو (کیا ہوا) اسکی

اے اہل سنت وجماعت کے رہنماؤ! ہماری صفوں کا انتشار کب تک بڑھتا رہے گا۔ شمع توحید و رسالت کے پروانے کب تک مختلف جتھوں میں بٹے رہیں گے؟ اپنے متوسلین اور معتقدین کے اعتماد کی قوت جو تمہیں میسر ہے وہ کب تک بیکار پڑی رہے گی؟ دلوں کے اداس اور سنسان ویرانوں میں کب آرزوؤں کے چراغ روشن کرو گے؟ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مصطفیٰ کریم کی خوشنودی کے لیے اسلام کی سربلندی کے لیے سب ایک ہو جاؤ۔ اپنی ذات، اپنے وقار کو ملت کی صفوں میں انتشار کا سبب نہ بننے دو۔ اپنوں کو بیگانہ بنانے کے طریقے چھوڑ دو۔ بیگانوں کو اپنا بنانے کا سلیقہ اختیار کرو جو آپ کے خواجگانِ طریقت علیہم الرضوان کا اسوہ تھا۔

سلکہ دین اسلام کی خدمتگذاری تمہیں پر موقوف نہیں۔ اسلام کا نور تو ہمیشہ فروزاں رہے گا اور اس کا پرچم تا ابد لہراتا رہے گا۔ یہ کام اگر تم نے نہ کیا تو کوئی دوسرا یہ سعادت حاصل کرے گا اور تمہیں محروم کر دینے سے خدا کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا۔

سلکہ اس آیت پاک میں ہجرت کا واقعہ ذکر کر کے بتایا کہ اگر تم اس کے ہمراہ جہاد پر نہ گئے تو جس پروردگار نے اس نازک وقت میں اپنے حبیب کی اعانت فرمائی تھی وہ اب بھی اس کا ناصر اور معین ہے۔ ہجرت کا مختصر واقعہ یوں ہے کہ کفار نے اپنی مجلس شوریٰ میں طے کر لیا کہ آج رات تمام قبیلوں کا ایک ایک جوان حضور کریم کے گھر کا محاصرہ کرے اور جب آپ باہر نکلیں تو سب یکبارگی حملہ کر کے حضور کو شہید کر دیں۔ اسی رات کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے حبیب! صدیق کو ساتھ لو اور آج مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو سدھارو۔ وامرك ان تستصحب ابابکر (تفسیر حسن عسکری) حضور نے حضرت علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔ صبح لوگوں کی امانتیں جو ہمارے پاس ہیں ان کو پہنچا دینا اور پھر تم بھی مدینہ کا قصد کرنا۔ حضور باہر نکلے تو کفار محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں وجعلنا من بین ایدیھم سدا الخ تک پڑھ کر ان پر دم کیا ان پر غنودگی کی کیفیت طاری ہو گئی اور حضور بخیر و عافیت ان کے نرغہ سے نکل کر صدیق کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو ہمراہ لے کر مکہ سے نکلے اور کوہ ثور کے ایک غار میں آ کر قیام فرمایا۔ اس کا منہ بہت تنگ تھا۔ صرف لیٹ کر ہی انسان اندر داخل ہو سکتا تھا۔ حضرت صدیق پہلے خود اندر گئے۔ غار کو تمام خس و خاشاک سے صاف کیا۔ جتنے سوراخ تھے ان کو بند کیا ایک سوراخ باقی رہ گیا اس میں اپنے پاؤں کی ایڑی رکھ دی اور عرض کی

اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر نازل کی اللہ نے

کہ حضور اندر قدم رنجہ فرمائیں۔ حضورؐ تشریف لائے۔ صدیق کے زانو پر سر مبارک رکھا اور استراحت فرما ہو گئے۔ صدیقؓ کے بخت کی یاوری کا کیا کہنا بیتاب نگاہیں اور بیقرار دل اپنے محبوب کے رُوئے زیبا کے مشاہدہ میں مستغرق ہے نہ دل سیر ہوتا ہے اور نہ آنکھیں۔ وہ حُسن سرمدی وہ جمالِ حقیقی جس کی دل آویزیوں نے چشمِ فطرت کو تصویرِ حیرت بنا دیا تھا آج صدیق کے آغوش میں جلوہ فرما ہے۔ اے بختِ صدیق کی رفعتو! تم پر یہ خاکِ پریشان قربان اور یہ قلبِ حزیں نثار! اسی اثنا میں حضرت صدیقؓ کی ایڑی میں سانپ نے ڈس دیا۔ زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا لیکن کیا مجال کہ پاؤں میں جنبش تک ہوئی ہو۔ حضور بیدار ہو گئے، اپنے یارِ غار کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی۔ پھر جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے درد اور تکلیف کافور ہو گئی۔ اہل مکہ تلاش میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے۔ ایک ماہر کھوجی کے ہمراہ پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ جب قدموں کی آہٹ سنائی دی تو حضرت ابوبکرؓ نے جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کفار کی ایک جماعت غار کے مُنہ پر کھڑی ہے۔ اپنے محبوب کو یوں خطرہ میں گھرا دیکھ کر بے چین ہو گئے، اور عرض کی یا رسول اللہ! اگر انھوں نے جھانک کر دیکھا تو ہمیں پالیں گے۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا ابابکر ما ظنک باثنین اللہ ثالثہما۔ اے ابوبکر! ان دو کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔ نبی کی قوتِ یقین ملاحظہ ہو۔ یہ ہے توکل علی اللہ کا وہ مقام جو شانِ رسالت کے شایاں ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اطمینان و تسکین کی ایک مخصوص کیفیت اپنے حبیب مکرم پر نازل فرمائی اور حضورؐ کے صدقے حضرت ابوبکرؓ پر بھی اس کا ورود ہوا جس سے ان کی ہر طرح کی پریشانی دُور ہو گئی۔ حضورؐ تین روز تک وہاں قیام فرما رہے۔ حضرت اسماءؓ حضرت صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی آکر کھانا پہنچا جاتیں۔ آپ کے صاحبزادے ہر روز کی نئی خبریں دے جاتے اور آپ کا چرواہا عامر بن فہیرہ رات کو ریوڑ لے آتا اور تازہ دودھ پیش کرتا۔ حضرت صدیقؓ کے کنبہ کا ہر فرد بلکہ غلام تک اتنے مخلص اور قابلِ اعتماد تھے کہ کسی نے راز کو افشا نہ کیا اور گراں قدر انعام کا لالچ ان کے غلام کے دل کو بھی نہ لُبھا سکا۔ کفار مکہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی جو سازش کی تھی اس طرح ناکام ہوئی اور اللہ کی بات جو ہمیشہ بلند رہتی ہے اس موقع پر بھی بلند ہو گئی۔

سطورِ بالا کے مطالعہ کے بعد اس آیت کی تشریح کے لیے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ایک طالبِ حق کے لیے

اس آیت کا ہر کلمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت کا آئینہ دار ہے اور حضور کے یارِ غار کے لازوال صدق اور مثالی وفا کا شاہدِ عادل ہے لیکن ستیاناس ہو تعصب اور ہٹ دھرمی کا کہ یہ دل سے خلوص، عقل سے فہم، زبان سے اعترافِ حق اور قلم سے اظہارِ صداقت کی جرأت سلب کر لیتی ہے اور انسان علم و دانش کے بلند بانگ دعووں کے باوجود ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے کہ سننے والے مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر بلکہ تحریف کرتے ہوئے بعض شیعہ علماء نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی ایک دردناک مثال ہے مناسب تو یہ تھا کہ ضیاء القرآن کے صفحات ایسے بے معنی مباحث سے پاک رہتے لیکن محبتِ اہلِ بیت کی آڑ میں قصرِ اسلام کو منہدم کرنے کی جو ناپاک کوششیں ہو رہی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ ان باتوں کو بھی زیرِ بحث لایا جائے تاکہ سادہ لوح عوام کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر متاعِ ایمان کو گم نہ کر بیٹھیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

بعض شیعہ مصنفین نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کرنے کے جنون میں آیتِ طیبہ پر اس طرح طبع آزمائی کی ہے کہ دل لرز اٹھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت صدیق کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لیے تم اس آیتِ طیبہ کو پیش کرتے ہو اور کہتے ہو کہ آپ کو سفرِ ہجرت میں رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی لیکن تمہارا یہ قول بے بنیاد ہے اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابوبکرؓ نے رفاقت کی ہوتی تو اسے وجہِ شرف کہا جا سکتا لیکن یہ تو از خود ساتھ ہو لیے تھے اور حضورؐ نے اس لیے ان کو ساتھ چلنے سے نہیں روکا کہ مبادا وہ کفار کو مطلع کریں اور اس طرح گرفتار کرا دیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی توفیق ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو انسان ایسی ہی بے سروپا باتیں کرنے لگتا ہے مکہ مکرمہ سے ہجرت کا پروگرام بڑی رازداری سے طے پایا جب کفارِ قبائل کے نوجوان حضورؐ کے کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو حضور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ان کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس راز سے حضرت ابوبکرؓ کو کس نے آگاہ کیا یا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگاہ کیا ہوگا اور یا علی مرتضیٰ نے اگر حضورؐ نے آگاہ فرمایا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کو حضرت صدیق پر کامل اعتماد تھا ورنہ اپنے دشمن کو ایسے رازوں سے آگاہ کرنا قطعاً قرینِ دانشمندی نہیں۔ اور اگر حضرت علیؓ نے آگاہ کیا تو ماننا پڑیگا کہ آپ کو بھی حضرت صدیقؓ کے صدق و وفا پر پورا بھروسا تھا اس لیے آگاہ کیا اور اگر ان کو منافق سمجھتے ہوئے (العیاذ باللہ) آگاہ کیا تو پھر حضرت علیؓ کی وفاداری بھی مشکوک ہو جاتی ہے یعنی آپ نے اس راز کو افشا کر کے حضورؐ کو مشکلات میں مبتلا کرنے کا آغاز کر دیا اور اس لایعنی بات کو کوئی ایماندار قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صدیق کا ایمان وہ ایمان ہے جس پر خدا کو، رسولِ خدا کو اور شیرِ خدا کو مکمل اعتماد ہے۔ اسی لیے ان کو اس راز سے آگاہ بھی کیا گیا اور شریکِ سفر ہونے کی سعادت بھی ارزانی فرمائی گئی جب حضرت صدیقؓ کے ایمان کی گواہی علیم بذات الصدور خدا نے دی اور نبی کریمؐ نے دی اور علی مرتضیٰؓ نے تصدیق کی، اگر آج کا بے عمل مسلمان صدیقؓ اکبر پر زبانِ طعن دراز کرنے کی جرأت کرتا ہے تو وہ اپنا ہی کچھ بگاڑتا ہے، صدیق اکبرؓ کی شان میں کمی نہیں ہو سکتی۔ خود اس فرقہ کے علماء نے ان کے اس زعمِ باطل کی تردید کی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیے:

علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

پس پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شب پنجشنبہ در شہر مکہ امیر المومنین را بر جائے خود خوابانید، وخود از خانۂ ابوبکر در رفاقت او بیرون آمدہ بداں غار توجہ نمود۔

ترجمہ:۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پنجشنبہ کی رات کو مکہ مکرمہ میں امیر المومنین کو اپنی جگہ پر سونے کا حکم دیا اور خود ابوبکر کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں ہمراہ لے کر باہر آئے اور اس غار کا قصد فرمایا۔"

مصنف حملۂ حیدری، علامہ باذل نے واقعۂ ہجرت کے بارے میں جو لکھا ہے وہ درج ذیل ہے۔ شاید ان دوستوں کے لیے سُرمۂ چشم بصیرت کا کام دے۔

چنیں گفت راوی کہ سالارِ دیں — چوں سالم بحفظ جہاں آفریں
ز نزدیک آں قوم پُر مکر رفت — بسُوئے سرائے ابوبکر رفت

راوی کہتا ہے کہ دین کے سالار اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں اس مکار قوم کے محاصرے سے باہر نکلے اور حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی طرف تشریف لے گئے۔

پئے ہجرت او نیز آمادہ بُود — کہ سابق رسُولش خبر دادہ بُود

حضورؐ نے انہیں سفرِ ہجرت کی خبر دے دی تھی اس لیے وہ ساز وسامان کے ساتھ تیار بیٹھے تھے۔

نبی بر درِ خانہ اش چوں رسید — بگوشش ندائے سفر در کشید

نبی کریمؐ جب ان کے گھر پہنچے تو انہوں نے سفر کرنے کی ندا سُنی۔

چوں بوبکر ازاں حال آگاہ شد — زخانہ بروں رفت و ہمراہ شد

حضرت ابوبکرؓ جب اس حال سے خبردار ہوئے تو اپنے گھر سے روانہ ہو کر حضورؐ کے ہمراہ ہو گئے۔

ان دونوں حوالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود حضرت صدیقؓ کو اپنے ہجرت کے ارادہ سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں بھی حکم دیا ہُوا تھا کہ وہ بھی اس سفر میں ہمرکاب ہونے کے لیے تیار رہیں۔ حضورؐ کفار کے محاصرہ سے بخیریت نکل کر سیدھے حضرت صدیقؓ کے گھر آئے اور انہیں ہمراہ لے کر مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہُوئے۔

آخر میں حضرت امام حسن عسکری کی روایت پیش خدمت ہے امید ہے آپ کے اس ارشاد سے اس تاویلِ باطل کا طلسم ٹوٹ کر رہ جائے گا۔

تفسیر حسن عسکری میں مروی ہے کہ جب کفار نے حضورؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو جبرئیل حاضرِ خدمت ہوئے اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا۔ کفار کی ریشہ دوانیوں کی اطلاع دی اور یہ پیغام الٰہی بھی گوش گزار کیا۔ اٰمَرَكَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ اَبَابَكْرٍ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اس پُر خطر سفر میں ابوبکرؓ کو اپنے ہمراہ لے جائیں۔

کیا اب بھی آپ قاضی نور اللہ شوستری کی بات مانیں گے یا گیارھویں امام حضرت امام حسن عسکری کے ارشاد کو تسلیم کریں گے

(۲) معترضین کی کج ادائی کے کرشمے اسی پر ختم نہیں ہوتے بلکہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مان لیا ابوبکرؓ کو حضورؐ

ساتھ لے گئے تھے اور انہوں نے راستے کی صعوبتیں بھی برداشت کیں لیکن ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ان کی نیت بھی خالص تھی اور جب تک خلوص نیت نہ ہو کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی مقبول نہیں ہوتا اس لیے حضرت ابوبکرؓ کا سفر ہجرت میں ہمرکاب ہونا ان کے لیے ہرگز باعث فضیلت نہیں۔

یا سُبحان اللہ! اس ندرت فکر کی بلائیں لینے کو جی چاہتا ہے۔

دوپہر کے وقت اگر کوئی شخص طلوع آفتاب کی دلیل طلب کرے تو اس میں اتنا اچنبھا نہیں جتنا ہمارے ان دوستوں کے اس ارشاد میں ہے۔ وہ شخص جو ایک کامیاب تاجر ہے جس کے پاس مال و ثروت کی فراوانی ہے جسے ہر قسم کی عزت و آسائش میسر ہے، بیوی بچے ہیں، بچیاں ہیں، وہ ان سب چیزوں کو ٹھکرا کر ایک ایسی ہستی کا ساتھ دیتا ہے جس کو شہید کرنے کے منصوبے بن چکے ہیں عرب کا بچہ بچہ اس کے خون کا پیاسا ہے، خطرات کے مہیب بادل ہر طرف سے بڑھتے چلے آرہے ہیں جو شخص ان سنگین حالات میں جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے محبوب کی سنگت اختیار کرتا ہے اس کے خلوص نیت پر شک کرنے سے انسان کو شرم آنی چاہیے مزید برآں غار میں تین چار روز قیام رہتا ہے اس عرصہ میں حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا عبداللہ ہر روز سرِ شام حاضر ہوتا ہے اور اہل مکہ کے ارادوں سے آگاہ کرتا ہے ان کی صاحبزادی اسماء ہر روز کھانا لے کر آتی ہیں ان کا غلام عامر بن فہیرہ دن بھر ریوڑ چراتا ہے شام کے وقت اسے ہانکتا ہوا غار کے قریب آکر ڈیرا جماتا ہے، دودھ دوہتا ہے اسے گرم کرتا ہے اور خدمت اقدس میں پیش کرتا ہے ابوبکر کا سارا خانوادہ اس جاں نثاری اور خدمتگزاری کا مظاہرہ اس وقت کر رہا ہے جب مکہ والوں نے حضورؐ کو زندہ پکڑ کر لانے یا شہید کر دینے کے لیے ایک سو سرخ اونٹوں کے انعام کا اعلان کر دیا ہے۔ عرب کے کئی طالع آزما شہسوار اس انعام کے لالچ میں اپنے سبک رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر حضورؐ کی تلاش میں اس علاقہ کے چپہ چپہ کو چھان رہے ہیں ادھر یہ خاندان ہے جس کا صرف ایک فرد نہیں بلکہ تمام افراد بچے، بچیاں، حتیٰ کہ زرخرید غلام سب کے دل میں ایک ہی سودا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حبیب اور ان کا محبوب بخیر و عافیت منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ انسانیت اور اس کی اخلاقی قدروں پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایسے شخص کی حُسنِ نیت پر شک کیا جائے اور شک کرنے والے ایسے لوگ ہوں جنہیں راہ حق میں کبھی کانٹا تک چبھنے کی سعادت بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔

پھر کہتے ہیں کہ لغت عرب میں صاحب کا معنی ہے ساتھی، رفیق، ہمنشین۔ اس لفظ میں شرف و فضیلت کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک کافر ایک مومن کا، ایک فاسق ایک پارسا کا ساتھی اور ہمنشین ہو سکتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ۔ (۱۸ : ۳۸)

یعنی "جب اس نے اپنے صاحب (ساتھی) کو کہا جب وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا کیا تم اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا"۔

اس آیت میں صاحب کا لفظ ہے اور اس سے مراد کافر ہے۔

سورۂ یوسف میں يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ "اے قید خانہ کے دو ساتھیو" (۱۲ : ۴۲)

اور وہ دونوں بھی کافر تھے بلکہ اہل عرب تو حیوان کو بھی انسان کا صاحب (ساتھی) کہہ دیا کرتے۔

ان الحمار مع الحمار مطیة

واذا خلوت به فبئس الصاحب

اگر ان دوستوں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر صرف "صاحب" کا لفظ ہی نہیں بلکہ بہت سے الفاظ اپنی عظمت و شرف سے محروم ہو جائیں گے۔ ایمان کے لفظ کو ہی لیجیے اس کا معنی تصدیق کرنا ہے یہ تصدیق اللہ تعالیٰ کی توحید کی بھی ہو سکتی ہے اور طاغوت وجبت کی بھی آیت ملاحظہ ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (۴ : ۵۱)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے (وہ اب) ایمان لاتے ہیں جبت ورطاغوت پر۔

اسی طرح ہجرت کا لغوی معنی ہے کسی شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جانا یہ ترک وطن اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کی رضا کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور کسی دنیوی منفعت کے لیے کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عبادت اللہ تعالیٰ کی بھی ہو سکتی ہے اور معبودان باطل کی بھی۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ " وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔

اگر وہ صاحب، اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے باعث شرف نہیں تو پھر ایمان، ہجرت، عبادت اور دیگر اسلامی مصطلحات بھی شرف وفضیلت سے بے بہرہ ہوں گے اور کسی کو مومن، مہاجر، عابد کہنے سے اس کی قطعاً عزت افزائی نہیں ہوگی۔ درحقیقت ان الفاظ میں عزت وشرف ان کے لغوی معنوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ ان کے متعلقات سے ہے۔ ایمان جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ہوگا، ہجرت جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی، عبادت جب اللہ تعالیٰ کی ہوگی تو یہ کلمات معزز وذیشان ہوں گے اسی طرح صاحب کے لفظ میں فضیلت نہیں بلکہ جس کا وہ صاحب ہے یعنی سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اسی نسبت نے اس لفظ کو بھی چار چاند لگا دیے ہیں اور جو صاحب کے لفظ کا مصداق ہے یعنی صدیق اکبرؓ اس کو بھی وہ رفعتیں اور سرفرازیاں بخشی ہیں جن کے سامنے فلک الافلاک کی بلندیاں بھی ادب سے سر جھکائے ہوتے ہیں۔

از راہ انصاف آپ ہی بتلائیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے محبوب کی صحبت ومعیت اور ایک کافر وفاسق کی صحبت ومعیت یکساں ہے، کوئی صاحب ایمان ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا نیز حضرت صدیقؓ کی اس سنگت اور رفاقت کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے وہ بھی اپنے اندر ایک خصوصی شان رکھتی ہے۔

ثانی اثنین کے دو لفظوں میں غور فرمائیے۔ اس قسم کے عدد کا ذکر لغت عرب میں دو طرح سے کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ثانی اثنین، ثالث ثلاثة، رابع اربعة وغیرہ یعنی دو میں سے دوسرا، تین میں سے تیسرا، چار میں سے چوتھا۔ اس صورت میں پہلا عدد

دوسرے عدد کا جزو اور حصہ ہوتا ہے اور اس میں داخل ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ثالث اثنین، رابع ثلاثہ، خامس اربعہ یعنی دو کو تین بنانے والا، تین کو چار اور چار کو پانچ بنانے والا۔ اس صورت میں یہ عدد پہلے عدد میں داخل نہیں ہوتا۔ اب اسے اس میں داخل کیا جا رہا ہے۔ پہلے صرف دو تھے۔ اس عدد کے اضافہ سے اب وہ تین ہو گئے، پہلے صرف تین تھے۔ بعد میں اضافہ ہوا۔ اب وہ تین چار بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ثانی اثنین فرمایا یعنی پہلے جو دو موجود تھے ان دونوں میں سے دُوسرا۔ یہ یگانگت، یہ رفاقت، یہ صحبت خدا شاہد ہے حضرت صدیق اکبرؓ کا ہی حصہ ہے۔ ان کلمات کے مفہوم کو خود زبانِ رسالت نے یُوں بیان فرمایا ہے۔ اور اس کے بعد شاید کسی قسم کی ہرزہ سرائی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اسی فرقہ کے ایک فاضل علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

"چوں ابوبکر در غار کفار را بدید، مضطرب شد و بسیار خائف گشت و گفت یا رسول اللہ! اگر کسے از مشرکان در زیر قدم خود نگہ کند ہر آئینہ ما را ببیند۔ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمود و ما ظنک باثنین اللہ ثالثہما"۔

ترجمہ: "جب ابوبکرؓ نے غار میں سے کفار کو دیکھا تو انہیں بڑا اضطراب لاحق ہوا اور اندیشہ پیدا ہوا عرض کی یا رسول اللہ! اگر مشرکین میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی جگہ دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے ابوبکر! ان دو کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔"

اس سے بڑی عزت افزائی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لُوٹنے کی جائے ہے

ہمارے یہ کرم فرما لاتحزن کے لفظ سے حضرت صدیقؓ پر الزامات و مطاعن کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں آپ بھی سُنیئے اور اُن کی روش بیداد کی داد دیجیے۔

کہتے ہیں کہ یہ حزن جس سے حضرت ابوبکرؓ کو منع کیا جا رہا ہے یہ طاعت تھا یا معصیت، طاعت تو ہو نہیں سکتا۔ ورنہ اس سے منع نہ کیا جاتا۔ اللہ اور اُس کا رسول نیک کاموں سے نہیں روکا کرتے۔ لہٰذا یہ حزن معصیت ہوگا۔ اس آیت سے ابوبکرؓ کا عاصی اور گنہگار ہونا ثابت ہے نہ کہ آپ کی فضیلت۔

جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رُسل کو حزن اور خوف سے روکا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا ـــــ لا تخف انک انت الاعلیٰ ـــــ اے مُوسیٰ خوف نہ کرو تم ہی سربلند ہو گے۔ (۲۰ : ۶۹)

حضرت لُوط کو فرشتوں نے کہا:- لا تحزن انا منجوک واھلک۔

"اے لُوط حزن نہ کرو ہم تمہیں اور تمہارے اہل و عیال کو نجات دینے والے ہیں"۔

خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: لا یحزنک قولھم۔

"اے حبیب! کفار کی باتیں آپ کو حزین و غمگین نہ کریں"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: قد نعلم انہ لیحزنک الذین یقولون .... الآیۃ

"اے حبیب! ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو کفار کی باتیں غمزدہ کردیتی ہیں۔"

کیا ہم ان محققین سے یہ دریافت کرسکتے ہیں کہ ان آیات کی روشنی میں انبیاء کرام بلکہ سید الانبیاء والرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کا فتویٰ کیا ہے۔ یہ خوف اور حزن جس سے انبیاء کو روکا جارہا ہے طاعت تھا یا معصیت۔ طاعت تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی سے نہیں روکتا اور یہاں خوف وحزن سے روکا جارہا ہے لازماً معصیت ہوگا۔ اب فرمایئے انبیاء کرام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حزن اور خوف اُمورِ طبعیہ میں سے ہیں۔ بڑے سے بڑا آدمی بھی ان سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دلجوئی لاتخف اور لاتحزن کہہ کر فرماتا ہے۔ نیز حضرت صدیق کو حزن وملال اپنی ذات کے لیے ہرگز نہ تھا۔ اگر انہیں اپنی جان پیاری ہوتی اور اپنا آرام عزیز ہوتا تو وہ اس پُرخطر سفر میں شرکت ہی نہ کرتے انہیں اگر کوئی غم تھا یا اگر کوئی حزن تھا۔ اگر کوئی اندیشہ تھا تو فقط یہ کہ ان کے ہادی ومرشد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبادا کوئی گزند پہنچے ورنہ یہ بزم عالم درہم برہم ہوجائے گی گلشن ہستی میں خاک اُڑنے لگے گی، عروس گیتی کا سہاگ لٹ جائیگا ارض وسماکی یہ رونقیں، یہ روشنیاں، یہ بہاریں ہمیشہ کے لیے ناپید ہوجائیں گی۔ اپنے محبوب کو خطرے میں گھرا دیکھ کر صدیق کے حزن وملال کی حد نہ رہی۔ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا اے میرے یار باوفا! غم نہ کر بیشک اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے جب ہمارے ساتھ ہمارا خدا ہے تو یہ کفار ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

"مَعَنَا" کا لفظ بھی غور طلب ہے۔ معیت الٰہی کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک معیت علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کے ساتھ ہے، جیسے اس آیت میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ۚ (۸:۵۸)

ترجمہ: "کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کوئی تین آدمی مشورہ کرنے والے نہیں ہوتے جبکہ وہ ان کا چوتھا نہ ہو اور نہ پانچ مشورہ کرنے والے ہوتے ہیں جبکہ وہ ان کا چھٹا نہ ہو اور نہ اس تعداد سے کم ہوتے ہیں نہ زیادہ، وہ ہر صورت میں اُن کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی مشورہ کررہے ہوں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے ایسی معیت میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ اس میں تہدید اور سرزنش ہے خبردار اگر تم نے نافرمانی کی تو ہماری گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ معیت الٰہی کی دوسری قسم وہ ہے جو متقین اور محسنین کو حاصل ہوتی ہے ارشاد باری ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ

"بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور ان کے ساتھ ہے جو نیکوکار ہیں۔"

اس معیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان کی دستگیری کرتا رہتا ہے اور اپنے لطف سے ان کو نوازتا رہتا ہے۔

معیتِ الٰہی کی تیسری قسم وہ ہے جو انبیاء و رُسل کو میسر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دشمن کے مقابلہ میں اُن کی تائید و نصرت فرماتا ہے۔ ہر میدان میں وہ کامیاب و سرفراز ہوتے ہیں اور کفر و باطل کے سرغنے ذلیل و رُسوا ہوتے ہیں اور اُن تمام اقسام سے اعلیٰ و ارفع معیتِ الٰہی کی وہ قسم ہے جو سیّد الانبیاء والرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے یارِ وفادار کو اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرما کر اس خصوصی معیت میں شرکت کی سعادت ارزانی فرمائی۔

فداك ابی و امی یا رسول الله ما اکرمك وما اجودك وجزاك الله عنا وعن سائر المومنین یا ابا بکر ما اوفاك وما اسعد حظك۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاعرِ دربارِ نبوت حضرت حسان سے پوچھا کہ اے حسان! کیا تم نے شانِ صدیق میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں؟ انہوں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! میں نے آپ کے یارِ غار کی مدحت سرائی بھی کی ہے۔ فرمایا سناؤ میں سننا چاہتا ہوں۔ حسان نے عرض کیا۔

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد

طاف العدو بہ اذ صعد الجبلا

"آپ دو میں سے دوسرے تھے اس بابرکت غار میں اور دشمن نے اس کے اردگرد چکر لگایا جب وہ پہاڑ پر چڑھا"

وکان حِبّ رسول الله قد علموا

من البریة لم یعدل بہ الرجلا

"ابوبکرؓ اللہ تعالیٰ کے رسول کے محبوب تھے اور لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری مخلوق میں سے کسی کو آپ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے۔

حسان کے یہ شعر سُن کر حضور ہنس پڑے۔ فرمایا اے حسان تم نے سچ کہا ہے۔ ابوبکرؓ ایسے ہی ہیں۔

(ابن عساکر، ابن زہری عن انس)

اللہ تعالیٰ راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور شمعِ جمالِ مصطفوی کے پروانوں کی عزت و احترام اور پیروی کی سعادت سے بہرہ اندوز کرے۔ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ

اپنی تسکین ان پر اور مدد فرمائی ان کی ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہ دیکھا اور کر دیا کافروں کی

الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ

بات کو سرنگوں اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سربلند ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے

حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾ انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ

حکمت والا ہے (جہاد کے لیے) نکلو ہر حال میں ہلکے ہو یا بوجھل ۶۶ اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ لَوْ كَانَ

اللہ کی راہ میں۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو۔ اگر ہوتا

عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ

وہ مال نزدیک یا سفر آسان تو ضرور پیچھے چلتے آپ کے۔ لیکن دور معلوم ہوتی ہے

عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا

انہیں مسافت ۶۷ اور ابھی قسم کھائیں گے اللہ کی (اور کہیں گے) کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور نکلتے

۶۶ خفاف کا واحد خفیف اور ثقال کا واحد ثقیل ہے۔ ترکیب میں یہ حال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خواہ تم کسی حال میں ہو جب جہاد کا اعلان عام ہو جائے پھر دنیا کا کوئی بندھن، کوئی مجبوری اور کوئی فکر تمہیں میدان جہاد کا رخ کرنے سے باز نہ رکھے۔ ای حال کونکم شبانا وشیوخا او فقراء او اغنیاء او رکبانا ومشاۃ او اصحاء ومرضی او عزابا ومتاھلین (روح البیان)۔ ترجمہ: خواہ تم جوان ہو یا بوڑھے، فقیر ہو یا امیر، سوار ہو یا پیادے، تندرست ہو یا بیمار، تنہا ہو یا عیالدار، ہر حالت میں دعوت جہاد پر لبیک کہتے ہوئے رزم گاہ حق وباطل میں شریک ہو جاؤ۔ اگر دشمن عام حملہ بول دے اور خلیفہ وقت جہاد عام کا اعلان کر دے تو پھر ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جہاد میں شریک ہو اور اگر دشمن ملک کے کسی ایک حصہ پر چڑھائی کرے تو وہاں کے لوگوں کا فرض ہے کہ خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں جہاد کے لیے تیار ہو جائیں ورنہ گنہگار ہوں گے۔

۶۷ غزوہ تبوک کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تھا تو کیونکہ مسافت بڑی طویل تھی اور دشمن بڑا

مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

تمہارے ساتھ۔ ہلاک کر رہے ہیں اپنے آپ کو۔ اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ

درگزر فرمایا ہے اللہ نے آپ سے شتہ (لیکن) کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی انھیں یہاں تک کہ ظاہر ہوجاتے آپ پر

صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

وہ لوگ جنھوں نے سچ کہا اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو۔ نہ اجازت مانگیں گے آپ سے جو ایمان لاتے ہیں

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ

اللہ پر اور روز قیامت پر کہ (نہ) جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے ۴۹

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو۔ صرف وہی اجازت مانگتے ہیں آپ سے جو نہیں ایمان رکھتے

توی تھا اس لیے منافقین اپنی معذوری بیان کرکے اور قسمیں اٹھا اٹھا کر معذرت خواہی کرنے لگے۔ کان کا اسم محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے لوکان المدعو الیہ عرضا قریبا یعنی جس چیز کی طرف انھیں بلایا گیا وہ مکان قریب ہوتا یا سفر آسان ہوتا تو پھر یہ ضرور شریک ہوتے۔

شتہ منافقین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لیے عذر بیان کرتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی کریم النفسی کے باعث انھیں پیچھے رہنے کی اجازت فرما دیتے حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اگر انھیں رخصت نہ دی جاتی تو بھی وہ اس مہم میں شرکت سے انکار کر دیتے۔ بہتر یہی تھا کہ ان کی معذرتوں کو ٹھکرا دیا جاتا تاکہ جب وہ پیچھے رہ جاتے تو ان کے نفاق کا حال سب کو معلوم ہو جاتا۔ یہ دریافت کرنے سے پیشتر کہ اے محبوب! تو نے انھیں پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دی یعنی ان کو ننگا کیوں نہ ہونے دیا۔ اتنا فرمانے سے پہلے عفا اللہ عنک کے الفاظ ارشاد فرماتے۔ یہاں یہ کلمات کسی گناہ کی معافی کا ذکر کرنے کے لیے نہیں بلکہ اظہارِ تعظیم و تکریم کے لیے ہیں۔ اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کی عزت و توقیر کا اظہار مقصود ہوتا تو اس کے ساتھ گفتگو کا آغاز ایسے ہی کلمات سے کیا کرتے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں: ان ذالك يدل على مبالغة الله في تعظيمه و توقيره۔ یعنی ان کلمات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تعظیم و توقیر میں

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ

اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر اور شک میں مبتلا ہیں ان کے دل تو وہ اپنے شک میں

يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ

ڈانواں ڈول ہیں ۹۵؎ اور اگر انھوں نے ارادہ کیا ہوتا (جہاد پر) نکلنے کا تو انھوں نے تیار کیا ہوتا اس کے لیے کچھ

كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

سامان ۹۶؎ لیکن ناپسند کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے کھڑے ہونے کو اسلیے پست ہمت کر دیا انھیں ۹۷؎ اور کہہ دیا گیا تم بیٹھے رہو بیٹھے رہنے والوں

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

کے ساتھ۔ اگر نکلتے تمھارے ساتھ (لشکر) میں ۹۸؎ تو نہ زیادہ کرتے تم میں بجز فساد کے اور دوڑ دھوپ کرتے تمھارے درمیان

بڑے مبالغہ کا اظہار فرمایا ہے۔

۹۵؎ اہلِ ایمان تو اشارہ پاتے ہی ہتھیار سجا کر حاضرِ خدمت ہو جاتے ہیں صرف وہ لوگ حیلے بہانے کر کے جہاد سے روگردانی کر رہے ہیں جن کے دلوں میں نفاق ہے۔

۹۶؎ منافقین کی حالت کا بیان ہے کہ نہ تو سچے دل سے مومن ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ارشاد کی تعمیل میں ہمہ تن مستعد ہوں اور نہ ہی اپنے کفر کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ ادھر ایمان کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہیں ادھر اپنے آپ کو آشکارا کرنے کی جرأت مفقود ہے۔ بے چارے عجیب کشمکش میں گرفتار ہیں۔

۹۷؎ ان میں سے بعض کہنے لگے حضور ہم تو جہاد کے لیے بالکل تیار تھے لیکن عین وقت پر کچھ ایسی مجبوریاں رونما ہو گئیں کہ بادلِ ناخواستہ ہمیں رکنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ظالم سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر ان کا قول درست تھا تو انھوں نے کچھ تیاری کی ہوتی۔ کچھ ساز و سامان جمع کیا ہوتا تو پتہ چلتا کہ ان کا ارادہ تو تھا لیکن مجبوریاں سدِ راہ بن گئیں۔ انھوں نے تو اپنی تلواروں سے گرد تک صاف نہ کی اور نہ اپنے ترکش میں تیروں کا جائزہ لیا۔ بھلا یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ہم جہاد کے لیے بالکل تیار تھے۔

۹۸؎ سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہی نہ تھا کہ وہ شریکِ جہاد ہوتے اس لیے ان کے حوصلے پست کر دیئے گئے اور انھیں توفیق ہی نہ بخشی کہ وہ شریکِ جہاد ہو سکیں۔

۹۹؎ اللہ تعالیٰ نے کیوں پسند نہ فرمایا اس کی وجہ اس آیت میں بیان فرما دی۔

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

فتنہ پردازی کرتے۔ اور تم میں ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ

ظالموں کو۔ (اے حبیب!) وہ کوشاں رہے فتنہ انگیزی میں پہلے بھی ۸۴ اور الٹ پلٹ کرتے تھے آپ کے لیے تجویزیں ۸۵

حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ

یہاں تک کہ آگیا حق اور غالب ہوا اللہ کا حکم اور وہ ناخوش تھے۔ اور ان میں سے بعض

مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۗ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۗ وَ

کہتے ہیں اجازت دیجیے مجھے (کہ گھر ٹھہرا رہوں) اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے ۸۶ خبردار فتنہ میں تو وہ گر چکے ۸۷ اور

۸۴ یہاں ان کی سابقہ شرانگیزی کی طرف اشارہ فرمایا کہ قبل ازیں جنگ احد کے موقعہ پر پہلے یہ لوگ لشکر اسلام میں شریک ہوئے لیکن راستہ میں ان کی تین سو کی نفری مسلمانوں سے الگ ہوگئی اور عین اس وقت ان کا علیحدگی اختیار کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں اور یہ خوفزدہ اور ہراساں ہو کر کفر کے مقابلہ میں نامردی اور بزدلی کا اظہار کریں۔

۸۵ یعنی آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں اور تجویزیں کرتے ہیں۔ تقليب الامر تصريفه من وجه الى وجه وترديده لاجل التدبير والاجتهاد فى المكر والخديعة (روح البیان)۔ لیکن آخرکار حق ظاہر ہوا اور اس کی تابانیوں نے ان کی ساری سازشوں کو بے نقاب کر دیا۔

۸۶ حیلہ تراشی میں بھی بڑے جدت طراز تھے بعض ان میں سے کہتے کہ میرے خانگی حالات کچھ اس قسم کے ہیں کہ میں کسی طرح جہاد میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اب اگر آپ مجھے حکم دیں گے تو میں مجبوراً اس کی تعمیل سے قاصر رہوں گا اس لیے آپ مجھے جہاد پر جانے کا حکم ہی نہ دیجیے تاکہ میں نافرمانی کے فتنہ سے بچ جاؤں۔ کتنے حیلہ ساز تھے۔ اسلام وکفر کی کشمکش فیصلہ کن مرحلہ میں ہے اور یہ جناب پاکباز بنا چاہتے ہیں کہ انھیں جہاد کی دعوت ہی نہ دی جائے تاکہ ان کا دامن تقدس نافرمانی کے داغ سے داغدار نہ ہو۔ انھیں یہ سمجھ نہ آئی کہ اس موقع پر ان کا جہاد سے پہلوتہی کرنا ہی ایک جرم عظیم ہے جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بات کہنے والا جد بن قیس منافق تھا۔ اس نے آکر عرض کی کہ حضور روم کی عورتیں اپنے حسن وجمال میں بہت مشہور ہیں اور عورتوں کے بارے میں میں بہت کمزور واقع ہوا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ انھیں دیکھ کر میری نیت فاسد ہو جائے اور میں فتنہ کا شکار ہو جاؤں اس لیے بہتر ہے کہ آپ مجھے یہیں چھوڑ جائیں۔

إِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٤٩﴾ إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ

بیشک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔ اگر پہنچے آپ کو کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے

وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِن قَبْلُ

انھیں ۸۸ اور اگر پہنچے آپ کو کوئی مصیبت تو کہیں کہ ہم نے درست کر لیا تھا اپنا کام پہلے ہی اور

وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ

لوٹتے ہیں خوشیاں مناتے ہوئے۔ آپ فرمائیے ہرگز نہیں پہنچے گی ہمیں کوئی تکلیف بجز اس کے جو لکھ دی

لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ

ہے اللہ نے ہمارے لیے۔ وہی ہمارا حامی و ناصر ہے اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے مومنوں کو ۹۰ فرمائیے کیا تم

تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ

منتظر ہو ہمارے متعلق ۹۱ (کہ ہم مارے جائیں۔ یہ مرنا نہیں) مگر ایک بھلائی ان دو بھلائیوں سے (جیتے ہم خواہاں ہیں) اور ہم انتظار

۸۸ جس فتنہ سے بچنے کے لیے وہ حیلے تراش رہے ہیں اس سے بڑے فتنہ میں وہ پہلے ہی گرفتار ہو چکے ہیں۔

۸۹ اگر مسلمان کسی جنگ میں مظفر و منصور واپس لوٹتے ہیں تو ان کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور اگر کہیں مسلمانوں کو زک پہنچتی ہے یا وہ شہید ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے گھروں میں گھی کے چراغ روشن کیے جاتے ہیں اور یہ لوگ اپنی دور اندیشی اور عقلمندی کے دعوے کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ حشر ہونے والا ہے اسی لیے تو ہم ان لوگوں کے ہمراہ نہیں گئے۔ قد اخذنا امرنا کا معنی ہے کہ ہم نے پہلے ہی سے احتیاطی تدبیریں اختیار کر لی تھیں۔

۹۰ جب دنیا والے اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں تو ایمان والے اللہ کی نصرت و اعانت پر نظر جمائے ہوتے ہیں۔ جب دنیا والے مادی منفعتوں اور ظاہری کامیابیوں کو اپنی کامیابی کا معراج تصور کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے پھولے نہیں سماتے تو ایمان والے ہر حال میں رضائے الٰہی کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اگر انھیں یہ سعادت خون بہا کر، سر کٹا کر بھی میسر آئے تو ان کے چہرے خوشی سے چمک جاتے ہیں اور اگر رضائے الٰہی حاصل نہ ہو تو ان کے نزدیک ایسی فتح بھی ہزار ناکامی سے زیادہ المناک ہے۔ وہ ہر حال میں اس کی خوشنودی کے جویاں اور اسی کی امداد اور اعانت پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

۹۱ جب حضور کریم اپنے غلاموں کے ہمراہ تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقین غیر جانبدار رہ کر اس جنگ کے انجام کا

اَنْ یُّصِیْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَیْدِیْنَا ۖؗ فَتَرَبَّصُوْۤا

کرتے ہیں تمہارے لیے کہ پہنچائے تمہیں اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے۔ پس تم بھی انتظار کرو

اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝٥٢ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ یُّتَقَبَّلَ

ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔ فرمایئے خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا

مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝٥٣ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ

تم سے [53] بیشک تم ایک نافرمان قوم تھے۔ اور نہیں منع کیا ہے انھیں کہ قبول کیے جائیں

مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا یَاْتُوْنَ

ان سے ان کے اخراجات سوائے اس کے کہ انھوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں آتے

الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝٥٤

نماز ادا کرنے کے لیے مگر سست سست اور نہیں خرچ کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہیں [54]

انتظار کرنے لگے اور وہ اسی کو اپنی دانشوری کا کمال تصور کیے ہوئے تھے اور جب تک مسلمانوں کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ نہ ہو جاتا وہ اپنی قسمت ان کے ساتھ وابستہ کر دینے کو قرینِ عقلمندی نہ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ان بزرجمہروں سے دریافت فرماؤ کہ تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو۔ ہم اگر راہِ خدا میں مارے جائیں تو بھی ہم کامیاب ہیں اور اگر جنگ جیت لیں تب بھی کامیاب۔ تم اپنا خیال کرو تمہارا انجام کیا ہونے والا ہے اور اگر اب تک تمہیں سمجھ نہیں آئی تو تھوڑی دیر اور انتظار کرو جبکہ اللہ تعالیٰ کی آتشِ غضب تمہیں خاکِ سیاہ بنا کر رکھ دے گی یا ہمارے ہاتھوں تمہیں ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔

[53] بعض منافق اس جہاد میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لیے تو تیار نہ تھے لیکن وہ بالکل بے تعلق رہ کر اپنے آپ کو بے نقاب کرنا بھی مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لیے بارگاہِ رسالت میں مالی امداد کی پیش کش کی۔ جد بن قیس جس کا ذکر پہلے گزرا ہے وہ بھی چندہ لے کر حاضر ہوا لیکن اللہ کے حبیب نے اس کو قبول نہ فرمایا۔ کیونکہ مالی امداد بھی اسی کی قبول کی جاتی ہے جس کے دل میں ایمان صادق اور یقین محکم ہو۔

[54] اس آیت میں ان کی مالی امداد کو نامنظور کر دینے کی وجہ تفصیل سے بیان فرما دی۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

سو نہ تعجب میں ڈال دیں تمہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد ٨٣۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ

لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ

عذاب دے انہیں ان چیزوں سے دنیوی زندگی میں اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ

كٰفِرُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ

کافر ہوں۔ اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم میں سے ہیں ٨٤ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں۔

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ

لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں۔ اگر مل جائے انہیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار

٨٣ اللہ تعالیٰ کے دین کی پیہم مخالفت کے باوجود ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے گھروں میں بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ ممکن تھا کوئی سادہ لوح ان کی ظاہری آن بان کو ان کے راہ راست پر ہونے کی نشانی خیال کرے۔ اس لیے واضح فرمایا کہ یہ دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ ان کی بربادی کا باعث بنے گی۔ کیونکہ وہ اس کی محبت میں یوں مدہوش رہیں گے کہ عمر بھر انہیں حق قبول کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی اور اسی کفر پر ان کا دم نکلے گا۔ کیا ان سے بھی بڑھ کر کوئی بدنصیب ہو سکتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ہر وہ نعمت جو یاد الٰہی سے غافل کر دے اور اس کے محبوب کی محبت کے ولولے کو سرد کر دے بہت بڑا عذاب ہے اور ہر وہ تکلیف جو کسی غافل کو ہشیار کر دے اور یاد الٰہی کی طرف راغب کر دے بہت بڑی نعمت ہے۔

٨٤ ایمان اور یقین ہی وہ قوت ہے جو شرف انسانی کی نگہبان ہے اور اسے ایک مسلک پر ثابت قدم رکھتی ہے اور جہاں یہ مفقود ہو وہاں انسان مصلحت اندیشی کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جاتا ہے۔ جدھر ہوا کا رخ دیکھا ادھر ہو لیا۔ جس میں اپنی وقتی سلامتی نظر آئی وہی چولا بدل لیا۔ ایسی حالت میں انسان وہ مستحکم چٹان نہیں رہتا جو حوادثات کے طوفانوں سے ٹکرا کر بھی اپنی جگہ سے نہیں سرکتی بلکہ اس بے بس تنکے کی طرح ہو کر رہ جاتا ہے جسے پانی کی تند موجیں جدھر چاہتی ہیں بہالے جاتی ہیں۔ منافقین کی بھی یہی حالت تھی۔ دلوں میں تو اسلام کی دشمنی تھی لیکن اسلامی حکومت کے علاوہ ان کے لیے کوئی اور پناہ گاہ بھی نہ تھی اس لیے وہ کھل کر اسلام کی مخالفت بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے ایک بے ضمیر آدمی کی طرح قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنے آپ کو ملت اسلامیہ کا ایک فرد ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سب مکر و فریب ہے۔ ان کا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ محض مجبوری کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اگر انہیں کوئی سر چھپانے کی جگہ مل جاتے

اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ

یا کوئی گھسنے کی جگہ تو ادھر پھیر لیں گے اس طرف منہ وہ منہ زوری کرتے ہوئے ۔ اور بعض ان میں سے

يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ

طعن کرتے ہیں آپ پر صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں ف٥٨ سو اگر انہیں دیا جاتے اُن سے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر

يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ

انہیں نہ دیا جائے ان سے تو اس وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں ۔ اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ خوش ہو جاتے اس سے جو دیا تھا

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

انہیں اللہ اور اس کے رسول نے ف٥٩ اور کہتے کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے

تو فوراً تم سے سارے تعلقات توڑ دیں اور وہاں چلے جائیں۔

بعض الفاظ کی تشریح: ملجأ: پناہ گاہ۔ مغارات: مغارۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے چھپ کر بیٹھنے کی جگہ، ھی الموضع التی یستتر فیہا۔ مدخلا: وہ جگہ جس میں تکلیف سے داخل ہوا جا سکے۔ یجمحون: جب گھوڑا سرکشی کرتا ہے اور باگ کی پروا نہیں کرتا تو کہتے ہیں جمح الفرس۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بھی منہ زور گھوڑے کی طرح کسی لگام کی پروا نہ کرتے ہوئے بھاگے چلے جاتے ہیں۔

ف٥٨ بارگاہ رسالت میں جب زکوٰۃ وعشر کا مال آتا اور حضورؐ اپنے رب قدیر کے حکم کے مطابق اسے خرچ کرتے منافقین جو دولت کے لالچ میں از خود رفتہ ہو چکے تھے ان کا رویہ عجیب تھا۔ اگر انہیں کچھ مل جاتا تو خوش ہو جاتے اور اگر نہ ملتا یا توقع سے کم ملتا تو پھر حضورؐ کی ذاتِ اقدس واطہر پر زبانِ طعن دراز کرنے لگتے۔

ف٥٩ لو کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے ولو انھم رضوا . . . . . لکان خیرا لھم۔ مومن کا شیوہ تو یہی ہونا چاہیے کہ بارگاہ الٰہی اور جناب رسالت پناہی سے جو نعمت عطا فرمائی جائے اس پر شکریہ ادا کرے اور اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد کرتے ہوئے اس کے مزید فضل وکرم اور اس کے محبوب رسول کی بیش از بیش جود وعطا کا امیدوار رہے۔ مولانا عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں: "اور جو ظاہری اور باطنی دولت خدا اور رسول کی سرکار سے ملے اسی پر مسرور ومطمئن ہو۔

وَرَسُولُهُ ۖ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿٥٩﴾ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ

اور اس کا رسول ۵۹ ہم تو اللہ کی طرف ہی رغبت کرنے والے ہیں۔ زکوٰۃ تو صرف ان کے لیے ہے ۶۰ جو فقیر،

وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ

مسکین ۶۱ اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والے ہیں ۶۲ اور جن کی دلداری مقصود ہے ۶۳ نیز گردنوں کو آزاد کرانے ۶۴

۵۹ اہل ایمان کے لیے یہی زیبا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے ان کو مالا مال کر دے گا اور اس کے پیارے رسول کا سحاب کرم جب برسے گا اور اس کا دست جود وعطا جب حرکت میں آئے گا تو فقر وافلاس کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہے گا۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے نام نامی کے ساتھ اس کے حبیب کا اسم گرامی ملا دینے سے انسان مشرک نہیں ہو جاتا جس طرح آج کل بعض صاحبان کہتے سنائی دیتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن کریم میں یہ آیت ہرگز شامل نہ ہوتی۔

۶۰ نبی رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب صدقات تقسیم فرماتے تو بیمار دل لوگ طرح طرح کے اعتراضات کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے صدقات کے مستحقوں کا ذکر فرما کر معترضین کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ نیز ان مصارف کو تفصیل سے بیان کر دینے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مبادا کسی وقت کوئی مسلمان فرمانروا اس مد کی آمدنی کو بےجا صرف کرنے لگے۔ نیز زکوٰۃ کیونکہ شریعت اسلامیہ کا ایک اہم ترین رکن ہے اس لیے بھی اس کو وضاحت سے بیان کرنا ضروری تھا۔ زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصرف ہیں جو اس آیت کریمہ میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ١۔ فقراء ٢۔ مساکین ٣۔ زکوٰۃ وصول کرنے والے۔ ٤۔ جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ ٥۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے۔ ٦۔ مقروض ٧۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور ٨۔ مسافر۔ اب تفصیل سے ان کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

۶۱ فقیر اور مسکین میں کیا فرق ہے؟ اس کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ (۱) فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو۔ اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ قول پسندیدہ ہے۔ لیکن بعض علماء لغت نے فقیر اسے بتایا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو۔ یہ اختلاف پتہ دیتا ہے کہ حقیقت میں یہ دونوں لفظ قریب المعنیٰ ہیں۔ ناداری، افلاس اور احتیاج ان کے درمیان قدر مشترک ہے۔ اسی وجہ سے فصحاء کے کلام میں یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے اسلم یہ ہے کہ اس بحث میں نہ الجھیں بلکہ نفسیات انسانی کے رازدار حبیب کردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسکین کی جو تعریف کی ہے اسی کو قول فیصل کیا حضورؐ نے مسکین کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا المسکین الذی لا یجد غنی یغنیه ولا یفطن فیتصدق علیه ولا یقوم فیسأل الناس۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا سرمایہ نہ ہو جو اسے غنی کر دے۔ نہ اس کی ظاہری حالت اس کی تنگدستی کا

پتہ دیتی ہو تاکہ لوگ اس کو غریب سمجھ کر صدقہ دیں اور نہ وہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہو۔ حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس بیس دینار یا دو سو درہم ہوں (یعنی نصاب زکوٰۃ) تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صحت مند ہو اور روزی کمانے کی قدرت رکھتا ہو تو اس کے لیے صدقہ لینا حرام ہے اور انھوں نے اس کے لیے یہ حدیث بطور دلیل پیش کی ہے۔ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا تحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مرۃ سوی اخرجہ ابو داؤد والترمذی والدارقطنی۔ لیکن حضورؐ کے اہل بیت بلکہ سارے خاندان ہاشم کے فقراء اور مساکین پر زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ کیونکہ حضور کریمؐ کا ارشاد ہے ان الصدقۃ لا تحل لآل محمد انما ھی اوساخ الناس: صدقہ آلِ محمد (علیہ التحیۃ والثناء) پر حلال نہیں کیونکہ یہ لوگوں کا میل کچیل ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کا یہ قول ہے کہ خاندان بنی ہاشم کے اغنیاء اپنے خاندان کے فقراء کو اپنی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ عن ابی یوسف ان الزکاۃ من بنی ھاشم تحل لبنی ھاشم (جصاص۔ احکام القرآن)۔

۹۰ وہ لوگ جو امام وقت کی طرف سے زکوٰۃ اور صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں ان کی تنخواہیں بھی اسی مد سے دی جا سکتی ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ منظم طور پر اسے وصول کرے اور پھر پورے اہتمام کے ساتھ اس کو اس کے مستحقین میں تقسیم کرے۔ خلافت عباسیہ کے اختتام تک یہی طریقہ رہا۔ اگرچہ بعض خلفاء اس میں ناجائز تصرف بھی کیا کرتے لیکن زکوٰۃ پھر بھی انھی کو ادا کی جاتی تاکہ یہ نظام باقی رہے۔ چنانچہ جب خلافت بنی امیہ میں منتقل ہو گئی اور مال زکوٰۃ میں انھوں نے بے اعتدالیاں شروع کر دیں تو کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اب زکوٰۃ کسے دینی چاہیے۔ فرمایا کہ وقت کے حاکموں کو۔ اس نے کہا۔ اذ یتخذون بھا ثیابا وطیبا: وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے لباس فاخرہ اور عطروں پر خرچ کر ڈالتے ہیں۔ فرمایا: وان (اگرچہ وہ ایسا کرتے ہوں) (ابن ابی شیبہ از آزاد) امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر عامل بنی ہاشم میں سے کوئی ہو تو زکوٰۃ کی مد سے اسے تنخواہ نہیں دی جائے گی کرامۃ وتنزیھا لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غسالۃ الناس (قرطبی)۔ لیکن امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وہ اس مد سے زکوٰۃ لے سکتا ہے لانہ اجیر علی عمل مباح فوجب ان یستوی فیہ الہاشمی وغیرہ (قرطبی)۔

۹۱ یعنی لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے بھی زکوٰۃ دینا درست ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) کفار کے رئیسوں کو اس غرض سے دینا کہ وہ غریب مسلمانوں کو خود بھی اذیت نہ پہنچائیں اور دوسروں کو بھی اذیت پہنچانے سے روکیں (۲) کفار کو اسلام قبول کرنے کی رغبت دلانے کے لیے مالی امداد دینا (۳) نو مسلموں کی خاطر داری کے لیے ان کی اعانت کرنا تاکہ وہ پھر کفر کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تین قسم کے لوگوں کی تالیف قلوب کے لیے بڑی فیاضی سے دیا کرتے تھے۔ جمہور علماء کے نزدیک اب یہ شق منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی اور اب ان لوگوں کی تالیف کی ضرورت نہیں لیکن علماء کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ اگر کسی وقت اس طرح خرچ کرنے کی ضرورت پڑے تو خلیفۂ وقت کو اجازت ہے۔ وقال جماعۃ من

وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ

اور مقروضوں کے لیے ۹۳؎ اور اللہ کی راہ میں ۹۴؎ اور مسافروں کے لیے ۹۵؎ یہ سب فرض ہے

العلماء: هم باقون لان الامام ربما احتاج ان يتألف على الاسلام وانما قطعهم عمر لما رأى من اعزاز الدين۔۔۔۔
وقال ابن العربي الذي عندي انه ان قوي الاسلام زالوا وان احتيج اليهم في بعض الاوقات اعطوا سهمهم كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيهم فان في الصحيح بدء الاسلام غريبا وسيعود كما بدأ (قرطبی) ترجمہ: علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ مصرف اب بھی باقی ہے کیونکہ خلیفہ کو کبھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ ان لوگوں کی تالیفِ قلوب کرے۔ حضرت عمرؓ نے جب اسلام کا غلبہ دیکھا تو اسے متروک قرار دے دیا۔ ابن عربی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اگر اسلام قوی اور غالب ہو تو یہ مصرف باقی نہیں رہے گا۔ اور اگر ان کی تالیفِ قلوب کی ضرورت پڑ جائے تو انھیں زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے گا جس طرح حضور عطا فرمایا کرتے تھے۔

۹۲؎ اسلام نے غلامی کے انسداد کے لیے جہاں اور کوششیں کیں وہاں یہ کوشش بھی کی کہ زکوٰۃ کی آمدنی سے ایک حصہ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے متعین کر دیا۔ اسی طرح مسلمان جنگی قیدیوں کو رہا کرانے کے لیے بھی یہ رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔ لانه اذا كان فك المسلم عن رق المسلم عبادة وجائزا من الصدقة فاحرى واولى ان يكون ذلك في فك المسلم عن رق الكافر وذله (قرطبیؒ) یعنی جب ایک مسلمان غلام کو اس کے مسلمان آقا کی غلامی سے آزاد کرانا عبادت ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ جائز ہے تو ایک مسلمان کو کافر کی غلامی سے رہائی دلانے کے لیے زکوٰۃ سے خرچ کرنا تو اور زیادہ ضروری اور مناسب ہوگا۔

۹۳؎ وہ مقروض جن کے پاس قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں۔ ان کی امداد بھی زکوٰۃ کے فنڈ سے کی جاسکتی ہے۔ اس طبقہ کی حالت زار پر بھی اسلام نے ہی ترس کھایا لیکن اس کے نزدیک شرط یہ ہے کہ یہ قرض اس نے کسی بُرے کام کے لیے نہ لیا ہو اور نہ ہی فضول خرچی کی وجہ سے وہ مقروض ہوا ہو۔

۹۴؎ اس سے مراد وہ حج کرنے والے اور جہاد کرنے والے ہیں جن کے پاس زادِ راہ نہ ہو اور اپنے افلاس کی وجہ سے وہ جنگی ساز و سامان مہیا نہ کر سکتے ہوں ان کی اعانت بھی مالِ زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مُراد صرف یہ دو قسم کے لوگ نہیں بلکہ ہر وہ کام جس میں عامۃ المسلمین کا فائدہ ہو وہ سبیل اللہ میں داخل ہے۔ چنانچہ دینی مدرسے جن میں قرآن و سنّت کی تعلیم دی جاتی ہو اور دین کے مبلغ اور محقق تیار کیے جاتے ہوں بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہیں۔ شیخ رشید رضا نے اپنی تفسیر المنار میں اس کے متعلق بڑی وضاحت سے لکھا ہے: وقال الآلوسي في تفسير الكلمة عند الحنفية اريد بذلك عند ابي يوسف منقطعو الغزاة والحجيج وقيل المراد طلبة العلم واقتصر عليه في الفتاوى الظهيرية وفسره في البدائع بجميع القرب فيدخل فيه كل سعي في طاعة الله: علامہ آلوسی نے اس لفظ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس سے مُراد وہ غازی اور حاجی ہیں جو اپنے وطن

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ

اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا دانا ہے۔ اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو ۹۶ (اپنی بدزبانی سے) اذیت

سے دُور ہوں اور ان کے پاس اپنے اخراجات پُورے کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ اور بعض نے اس سے مُراد طلبہ لیے ہیں۔ اور صاحب فتاویٰ ظہیریہ نے تو اس سے مراد فقط طالب علم ہی لیے ہیں۔ اور صاحب بدائع کے نزدیک ہر وہ نیک کام سبیل اللہ میں داخل ہے جس سے قربِ الٰہی حاصل ہو سکے۔ اس کے بعد صاحب المنار رقم طراز ہیں والتحقیق ان سبیل اللہ ھنا مصالح المسلمین عامة التی بھا قوام امر الدین والدولة دون الافراد (ج ۱۰۔ ص ۵۸۵)۔ ترجمہ: تحقیق یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مُراد وہ مصالح اور مفید کام ہیں جن سے مخصوص افراد نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ جن سے دین اور دولت (ملک) کو تقویت حاصل ہو۔ ومن اھم ما ینفق فی سبیل اللہ فی زماننا ھذا اعداد الدعاة الی الاسلام وارسالھم الی بلاد الکفار من قبل جمعیات منظمة تمدھم بالمال الکافی کما یفعله الکفار فی نشر دینھم (ج ۱۰۔ ۵۸۷)۔ ترجمہ: ہمارے زمانہ میں سب سے اہم کام جس میں اس مد کا روپیہ خرچ کیا جائے وہ مبلغین اسلام کو تیار کرنا ہے اور انھیں منظم انجمنوں کی نگرانی میں کفار کے ممالک میں تبلیغ دین کے لیے بھیجنا ہے اور ان کی مالی ضروریات کو پُورا کرنا ہے۔ ویدخل فیه النفقة علی المدارس للعلوم الشرعية وغیرھا مما تقوم به المصلحة العامة (ج ۱۰۔ ص ۵۸۸)۔ ترجمہ: اس میں مدارس اسلامیہ داخل ہیں جن میں علومِ دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ وہ کام جن میں مصلحت عامہ ہے۔

۹۵ وہ مسافر جس کی زادِ راہ ختم ہو چکی ہو اگرچہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہو زکوٰۃ سے اس کی امداد کی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ سفر کسی گناہ کی نیت سے نہ ہو۔

۹۶ جوہری (امام لغة) کہتے ہیں کہ جو شخص ہر ایک کی بات سُن لے اسے رجل اُذن کہتے ہیں اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو ہر ایک کی بات سنے بھی اور اسے مان بھی لے اسے رجل اذن کہا جاتا ہے (قرطبی)۔ منافقین کا یہ شیوہ تھا کہ اپنی نجی محفلوں میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی جناب پاک میں جو جی میں آتا بک دیتے۔ اگر کوئی انھیں کہتا کہ تمھاری باتوں کا علم اگر حضور علیہ السلام کو ہو گیا تو بڑی فضیحت ہوگی تو وہ نابکار کہتے اجی اس کا فکر نہ کرو۔ وہ کانوں کے بڑے کچے ہیں۔ اگر کسی نے ہماری کوئی بات ان سے کہہ بھی دی تو کیا ہوگا ہم جا کر حلفیہ بیان دے دیں گے کہ ہم نے یہ بات ہرگز نہیں کہی تو وہ فوراً ہماری بات مان جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے محبوب کا تمھاری بات سُن لینا اور تم سے اعراض کرنا تمھارے لیے ہی اچھا ہے۔ ورنہ اگر حقیقت آشکارا کر دی جاتی تو تمھارا نفاق ظاہر ہو جاتا اور تم رُوسیاہوں کو منہ چھپانے کے لیے جگہ نہ ملتی۔ وہ تو محض ازراہِ شفقت و پردہ پوشی تم سے اعراض کرتے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ وہ تمھاری بات کو سچ سمجھتے ہیں اور تمھارا جھوٹ ان سے پوشیدہ رہتا ہے۔ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی بات کا یقین رکھتے ہیں۔ اور مخلص اہلِ ایمان کی باتوں پر اعتبار کرتے ہیں۔

يَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ

دیتے ہیں نبی (کریم) کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے۔ فرمایئے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے

لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ

مومنوں (کی بات) پر اور سراپا رحمت ہے ان کے لیے ۹۷ جو ایمان لائے تم میں سے اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں ۹۸ اللہ کے

رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ

رسول کو۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (منافق) قسمیں اٹھاتے ہیں ۹۹ اللہ کی تمہارے سامنے

۹۷ جو بیگانوں کی پردہ پوشی کرتا ہے اور دشمنوں کو رسوا نہیں کرتا۔ اس کی شفقت، اس کی رأفت، اس کی رحمت اپنوں پر کس طرح نوازشات فرماتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اسی لیے سابقہ جملہ کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ وہ اہل ایمان کے لیے سراپا رحمت ہی رحمت ہے۔

۹۸ قیامت تک آنے والے لوگوں کو بتا دیا کہ کوئی ہو جس نے میرے حبیب کے دل رحیم کو ایذا پہنچائی وہ دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ اب وہ لوگ جو حضور کے کمالات علمی کا انکار کرتے ہیں اور اس بُرے ارادے سے قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں کہ انھیں کوئی ایسی چیز ہاتھ آجائے جس سے وہ اپنے ناقص اور غلط خیال کے مطابق اللہ کے پیغمبر کی جہالت ثابت کر سکیں یا کمالاتِ مصطفوی کا انکار کر سکیں اور اس رفعت و تقدس آب کی جناب میں بازاری الفاظ بڑی بے حیائی اور بے باکی سے اپنی تقریروں اور تحریروں میں استعمال کرتے ہیں وہ خود سوچیں کہ ان کا حشر کیا ہوگا ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

۹۹ بتایا جا رہا ہے کہ منافقین کتنے نادان ہیں کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اپنی پاک باطنی اور نیک نیتی کو ثابت کرنے کے لیے آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں لیکن ایسی باتوں سے اللہ اور اس کا رسول تو خوش نہیں ہو سکتا اور حق تو یہ تھا کہ یہ لوگ محض اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کے لیے کوشاں رہتے۔ واللہ ورسولہ احق کی ترکیب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے رسول کا ذکر کر دیا جائے تو ہر جگہ شرک نہیں ہو جاتا جیسے بعض متشدد لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ تو اہل ایمان کی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے حبیب رسول کی خوشنودی ہر عمل میں پیش نظر رکھیں۔ نحوی قاعدہ کے مطابق یرضوھما ہونا چاہیے تھا کیونکہ مرجع اللہ اور رسول دو ہیں اس لیے ضمیر بھی تثنیہ کی ہونی چاہیے تھی۔ واحد کی ضمیر ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا دو الگ الگ نہیں بلکہ

لِيُرْضُوكُمْ ۚ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا

تاکہ خوش کریں تمہیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہے کہ اسے راضی کریں اگر وہ

مُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ

ایماندار ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی مخالفت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو

لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ

اس کے لیے آتش جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ ڈرتے رہتے ہیں

الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي

منافق کہ کہیں نازل (نہ) کی جائے اہل ایمان پر کوئی سورۃ جو آگاہ کر دے انہیں جو کچھ منافقوں

قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾

کے دلوں میں ہے۔ آپ (انہیں) فرمائیے کہ مذاق کرتے رہو۔ یقیناً اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم خوفزدہ ہو

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ

اور اگر آپ دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے بس ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ آپ فرمائیے

ایک ہی ہے جس پر اللہ راضی اس پر اس کا رسول بھی خوش اور جس پر اس کا رسول راضی اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی میسر ہے۔

۶۳ محادّہ کہتے ہیں کسی کے مقابلہ میں اپنا الگ محاذ قائم کر لینا۔ والمحادۃ وقوع ھذا فی حد وذاك فی حد (قرطبی) مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں ان کا ابدی ٹھکانا دوزخ ہے۔

۶۴ یعنی ان کو ہمیشہ اس بات کا کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں ان کے نفاق کو ظاہر نہ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے شک جس چیز کا تمہیں اندیشہ تھا وہ ہو کر رہا اور ہم نے اپنے مصطفےٰ علیہ الطیب التحیۃ وازکی الثناء کو تمہارے ناموں اور تمہارے کاموں پر مطلع کر دیا۔ قرطبی لکھتے ہیں کہ ان کو ظاہر کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے احوال اور ان کے اسماء کا علم عطا فرما دیا۔ اخراج اللہ انہ عرف نبیہ علیہ السلام احوالھم واسماءھم لا انھا نزلت فی القرآن ولقد قال اللہ تعالیٰ ولتعرفنھم فی لحن القول وھو نوع الھام۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ السلام کو ان کے

أَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ

(گستاخو!) کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کیا کرتے تھے ؟ ۱۰۲ (اب) بہانے مت بناؤ

كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ

تم کافر ہو چکے (اظہار) ایمان کے بعد اگر ہم معاف بھی کر دیں ایک گروہ کو تم میں سے تو عذاب دیں گے

نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ

دوسرے گروہ کو کیونکہ وہی (اصلی) مجرم تھے ۔ منافق مرد اور

الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ

منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں ۱۰۳ حکم دیتے ہیں برائی کا اور

حالات اور ان کے ناموں پر آگاہ کر دیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے نام اور احوال تفصیل سے قرآن کریم میں ذکر کر دیئے بلکہ بذریعہ الہام ان کا علم دے دیا۔ قرآن کریم میں ہے ولتعرفنهم فی لحن القول۔ اے حبیب! تم ان کی گفتگو کے لہجے سے انہیں ضرور پہچان لوگے۔ یہ پہچان بھی الہام کی ایک قسم ہے۔

۱۰۲ مسلمانوں کا تمسخر اڑانا منافقین کا ایک پسندیدہ مشغلہ تھا۔ کوئی موقع بھی تو ہاتھ سے جانے نہ دیتے خصوصاً جب مسلمان اپنی بے سروسامانی کے باوجود قیصر سے جنگ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے تو ان بدباطنوں کو پھبتیاں اڑانے کا زریں موقع مل گیا۔ کوئی کہتا یہ دیکھو! چشم بد دور اب شہنشاہ روم سے جنگ لڑنے چلے ہیں۔ کوئی کہتا ان کے وہاں پہنچنے کی دیر ہے رومی فوجیں ان کی وہ درگت بنائیں گی کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ دوسرا کہتا یار مزا تو جب ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ہوں اور اوپر سے کوڑے برس رہے ہوں۔ غرضیکہ جب ان کی نامعقول باتوں کا چرچا ہوتا تو بڑے مسکین کی طرح حاضر ہوتے اور کہتے یا حضرت! ہم تو صرف دل لگی کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کم بختو! کیا اللہ اور اس کے رسول کے سوا اور کوئی نہیں رہا جس کے ساتھ تم دل لگی کر سکو۔

۱۰۳ منافق مرد ہوں یا عورتیں سب کا مزاج یکساں ہے۔ ہر برے نظریہ اور ہر برے فعل کی ترویج و اشاعت میں بڑے چست ہیں اور اگر کہیں سے نیکی کی کرن پھوٹے تو تلملا جاتے ہیں اور ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ نیکی پھلنے پھولنے نہ پائے اور اس کے علمبردار کہیں ترقی اور اقتدار حاصل نہ کر لیں۔ اگر نیک کام میں ان سے مالی اعانت کا مطالبہ کیا جائے تو خواہ ان کے ہاں روپیہ کی فراوانی ہو ان کی مٹھیاں بھنچ جاتی ہیں اور انہیں توفیق ہی نہیں ہوتی کہ اس کے لیے ایک

يَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَيَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ ‌ؕ نَسُوا اللّٰهَ

روکتے ہیں نیکی سے اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ (حقیقت یہ ہے کہ) انھوں نے بھلا دیا ہے

فَنَسِيَهُمۡ ‌ؕ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ

اللہ کو تو اس نے بھی فراموش کر دیا ہے انھیں ۱۱۷ بیشک منافق ہی نافرمان ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے منافق مردوں اور

وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ هِىَ حَسۡبُهُمۡ‌ ۚ

منافق عورتوں اور کفار سے دوزخ کی آگ کا، ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں یہی کافی ہے انھیں

وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ‌ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ۙ‏ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ

نیز لعنت کی ہے ان پر اللہ نے اور انہی کے لیے ہے دائمی عذاب ۱۱۸ (اے منافقو!) تمھاری حالت بھی ایسی ہے جیسے اُن

كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡكُمۡ قُوَّةً وَّاَكۡثَرَ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا ؕ فَاسۡتَمۡتَعُوۡا

لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے وہ زیادہ تھے تم سے قوت میں اور مال اور اولاد کی کثرت میں ۱۱۹ سو لطف اٹھایا انھوں نے

پائی بھی خرچ کریں۔

۱۱۷ انھوں نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ انھیں اپنا خدا یاد نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولائے کریم نے بھی ان بدنصیبوں کو اپنی رحمت وعنایت سے فراموش کر دیا جہاں دوسروں کے لیے اس کے فضل وکرم کے دروازے کھلے ہوتے ہیں وہاں ان کی طرف کھلنے والا دروازہ بند کر دیا گیا ہے گویا باہر کوئی سائل ہے ہی نہیں جس کی طرف دست جود وسخا دراز کرنا مطلوب ہو۔ خدا فراموشی انسان کو خود فراموش بنا دیتی ہے۔ یہ جرم جتنا بڑا ہے اس کی سزا بھی اتنی ہی سنگین ہے۔

۱۱۸ رحمت وعنایت کے مستحقین کی فہرست سے توان کا نام خارج کر دیا گیا ہے کیونکہ انھیں اس کی خواہش ہی نہ تھی البتہ دوزخ کے دہکتے ہوئے انگارے ان کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اسی کے لیے وہ عمر بھر کوشاں رہے۔ اسی کی آرزو میں وہ رات دن بیقرار رہے۔ سو اب ان کی یہ خواہش پوری کرنے کے لیے ان سے پختہ وعدہ کیا جا رہا ہے کہ انھیں جہنم میں ابدی قرارگاہ دے دی جائے گی جہاں سے انھیں نکالا نہیں جائے گا۔

۱۱۹ اے اہل نفاق! اس محفل ہستی میں تمہارا وجود کوئی اچنبہ نہیں۔ تم سے پہلے بھی ایسے لوگ گزر چکے ہیں جو قوت و طاقت میں اور مال و دولت میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ انھیں بھی سمجھانے والوں نے بہتیرا سمجھایا لیکن زندگی کے اعلیٰ

بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ

اپنے (دنیوی) حصہ سے اور تم نے بھی لطف اٹھایا اپنے (دنیوی) حصہ سے اسی طرح جیسے لطف اٹھایا انھوں نے جو

مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا ۚ أُولَٰئِكَ

تم سے پہلے جو گزرے اپنے (دنیوی) حصہ سے اور (لذتوں میں) تم بھی ڈوبے رہے جیسے وہ ڈوبے رہتے تھے یہی

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ

وہ لوگ ہیں ضائع ہوگئے جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ۔ اور یہی لوگ نقصان

الْخَاسِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ

اٹھانے والے ہیں ۔ کیا نہ آئی ان کے پاس خبر [illegible] ان لوگوں کی جو ان سے پہلے گزرے (یعنی) قوم نوح

وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ

اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور

وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ

وہ بستیاں جنھیں الٹ دیا گیا تھا ۔ آئے تھے ان سب کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لیکر اور نہ تھا اللہ (کا یہ دستور)

اور پاکیزہ مقصد کو سمجھنے سے ان کی نام نہاد عقلیں قاصر رہیں اور وہ جسمانی لذتوں اور شہوانی خواہشوں میں ہی کھو کر رہ گئے۔ اور زندگی کی قیمتی گھڑیاں یونہی برباد کرکے اس دنیا سے چلے گئے۔ اور ان کا انجام بہت حسرتناک اور دردناک ہوا۔ وہی روش تم نے اختیار کر رکھی ہے۔ سو تمہارا بھی وہی عبرتناک انجام ہونے والا ہے۔ کالذین من قبلکم خبر ہے۔ اور اس کی مبتدا انتم محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے انتم کالذین من قبلکم (قرطبی)۔

[illegible] اب صراحۃً ان قوموں کے نام لے کر انھیں تنبیہ کی جا رہی ہے جن کی عظمت و سطوت کی داستانیں اور پھر ان کی تباہی و بربادی کے قصّے خود ان کے ہاں بچے بچے کی زبان پر تھے۔ اصحاب مدین سے مراد قوم شعیب علیہ السلام ہے۔ مؤتفکات: ائتفاک کا معنی ہے زمین کو زیر و زبر کر دینا۔ اس سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہے کہ جب ان پر عذاب آیا تو ان کی بستیوں کو الٹ دیا گیا۔

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

کہ ظلم کرتا ان پر بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے ۱۰۸ نیز مومن مرد

وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں ۱۰۹ حکم کرتے ہیں نیکی کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

اور روکتے ہیں بُرائی سے اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ

زکوٰۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی لوگ ہیں جن پر ضرور رحم فرمائے گا اللہ

۱۰۸ مذکورۂ بالا قوموں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ ان پر ظلم اور زیادتی نہیں تھی بلکہ ان کو صحیح راستہ بتا دیا گیا۔ وقتاً فوقتاً ان کو ان کی غلط روی پر متنبہ کرنے کے لیے انبیاء بھیجے گئے۔ آسمانی ہدایت کی روشنی ان کے سامنے حق و باطل کو نمایاں کرتی رہی لیکن بایں ہمہ جب وہ اسی راہ پر چلنے پر مصر ہوتے جو ہلاکت کے گہرے غار میں لے جانے والی تھی تو انجام کار وہ اس غار میں جا گرے۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ قصوروار کون ہے اور کیا خداوند عالم نے ان کے ساتھ بے انصافی کی یا وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔

۱۰۹ وہ قوم جس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا ان کی خصوصیتوں کا بیان تو گزر چکا کہ انھیں نیکی سے طبعی ضد ہے اور بُرائی سے طبعی مناسبت۔ اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے سے ان کے دل ڈوب ڈوب جاتے ہیں۔ اللہ کی یاد تو انھیں نصیب نہیں لیکن جنھوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور اسلام کو اپنا دین اور نبی پاک کو اپنا ہادی اور مرشد تسلیم کیا۔ کیا انھوں نے صرف اپنا لیبل ہی بدلا ہے یا ان میں اور ان میں حقیقی فرق بھی ہے۔ اس آیت میں اسی حقیقی فرق اور عظیم انقلاب کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے جو لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انسان میں رونما پذیر ہوتا ہے فرمایا جو خوش نصیب مرد اور عورتیں میرے حبیب کی دعوت کو قبول کرتی ہیں ان میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوتا ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ وہ نیکی کو فروغ دینے کے لیے اپنے سارے وسائل وقف کر دیتے ہیں۔ اپنی راحت و آرام کو قربان کر دیتے ہیں اور ضرورت پڑے تو نیکی کا پرچم بلند رکھنے کے لیے وہ اپنی جان بھی خوشی خوشی نثار کر دیتے ہیں اور ان کا وجود باطل کے لیے تو ایک چیلنج ہوتا ہے۔ وہ باطل اور بُرائی کی سروری قبول کرنے سے صاف

إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

ضلا بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے

جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَمَسٰكِنَ

باغات کا۔ رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں۔ یہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ نیز (وعدہ کیا ہے) پاکیزہ

طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ ۚ ذٰلِكَ

مکانات کا سدا بہار باغوں میں ضلا اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے ۱۲ یہی تو

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٧٢﴾ يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ جٰهِدِ الْكُفَّارَ

بڑی کامیابی ہے ۱۳ اے نبی کریم! جہاد کیجیے کافروں اور

ع ۱۵

انکار کر دیتے ہیں اور جہاں تک ان کا بس چلتا ہے وہ اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں دریغ نہیں کرتے۔ یہ لوگ نماز ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کریم کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔

ضلا یہاں سین تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان پر ضرور اپنی رحمت فرمائے گا۔ وحرف السین فی قوله سیرحمھم الله للتوکید والمبالغة (رازی)

ضلا جب کوئی چیز کسی جگہ ہمیشہ کے لیے اقامت گزیں ہو جائے تو عربی میں کہتے ہیں عدن بمکان کذا۔ اسی لیے کان کو بھی معدن کہتے ہیں کیونکہ یہ جگہ اسی دھات کی قرارگاہ ہوتی ہے۔ ویسے جنت کے اعلیٰ درجہ کا نام بھی عدن ہے جو وسط میں ہے اور دوسرے جنت اس کے ارد گرد ہیں۔ اسی میں تسلیم کا چشمہ ہے۔ انبیاء کرام، شہداء، صدیقین کے لیے مخصوص ہے۔ وقال مقاتل والکلبی عدن اعلی درجة فی الجنة وفیها عین تسنیم والجنان حولها (قرطبی)

۱۲ بیشک اہل عشق و محبت تو فقط اسی کے متلاشی رہتے ہیں محبوب حقیقی کی خوشنودی سے کم وہ کسی چیز پر مطمئن نہیں ہوتے۔ ان کی شب بیداریاں، ان کی ریاضتیں اور ان کی آہ و زاریاں اسی لیے تو ہوتی ہیں کہ ان کا محبوب ان پر راضی ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں ؎

اذا کنت منی یا منی القلب راضیا　　اری کل من فی الکون لی یتبسم

اے میرے مطلوبِ دل! اگر تو مجھ پر راضی ہو جائے تو مجھے کائنات کی ہر چیز مسکراتی ہوئی نظر آتی ہے۔

وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجیے ان پر ۱۱۳ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا

الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ

ٹھکانا ہے۔ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انھوں نے یہ نہیں کہا ۱۱۵ حالانکہ یقیناً انھوں نے کہی تھی کفر کی

کتنا بلند اور پاکیزہ ہے یہ مقصد اور کتنے خوش نصیب اور سعادتمند ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اس مقصد کی لگن ہوتی ہے۔ اللّٰھم اجعلنا منھم و معھم و انت ارحم الراحمین بجاہ حبیبك الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۱۳ ع یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

۱۱۴ اس آیت میں غور کرنے سے ان لوگوں کے تمام شکوک و شبہات کا قلع قمع ہو جانا چاہیے جو حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور ان کے مقامِ رفیع کے انکار پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کے ایمان میں بھی شک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دے رہا ہے کہ آپ کفار اور مشرکین کے ساتھ اب نرمی اور عفو و درگزر کا سلوک نہ کیجیے بلکہ ان کے ساتھ جنگ کیجیے اور سختی سے برتاؤ کیجیے۔ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب مکہ فتح ہو چکا تھا اور سارے جزیرہ عرب میں اسلام کی عظمت کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور مسلمانوں کو کسی کا اندیشہ نہ تھا تاکہ یہ کہا جا سکے کہ حضور اسلام کی ظاہری کمزوری کے باعث منافقوں سے سختی نہ کر سکے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک اپنے تمام صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے ساتھ نہایت ہی مشفقانہ، کریمانہ اور فیاضانہ تھا۔ محبت و عنایت کا بادل ہر وقت ان پر برستا رہا۔ یہ دیکھ کر ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ نفوسِ قدسیہ ایمان و یقین کے مجسمے تھے حضور کی تئیس سال کی شبانہ روز محنت و تربیت کے شیریں ثمر تھے۔ اگر ان کو کوئی نادان منافق کہتا ہے تو وہ ان کو نہیں ان کے آقا و مولیٰ پر گویا یہ الزام لگاتا ہے کہ اس نے ان سے یہ محبت بھرا سلوک کر کے اپنے رب کی حکم عدولی کی۔ العیاذ باللہ۔ سبحانك ھٰذا بھتان عظیم۔

۱۱۵ منافقین جو دل سے ایمان نہیں لائے تھے بلکہ محض دنیاوی مفاد اور سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے جب وہ الگ بیٹھتے تو اسلام اور رسولِ اسلام کے خلاف گستاخیاں کرتے اور جب بھی ان کا راز فاش ہوتا تو اپنی براءت ثابت کرنے کے لیے جھوٹی قسموں کے پل باندھ دیتے کہ واللہ باللہ ہم نے ہرگز یہ بات نہیں کہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان جھوٹی قسموں سے تم خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہو جو سب رازوں کا جاننے والا ہے۔ تم نے یہ باتیں کہیں اور اظہارِ اسلام کے بعد پھر کفر اختیار کر لیا۔ اس ضمن میں یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور جب تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو بارہ تیرہ منافقوں نے تہیہ کر لیا کہ جب رات کو حضور سفر کر رہے ہوں اور کسی گھاٹی

الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا

بات اور انھوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انھوں نے ارادہ بھی کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پاسکے

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ

اور نہیں خشمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انھیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے[۱۱۶]

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ

سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ بہتر ہوگا ان کے لیے اور اگر وہ رُو گردانی کریں تو عذاب دیگا انھیں اللہ تعالیٰ

کے دہانے پر پہنچیں تو دھکا دے کر گرا دیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ تشریف لیے جا رہے تھے۔ حذیفہؓ بن یمان اونٹنی کی نکیل پکڑے آگے آگے تھے اور عمارؓ پیچھے پیچھے۔ جب اونٹنی ایک گھاٹی کے کنارے پر پہنچی تو بارہ آدمی جنھوں نے اپنے چہرے ڈھانپے ہوئے تھے راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ حضورؐ نے عتاب آلود آواز سے جب انھیں للکارا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضورؐ نے حذیفہ و عمار سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے انھیں پہچانا؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انھوں نے منہ چھپائے ہوئے تھے۔ ہم تو انھیں پہچان نہ سکے۔ حضورؐ نے فرمایا ھٰؤلاء المنافقون الی یوم القیامۃ۔ یہ ازلی بدبخت ہیں قیامت تک یہ منافق ہی رہیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس مقصد کیلیے آئے تھے کہ مجھے گھاٹی میں گرا دیں۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ان کے قتل کا حکم کیوں صادر نہیں فرما دیتے۔ حکیم نبی نے جواب دیا: لاکرہ ان یتحدث العرب بینہا ان محمداً قاتل بقوم حتی اذا اظھرہ اللہ بھم اقبل علیھم یقتلھم ثم قال اللّٰھم ارمھم بالدبیلۃ قلنا یا رسول اللہ ما الدبیلۃ؟ قال شھاب من نار یقع علی نیاط قلب احدھم فیھلک (ابن کثیر) ترجمہ: نہیں میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ عرب یہ کہیں کہ محمد (علیہ السلام) ایک قوم کو ساتھ لے کر لوگوں سے لڑتا رہا اب جب غالب آ گیا تو اسی قوم کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر عرض کیا اے اللہ! انہیں دبیلہ کا تیر مار۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! دبیلہ کیا ہے فرمایا یہ آگ کا شعلہ ہے جو ان کی رگِ دل پر پڑے گا اور انھیں ہلاک کر دے گا۔

[۱۱۶] یعنی ان احسان فراموشوں کو دیکھو کہ قرضوں کے بوجھ تلے دبے جا رہے تھے کھانے تک کو میسر نہ تھا میرا رسول مدینہ میں تشریف فرما ہوا تو اس کی برکت سے کاروبار میں برکت ہوئی کھیتوں میں اناج پیدا ہونے لگا۔ مالِ غنیمت میں ان کو بھی حصہ ملتا رہا۔ اب جب مالی حالت اچھی ہو گئی تو بجائے اس کے کہ اللہ اور اس کے رسول نے انھیں جن نوازشات سے مالا مال فرمایا۔ اس کا شکریہ ادا کرتے الٹے مخالفت پر آمادہ ہیں۔ یہ بعینہٖ اس طرح ہے جس طرح ہم اُردو میں کہتے ہیں کہ میرا اس کے سوا اور کیا قصور ہے کہ میں نے اسے مصیبت سے نجات دلائی۔

عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ

عذاب الیم - دُنیا اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کا رُوئے زمین

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ

میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار - اور کچھ ان میں سے وہ ہیں ؎ جنھوں نے وعدہ کیا اللہ سے

؎ ثعلبہ بن حاطب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہُوا اور عرض کی یارسُول اللہ! دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مالدار کر دے۔ حضوؐر نے فرمایا اے ثعلبہ کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تم میری طرح ہو۔ اگر میں چاہتا تو یہ پہاڑ سونے کے بن جاتے اور میرے ساتھ ساتھ چلتے۔ اس نے پھر یہی عرض کی کہ حضوؐر دُعا فرما دیں کہ میں مالدار ہو جاؤں اور مجھے خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق مبعوث فرمایا اگر مجھے دولت ملی تو میں ہر حقدار کا حق ادا کروں گا۔ حضوؐر نے پھر فرمایا اے ثعلبہ! قليل تعلیق شکرہ خیر من کثیر لا تطیقہ: اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کر سکو اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا تم شکر ادا کرنے سے قاصر رہو۔ لیکن اس نے پھر اپنی عرض دُہرائی۔ حضوؐر نے دُعا فرمائی اللّٰھم ارزقہ مالاً۔ اے اللہ اس کو مال عطا فرما۔ اب کیا تھا لبِ مصطفوی دُعا کے لیے کھلے تو ادھر رزق کے دروازے کھل گئے۔ اس نے چند بکریاں خریدیں اور ان میں اتنی برکت ہوئی کہ مدینہ میں کوئی حویلی ایسی نہ تھی جہاں وہ سما سکیں۔ باہر دور جنگل میں ڈیرہ بنایا۔ پہلے تو یہ حالت تھی کہ صبح و شام مسجد میں بسر ہوتی اور اسی وجہ سے اسے حمامة المسجد (مسجد کی کبوتری) کہا جاتا تھا۔ اب پہلے دن کو غیر حاضری ہوئی۔ پھر رات کو بھی غیر حاضری ہونے لگی۔ ہفتہ میں صرف جمعہ کی نماز مسجد نبوی میں نصیب ہوتی۔ لیکن ریوڑ کی غیر متوقع افزائش کے باعث مصروفیات اتنی بڑھیں کہ جمعہ تو کیا عید کے دن بھی حاضری نصیب نہ ہوتی۔ اسی اثناء میں زکوٰۃ کا حکم نازل ہُوا۔ حضوؐر نے اپنے دو عامل اس کے پاس روانہ فرمائے۔ اس نے کہا یہ تو بہت زیادتی ہے۔ تم ذرا آگے سے ہو آؤ میں اتنے میں سوچ رکھوں گا۔ وہ دونوں اس کے ہاں سے سلیمی کے پاس گئے۔ اس نے ثعلبہ کی بات سُن لی تھی۔ اس نے بہترین جانور زکوٰۃ کے لیے بخوشی پیش کر دیے۔ جب واپسی پر ان عاملوں کا اس کے پاس سے گزر ہُوا تو کہنے لگا ذرا وہ خط دکھاؤ دیکھوں اس میں کیا لکھا ہے۔ پڑھنے کے بعد کہنے لگا یہ تو جزیہ ہے تم جاؤ میں ذرا سوچ لوں۔ جب وہ عامل بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو اس سے پیشتر کہ وہ کچھ عرض کریں حضوؐر نے فرمایا: ویح ثعلبہ بن حاطب ثعلبہ ہلاک ہو گیا اور سلیمی کے لیے حضوؐر نے دُعا فرمائی۔ چنانچہ ثعلبہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے رشتہ داروں نے اسے بتایا کہ تیرے حق میں یہ آیت اُتری ہے تو زکوٰۃ لے کر حاضر ہُوا۔ حضوؐر نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کرنے سے مجھے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ رونے لگا اور سر پر خاک ڈالنے لگا۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں بھی وہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہُوا تو آپ نے فرمایا تیری زکوٰۃ اللہ کے رسُول نے منظور نہیں فرمائی تو میں کیسے منظور کر سکتا ہوں۔ پھر عہدِ فاروقی میں حاضر ہُوا اور زکوٰۃ

اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾

ساتھ کہ اگر اس نے دیا ہمیں اپنے فضل سے تو ہم دل کھول کر خیرات دیں گے اور ضرور ہو جائیں گے نیکو کاروں میں۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ

پس جب اس نے عطا فرمایا انھیں اپنے فضل سے تو کنجوسی کرنے لگے اس کے ساتھ اور روگردانی کر لی اور وہ

مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ

منہ پھیرنے والے ہیں۔ پس اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے نفاق جما دیا ان کے دلوں میں ١١٨ اس دن تک جب ملیں گے

بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾ اَلَمْ

اس کو اس وجہ سے کہ انھوں نے خلاف ورزی کی اللہ سے جو وعدہ انھوں نے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ

کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے راز کو اور ان کی سرگوشی کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا

الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

ہے سارے غیبوں کو۔ جو لوگ (ریاکاری کا) الزام لگاتے ہیں خوشی خوشی خیرات کرنے والوں پر مومنوں سے ١١٩

پیش کی حضرت فاروق نے بھی یہ کہہ کر رد فرما دی کہ جب تیری زکوٰۃ رسول کریم نے اور صدیق اکبر نے قبول نہ کی تو میں کیونکر قبول کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اسی حالت میں وہ عہد عثمانی میں مر گیا۔

١١٨ یعنی نفاق کی بیماری جو پہلے ان میں تھی اس پیہم بدعملی، وعدہ خلافی اور بدکاری سے اور زیادہ بڑھ گئی اور اس کی جڑیں ان کے دل میں اس مضبوطی سے گڑ گئیں کہ موت سے پہلے ان کے اکھڑنے کا امکان ہی نہ رہا جیسے معمولی نزلہ علاج میں غفلت اور بدپرہیزی کی وجہ سے تپ دق میں بدل جاتا ہے اور مہلک اور جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔

١١٩ ایک دفعہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہ خدا میں مال پیش کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار درہم لے کر حاضر ہوئے۔ عدی بن حاتم نے سترو سق کھجوریں پیش کیں۔ مسلمانوں کو اتنا مال کثیر راہ خدا میں پیش کرتے دیکھ کر منافقین کہنے لگے یہ خدا کی راہ میں دینے کے لیے کب لاتے ہیں یہ تو محض ریاکاری ہے تاکہ لوگوں کے دلوں پر

فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ

اور جو (نادار) نہیں پاتے بجز اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے تو یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے

مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ

ہیں۔ اللہ تعالیٰ سزا دے گا انہیں اس مذاق کی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ آپ بخشش طلب کریں ان

اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ

کے لیے یا نہ کریں [۱۲۰] اگر آپ بخشش طلب کریں ان کے لیے ستر بار جب بھی

يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ

نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ انہیں۔ یہ محض اس لیے کہ انہوں نے انکار کیا اللہ کا اور اس کے رسول مکرم کا۔ اور

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ

اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو۔ خوش ہو گئے پیچھے چھوڑے جانے والے اپنے گھر بیٹھے رہنے پر

اپنی سخاوت کا سکہ جما گئیں۔ اتنے میں ایک غریب صحابی ابو عقیل سیر بھر کھجوریں لے کر حاضر ہوا تو ان نالائقوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ اس ایک سیر سے کس لشکر کی ضیافت کا سامان ہو گا۔ غرضیکہ ان کا نفس امارہ نہ تو متمول مسلمانوں کی فیاضانہ پیش کشوں سے متاثر ہوتا نہ ان نادار جانبازوں کے ایثار سے جو ساری ساری رات کنوئیں سے پانی نکالتے رہتے اور جو کچھ مزدوری ملتی اسے وہ اپنے دین کی سربلندی کے لیے اپنے رسول کی خدمت میں حاضر کر دیتے۔

[۱۲۰] امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین کا یہ طریقہ تھا کہ جب حضورؐ خطبہ ارشاد فرماتے تو وہ کھڑا ہو جاتا اور خوشامد کرتے ہوئے کہتا ھذا رسول اللہ اکرمہ اللہ و اعزہ و نصرہ۔ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں اللہ تعالیٰ انہیں عزت و نصرت عطا فرمائے۔ جب اُحد کے بعد اس کا نفاق واضح ہو گیا تو پھر اس نے کسی موقع پر کھڑے ہو کر یہی الفاظ دہرائے۔ حضرت فاروقؓ سے نہ رہا گیا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اللہ کے دشمن! تیرا کفر اب چھپائے نہیں چھپ سکتا۔ دوسرے حاضرین نے بھی اسے ملامت کی۔ چنانچہ نماز پڑھے بغیر غصہ سے بل کھاتا ہوا وہ مسجد سے نکل کر چلا گیا۔ راستے میں کسی نے اسے کہا کہ کدھر بھاگے جا رہے ہو۔ حضورؐ کی خدمت میں جاؤ اور ان کا دامن کرم پکڑ لو اور اپنی بخشش اور مغفرت کے لیے عرض کرو۔ اس بدبخت نے کہا ما ابالی استغفرلی اولم یستغفر۔ وہ میرے لیے مغفرت کی دعا مانگیں

خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

اللہ کے رسول کی (جہاد پر) روانگی کے بعد۱۲۱ اور ناگوار تھا انھیں کہ جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ

راہ خدا میں ۱۲۲ اور (دوسروں کو بھی) کہتے مت نکلو اس سخت گرمی میں ۱۲۳ فرمائیے دوزخ کی آگ

اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا

اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ کچھ سمجھتے۔ تو انھیں چاہیے کہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں

كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى

زیادہ ۱۲۴ یہ سزا ہے جو وہ کمایا کرتے تھے۔ (اے حبیب!) پھر اگر لے جائے آپ کو اللہ تعالیٰ

یا نہ مانگیں مجھے ذرا پروا نہیں یعنی مجھے ان کی مغفرت کی دعا کی ضرورت نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے متعلق تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے۔

۱۲۱ منافق جہاد میں شریک نہ ہوتے اور حضور کریم کی ہمرکابی کی سعادت انھیں حاصل نہ ہوتی۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ اس محرومی پر غمزدہ ہوتے اور اپنے بخت برگشتہ پر افسوس کرتے اُلٹے وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ چلو بچ گئے۔

۱۲۲ جب ان کے دلوں میں ایمان ہی نہ تھا تو انھیں وہ ذوق اور لطف کیسے میسر ہو سکتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور اس کی رضا کے لیے اپنی جان قربان کرنے سے اہل ایمان کو حاصل ہوتا ہے۔ ان کے لیے تو یہ سب کچھ ایک مصیبت تھی جس سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے وہ بہانوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔

۱۲۳ خود تو وہ جہاد میں شریک نہیں ہوئے لیکن اسی پر وہ اکتفا کرنے والے کب تھے۔ وہ دوسرے اہل ایمان کو بھی گرمی کی شدت سے ڈراتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ اس گرمی سے بچ گئے تو کیا ہوا اس بھون کر رکھ دینے والی آگ سے کیونکر نجات حاصل کرو گے۔ لیکن ان چیزوں کو تو صرف دانا آدمی سمجھ سکتا ہے۔ ان نادانوں کو کیا سمجھ۔

۱۲۴ یہ جملہ صورۃً امر ہے اور معنیً خبر۔ مطلب یہ ہوا کہ اس فانی زندگی کے چند روز وہ ہنسی خوشی گزار دیں گے لیکن آئندہ آنے والی ابدی زندگی میں انھیں رونا ہی رونا ہے۔ ھو امر بمعنی الخبر انھم سیضحکون قلیلا ۔ ف

طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا

ان کے کسی گروہ کے پاس پھر وہ اجازت طلب کریں آپ سے جہاد پر نکلنے کی تو آپ فرمائیے نہیں نکلو گے تم میرے

مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ

ہمراہ کبھی اور ہرگز جنگ نہیں کرو گے میری معیت میں کسی دشمن سے۔ تم نے تو (خود) پسند کیا تھا (گھر) بیٹھ رہنا

بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ۝ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى

پہلی مرتبہ تو اب بیٹھے رہو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ١٢٥ اور نہ پڑھیے نماز جنازہ کسی

اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا

پر ان میں سے جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر ١٢٦ بیشک انھوں نے کفر کیا

یکون کثیرا۔ (قرطبیؒ)

١٢٥ خالف کا ایک معنی تو یہ ہے پیچھے رہ جانے والا لیکن علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ خلف بمعنی فسد کے ہے جس طرح کہتے ہیں خلف اللبن دُودھ خراب ہو گیا۔ یا عرب کہتے ہیں کہ فلان خالفة اهل بيته۔ فلاں شخص اپنے سارے کنبہ سے فسادی ہے۔ اسی سے خلوف فم الصائم ہے جبکہ مُنہ کی بُو روزہ رکھنے سے خراب ہو جاتی ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہو گا فاقعدوا مع الفاسدین یعنی فساد برپا کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ پہلے تم نے جان بوجھ کر میرے رسُول کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اب بطورِ سزا تمھیں جہاد کی توفیق سے محروم کر دیا گیا ہے بلکہ اب اگر لشکرِ اسلام کہیں جہاد پر روانہ ہوا اور تم جہاد کرنے کے لیے نکلنا بھی چاہو گے تو تمھیں ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا جائے گا۔ وھذا یدل علی ان استصحاب المخذول فی الغزوات لا یجوز (قرطبیؒ)۔ ترجمہ: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کسی مردود و راندہ درگاہ کو جہاد میں ہمراہ لے جانا جائز نہیں۔

١٢٦ منافقین نے جنگِ تبوک میں شرکت نہ کر کے جب اپنے آپ کو آشکارا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو حکم دیا کہ اب آپ بھی ان سے پہلی سی نرمی اور رافت کا برتاؤ نہ کیا کریں بلکہ ان کو ننگا ہونے دیں تاکہ دوسروں کے لیے موجب عبرت ہوں۔ اس لیے اب آئندہ ان کو جہاد میں شرکت سے روک دیا اور اسی سلسلہ میں ہی یہ حکم فرمایا کہ اب ان کی نماز جنازہ نہ پڑھا کیجیے اور نہ ان کی قبر پر تشریف لے جایئے۔ ان کی کفر و گمراہی نے انھیں اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ رحمت الٰہی ان کی طرف مائل ہو۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب عبداللہ بن ابی مرض موت میں مبتلا ہُوا تو حضور اس کی عیادت کے

لیے تشریف لے گئے۔ اس نے التماس کی کہ جب وہ مر جائے تو حضور اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور اس کی قبر پر بھی تشریف فرما ہوں۔ پھر اس نے ایک آدمی بھیجا اور عرض کی کہ کفن کے لیے اسے قمیص مرحمت فرمائی جائے۔ حضورؐ نے اوپر والی قمیص بھیجی۔ اس نے پھر گزارش کی کہ مجھے وہ قمیص چاہیے جو آپ کے جسدِ اطہر کو چھو رہی ہے۔ حضرت عمرؓ پاس بیٹھے تھے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! آپ اس ناپاک اور گندے کو اپنی پاک قمیص کیوں مرحمت فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حقیقت سے نقاب اٹھایا اور فرمایا اے عمرؓ! ان قمیصی لا یغنی عنہ من اللہ شیئا فلعل اللہ ان یدخل بہ الفاً فی الاسلام (کبیر) اے عمرؓ! اس کافر اور منافق کو میری قمیص کچھ نفع نہیں پہنچائے گی۔ بلکہ اس کے دینے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہزار آدمیوں کو مشرف باسلام کرے گا۔ منافقوں کا ایک انبوہِ کثیر ہر وقت عبد اللہ کے پاس رہتا تھا جب انھوں نے یہ دیکھا کہ یہ نابکار ساری عمر مخالفت کرنے کے بعد اپنی بخشش اور نجات کے لیے آپ کی قمیص کا سہارا لے رہا ہے تو ان کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھ گئے اور یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ اس رحمتِ عالمیان کی بارگاہِ بیکس پناہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں منظوری ناممکن ہے تو بجائے اس کے کہ حالتِ یاس میں اس کا دامن پکڑنے کی ناکام کوشش کریں اب ہی کیوں نہ اس پر ایمان لے آئیں اور سچے دل سے اپنی گزشتہ خطاؤں کی معافی مانگ لیں اور اس کی شفاعت کے مستحق ہو جائیں۔ چنانچہ اسی دن ایک ہزار منافق اس قمیص کی برکت اور قمیص والے کے حسنِ خلق سے مشرف باسلام ہوا۔ اسلم منھم یومئذ الف (کبیر) جو ڈوب چکا تھا وہ تو ڈوب چکا تھا لیکن ہزاروں ڈوبتے ہوؤں کو تو بچا لیا۔ جب وہ مر گیا تو اس کا بیٹا جو مخلص مسلمان تھا حاضر ہوا اور اپنے باپ کی موت کی اطلاع دی۔ حضورؐ نے فرمایا جاؤ اور اس کا جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر آؤ۔ اس نے عرض کی حضور خود کرم فرما دیں۔ اس پیکرِ عفو وعنایت نے نہ نہ کی۔ اٹھے اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے روانہ ہونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے پھر گزارش کی یا رسول اللہ، اللہ اور رسول کے اس دشمن کی نماز جنازہ نہ پڑھیے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور جبریلؑ نے حضورؐ کا دامن پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا ولا تصل علی احد الخ۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ نے قمیص کیوں عطا فرمائی۔ مفسرین نے اس کی کئی ایک وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب جنگ بدر میں حضرت عباسؓ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے گرفتار کیے گئے تو ان کی اپنی قمیص پھٹ گئی تھی حضورؐ نے انھیں قمیص پہنانا چاہی کیونکہ عباس دراز قامت تھے۔ عبد اللہ بن ابی کا قد بھی بڑا لمبا تھا اس لیے اس کی قمیص کے سوا اور کوئی قمیص انھیں پوری نہ آئی۔ اللہ کے رسول نے چاہا کہ اس کا یہ احسان دنیا میں ہی اتار دیا جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ تعلیم دی کہ اما السائل فلا تنھر کہ کسی سائل کو نہ جھڑکیے۔ اس لیے حضورؐ نے اس کے سوال کو رد نہ کیا۔ اور سب سے بڑی وجہ وہی تھی جو حضورؐ نے خود بیان فرمائی کہ اس قمیص کی وجہ سے اللہ ایک ہزار منافقوں کو دولتِ ایمان سے مالا مال فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس سے اور بڑی برکت کیا ہو سکتی ہے۔ یہاں ایک چیز خوب ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ بدنصیب جس کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی اور اس کے لیے کسی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی لیکن صاحبِ ایمان کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو اس کے لیے اگر اللہ کے محبوب کے ہاتھ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول مکرم کے ساتھ۔ اور وہ مرے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے اور نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان کے مال

وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الدُّنْيَا

اور ان کی اولاد۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انھیں ان سے دنیا میں

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ

اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں۔ اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورۃ (جس میں حکم ہوتا ہے) کہ

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ

ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اللہ کے رسول کے ہمراہ تو اجازت طلب کرنے لگتے ہیں آپ سے جو طاقت والے

مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا

ہیں ان میں سے اور کہتے ہیں رہنے دیجیے ہمیں تاکہ ہو جائیں ہم پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ۔ انھوں نے یہ پسند کیا کہ ہو جائیں

مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ اور مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر ۱۲۴؎ تو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

دعا کے لیے اٹھ جائیں تو مغفرت یقینی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله و استغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نعمتِ ایمان نصیب فرماوے اور اس دنیا میں بھی اور روز حشر بھی حضورؐ کی شفاعت کی سعادت سے بہرہ اندوز فرمائے آمین ثم آمین۔ بجاہ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۱۲۴؎ یہ ان کی کم فہمی اور نادانی ہے کہ جب انھیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے، اپنے گناہ بخشوانے اور اپنے ایمان کو جلا دینے کا موقع دیا گیا تو انھوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ ابر رحمت آیا برسا، اور سوکھے کھیتوں کو شاداب کر کے چلا گیا۔ لیکن ان کی کشتِ ایمان میں یونہی خاک اڑتی رہی جیسے پہلے اڑ رہی تھی۔ اللہ کریم ہر انسان کو اس کی زندگی میں موقع دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سابقہ غفلتوں اور کوتاہیوں کی تلافی کر سکے لیکن بعض بدنصیب اس سنہری فرصت کو بھی ضائع کر دیتے ہیں

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

لیکن رسول اور جو ایمان لاتے اس کے ساتھ انھوں نے جہاد کیا اپنے مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۸۸

اور اپنی جانوں سے اور انہی کے لیے ساری بھلائیاں ہیں ۱۲۸ اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

تیار کر رکھے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہنے والے ہیں

فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۸۹ وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ

ان میں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور آئے بہانہ بنانے والے بدو ۱۲۹

لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ

تاکہ اجازت مل جائے انھیں اور بیٹھ رہے وہ جنھوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے عنقریب پہنچیگا

ع ۱۱ / ۱۷

۱۲۸ منافقین کا رویہ تو یہ ہے کہ ہر سرفروشی کے موقع پر ان کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں لیکن ان کے برعکس رسول اکرم اور اس کے صحابہ کا رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال اللہ کی رضاء کے لیے قربان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے بلکہ دعا مانگتے ہیں کہ یہ سعادت انھیں نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے نیک بختوں کے لیے دین اور دنیا کی راحتیں اور عزتیں ہیں اور وہی دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ خیرات سے مراد دونوں جہانوں کی بھلائیاں ہیں۔ فالمعنی لهم منافع الدارین۔

۱۲۹ پہلے مدینہ میں بسنے والے مخلصین اور منافقین کا ذکر کیا گیا۔ اب اردگرد کے دیہاتیوں کے حالات بیان کیے جا رہے ہیں۔ ان میں کچھ تو سچے ایماندار ہیں ان کا ذکر تو اس رکوع کے آخر میں آئے گا۔ ومن الاعراب من یؤمن الخ اور ان کے علاوہ منافق ہیں۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ جب انھیں جہاد کی دعوت دی گئی تو جھوٹے بہانے بنا کر گھر بیٹھ رہنے کی اجازت طلب کرنے لگے اور دوسری قسم ان منافقوں کی ہے کہ جنھوں نے جہاد کا حکم سنا تو اکڑ کر گھروں میں بیٹھ رہے اور یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ چلو محض ظاہرداری کے لیے ہی کوئی عذر لنگ پیش کر دیں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ اگر ان کے کفر و عناد کی یہی حالت آخر دم تک رہی تو انھیں دردناک ابدی عذاب میں مبتلا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ

جنھوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک ۔ نہیں ہے کمزوروں پر ۱۳۰

وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ

اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں

حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ

(اگر یہ پیچھے رہ جائیں) کوئی حرج جبکہ وہ مخلص ہوں اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے ۱۳۱ نہیں ہے نیکوکاروں

سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ

پر الزام کی کوئی وجہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔ اور نہ ان پر کوئی الزام ہے جو جب حاضر ہوتے آپ کے پاس

کردیا جائے گا۔ اس صورت میں معذرون باب تفعیل سے ہوگا اور معذر وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی حقیقی عذر نہ ہو اور پھر بھی وہ عذر پیش کرے۔ وھو الذی یعتذر ولا عذر لہ لیکن اخفش اور فراء وغیرہما علماء لغت ونحو نے کہا ہے کہ معذرون اصل میں معتذرون تھا۔ ت افتعال کو ذال سے بدلا اور ذال کو ذال میں مدغم کردیا اور معذرون ہوگیا اب اس کا معنی ہوگا صحیح عذر والے (قرطبی)۔ اور ان سے مراد عامر بن طفیل کا قبیلہ ہے جس نے حاضر ہوکر عرض کی یا رسول اللہ اگر ہم حضور کے ہمراہ جہاد پر جاتیں گے تو بنی طے کے بدو ہماری بیویوں، بچوں اور مویشیوں پر حملہ کرکے لوٹ لیں گے حضور نے ان کی اس صحیح معذرت کو قبول فرمایا۔

۱۳۰ یعنی جو لوگ حقیقۃً معذور ہیں وہ اگر جہاد میں شریک نہ ہوسکیں تو کوئی حرج نہیں۔

۱۳۱ نصیحت کا معنی ہے اخلاص۔ اسی وجہ سے خالص اور سچی توبہ کو توبۃ النصوح کہتے ہیں۔ اور جب بات خلوص نیت سے کہی جائے تو کہتے ہیں نصح لہ القول حضرت تمیم الداری سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا۔ الدین النصیحۃ قلنا لمن ؟ قال للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم (رواہ مسلم)۔ دین نصیحت کو کہتے ہیں۔ ہم نے عرض کی کس کے لیے ؟ تو فرمایا اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے امراء کے لیے اور عام لوگوں کے لیے۔ اور یہاں بھی نصیحت کا معنی اخلاص ہے۔ علماء کرام نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ کے لیے نصیحت کا یہ مطلب ہے کہ اس کی توحید اور اس کی صفات کمالیہ پر خالص اعتقاد ہو اور اس کو نقص اور عیب سے پاک جانے۔ اور رسول کے لیے نصیحت کا یہ معنی ہے کہ اس کی رسالت کو

لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ

تاکہ آپ سوار کریں انھیں تو فرمایا آپ نے میں نہیں پاتا جس پر میں تمھیں سوار کروں وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں

تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا

بہا رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ افسوس نہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں ۱۳۲ الزام تو

السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ

بس ان لوگوں پر ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ مالدار ہیں۔ وہ راضی ہو گئے اس

يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

پر کہ ہو جائیں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ اور مہر لگادی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پس وہ (کچھ) نہیں جانتے۔

سچے دل سے مانے، اس کی فرماں برداری کرے، اس کی عزت و تکریم کرے، اور اس سے اور اس کے اہل بیت سے محبت کرے۔ اور مسلمانوں کے اُمراء کے لیے نصیحت سے یہ غرض ہے کہ ان کے خلاف بغاوت نہ کرے۔ ان کو صحیح مشورہ دے اور اگر ان سے غفلت سرزد ہو تو انھیں متنبہ کر دے۔ اور عوام کو نصیحت کرنے کا مدعا یہ ہے کہ ان کی صحیح رہنمائی کرے، سب کے لیے دعائے خیر مانگا کرے اور سب کی خیر خواہی میں کوشاں رہے (قرطبی)۔

۱۳۲ جب غزوۂ تبوک کی تیاری شروع ہو گئی تو وہ غریب و نادار مسلمان جن کے دلوں میں راہِ حق میں جان دینے کے ہزاروں ارمان مچل رہے تھے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! ہم دل و جان سے جہاد کے لیے تیار ہیں لیکن ہم نادار ہیں، اتنی طاقت نہیں کہ سواری کا انتظام کر سکیں، از راہِ کرم سواری کا انتظام فرما دیجیے تاکہ ہم یہ سعادت حاصل کر سکیں۔ حضورؐ نے جب انھیں یہ بتایا کہ بیت المال میں اتنی گنجائش نہیں کہ تمھاری سواری کا بندوبست کیا جاسکے تو انھیں اتنا صدمہ پہنچا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگ گئے۔ اور انھیں اپنی ناداری کا جتنا غم آج ہوا شاید ہی کبھی اتنا ہوا ہو۔ بجائے اس کے کہ وہ دل ہی دل میں خوش ہوتے کہ آج افلاس کام آیا۔ اس گرم موسم میں دور دراز کی مسافت سے جان چھوٹی، آنسو وہ مغموم، دلگیر اور اشکبار ہیں۔ اس حقیقت کو کچھ وہی خوش نصیب سمجھ سکتے ہیں جن کو عشق و محبت کی مینا سے ایک دو جام ملے ہوں۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا

وہ بہانے پیش کریں گے تمھارے پاس جب تم لوٹ کر جاؤ گے ان کی طرف ۱۳۳؎ فرمائیے بہانے مت بناؤ

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ

ہم نہیں اعتبار کریں گے تم پر، آگاہ کر دیا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمھاری خبروں پر اور دیکھے گا اللہ تعالیٰ

عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

تمھارا عمل اور اس کا رسول ۱۳۴؎ پھر لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا

پھر وہ آگاہ کرے گا تمھیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمھارے سامنے جب تم

انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ

لوٹو گے ان کی طرف تاکہ تم معاف کر دو انھیں سو منہ پھیر لو ان سے یقیناً وہ

رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ

ناپاک ہیں ۱۳۵؎ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، بدلہ اس کا جو وہ کمایا کرتے تھے۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں

۱۳۳؎ جب مسلمان غزوۂ تبوک سے مظفر و منصور ہو کر مدینہ طیبہ واپس آنے لگے تو اللہ نے انھیں آگاہ کر دیا کہ جب تم مدینہ پہنچو گے تو منافقین تمھارے پاس آئیں گے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کی کئی تاویلیں پیش کریں گے اور اس طرح تمھیں اپنے ایمان اور اپنے اخلاص کا یقین دلائیں گے لیکن تم انھیں صاف صاف کہہ دینا کہ اس مکر و فریب کو اب رہنے دو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمھارے نفاق اور خبث باطن پر مطلع کر دیا ہے اب ہم تمھاری باتوں میں آنے والے نہیں۔

۱۳۴؎ اب تک جو تم نے کیا اس کی حقیقت کا تو ہمیں علم ہو گیا۔ اب بھی تمھیں اجازت ہے کہ تم اپنی اصلاح کر لو۔ اللہ اور اس کا رسول تمھارے عملوں کو دیکھے گا۔ اگر تمھارے اعمال نے تمھارے ایماندار اور مخلص ہونے کی تصدیق کر دی تو ہم بھی تسلیم کر لیں گے۔ خوب جان لو اس چند روزہ زندگی کے بعد تمھیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر کیا جائے گا اور وہ سب کچھ جاننے والا تمھیں تمھارے سب کرتوتوں پر آگاہ کر دے گا۔

لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى

تمہارے لیے تاکہ تم خوش ہو جاؤ ان سے۔ سو (یاد رکھو) اگر تم خوش ہو بھی گئے ان سے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں

عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ

ہو گا نافرمانوں کی قوم سے ۔ اعرابی زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں ۱۳۶ اور حقدار ہیں

اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

کہ نہ جانیں وہ احکام جو نازل کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا

حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ

بڑا دانا ہے۔ اور بعض بدو ایسے ہیں جو ۱۳۷ یہ سمجھتے ہیں کہ جو وہ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں وہ تاوان ہے اور

بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾

منتظر ہیں تمہارے لیے زمانہ کی گردشوں کے (حقیقت میں) انہی پر ہے بُری گردش ۱۳۸ اور اللہ تعالیٰ سمیع (و) علیم ہے۔

۱۳۵ اعراض کا مادہ آیت میں دو بار استعمال ہوا ہے۔ اور یہ دو مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے (۱) عفو و درگزر۔ اور (۲) قطع تعلق۔ لتعرضوا میں پہلا معنی مطلوب ہے اور فاعرضوا عنھم میں دوسرا معنی مقصود ہے یعنی منافق قسمیں اٹھائیں گے اور منت التماس کریں گے کہ ان کی غلطی معاف کر دی جائے۔ لیکن تمہیں یہی حکم دیا جاتا ہے کہ تم ان سے قطع تعلق کرو چنانچہ حضورؐ جب مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو یہ حکم دے دیا کہ لا تجالسوھم ولا تکلموھم: نہ ان کے ساتھ بیٹھو اور نہ ان سے بات چیت کرو۔ اور قطع تعلق کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ انھم رجس یہ ناپاک ہیں۔

۱۳۶ منافقین مدینہ کے حالات کا ذکر کرنے کے بعد اب پھر دیہات میں بسنے والے بدوؤں کا ذکر ہو رہا ہے کہ اپنی صحرائی زندگی، درشت عادات اور مرکز اسلام سے دُور رہنے کے باعث ان کا کفر اور نفاق بہت سخت اور کرخت قسم کا ہے۔ بالکل نیم چڑھے کریلے ہیں۔

۱۳۷ کیونکہ ان کے دلوں میں نفاق تھا اس لیے راہ خدا میں جو پیسہ وہ خرچ کیا کرتے تھے بادل ناخواستہ خرچ کیا کرتے تھے۔ انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی جرمانہ یا تاوان ادا کر رہے ہیں اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا۔ کیونکہ اسلام کی ترقی کے ساتھ انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ الٹا چڑ تھی۔ رضا الٰہی کا مفہوم انہیں معلوم ہی نہ تھا۔ ڈر کے مارے

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا

اور کچھ دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور سمجھتے ہیں جو وہ

يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ

خرچ کرتے ہیں قربِ الٰہی اور رسول (پاک) کی دعائیں لینے کا ذریعہ ہے [۱۳۹] ہاں ہاں وہ ان کے لیے باعثِ قرب ہے۔

سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ

ضرور داخل فرمائے گا انھیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں [۱۴۰] بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور سب سے آگے

الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ

آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانیوالے مہاجرین اور انصار سے اور جنھوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے

اور مسلم سوسائٹی سے چمٹے رہنے کی وہ قیمت ادا کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے یہ چندہ ایک جرمانہ اور تاوان ہی تھا۔ مغرما معناہ غرما و اصلہ لزوم الشیء ومنہ ان عذابہا کان غراما ای لازما (قرطبی)۔

[۱۳۸] دوائر جمع ہے دائرہ کی۔ اس کا معنی ہے اچھی حالت کا بری حالت سے بدل جانا جسے ہم گردشِ زمانہ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اب تو وہ دل پر جبر کرکے کچھ نہ کچھ مالی امداد کر دیا کرتے ہیں لیکن دل ہی دل میں وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ کہیں گردشِ زمانہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو ختم کرکے رکھ دے اور ہم یہ چندہ دینے سے صاف انکار کر دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گردشِ روزگار تو تمھیں ہی پیس کر رکھ دے گی۔ اسلام اور مسلمان تو دن بدن ترقی کرتے جائیں گے۔

[۱۳۹] اب ان اعرابیوں کا ذکر ہو رہا ہے جو دل و جان سے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور راہِ خدا میں جو مال خرچ کرتے ہیں اسے تاوان خیال نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا سبب سمجھتے ہیں یعنی جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اس یقین سے خرچ کرتے ہیں کہ اس سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا اور حضور رحمتِ عالم ہمارے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائیں گے اور حضور کی دعا کی برکت سے انھیں اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کی نعمت حاصل ہوگی۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں لانہا الغایۃ القصوی وصلوات الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام من ذرائعہا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بلند ترین مقصد ہے اور حضور کی دعائیں اس کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہ لکھتے ہیں

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغات

تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾ وَ

بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۱۲۸ اور

"یہی فاتحہ کی اصل ہے کہ صدقہ کے ساتھ دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ لہٰذا فاتحہ کو بدعت و ناروا بتانا قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔" (خزائن العرفان)۔

۱۲۷ سین تحقیق و تاکید کے لیے ہے۔

۱۲۸ یہاں ان پاک ہستیوں (مہاجرین و انصار) کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے مکرم نبی کی دعوت اس وقت قبول کی جب کہ اس کو قبول کرنا ہزاروں مصیبتوں اور تکلیفوں کو دعوت دینا تھا۔ اس وقت اسلام کی اعانت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا جب اسلام بڑی بےکسی کی حالت میں تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ان مخلص، جانباز اور پاکباز بندوں پر ناز ہے بلکہ ساری انسانیت کو ان پر فخر ہے جنھوں نے حق کو محض حق کے لیے قبول کیا۔ اور اس کو فروغ دینے اور مرتبۂ کمال تک پہنچانے کے لیے اپنے وطن چھوڑے، اپنے خونی رشتے توڑے، اپنے سر کٹائے۔ قرآن بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان مخلص، جانباز اور پاکباز بندوں پر راضی ہو گیا اور اس کے ان بندوں نے جب دیکھا کہ ان کے رب کریم نے ان کی ان قربانیوں کو شرفِ قبول عطا فرمایا ہے تو وہ اس کی شانِ بندہ پروری اور ذرہ نوازی کو دیکھ کر راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی ابدی نعمتوں سے بھی انھیں سرفراز فرمایا اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود ہی اس دولت سے خوشنود ہوئے بلکہ قیامت تک جو بھی خلوص و دیانت سے ان کی پیروی کرے گا وہ بھی عنایاتِ ربانی کا مستحق ہو گا۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کی شان ظاہر و باطن کے جاننے والے خدا نے خود اپنی کتابِ مقدس میں بیان فرما دی۔ آپ ذرا سوچیں کہ جن کی توصیف وہ خود کرے جن کے ایمان کا وہ خود گواہ ہو جن کے جنت میں جانے کا وہ خود مژدہ سناتے ایسے پاک لوگوں کی شان میں ہمارا کچھ کہنا شیطان کا کتنا خطرناک دھوکا ہے۔ صحابہ کرام اس لیے تو شمع توحید پر پروانہ وار نثار نہیں ہوتے تھے کہ چودھویں صدی کا بےعمل مسلمان ان کی مدح و ستائش کرے۔ ان کے پیش نظر تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول کی خوشنودی تھی اور وہ انھیں حاصل ہو گئی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کے بعد ساری دنیا بھی ان کی جناب میں گستاخیاں کرتی رہے تو اس سے ان کا کیا بگڑتا ہے۔ البتہ ان لوگوں کی حرماں نصیبی قابلِ افسوس ہے جو صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بن سکتے تھے لیکن انھوں نے ادھر سے منہ موڑ کر بلکہ ان لوگوں سے دشمنی کر کے اپنے آپ کو محروم کر دیا۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ۛ۫

تمہارے آس پاس بسنے والے دیہاتیوں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینہ کے رہنے والے

مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ

پکے ہو گئے ہیں نفاق میں ۱۴۳ تم نہیں جانتے ان کو۔ ہم جانتے ہیں انھیں ۱۴۴ ہم عذاب دیں گے انھیں

مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا

دو بار ۱۴۵ پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف ۱۴۶ کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف

بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ

کر لیا ہے اپنے گناہوں کا۔ انھوں نے ملا جلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

۱۴۲ اللہ تعالیٰ اپنے دستِ کرم سے حقیقی کامیابی کا تاج اپنے محبوب رسول کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سروں کی زینت بنا رہا ہے۔

۱۴۳ مرد کا معنی ہے پختہ ہو جانا۔ اصل المرد الملاسة ومنه صرح ممرد والامرد الذی لاشعر علی وجهه والمرداء الرملة التی لا تنبت شیئا۔ (قرطبی) یعنی نفاق کی جڑیں ان کے دلوں میں گہری چلی گئی ہیں اور ان کے تائب ہونے کی اب کوئی توقع نہیں۔

۱۴۴ یعنی وہ اتنے ماہر منافق ہیں کہ اپنی بدباطنی اور دلی خباثت کو کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ کوئی بڑے سے بڑا زیرک بھی اس پر مطلع نہیں ہو پاتا۔ اور تو اور آپ بھی اپنے نفس کی صفائی اور فراست کی تیزی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر انھیں نہیں پہچان سکتے۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے ان کی فریب کاریاں پوشیدہ نہیں۔

۱۴۵ انھیں دو عذاب دیئے جائیں گے۔ پہلا عذاب تو یہ دیا گیا کہ انھیں رسوا کیا گیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قام رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوم الجمعة خطیبا فقال قم یا فلان فاخرج فانك منافق اخرج یا فلان فانك منافق فاخرجهم باسمائهم ففضحهم۔ فهذا العذاب الاول والعذاب الثانی عذاب القبر (روح المعانی وغیرہ من کتب التفسیر) یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ کے روز خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے فلاں اٹھو یہاں سے نکل جاؤ تم منافق ہو۔ اے فلاں نکل جاؤ تم منافق ہو چنانچہ ان کے نام لے لے کر انھیں نکال دیا اور ان کو رسوا کیا۔ یہ پہلا عذاب تھا۔ دوسرا عذاب قبر میں ہوگا۔ اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو ان

يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً

قبول فرمائے ان کی توبہ ۲۴۷ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اے حبیب! وصول کیجیے ان

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ

کے مالوں سے صدقہ ۲۴۸ تاکہ آپ پاک کریں انھیں اور بابرکت فرمائیں انھیں اس ذریعہ سے نیز دعا مانگیے انکے لیے بیشک آپکی دعا

منافقین کا علم دے دیا تھا۔ اسی لیے تو حضورؐ نے جمعہ کے دن بھرے مجمع میں اُن کے نام لے لے کر نکل جانے کا حکم فرمایا۔ اور لا تعلمہم میں جو علم کی نفی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر خود بخود انھیں نہیں جانتے اور ہمارا بھی عقیدہ یہ ہے کہ حضورؐ کے پاس جو علم ہے وہ اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا ہے۔

۲۴۶ یعنی ان دونوں عذابوں کے بعد قیامت کا ابدی عذاب۔

۲۴۷ منافق جو غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے ان کا طرزِ عمل تو یہ تھا کہ جھوٹی قسمیں کھا کر غلط بہانے بنا کر پیش کرتے لیکن بعض ایسے لوگ بھی شریک نہ ہو سکے تھے جو سچے مومن تھے۔ انھوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا اور عفو و مغفرت کے لیے درخواست کی۔ ان کا ذکر اس آیت میں کیا گیا۔ روایات میں ہے کہ وہ دس آدمی تھے۔ جب حضورؐ بخیریت واپس تشریف لاتے تو انھوں نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا۔ حضورؐ جب مسجد میں تشریف لے گئے تو ان کے متعلق دریافت فرمایا۔ عرض کی گئی اے اللہ کے رسول! انھوں نے قسم اٹھائی ہے کہ جب تک آپ اپنے دستِ مبارک سے انھیں نہیں کھولیں گے وہ یونہی بندھے رہیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا بخدا میں بھی انھیں اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے انھیں کھولنے کا حکم نہیں دیگا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اپنے مبارک ہاتھوں سے کھولا۔

۲۴۸ جب انھیں کھول دیا گیا تو یہ سارا ساز و سامان اٹھا کر لے آئے اور عرض کی اے نبی مکرم! اسی مال و متاع کی محبت کی وجہ سے ہم جہاد میں شریک نہیں ہو سکے اس لیے حضور اسے راہِ خدا میں تقسیم کر دیجیے۔ ہم اسے اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتے۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے تمہارا مال قبول کرنے کا حکم نہیں ملا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حضورؐ نے دو حصے انھیں واپس کر دیے اور تیسرا حصہ خیرات کر دیا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مال زکوٰۃ نہیں بلکہ وہ صدقہ ہے جو گناہ کے سرزد ہونے کے بعد انھوں نے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ارشاد فرمایا کہ آپ ان کے صدقہ کو قبول فرمائیے اور اس طرح ان کو گناہ کی نحوست سے پاک کیجیے اور ان کے دل کے آئینہ پر گناہ کا جو گرد و غبار ابھی باقی ہے اسے دُور فرما کر اسے صاف شفاف کر دیجیے۔ تطھر اور تزکی میں ضمیر خطاب کا مرجع حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ والاجود ان تکون المخاطبۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فانک تطھرھم و تزکیھم بھا۔ (قرطبی)

لَّهُمْ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ

وجہ تسکین کا باعث ہے اُنکے لیے ۱۴۹ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی توبہ قبول فرماتا ہے

عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾

اپنے بندوں کی اور لیتا ہے صدقات کو۔ اور بیشک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۗ وَ

اور فرمائیے عمل کرتے رہو پس دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو اور (دیکھے گا) اس کا رسول اور مومن ۱۵۱ اور

سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ۚ

لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کا پس وہ خبر دار کریگا تمہیں اس سے جو تم

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۗ

کیا کرتے تھے۔ اور دوسرے لوگ ہیں (جن کا معاملہ) ۱۵۲ ملتوی کر دیا گیا ہے اللہ کا حکم (آنے) تک۔ چاہے وہ عذاب

۱۴۹ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے۔ الصلوٰۃ فی کلام العرب الدعاء یعنی اے حبیب! ان کے لیے دعا بھی فرما دیجیے۔ آپ کی دعا سے ان کے بیقرار دلوں کو تسکین اور بے چین اور مضطرب رُوحوں کو آرام نصیب ہو جاتا ہے۔ ہم شکستہ دلوں، غفلت و کاہلی کے اسیروں، نفس و شیطان کے دام فریب میں پھنسے ہوؤں کے لیے اگر امید کی کوئی کرن ہے تو یہی کہ اے چشم مصطفےٰ! تو ہم پر مائل بکرم ہوگی اے لب حبیب! تو ہماری آمرزش کے لیے وا ہو گا اور اے دست رحمت! تو چارہ سازی فرمائے گا صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وصفیہ محمد صاحب المقام المحمود شفیع المذنبین وعلی آلہ وصحبہ واولیاء امتہ الی یوم الدین۔

۱۵۰ علامہ اسمٰعیل حقی نے اپنی تفسیر روح البیان میں اس کی توضیح اس طرح فرمائی ہے: قال فی التاویلات النجمیۃ ان لعمل المحسن وخلوصہ نورا یصعد الی السموٰت بقدر قوۃ صدقہ و اخلاصہ فاللہ تعالیٰ یراہ بنور الوھیتہ و روح الرسول علیہ السلام یراہ بنور نبوتہ وارواح المؤمنین یرونہ بنور ایمانھم: نیک بندوں کے مخلصانہ عمل کا ایک نور ہوتا ہے جو آسمان کی طرف اپنے صدق و اخلاص کے اندازے کے مطابق بلند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے نورِ اُلوہیت سے، رسول اسے اپنے نورِ نبوت سے اور مومنین کاملین اسے اپنے نورِ ایمان سے دیکھتے ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا

دے انھیں اور چاہے تو ان کی توبہ قبول فرمالے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ اور وہ لوگ جنھوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کے لیے ۱۵۲ اور کفر کرنے کے لیے

۱۵۱ ان سے مراد کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع ہیں۔ کسی شرعی عذر کے بغیر یہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے۔ حضورؐ نے حکم فرما دیا کہ ان کے ساتھ نہ کوئی گفتگو کرے اور نہ انھیں کوئی سلام کا جواب دے۔ آخر پچاس دن کے صبر آزما انتظار کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

۱۵۲ بنی خزرج کے ایک آدمی ابو عامر نے حضورؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور ترک دنیا کر کے راہب بن گیا تھا۔ اس کی پارسائی کی بڑی شہرت ہوئی اور یثرب کے اکثر باشندے اس کے معتقد ہو گئے جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اسے محسوس ہوا کہ اب لوگوں کی توجہ اس کی طرف سے ہٹتی جا رہی ہے اور اس کے ارادتمند اب اسے چھوڑ کر شمع رسالت کے پروانے بنتے جا رہے ہیں اپنی پیری کا چراغ بجھتا دیکھ کر وہ پیچ و تاب کھانے لگا۔ حضورؐ نے اسے بھی دعوت اسلام دی۔ اس نے پوچھا آپ کونسا دین لے کر آئے ہیں حضورؐ نے فرمایا دین ابراہیمی۔

وہ کہنے لگا کہ آپ نے اس میں بہت سی چیزیں اپنی طرف سے بڑھا دی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش فرمائی لیکن وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ جوش میں آ کر اس کی زبان سے نکلا ہم میں سے جو جھوٹا ہو خدا اسے اپنے وطن سے دور غربت اور تنہائی میں ہلاک کرے۔ حضورؐ نے فرمایا آمین۔ غزوۂ بدر میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو فتح عظیم عطا فرمائی تو یہ بیتاب ہو گیا اور مکہ میں پہنچ کر اہل مکہ کو انتقام لینے کے لیے خوب اکسایا۔ اور جب ان کا لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا تو یہ ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ میدان احد میں پہنچا تو اس خیال سے کہ جب وہ اپنے پرانے عقیدت مندوں کے سامنے ہو گا تو وہ اس کی طرف دوڑ کر چلے آئیں گے۔ وہ صفوں سے آگے بڑھ کر انصار کے قریب آ کھڑا ہوا اور انھیں اپنے ساتھ آ ملنے کی دعوت دی۔ نور مصطفےٰ علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناء دیکھنے کے بعد اب انصار اس منحوس کی شکل دیکھنا بھی بھلا کب گوارا کرتے تھے۔ انھوں نے اسے راہب کی بجائے فاسق کے لقب سے بلایا۔ اور اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ جھلا کر بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب جو قوم تیرے ساتھ جنگ کرے گی میں اس کے ساتھ ہوں گا۔ چنانچہ غزوۂ حنین تک کفر و اسلام کی جتنی جنگیں ہوئیں یہ کفر کے ساتھ رہا اور ان کا سرغنہ بنا رہا جب ہوازن و ثقیف کے مشہور تیر انداز بھی شکست کھا گئے تو اسے یقین ہو گیا کہ اب جزیرۂ عرب میں کوئی ایسی قوت نہیں جو اسلام سے ٹکر لے سکے۔ قیصر کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات تھے اس خیال سے وہ شام کی طرف روانہ ہوا کہ وہ قیصر کو مسلمانوں کے خلاف اکسائے گا اور اسے ساتھ لے کر مسلمانوں پر ایک زبردست حملہ کر کے ان کی قوت کو ختم کر کے رکھ دے گا۔ یہ کہہ کر اس نے منافقین کے حوصلے بلند کیے۔ اسی کی انگیخت پر قیصر نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی

وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور پھوٹ ڈالنے کے لیے مومنوں کے درمیان اور (اسے) کمین گاہ بنایا ہے اس کے لیے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور

مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

اس کے رسول سے اب تک اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف

لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ

جھوٹے ہیں ۱۵۴ آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے

کا ارادہ کیا جس کی وجہ سے تبوک کا سفر پیش آیا شام سے اس نے منافقین کو لکھا کہ وہ ایک مکان مسجد کے نام سے تعمیر کریں جہاں وہ تنہائی میں اسلام کے خلاف آزادی سے سازشیں کر سکیں اور نیز اس طرح مسلمانوں کی جماعت میں انتشار پیدا ہو جائے گا اور جب وہ قیصر کے ہمراہ مدینہ آئے گا تو اس جگہ کو اپنی قیام گاہ بنائے گا چنانچہ قبا کی بستی میں جو مسجد حضور نے تعمیر فرمائی تھی اس کے قریب ہی انھوں نے یہ مسجد بنا دی۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کے لیے عرض کی یا رسول اللہ! قبا کی بستی میں ایک ہی مسجد تھی۔ رات کے اندھیرے میں اور برسات کے موسم میں بوڑھوں بیماروں اور کمزوروں کو وہاں جانے میں بڑی دقت ہوتی تھی اس لیے ہم نے ایک مسجد بنائی ہے آپ ازراہِ مہربانی ایک مرتبہ اس میں نماز ادا فرما دیں تاکہ وہ بابرکت ہو جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اب تو تبوک کا سفر درپیش ہے واپسی پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دیکھا جائے گا۔ جب حضور بخیر و عافیت تبوک سے واپس تشریف لائے اور مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو پھر منافقین کا ایک وفد اپنی وہی عرضداشت لے کر حاضر ہوا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ جاؤ اور میرے رسول کو میرا یہ پیغام پہنچا دو۔ چنانچہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو حضور نے چند مسلمانوں کو حکم دیا کہ اس مسجد کو جا کر پیوندِ خاک کر دیں اور اسے آگ لگا دیں چنانچہ فرمانِ نبوی کی تعمیل کی گئی۔

۱۵۳ یہ سارے کلمات مفعول لاجلہ ہیں یعنی اس مسجد کی تعمیر کا مقصد رضائے خداوندی نہیں بلکہ اس کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے، اس میں بیٹھ کر کفر کو فروغ دینے کی تجویزیں سوچی جائیں اور مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کیا جائے نیز اس کی ایک ناپاک غرض یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا دشمن ابو عامر آئے تو اسے اپنی قیام گاہ کے طور پر استعمال کرے۔ ایسی عمارت کو ظاہر داری کی وجہ سے گو مسجد کہا جائے حقیقت میں تو یہ وہ ناپاک اور منحوس مکان ہے جس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینی چاہیے تاکہ اس کا نشان تک بھی باقی نہ رہے۔

۱۵۴ اے حبیب! ان خبیثوں کی قسموں پر اعتبار نہ کرنا۔ خدا گواہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ

وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں ۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ

ستھرا رہنے کو ۱۵۵ اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے ۔ تو کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ

مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا

پر اور (اس کی) رضا جوئی پر بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے ڈھلوان کے

جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

کنارے پر جو گرنے والا ہے پس وہ گر پڑا اسے لیکر دوزخ کی آگ میں ۱۵۶ اور اللہ تعالیٰ راہ حق پر نہیں چلاتا ظالم

۱۵۵ حضور سرور عالم نے اہل قبا سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری نظافت اور پاکیزگی کی تعریف کی ہے۔ تم میں کونسی خصوصیت ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ ہم قضاء حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ یہ ان کی نظافت طبعی کی دلیل ہے جب وہ اس معاملہ میں اتنے محتاط ہیں تو ان کے بدن اور لباس کی صفائی کے بارے میں آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص جسمانی صفائی اور نظافت کا خیال رکھتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل تعریف ہے۔ اثنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ فی هذه الآية على من احب الطهارة و آثر النظافة وهي مروءة آدمية ووظيفة شرعية (قرطبی) یعنی ظاہری نظافت انسانی مروت کا تقاضا بھی ہے اور شریعت کا حکم بھی۔ اور جو شخص صاف ستھرا رہتا ہے وہ اللہ کے نزدیک قابل تعریف ہے۔ معلوم نہیں ہم مسلمانوں نے گندا رہنے کو کیوں اختیار کر رکھا ہے۔ ہمارے منہ سے بدبو، ہمارا جسم میلا کچیلا، ہمارا لباس غلیظ، ہماری بستیاں محلے، گلی کوچے بلکہ گھر کے صحن اور سونے کے کمرے بھی بدبودار اور عفونت کا گڑھ۔ کیا ہم وہ لوگ ہیں جن کے آباء واجداد کی يحبون ان يتطهروا کے شاندار الفاظ سے تحسین و آفرین کی گئی ہے۔

۱۵۶ یہاں دو مسجدوں کا فرق بیان کیا جا رہا ہے کہ پہلی مسجد کی جن لوگوں نے بنیاد رکھی وہ متقی اور پرہیزگار تھے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار تھے۔ ان کے پیش نظر مسجد کی تعمیر سے یہ مقصد تھا کہ یہ اسلام کا مرکز بنے اور مسلمان اپنے مولائے کریم کے سامنے سربسجود ہونے کے لیے اس میں جمع ہوں اس لیے اس کی دیواریں ایسی مستحکم بنیادوں پر استوار کی گئی ہیں جو کبھی گر نہیں سکتیں لیکن اس کے برعکس دوسرا مکان جو مسجد کے نام سے تعمیر کیا گیا ہے اس کا مقصد کیونکہ اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازی ہے اس لیے اس کی بنیادیں بہت کمزور ہیں اور ان میں اتنی تاب نہیں کہ

الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ

قوم کو۔ ہمیشہ اُن کی یہ عمارت ۱۵ جو انھوں نے بنائی ہے کھٹکتی رہے گی ان کے دلوں میں

اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى

مگر یہ کہ پارہ پارہ ہو جائیں ان کے دل اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

ایمانداروں سے ان کی جانیں ۱۶ اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے

وہ چند روز بھی کھڑی رہ سکیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عمارت وادی کے اس دہانے کے کنارے پر بنائی جائے جس کو سیلاب نے کھوکھلا کر دیا ہو۔ تشریح الفاظ: شفا، کنارہ۔ جرف، وہ دہانہ جس کو پانی کی موجوں نے اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیا ہو۔ يقال للمكان الذي ياكله السيل فيجرفه اي يذهب به جرف (مفردات راغب)۔

علامہ قرطبیؒ نے خوب لکھا ہے کہ بقائے دوام صرف اس عمل کو میسر ہوتی ہے جو رضاء الٰہی کے لیے کیا جائے اور جو کام ریاکاری کے لیے کیا جائے وہ جلد ہی نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ في هذه الاية دليل على ان كل شيء ابتدئ بنية تقوى الله تعالى والقصد بوجهه الكريم فهو الذي يبقى ويسعد به صاحبه (قرطبی)

۱۵ یعنی جب تک موت کی ضرب کاری ان کے دلوں کو پارہ پارہ نہیں کر دیتی اس وقت تک اس سازش کے ناکام ہونے، اس مکان کے منہدم کرنے اور جلا دیئے جانے کی حسرت کا کانٹا ہمیشہ ان کے دلوں میں چبھتا رہے گا۔ قال ابن عباس وقتادة ريبة اي شكا في قلوبهم ونفاقا وقال الكلبي حسرة وندامة وقال السدي والمبرد حزازة وغيظا (قرطبی)

۱۶ ہماری جانیں اسی نے پیدا فرمائیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے سب اسی کا دیا ہوا ہے۔ گویا ہماری جانوں اور اموال کا مالک حقیقی وہ خود ہی ہے۔ اس لیے وہ اگر ہر چیز یونہی لے لے تو کسی کو دم مارنے کی کیا مجال لیکن اس کی شان بندہ پروری ملاحظہ ہو کہ اپنی چیزوں کا ہمیں مالک قرار دیا اور پھر اس فانی زندگی اور ناپائیدار متاع دنیا کا خود خریدار بنا اور قیمت اتنی گراں عطا فرمائی جس کا انسان تصور ہی نہیں کر سکتا یعنی جنت۔ جب ستر انصار مکہ میں آئے اور رات کو تنہائی میں حضور کریم کے دست مبارک پر وہ تاریخی بیعت کی جسے بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے تو اس وقت حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ نے عرض کی اے اللہ کے نبی! جو شرط آپ اپنے رب کے لیے اور اپنی ذات کے لیے ہم سے منوانا چاہتے ہیں منوا لیجیے۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے تو یہ شرط ہے ان تعبدوه ولا تشركوا به شيئا کہ تم صرف اسی کی

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ

لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں ۱۵۹ اور قتل کیے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے

حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ

اس پر پختہ وعدہ ۱۶۰ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے

عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور اپنے لیے یہ شرط ہے ان تمنعونی مما تمنعون منه انفسکم واموالکم، کہ جس چیز سے تم اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری حفاظت کرو۔ انصار نے عرض کی کہ اگر یہ شرطیں ہم نے پوری کر دیں تو ہمیں کیا ملے گا۔ فرمایا جنت۔ اس وقت خوشی سے ان کے دل باغ باغ ہو گئے اور کہنے لگے ربح البيع لانقيل ولا نستقيل، یہ سودا تو بڑا نفع مند ہے۔ اب ہم اس سودے کو نہ خود توڑیں گے اور نہ اس کو توڑنے کی آپ سے خواہش کریں گے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

۱۵۹ اس خرید و فروخت کا یہ مطلب نہیں کہ ابھی سے تمہاری جانیں قبض کر لی جائیں اور تمہارے مال و اسباب کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا جائے جیسے عام طور پر خریدار خرید کردہ چیز کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے بلکہ اس کا مدعا یہ ہے کہ جب مالی قربانی کا موقع آئے تو بلا تامل اپنی عمر بھر کا اندوختہ پیش کر دو۔ جب میدان جہاد میں نکلنے کی باری آئے تو سر بکف حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری طرف سے یہ پختہ عزم ہونا چاہیے۔ اس کے بعد خواہ تم صحیح و سلامت جہاد سے واپس آجاؤ تمہاری طرف سے سودا پورا ہو گیا اور تم اس معاوضہ کے حقدار بن گئے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

اُثَامِنُ بِالنَّفْسِ النَّفِيْسَةِ رَبَّهَا ! — میں اس نفس نفیس کا سودا اس کے رب سے کرتا ہوں۔
وَلَيْسَ لَهَا فِي الْخَلْقِ كُلِّهِمْ ثَمَنٌ — ساری کائنات میں اس کا اور کوئی معاوضہ نہیں ہو سکتا۔
بِهَا تُشْتَرَى الْجَنَّاتُ اِنْ اَنَا بِعْتُهَا — یہ اتنی قیمتی چیز ہے کہ اس سے جنت خریدے جا سکتے ہیں۔
بِشَيْءٍ سِوَاهَا اِنَّ ذٰلِكُمْ غَبَنٌ — اگر میں اس سے کم تر پر بیچوں تو بہت بڑا خسارہ ہے۔
لَئِنْ ذَهَبَتْ نَفْسِيْ بِدُنْيَا اَصَبْتُهَا — اگر میں نے اپنی جان دنیا کے حصول میں ضائع کر دی۔
لَقَدْ ذَهَبَتْ نَفْسِيْ وَقَدْ ذَهَبَ الثَّمَنُ — تو میں نے اپنے نفس کو بھی برباد کر دیا اور قیمت بھی ضائع کر دی۔

۱۶۰ یہ ایسا وعدہ نہیں جس کے پورے نہ کیے جانے کا اندیشہ ہو۔ بلکہ یہ پختہ وعدہ ہے اور اس کا ذکر صرف قرآن میں ہی نہیں بلکہ سابقہ کتب سماویہ، تورات، انجیل میں بھی صراحۃً موجود ہے۔ آیت کے اس حصہ پر عیسائی عالموں نے سخت اعتراض کیے ہیں چنانچہ وہری (WHERRY) برنک مین (BRINK - MAN) کا حوالہ دیتے ہوئے

اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے (اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے اور یہی تو

الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ

بڑی فیروزمندی ہے۔ توبہ کرنیوالے، (اللہ کی) عبادت کرنیوالے، حمد و ثنا کرنیوالے، اللہ روزہ رکھنے والے، رکوع کرنیوالے

السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور

الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ

نگہبانی کرنیوالے اللہ کی (مقررہ) حدوں کی (اے میرے رسول!) خوشخبری سنا دیجیے ان (کامل) مومنوں کو۔ درست نہیں ہے نبی کو

کہتا ہے کہ قرآن کی اس آیت کا حق و صداقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اور اس نے اس کا بڑی شد و مد سے انکار کیا ہے کہ اس قسم کے وعدے کا ذکر تورات و انجیل میں آیا ہو۔ باوجود اس بات کے کہ تورات و انجیل اپنی اصل صورت میں محفوظ نہیں رہیں اور زمانہ سے ان میں طرح طرح کی تحریفیں رُونما ہو گئی ہیں اس لیے موجودہ بائیبل میں اگر اس معاہدہ کا ذکر نہ ملے تو بھی محل اعتراض نہیں لیکن خدا کی قدرت ملاحظہ ہو کہ اس محرّف انجیل میں بھی متعدد ایسی آیات آج بھی موجود ہیں جو کہ اس آیت کے مضمون کی تصدیق کرتی ہیں۔

"اپنا مال اسباب بیچ کر خیرات کر دو اور اپنے لیے ایسے بٹوے بناؤ جو پرانے نہیں ہوتے یعنی آسمان پر ایسا خزانہ جو خالی نہیں ہوتا جہاں چور نزدیک نہیں جاتا اور کیڑا خراب نہیں کرتا کیونکہ جہاں تمہارا خزانہ ہے وہیں تمہارا دل بھی لگا رہے گا" (لوقا ۱۲: ۳۳، ۳۴)۔

نیز متی کی انجیل میں مرقوم ہے۔

اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں ...... یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہو گا (متی ۱۹: ۲۹)۔

(۱۶) مومنین کاملین کی صفات کا بیان ہو رہا ہے۔ التائبون سے لیکر الآمرون تک متعدد صفات کا ذکر آیا ہے لیکن ان میں حرف عطف نہیں استعمال ہوا لیکن والناھون سے پہلے حرف عطف لانے کی کیا وجہ ہے۔ مفسرین نے اس کے متعدد جواب دیتے ہیں (۱) ایسے مواقع پر حرف عطف کا ذکر کرنا اور نہ کرنا دونوں صحیح ہیں اس لیے یہاں مزید کسی

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى

لیے اور نہ ایمان والوں کے لیے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی

مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ

ہوں جب کہ واضح ہو گیا ان پر کہ یہ دوزخی ہیں ۱۶۲ اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے

اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ

باپ کے لیے مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انھوں نے اس سے کیا تھا۔ اور جب ظاہر ہو

اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ

گئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو آپ بیزار ہو گئے اس سے ۱۶۳ بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل اور بردبار تھے

توجیہ کی ضرورت نہیں (۲) الناھون کا الآمرون پر عطف کیا کیونکہ یہ دونوں مل کر ایک مکمل صفت بنتے ہیں (۳) اور علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ قریش کی لغت یہ ہے کہ سات کے عدد تک حرفِ عطف ذکر نہیں کرتے اور جب آٹھواں ذکر کرتے ہیں تو پھر حرفِ عطف کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ الناھون کیونکہ آٹھویں وصف ہے اس لیے واؤ کا اضافہ کر دیا۔ وحتی جاء فی کلامھم امر ثمانیۃ ادخلو الواو وقلت ھی لغۃ قریش (قرطبی)۔

۱۶۲ جب انسان فوت ہو جائے تو زندوں پر اس کا یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اس کے لیے طلبِ مغفرت کرتے رہیں تاکہ ان کے استغفار سے پروردگارِ عالم اس میت کو بخش دے لیکن یہاں واضح طور پر بیان کر دیا کہ مغفرت صرف ان کے لیے ہے جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو اور جو کفر و شرک کی حالت میں مرے ہوں ان کے لیے مغفرت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اس آیت میں حکم دیا کہ جن کے متعلق تعیین علم ہو کہ وہ حالتِ کفر میں مرے ہیں ان کے لیے کسی کو دعائے مغفرت نہ کرنی چاہیے۔ وہ تمام روایات جن میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اپنے رسول کو منع فرمایا ہے کہ وہ اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت کریں کیونکہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تھا۔ ان پر محقق زماں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے خوب سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس قسم کی تمام روایات ضعیف اور معلول ہیں اس لیے قابلِ سند نہیں۔ وما یدل علی ان الاٰیۃ نزلت فی آمنۃ ام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعبد اللہ ابیہ لا یصلح منہا شیئ۔ علامہ پانی پتی نے حافظ ابن حجر شارح صحیح بخاری کا یہ قول بھی نقل کیا ہے وقد تاملتہا (الطرق) فوجدتہا کلہا معلولۃ (مظہری) میں نے ان روایات کے سارے طریقوں میں غور کیا ہے اور سب کو معلول (قابلِ اعتراض) پایا ہے۔

اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ

اور نہیں ہے [۱۶۴] اللہ تعالیٰ کا دستور کہ گمراہ کردے [۱۶۵] کسی قوم کو اسے ہدایت دینے کے بعد یہاں تک کہ بیان کردے

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

ان کے لیے وہ چیزیں جن سے انہیں بچنا چاہیے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ساری بادشاہی آسمانوں

علماء کرام نے لکھا ہے کہ قرآن میں ماکان کا استعمال دو معنوں میں آیا ہے بمعنی نفی جیسے وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللّٰہ اور بمعنی نہی جیسے یہ آیت (قرطبی)۔

[۱۶۳] آیت سابقہ میں مرے ہوئے کافروں کے لیے دعائے مغفرت سے منع کر دیا گیا۔ یہاں اس وسوسہ کا ازالہ کیا جارہا ہے کہ اگر حکم یہ ہے تو پھر حضرت خلیل نے آزر کے لیے مغفرت کی دعائیں کیوں کی فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے آزر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے لیے استغفار کریں گے اور اس وقت آپ کا یہی خیال تھا کہ شاید اسے ایمان لانے کی توفیق عنایت ہو جائے لیکن جب وہ کفر پر ہی مر گیا تو آپ اس سے بری الذمہ ہو گئے۔ لابیہ سے مراد آزر ہے جو آپ کا چچا تھا۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور حضور کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر نہ تھا۔ لابیہ یعنی آزر وکان عمّا لابراھیم علیہ السلام وکان ابراھیم ابن تارخ وقد صح عن النبی انہ قال بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتیٰ بعثت فی القرن الذی کنت فیہ رواہ البخاری فلا یمکن ان یکون کافر فی سلسلۃ آبائہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ: ابیہ سے مراد آزر ہے جو حضرت ابراہیم کا چچا تھا۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ نیز حضور سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضور نے فرمایا مجھے بنی آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث فرمایا گیا اس لیے ناممکن ہے کہ حضور کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر گزرا ہو (تفسیر مظہری)۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے بھی اسی توجیہ کو پسند کیا ہے۔ لکھتے ہیں "یہاں باپ سے مقصود ان کا حقیقی باپ ہے یا چچا جس نے بطور باپ کے پرورش کیا تھا تو زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آزر ان کا چچا تھا اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ پیش آیا۔ (ترجمان القرآن، جلد ۲۔ ۱۱۶۔ از آزاد)۔

[۱۶۴] سابقہ آیات کے نزول سے پہلے مسلمان اپنے مشرک والدین اور رشتہ داروں کے لیے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو اندیشہ ہوا کہ آج تک جو ہم ان مشرکوں کے لیے استغفار کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے خدا کی ناراضگی کا شکار نہ ہو جائیں۔ ان کے اس اندیشہ کو دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ کوئی کام اس وقت گناہ ہوتا ہے جب یہ علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کرنے سے منع فرمادیا ہے اور جب تک یہ پتہ نہ چلے اس وقت تک یہ عمل گناہ نہیں ہوتا۔

[۱۶۵] باب افعال ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی راہ راست پر چل رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اسے سیدھی راہ سے بھٹکا

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

اور زمین کی وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ

یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے

اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ

پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہوجائیں دل ایک گروہ کے

مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ لا وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ

ان میں سے پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر بیشک وہ ان سے بہت شفقت کرنیوالا رحم فرمانے والا ہے [۱۶۶] اور ان تینوں پر بھی

غلط راہ پر چلا دے بلکہ یہاں اضلال یعنی ان یحکم علیہم بالضلال یعنی ان پر یہ حکم لگا دیا جائے کہ اپنی نافرمانی کی وجہ سے یہ گمراہ ہو چکے ہیں۔ اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ حکم عدولی اور نافرمانی کی وجہ سے انسان رفتہ رفتہ گمراہی کی عمیق غار میں جا گرتا ہے۔ ففی ھذا ادل دلیل علی ان المعاصی اذا ارتکب و انتھک حجابھا کانت سببا الی الضلالۃ والردی و سلما الی ترک الرشاد و الھدی (قرطبی)۔

۱۶۶ عُسرۃ کہتے ہیں تنگی اور شدت کو۔ ساعۃ عُسرۃ سے مُراد غزوہ تبوک کا زمانہ ہے جبکہ مسلمان طرح طرح کی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے سخت گرمی کا موسم تھا سفر بڑا طویل اور کٹھن تھا قیصر رُوم کے لشکر جرار سے مقابلہ تھا سواریوں کی از حد قلت تھی۔ یہاں تک کہ دس آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا جس پر باری باری وہ سوار ہوتے تھے۔ راشن بھی کم تھا۔ ایسا وقت بھی آیا جب دو آدمیوں کو صرف ایک کھجور پر رات دن بسر کرنا پڑا۔ پانی اتنا کمیاب تھا کہ سواری کے اُونٹ ذبح کر کے ان کے پیٹ میں جو پانی ہوتا اس سے اپنی پیاس کو بہلایا کرتے۔ ایسے مشکل وقت میں منافقین کو تو جھوٹے بہانے بنا کر گھر بیٹھ رہنا ہی تھا، حالات کی سنگینی کی وجہ سے بعض مخلص مسلمانوں کے دلوں میں بھی خیال پیدا ہوا کہ وہ بھی شریکِ سفر نہ ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو مضبوط کر دیا اور ان کے دلوں سے اس شیطانی وسوسہ کو نکال دیا۔ اور محض توفیقِ الٰہی کی یاوری سے وہ جہاد میں شریک ہوئے۔ انھیں میں سے ایک ابو خیثمہ تھے یہ بھی مخلص مومن ہونے کے باوجود حضورؐ کے ہمرکاب جہاد پر روانہ نہ ہوئے۔ ایک روز جب دوپہر کے وقت گھر آئے اور دیکھا کہ ان کی دونوں بیویوں نے اپنے اپنے چھپر کے نیچے چھڑکاؤ کیا ہوا ہے اور ٹھنڈے پانی کی صراحیاں رکھی ہوئی

الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

نظرِ رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین ۱۶۷ باوجود کشادگی

ہیں اور لذیذ کھانا تیار ہے تو کچھ سوچ کر دہلیز پر ہی رک گئے اور اپنے دل سے کہنے لگے صد حیف! اللہ تعالیٰ کا محبوب تو چلچلاتی دھوپ اور گرم لُو میں سفر کی تکلیفیں برداشت کر رہا ہو اور ابوخیثمہ کے لیے ٹھنڈی چھاؤں میں پلنگ بچھا ہُوا ہو۔ اس کے پینے کے لیے ٹھنڈا پانی اور کھانے کے لیے لذیذ کھانا موجود ہو۔ اور دو خوبرو بیویاں اس کی خدمت گزاری میں مصروف ہوں۔ بخدا یہ انصاف نہیں۔ پھر انھوں نے اپنی بیویوں کو فرمایا کہ ابوخیثمہ جب تک اپنے حبیب کے ساتھ جا کر نہ ملے وہ اب ٹھنڈے سایہ میں نہیں بیٹھے گا۔ چنانچہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور تبوک کی راہ لی۔ جب وہ کچھ نزدیک پہنچے تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ سوار تو ہماری طرف آتا معلوم ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کن اباخیثمہ۔ یہ ابوخیثمہ ہوگا۔ جب وہ قریب ہوئے اور صحابہ نے پہچانا تو عرض کی واللّٰہ ھو ابو خیثمہ۔ بخدا یہ تو ابوخیثمہ ہی ہے۔ انھوں نے حاضر خدمت ہو کر اپنا قصہ عرض کیا۔ حضور بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

۱۶۷ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے والے جن تین صحابہ کا ذکر ہو رہا ہے ان کے اسماء یہ ہیں: کعب بن مالکؓ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ۔ صحیح بخاری اور مسلم میں جو روایت مندرج ہے جس کے راوی خود حضرت کعب ہیں اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

جن دنوں غزوۂ تبوک کے لیے تیاری ہو رہی تھی میری صحت اور میری مالی حالت بہت اچھی تھی۔ میرے پاس سواری کے لیے دو اونٹنیاں تھیں۔ اس سے پیشتر کبھی میرے پاس سواری کے لیے دو جانور جمع نہیں ہوئے تھے۔ جمعرات کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے تیس ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے دل میں سوچا کہ چند ضروری کاموں سے جلدی جلدی فارغ ہو کر میں لشکر کے ساتھ جا ملوں گا۔ ایک دن بھی گزر گیا لیکن مجھے ان کاموں سے فراغت نہ ہوئی۔ دوسرا تیسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا لیکن میں فارغ نہ ہُوا۔ جب کئی دن گزر گئے تو میں نے خیال کیا کہ اب تو لشکر بہت دُور چلا گیا ہوگا اور اب میرا جانا بے سُود ہے۔ چنانچہ مَیں نے پیچھے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ جب مَیں بازار جاتا تو مجھے ان لوگوں کے سوا جو نفاق کی تہمت سے متہم تھے یا جو معذور تھے اور جنگ میں شرکت کے قابل نہ تھے اور کوئی مسلمان دکھائی نہ دیتا۔ مجھے اس حرماں نصیبی پر بہت دکھ ہوتا۔ ایک بار خیال آیا بھی کہ اگرچہ تاخیر ہو گئی ہے لیکن پھر بھی چلا جاتا ہوں۔ کاش! میں ایسا کرتا لیکن ایسا نہ کر سکا۔ وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے بخیر و عافیت مراجعت فرمانے کی اطلاعیں آنے لگیں۔ مجھے رنج و غم نے آلیا۔ مَیں سوچنے لگا کہ بارگاہِ رسالت میں اپنی اس غیر حاضری کے لیے کیا عذر پیش کروں۔ خود بھی غور و فکر کیا کرتا اور دانشوروں سے بھی مشورہ لیا کرتا۔ حضورؐ جب مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو یکایک تذبذب کی کیفیت جاتی رہی اور دل میں ٹھان لی کہ سچ سچ عرض کر دوں گا۔ اور اس بارگاہ میں اگر پناہ مل سکتی ہے تو سچ سے ہی مل سکتی ہے۔

جھوٹ بول کر تو اپنے آپ کو رسوا ہی کرنا ہے۔ حضور کریمؐ کی سنت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو نفل پڑھا کرتے اس کے بعد حضرت خاتونِ جنت کے ہاں قدم رنجہ فرماتے اور اس کے بعد ازواج مطہرات کے حجروں کو زینت بخشتے۔ جب نبی رحمت مسجد میں تشریف لے آئے اور نفلوں سے فارغ ہو کر بیٹھے تو منافقین گروہ در گروہ حاضر ہو کر جھوٹے بہانے پیش کرنے لگے اور نبی کریمؐ ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کو تفویض کر کے ان کی ظاہر عذر داریوں کو قبول فرماتے۔ مجھے بھی بعض لوگوں نے ایسا کرنے کا مشورہ دیا لیکن میں نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنی حرماں نصیبی کی سچی سچی داستان عرض کر دی۔ حضورؐ نے میری عرضداشت سن کر فرمایا اما ھٰذا فقد صدق فقم حتی یقضی اللہ فیك بما یشاء: اس نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ جاؤ اٹھو تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کئی لوگوں نے مجھے بڑی سرزنش کی کہ تم نے صاف گوئی سے کام لے کر اپنے آپ کو مصیبت میں گرفتار کرا دیا۔ میں نے خیال کیا کہ واپس جا کر کوئی عذر پیش کروں لیکن پھر معاً یہ خیال آیا کہ ایک گناہ تو یہ کیا کہ جہاد میں شریک نہیں ہوا اور دوسرا گناہ یہ کروں کہ بارگاہِ نبوت میں جھوٹ بولوں۔ میں یہ جرأت ہرگز نہیں کروں گا۔ میں نے پوچھا کہ کسی اور کو بھی اس قسم کا حکم ملا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کو بھی یہی فرمایا گیا ہے۔ حضورؐ نے لوگوں کو ہمارے ساتھ بات چیت کرنے سے بھی منع فرمایا۔ اب ہمارے ساتھ نہ کوئی ہمکلام ہوتا تھا اور نہ ہمارے سلام کا کوئی جواب دیتا تھا۔ ہمیں یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ وہ لوگ ہی نہیں جو پہلے تھے اور جن کو ہم جانتے تھے۔

یہ وہ دیس ہی نہیں ہے جس میں ہم نے عمر گزاری بلکہ یہ کوئی نیا دیس ہے جس کے کوچہ و بازار اور در و دیوار ہمارے لیے بالکل غیر مانوس ہیں۔ مجھے یہ اندیشہ کھائے جا رہا تھا کہ اگر اسی حالت میں موت آگئی اور نبی کریمؐ نے نماز جنازہ نہ پڑھائی تو کیا بنے گا۔ میرے دو دوسرے ساتھی تو رات دن گریہ زاری میں گزار دیتے۔ انہیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ انھوں نے تو باہر نکلنا ہی بند کر دیا تھا۔ میں کبھی کبھی بازار آتا لیکن نہ کوئی مجھے سلام کہتا اور نہ کوئی میرے سلام کا جواب دیتا۔ ایک دن میں لوگوں کی سرد مہری سے مایوس ہو کر اپنے چچازاد بھائی ابی قتادہ کے پاس چلا گیا جو اس وقت اپنے باغ میں تھا۔ مجھے اس سے بڑی محبت تھی۔ میں نے سلام دیا اس نے جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا اے بھائی کیا تمہیں علم نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ چپ رہا۔ میں نے تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا وہ بولا تک نہیں۔ آخر چوتھی بار جب میں نے اسے یہی بات کہی تو اس نے صرف اتنا کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ اس وقت بے اختیار میرے آنسو بہ نکلے اور میں وہاں سے شکستہ دل ہو کر چلا آیا۔ میں بازار سے گزر رہا تھا تو ایک نبطی مجھے تلاش کر رہا تھا۔ لوگوں نے اشارہ سے اسے میری طرف متوجہ کیا کہ یہ کعب ہے جسے تم تلاش کر رہے تھے۔ وہ میرے قریب آیا اور مجھے ایک خط دیا یہ خط غسان کے بادشاہ نے میری طرف بھیجا تھا۔ اس نے لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تیرے صاحب نے تجھ پر بہت جفا کی ہے اور تیرے ساتھ ناروا سلوک کیا جا رہا ہے۔ تو ایسا نہیں کہ تیری توہین کی جائے۔ تو میرے پاس آجا، دیکھ میں کس طرح تیری قدر دانی کرتا ہوں۔ یہ پڑھ کر میں آگ بگولا ہو گیا اور میں نے اس خط کو نذرِ آتش کر دیا اور اسے کہا کہ اپنے بادشاہ کو کہنا اس خط کا میرے پاس یہی جواب تھا۔ میں نے دل میں کہا میری بدبختی ملاحظہ ہو کہ اب ایک کافر کو یہ جرأت ہو رہی ہے

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا

اور بوجھ بن گئیں ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انھوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اسی کی

إِلَيْهِ ۚ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١١٨﴾

ذات تب اللہ تعالیٰ ان پر مائل بکرم ہوا تاکہ وہ بھی رجوع کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾ مَا كَانَ

اے ایمان والو! ۱۶۸؎ ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔ نہیں مناسب

کہ میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالے۔ اس رنج و غم میں چالیس دن گزر گئے۔ چالیسویں دن حکم ہوا کہ ہم اپنی بیویوں سے الگ رہیں چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھیج دیا۔ میں نماز پڑھنے کے لیے مسجد نبوی میں جایا کرتا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کو سلام عرض کیا کرتا۔ اور پھر یہ دیکھا کرتا کہ کیا لب مبارک کو جنبش ہوتی ہے۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو بے کس نواز آقا اپنی نگاہ لطف کو میری طرف مبذول فرماتے اور جب میں فارغ ہوتا تو اعراض فرما لیتے۔ یہ لمحے میرے لیے بڑے صبر آزما تھے۔ پچاسویں رات کو ہماری توبہ کی قبولیت کی آیت نازل ہوئی۔ صبح کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے اعلان فرمایا۔ صحابہ دوڑے ہوئے مبارک دینے آئے۔ سب سے پہلے جس نے مجھے یہ مژدہ جانفزا سنایا وہ حمزہ الاسلمی تھے۔ میں نے فرطِ مسرت میں اپنے دونوں کپڑے اتار کر دے دیئے۔ پھر میں بارگاہِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء میں حاضر ہوا۔ احباب جوق در جوق مبارک دینے کے لیے آ رہے تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کا چہرۂ انور خوشی سے چمک رہا تھا۔ مجھے دیکھا تو فرمایا جب سے تیری ماں نے تجھے جنا ہے یہ تیری زندگی کا بہترین دن ہے مبارک ہو۔

۱۶۸؎ ان تین پاکبازوں کے ذکر کے بعد جنھوں نے منافقوں کی طرح اللہ کے رسول کی جناب میں جھوٹ بولنے کی گستاخی نہیں کی اور آخرکار اللہ تعالیٰ کی نگاہِ لطف و کرم ان کی طرف مائل ہوئی اور اس کا ابرِ رحمت ان پر برسا اور ان کی کشتِ ایمان کو شاداب کر گیا۔ اب عام مسلمانوں کو انھیں کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہدایت کی جا رہی ہے کیونکہ حقیقی کامیابی یہی ہے کہ انسان سے خطا ہو جائے تو اعترافِ جرم اور اظہارِ ندامت کے بعد عفو و درگزر کی التجا کرے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے سچے اور نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنے کی بھی اس آیت میں ترغیب دی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی یہ حدیث پاک بھی یقیناً مفید ہوگی اس لیے اسے بھی تحریر کیے دیتا ہوں۔ فرمایا: علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البر و ان البر یھدی الی الجنۃ وما یزال رجل یصدق و یتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا۔ ہمیشہ سچ بولا کرو۔ سچ بولنا نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے۔ اور انسان جب سچ بولتا رہتا ہے اور

لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا

تھا مدینہ والوں کے لیے ۱۶۹؎ اور جو ان کے ارد گرد دیہاتی لوگ ہیں کہ پیچھے بیٹھے رہتے اللہ کے

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ

رسولِ پاک سے اور نہ یہ کہ متوجہ ہوتے اپنے نفسوں کی طرف ان سے بے فکر ہو کر۔ یہ اس لیے کہ

بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ

نہیں پہنچتی انھیں کوئی پیاس اور نہ کوئی تکلیف ۱۷۰؎ اور نہ بھوک راہ خدا میں

اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ

اور نہ وہ چلتے ہیں کسی چلنے کی جگہ جس سے کافروں کو غصہ آتے اور نہیں حاصل کرتے وہ دشمن سے

نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

کچھ مگر یہ کہ لکھا جاتا ہے ان کے لیے ان (تمام تکلیفوں) کے عوض نیک عمل بیشک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا

الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲۰ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً

نیکوں کا اجر۔ اور وہ (مجاہدین) نہیں خرچ کرتے تھوڑا اور نہ زیادہ

سچ بولنے کی پوری کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کو صدیق کا لقب عطا فرما دیا جاتا ہے۔

۱۶۹؎ یعنی اہلِ ایمان کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ وہ تو آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا رسول سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتا، موسم کی ناسازیوں کا مقابلہ کرتا جہاد کی طرف پیش قدمی کرتا چلا جا رہا ہو۔ یہ حکم قیامت تک ہے جب بھی خلیفۂ وقت جہادِ عام کا حکم فرما دے تو سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے جہاد کے لیے نکلیں۔ یہاں بھی ما کان نہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے جس طرح پہلے گزرا۔

۱۷۰؎ اس آیت سے بھی جہاد میں شرکت کرنے کی مزید رغبت دلائی جا رہی ہے کہ جب وہ جہاد میں نکلیں گے تو چھوٹی بڑی جو تکلیف انھیں پہنچے گی اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجرِ عظیم دے گا تو پھر خدا کی رحمت میں حصہ دار بننے کے لیے وہ اس جسمانی تکلیف کو برداشت کرنے میں بزدلی کا مظاہرہ کیوں کریں۔

وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا

اور نہ طے کرتے ہیں کسی وادی کو مگر یہ کہ لکھ لیا جاتا ہے ان کے لیے تاکہ صلہ دے انھیں اللہ تعالیٰ بہترین، ان

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا

کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے ۱۶۱؎ تو کیوں نہ

نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ

نکلے ہر قبیلہ سے چند آدمی تاکہ تفقہ حاصل کریں دین میں اور

لِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾ يَا أَيُّهَا

ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ نافرمانیوں سے بچیں ۱۶۲؎ اے

۱۶۱؎ جس دین کا مقصد دل کی دنیا بدلنا ہو اور انسان کی زندگی کے کارواں کے لیے ایک بلند منزل متعین کرنا اور اس تک پہنچنے کی تڑپ پیدا کرنا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ماننے والوں میں ایسے لوگوں کی کافی تعداد موجود ہو جو اس دین کے اسرار و رموز سے پوری طرح واقف ہوں جو اس کے اغراض و مقاصد کو اچھی طرح سمجھتے ہوں اور دوسروں کو سمجھانے اور ان کے دل نشین کرنے کی استعداد رکھتے ہوں۔ اس چیز کی اہمیت کے پیش نظر ان آیات کے درمیان جن میں جہاد کی ترغیب اور جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی مذمت کی جا رہی ہے ایک ایسی آیت بیان فرمائی جس میں دین کے اس مقصد اعلیٰ کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ مسلم آبادی کے وہ علاقے جو دینی اور علمی مرکزوں سے دور ہیں وہاں سے چند طالبانِ علم ان مرکزوں میں آئیں اور عالمانِ دین کی خدمت میں کچھ عرصہ رہ کر دین کی صحیح سمجھ پیدا کریں اور جب فیضِ صحبت سے ان کے دلوں میں نورِ بصیرت پیدا ہو جائے تو پھر اپنے اپنے دور افتادہ وطنوں کی طرف لوٹ آئیں اور وہاں کے رہنے والوں میں احکامِ اسلام کی تبلیغ کریں تاکہ امتِ مسلمہ کا ہر فرد اپنے دین کی روح سے واقف ہو اور اس کے احکام سے باخبر ہو تاکہ بے علمی کی وجہ سے ان کا رابطہ اسلام کے ساتھ کمزور نہ ہو جائے اور جہالت کے باعث مسلم سوسائٹی میں اخلاقی اور اعتقادی بے اعتدالیاں رونما ہونے لگیں۔ من کل فرقة منهم طائفة (کہ ہر جماعت میں سے چند افراد) کے الفاظ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ ضروری نہیں کہ ملتِ اسلامیہ کا ہر فرد اپنا گھر بار چھوڑ کر طلبِ علم میں مصروف ہو جائے کیونکہ اس طرح تو نظامِ اجتماعی درہم برہم ہو جائے گا۔ تجارت، زراعت، صنعت وغیرہ سب میں خلل واقع ہو جائے گا بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ ہر بستی سے چند افراد حصول علم دین اور تبلیغ و اشاعت کے کام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ

ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے ۱۷۳ اور چاہیے کہ وہ پائیں تم

غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ

میں سختی ۱۷۴ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے ۱۷۵ اور جب کبھی نازل ہوتی ہے کوئی سورۃ

۱۷۲ ان لوگوں کے حصولِ علم کا مدعا صرف یہ ہونا چاہیے کہ وہ واپس آکر اپنے علم و عرفان کی شمع سے ہر گھر میں اُجالا کر دیں۔ جہاں کہیں اعتقادی اور عملی تاریکی کا سراغ پائیں اپنے نور کا رخ ادھر موڑ دیں۔ اسلام نے علم اور اس کی ترویج کے لیے جتنا اہتمام فرمایا ہے قرآن کے صفحات اور احادیث کے دفاتر اس سے لبریز ہیں۔ اور انہی ارشادات کی برکت تھی کہ عرب کے گنوار اور جاہل دیکھتے دیکھتے اقوامِ عالم کے امام بن گئے جہاں ان کی عظمت کا جھنڈا گڑا وہاں سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹ نکلے۔ کوہ و دمن میں جہاں کہیں وہ خیمہ زن ہوتے مسجد و مدرسہ کے بلند مینار معرفت کی تجلیاں بکھیرنے لگتے۔ صاحب قرطبی لکھتے ہیں هٰذه الآية اصل فی وجوب طلب العلم، یہ آیت طلبِ علم کی فرضیت کی دلیل ہے۔ حضور کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے من سلك طريقا يلتمس فيه علما سلك الله به طريقا الى الجنة وان الملائكة لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم۔ الخ (ترمذی)۔ جو شخص حصولِ علم کے لیے کسی راستہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر چلاتا ہے اور طالبِ علم کی خوشنودی کے لیے فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ حضرت ابوسعید الخدری سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: فضل العالم على العابد كفضلي على امتي، جس طرح مجھے میری امت پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح عالم کو عابد (جو عالم نہ ہو) پر فضیلت حاصل ہے۔

۱۷۳ یعنی سب سے پہلے ان کفار سے جہاد کرو جو تمہارے قریب بستے ہیں اس کے بعد جو ان کے قریب بستے ہیں۔ اسی طرح الاقرب فالاقرب کے اصول پر جہاد کا سلسلہ جاری رہے۔ کیونکہ اسلامی جہاد کا مدعا قتل و غارت تو ہوتا نہیں بلکہ یہ ناصحانہ تنبیہ اور سرزنش کے مترادف ہے اس لیے اس شفقت کے حقدار قریبی لوگ ہیں۔ نیز اپنے پڑوس میں فتنہ و فساد کی آگ کو بھڑکتا ہوا چھوڑ کر دور دراز کے علاقوں کی طرف متوجہ ہو جانا کوئی آئین و دانشمندی نہیں۔ یہ آستین کے سانپ کسی وقت بھی ڈس کر ساری فتوحات کو شکست میں بدل سکتے ہیں۔

۱۷۴ یعنی جب میدانِ جہاد میں نکلو تو اپنی قوت و سطوت کا پورا اظہار کرتے ہوئے جاؤ۔ اور جب تمہاری تلواریں بے نیام ہوں تو دشمن پر یوں بھرپور وار کرو کہ ان کے فولادی خودوں اور زرہوں کو کاٹتی ہوئی نکل جائیں تاکہ دوبارہ انہیں للکارنے کی ہمت نہ ہو۔ غلظة کا معنی ہے سختی، قوت اور جوش و خروش۔ ای شدة وقوة وحمية (قرطبی)۔

قرآنِ حکیم نے جابجا مومن کی یہ شان بیان کی ہے کہ وہ اپنے اسلامی بھائیوں کے ساتھ بڑا نرم خو اور حلیم الطبع ہوتا ہے

فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ

تو بعض ان میں سے وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا ہے اس سورۃ نے ایمان تو وہ (سن لیں)

ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿١٢٤﴾ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ

ایمان والوں کے ایمان میں اس سورۃ نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں ۱۷۶ اور جن کے دلوں میں

فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا۟

(نفاق کا) روگ ہے تو بڑھا دی اس سورۃ نے ان میں اور پلیدی ان کی (سابقہ) پلیدی پر اور وہ مر گئے اس

وَهُمْ كَٰفِرُونَ ﴿١٢٥﴾ أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِى كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً

حال میں کہ وہ کافر تھے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے ۱۷۷ کہ وہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال ایک بار

لیکن اسلام کے دشمنوں کے سامنے وہ بپھرا ہوا شیر ہے جس کی گرج سے سینوں میں دل پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اشدّاء علی الکفار رحماء بینہم ؎

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم!
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

۱۷۵ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے شاملِ حال ہوتی ہے اور جس کے شاملِ حال اللہ تعالیٰ کی نصرت ہو اسے دنیا کی کوئی طاقت نیچا نہیں دکھا سکتی۔ اس لیے کفر و باطل کے سامنے تم ٹھونک کر کھڑے ہو جاؤ۔ کیونکہ تم میرے احکام کی بجا آوری میں سستی نہیں کرتے اس لیے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کامیابی کا سہرا تمہارے سر ہی باندھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تقویٰ کی راہ پر چلائے اور اپنی اعانت اور نصرت سے ہماری چارہ سازی فرمائے آمین ثم آمین

۱۷۶ کیونکہ منافقین کے پتھر کی طرح سخت دلوں پر آیاتِ قرآنی کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ نزولِ قرآن کے سلسلہ کو بے سُود سمجھتے تھے جب کبھی کوئی نئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی تو وہ ازراہِ مذاق اپنے دوستوں سے پوچھتے کہ سناؤ جی یہ جو نئی سورۃ اُتری ہے اس سے تمہارے ایمان میں کتنی ترقی ہوئی؟ ان کے اس مذاق کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اے مردہ لو تمہیں اس حیات بخش پیغام کی کیا قدر؟ اے کور چشمو! تمہیں اس نورِ حق کی تابانیوں کی کیا خبر؟ اس کی تاثیر پوچھنی ہو تو اہلِ ایمان سے پوچھیے جن کی رُوح زندہ ہے اور چشمِ بصیرت بینا ہے۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ اس ابرِ رحمت نے ان کی کشتِ ایمان کو کس طرح شاداب کر دیا ہے۔ ان کے دل آج خوشی سے لبریز ہیں اور ان کے چہرے فرطِ مسرت سے چمک رہے ہیں

۱۷۷ منافقین جو غفلت اور عناد کا شکار تھے ان کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے سال میں متعدد بار انھیں ایسے

أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ

یا دو بار پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت قبول کرتے ہیں ۔ اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی

سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ ۖ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ

ہے تو دیکھنے لگتے ہیں ایک دوسرے کی طرف ١٧٨ کیا دیکھ تو نہیں رہا تمہیں کوئی ۔ پھر چل

انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾

دیتے ہیں ۔ پھیر دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کیونکہ یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے ١٧٩

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول ١٨٠ تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا

حالات سے دوچار کر دیا جاتا جو ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دیتے ۔ اسلام کے خلاف ان کی سازشیں ناکامی سے ہمکنار ہوتیں۔ بے سروسامانی کے باوجود مسلمان ہر میدان میں اپنے طاقتور دشمنوں کو شکست پر شکست دیتے چلے جاتے حضور کی ذات پاک سے ایسے ایسے معجزات رونما ہوتے جن کے دیکھنے کے بعد حضور کی صداقت کا یقین ہو جاتا۔ اس کے علاوہ انھیں طرح طرح کی تکالیف اور مالی خساروں میں مبتلا کیا جاتا تاکہ یہ غفلت کی نیند سے بیدار ہوں لیکن انھیں توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوتی۔

١٧٨ جب حضور سرورِ عالم پر وحی نازل ہوتی اور یہ منافق اس مجلس میں ہوتے تو ان کا جی چاہتا کہ کسی بہانے یہاں سے بھاگ نکلیں۔ ایک تو انھیں قرآن سے کوئی دلچسپی نہ تھی دوسرا انھیں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں ایسی آیتیں نہ اتریں جن میں ان کو رسوا کیا گیا ہو۔ اگر یونہی اٹھ کر چلتے ہیں تو اپنے نفاق کا راز فاش ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لیے ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ صحابہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے میں یوں مستغرق ہیں کہ انھیں دنیا و مافیہا کی خبر نہیں تو اس وقت وہ خاموشی سے کھسکنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ کسی کو کانوں کان ان کے چلے جانے کی خبر بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے میرے محبوب رسول کی بارگاہ سے منہ موڑا تو ہم نے ان کے دلوں کو حق قبول کرنے سے موڑ دیا ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم کے الفاظ بڑے غور کے مستحق ہیں۔

١٧٩ ان کی کم عقلی اور نادانی کا اس سے بڑا اور ثبوت کیا ہو سکتا تھا کہ نبی رحمت تشریف لایا اور اس نے اپنا دامنِ کرم پھیلا دیا اور وہ کم نصیب اس سے دور ہی دور بھاگتے رہے۔ جاں بلب مریض کی بالیں پر مسیحا امرت کا جام ہاتھ میں

حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا

بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ۱۵۱۔ دلے حبیب! پھر

فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ

اگر منہ موڑلیں تو آپ فرمادیں ۱۵۲ کافی ہے مجھے اللہ نہیں کوئی معبود بجز اس کے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی

الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

عرش عظیم کا مالک ہے۔

لیے اکھڑا ہوتا ہے اور منتیں کرتا ہے کہ ایک گھونٹ حلق سے نیچے اتار لو صحتیاب ہو جاؤ گے لیکن وہ بضد ہے کہ مرنا منظور ہے لیکن یہ دوا نہیں پیے گا۔ وہ دین آیا جو ان کو دنیا بھر کا امام بنانا چاہتا ہے اور وہ حجر و شجر کی بندگی پر قناعت کیے بیٹھے ہیں۔ ان کو کتاب مقدس دی گئی جس کی ہر سطر سے علم و عرفان کا آفتاب جہاں تاب طلوع ہو رہا ہے اور وہ جہالت کے اندھیروں سے چمٹے رہنے پر بضد ہیں۔ ان کی انہیں احسان ناشناسیوں کی سزا انہیں یہ دی گئی کہ ان کے دل کی آنکھ بے نور کر دی گئی، فہم و فراست کا جوہر ان سے چھین لیا گیا اور ہلاکت و بربادی کی جس پستی میں وہ گرنا چاہتے تھے اس میں انہیں گرنے دیا گیا۔

۱۵۰ کُمْ کی ضمیر کا مرجع بعض نے اہل العرب کو قرار دیا ہے لیکن صحیح قول یہی ہے جو علامہ قرطبی نے زجاج سے نقل کیا ہے۔ ھی مخاطبۃ لجمیع العالم۔ سارے جہاں کو خطاب ہے کیونکہ حضور سب انسانوں کے رسول بن کر تشریف لائے ہیں۔ رسول میں تنوین تعظیم کی ہے عنت کہتے ہیں مشقت و شدت کو۔ یہاں مَا یا تو مصدریہ ہے یا موصولہ یعنی ہر وہ چیز جس سے اے اولاد آدم تمہیں تکلیف پہنچتی ہو وہ حضور کے قلب رحیم پر بھی گراں گزرتی ہے اور ہر وہ چیز جس سے تمہارا بھلا ہو اس کے حضور بہت خواہشمند ہیں۔ امت کے ساتھ اپنے آقا کا جو رشتہ محبت و الفت ہے اس کا بیان ان پاکیزہ الفاظ سے زیادہ بلیغ پیرایہ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ عزیز علیہ ان تدخلوا النار و حریص علیکم ان تدخلوا الجنۃ۔ ۱۵۱ جب سارے نوع انسانی کے ساتھ اس نبی اکرم کا یہ رشتہ ہے تو اپنے ان غلاموں پر آپ کا سحاب جود و کرم کس طرح برستا ہو گا اس کا اظہار ان کلمات سے فرمایا۔ رؤف مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے المبالغ فی الرأفۃ والشفقۃ وقال الحسین بن فضل لم یجمع اللہ لاحد من الانبیاء اسمین من اسمائہ الا للنبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال عبد العزیز بن یحییٰ عزیز علیہ ما عنتم ای لا یھمہ الا شانکم۔ رؤف کا معنی ہے بے حد مہربانی اور شفقت فرمانے والا۔ حسین بن فضل نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے دو نام کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی میں جمع نہیں فرمایا۔ عبد العزیز بن یحییٰ فرماتے ہیں عزیز علیہ الخ کا مفہوم یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمہاری فلاح و بہبود کے سوا کوئی چیز اہمیت نہیں رکھتی۔ ۱۵۲ اگر یہ بدبخت اس رسول کی تعظیم و تسلیم نہ کریں اور ان کی اطاعت کو فرض نہ جانیں تو اے محبوب تمہیں کیا۔ تیرا نگہبان اللہ ہے جو عرش عظیم کا مالک

سُورَہ یُونس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اس سورۃ کو حضرت یونس علیہ السلام کے نام سے معنون کیا گیا ہے کیونکہ اس کے ایک رکوع میں آپ کی قوم کی نجات کا ذکر ہوا ہے یہ گیارہ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کی آیات کی تعداد ایک سو نو (۱۰۹) ہے۔ اس میں ۱۸۳۲ کلمے اور نو ہزار ننانوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: حضرت حسن، عکرمہ، عطا اور جابر ائمہ تفسیر کے نزدیک اس ساری سورۃ کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے بجز ان تین آیتوں کے فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ الٰخ کہ ان کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا (قرطبی) لیکن پہلا قول ارجح ہے۔

اگرچہ اس کا سال نزول تو متعین نہیں ہو سکا لیکن مضامین میں غور کرنے سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب حضور رحمتِ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا طرح طرح کے دلائل و بینات سے ان کے اعتراضات کا رد فرما دیا لیکن وہ اپنی ضد اور ہٹ دھری کی روش سے باز نہ آئے اور ان کے معاندانہ رویہ میں مزید تندی اور سختی پیدا ہو گئی۔ اسی لیے اس سورۃ میں ان قوموں کا ذکر فرما دیا گیا جنھوں نے اپنے انبیاء کی دعوت کو ماننے سے جب انکار کر دیا اور ان کی ہدایت کی توقع نہ رہی تو ان پر عذاب الٰہی آیا اور اس نے انھیں ختم کر کے رکھ دیا۔

کیونکہ یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی اس لیے اس کے مخاطب بھی وہی لوگ تھے وہی ان کی بیماریاں تھیں وہی ان کے شبہات تھے اور وہی ان کا رویہ تھا جن کا ذکر گزشتہ مکی سورتوں میں گزر چکا ہے۔ اس لیے اس سورۃ میں بھی انہی لوگوں کی اصلاح کی مشفقانہ کوششیں کی جا رہی ہیں اور بڑے پیار بھرے انداز سے ان کے اعتراضات کا جواب دیا جا رہا ہے۔

پہلا شبہ: ان کی سب سے مہلک بیماری جس میں وہ مبتلا تھے شرک کی بیماری تھی۔ انھیں یہ بات سمجھ ہی نہیں آتی تھی کہ اس عالم ہست و بود کی تخلیق اور تدبیر ایک ذات واحد سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے وہ تمام شئون حیات کے لیے الگ الگ خداؤں کے قائل تھے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ یہ بت جن کو تم نے خدا بنا رکھا ہے آخر ان کے خدا ہونے کی تمہارے پاس کوئی دلیل بھی ہے۔ بھلا یہ بتاؤ اس عالم میں اَن گنت چیزیں ہیں بڑی بھی اور چھوٹی بھی، گراں بھی ارزاں بھی، مفید بھی مضر بھی، خوبصورت بھی بدصورت بھی، تم ہی کہو ان میں سے کوئی ایک چیز بھی ایسی ہے جس کو تمہارے ان خداؤں نے پیدا کیا ہو۔ چلو یہ نہ سہی ہم تم سے یہ پوچھتے ہیں کہ تمہاری بقا اور سلامتی کے لیے سینکڑوں اشیاء موجود ہیں، پانی، ہوا، روشنی، اناج، پھل، کھانے اور سواری کے حیوانات تم یہ بتاؤ کیا ان میں سے بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کو تمہارے ان دیوتاؤں نے پیدا کیا ہو۔ اگر یہ بھی ان کی تخلیق نہیں تو یہ کہ تمہیں جو دیکھنے کو آنکھیں، سننے کو کان، بولنے کو زبان، سمجھنے کو عقل اور دیگر کئی قوتیں دی گئی ہیں۔ کیا ان میں بھی کوئی قوت ان کی عطا کردہ ہے۔ چلو اسے بھی رہنے دو تم اپنی زندگی عزت، آرام اور امن و عافیت سے بسر کرنے کے لیے کسی راہنما کی رہنمائی کے محتاج ہو جو اشیاء کے حسن و قبح سے تمہیں آگاہ کرے تمہیں تمہارے نفع و نقصان سے خبردار کرے۔ تمہارے لیے ایسے قانون بنائے جو عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ تمہارے ان گونگے اور بہرے خداؤں نے کبھی اس معاملہ میں بھی تمہاری

راہنمائی کی ہے۔ اگر ان تمام سوالات کا جواب تمہارے نزدیک بھی نفی میں ہے تو عقل و خرد کے عویدارو! پھر تم ان کی خدائی پر کیوں ایمان لاتے ہو۔ کتنا موثر اور دلنشین اندازِ بیان ہے کہ دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔

ان کے معبودانِ باطل کی خدائی پر ضرب کاری لگانے کے بعد ان کے اس تذبذب کو دور کیا جا رہا ہے کہ اگر یہ خدا نہیں تو کون خدا ہے؟ اس کے متعلق فرمایا کہ اس کو جاننے اور پہچاننے کے لیے زیادہ عرصہ پریشان اور سرگرداں رہنے کی ضرورت نہیں چشمِ ہوش کھولو تمہیں اس جہان کی وسعتوں میں سینکڑوں نشان ملیں گے تمہارا وہی سچا خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا جس نے آفتاب و مہتاب کی قندیلیں فروزاں کر کے شبستانِ ہستی کو منور کر دیا جس کے حکم سے گردشِ لیل و نہار کا سلسلہ جاری ہے۔ جس کی قدرت و حکمت جس کی ہمہ دانی اور ہمہ بینی کے آثار تمہیں اپنے گرد و پیش نظر آ رہے ہیں۔

اگر اب بھی اس کو نہیں پہچان سکے تو سچ سچ بتاؤ کبھی تمہیں کسی بحری سفر پر جانے کا اتفاق ہوا تمہاری کشتی سطحِ آب پر آہستہ آہستہ چلی جا رہی ہو۔ اچانک مطلع مکدر ہو گیا ہو۔ بادل امڈ آئے ہوں۔ تیز آندھی چلنے لگی ہو اور سمندر کی خونخوار موجیں منہ کھولے ہوئے تمہیں اور تمہاری کشتی کو نگلنے کے لیے بار بار آگے بڑھ رہی ہوں تمہارے بچ نکلنے کی ساری امیدیں ختم ہو چکی ہوں تم نے اپنے ان معبودوں کو بار بار پکارا ہو اور کوئی بھی تمہاری خبر لینے نہ آیا ہو جب ہر طرف موت ہی موت دکھائی دینے لگی ہو سچ سچ بتاؤ کیا اس وقت کسی کا تمہیں خیال آیا تھا کسی کی چوکھٹ پر بیساختہ تمہاری جبینِ نیاز جھکی تھی! ان کربناک لمحوں میں تم نے کسی کے ساتھ صدق و وفا کا پیمان باندھا تھا! ور پھر کسی کی رحمت نے آگے بڑھ کر تمہاری ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دے کر بچا لیا تھا وہ کون تھا؟ معلوم ہے تمہیں۔ وہی تمہارا خداوند وہی تمہارا معبودِ برحق تھا جس کو مان کر پھر تم اس سے روگردانی کرنے لگے۔

دوسرا شبہ: تمہیں حیرت ہے کہ ایک بشر کو منصبِ رسالت پر کیوں فائز کیا گیا ہے۔ کیا تمہاری یہ خواہش ہے کہ تمہیں راہِ راست دکھانے کے لئے تمہیں پیغامِ حق سنانے کے لیے کوئی جن یا کوئی فرشتہ بھیجا جاتا جس کو نہ تم دیکھ سکتے اور نہ اس کی گفتگو کو سمجھ سکتے اور اگر وہ تمہیں اپنا آپ دکھاتا تو تم اس کی ہیبت و جلال سے اپنا ہوش و حواس کھو بیٹھتے اور لینے کے دینے پڑ جاتے۔ تم ہی فیصلہ کرو کیا اس قسم کے نبی کی بعثت تمہارے لیے موجبِ رحمت ہوتی یا باعثِ زحمت۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کا تقاضا یہی ہے کہ تم میں سے کسی کو شرفِ نبوت سے مشرف کر کے مبعوث فرمائے تاکہ تم اس سے فیض حاصل کر سکو۔

تیسرا شبہ: انہیں قرآن کریم کے کلامِ الٰہی ہونے پر بھی اعتراض تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے۔ ان کے اس شبہ کو دور کرنے کے لیے انہیں چیلنج دیا گیا کہ تم ایسا کرو کہ سب مل کر بیٹھو۔ تمہارے ملک میں جتنے زبان آور شاعر، نغز بیان خطیب اور قادر الکلام ادیب ہیں سب کو بلاؤ اور اپنی اجتماعی فصاحت و بلاغت کو بروئے کار لاتے ہوئے زیادہ نہیں ایک چھوٹی سی سورۃ ہی اس جیسی بنا دو۔ اس طرح خود بخود اسلام کا چراغ بجھ جائے گا۔ اور تمہاری یہ بے چینی دور ہو جائے گی جس نے تمہارے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر رکھی ہے اور اگر تم سب مل کر بھی ایک چھوٹی سی سورۃ نہیں بنا سکتے تو پھر بے جا ضد اچھی نہیں مان لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ کتاب جو تمہارے لیے نازل کی گئی ہے جانتے ہو یہ کن خیرات و برکات کی حامل ہے۔ آؤ سنو:۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ :۔ یہ تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے نصیحت ہے۔

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ : اس میں تمھارے سینوں کی ساری بیماریوں اور جملہ روگوں کے لیے نسخۂ شفا ہے۔

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ : اور جو اس کو دل و جان سے مان لیتے ہیں ان کے لیے یہ سراپا ہدایت اور رحمت ہے۔

تم یہ تجویز پیش کرتے ہو کہ اس میں سے فلاں چیز کاٹ دی جائے اور فلاں چیز کا اضافہ کر دیا جائے۔ بھلا میری کیا مجال کہ اس میں رد و بدل کر سکوں۔ میں تو امین ہوں اگر میں اس میں خیانت کروں تو کیا تم میں ہمت ہے کہ تم مجھے میرے رب کے عتاب سے بچا سکو۔

چوتھا شبہ : تمھیں اس پر بھی اعتراض ہے کہ میں مرنے کے بعد تمھیں ایک دوسری زندگی کی خبر دے رہا ہوں۔ تمھارے نزدیک یہ ناممکن اور خلافِ عقل ہے۔ اگر میں تم سے پوچھوں کہ کیوں؟ تو تم کیا جواب دو گے کیا خدائے قدیر نے عدمِ محض سے ہر چیز کو پیدا نہیں کیا کیا اس کے لیے یہ کوئی مشکل بات ہے کہ وہ موجودات کے منتشر ذروں کو جوڑ دے۔

غرضیکہ مشرکین کے دل میں کھٹکنے والے جتنے شکوک و شبہات تھے ان کا حکیمانہ اور مشفقانہ جواب دیا تاکہ اگر کوئی پھر بھی حق کا انکار کرے تو اس کی مرضی اور اس کی قسمت۔ کم از کم یہ تو کوئی نہ کہے کہ مجھے سمجھایا نہیں گیا تھا۔

آخر میں دو اہم چیزوں کو بیان فرما کر سورۃ کو ختم کیا۔ اپنے برگزیدہ رسول اور محبوب بندے کو ارشاد فرمایا اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا۔ یعنی دشمنوں کی غوغا آرائیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کی ستم کیشیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ہر طرف سے توجہ ہٹا کر آپ اس دینِ حق کی طرف اپنا رخ موڑ لیں اور اس کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیں۔

نیز اس امر کی بھی وضاحت فرما دی کہ نفع و ضرر کا کلی اور حقیقی اختیار اللہ جل مجدہ وعز سلطانہ کے دستِ قدرت میں ہے وہ جس کو چاہے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے اور جس کو چاہے اپنے انعامات و احسانات سے مالا مال کر دے۔ اس کے غضب سے کوئی چھڑا نہیں سکتا اور اس کے دستِ جود و سخا اور فضل و عطا کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اگر اس نے یتیم مکہ کو ختمِ نبوت کے تاج سے سرفراز فرمایا ہے تو کسی کو کیا اعتراض اگر اس نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کی خلعتِ فاخرہ سے نوازا ہے تو کسی کے پیٹ میں مل کیوں پڑے۔ اس کی تو یہ شان ہے۔ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

ان اساسی مضامین کے علاوہ علم و حکمت کے کئی دمکتے ہوئے موتی ہیں جو اس سورۃ کی روائے نور میں جڑے ہوئے ہیں۔ جب آپ اس کا مطالعہ کریں گے تو ان کا حسنِ لازوال خود ہی آپ کے دامنِ توجہ کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسْعُ اٰيَاتٍ وَاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ یونس مکی ہے اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — آیتیں ۱۰۹ - اور گیارہ رکوع ہیں

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ

الف۔ لام۔ را [1] یہ آیتیں ہیں کتاب [2] حکیم کی ہیں۔ کیا (یہ بات) لوگوں کے لیے باعث تعجب ہے [3] کہ ہم نے

[1] اس قسم کے حروف جو بعض سورتوں کی ابتدا میں آتے ہیں انھیں حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔ ان کا مفہوم کیا ہے؟ علماء تفسیر نے اس کی کئی توجیہیں کی ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ یہ حروف ان سورتوں کے نام ہیں جن کی ابتدا میں ان کا ذکر ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے لیے بطور رمز استعمال کیے گئے ہیں مثلاً الف اللہ کی طرف، لام لطیف اور را رحمٰن کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ كُلَّ حَرْفٍ مِنْهَا مَاْخُوْذٌ مِنْ اِسْمٍ مِنْ اَسْمَائِهٖ سُبْحَانَهٗ (البرہان فی علوم القرآن ج ۱) حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ الر مخفف ہے اَنَا اللّٰهُ اَرٰى کا، میں اللہ ہوں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ یہ توجیہات اپنا اپنا وزن رکھتی ہیں لیکن سب سے زیادہ اطمینان بخش اور یقین افروز علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو سورۂ بقرہ کے آغاز میں حروف مقطعات کی تحقیق کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے۔ فَلَا يَعْرِفُهٗ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَّا الْاَوْلِيَاءُ الْوَرَثَةُ فَهُمْ يَعْرِفُوْنَهٗ مِنْ تِلْكَ الْحَضْرَةِ وَقَدْ تَنْطِقُ لَهُمُ الْحُرُوْفُ كَمَا كَانَتْ تَنْطِقُ لِمَنْ سَبَّحَ فِيْ كَفِّهِ الْحَصٰى۔
یعنی ان حروف کا صحیح مفہوم نبی کریم جانتے ہیں اور اولیاء کاملین۔ ان کو یہ علم بارگاہِ رسالت سے عطا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ حروف خود اپنے اسرار کو اولیاء کرام سے بیان کر دیتے ہیں جیسے یہ حروف اس ذات پاک سے گویا ہوتے تھے جس کی ہتھیلی میں کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تھی۔
علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ الٓر پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ فَعِلْمُ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ بِلَوَازِمِهَا وَحَقَائِقِهَا مُفَوَّضٌ فِي الْحَقِيْقَةِ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ وَكُمَّلِ الْوَرَثَةِ۔ ان حروف کا علم ان کے لوازمات اور حقائق کے ساتھ درحقیقت اللہ تعالیٰ، اس کے محبوب رسول اور اولیاء کاملین کو تفویض کیا گیا ہے۔

[2] کفار و مشرکین قرآن کریم پر طرح طرح کے اعتراضات کیا کرتے اور اپنے فہم کی نارسائی کے باعث اس کی تعلیمات کے بارے میں گوناگوں غلط فہمیوں کا شکار رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی ابتدا میں ہی اس غلط فہمی کا ازالہ فرما دیا کہ یہ کتاب جس کی تعلیمات پر تم اعتراض کرتے ہو جس کے بتائے ہوئے اصولوں کو ماننے سے تم انکار کرتے ہو یہ تو پُر از حکمت کتاب ہے۔ اس کے بیان کردہ عقائد، اس کے بتائے ہوئے معاشی، اخلاقی اصول اس میں مذکورہ واقعات و قصص اور مستقبل کے متعلق اس کی ساری پیشین گوئیاں سب ہی تو اپنی اپنی جگہ مستحکم و استوار ہیں اور ہر شک شبہ بالاتر ہیں۔ عظمت شان کی طرف اشارہ کرنے کے لئے (تِلْكَ) اسم اشارہ بعید استعمال فرمایا۔

[3] قرآن کریم کے متعلق ان کی غلط فہمی دور کرنے کے بعد صاحب قرآن کے بارے میں ان کے شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ انھیں یہ بات سمجھ نہ آتی تھی کہ ایک انسان کس طرح اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہو سکتا ہے کہ وہ اسے وحی سے سرفراز فرما کر دوسرے انسانوں کی رہبری کے لئے متعین فرمائے جس انسان سے وہ متعارف تھے اور جس انسانیت کے وہ خود اعلیٰ نمائندہ تھے وہ تو اس سرفرازی کا قطعاً مستحق

اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ

ہم نے وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے کہ ڈراؤ لوگوں کو اور خوشخبری دو انہیں

اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ

جو ایمان لائے کہ ان کے لیے مرتبہ بلند ہے ؎ ان کے رب کے ہاں۔ کفار نے کہا

نہیں تھا لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ انسان خالقِ کائنات کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ اس میں جو صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں اگر ان کو بروئے کار لایا جائے اور تقویٰ و اخلاص سے ان کی آبیاری کی جائے تو بارگاہِ عزت میں جس مقامِ قرب کا یہ مستحق قرار پا سکتا ہے وہاں روح الامین کو بھی دم مارنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ دوسری بات جس نے انہیں تصویرِ حیرت بنا رکھا تھا یہ تھی کہ نبوت کے بارِ گراں کو اٹھانے کے لیے عبدالمطلب کے یتیم پوتے کو منتخب کیا گیا تھا آخر کیوں؟ اگر کسی انسان کو ہی بنانا تھا تو وہ ایسا تو ہوتا جس کی دھاک تمام قوم کے دلوں پر بیٹھی ہوتی۔ اسی سے جو بات نکلتی اس کے سامنے سر اٹھانے کی جرأت کسی کو نہ ہوتی اور جو تسلیم خم کرنا پڑتا۔ وہ کہتے لَوْلَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ۔ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی رئیسِ اعظم پر کیوں نہ اتارا گیا؟ ان کے انہیں شبہات کا یہاں جواب دیا جا رہا ہے کہ اگر ان میں سے کسی انسان کو نبوت اور نزولِ وحی کے لیے منتخب کیا گیا ہے تو اس میں حیرت و تعجب کی کیا بات ہے بلکہ یہ تو عین حکمت ہے کیونکہ افادہ و استفادہ کے لیے جانبین میں باہمی مناسبت کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک انسان انسان سے ہی فائدہ حاصل کر سکتا ہے جن و ملک سے نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ اگر یہاں بسنے والے فرشتے ہوتے تو ان کی طرف رسول بھی کسی فرشتہ کو بنا کر بھیجا جاتا۔ جب یہاں بسنے والے انسان ہیں تو ان کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے کسی انسان کو ہی مقرر کرنا چاہیے تھا۔ باقی رہا تمہارا یہ خیال کہ صاحبِ رسالت کے پاس مال و دولت اور جاہ و منصب کا ہونا ضروری ہے تو یہ بھی درست نہیں۔ رب قدوس کے ہاں ان چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ یہاں تو بلند اخلاق، پاکیزہ کردار اور اخلاص و ایثار کو شرفِ پذیرائی عطا کیا جاتا ہے اور یہ تمام صفات ذاتِ پاک مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء میں بوجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ اس لیے حضور کی نبوت پر تمہارا اظہارِ تعجب بالکل بے معنی ہے۔

؎ یہاں نبی پاک کی دعوت کا خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس کا کام یہ ہے کہ عام لوگوں کو ان کی غفلت شعاریوں، مجرموں کو ان کی بداعمالیوں اور مشرکین و کفار کو ان کے عقائدِ باطلہ کے ہولناک انجام سے ڈرائے تاکہ وہ بر وقت اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور اہلِ ایمان کو یہ بشارت سنائے کہ تمہاری محنت ٹھکانے لگی اور تمہاری نیکیاں بار آور ہوئیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں بڑے بلند مقام پر فائز کیا جائے گا۔

؎ زجاج نے قدمِ صدق کا معنی درجۃ عالیۃ (یعنی بلند مقام) کیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے اس کا معنی اچھی جزا بتایا ہے جو انہیں ان کے اعمالِ حسنہ پر ملے گی (مظہری) حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ہے۔

امام حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم فانہ شفیع مطاع یتقدمھم کما قال انا فرطکم علی الحوض (قرطبی، بحر) (قرطبی، بحر) یعنی قدمِ صدق سے مراد حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے کیونکہ حضور ہی ایسے شفیع ہیں جن کی شفاعت یقیناً

إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بلاشبہ یہ جادوگر ہے کھلا ہوا ؎ بیشک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں

وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ

اور زمین کو ؎ چھ دنوں میں، پھر متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کے شایان ہے) ہر کام کی تدبیر فرماتا

قبول کی جائے گی اور حضور اپنی امت سے پہلے حوضِ کوثر پر تشریف فرما ہوں گے تاکہ اپنی پیاسی امت کو سیراب فرما سکیں۔ امام بخاری نے یہی قول حضرت زید بن اسلم سے نقل کیا ہے۔ قال البخاری قال زید بن اسلم ان لهم قدم صدق محمد صلی الله علیه وسلم (مظہری، قرطبی وغیرہما من التفاسیر)

؎ جب کفار کے پاس کوئی دلیل نہ رہی جس سے وہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کر سکیں اور حضور کی نبوت و رسالت کی تردید کر سکیں، تو ناچار اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ فقرہ بنا دیا کہ یہ عقل و دل و نگاہ کو خیرہ کر دینے والی روشنی یہ روح کو سرشار کر دینے والا کلام جادو ہے اور اس کو سنانے والی یہ دلنواز ہستی نبی نہیں جادوگر ہے۔ فرعون نے بھی تو اعجازِ موسوی کے سامنے اپنی بے بسی پر یہی کہہ کر پردہ ڈالا تھا۔ شاید کفر کے پاس یہی اوچھا ہتھیار ہے جو وہ اہل حق کے خلاف ہمیشہ استعمال کرتا ہے۔ مشرکین نے حضور کو جادوگر تو کہہ دیا لیکن انھوں نے یہ نہ سوچا کہ ان کا یہ الزام کتنا بے سروپا ہے۔ کیا وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ فلاں جادوگر سے حضور نے جادو سیکھا۔ کیا وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ جادوگروں کی پست اور ذلیل ذہنیت اور ان کے رذیل اعمال کی کوئی ادنیٰ سی علامت بھی یہاں موجود ہے۔ جادوگروں کے سامنے ان کے ذاتی حقیر مفادات ہوتے ہیں اور انھیں کی تکمیل کے لیے وہ یہ سارے پاپڑ بیلتے ہیں لیکن اس پاک ہستی کی کتابِ زندگی میں خود غرضی اور جاہ طلبی کا کوئی ادنیٰ سا ثبوت بھی تو نہیں ملتا۔ فکر و عمل کے اتنے بین تفاوت کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو جادوگر کہنا افترائے محض اور بہتان صریح نہیں تو اور کیا ہے۔

؎ اس آیت کے پہلے حصہ پر مفصل بحث سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۵۴ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائی جائے۔ یہاں ایک خاص چیز کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگ کائنات کی تخلیق کی تفصیلات قرآن سے تلاش کرنا چاہتے ہیں، اور اپنے زمانہ کے مفکرین و فلاسفہ کے نظریات جو مقبولِ عام ہوتے ہیں ان کے رنگ میں قرآن کو بھی رنگنا چاہتے ہیں لیکن ان کا یہ اسلوب فکر قرآن کریم کے متعلق قطعاً دانشمندانہ نہیں کیونکہ ہر زمانہ کے اہلِ فکر اپنی ذہنی کاوشوں سے اپنے نظریات وضع کرتے ہیں اور لوگ ان کے زوردار دلائل سے مرعوب ہو کر ان کو حق تسلیم کر لیتے ہیں اور اس باب میں ان کو حرفِ آخر قرار دے دیتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انھیں مفکرین کے پیروکار اور شاگرد اپنے پیش رو اساتذہ کے نظریات کو غلط ثابت کر دیتے ہیں اور پہلے دلائل سے بھی زیادہ وزنی دلیلوں پر اپنے نئے نظریات کی پرشکوہ عمارت استوار کرتے ہیں اور ان کے نظریات کا حشر بھی دیر یا بدیر وہی ہوا کرتا ہے۔ اس لیے آیاتِ قرآنی کو کسی قدیم یا جدید نظریہ کا پابند کرنا قرآن کے مزاج کے خلاف ہے بجز وقت کے کہ کسی نظریہ سے ہم آہنگ کر کے لوگوں کو بتایا جا سکتا ہے کہ قرآن کے ارشادات بھی وہی ہیں جن کو

الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

ہے ٹ کوئی نہیں شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت کے بعد ۹ یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا پروردگار ہے نلہ

فلاں فلسفی یا فلاں سائنسدان نے پیش کیا ہے لیکن آپ خود غور فرمایئے اگر کچھ عرصہ بعد ان نظریات کا بطلان ہوگیا تو کیا اس کی زد آیاتِ قرآنی پر نہیں پڑے گی؟ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ قرآن کریم تخلیقِ کائنات کی تفصیل بیان کرنے والی کتاب نہیں بلکہ یہ رشد و ہدایت کا صحیفہ ہے اس میں جہاں کہیں انفسی اور آفاقی آیات کا ذکر کیا گیا ہے اس کا مدعا فقط اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور علم و حکمت کو ظاہر کرنا ہے۔

ٹ یعنی جس ذاتِ پاک نے آسمانوں اور زمین کو چھ دوروں میں پیدا فرمایا ہے نہ ان کو پیدا کرکے ان سے لاتعلق نہیں ہوگیا بلکہ اس کارخانۂ ہستی کی زمام حکومت اسی کے دستِ قدرت میں ہے ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام اسی کے حکم اور اسی کے اذن سے انجام پاتا ہے۔ وہ خالق بھی ہے اور مالک و حاکم بھی ہے۔ ہر چیز جس کو اس نے پیدا فرمایا ہے وہ ایک آئینہ ہے جس میں اس کے خالق کے علم کامل اور حکمت بالغہ کے ان گنت جلوے جھلک رہے ہیں۔ تدبیر کا لغوی معنی ہے النظرفی ادبار الامور حتی یاتی محمودۃ العاقبۃ یعنی تمام کاموں کو اس طرح کرنا کہ ان سے بہترین نتائج ظاہر ہوں اور یہاں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو اس طرح اپنے اپنے مقام پر مناسب صفات سے متصف کرکے رکھتا ہے کہ کسی کو انگشت نمائی کی جرأت نہیں ہو سکتی یعنی یقدر امرالکائنات علی ماتقتضیۃ الحکمۃ (مظہری)

اگر آپ اس آیت میں مکرر غور فرمائیں گے تو آپ کو اس میں طرح طرح کی گمراہیوں کا رد ملے گا جس میں صرف جاہل اور بے عقل ہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو اقلیم عقل و خرد کا فرمانروا کہلانے والے بھی گرفتار تھے چنانچہ ایسے فلسفی بھی گزرے ہیں اور اب بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے ہی قائل نہیں بعض اس کے وجود کو تو تسلیم کرتے ہیں لیکن مادہ کو قدیم مانتے ہیں اور بعض کا یہ خیال ہے کہ ہر چیز کا خالق تو وہی ہے زمین و آسمان مادہ و مادیات کی تخلیق تو اس نے فرمائی لیکن پیدا کرنے کے بعد اب اس کا اپنی پیدا کی ہوئی کائنات سے کوئی سروکار نہیں اس آیت میں سب کا رد فرما دیا۔

۹ مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ مٹی اور پتھر کے یہ بت جن کو وہ پوجتے ہیں۔ قیامت کے روز ان کی شفاعت کریں گے اور انہیں بخشوا لیں گے ان کا رد فرما دیا کہ یہ اندھے بہرے بے بس بے اختیار بت ان کی شفاعت نہیں کریں گے کیونکہ شفاعت تو وہ کرے گا جسے اذنِ شفاعت ملیگا اور انہیں شفاعت کی کوئی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ کیونکر شفاعت کر سکیں گے۔ اس آیت سے مشرکین کے نظریہ کے ابطال کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی غلط فہمی بھی دور کر دی جو سرے سے شفاعت کے منکر ہیں فیہ اشارۃ الی ثبوت الشفاعۃ لمن اذن لہ (مظہری) وفیہ اثبات الشفاعۃ لمن اذن لہ (بیضاوی) یعنی اس آیت سے ثابت ہوا کہ وہ پاک بندے شفاعت کریں گے جنہیں شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے گی۔

نلہ یعنی ان قدرتوں اور حکمتوں کا مالک، ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام کو اپنے اختیار اور مرضی سے سرانجام دینے والا جس کے حضور میں بلا اجازت کوئی لب کشائی کی جرأت بھی نہیں کر سکتا وہ ہے تمہارا پروردگار اور تمہارا معبود حبیب اور ایسا کوئی نہیں تو اسے چھوڑ کر کسی کی عبادت کیوں کی جائے۔ اب تک اگر بعض غلط فہمیوں کے باعث حقیقتِ حال سے بے خبر رہے ہو اور اپنے معبود

فَاعْبُدُوهُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣﴾ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ

سو عبادت کرو اس کی۔ تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟ اسی کی طرف لوٹنا ہے تم سب نے ١٠ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا

حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

وعدہ ہے بیشک وہی ابتدا کرتا ہے پیدائش کی پھر وہی دہرائے گا اسے تاکہ جزا دے انھیں جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ

نیک عمل کیے ١١ انصاف کے ساتھ۔ اور جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا

حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٤﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ

پانی اور دردناک عذاب ہوگا بوجہ اس کے کہ وہ کفر کرتے رہتے تھے وہی ہے جس نے بنایا ١٢

برحق کے ساتھ عبودیت و بندگی کا رشتہ استوار نہیں کرسکتے تو اب جبکہ حقیقت عیاں ہو چکی ہے اور شک و شبہ کا غبار چھٹ گیا ہے۔ اب ہوش میں آؤ اور اپنی عمر کا بقیہ حصہ تو اس کی یاد میں گزار دو۔

١٠ مشرکین مکہ کے لیے جس طرح وحی کا نزول، کسی انسان کا شرفِ نبوت سے مشرف ہونا محلِ تعجب تھا اسی طرح قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی بات بھی ان کے فہم سے بالاتر تھی۔ یہاں انھیں اس بات کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ لامحالہ تمھیں قیامت کے روز بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہونا ہوگا۔ ساتھ ہی انھیں یہ بھی بتا دیا کہ قیامت کے دن تمھیں دوبارہ زندہ کرکے جوابدہی کے لیے حاضر کرنے والی وہی ذات ہے جس نے تمھیں پہلے خلعتِ وجود سے نوازا جب تم کچھ نہیں تھے اور اس نے تمھیں پیدا فرما دیا اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ مرنے کے بعد تمھیں دوبارہ زندہ کردے۔

١١ یہاں وقوعِ قیامت کی حکمت بیان کی جارہی ہے تاکہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کا اجر اور بروں کو ان کی برائیوں کی سزا ملے۔ یہ دنیا دار العمل ہے دار الجزا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ خیر و صلاح کو ان کے اعمالِ حسنہ کا بدلہ اس دنیا میں نہیں ملتا ان کی زندگیاں آلام و مصائب سے گھری ہوتی ہیں اور کئی فاسق و فاجر عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ان کے اعمالِ بد پر انھیں سزا نہیں ملتی اگر اس دنیا کے بعد دارالآخرت نہ ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوئے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی ذات کو زیبا نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس دارِ فنا کے بعد دارِ بقا ہو جہاں ہر شخص کو اس کے اعمالِ نیک و بد کا بدلہ ملے۔ قیامت پر ایمان انسان میں اعمالِ بد سے نفرت پیدا کرنے اور اعمالِ حسنہ کی ترغیب دلانے میں بہت ہی مؤثر ہے۔

١٢ قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفاتِ کمال کے اثبات کے لیے جو طرزِ استدلال اختیار کیا ہے وہ دنیا بھر کے فلسفیوں اور

الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ

سورج کو درخشاں اور چاند کو نور ۱۲ اور مقرر کیں اس کے لیے منزلیں ۱۳ تاکہ تم جان لو گنتی

اہل علم کے طرز استدلال سے جدا ہے۔ قوت و تاثیر میں بھی اور وضاحت بیان میں بھی یہاں نہیں منطق اور پیچیدہ فنی اصطلاحات کا نشان نہیں ملتا۔ یہاں دل میں اتر جانے والی صاف صاف باتیں ہوتی ہیں جن سے عالم بھی و ان پڑھ بھی اپنی اپنی استعداد کے مطابق یکساں طور پر مستفید ہو سکتا ہے۔ یہاں بھی قدرت الٰہی کی چند نشانیاں بیان کر کے ان میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ کونسی آنکھ ہے جو صبح کے وقت مشرق کے افق سے سورج کو ابھرتے ہوئے نہیں دیکھتی۔ جو ابھرتا ہے تو سارا جہان جگمگا اٹھتا ہے۔ زندگی کی حرارت ہر شے کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے۔ پھر وہ اپنی مقررہ راہ سے گزرتے ہوئے شام کے وقت مغربی افق میں ڈوب جاتا ہے۔ کونسی آنکھ ہے جس نے رات کے وقت چاند کو اپنی روپہلی کرنیں بکھیرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ سورج اور چاند دونوں عرصہ دراز سے مصروف گردش ہیں اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ اپنے وقت پر طلوع و غروب نہ ہوتے ہوں۔ یا انھوں نے اپنے مقررہ راستہ سے سرمو انحراف کیا ہو۔ کیا ان کا پیدا کرنے والا علیم و حکیم اور سمیع و بصیر نہیں؟ یقیناً ہے۔

۱۲ اس آیت میں اس کی تدبیر کی چند شانیں بیان کی جا رہی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا مشاہدہ کرنا ہو تو آفتاب جہان تاب کی طرف دیکھو اور مہتاب عالم افروز کا ملاحظہ کرو۔ سورج کو ضیا اس نے بخشی ہے اور چاند کو روشنی اسی نے مرحمت فرمائی ہے۔ سورج کی کرنوں کی اپنی تاثیر ہے اور چاند کی روشنی کی اپنی تاثیر جو اہل علم سے مخفی نہیں۔ پھر ان کو پیدا کر کے اور روشن کر کے آوارہ نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کا راستہ متعین کر دیا اور ان کے لیے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ یہاں ایک امر غور طلب ہے کہ سورج کی روشنی کے لیے ضیا کا لفظ اور چاند کی روشنی کے لیے نور کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ ضیا اس روشنی کو کہتے ہیں جو ذاتی ہو اور نور اس کو کہتے ہیں جو ذاتی نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز سے حاصل ہو کیونکہ سورج کی روشنی ذاتی ہے اس لیے اس کے لئے ضیا کا لفظ استعمال کیا اور قمر کی روشنی سورج سے مستفاد ہے اس لیے اس کے لیے نور کا لفظ مستعمل ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ چاند زمین کے گرد گردش کرتا ہے اور اپنی گردش کے فلک کو ستائیس دن، سات گھنٹوں اور تینتالیس منٹوں میں طے کرتا ہے لیکن اسے اس جگہ پر پہنچنے کے لیے جہاں وہ سورج سے نور حاصل کر سکے مزید ۱، ۲ دن لگتے ہیں۔ اس لیے نیا چاند ۳۰، ۲۹ دن کے بعد دکھائی دیتا ہے۔ علمائے فلکیات نے چاند کے لیے اٹھائیس منزلیں مقرر کی ہیں اور ہر منزل کو اس کے ستارے یا ستاروں کے مجموعہ سے موسوم کیا ہے جہاں وہ ہر رات پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ علمائے عرب نے اس کی منازل کے مندرجہ ذیل نام مقرر کیے ہیں:۔

الشرطان۔ البطین۔ الثریا۔ الدبران۔ الہقعہ۔ الہنعہ۔ الذراع۔ النثرۃ۔ الطرف۔ الجبہۃ۔ الزبرۃ۔ الصرفۃ۔ العوا۔ السماک۔ الاعزل۔ الغفرۃ۔ الزبانی۔ الاکلیل۔ القلب۔ الشولۃ۔ النعائم۔ البلدۃ۔ سعد الذابح۔ سعد بلع۔ سعد السعود۔ سعد الاخبیۃ۔ فرغ الدلو المقدم۔ الفرغ المؤخر۔ الرشاء۔ بطن الحوت۔ پھر انھیں بارہ مشہور برجوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے نام یہ ہیں:۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ اس طرح ہر برج ۲ء۳ منزلوں پر مشتمل ہوگا۔ جب تک چاند ان منزلوں میں ہوتا ہے وہ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے۔ پھر اگر مہینہ انتیس

السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ

برسوں کی اور حساب ۱۲ نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ ۱۳ تفصیل سے بیان

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا

کرتا ہے (اپنی قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں بیشک ۱۴ گردش لیل و نہار میں اور جو کچھ

خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝ اِنَّ

پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں (ان میں) اس کی نشانیاں ہیں اس قوم کے لیے جو متقی ہے ۱۵ بیشک

کا ہو تو ایک رات اور اگر تیس کا ہو تو دو رات نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے اور پھر از سر نو منزل اول سے گردش شروع کر دیتا ہے۔

۱۲ ان کے لیے منزلیں متعین کرنے کی حکمت بتائی جا رہی ہے کہ تم سالوں کی گنتی کر سکو۔ اپنی کھیتی باڑی، کاروبار کے لیے مہینے اور دن مقرر کر سکو۔ دن رات کا تعین سورج کی یومی گردش سے ہوتا ہے۔ اور مہینے اور سال کی پہچان چاند سے ہوتی ہے۔ اسلام نے اپنے بیشتر احکام کی بنیاد قمری سال پر رکھی ہے۔ کیونکہ اس کا جاننا ہر ایک کے لیے یکساں طور پر آسان ہے۔ ہلال طلوع ہوتا ہے تو سب کو پتہ چل جاتا ہے کہ نیا مہینہ شروع ہو گیا۔

۱۳ سورۃ انعام کی آیت نمبر ۳، کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۴ رات اور دن کا منقطع نہ ہونے والا تسلسل پھر مناسب مقدار سے ان کا گھٹنا اور بڑھنا، دن میں کسب معاش اور دیگر مشاغل کی ہنگامہ آرائیاں اور رات میں خواب راحت کی خاموشیاں سبھی تو اس کی توحید اور کبریائی کے گیت گا رہی ہیں۔

۱۵ یہ الفاظ قابل غور ہیں یعنی عام لوگ کائنات کے حسن و جمال کو دیکھتے ہیں اور دنگ ہو جاتے ہیں۔ مختلف اشیا کے حیران کن اثرات پر آگاہ ہوتے ہیں اور فرط مسرت سے جھوم اٹھتے ہیں۔ اس جہان کی وسعتیں اور فراخیاں، بلندیاں اور پستیاں ان کی چشم ہوش کو خیرہ کر دیتی ہیں لیکن ان کی رسائی اس حسن و جمال کے خالق اور ان اثرات کے پیدا کرنے والے تک نہیں ہوتی۔ ان کی نگاہیں ان حجابات میں الجھ کر رہ جاتی ہیں معرفت الٰہی کی سعادت سے فقط ان باہمت اور بلند حوصلہ لوگوں کو سرفراز کیا جاتا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہوتے ہیں۔ جو ان حجابات کو تار تار کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور جمال حقیقی کی دید سے معرفت کے اپنے دیدۂ عقل و دل کو روشن کرتے ہیں۔ ہمارے سائنسدانوں اور علوم جدیدہ کے طلبہ کو مظاہر فطرت کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اس عالم میں جو رعنائی و زیبائی جو قوت و تاثیر اور جو خوبی و کمال جہاں کہیں جس روپ میں انہیں دکھائی دیتا ہے وہ کسی کا اتفاقی حادثہ سے معرض وجود میں نہیں آیا بلکہ قادر و توانا، علیم و حکیم اور مالک عالم پروردگار نے اسے پیدا فرمایا ہے یہی وہ بنیادی فرق ہے جو مسلمان سائنسدان کو دنیا بھر کے دوسرے سائنسدانوں سے جدا کرتا ہے۔ اس طرح ان کا ہر قدم منزل کی طرف اٹھے گا ان کی کامیابی ادھوری اور نا تمام نہیں بلکہ مکمل ہو گی۔ ان کی ترقی انسانیت کے لیے تباہ کن نہیں بلکہ فلاح انسانی کی ضامن ہو گی۔

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝٧ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝٩ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ

وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی اور خوش وخرم ہیں دنیوی زندگی سے اور مطمئن ہو گئے ہیں اس (کے ساز وسامان) سے اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غفلت برتتے ہیں ۲۰ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے بسبب ان عملوں کے جو وہ کماتے رہے یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ۲۱ پہنچا دیگا انہیں ان کا رب (منزل مقصود تک) ان کے ایمان کے باعث۔ رواں ہوں گی ان کے نیچے نہریں نعمت (و سرور) کے باغوں میں (بہار جنت کو دیکھ کر) ان کی صدا وہاں یہ ہوگی پاک ہے تو اے اللہ ۲۲ اور ان کی دعا یہ ہوگی

اور آج دنیا کو ایسے باکمال اور باہمت علما کی ضرورت ہے جو انسان کو سلامتی کا راستہ دکھا سکیں۔

۲۰ وہ پست ہمت اور کوتاہ نظر لوگ جن کے دلوں میں محبت الٰہی اور شوق وصل کی کوئی چنگاری دہک نہیں رہی اور وہ کوتاہ نظر جو دنیوی زندگی اور اس کی زیب وزینت پر فریفتہ اور اس کے آرام وآسائش پر شاداں وفرحاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی دلیلوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے ان کا ٹھکانا آتش جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۲۱ دنیا پرستوں کے مقابلہ میں حق پرستوں کا ذکر ہو رہا ہے جو دولت ایمان سے مالا مال ہیں اور اپنی زندگی کے دامن کو اعمال صالحہ کے رنگین اور مہکتے ہوئے پھولوں سے بھر رہے ہیں یھدیھم ربھم بایمانھم کے کلمات طیبات پر مکرر غور فرمائیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ایمان ویقین محکم کا چراغ روشن کرکے کوئی مسافر اپنی منزل کی طرف رواں ہو جائے تو توفیق ربانی ضرور اس کی دستگیری فرمائے گی اور اسے منزل تک پہنچا دے گی کتنی ہی آندھیاں چلیں کتنے ہی طوفان اٹھیں اس کے چراغ ایمان کو بجھنے نہیں دیا جائے گا۔

۲۲ منزل مقصود پر پہنچنے سے جو بھی مسرت اور روحانی خوشی انہیں ہوگی اس کے اظہار کے لیے اس سے بلیغ تر اسلوب کوئی کہاں سے لائے گا۔

فِيهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾

کہ "سلامتی ہو" اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ

سارے جہانوں کو۔ اور اگر جلد بازی کرتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو شر پہنچانے میں جیسے وہ جلد بازی کرتے ہیں بھلائی کیلیے ٢٣ تو پوری کر دی گئی ہوتی

اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾

ان کی میعاد۔ (لیکن یوں نہیں) بلکہ ہم چھوڑے رکھتے ہیں انھیں جو توقع نہیں رکھتے ہماری ملاقات کی تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ٢٤

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ

اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (تو اس وقت) پکارتا ہے ہمیں لیٹا ہوا ہو یا بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہوا ہو ٢٥

٢٣ انسان کی ایک کمزوری کی اصلاح نہایت حکیمانہ انداز میں فرمائی جا رہی ہے۔ اسے بتایا جا رہا ہے کہ ایک طرف تمہارے کرتوت ہیں جو فوری گرفت اور مواخذہ کے مستحق ہیں اور دوسری طرف تمہارے مطالبات ہیں جو دنیا بھر کی آسائشوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں اگر تمہارے مطالبات کے پورا ہونے میں کچھ تاخیر ہو جائے تو تم بڑے بے چین ہو جاتے ہو اور اپنے رب کریم کے شکوے کرنے لگتے ہو۔ تم نے یہ سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے کرتوتوں پر پکڑ لیتا تو تمہاری کیا درگت بنتی معلوم ہوا کہ تمہارے پروردگار کا سلوک تمہارے ساتھ منتقمانہ نہیں بلکہ رحیمانہ اور کریمانہ ہے۔ اس لیے اگر تمہارے مطالبات اور تمہاری خواہشات کی تکمیل میں دیر ہو گئی ہے تو یقین کرو اس میں بھی تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے اس لیے گھبرانے اور مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہمت و حوصلہ سے کام لیتے ہوئے مردانہ وار آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ اس کی نگاہِ کرم چارہ سازی فرمائے گی اور کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور گوہرِ مقصود تمہارے دامنِ طلب کی زینت بنیگا۔

٢٤ گنہگاروں پر فوراً عذاب نازل نہ کرنے اور انہیں مہلت اور ڈھیل دینے میں کبھی تو یہ حکمت ہوتی ہے کہ شاید وہ سنبھل جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں اور کبھی مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی گندی فطرت خوب آشکارا ہو جائے اور وہ جی بھر کر اپنی کمینہ خصلتوں کا مظاہرہ کر لیں تاکہ جب انہیں عذاب کی چکی میں پیسا جائے تو وہ کوئی عذر پیش نہ کر سکیں۔ یہاں موخر الذکر لوگوں کو مہلت اور ڈھیل دینے کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے"

٢٥ انسان کی ایک اور کمزوری پر اسے متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جب اسے کوئی تکلیف گھیر لیتی ہے اور مصیبتوں کے منحوس سائے اس پر چھا جاتے ہیں تو اس وقت وہ سراپا نیاز بن کر گڑگڑانے لگتا ہے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کسی حالت میں ہو التجائیں کرتا ہے دعائیں مانگتا ہے اور پختہ وعدے کرتا ہے کہ میرے رب! میری یہ مشکل آسان فرما مجھے اس ہلاکت و بربادی کے چنگل سے بچا لے میں عمر بھر تیرا شکر گزار بندہ بنا رہوں گا کبھی تیری نافرمانی کا خیال تک بھی دل میں نہیں لاؤں گا لیکن اِدھر مصیبت کا بادل چھٹا اور آرام و راحت کی روشنی زندگی کے افق پر طلوع ہوئی

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ

پھر جب ہم دور کر دیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف تو چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں (کبھی) پکارا ہی نہیں تھا کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی

زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ

اسی طرح آراستہ کر دیئے گئے حد سے بڑھنے والوں کے لیے وہ کرتوت جو وہ کیا کرتے تھے[26] اور بیشک ہم نے ہلاک کر دیا[27] کئی قوموں کو جو تم سے

قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا

پہلے تھیں جب انہوں نے زیادتیاں کرنے لگے اور آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر اور وہ (ایسے) نہیں تھے کہ

لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

ایمان لاتے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرم قوم کو پھر ہم نے بنایا تمہیں[28]

ادھر حضرت انسان نے سب وعدے فراموش کر دیئے اور نافرمانی اور سرکشی کو اپنا شعار بنا لیا۔

[26] لیکن یہ شیوہ ہر انسان کا نہیں بلکہ فقط وہی لوگ اس طرح کیا کرتے ہیں جو اسراف اور بے اعتدالی کے عادی ہوں۔ ان کی بگڑی ہوئی فطرت اور مسخ شدہ ذہنیت ان گناہوں میں بڑا حسن اور جاذبیت محسوس کرتی ہے۔ جس کرتوت کے باعث وہ گرداب ہلاکت میں پھنسا تھا جس گناہ نے اس کی زندگی کے امن و سکون کو تہ و بالا کر کے چھوڑا تھا اب پھر وہ ادھر کھچا چلا جا رہا ہے۔

[27] اہل مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ جو روش تم نے اختیار کر رکھی ہے وہ کسی عقلمند اور عاقبت اندیش انسان کی روش نہیں۔ اپنے گناہوں پر تمہیں کچھ ندامت نہیں۔ ہر بھلائی اور آرام کو حاصل کرنے کے لیے تم بہت بے چین ہو جب تمہیں کوئی مصیبت گھیر لیتی ہے تو اس وقت تم اپنے پروردگار کو پکارتے ہو اور بڑی عاجزی سے دعائیں مانگتے ہو جب وہ تم پر رحم فرماتا ہے تو تم اتنے طوطا چشم ہو کہ اسی وقت ادھر سے آنکھیں پھیر لیتے ہو احسان مندی اور شکر گزاری کا کوئی اثر تمہارے قول و فعل میں نظر نہیں آتا۔ یاد رکھو! تم سے پہلے بھی اس قماش کے لوگ گزرے ہیں ہم نے ان کو بھی سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے کافی مہلت دی انہیں راہ ہدایت دکھانے کے لیے رسول بھیجے۔ لیکن جب وہ سرکشی سے باز نہ آئے تو انہیں عذاب کی چکی میں پیس دیا گیا اور ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ اہل مکہ! آنکھیں کھولو اور نزول عذاب سے پہلے اپنی نجات کا سامان کرو۔

[28] قدرت کے قانون اٹل اور یکساں ہیں جب تک کوئی قوم اپنی افادیت اور نفع رسانی کا ثبوت بہم پہنچاتی رہتی ہے وہ زندہ و سلامت رہتی ہے اور اس کا آفتاب اقبال درخشاں و تاباں رہتا ہے لیکن جب وہ اپنے اقتدار اور طاقت کو لذت کوشی اور عیش طلبی کے لیے وقف کر دیتی ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو بجا لانے میں غفلت برتتی ہے تو سمجھو کہ اس کی موت کی گھڑی آپہنچی۔ اسے راہ سے ہٹا دیا جاتا ہے

خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اِذَا

جانشین زمین میں ان کے بعد تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو اور جب

تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ

پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری روشن آیتیں ۲۹ (تو) کہنے لگتے ہیں وہ جو توقع نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی کہ لے آئیے

ہے اور دوسری قوم کو آگے بڑھایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی نوخیز قوتوں اور جوان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر علم و فن اور حکمت و دانش کے کارواں کی قیادت سنبھال لے۔ اے مخاطبین! تم بھی ان گزری ہوئی اور بسری ہوئی قوموں کے جانشین ہو۔ قدرت کی نگاہ ہر وقت تمہاری کڑی نگرانی کر رہی ہے۔ اگر تم نے راست بازی و عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا، نیکی کو فروغ دینے اور بدی کا قلع قمع کرنے میں مقدور بھر سعی کی، اپنے مالک و خالق کے سامنے اپنی جبین نیاز کو جھکائے رکھا اور نوع انسانی کی خدمت میں اپنے وسائل اور اپنی قوتوں کو استعمال کرتے رہے تو تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اور اگر تم نے بھی اپنے مقصد سے کوتاہی برتی تو یاد رکھو تمہیں بھی ٹھکرا دیا جائے گا۔ اس برِّعظیم پاک و ہند میں اپنے عروج و زوال کی تاریخ پر نظر ڈالو۔ قدم قدم پر آپ کو اس ارشاد ربانی کی تصدیق کرنے والے شواہد ملیں گے۔ غلامی کی طویل رات کے بعد ہمیں صبح آزادی سے ہمکنار کیا گیا۔ کیا ہم اپنی نفع رسانی اور افادیت کا ثبوت بہم پہنچانے میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ تو نہیں کر رہے۔ کیا ہماری قوتیں نیکی کو مٹانے اور بدی کو فروغ دینے میں تو صرف نہیں ہو رہیں۔ کیا ہم خدا پرستی کی بجائے نفس پرستی کا شکار تو نہیں ہو رہے؟ ان سوالات کا جواب ہمیں بڑی حقیقت پسندی سے دینا ہوگا۔ قدرت کے قانونِ احتساب کے حرکت میں آنے سے پہلے ہمیں خود اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ اسی میں ہماری نجات ہے اور اسی میں ہماری فلاح ہے۔

۲۹ کفار بھی انوکھی کھوپڑی کے لوگ تھے۔ جب حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دعوت حق دیتے اور آیات ربانی پڑھ کر سناتے تو کہتے کہ ٹھیک ہے ہم آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ آپ اپنی لائی ہوئی کتاب میں ہماری خاطر چند تبدیلیاں کر دیں۔ ایک تو ہمارے بتوں کی جہاں جہاں مذمت کی گئی ہے وہ کتاب سے نکال دیں۔ دوسرا شریعت کے وہ احکام جو ہمارے رسم و رواج کے خلاف ہیں یا ہماری معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں ان کو حذف کر دیں۔ بس آپ اتنا کر دیں، ہم سب کے سب آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں گے۔ وہ نادان نبوت کی عظمت اور شانِ امانت کو کیا جانیں۔ وہ رسالت کی ان نازک ذمہ داریوں سے بے خبر تھے جن میں بال برابر ردّ و بدل بھی ناقابلِ برداشت ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انسانی کلام کی طرح یہاں بھی ترمیم ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہیں کہ ان عقل کے دشمنوں کو صاف صاف بتا دو کہ تمہاری اس خواہش کو پورا کرنا میرے حیطۂ امکان سے خارج ہے۔ قدرت نے مجھے اپنے کلام کا امین بنایا ہے۔ میں اس میں خیانت کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ میرا فرض تو بس اتنا ہے کہ جو کچھ میرا رب حکم فرمائے بلا کم و کاست آگے پہنچا دوں۔ تم سرکشی اور نافرمانی کی جرأت کر سکتے ہو مجھ سے تو یہ ہو نہیں سکتا۔ اس کے قہر و غضب کی جو بجلیاں کوند رہی ہیں تمہاری آنکھیں تو نہ دیکھ سکتی ہوں گی لیکن میں تو ان سے چشم پوشی نہیں کر سکتا۔ اگر میں تمہیں خوش کرنے کے لیے کلام الٰہی میں ذرہ بھر کمی بیشی کروں تو کیا

بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ

دوسرا قرآن اس (قرآن) کے علاوہ یا رد و بدل کر دیجئے اسی میں۔ فرمائیے مجھے اختیار نہیں کہ رد و بدل کر دوں اس میں

تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ

اپنی مرضی سے میں نہیں پیروی کرتا (کسی چیز کی) بجز اس کے جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میں ڈرتا ہوں اگر میں

عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ

اپنے رب کی نافرمانی کروں، بڑے دن کے عذاب سے۔ آپ فرما دیجئے اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو میں نہ پڑھتا اسے

عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ

تم پر سے اور نہ ہی وہ آگاہ کرتا تمہیں اس سے۔ میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر (کا ایک حصہ) اس سے پہلے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ

کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔ پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا یا جھٹلائے

تم میں اتنی ہمت ہے کہ روزِ حشر خداوند ذوالجلال کے عذابِ الیم سے مجھے چھڑا سکو؟

(۲) اے میرے محبوب! انہیں صاف صاف بتا دو کہ یہ کلام میرا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے وحی سے مشرف نہ فرماتا تو میں اُمی ہوتے ہوئے ایسا کلام معجز نظام کیونکر پیش کر سکتا۔ ذرا سوچو تو میں چالیس سال کا عرصہ دراز تمہارے درمیان گزار چکا ہوں کیا میں نے پہلے بھی کبھی ایسی بات کہی تھی۔ جب میری صداقت میری سچائی، میری دیانت و امانت تمہارے نزدیک بھی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے تو میری بات کو مان لو کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ اس میں کسی قسم کا رد و بدل کرنا میرے بس کی بات نہیں۔

(۳) گناہ طرح طرح کے ہیں۔ کوئی چھوٹا کوئی بڑا لیکن اس سے بڑا اور کوئی گناہ نہیں کہ کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے کوئی شخص کسی کلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دے۔ تم میرے دامن کی پاکی اور اخلاق کی بلندی اور سیرت کی پختگی کے عینی شاہد ہو کیا تم باور کر سکتے ہو کہ جو شخص اتنا محتاط ہو کہ چھوٹے چھوٹے گناہ سے بھی اپنا دامن بچاتا رہا ہو وہ اچانک ایسے گناہ کے ارتکاب کی جرأت کرے جس سے بڑا اور کوئی گناہ نہیں۔ نیز یہ بھی یاد رکھو کہ جس طرح کسی بات کو ناحق اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ظلم عظیم ہے اسی طرح اس کے نازل فرمائے ہوئے قرآن کا انکار بھی ظلم عظیم ہے۔

كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٧﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو۔ بیشک مجرم فلاح نہیں پاتے۔ ٣١ اور (یہ مشرک) عبادت کرتے ہیں ٣٢ اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا

سوا ایسی چیزوں کی جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتی ہیں اور وہ کہتے ہیں یہ (معبود) ہمارے سفارشی ہیں

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي

اللہ تعالیٰ کے ہاں ٣٣ آپ فرمائیے کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے جو وہ نہیں جانتا نہ آسمانوں میں اور نہ

٣١ اگر میں اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات منسوب کروں تو میں مجرم اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی بات کا انکار کرو تو تم مجرم۔ در حقیقت ہے کہ کوئی مجرم کامگار و کامران نہیں ہو سکتا۔ اب خود دیکھو کہ فلاح و کامیابی کا تاج کس کے سر پر ہے اور ناکامی و نامرادی کی ذلت کس کے منہ پر۔ تمہیں راستباز اور مجرم کے پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔

٣٢ قرآن کریم میں ترمیم و اصلاح کا مشورہ دینے والے نشوروں کی دانشمندی کی قلعی کھول جا رہی ہے کہ ایسے بدھو ہیں کہ مٹی اور پتھر کے بے جان مجسموں کو اپنا معبود و مسجود بنائے ہوئے ہیں اور اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ پتھر کا روڑا جو کل تک زمین پر پڑا ہوا تھا وہ کسی صنم تراش کے ہتھوڑے کی چند ضربوں سے کیونکر خدائی کی مسند پر براجمان ہو کر ان کا حاجت روا بن گیا۔ یہ بت جو کسی نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتے ان کی عبادت کرنا کیا شرف انسانی کی توہین نہیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت تو تعظیم و تکریم کا سب سے بلند مقام ہے اور یہ اسی کے لئے زیبا ہے جس کا احسان و انعام تمام احسانات و انعامات سے اعلیٰ و برتر ہو جیسے زندگی، عقل و قدرت اور دنیوی اور اخروی منافع و فوائد یہ سب چیزیں تو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عطا فرمودہ ہیں۔ اس لیے اس کے بغیر اور کون ہے جسے خدا بنایا جائے ان العبادۃ من اعظم انواع التعظیم فھی لا تلیق الا لمن صدر عنہ اعظم انواع الانعام وذالک لیس الا الحیاۃ والعقل والقدرۃ ومصالح المعاش والمعاد واذا کانت المنافع والمضار کلھا من اللہ سبحانہ وتعالیٰ وجب ان لا تلیق العبادۃ الا ﷲ تعالیٰ (تفسیر کبیر)

٣٣ ان بتوں کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ وہ ان کی شفاعت کریں گے اور انہیں عذاب الٰہی سے بچا لیں گے۔ یہ بھی ان کی نادانی تھی شفیع تو وہ ہوگا جسے بارگاہ رب العزت سے شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت ہوگی۔ ان کو تو شفیع بنایا ہی نہیں گیا۔ ان کی کیا مجال کہ اس بارگاہ عزت و جلال میں زبان تک بھی ہلا سکیں۔

الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٨﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ

زمین میں ۳۵ پاک ہے وہ اور بلند و بالا ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں ۳۶ اور نہیں تھے لوگ (ابتدا میں)

إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ

مگر ایک ہی امت ۳۷ پھر (اپنی کجروی سے) باہم اختلاف کرنے لگے اور اگر ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی آپ کے رب کی

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٩﴾ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ

طرف سے تو فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں ۳۸ کیوں نہ نازل کی گئی ان پر

عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم

کوئی آیت ان کے رب کی طرف سے تو آپ فرمائیے غیب تو صرف اللہ کے لیے ہے پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ

مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّن بَعْدِ ضَرَّاءَ

انتظار کرنے والا ہوں اور جب ہم لطف اندوز کرتے ہیں لوگوں کو (اپنی) رحمت سے اس تکلیف کے بعد جو

۳۵ بتوں کے متعلق ان کے دونوں عقیدے بیہودہ اور لغو ہیں۔ جب ان کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تو ان پر غور کرنے کی ہی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر ان کا کوئی وجود ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ عام لوگوں کو اس کا علم نہ ہو لیکن کوئی چیز جو موجود ہو خواہ وہ کتنی مخفی اور پوشیدہ ہو وہ ہمہ بین اور ہمہ دان خدا سے تو پوشیدہ نہیں ہو سکتی اور جب اسے بھی اس کی خبر نہیں تو پھر ان کا سرے سے وجود ہی نہ ہوگا۔ بتوں کی خدائی اور ان کی شفاعت کا رد کس بلیغ پیرائے میں کیا گیا ہے۔

۳۶ ان کی ساری یاوہ گوئیوں اور بیہودہ سرائیوں کا رد فرما دیا۔

۳۷ چاہیئے تو یہ تھا کہ جب انھوں نے حق کو قبول کرنے سے دانستہ انکار کیا اور انسانی وحدت کو کفر و الحاد کے فساد انگیز نظریات و عقاید سے پارہ پارہ کر دیا تو فوراً انھیں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جاتا لیکن قدرت اتنی زود گیر اور تنک مزاج نہیں وہ انسان کو سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے کافی مہلت دیتی ہے اور طرح طرح سے اسے خواب غفلت سے جھنجوڑتی ہے۔

۳۸ وہ نزول عذاب کے لیے بڑی بے چینی کا اظہار کر رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ انھیں آگاہ کر دیں کہ ان امور کا تعلق مشیت الٰہی سے ہے جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا تو ان پر عذاب نازل کر دیا جائے گا۔ اگر تم نے گمراہی کے اندھیروں میں ہی بھٹکتے رہنے کا ارادہ کر لیا ہے اور حق کو قبول نہ کرنے کا عزم کر لیا ہے تو پھر وہ وقت ضرور آئے گا تم بھی انتظا

مَّسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ

انھیں پہنچی ۳۹ تو فوراً وہ مکر و فریب کرنے لگتے ہیں ہماری آیتوں میں۔ فرمائیے اللہ زیادہ تیز ہے اس فریب کی سزا دینے میں ۴۰ بے شک

رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ

ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قلمبند کر رہے ہیں جو فریب تم کر رہے ہو ۴۱ وہی ہے جو سیر کراتا ہے تمھیں خشکی میں اور سمندر میں ۴۲

کرو میں بھی تمھارے ساتھ مل کر انتظار کرنے والا ہوں۔

۳۹ یہاں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور بارگاہِ الٰہی میں حضور کی قدر و منزلت کی ایک روشن دلیل کی طرف اشارہ کر کے کفار و مشرکین کے عناد و تعصب کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اتنی روشن اور واضح دلیل کے بعد بھی وہ اپنی کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ روایت لکھی ہے کہ جب کفار کا عناد اور ایذا رسانیاں بڑھتی چلی گئیں تو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بارگاہِ خداوندی میں التجا کی اللّٰهم اعنّی علیهم بسبع کسبع یوسف۔ اے اللہ ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا سات سالہ قحط مسلط فرما کر میری مدد فرما۔ چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی اور قحط سالی نے اتنی شدت اختیار کی کہ ہر طرف خاک اڑنے لگی۔ غلہ اور دیگر اشیاء نایاب ہو گئیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ سوکھے چمڑے اور مردار کھا کر اپنی شکم پری کرنے پر مجبور ہو گئے جب سخت مجبور ہو گئے اور نجات کی کوئی راہ نظر نہ آئی تو ابو سفیان بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور آ کر عرض کرنے لگا یا محمد انک تامر بطاعة الله وصلة الرحم وان قومك قد هلكوا فادع الله لهم ان يكشف عنهم فدعا (مظہری عن بخاری) اے محمد، آپ اطاعتِ الٰہی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم قحط سالی کے باعث ہلاک و برباد ہو چکی ہے۔ اپنے رب سے التجا کرو کہ وہ ہماری اس تکلیف کو دور فرما دے تو حضور نے بارگاہِ رب العزت میں دستِ دعا دراز فرمایا۔ پھر کیا تھا موسلا دھار بارش برسی ہر طرف جل تھل ہو گیا مردہ زمین میں زندگی اور شادابی لوٹ آئی اور شدید خشک سالی خوشحالی میں بدل گئی۔ انھوں نے دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی برکت سے ان پر رحم و کرم کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ حضور کے دامنِ رحمت کو مضبوطی سے تھام لیتے اور جس دینِ برحق کی طرف حضور بلا رہے تھے اس کو فوراً بصد خوشی قبول کر لیتے۔ لیکن ان کی اسلام دشمنی اور مسلم آزاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ ان ظالموں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ ہمارے بتوں کی کرپا ہے یا فلاں ستارے کے طلوع ہونے سے بارش برسی ہے۔ ان کے اس رویہ کو اذا لهم مكر في آياتنا کے کلمات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴۰ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف بڑی مہارت اور چابکدستی سے مکر و فریب کے جو جال وہ بُن رہے تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں پارہ پارہ کر دیا چند سال ہی نہ گزرنے پائے تھے کہ ان کے مشرکانہ عقاید کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ ان کے بڑے بڑے بتوں کو ان کے اپنے پجاریوں نے ہی ریزہ ریزہ کر دیا۔ وہی جو اسلام کے چراغ کو بجھانے کے لیے سارے جتن کر رہے تھے۔ وہی چراغِ حق کے پروانے بن گئے۔ لفظ مکر کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۵۴ کا حاشیہ ضیاء القرآن)

حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا

یہاں تک کہ جب تم سوار ہوتے ہو کشتیوں میں ۴۳ اور وہ چلنے لگتی ہیں مسافروں کو لیکر موافق ہوا کی وجہ سے اور وہ مسرور ہوتے ہیں

جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا

اس سے (تو اچانک) آلیتی ہے انھیں تند تیز ہوا اور آلیتی ہیں انھیں موجیں ہر جگہ (طرف) سے اور وہ خیال کرنے

۴۱؎ یعنی تم بڑی رازداری سے اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہو رات کی تاریکی میں سنسان گوشوں میں بیٹھ کر میرے محبوب کو اذیت پہنچانے کی سعی مذموم کرتے ہو اور دل ہی دل میں یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری یہ کاروائی ایک سر مکتوم ہے جس کو کوئی نہیں جانتا۔ نالائقو! کس سے چھپا رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ سے! اس کے تو مقرر کیے ہوئے فرشتے تمہارے دائیں بائیں بیٹھے تمہاری زبان پر آنے والی ہر بات اور تم سے سرزد ہونے والی ہر حرکت کو تمہارے نامۂ عمل میں لکھ رہے ہیں۔ جب وہ دفتر روز محشر کھولا جائے گا تو اس وقت کہاں منہ چھپاؤ گے؟

۴۲؎ یہاں اپنی قدرت اور رحمت کی ایک اور نشانی اور اپنے ایک خاص انعام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ دیکھو اس نے اپنے فضل و کرم سے تمہارے لیے سواریوں کا انتظام فرما دیا ہے جن کے ذریعہ تم لمبی مسافتوں کو آسانی سے طے کر سکتے ہو۔ اگر یہ تیز رفتار سواریاں نہ ہوتیں تو تم بحر و بر کی ان وسعتوں میں ہی کھو کر رہ جاتے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچنے میں عمریں صرف ہو جاتیں۔ بھلا تم سمندر کے گہرے اور بیکراں پانی کو عبور کر سکتے تھے؟ یہ سب اس کی عنایت اور اس کا کرم ہے کہ اس نے ایسی سواریوں کا بندوبست فرما دیا جو تمہیں اپنے کندھوں پر اٹھائے بڑی برق رفتاری سے کھلے میدانوں، دشوار پہاڑی رستوں، گھنے جنگلوں، ریگستانوں، دریاؤں اور فضاؤں میں دوڑی پھرتی ہیں۔ غور کرو اگر آمد و رفت کی یہ سہولتیں نہ ہوتیں تو علم و فن کی یہ ترقی، تجارت و صنعت کی یہ گہما گہمی اور تہذیب و تمدن کی یہ بہار معرض وجود میں آسکتی؟ ہرگز نہیں۔ پھر تم اس کا شکر کیوں نہیں بجا لاتے؟

۴۳؎ جب مصیبتوں کے مہیب بادل گھر کر آجاتے ہیں، جب غم و اندوہ کا اندھیرا پھیل جاتا ہے، جب سارے مصنوعی سہارے ٹوٹ جاتے ہیں، جب تمام دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، جب دل کی کشتی مایوسی اور ناامیدی کے طوفان میں ڈولنے لگتی ہے اس وقت انسان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور ایک ایسی ہستی کا یقین آنے لگتا ہے جس کو ماننے سے آج تک وہ انکار کرتا رہا تھا۔ اس کے دامن رحمت میں سر چھپانے کے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا جس کی وہ اب تک نافرمانی کرتا رہا تھا۔ اس وقت انسان تمام معبودان باطل سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس سے گڑگڑا کر اپنی فلاح و نجات کے لیے سوال کرتا ہے اور پختہ وعدہ کرتا ہے کہ اگر ایک دفعہ تو نے مجھے اس گرداب ہلاکت سے بچا لیا تو عمر بھر تیری چوکھٹ سے سر نہیں اٹھاؤں گا۔ اگر ایک مرتبہ تو نے میری بیچارگی پر ترس کھایا تو دم واپسیں تک تیری حمد و ثنا کے گیت گاتا رہوں گا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے اس کو نوازتا ہے اس کی امیدوں کے ڈوبتے ہوئے سفینے کو ساحل مراد تک پہنچا دیتا ہے تو وہ پھر کفر و شرک کرنے لگتا ہے اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ اس نے کس کریم کو اس نازک وقت میں پکارا تھا مصیبت کی ان گھڑیوں میں اس نے کیا وعدہ کیا تھا۔

أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا

کہتے ہیں کہ انھیں گھیر لیا گیا (تو اس وقت) پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے ۳۲ کہتے ہیں اے کریم! اگر تو نے

مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِينَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّا أَنْجٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ

بچا لیا ہمیں اس (طوفان) سے تو ہم یقیناً ہو جائیں گے (تیرے) شکر گزار (بندوں) سے۔ پھر جب بچا لیتا ہے انھیں تو وہ سرکشی کرنے لگتے ہیں

فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ ۖ مَّتَاعَ

زمین میں ناحق اے لوگو! تمھاری سرکشی کا وبال تمھیں پر پڑے گا ۳۳ لطف اٹھا لو

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾

دنیوی زندگی سے پھر ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تمھیں پھر ہم آگاہ کریں گے تمھیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے

۳۲ علامہ رازیؒ نے حضرت امام جعفر صادقؓ سے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ کسی نے آپ سے اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے پر دلیل طلب کی آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو۔ اس نے عرض کی میرا پیشہ سمندری تجارت ہے۔ آپ نے اس سے اپنے بحری سفر کا کوئی واقعہ سنانے کی فرمائش کی۔ اس نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ طوفان آیا اور میری کشتی ٹوٹ گئی۔ مجھے ایک تختہ مل گیا میں اس کے سہارے سمندر میں تیرنے لگا۔ اچانک تیز آندھی چلنے لگی۔ آپ نے جھٹ اس سے پوچھا بتاؤ جب تمھاری کشتی ٹوٹ چکی تھی اور تمھارا تختہ بپھری ہوئی موجوں کے رحم و کرم پر تھا کیا اس وقت تمھارے دل میں کسی برتر ہستی کے حضور میں عجز و نیاز کے جذبات پیدا ہوئے تھے۔ اس نے جواب دیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا فالٰھک ھو الذی تضرعت الیہ فی ذلک الوقت : وہ ہے تیرا معبود اور خدا جس کے لیے مصیبت کی گھڑی میں تمھارے دل میں نیازمندی اور عاجزی کے جذبات پیدا ہوئے تھے (رازی) علامہ قرطبی نے یہاں بڑے نکتہ کی بات رقم فرمائی ہے کہ نفسیاتِ انسانی کے اس تجزیہ سے معلوم ہوا کہ یہ چیز انسانی فطرت میں رکھ دی گئی ہے کہ جب تکالیف کے مہیب سائے اسے گھیر لیتے ہیں تو اس کے دل میں اس وقت صرف اپنے ربِ حقیقی کا ہی خیال پیدا ہوتا ہے اور اسی کے دامنِ رحمت میں پناہ کی امید بندھتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مضطر اور پریشان حال کی التجا قبول فرماتا ہے خواہ وہ کافر ہی ہو کیونکہ اس وقت جھوٹے سہارے ختم ہو چکتے ہیں اور صرف اسی (اللہ تعالیٰ) کی رحمت کا سہارا باقی رہ جاتا ہے وفی ھذا دلیل علی ان الخلق جبلوا علی الرجوع الی اللہ فی الشدائد وان المضطر یجاب دعاؤہ وان کان کافرا لانقطاع الاسباب ورجوعہ الی الواحد رب الارباب (قرطبی)

۳۳ ان کی اس احسان فراموشی اور وعدہ شکنی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور اسلام کی ترقی میں کوئی رکاوٹ

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ

حیات دنیوی (کے عروج و زوال) کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے ۴۳ پس گھنی ہو کر اگی

نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ

پانی کے باعث سرسبزی زمین کی جس سے انسان بھی کھاتے ہیں اور حیوان بھی۔ یہاں تک کہ جب لے لیا

الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ

زمین نے اپنا سنگار اور وہ خوب آراستہ ہو گئی اور یقین کر لیا اس کے مالکوں نے کہ (اب) انھوں نے قابو پا لیا ہے اس پر

اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ

(تو اچانک) آ پڑا اس پر ہمارا حکم (عذاب) رات یا دن کے وقت پس ہم نے کاٹ کر رکھ دیا اسے گویا کل وہ یہاں تھی ہی نہیں

پیدا نہ ہو گی البتہ اس کی نحوست ان کے لیے وبالِ جان ثابت ہو گی اور ان کو نیست و نابود کر دے گی۔

۴۳ـــہ اللہ تعالیٰ انسانی زندگی کے عروج و زوال اور بہار و خزاں کی ایک اور اثر انگیز اور دلنشیں مثال ذکر فرماتے ہیں جو حقیقت سے اتنی قریب ہے کہ وضاحت کی حاجت نہیں اور اتنی کثرت سے وقوع پذیر ہے کہ اس میں کسی کو تردد نہیں۔ میرے خیال میں زمین کو جو آراستگی اور زیبائش آج نصیب ہے شاید ہی کبھی نصیب ہوئی ہو۔ عمارتیں ہیں جو اپنی بلندی میں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں ان کے برقی طاقتور قمقمے اپنی چمک دمک میں ستاروں کو شرما رہے ہیں۔ دریاؤں کے سرکش پانیوں کو ڈیموں میں بند کر دیا گیا ہے۔ بنجر زمینیں سونا اگل رہی ہیں۔ چٹیل میدانوں میں سرسبز و شاداب کھیت لہلہا رہے ہیں۔ صحرا رشکِ ارم بنتے جا رہے ہیں بازاروں میں دنیا بھر کی عجیب و غریب مصنوعات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ انسان کے علم کی حدیں پھیلتی جا رہی ہیں۔ اس کی جستجو اور تجسس کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ سمندر کی اتھاہ گہرائیاں پایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ فضا کی وسعتیں سکڑ گئی ہیں۔ کاش! انسان تسخیر کائنات کے خواب دیکھنے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو بھی سمجھ لے کہ اس عالم رنگ و بو کا ایک خالق و مالک بھی ہے جس نے اس جہان کو ساری رعنائیاں بخشی ہیں۔ جس نے خود اس انسان کو بھی پیدا فرمایا ہے اور اس کو عقل و فکر اور قلب و نظر کی دولت سے مالا مال کیا ہے جن کے بل بوتے پر اس نے اتنی ترقی کی ہے۔ اس کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے کریم خالق کو پہچانے اور اس کے احکام بجا لائے اور اس کے ارشادات کی صدقِ دل سے اطاعت کرے ایسا نہ ہو کہ انما بغیکم علی انفسکم کا روح فرسا منظر دیکھنا پڑے اور ایٹمی دھماکوں سے یہ دنیا جہنم زار بن جائے جو سارے نوعِ انسانی کو ہی ختم کر کے رکھ دے۔ اور اگر کہیں دور دراز گوشوں میں کچھ لوگ بچ بھی جائیں تو انھیں خبر ہی نہ ہو کہ آج جہاں خاک کے تودے نظر آ رہے ہیں وہاں کبھی فلک بوس عمارتیں تھیں۔ جہاں آج ویرانی اور بربادی نے پنجے گاڑے ہوئے ہیں

بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝٢٤ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

یونہی — ہم وضاحت سے بیان کرتے ہیں اپنی قدرت کی نشانیوں کو اس قوم کیلئے جو غور و فکر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے

اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٢٥ لِلَّذِيْنَ

(ہمیں) سلامتی کے گھر کی طرف اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف۔ ان کے لیے جنھوں

اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ

نے نیک عمل کیے نیک جزا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور نہ چھائے گا ان کے چہروں پر (رسوائی کا) غبار اور نہ ذلت (کا اثر ہوگا)

اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٢٦ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ

یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جنھوں نے بُرے کام کیے

وہاں کبھی نور و نکہت کے سمندر موجزن تھے۔ جہاں آج وحشت و دہشت کا عفریت پھنکار رہا ہے وہاں کبھی بہاریں اٹکھیلیاں کیا کرتی تھیں۔

۴۲ یعنی عروج و زوال کے ان گزشتہ واقعات کو بیان کرنے کا مقصد داستان سرائی نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اہل علم و دانشوران اسباب کا سراغ لگائیں جن کی وجہ سے یہ آباد شہر اور پُر رونق بستیاں اور خوشحال قومیں برباد ہوگئیں تاکہ وہ ان غلطیوں کا ارتکاب کرنے سے بچیں۔

۴۳ اللہ تعالیٰ تمھیں فانی دنیا اور اس کی فنا پذیر لذتوں میں کھو جانے سے اس لیے روکتا ہے کہ تم کہیں ہوا و ہوس کی زنجیروں میں مقید ہو کر نہ رہ جاؤ نفس و شیطان کے فریب میں پھنس کر اپنے حقیقی مقام سے بے خبر نہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمھیں ایسی راہ پر چلنے کی دعوت دیتا ہے جس پر چل کر تم اپنی منزل پالوگے تمھاری روح سدرہ نشین ہوگی اور تم قرب الٰہی کی سعادت سے بہرہ اندوز کر دیے جاؤ گے۔

۴۴ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ اطاعت گزار اور فرمانبردار بندوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوگا کہ جتنی انھوں نے نیکیاں کی ہیں ناپ تول کر ان کے برابر ان کو اجر دے دیا جائے گا اور بس بلکہ اجر کے علاوہ انھیں مزید انعامات اور احسانات سے بھی نوازا جائیگا۔ جن کا اندازہ آج کسی پیمانے سے نہیں لگایا جا سکتا۔

۴۵ لیکن بدکاروں کو سزا اُن کے جرم سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔ جتنا جرم ہے اتنی ہی سزا۔ نیک بندوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں جود و عطا کو ملحوظ رکھا جائے گا اور بدکاروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں عدل و انصاف کو پیش نظر رکھا جائیگا

جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

تو برائی کی سزا اس جیسی ہوگی۔ اور چھا رہی ہوگی ان پر ذلت۔ نہیں ہوگا ان کے لیے اللہ (کے عذاب) سے

عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ

کوئی بچانے والا۔ گویا ڈھانپ دیئے گئے ہیں ان کے چہرے کالی رات کے کسی ٹکڑے سے

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ

وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور (ان کی پشیمانی کا تصور کرو) جس روز ہم جمع کریں گے

نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ

ان سب کو (میدان حشر میں) پھر ہم حکم دیں گے مشرکوں کو تم اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ تم اور تمہارے جھوٹے معبود پھر ہم منقطع کر دیں گے ان کے باہمی تعلقات

وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٨﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

اور کہیں گے ان کے معبود اے مشرکو! تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے پس کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ ہمارے درمیان

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا

اور تمہارے درمیان کہ ہم تمہاری پرستش سے بالکل بےخبر تھے وہاں آزمائے گا

لك ان آیات میں کفار و مشرکین کو میدان حشر میں پیش آنے والے واقعات سنا کر انہیں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ آج تمہیں ہمارا رسول دلائل پیش کر کے اور معجزات دکھا کر دعوتِ توحید دے رہا ہے لیکن تم پرواہ نہیں کرتے اور اپنے ان مٹی اور پتھر کے بتوں کو پوجتے چلے جا رہے ہو۔ یاد رکھو قیامت کا دن آنے والا ہے۔ اس روز تمہارے یہ معبود تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ بلکہ وہ تم سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کریں گے اس وقت تم فرطِ ندامت سے ہونٹ کاٹو گے، لیکن بے سود۔ کل کی پشیمانی اور رسوائی سے بچنا چاہتے ہو تو آج میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قبول کر لو۔ ان کا دامنِ کرم تھام لو اور ان کی پیروی کو اپنا شعار بناؤ۔

كُلُّ نَفْسٍ مَّآ أَسْلَفَتْ وَرُدُّوٓا إِلَى ٱللَّهِ مَوْلَىٰهُمُ ٱلْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُم

ہر شخص جو اس نے آگے بھیجا تھا اور انھیں لوٹا دیا جائیگا اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے اور گم ہو جائینگے ان سے

مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ أَمَّن

جو وہ افترا باندھا کرتے تھے آپ پوچھیے کون رزق دیتا ہے تمھیں ۳۲ آسمان اور زمین سے یا کون

يَمْلِكُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَمَن يُخْرِجُ ٱلْحَىَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور (کون) نکالتا ہے

ٱلْمَيِّتَ مِنَ ٱلْحَىِّ وَمَن يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُ ۚ فَقُلْ

مردہ کو زندہ سے اور کون ہے جو انتظام فرماتا ہے ہر کام کا ؟ تو وہ (جواباً) کہیں گے اللہ! پس آپ کہیے

۳۲ مشرکین کی ذہنی پستی اور فکری انحطاط اور گراوٹ کا ذکر کرنے کے بعد ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی پر ایسی کاری ضربیں لگائی جا رہی ہیں جن کا جواب ان کے پرستاروں کے پاس بھی نہیں۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ بتوں کو اپنا خدا ماننے والو! ذرا یہ بتاؤ یہ قسم قسم کے اناج، رنگ برنگ پھل اور طرح طرح کی سبزیاں کس نے پیدا کی ہیں۔ یہ سینکڑوں قسم کے جانور جن کا تم گوشت کھاتے ہو کس کی پیداوار ہیں۔ تم تو زمین میں ہل چلا کر بیج ہی ڈال آتے ہو۔ اس کے بعد جو ابرِ رحمت برس کر انھیں سیراب کرتا ہے۔ چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی روپہلی کرنیں اور سورج کی گرم گرم سنہری شعاعیں جو اس ننھے سے بیج سے ایک درخت نکالتی ہیں اس کو رنگ و بو سے نوازتی ہیں۔ اس میں ذائقہ کی رس گھولتی ہیں۔ یہ ہوائیں جو نر مادہ کے شگوفوں میں عمل تلقیح (POLLINATION) انجام دیتی ہیں۔ ذرا انصاف سے بتاؤ آفرینش اور نشو و نما کے اس عمل (PROCESS) کی طویل زنجیر میں کوئی ایک بھی ایسی کڑی ہے جس کی نسبت تمھارے ان بتوں کی طرف کی جا سکتی ہو؟ پھر دیکھو! تمھیں آنکھ اور کان کس نے بخشے ہیں۔ ان میں دیکھنے اور سننے کی قوت کس نے رکھی ہے۔ تم اس نازک اور پیچیدہ مشینری کو دیکھو کس حکمت اور مہارت سے بنائی گئی ہے۔ ذرا سوچ کر بتاؤ کہ یہ کارنامہ تمھارے معبودوں نے سر انجام دیا ہے۔ اور سوچو زندگی اور موت دو متضاد قوتیں ہیں۔ لیکن چشمِ حقیقت آشنا کھول کر دیکھو اور بتاؤ کس کی قدرت ایک مردہ چیز (نطفہ انڈا وغیرہ) سے زندگی کے چشمے جاری کرتی ہے اور کس طرح زندگی کے شکم سے مردہ اشیا پیدا کرتی ہے۔ کیا اس میں تمھارے بتوں کا کوئی دخل ہے۔ آخر میں یہ بلا مع فرما کر بتا دیا کہ یہ چند چیزیں تو بطورِ مثال ذکر کی گئی ہیں ورنہ اس کارخانۂ ہستی کی جس چیز کی طرف تم دیکھو گے وہاں اسی کی قدرت، حکمت اور علم کامل کے جلوے تمھیں نظر آئیں گے۔ غرضیکہ سبب اور مسبب، علت اور معلول، موثر اور اثر کے باہمی تعلق کا جو نظام محکم قائم ہے وہ سوچنے والے انسان کو محوِ حیرت کر دیتا ہے۔ اب بتاؤ کہ آسمان کی بلندیاں اور زمین کی پستیاں

أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣١﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا

(جب حقیقت یہ ہے) تو تم (شرک سے) کیوں نہیں بچتے یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا حقیقی پروردگار ہے ۵۳ پس حق کے بعد کیا ہے بجز

الضَّلٰلُ ۚ فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى

گمراہی کے ۵۴ پھر تمہیں (حق سے) کدھر موڑا جا رہا ہے۔ یونہی ثابت ہو چکی ہے آپ کے رب کی بات ۵۵ ان پر جو

مہروماہ کی تابانیاں اور ستاروں کی تنک تابیاں، انسانی اور دیگر حیوانی افزائش نسل کے قواعد، یہ گھنگھور گھٹائیں اور لہلہاتے ہوئے کھیت کس نے پیدا فرمائے ہیں۔ کیا تم میں یہ کہنے کی ہمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور ان کا خالق ہے؟ ہرگز نہیں جب یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے تو پھر تم اس کے سوا کسی غیر کو الٰہ اور معبود کیوں مانتے ہو۔ اس کے بغیر کسی اور کو اپنا مسجود کیوں بناتے ہو۔ کیا تمہیں اپنے ہولناک انجام کا کوئی ڈر نہیں۔

۵۳ جو ذات ان صفات کمال سے متصف ہے جو ان خوبیوں کی مالک ہے وہی تو خدائے برحق ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی کو اپنا خدا اور معبود بناؤ گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ ذرا غور تو کرو کہاں ظن و تخمین کے ریگزاروں اور وہم و گمان کے ویرانوں میں مارے مارے پھر رہے ہو۔

۵۴ اس آیت کے ضمن میں علمائے کرام نے شطرنج وغیرہ کے بارے میں تحریر کیا ہے اور ابوبکر ابن العربی الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں غناء کے متعلق بڑی محققانہ بحث کی ہے۔ انہیں کی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

واما الغناء فانه من اللهو المهيج للقلوب عند اكثر العلماء منهم مالك بن انس وليس فى القرآن ولا فى السنة دليل على تحريمه اما فى الحديث الصحيح اباحته وهو الحديث ان ابا بكر دخل على عائشة وعندها جاريتان من جاريات الانصار تغنيان بما تقاولت الانصار به يوم بعاث فقال ابو بكر امزمار الشيطان فى بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله دعهما يا ابا بكر فانه يوم عيد. فلو كان الغناء حراما ما كان فى بيت رسول الله وقد انكره ابو بكر بظاهر الحال فاقره النبى صلى الله عليه وسلم بفضل الرخصة والرفق بالخليقة فى اجمام القلوب اذ ليس جميعها يحمل الجد دائما وتعليل النبى صلى الله عليه وسلم بانه يوم عيد يدل على كراهية دوامه ورخصته فى الاسباب كالعيد والعرس وقدوم الغائب ونحو ذلك من المجتمعات التى تؤلف بين المفترقين والمفترقات عادة وكل حديث يروى فى التحريم وآية تتلى فيه فانه باطل سندا باطل معتمدا خبرا وتاويلا۔

(احکام القرآن جزو اول، لابی بکر ابن العربیؒ)

ترجمہ:۔ اکثر علماء کے نزدیک جن میں حضرت امام مالکؒ بھی ہیں، غناء ایک ایسا لہو ہے جو دلوں میں ہیجان پیدا کرتا ہے۔ اور قرآن و سنت میں اس کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اس صحیح حدیث سے اس کا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ایک روز حضرت عائشہؓ کے ہاں تشریف لے گئے ان کے پاس انصار کی دو لڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ

الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ

فسق و فجور کرتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے (اے حبیب) آپ پوچھیے کیا تمھارے معبودوں میں کوئی ہے

مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

جو آغاز آفرینش بھی کرے پھر (فنا کے بعد) اسے لوٹا بھی دے [۵۸] آپ ہی فرمائیے اللہ ہی آفرینش کی ابتدا بھی کرتا ہے اور (فنا کے بعد)

بجانے کے بارے میں کہتے تھے حضرت صدیق نے (غصہ سے) فرمایا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کاشانۂ اقدس اور اس میں شیطان کے آلات۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سنا تو فرمایا۔ اے ابوبکر! انھیں گانے دو۔ کیونکہ آج عید کا دن ہے۔ اگر غنا حرام ہوتا تو اس کا گزر حضور کے گھر کیونکر ہوتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے تو اسے بند کرنا چاہا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رخصت دی اور لوگوں سے نرمی فرمائی تاکہ وہ اس سے اپنے دلوں کو بہلا سکیں۔ کیونکہ ہر شخص ہر وقت ایسے زہد اور ایسی پابندی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ حضور کے اس ارشاد سے کہ آج عید کا دن ہے انھیں گانے سے نہ روکو' یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر وقت غنا سننا مکروہ ہے بلکہ خاص خاص تقریبات مثلاً عید، شادی، کسی مسافر کی واپسی وغیرہ مواقع پر اس کی رخصت ہے اور غنا کی حرمت پر جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ سند کے اعتبار سے یا معنی کے اعتبار سے قابل التفات نہیں ہیں۔"

[۵۸] تم سے پہلے جن کوتاہ اندیشوں اور بدنصیبوں نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اور فرمانبرداری اور تقویٰ کے بجائے فسق و فجور کو اپنا شعار بنایا۔ ہم نے ان سے ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت سلب کرلی اور ان کی آنکھوں کو نورِ حق دیکھنے کی قوت سے محروم کر دیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری ان مسلسل نافرمانیوں اور پیہم گستاخیوں کے باعث تم سے بھی حق کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی استعداد چھین لی جائے اور تم باطل کے گھپ اندھیروں میں ہی ٹکریں مارتے مارتے دم توڑ دو۔

[۵۹] بتوں اور باطل خداؤں کے پجاریوں سے ایک اور سوال پوچھا جارہا ہے کہ یہ بتاؤ اس عالم ہست و بود کو پیدا کس نے کیا اور قیامت کے روز کون انھیں دوبارہ زندہ کر کے میدانِ حشر میں لا کھڑا کرے گا؟ کیا تمھارے یہ معبود ان میں سے کسی بات پر قادر ہیں؟ کیا آسمان کا سائبان انھوں نے تانا ہے؟ چمکتے ہوئے دمکتے ہوئے ان گنت تارے انھوں نے اس کی بساط پر ٹانکے ہیں۔ یہ سب کچھ تو ان بتوں کے گھڑے جانے سے لاکھوں سال پہلے موجود تھا۔ پھر یہ ان کی پیداوار کیسے ہوئے۔ کیا پیدا کرنے والا پیدا کی جانے والی چیز سے خود بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ زمین کا فرش انھوں نے بچھایا ہے۔ کیا اس پر فلک بوس پہاڑ انھوں نے کھڑے کیے ہیں۔ کیا پانی اور خشکی کی آفرینش میں ان کا کوئی حصہ ہے۔ ہرگز نہیں۔ تو پھر یہ بت کائنات کے خالق کیونکر ہوگئے۔ تو جب اس ہیبت اور پُرعظمت جہان کو پیدا کرنے پر وہ قادر ہے تو اسے دوبارہ زندہ کرنے کی بھی وہ قدرت رکھتا ہے اور تمھارے یہ معبود جن کو تم خدا مانتے ہو اور خدا مان کر ان کی پوجا کرتے ہو یہ جب خلق و بعث دونوں میں سے کسی پر قادر نہیں تو پھر خالقِ حقیقی اور خدائے برحق کے سوا کسی کو خدا کیوں مانا جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کیوں کی جائے؟ کیونکہ سوال قیامت سے بھی ہو رہا

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٤﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ

ایسے لوٹانا بھی ہے پس (ہوش کرو) تم کدھر پھرے جاتے ہو آپ پوچھیے کیا تمہارے معبودوں میں سے کوئی حق کی طرف رہنمائی کر سکتا ہے ۵۳

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ

(خود ہی جواب) فرمائیے اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی فرماتا ہے تو کیا جو راہ دکھائے حق کی وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے

اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٥﴾

یا وہ جو خود ہی راہ نہ پائے مگر یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے۔ (اے مشرکین!) تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے غلط فیصلے کرتے ہو۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ

اور نہیں پیروی کرتے ان میں سے اکثر مگر محض وہم و گمان کی بلاشبہ وہم و گمان بے نیاز نہیں کر سکتا حق سے ذرہ بھر۔ ۵۵

ہے اور قیامت کے وہ قائل نہ تھے اس لیے جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔ قل اللہ۔

۵۴ چلو یہ تو تم نے بھی مان لیا کہ تمہارے ان معبودوں کا تخلیق کائنات اور احوالِ کائنات میں کوئی عمل دخل نہیں بھلا یہ بتاؤ کہ کیا ان کے پاس کوئی پیغامِ ہدایت ہے جس کی روشنی تمہاری زندگی کی شاہراہ کو جگمگا دے اور تم ٹھوکریں کھانے سے بچ جاؤ۔ کیا ان کے پاس کوئی ایسا منشور ہے جو تمہاری انفرادی اور اجتماعی ترقی کا ضامن ہو۔ کیا ان کے پاس کوئی ایسا ضابطہ اخلاق ہے جو تمہارے اعمال میں اخلاص اور نکھار پیدا کر دے اور تمہاری تمدنی اور معاشرتی سرگرمیوں کو عدل و انصاف کا آئینہ دار بنا دے۔ جب اس معاملہ میں بھی وہ صفر ہیں تو پھر ان کو خدا سمجھنا اور ان کی عبادت کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ خدا کی ذات تو وہ ہے جو رشد و ہدایت کا منبع ہے۔ ہدایت کا نور جس رنگ اور جس صورت میں بھی جلوہ طراز ہے وہ اس کی عنایت ہے وہی حق و صداقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہی حق و باطل میں تمیز کرنے والی فہم و دانش دیتا ہے۔ وہی اپنے جلیل القدر انبیاء مبعوث فرما کر دعوتِ حق دیتا ہے اور روشن معجزات سے حق کو واضح کرتا ہے اور وہی حق کو قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرماتا ہے اس لیے وہی سب کا خدا اور وہی سب کا معبود ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں جسے خدا بنایا جا سکے۔ قل اللہ یھدی للحق: ای بنصب الدلائل وارسال الرسل و التوفیق الی النظر الصحیح وخلق الھدایۃ۔

۵۵ لفظ ”ظن“ عربی زبان میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ صاحب تاج العروس نے لفظ ظن کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے۔ وفی البصائر وقد ورد الظن فی القرآن مجملا علی اربعۃ اوجہ بمعنی الیقین وبمعنی الشک وبمعنی التھمۃ وبمعنی الحسبان۔

إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ

بیشک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں ۵۹ ۔ اور نہیں ہے یہ قرآن کہ

ترجمہ:۔ بصائر (لغت کی ایک معتبر کتاب) میں ہے کہ قرآن کریم میں لفظ ظن چار معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور وہ معانی یہ ہیں:۔ یقین، شک، تہمت اور وہم و گمان۔

اس آیت میں ظن کا لفظ اپنے آخری معنی حسبان (یعنی وہم و گمان) میں مستعمل ہوا ہے۔ امام زمخشری نے لکھا ہے الظن، الوہم والخیال۔ یعنی یہاں ظن کا معنی وہم و گمان ہے۔ منکرین حدیث نے اس لفظ سے بڑا غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ بڑی شد و مد سے کہتے ہیں کہ علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ خبر واحد (حدیث کی ایک قسم) سے ظن حاصل ہوتا ہے اور ظن کے اتباع سے قرآن نے سختی سے منع کیا ہے اور اسے کفار و مشرکین کا شیوہ بتایا ہے کہ وہ ظن کی پیروی کرتے ہیں تو قرآن کی ان تصریحات سے صاف صاف معلوم ہوا کہ ظن کا اتباع جائز نہیں اور خبر واحد کیونکہ ظن کا فائدہ دیتی ہے اس لیے اس کا اتباع کرنا منشا خداوندی کے خلاف ہے۔ اس لیے وہ احادیث جو خبر واحد ہیں اور بیشتر وہ احادیث جن سے احکام مستنبط ہوتے ہیں وہ خبر واحد ہیں اس لیے وہ ساقط الاعتبار ہوں گی اور واجب العمل نہ ہوں گی۔

اس لیے جاننا چاہیے کہ علماء اصول نے ظن کو ایک مخصوص معنی میں استعمال کیا ہے اور قرآن نے جس ظن کے اتباع سے روکا ہے وہ ظن کا چوتھا معنی ہے۔ اس لیے ہم جس ظن کی پیروی کرتے ہیں وہ اور ہے۔ ہر جگہ ظن کا ایک معنی مراد لینا قرآن کریم کے ساتھ بے انصافی اور عربی لغت کے ساتھ ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر رحم فرماوے اور ایسی غلط فہمیوں سے بچائے جو شریعت کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کا باعث ہوں (اس کی مزید تفصیل کے لیے احقر کی تالیف سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صفحات ۱۸۶ تا ۲۰۰ ملاحظہ ہوں)

۵۹ یہاں انہیں سرزنش کی جارہی ہے کہ یہ مت سمجھو کہ تمہاری کارستانیوں کی کسی کو خبر نہیں۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اس پر کوئی محاسبہ نہ ہوگا۔ خوب کان کھول کر سن لو کہ تمہاری ہر حرکت پر علیم و خبیر خدا آگاہ ہے اور وہ تمہیں تمہارے کرتوتوں کی پوری پوری سزا دے گا۔ وعید علی الاعراض عن الحجج العقلیۃ والنقلیۃ اتباعاً للظن والتقلید۔ (مظہری)

۶۰ عقیدۂ توحید کے بعد جس چیز پر انہیں زیادہ اعتراض تھا وہ یہ تھی کہ قرآن مجید جو حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہیں پڑھ کر سناتے ہیں وہ کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے۔ یہ ان کے فہم و ادراک سے بالاتر تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندے پر کوئی کلام نازل ہوتا ہے۔ اس ہٹ دھرمی کے باوجود قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت سے انہیں انکار نہ تھا۔ بلکہ دل ہی دل میں وہ اس سے حد درجہ متاثر اور مرعوب تھے۔ قرآن کی اس حیرت انگیز تاثیر کی کیا وجہ ہے؟ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا کبھی وہ اسے جادو کہتے، کبھی حضور پر الزام لگاتے کہ انہوں نے خود گھڑا ہے اور ناحق اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی ہے تاکہ لوگ ان کے معتقد بن جائیں۔ کبھی کہتے

يُفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

گھڑ لیا گیا ہو اللہ تعالیٰ (کی وحی آنے کے بغیر) بلکہ یہ تو تصدیق کرنے والا ہے اس (وحی) کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہے

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

اور الکتاب کی تفصیل ہے ذرہ شک نہیں اس میں کہ یہ رب العٰلمین کی طرف سے (اتری) ہے کیا یہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس

افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ

نے خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمائیے پھر تم بھی لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور (امداد کیلئے) بلا لو جن کو تم بلا سکتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا

اللہ تعالیٰ کے علاوہ [۱] اگر تم (اپنے الزام میں) سچے ہو بلکہ انھوں نے جھٹلایا اس چیز کو [۲] جسے وہ پوری طرح نہ

کہ نہیں خود تو نہیں گھڑ سکتے کیونکہ اُمّی ہیں لیکن فلاں آدمی ان کو سکھاتا ہے۔ ایک مجرم کی طرح اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے ہر قسم کی بہتان تراشیاں اور حیلہ سازیاں کرتے لیکن قرآن کا دل ہلا دینے والا اسلوب انھیں کسی موقف پر جمنے نہ دیتا۔ اس لیے انھیں بار بار اپنا پینترا بدلنا پڑتا۔ یہاں بھی ان کے ایک الزام کا جواب دیا جا رہا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کو انسان نے گھڑا ہے اور ناحق اس کی نسبت ذاتِ خداوندی کی طرف کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذرا سوچو اور انصاف سے بتاؤ کہ قرآن حکیم کے ان پاکیزہ اور پیارے پیارے کلمات کے نازک آبگینوں میں حقائق و معارف کی جو شرابِ طہور چھلک رہی ہے۔ اس کی آیات میں رشد و ہدایت کا جو نور چمک رہا ہے کیا یہ کسی انسان کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب تو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان علوم کا آئینہ ہے جو لوحِ محفوظ میں مرقوم ہیں۔ کیا عقل اجازت دیتی ہے کہ ایسی کتاب کو افترا و بہتان کہا جائے۔

[۱] یہاں ان کو چیلنج دیا جا رہا ہے کہ اگر تمہارا یہ کہنا درست ہے کہ کسی انسان کا کلام ہے اور ناحق اس کی نسبت خداوند تعالیٰ کی طرف کر دی گئی ہے تم بھی بڑے زبان آور، فصیح البیان، قادر الکلام شعراء اور خطباء ہو۔ اس قسم کی ایک سورۃ تو بنا کر پیش کرو۔ اور اگر تم اکیلے اکیلے ایک سورۃ نہیں بنا سکتے تو اذنِ عام ہے جس کو چاہو بلا لو۔ سر جوڑ کر بیٹھو۔ پورے غور و فکر اور باہمی صلاح مشورے سے ایک سورۃ اس جیسی بنا دو۔ لیکن انھیں سانپ سونگھ گیا اور انھیں ہمت نہ ہوئی کہ کوئی جواب دے سکیں۔ قرآن کریم کا یہ چیلنج آج بھی موجود ہے اور دشمنانِ اسلام کو للکار للکار کر کہہ رہا ہے کہ اگر یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ کسی انسان کا کلام ہے تو تم اس کے مقابلہ میں زیادہ نہیں تو ایک سورۃ ہی پیش کرو۔

[۲] یعنی قرآن کریم کے متعلق ان کا یہ معاندانہ رویہ اور اس کو کلام الٰہی ماننے سے انکار کسی تحقیق و تفحص اور غور و فکر کا نتیجہ نہیں کہ انھوں

بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

جان سکے اور نہیں آیا ان کے پاس اس کا انجام ۶۲ اسی طرح (بے علمی سے) جھٹلایا انھوں نے جو ان سے پہلے تھے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ

پھر دیکھ لو کیسا انجام ہوا ظالموں کا ۶۳ اور ان میں سے کچھ ایمان لائیں گے اس پر

وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ

اور ان میں سے کچھ ایمان نہیں لائیں گے اس پر اور آپ کا رب خوب جانتا ہے مفسدوں کو اور اگر وہ

ع ۱۰

نے قرآن کو پڑھا ہو اس میں غور و فکر کیا ہو اس کو عقل سلیم کے میزان میں تولا ہو اور پھر وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہوں کہ اس میں فلاں فلاں عیوب اور خامیاں موجود ہیں اس لیے یہ کلام الٰہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے قرآن معارف پر آگاہی ہی حاصل نہیں کی۔ انھوں نے علم و دانش کے اس بحر بیکراں میں غوطہ ہی نہیں لگایا۔ اور اس میں غور و فکر کرنے کی زحمت ہی نہیں اٹھائی اگر وہ اس میں غور و فکر کرتے اور اگر وہ قرآن کے آئینہ میں منعکس ہونے والے حسن حقیقی کا ایک جلوہ ہی دیکھ لیتے تو ہزار جان سے اس پر قربان ہو جاتے۔

۶۲ اس انکار کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن نے نیکوں کے لیے جس اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے اور نافرمانوں کو جس عذاب الیم کی دھمکی دی اور مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے جن واقعات کی خبر دی ہے وہ ابھی تک پردہ غیب میں مستور ہیں۔ ابھی ان کا وقوع نہیں ہوا۔ وہ ان وعدوں وعیدوں اور پیشین گوئیوں کو خالی دھمکیاں ہی تصور کر رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ظہور کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ اس سے پہلے انھیں سوچنے اور حق کو قبول کرنے کی مہلت دی گئی ہے عقلمندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ اسے تذبذب میں ضائع نہ کریں بلکہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ جب فیصلہ کن عذاب کی گھڑی آ پہنچے گی تو اس وقت ان کا آہ و فغاں کرنا بے سود ہو گا۔

۶۳ یعنی فرصت کے ان لمحوں کو پہلی قوموں نے بھی ضائع کر دیا۔ انھوں نے بھی اپنے انبیاء کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ ان کے روشن معجزات کو دیکھا اور دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ نادانی سے تباہ کن عذاب کے نزول کو ہی نبی کی صداقت کی کسوٹی سمجھتے رہے۔ اور فرصت کے لمحوں کو برباد کر دیا اور جب وہ عذاب آیا اور اس نے انھیں پیس کر رکھ دیا اس وقت ان کا اشک ندامت بہانا اور فریاد کرنا ان کے کسی کام نہ آ سکا۔ اے مشرکین عرب! تم بھی نزول عذاب سے پہلے توبہ کر لو اور میرے محبوب کے دامن رحمت کو تھام لو، ورنہ تمہارا بھی وہی عبرتناک انجام ہو گا۔ جو پہلی نادان قوموں کا ہوا۔ اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔ آمین۔

كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ

آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجیے میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ٦٥ تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں

وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ

اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو اور ان میں سے کچھ (بظاہر) کان لگاتے ہیں آپ کی طرف ٦٦ تو کیا آپ

تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٢﴾ وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ ۚ

سناتے ہیں بہروں کو خواہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں اور ان میں سے کچھ (بظاہر) دیکھتے ہیں آپ کی طرف ٦٧

أَفَأَنتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ

تو کیا آپ راہ دکھاتے ہیں اندھوں کو خواہ وہ کچھ نہ دیکھتے ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا

النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٤﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ

لوگوں پر ذرہ برابر ٦٨ لیکن لوگ ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور جس روز اللہ تعالیٰ جمع کریگا

٦٥ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! تو نے اپنا فرض پوری طرح ادا کر دیا۔ اگر ان روشن معجزات اور واضح دلائل کے باوجود وہ حق کو قبول نہیں کرتے تو ان کی قسمت! آپ انھیں بتا دیجیے کہ میں اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہوں اور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پرسش کی جائے گی۔ کسی کا بوجھ کسی پر نہیں لادا جائے گا۔

٦٦ حضور کریم جب قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے یا کچھ وعظ و نصیحت کرتے تو کفار خوب کان لگا کر سنتے لیکن کیونکہ انھوں نے دل کے کانوں میں تعصب اور نفرت کی روئی ٹھونس رکھی تھی اس لیے وہ صدائے حق کو سننے سے قاصر تھے۔ ان کی مثال ایسے شخص کی سی تھی جو کانوں سے بہرا اور عقل سے کورا ہو۔ نہ وہ کچھ سن سکتا ہو اور نہ اشارات و قرائن سے مطلب پا سکتا ہو۔

٦٧ اسی طرح کفار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑی ٹکٹکی لگا کر دیکھا کرتے لیکن نور حق انھیں دکھائی نہیں دیتا تھا کیونکہ ان کے دل کی آنکھیں اندھی اور بے نور تھیں! اور نور حق کو دیکھنا ان ظاہری آنکھوں کا کام نہیں بلکہ دیدۂ دل سے ہی اس کے جلوے دیکھے جا سکتے ہیں۔

٦٨ اگر کوئی ساری عمر بادیۂ ضلالت میں سرگرداں رہتا ہے تو اس محرومی کا باعث وہ خود ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو اس کی ہدایت کے لیے سارے سامان مہیا فرما دیے ہیں۔ انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ کتابیں نازل فرمائیں۔ اپنی قدرت کے انفسی اور آفاقی دلائل

كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ

انھیں (وہ خیال کرینگے) گویا وہ (دنیا میں) انہیں ٹھیرے مگر ایک گھڑی دن کی ۔ پہچانیں گے ایک دوسرے کو (تب حقیقت کھلے گی کہ)

خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا

گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے ۔ اور خواہ ہم

نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ

دکھا دیں آپ کو کچھ (عذاب) جس کا ہم نے وعدہ کیا ہے ان سے یا (پہلے ہی) ہم اٹھا لیں آپ کو ، ہر حالت میں ہماری طرف

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا

ہی انھیں لوٹنا ہے پھر اللہ تعالیٰ گواہ ہے اس پر جو وہ کرتے ہیں ۔ اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے[۱] پس جب آیا

جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ

ان کا رسول (اور انھوں نے اس کو جھٹلایا تو) فیصلہ کر دیا گیا ان کے درمیان انصاف کے ساتھ ۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا اور[۲]

بازارِ ہستی کے کونہ کونہ میں سجا دیئے پھر بھی جو شخص اتباعِ حق کی بجائے اپنے نفسِ امارہ کی اطاعت کرتا ہے اسے اپنی محرومیوں پر اپنے آپ کو ہی ملامت کرنا چاہیے ۔

[۳] یعنی آج جس دنیوی زندگی پر یہ فریفتہ ہیں اور جس کی لذتوں میں اتنے مگن ہیں کہ وہ اس کی بے ثباتی کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے ۔ جب قیامت کا دن آئیگا اس وقت ان کی آنکھ کھلے گی ۔ اس وقت انھیں معلوم ہوگا کہ چند روزہ عیش و عشرت کے لیے انھوں نے اپنی ابدی زندگی کو آلام کی آماجگاہ بنا دیا ہے ۔ ہائے وہ زندگی کتنی ناپائدار تھی جس کی عشوہ طرازیوں پر وہ فریفتہ تھے ۔

[۴] اس دن وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے لیکن بجائے خوش ہونے کے ہر ایک اپنی گمراہی کا الزام دوسرے پر تھوپ رہا ہوگا ۔

[۱] اس سے معلوم ہوا کہ کرۂ ارضی پر جہاں کہیں نسلِ آدم آباد تھی وہاں وحی کا نور اور ہدایت کی روشنی دے کر اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی نبی یا رسول کو ضرور مبعوث فرمایا ۔

[۲] اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت پر بے شمار دلیلیں ان کے سامنے پیش کی گئیں لیکن ان کی بگڑی ہوئی طبیعتیں اور مسخ شدہ ذہنیتیں ان سے متاثر نہ ہوئیں ۔ انھوں نے ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی کہ جس عذاب کی آپ

يَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ

وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ (عذاب کا) وعدہ اگر تم سچے ہو۔ آپ کہیے نہیں مالک ہوں

لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ

میں اپنے آپ کے لیے ضرر کا اور نہ نفع کا۔ مگر جتنا چاہے اللہ تعالیٰ [۶۳] ہر قوم کے لیے میعاد مقرر ہے جب آئے گی ان کی

ہمیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں وہ کیوں نہیں اترتا۔ گویا انھوں نے قسم اٹھا رکھی تھی کہ جب تک قہر الٰہی کی بجلی ان کی زندگی کے خرمن کو جلا کر خاکستر نہ کر دے وہ دعوتِ حق کو قبول نہیں کریں گے۔ اس انسان کی بدبختی کا آپ کیا اندازہ لگا سکتے ہیں جو ساری عمر فسق و فجور میں مبتلا رہا۔ اس کو اس کے ہولناک انجام سے بار بار آگاہ کیا گیا لیکن اس کی چشم ہوش فقط اس وقت کھلی جب موت کے فرشتے نے اس کی رگِ حیات کاٹ ڈالی اور رجعت کا دروازہ اس کے لیے بند کر دیا گیا۔

[۶۳] کفار بار بار حضور سے پوچھتے کہ وہ عذاب کب آئے گا؟ آپ اسے جلدی کیوں نہیں لے آتے۔ ہم تو آپ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رہے۔ اگر آپ کچھ کر سکتے ہیں تو ہمیں تہس نہس کر دیجیے۔ انھیں کیا خبر تھی کہ جس ذاتِ پاک کے ساتھ وہ الجھ رہے ہیں اس نے تو اپنی مشیت اور اپنی مرضی کو اپنے خالق و مالک کی مشیت کے تابع کیا ہوا ہے۔ یہاں تو اذنِ الٰہی کے بغیر نہ قدم اٹھتا ہے اور نہ زبان کھلتی ہے۔ جہاں تسلیم و رضا کا یہ عالم ہو وہاں تمھارے طعن و تشنیع کے ان تیروں کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ کفار کی ایسی بیہودہ سرائی کا مسکت جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ فرمانے کا حکم دیا قل لا املک الخ یعنی آپ اعلان فرما دیجیے کہ میں تو اپنی ذات کے لیے بھی نفع و نقصان پہنچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ بجز اس کے جو اختیار اور جو قدرت میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے تو میں اس کی مرضی کے بغیر تم پر عذاب کیسے اتار سکتا ہوں۔ چنانچہ امام ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لا املک لنفسی ایہا القوم لا اقدر لہا علی ضر ولا نفع فی دنیا ولا دین الا ما شاء اللہ ان املکہ فاجلبہ الیہا باذنہ۔

کیا انسان کو کچھ قدرت اور اختیار دیا گیا ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (صاحب روح المعانی) مختلف فرقوں کی آرا پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جبریہ کا یہ مذہب ہے کہ انسان مجبور محض اور بالکل بے اختیار ہے۔ اس میں کوئی قدرت نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان مؤثر قدرت کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے یا نہ چاہے انسان اپنی مرضی اور اختیار سے کر سکتا ہے۔ اور اشاعرہ کا خیال ہے کہ انسان کو قدرت و اختیار حاصل ہے لیکن وہ مؤثر نہیں یعنی کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے میں اس کی قدرت کو کوئی دخل نہیں اور اہل حق کا مسلک یہ ہے کہ انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اختیار اور بخشی ہوئی قدرت ہے اور یہی عطا فرمودہ قدرت و اختیار کسی کام کے ہونے اور نہ ہونے میں مؤثر ہے۔ نعم استدل بہا بعض من یری رای السلف من ان للعبد قدرۃ مؤثرۃ باذن اللہ تعالیٰ لا انہ لیس لہ قدرۃ اصلا کما یقولہ الجبریۃ ولا ان لہ قدرۃ لکنہا غیر مؤثرۃ کما ہو المشہور عن الاشاعرۃ ولا ان لہ قدرۃ مؤثرۃ ان شاء اللہ تعالیٰ وان لم یشاء کما ہو رای المعتزلۃ۔ (روح المعانی)

تحقیق لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ المعنی لا اقدر علی شیئ من الضر والنفع الا ماشاء الله تعالیٰ ان اقدر علیہ منهما فانی اقدر علیہ بمشیتہ سبحانہ۔ (روح المعانی)
یعنی اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں کسی قسم کا ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر جتنی قدرت اور اختیار میرے رب نے مجھے عطا فرمایا ہے اتنا ہی میں کسی کو ضرر اور نفع پہنچا سکتا ہوں۔

آیت کا مقصد تو تھا کفار کی یاوہ گوئیوں کو ختم کرنا اور یار لوگوں نے اس آیت کی آڑ لے کر حضور رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و کمالات کا انکار کرنا شروع کر دیا اور ایسی اناپ شناپ باتیں کرنے لگے جن سے دین و دانش دونوں شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔ کہ حضور کچھ نہیں دیتے۔ حضور کچھ نہیں کر سکتے۔ بارگاہ رسالت میں اپنے دکھوں دردوں کی فریاد کرنا شرک ہے وغیرہ والعیاذ باللہ۔ لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا تو پڑھا لیکن اپنی کم نظری سے الا ماشاء اللہ کو لائق توجہ نہ سمجھا۔ یہاں نفی بھی ہے اور اثبات بھی۔ نفی ہے ذاتی طور پر با اختیار ہونے کی اور اثبات ہے اللہ تعالیٰ کے اذن اور عطا سے با اختیار ہونے کا۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے تب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں تو یہ شرک اور کفر ہے اور جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ اختیار سے بھی کچھ نہیں دے سکتے تو یہ صرف واقعہ کے خلاف ہی نہیں بلکہ شان مصطفوی کا بھی انکار ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت جود و عطا کا بھی انکار ہے۔ خدارا غور فرمائیے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو رحمۃ للعالمینی کا تاج بخشا تو کیا اس کی کوئی حقیقت بھی تھی یا محض شاعرانہ مبالغہ آرائی اور تصنع و تکلف کا مظاہرہ تھا۔ استغفر اللہ! نہیں نہیں۔ یہ ارشاد مبنی برحقیقت تھا ایسی روشن حقیقت جس پر کوئی ہزار پردہ ڈالنا چاہے وہ چھپ نہیں سکتی! اللہ تعالیٰ نے خود جا بجا ان فیوض و برکات کا ذکر فرمایا جن کا سرچشمہ ذات پاک مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثنا کو بنایا گیا ہے۔ چند ایک آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور اپنے قلب و دماغ کو نور ایمان سے منور کیجیے۔ ارشاد خداوندی ہے: ۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ۔
میرا محبوب مسلمانوں کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور ان کے دلوں کو ہر گرد و غبار سے پاک کرتا ہے۔

دوسری جگہ فرمان الٰہی ہے: ۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ۔

(اے محبوب!) یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل کی ہے کہ آپ لوگوں کو ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت تک پہنچائیں ان کے پروردگار کے اذن سے۔

سورۂ توبہ کے اختتام پر اپنے محبوب کی شان رفیع اور شفقت عمیم کا ذکر ان پیارے کلمات میں فرمایا۔

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

یعنی میرے محبوب رسول پر ہر وہ چیز جو تمہیں مشقت میں ڈالے بڑی گراں گزرتی ہے۔ وہ تمھاری بھلائی پر بڑے حریص ہیں۔ مسلمانوں پر بڑے مشفق اور رحم فرمانے والے ہیں۔

اگر یہ آیات طیبات ان لوگوں کے نزدیک کوئی معنی اپنے اندر رکھتی ہیں تو وہ انھیں بار بار پڑھیں عظمت مصطفوی کے

اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ قُلْ

مقرر میعاد تو نہ وہ پیچھے ہٹ سکیں گے ایک لمحہ اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ۹۳ آپ فرمائیے

اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ

(اے منکرو!) ذرا غور تو کرو اگر آجائے تم پر اس کا عذاب راتوں رات یا دن دہاڑے (تو تم کیا کر لوگے) کس چیز کا جلدی مطالبہ کر رہے

الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ

ہیں اس سے مجرم۔ کیا جب عذاب نازل ہو جائیگا تب ایمان لاؤ گے اس پر ۹۵ (فرشتے انھیں کہیں گے) اب (آنکھیں کھلیں) (تم تو

متعلق ان کے شبہات دور ہو جائیں گے اور ان کے دل کی دنیا کو یقین کا آفتاب منور کر دے گا۔ اور اگر ان کے نزدیک (نعوذ باللہ) یہ ایسی آیات ہیں جن کا کوئی مفہوم نہیں ہے تو پھر وہ اپنی بدبختی پر جتنا ماتم کریں کم ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وجلالت کا ظہور تو قیامت کے دن ہی ہوگا۔ روئے رحمۃ للعالمینی کی وسعت کا صحیح اندازہ اس وقت ہی لگایا جا سکے گا۔ سب انسان در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد جب در ختم المرسلین پر حاضر ہو کر شفاعت کے لیے التجا کریں گے تو حضور دوسرے انبیاء کرام کی طرح نفسی نفسی نہیں فرمائیں گے۔ بلکہ ارشاد ہوگا اَنَا لَهَا، اَنَا لَهَا (ہاں میں شفاعت کے لیے آمادہ ہوں، میں شفاعت کے لیے آمادہ ہوں) پھر عرش الٰہی کے سامنے حاضر ہو کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اور تسبیح وتہلیل میں مشغول ہونگے اس وقت عرش عزت وجلال پر نزول اجلال فرمانے والے خداوند ذوالجلال کی طرف سے آواز آئے گی یا محمد اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَ۔ اے سراپا حمد وستائش! سر مبارک اٹھاؤ۔ آپ شفاعت کرتے جائیں میں شفاعت قبول کرتا جاؤں گا آپ مانگتے جائیں میں اپنی رحمت ومغفرت کے خزانے لٹاتا جاؤں گا۔ (بخاری ومسلم)

اسلام تو یہ ہے کہ انسان عقیدۂ توحید پر بھی غبار نہ آنے دے اور شانِ رسالت سے بھی آنکھیں بند نہ کرے۔ توحید کے گیت گاتا ہوا عظمتِ حبیب کبریا کا پرچم لہراتا ہوا ذوق وشوق کی وادی کو طے کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے۔ اگر توحید میں فرق آگیا تو شرک ہو گیا اور اگر دانستہ بدبختی سے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خداداد شان کا انکار کیا تو گمراہ ہو گیا۔ الٰہی اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چشم مازاغ کے طفیل اور مقام دنیٰ فتدلیٰ کے صدقے ہمیں راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھ۔ فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین آمین یارب العالمین۔

(سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۸۸ کا حاشیہ بھی ملاحظہ فرمائیں)

۹۳۔ تمہاری جلد بازی سے اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے نہیں بدلتا جب وہ وقت آئے گا جو تم پر عذاب نازل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکے گا۔

تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ

اس عذاب کے لیے بڑی جلدی مچا رہے تھے پھر کہا جائیگا ظالموں سے کہ چکھو (اب) دائمی عذاب (کا مزہ)

هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنۢبِـُٔونَكَ أَحَقٌّ هُوَ

کیا تمھیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو تم کمایا کرتے تھے اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے کیا واقعی سچ ہے؟

قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ أَنَّ

آپ فرمائیے ہاں! بخدا یہ سچ ہے ۸۳ اور تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اگر

لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ وَأَسَرُّوا

ہر ظالم شخص کے لیے روئے زمین کی دولت ہو تو بھی ۸۴ وہ ساری دولت بطور فدیہ دیدے اور وہ ظالم دل ہی

النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ

دل میں چھپانے لگے جب دیکھا انھوں نے عذاب کو ۸۵ اور فیصلہ کر دیا گیا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر

۸۲ اس وقت اگر تم ایمان لے بھی آؤ گے تو وہ ایمان مقبول نہیں ہوگا۔

۸۳ عذاب کے بارے میں بار بار پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی آئے گا یا یہ محض خالی دھمکیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ آپ فرمائیے کہ میں خدا کی قسم کھا کر تمھیں بتاتا ہوں کہ یہ دھمکیاں نہیں بلکہ حقیقت ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۸۴ یعنی کفار آج تو مال و دولت پر پروانہ وار نثار ہو رہے ہیں۔ اپنی عزت، اپنی سلامتی اور اپنے عیش و آرام کو اسی سے وابستہ سمجھ رہے ہیں لیکن کل جب یہ بارگاہ خداوند ذوالجلال میں حاضر کیے جائیں گے اور ان کے گناہوں کا بوجھ ان کی گردن پر لاد دیا جائے گا دوزخ کے شعلے ان کی طرف لپک رہے ہوں گے اس وقت ان کی یہ خواہش ہوگی کہ کاش ان سے یہ سب کچھ لے لیا جائے اور ان کی جان بخشی کر دی جائے لیکن اس وقت ان کی خواہش پوری نہیں کی جائے گی۔ تو کیا یہ بہتر نہیں کہ آج جب کہ در رحمت باز ہے اور تھوڑی سی کوشش سے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جا سکتا ہے تو کیوں نہ اس موقع کو غنیمت سمجھا جائے اور اپنے رب کریم کو راضی کر لیا جائے۔ دنیا کی متاع قلیل کی خاطر جو ضرورت اور مشکل کے وقت کھوٹا سکہ ثابت ہوگی اپنے مولائے کریم کو ناراض کر لینا آخر کہاں کی دانشمندی ہے۔

۸۵ ندامت کہتے ہیں اس حسرت کو جو کسی چیز کے وقوع پذیر ہونے یا نہ ہونے سے دل میں پیدا ہوتی ہے النَّدَامَةُ: الحسرة

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ

ظلم نہیں کیا جائے گا ۹۶ سن لو! بیشک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ۹۷ سن لو! یقیناً

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ

اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی مارتا ہے

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٦﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ

اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اے لوگو! آگئی ہے تمہارے پاس نصیحت ۹۸ تمہارے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾

اور (آگئی ہے) شفا ان روگوں کے لیے جو سینوں میں ہیں اور (آگئی ہے) ہدایت اور رحمت اہل ایمان کے لیے۔

وقع شیئی او فوت شیئی (القرطبی) بتایا جارہا ہے کہ روز محشر جب خوفناک حقیقت سے پردہ اٹھے گا تو ان کے دل کانپ اٹھیں گے لیکن ابتدا میں ظاہرداری سے کام لیتے ہوئے وہ ضبط و تحمل سے کام لیں گے اور کوشش کریں گے کہ ان کا حزن و ملال ظاہر نہ ہونے پائے لیکن جب انہیں بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پھینک دیا جائے گا تو اس وقت یارائے صبر نہ رہے گا اور چیخنے اور چلانے لگیں گے۔ ابوعبیدہ نے کہا ہے اَسَرَّ کا معنی اَظْهَرَ ہے اور یہ اضداد سے ہے یعنی وہ برملا اظہار ندامت کریں گے کیونکہ قیامت کا دن تکلف و تصنع کا دن نہیں ہوگا۔

۹۶ کفار و فجار کی ساری نافرمانیوں کے باوجود ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی بلکہ ان کے بارے میں جو فیصلہ ہوگا وہ عدل و انصاف پر مبنی ہوگا۔

۹۷ آغاز کلام میں اَلَا تنبیہ کی غرض سے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب کے دل و دماغ کو جھنجھوڑا جائے تاکہ وہ پورے غور سے متکلم کی بات کو سنے۔

بتانا یہ ہے کہ جب زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی ہے تو اس نے انعامات و احسانات کے جو وعدے اپنے نیک اور فرماں بردار بندوں سے کیے ہیں، وہ ان کو پورا کرے گا اور بدکاروں اور نابکاروں کو عذاب کی جو وعید دی ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ کوئی ایسا وعدہ نہیں جس کا پورا کرنا اس کے بس میں نہ ہو۔ اور کوئی ایسی طاقت نہیں جو اسے عذاب دینے سے روک دے۔

۹۸ اس آیت طیبہ میں قرآن کریم کے فیوض و برکات کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ موعظت: بڑے اخلاص سے نہایت اثر انگیز پیرایہ میں کسی کو نیکی اور بھلائی کی یاد دہانی کو موعظت کہتے ہیں وقال الخلیل هو التذکیر بالخیر فیما یرق له القلب (مفردات) اس مفہوم کو پیش نظر

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا

(اے حبیب!) آپ فرمائیے یہ کتاب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی ہے[۸۲] پس چاہیے کہ اسی پر خوشی منائیں[۸۳] یہ بہتر

يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ

ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں[۸۴] آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اتارا[۸۵] تم نے بنا لیا

رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم کی اس صفت کا جائزہ لیجیے۔ خیر خواہی اور خیر اندیشی کا بے لوث جذبہ ہر آیت میں آپ کو نظر آئے گا۔ جس کی اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ اس نے صدیوں سے آغوش غفلت میں مدہوش ہونے والی قوم کو بیدار کر دیا۔ قرآن کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ سینوں کی لاعلاج اور پرانی بیماریوں کا کامیاب علاج ہے بغض و عناد، شک اور نفاق، حسد اور کینہ غرضیکہ ہر قسم کی مذموم صفات سے روح کو پاک کرتا ہے۔ تیسری صفت یہ ہے کہ یہ سراپا ہدایت ہے۔ حق و باطل کو نکھار کر پیش کرتا ہے کسی قسم کا التباس نہیں رہنے دیتا اور حق کا متلاشی راہ ہدایت کو اپنے سامنے منور اور ہموار پاتا ہے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ پیکر رحمت ہے۔ جس کتاب مقدس کا لانے والا رحمۃ للعالمین ہو اس کتاب کے رحمت مجسم ہونے میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔

۸۲۔ حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد قرآن اور اس کی رحمت سے مراد دین اسلام ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد یہ ہے کہ اس نے ہمیں صاحب قرآن بنایا۔ قال ابو سعيد الخدري وابن عباس فضل الله القرآن ورحمته الاسلام وعنهما فضل الله القرآن ورحمته ان جعلكم من اهله (قرطبی)

۸۳۔ ذلك کا مشار الیہ فضل اور رحمت دو ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ ذلکما ہوتا۔ لیکن علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اہل عرب ذلك (واحد) کو واحد تثنیہ جمع سب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ العرب تاتی بذلك للواحد والاثنين والجمع۔

۸۴۔ لوگ دنیوی جاہ و جلال اور مال و منال کے حصول کے بڑے خواہاں ہوتے ہیں اور شب و روز اسی ادھیڑ بن میں رہتے ہیں کہ زیادہ دولت کیسے کمائی جائے۔ بتایا جا رہا ہے کہ جو نعمت انھیں قرآن کی شکل میں بخشی جا رہی ہے وہ ان تمام چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے جن کو جمع کرنے کے لیے وہ سرگرداں رہتے ہیں۔ حصول نعمت پر اظہار مسرت حکم الٰہی ہے۔ مگر عالم کی وہ نعمت عظمیٰ ہے۔ اس پر جتنی خوشی کی جائے کم ہے۔

۸۵۔ عہد جاہلیت میں اہل عرب کی معاشی، معاشرتی، اخلاقی، مذہبی اور سیاسی زندگی ان رسوم و رواج کی پابند تھی جو انھوں نے خود یا ان کے بڑوں نے وضع کیے تھے لیکن اس کے باوجود وہ انھیں احکام خداوندی کہا کرتے تھے۔ اور بڑی سختی سے ان کی پابندی کرتے اور جو شخص ان سے سرمو انحراف کرتا اس کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لغو اور ضرر رساں رسم و رواج کی اصلاح کے لیے جب آواز بلند کی تو وہ برافروختہ ہو گئے۔ انھیں ان کی غلط روش پر سرزنش کی جا رہی ہے کہ تم اپنے خود ساختہ رسوم و قوانین کو اللہ کی طرف کیوں منسوب کر رہے ہو۔ کیا تمھیں شرم نہیں آتی جس چیز کو چاہتے ہو

مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَ

اس سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال۔ پوچھیے کیا اللہ تعالیٰ نے (ایسا کرنے کی) تمھیں اجازت دی ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو

مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ

اور کیا گمان ہے ان لوگوں کا جو افترا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹا کہ قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا۔ بیشک

اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَھُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَمَا

اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرماتا ہے لوگوں پر ۔ لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ اور نہیں

تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ

ہوتے آپ کسی حال میں ۔ اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو!) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو ۔

حلال بنا دیتے ہو اور جس کو چاہتے ہو حرام۔ جس بات کو چاہتے ہو جائز کر دیتے ہو اور جس کو چاہتے ہو ناجائز۔ یہ حق آخر تمھیں کس نے دیا ہے۔ ہر چیز کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے اور تم اس کے بندے ہو۔ پھر یہ بات تمھیں زیب دیتی ہے کہ اس کے بندے ہو کر اس کی چیزوں میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرتے رہو۔ ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں پر انعامات و احسانات کے دریا بہا رکھے ہیں۔ ان کی آفرینش، ان کی بقا اور ان کی نشوونما کے لیے تمام ضروری چیزوں کو فراہم کرنا، پھر نورِ عقل نور وحی اور بعثت رسل و انبیاء سے ہدایت کی راہ کو روشن کرنا یہ سب اس کی عنایات ہی تو ہیں۔ ہم سے خطا ہوتی ہے وہ بخش دیتا ہے۔ ہم نافرمانی کرتے ہیں تو وہ توبہ قبول فرماتا ہے۔ ہم اس کی نعمتوں کا صحیح طور پر شکریہ ادا نہیں کرتے پھر بھی اس کی نعمتوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کی نعمتوں کا کوئی شمار نہیں لیکن اس کریم و رحیم مولا کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرنے کی طرف بہت کم لوگ متوجہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی تھیں جن میں صرف عوام کالانعام ہی مبتلا نہ تھے بلکہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو دانشور اور اہل نظر کہلاتے تھے وہ بھی ان کا شکار تھے۔ ارسطو جسے اقلیم علم و فلسفہ کا تاجور کہا جاتا ہے اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کو صرف اپنی ذات کا علم ہے کائنات کی کسی چیز کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتا اور دلیل بھی خوب پیش کی کہا کیونکہ اس کی ذات اعلیٰ و اکمل ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلہ میں ناقص اور ادنیٰ ہے اس لیے ادنیٰ اور ناقص اشیاء کا جاننا اس کے شایانِ شان نہیں۔ اس نے اتنا بھی نہ سوچا کہ اگر اس کا یہ قاعدہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر انسان کو بھی اپنے سے فروتر اشیاء حیوانات، اشجار وغیرہ کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ سب اشیاء بلا شبہ انسان سے فروتر ہیں۔ اسی طرح ابن سینا نے یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کو بطریقہ کلیہ تمام اشیاء کا علم ہے۔

عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ

مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم شروع ہوتے ہو کسی کام میں اور نہیں چھپا ہوتا

عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَآ

آپ کے رب سے ذرّہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں ۹۵ اور نہیں

تفصیلاتِ جزئیہ کے متعلق ذاتِ باری کو کچھ پتہ نہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کا علم قدیم ہے یعنی تخلیق کائنات سے پہلے اس نے ہر چیز کو جان لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اسے پہلے ہر چیز کا تفصیلی علم نہیں تھا بلکہ جیسے جیسے کوئی چیز معرضِ وجود میں آتی جاتی ہے تو اس وقت وہ اسے جانتا ہے۔ ان تمام شبہات کا اس آیت میں رد کر دیا کہ ہر فعل جو کسی سے صادر ہوتا ہے وہ اس کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ زمین و آسمان کی وسعتوں، بلندیوں اور پستیوں میں بڑی سے بڑی، چھوٹی سے چھوٹی جو چیز بھی ہے اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ وہ سب کو اپنے اپنے مقام پر اپنے اپنے حال اور مآل کے اعتبار سے پہلے بھی جانتا تھا اور اب بھی جان رہا ہے۔ تخلیقِ کائنات سے پہلے ہی وہ ہر چیز کو جانتا تھا اور کتاب مبین (لوح محفوظ) میں اسے درج کر دیا گیا تھا۔

تحقیق لغوی: شان ہر فعل کو نہیں کہا جاتا بلکہ اس کا اطلاق صرف اہم اور عظیم کاموں پر ہوتا ہے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اے محبوب! تم سے جو فعل بھی صادر ہو رہا ہے خواہ اس کا تعلق عبادت و تبلیغ سے ہو یا عام نجی مشاغل سے وہ اپنے اندر جمال و کمال رکھتا ہے کیونکہ اس کی نسبت تیری ذاتِ ستودہ صفات سے ہے اس لیے وہ عظیم و اہم ہے اور سب کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ ماتتلوا منہ من قرآن میں دو مِنْ مذکور ہیں۔ پہلے مِنْ سے متصل ضمیر کا مرجع شان ہے ابو البقاء نے اس مِنْ کو اجلیہ کہا ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ جو عظیم و اہم کام آپ کر رہے ہیں اور اس کے ثبوت اور تقویت کے لیے جو آیات قرآنی آپ پڑھتے ہیں انھیں ہم خوب جانتے ہیں۔ دوسرا مِنْ زائدہ ہے اور قرآن مفعول بہ ہے۔

۹۴ پہلے روئے سخن فخرِ نوعِ انسان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف تھا اور انھیں بتایا گیا کہ تبلیغ حق کے لیے جو جدوجہد آپ کر رہے ہیں۔ اس کے لیے جو تکالیف آپ برداشت کر رہے ہیں۔ اپنے پرسوز اور اثر انگیز لہجہ میں آپ جس طرح آیاتِ قرآنی انھیں پڑھ کر سناتے اور سمجھاتے ہیں، یہ سب ہماری نظروں میں ہے۔

ولا تعملون سے خطاب تمام انسانوں کو ہے کہ تمھارا کوئی عمل اور کوئی کام ہم سے پنہاں نہیں۔ اسلام اور داعئ اسلام کے خلاف تمھاری ریشہ دوانیاں اور سازشیں جو تم بڑی رازداری سے اپنی مخصوص محفلوں میں کرتے ہو وہ بھی ہم پر عیاں ہیں۔ والخطاب اولا خاص برأس النوع الانسانی وسید المخاطبین صلی اللہ علیہ وسلم وھذا عام ویشمل سائر العباد (روح المعانی)

۹۵ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ زمین سے مراد پستی اور آسمان سے مراد بلندی ہے یعنی ان دونوں سمتوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ یا اس سے مراد دائرہ امکان و وجود ہے۔ کیونکہ عرف عام میں دائرہ امکان و وجود میں پائی جانے والی ہر چیز کو فی الارض

اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ

کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے سنو! بے شک اولیاء

اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۹ؔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر)

والسماء کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ای فی جہتی السفل والعلو او فی دائرتی الوجود والامکان لان العامۃ لاتعرف سواھا ممکنا لیس فیھما ولا متعلق بھما۔ (روح المعانی)

کتاب مبین : لوح محفوظ

ف۹ یوں تو تمام مفسرین نے اپنے اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق اس آیت کی تفسیر کی ہے لیکن حق یہ ہے کہ عارف باللہ علامہ مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں جتنی دلکشی، شیرینی اور جامعیت ہے اس کا جواب نہیں۔ اس لیے میں انہی کی خوشہ چینی کرتے ہوئے چند حقائق ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ ولی کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

قاموس میں ہے الوَلْیُ القرب والدنو۔ یعنی وَلْیٌ کا معنی قرب اور نزدیکی ہے۔ وَلِیٌّ اس سے اسم ہے۔ اس کا معنی ہے قریب، محب، صدیق اور مددگار۔ وفی القاموس الوَلْیُ القرب والدنو والوَلِیُّ اسم منہ بمعنی القریب والمحب والصدیق والنصیر۔ پھر فرماتے ہیں کہ قرب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ قرب جو ہر انسان بلکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے خالق سے ہے اور اگر یہ قرب نہ ہو تو کوئی چیز موجود نہ ہو سکے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں) میں اسی قرب کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا قرب وہ ہے جو صرف خاص بندوں کو میسر ہے۔ اسے قرب محبت کہتے ہیں۔ قرب کی ان دو قسموں میں نام کے اشتراک کے سوا کوئی وجہ اشتراک نہیں۔ قرب محبت کے بے شمار درجے ہیں۔ ایک سے ایک بلند ایک سے ایک اعلیٰ۔ ایمان شرط اول ہے۔ دولت ایمان سے مشرف ہونے کے بعد اہل عزم و ہمت ترقی کے مختلف درجات طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ اس بلند مقام پر فائز ہو جاتے ہیں جس کی وضاحت حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یوں بیان فرمائی۔ لایزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ نفلی عبادات سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (رواہ البخاری)

اور اس قرب محبت کا سب سے بلند اور ارفع مقام وہ ہے جہاں محبوب رب العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فائز ہیں۔ حضور کا طائر ہمت

جہاں محوِ پرواز ہے ان رفعتوں کو کوئی بیان نہیں سکتا بجز اس ذات بے ہمتا کے جس نے اپنے محبوب بندے کو یہ ہمتیں اور حوصلے ارزانی فرمائے۔ واعلی درجاتہ نصیب الانبیاء ونصیب سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ولہ صلی اللہ علیہ وسلم ترقیات لاتتناھی الی ابد آلآبدین۔ (مظہری)

صوفیائے کرام کی اصطلاح میں 'ولی' اس کو کہتے ہیں جس کا دل ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہے۔ شب و روز وہ تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو۔ اس کا دل محبتِ الٰہی سے لبریز ہو اور کسی غیر کی وہاں گنجائش تک نہ ہو۔ وہ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے۔ یہی وہ مقام ہے جسے 'فنا فی اللہ' کا مقام کہتے ہیں۔ الولی فی اصطلاح الصوفیہ من کان قلبہ مستغرقا فی ذکر اللہ یسبحون اللیل والنھار لایفترون ممتلیا بحب اللہ تعالیٰ لایسع فیہ غیرہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم فلا یحب احدا الا للہ ولا یبغض الا للہ الخ (مظہری)

مرتبۂ ولایت پر فائز ہونے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ مرتبۂ ولایت کے حصول کی یہی صورت ہے کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آئینۂ دل پر آفتابِ رسالت کے انوار کا انعکاس ہونے لگے۔ اور یہ توجہاتِ محمدی علی صاحبہ اجمل الصلوات واطیب التسلیمات قلب و روح کو منور کر دے اور یہ نعمت انھیں کو بخشی جاتی ہے جو بارگاہِ رسالت میں یا حضور کے نائبین یعنی اولیائے امت کی صحبت میں بکثرت حاضر رہیں۔

مسنون طریقہ سے کثرتِ ذکر اس نسبت کو قوی کرتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل شیئ صقالۃ القلب ذکر اللہ۔ (رواہ البیہقی) ہر چیز کے زنگ کو دور کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے۔ دل کا زنگ ذکر اللہ سے دور ہوتا ہے۔

انھیں نفوسِ قدسیہ کی محبت و ہم نشینی کے متعلق احادیثِ طیبہ میں بار بار ترغیب اور شوق دلایا گیا ہے چنانچہ ائمہ حدیث حضرات مالک، احمد، طبرانی وغیرہم نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کی ہے قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی یعنی میں نے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے میں ضرور محبت کرتا ہوں جو آپس میں میری وجہ سے پیار و محبت کرتے ہیں میری رضاجوئی کے لیے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میری خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی یارسول اللہ! کیف تقول فی رجل احب قوما ولم یلحق بھم قال المرء مع من احب (متفق علیہ) اے اللہ کے پیارے رسول! اس شخص کے بارے میں حضور کیا ارشاد فرماتے ہیں جو ایک قوم سے محبت کرتا ہے لیکن عمل و تقویٰ میں ان کے برابر نہیں فرمایا ہر شخص کی سنگت اس کے ساتھ ہوگی جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں، رضوان اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جو طالب اور مرید ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو مطلوب اور مراد ہیں ایک وہ ہیں جو محب ہیں، ایک وہ ہیں جنھیں محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ سے سرفراز کیا گیا ہے سابقہ احادیث میں جن اولیا کا ذکر ہوا وہ طالب

اور مریدین اور جو مطلوب و مراد ہیں جو مقصود و محبوب ہیں ان کے احوال کا بیان اس حدیث میں ہے جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور دیگر علماء حدیث نے اپنی اپنی کتب احادیث میں روایت کی ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله اذا احب عبدا دعا جبرئیل فقال انی احب فلانا فاحبه قال فیحبه جبریل ثم ینادی فی السماء فیقول ان الله یحب فلانا فاحبوه فیحبه اهل السماء ثم یوضع له القبول فی الارض واذا ابغض عبدا دعا جبرئیل فیقول انی ابغض فلانا فابغضه قال فیبغضه جبرئیل ثم ینادی فی اهل السماء ان الله یبغض فلانا فابغضوه قال فیبغضونه ثم یوضع له البغضاء فی الارض۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے اے جبرئیل! میں اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر پس جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر وہ آسمان میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو پھر سب اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت کا چرچا ہو جاتا ہے (اور لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں) اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے تو جبرئیل کو بھی اسے ناپسند کرنے کا حکم ملتا ہے پھر جبرئیل آسمان میں اس کے مبغوض اور ناپسند ہونے کی منادی کرتے ہیں۔ آسمان والے اس سے بغض کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کے متعلق نفرت و بغض کا جذبہ اٹھنے لگتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان علامات اور خصوصیات کا ذکر بھی فرمایا جن سے ان مخزن خیرات و برکات ہستیوں کو پہچانا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف نے چند احادیث ذکر کی ہیں جو ہدیۂ ناظرین ہیں:-

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ سے پوچھا گیا من اولیاء الله اولیاء اللہ کون ہیں۔ فرمایا الذین اذا رءوا ذکر الله عز وجل وہ لوگ جن کے دیدار سے خدا یاد آجائے۔

۲۔ حضرت اسماء بنت یزید نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یوں گوہر افشانی کرتے ہوئے سنا اے حاضرین! کیا میں تمہیں ان لوگوں پر آگاہ نہ کروں جو تم سب سے بہتر ہیں۔ سب نے عرض کی بلی یا رسول الله! اے اللہ کے رسول ضرور بتائیے تو حضور نے فرمایا اذا رءوا ذکر الله جب ان کی زیارت کی جائے تو اللہ یاد آجائے۔ کیونکہ ان کا دل وہ آئینہ ہے جس میں تجلیات الٰہیہ کا عکس پڑ رہا ہے اور جب کوئی چیز ایسے آئینہ کے مقابلہ میں رکھی جاتی ہے جس پر سورج کی کرنیں پڑ رہی ہوں تو وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے بلکہ اگر آئینہ کا عکس روئی پر ڈالا جائے تو وہ جلنے لگتی ہے حالانکہ سورج کی کرنیں اگر بلاواسطہ پڑیں تو وہ نہیں جلتی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سورج سے دور ہے اور آئینہ سے قریب۔

نیز اولیاء کرام میں دو قسم کی قوتیں ہوتی ہیں۔ اثر قبول کرنے کی اور اثر کرنے کی۔ پہلی قوت کی وجہ سے وہ بارگاہ الٰہی سے فیض و تجلی کو قبول کرتے ہیں اور دوسری قوت سے وہ ان ارواح و قلوب کو فیض پہنچاتے ہیں جن کا ان سے روحانی لگاؤ اور قلبی مناسبت ہوتی ہے اس لیے اگر کوئی شخص انکار اور تعصب سے پاک ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، تو وہ انکے فیوض و برکات سے ضرور بہرہ مند ہوتا ہے۔

يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا

پرہیزگاری کرتے رہے انھیں کے لیے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں ۸۵ نہیں

یعنی جن کا ایمان اللہ تعالیٰ کی توحید حضور کریم کی رسالت قرآن کی حقانیت پر اتنا مستحکم ہوتا ہے کہ کوئی ابلیسی وسوسہ اندازی اور کوئی مصیبت اسے متزلزل نہیں کرسکتی اور ان کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہوتا ہے۔ ان تمام اعمال اور اخلاق سے ان کا دامن یکسر مبرا ہوتا ہے جو ان کے خالق کو ناپسند ہیں۔ شرک جلی، شرک خفی، اخفی، حسد، کینہ، غرور، تکبر اور ریا و ہوس غرضیکہ تمام اخلاق ذمیمہ سے وہ پاک ہوتے ہیں۔ یہی تقویٰ کا وہ بلند مقام ہے جہاں جب انسان پہنچتا ہے تو اسے خلعت ولایت سے مشرف کیا جاتا ہے اور اس پیکر عجز و نیاز کو وہ سربلندی عطا کی جاتی ہے جسے نیاز رشک بھری نظروں سے دیکھتی ہے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قال رسول اللہ ان من عباد اللہ لاناسا ماھم بانبیاء ولا شھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء یوم القیامۃ بمکانھم من اللہ قالوا یا رسول اللہ اخبرنا من ھم۔ وما اعمالھم فلعلنا نحبھم قال ھم قوم تحابوا فی اللہ علی غیر ارحام بینھم ولا اموال یتعاطون بھا فواللہ ان وجوھھم لنور وانھم علی منابر من نور لا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس ثم قرأ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (قرطبی)

ترجمہ :۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا اللہ کے بندوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید لیکن قیامت کے دن قرب الٰہی کی وجہ سے انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمیں بتائیے وہ کون ہیں ان کے اعمال کیا ہیں تاکہ ہم ان لوگوں سے محبت کریں۔ فرمایا وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں۔ نہ ان میں کوئی رشتہ ہے اور نہ مالی منفعت بخدا ان کے چہرے سراپا نور ہونگے اور نور کے منبروں پر انھیں بٹھایا جائے گا۔ دوسرے لوگ خوفزدہ ہونگے اور انھیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ لوگ حزن و ملال میں مبتلا ہونگے لیکن انھیں کوئی حزن و ملال نہ ہوگا۔ پھر حضور نے یہ آیت پڑھی۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

عارف روم نے کیا خوب فرمایا ہے :۔

مگسل از پیغمبر ایام خویش تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش

اپنا تعلق رسول کریم سے مت توڑو اپنے علم و فن اور اپنے زور پر زیادہ بھروسہ نہ کرو۔

گرچہ شیری چوں روی رہ بے دلیل ہمچو روباہ در ضلالی و ذلیل

تو شیر ہی کیوں نہ ہو اگر تو اس راہ پر رہنما کے بغیر چلے گا تو لومڑی کی طرح گمراہ اور ذلیل ہو جائے گا۔

ہیں مپر الا کہ با پرہائے شیخ تا ببینی عون و لشکرہائے شیخ

اپنے پیر و مرشد کے پروں کے بغیر اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ تب تجھے اپنے مرشد کی مدد اور لشکر کا پتہ چلے گا۔

۸۵ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں یہ مژدہ حضور اپنی زبان حق ترجمان سے دیا کرتے تھے جس طرح متعدد صحابہ کرام کو حضور نے صراحۃً

تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ وَلَا يَحْزُنْكَ

بدلتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں۔ ۹۲ف یہی بڑی کامیابی ہے ۹۳ف اور نہ غمزدہ کریں آپ کو

قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ

ان کی باتیں ۹۴ف یقیناً ساری عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہ سب کچھ سننے والا ہر چیز جاننے والا ہے۔ خبردار بیشک اللہ کے

جنتی ہونے کی خوشخبری دی۔ چنانچہ فرمایا۔ ابوبکر فی الجنة وعمر فی الجنة وعثمان فی الجنة وعلی فی الجنة والزبیر فی الجنة وعبدالرحمٰن بن عوف فی الجنة وسعد بن ابی وقاص فی الجنة وسعید بن زید فی الجنة وابوعبیدة بن الجراح فی الجنة (ترمذی) یعنی ان دس حضرات کے نام لے کر فرمایا کہ یہ جنتی ہیں یا حضرت صدیق اکبر کو خصوصی طور پر مژدہ سنایا اما انک یا ابابکر اول من یدخل الجنة من امتی (ابوداؤد) اے ابوبکر تم میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گے یا حضرات حسنین کریمین کے متعلق فرمایا سیدا شباب اهل الجنة یہ دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ بیشمار صحیح احادیث ہیں جن میں حضور نے کثیر التعداد صحابہ کے نام لے لے کر خوشخبریاں دیں اور حضور نبی کریم کے بعد یہ خوشخبری کبھی عالم بیداری میں بذریعہ کشف اور حالتِ خواب میں بذریعہ رؤیا صالحہ دی جاتی ہے چنانچہ حضرت عبادة بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ سالت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن قوله تعالیٰ لهم البشریٰ الآیة قال هی الرؤیا الصالحة یراها المرء او تریٰ له۔ میں نے اس آیت کے متعلق حضور سے دریافت کیا تو حضور نے فرمایا یہ سچا خواب ہے جو کوئی شخص خود دیکھتا ہے یا اس کے متعلق کسی اور کو دکھایا جاتا ہے۔ یا فرشتے آتے ہیں اور بالمشافہ ان کو ان بشارتوں سے شاد کام کرتے ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ تتنزل علیهم الملٰئکة ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون (۴۱: ۳۰)

اب غور طلب امر یہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰة والسلام کے ادنیٰ غلاموں کو ان کے نیک انجام اور مراتب عالیہ پر فائز ہونے کی خوشخبریوں سے خورسند کیا جاتا ہے اور انھیں اپنے مستقبل کے بارے میں مطمئن کر کے ہر خوف و حزن سے پاک کر دیا جاتا ہے تو یہ کتنی بڑی جسارت بلکہ گستاخی ہے کہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نعوذ باللہ اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نور ایمان سے محروم نہ کرے ورنہ حضرتِ انسان بایں جبہ و دستار برسر منبر لوگوں کے سامنے اس قسم کی ہرزہ سرائی کرتے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

۹۲ف یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول ولیوں کے ساتھ جن انعامات کے وعدے کیے ہیں اور جن بے پایاں عنایات اور نوازشات کی بشارتیں دی ہیں وہ قطعی ہیں۔ ان میں رد و بدل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے مقبول بندوں کو ان نوازشات سے سرفراز فرمائے گا۔

۹۳ف اس خوش نصیب کے طالع ارجمند کا کیا کہنا جس کا سفینۂ حیات جب ساحل موت پر لنگر انداز ہو تو خداوند ذوالجلال کے فرشتے مرحبا صد مرحبا کہتے ہوئے اس کا استقبال کریں۔ اور رضائے الٰہی کا تاج زرنگار اس کے سر نیاز پر رکھ دیں۔ مادی لذتوں میں مگن رہنے والوں اور فانی کامیابیوں کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود سمجھنے والوں کو کیا خبر کہ اس کامیابی میں کیا سرور ہے اور یہ کامیابی کتنی بڑی کامیابی ہے۔

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

ملک میں ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے ۹۵ اور کس کی پیروی کر رہے ہیں جو لوگ پکار رہے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۗ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا

اللہ تعالیٰ کے سوا (دوسرے) شریکوں کو ۹۶ نہیں پیروی کرتے مگر وہم و گمان کی اور نہیں وہ مگر

يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ

اٹکلیں دوڑا رہے ہیں ۹۷ وہی ہے جس نے بنائی تمھارے لیے رات ۹۸ تاکہ تم آرام کرو اس میں اور روشن

مُبْصِرًا ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ

دن بنایا بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (غور سے) سنتے ہیں انھوں نے کہا بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے

۹۴ کفار کی ایذا رسانیوں میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے کفر اپنی ساری طاقتوں کو یکجا کر کے اسلام پر حملہ آور ہونے کے لیے پر تول رہا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخلصانہ مساعی پر پھبتیاں کسی جا رہی ہیں ظاہر بین نگاہیں سمجھنے لگی ہیں کہ عداوت و عناد کے ان بھڑکتے ہوئے شعلوں میں شجر اسلام کا برگ و بار لانا ممکن ہے؟ ان حالات میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان تسلی آمیز کلمات سے خطاب فرماتا ہے کہ اے حبیب آپ بے چین خاطر نہ ہوں اور کفار کی دل آزار گفتگو سے پریشان نہ ہوں میں جو سب عزتوں اور سرفرازیوں کا واحد مالک ہوں تیرا مددگار ہوں۔

۹۵ یعنی جب زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو کسی کو کیا مجال کہ الوہیت میں اس کی ہمسری کا اور ربوبیت میں شریک ہونے کا دعویٰ کر سکے۔

۹۶ اس ما کے متعلق علمائے نحو کے تین اقوال ہیں:۔ (۱) ما نافیہ ہے (۲) ما استفہامیہ ہے (۳) ما موصولہ ہے۔ میں نے دوسرا قول پسند کیا ہے اور اسی کے مطابق آیت کا ترجمہ کیا ہے کیونکہ اکثر مفسرین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

۹۷ اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کل قول مقول عن ظن وتخمین یقال خرص سواء کان مطابقا للشیٔ او مخالفا له من حیث ان صاحبه لم یقله عن علم ولا غلبة ظن۔ ہر وہ قول جو محض ظن و تخمین سے کہا جائے اسے خرص کہتے ہیں خواہ وہ واقع کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ایسے قول کے قائل کو کاذب بھی کہا جاتا ہے (مفردات) مقصد یہ ہے کہ ان کا بتوں کو اپنا معبود بنانا کسی عقلی دلیل پر مبنی نہیں اور نہ کسی رسول نے انھیں یہ تعلیم دی ہے۔ خدائے برحق کو چھوڑ کر ان کا بتوں کی پوجا میں لگ جانا محض ان کے وہم و گمان کی پیداوار ہے۔

۹۸ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کے علیم و حکیم اور سمیع و بصیر ہونے کی ناقابلِ تردید دلیل پیش کی جا رہی ہے۔

وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ

کسی کو بیٹا۔ وہ پاک ہے ٩٩ وہ تو بے نیاز ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں

عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾

تمہارے پاس کوئی دلیل اس (بے ہودہ بات) کی۔ کیا بہتان باندھتے ہو اللہ تعالیٰ پر جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ ؕ

آپ فرمایئے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ

(چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انھیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انھیں سخت عذاب

الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ

بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے اور آپ پڑھ کر سنایئے انھیں نوح (علیہ السلام) کی خبر ١٠٠ جب انھوں نے

٩٩ کفار عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اس کے رد کے لیے دو دلیلیں پیش فرمائی جا رہی ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ وہ غنی ہے۔ یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے وجود، اپنی نشوونما اور اپنی بقا میں اس کا محتاج ہے۔ اولاد کی ضرورت تو اس لیے محسوس کی جاتی ہے کہ انسان خود کمزور ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہو تاکہ وہ طاقتور ہو جائے اور اپنے دشمنوں کو مغلوب کر سکے یا وہ فقیر و کنگال ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہو جو کسب رزق میں اس کی معاون ثابت ہو۔ یا انسان جب سوچتا ہو کہ ایک دن اسے یہاں سے رخت سفر باندھنا ہے تو اس کے دل میں اولاد کی خواہش پیدا ہوتی ہے جو مرنے کے بعد اس کے نام کو اور اس کی یاد کو زندہ رکھ سکے۔ اور جو ذات ہر قسم کے احتیاج اور ضرورت سے پاک ہے اس کو اولاد کی خواہش کیونکر ہو۔ دوسری دلیل لہ ما فی السمٰوٰت الخ سے دی کہ جب عالم ہست و بود کی ہر چھوٹی بڑی چیز اس کی پیدا کردہ ہے اور اس کی مملوک ہے تو وہ اس کی اولاد کیسے بن سکتی ہے۔

١٠٠ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عرصہ دراز سے اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے لیکن وہ اپنے کفر و شرک کے ساتھ ایسے چمٹے ہوئے تھے کہ حق کے اجالا کو دیکھنا ہی گوارا نہ تھا۔ پہلے انھیں عقلی اور وجدانی دلائل سے سمجھانے کی کوشش کی کہ اس ہٹ دھرمی کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ مہلت کے یہ لمحے اگر تم نے ضائع کر دیئے تو غضب الٰہی کی آگ تمہیں جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دے گی۔ اب انھیں انسانی تاریخ کے چند واقعات سنائے جا رہے ہیں تاکہ ان کا دل پسیجے اور وہ قبول حق کی طرف راغب ہوں۔ نیز اس میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی

لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكُمۡ مَّقَامِىۡ وَتَذۡكِيۡرِىۡ بِاٰيٰتِ

اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر گراں ہے تم پر میرا قیام [۱] اور میرا پند و نصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کی آیتوں

تسلی دی کہ آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ آپکا رب آپ کے ساتھ ہے اور آپ ہی کامیاب و کامران ہوں گے۔

[۱] حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس للکار میں جو تمکنت اور جلال ہے وہ بتا رہا ہے کہ اس مرد حق آگاہ کا سینہ نور یقین سے لبریز ہے۔ اسے اپنے رب کریم کی تائید و نصرت پر مکمل اعتماد ہے۔ اور اپنی کامیابی کے متعلق اسے ذرا سا بھی تردد نہیں۔ کفار کی تعداد کثیر سہی ان کی قوت بے پناہ سہی اور ان کی عقل فتنہ اندیش کے بھڑکائے ہوئے الاؤ تند و تیز سہی لیکن پیغمبر کی نگاہ میں ان کی کوئی وقعت نہیں۔ چنانچہ آپ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میری دعوت توحید اگر تمہیں ناپسند ہے تو ہوا کرے میں تو اس سے باز نہیں آؤں گا جب تک دم میں دم ہے اپنے مالک و خالق کی عظمت و کبریائی کے گیت گاتا ہی رہوں گا۔ اور حق و صداقت کا پرچم لہراتا ہی رہوں گا۔ تم ایسا کرو کہ سب اکٹھے ہو جاؤ اپنے ٹھاکروں کو بھی بلا لو سب سر جوڑ کر بیٹھو۔ سوچو اور خوب سوچو خوب سوچ بچار کے بعد میرے خلاف کاروائی کرنے کا عزم مصمم کر لو۔ تمہاری سکیم کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جس پر تم نے اچھی طرح غور و فکر نہ کر لیا ہو اور اس کی کامیابی کے بارے میں پوری طرح مطمئن نہ ہو گئے ہو۔ جلدی کی ضرورت نہیں میں کہیں بھاگ کر چلا نہ جاؤں گا۔ پھر سوچ لو۔ سب مل کر خوب غور کر لو۔ جو سکیم تم نے میرے مٹانے کی بنائی ہو تو اب اس کو بروئے کار لانے میں میرا قطعاً کوئی لحاظ نہ کرو۔ پوری بربریت اور وحشت کے ساتھ یکبارگی مجھ پر ٹوٹ پڑو۔ پھر دیکھو انجام کیا ہوتا ہے۔ کیا ایک مرد حق آگاہ کی نگاہ خشمگیں کو برداشت کرنے کی تم میں تاب ہے؟ اس کا ایک نعرہ اللہ تمہارے مکر و فریب کے سارے قلعوں کو پیوند خاک کر دے گا اور تم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکو گے۔ ذرا سوچو! اس بے سروسامان کے پاس کونسی قوت تھی جس نے تمہاری طاقت و جبروت کو سرنگوں کر دیا؟ وہ تائید ربانی اور نصرت الٰہی تھی۔ تو جس انسان کو اپنے رب کی تائید و نصرت حاصل ہو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے میں ہی انسان کی فلاح و نجات ہے۔ جو اس سے ٹکرائیگا پاش پاش ہو جائیگا۔ سچ تو یہ ہے جب تک کسی داعی کو اپنی دعوت کی صداقت پر محکم یقین، اپنے رب کی تائید و نصرت پر مکمل اعتماد نہ ہو وہ کفر و باطل کی بپھری ہوئی اندھی قوت سے نبرد آزما نہیں ہو سکتا۔ ایک مبلغ کی قوت اور کامیابی کا راز اسی یقین اور اعتماد میں مضمر ہے۔ اس آیت کو ایک مرتبہ پھر پڑھیے ان کان کبر شرط ہے اور اکثر علماء کے نزدیک اس کی جزا فاجمعوا امركم ہے اور فعلى الله توكلت جملہ معترضہ ہے وقال الاكثرون الجواب فاجمعوا فعلى الله توكلت جملة اعتراض بين الشرط والجزاء (بحر محيط) شركاءكم کو منصوب پڑھا گیا ہے اگر فاجمعوا باب افعال سے امر ہو تو نحاس لغت و نحو کے مشہور امام نے شركاءكم کو منصوب پڑھنے کی تین وجہیں لکھی ہیں: (۱) یہ مفعول ہے فعل محذوف کا یعنی وادعوا شركاءكم (۲) یہ معطوف علی المعنی ہے۔ (۳) یہ مفعول معہ ہے اور واؤ "مع" کے معنی میں مستعمل ہے اور اگر فاجمعوا کو جمع سے امر بنایا جائے تو پھر شركاءكم کو منصوب پڑھنے کی وجہ یہ ہے اس کا عطف امركم پر ہے فاجمعوا امركم واجمعوا شركاءكم یہاں بھی اسے مفعول معہ بنایا جا سکتا ہے (قرطبی) لغوی تحقیق:- اجمعوا کا معنی ہے عزم مصمم کر لینا چنانچہ جب انسان کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو کرنے کا عزم مصمم کرتا ہے تو عرب کہتے ہیں اجمع الرجل الشئ، عزم عليه ونواه (بحر محيط)

اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

سے پس (سن لو) میں نے تو اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیا سو تم بھی کوئی متفقہ فیصلہ کر لو اپنے شریکوں سے مل کر۔ پھر نہ ہو تمہارا

اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

یہ فیصلہ تم پر مخفی پھر کر گزرو میرے ساتھ (جو جی میں آئے) اور مجھے مہلت تک نہ دو۔ بایں ہمہ اگر تم منہ موڑے

فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ

رہو تو نہیں طلب کیا میں نے تم سے کچھ اجر ۱۰۲ نہیں میرا اجر مگر اللہ کے ذمہ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ

اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي

میں ہو جاؤں مسلمانوں سے تو آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا ۱۰۳ پس ہم نے نجات دی انھیں اور جو ان کے ساتھ

الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

کشتی میں تھے اور ہم نے بنا دیا انھیں ان کا جانشین اور ہم نے غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ

ذرا دیکھو کیسا انجام ہوا ان کا جنھیں ڈرایا گیا تھا۔ پھر ہم نے بھیجے نوح (علیہ السلام) کے بعد

۱۰۲ اگر تم میری دعوت کو قبول نہیں کرو گے تو اپنا ہی زیاں کرو گے میرا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ میں تم سے کسی چیز کا طلبگار نہیں۔ مجھے اجر دینے والا میرا رب ہے۔ اس کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ اس کے در کا سائل اتنا غیور رہتا ہے کہ وہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا ہی نہیں کرتا۔

۱۰۳ یعنی اے کفار مکہ! حضرت نوح نے اپنی قوم کو بہتیرا سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے۔ ان کا انجام یہ ہوا کہ طوفان آیا اور ان غرور و نخوت کے پیکروں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ ہوش کرو! کہیں اس مسلسل نافرمانی اور انکار حق کی پاداش میں تمھیں بھی تباہ و برباد نہ کر دیا جائے۔

رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا

اور رسول ان کی قوموں کی طرف ١٠٤ پس وہ لائے ان کے پاس روشن دلیلیں تو وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے اس پر جسے وہ

كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ۝٧٤

جھٹلا چکے تھے پہلے۔ یونہی ہم مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَهٰرُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

پھر ہم نے بھیجا ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو ١٠٥ فرعون اور اسکے درباریوں کی طرف

بِاٰیٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ۝٧٥ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ

اپنی نشانیوں کے ساتھ۔ تو فرعونیوں نے غرور و تکبر کیا ١٠٦ اور وہ مجرم لوگ تھے پھر جب آیا ان کے پاس حق

١٠٤ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بھی حضرات انبیاء کرام کی آمد کا سلسلہ جاری رہا انھوں نے اپنی اپنی قوم کو پیغام حق سنایا اور اپنے پیغام کی صداقت کو دلائل و معجزات سے ثابت کیا۔ لیکن قوم نے ایک مرتبہ جس بات کو ماننے سے انکار کیا پھر اس کو ماننے سے انکار ہی کرتی رہی۔ کوئی قوی سے قوی دلیل بھی انھیں اپنی روش بدلنے پر آمادہ نہ کرسکی۔ ان کی اس پیہم سرکشی کے باعث حق پذیری کی جو صلاحیت ان میں رکھی گئی تھی وہ ضائع ہوگئی اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ دوسرے لوگوں کی طرح ان میں بھی نور حق کو دیکھنے، آواز حق کو سننے اور دعوت حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی صلاحیتیں تھیں لیکن انھوں نے اپنی بداعمالیوں سے خود ہی انھیں ضائع کردیا۔ معتدین کہتے ہیں جو اپنے نفس کی خواہش کی تعمیل کرتے ہوئے حق وانصاف کی حدود سے تجاوز کرجائے۔ الاعتداء: معناہ تجاوز حدود الحق والعدل اتباعا لھوی النفس وشھواتھا۔ (المنار)

١٠٥ رسولوں کی بعثت کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا ایک جلیل المرتبت رسول حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام مبعوث ہوئے جن کے ذمہ دو اہم کام تھے۔ اپنی قوم بنی اسرائیل کو جو صدیوں سے مصر میں غلامانہ زندگی بسر کررہی تھی آزاد کرانا اور فرعون کو جس نے اپنے خدا ہونے کا دعویٰ کر رکھا تھا اور اپنی رعایا کو اپنی پرستش کرنے کا حکم دے رکھا تھا اس کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی کا پیغام پہنچانا۔ یہ دونوں کام جتنے اہم تھے اتنے ہی مشکل اور دشوار بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عظیم معجزات سے نوازا تاکہ ان کی قوت سے ہر باطل کو سرنگوں کرسکیں اور ان کی روشنی سے شک وشبہ کے سارے اندھیروں کو دور کرسکیں جب آپ نے وہ معجزات دکھائے تو ان کو جادوگر کہا گیا اس کا مفصل بیان سورۃ الاعراف کی آیات ۱۰۳ تا ۱۱۸ کے حواشی میں ملاحظہ فرمایئے۔

١٠٦ یعنی دلائل و براہین کی روشنی نے حق کی حقانیت تو ان پر واضح کردی تھی لیکن ازراہ نخوت وہ اسے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ وہ

مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ

ہماری طرف سے تو انھوں نے کہہ دیا کہ یقیناً یہ کھلا جادو ہے ۹۸ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا (عقل کے اندھو) کیا

لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا

تم کہتے ہو (ایسی بات) حق کے متعلق جب وہ تمہارے پاس آیا ۹۹ (سوچو!) کیا یہ جادو ہے؟ اور نہیں کامیاب ہوتے جادوگر کہنے لگے کیا تم

اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ

اس لیے آئے ہو ہمارے پاس تاکہ ہٹا دو ہمیں اس (دین) سے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ۱۰۰ اور ہو جائے صرف تم دونوں کے لیے بڑائی

فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ

سرزمین (مصر) میں۔ اور ہم لوگ تو تم کو نہیں مانیں گے ۱۰۱ اور فرعون نے حکم دیا (فوراً) لے آؤ میرے پاس

عادی مجرم تھے جرم و گناہ کی محبت میں وہ مگن تھے۔ سچائی اور نیکی سے انھیں خدا واسطے کا بیر تھا۔

۹۸ وہ کلیم اللہ کے معجزات کو بھی ساحرانہ شعبدہ بازی ہی سمجھتے اور اس فن میں تو انھیں کمال حاصل تھا۔ اس لیے وہ کسی ساحر کی غلامی پر کسی طرح رضامند ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔

۹۹ جب فرعون اور اس کے درباریوں نے آپ کے معجزات کو جادو کہا تو آپ جلال میں آگئے۔ اور فرمانے لگے عقل کے اندھو! کیا یہ جادو ہے۔ کیا یہ تابانی اور یہ رعنائی کبھی جادو میں بھی تم نے دیکھی ہے۔ کیا تم اتنے کودن ہو کہ کھرے اور کھوٹے میں بھی فرق نہیں کر سکتے۔ کیا ہر چمکنے والی چیز سونا ہوتی ہے۔ پھر دیکھو جادوگر کے مقدر میں بجز ذلت و رسوائی کے کچھ نہیں۔ فلاح و کامرانی سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر میں بھی جادوگر ہوا تو دوسرے جادوگروں کی طرح میں بھی خائب و خاسر ہوں گا اور اگر میں اور میرے نقش قدم پر چلنے والے حقیقی فوز و فلاح کی منزل پر پہنچ گئے تو پھر تو مانو گے کہ میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول تھا۔

۱۰۰ آپ کے معجزات، آپ کے دلائل اور آپ کی بے خطر صاف گوئی کے باعث ان پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا جب کوئی معقول جواب نہ بن پڑا تو الزام تراشی پر اتر آئے کہ تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے عقائد سے برگشتہ ہو جائیں ہم اس کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ دوسرا یہ کہ تم دراصل ایک سیاسی انقلاب بپا کرنا چاہتے ہو۔ تمہارے پیش نظر عقائد کی اصلاح اور اخلاق کی تربیت ہرگز نہیں۔ تم محض اقتدار کے بھوکے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ مصر میں ہماری حکومت ختم ہو جائے۔ ہم اس انقلاب کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے کہ بنی اسرائیل جو صدہا سال سے ہمارے غلام ہیں ہمارے حکمران بن جائیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ علم حق بلند کرنے والوں پر حکمران طبقہ کی طرف سے یہی الزام لگایا جاتا ہے۔ ان کے اخلاص و للہیت کو اسی قسم کی بہتان تراشیوں سے داغدار کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔

۱۰۱ ان کلمات سے جو تعصب اور ہٹ دھرمی نمایاں ہو رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا

ہر ماہر جادوگر — پھر جب آگئے جادوگر — تو کہا انھیں موسیٰ (علیہ السلام) نے ڈالو

مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ

(میدان میں) جو تم ڈالنے والے ہو۔ — پھر جب ڈال دیا انھوں نے تو موسیٰ نے فرمایا — یہ جو تم لائے ہو — یہ

السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾

جادو ہے [11] یقیناً اللہ تعالیٰ ملیامیٹ کر دیگا اسے — بیشک اللہ تعالیٰ نہیں سنوارتا — شریروں کے کام کو۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى

اور اللہ تعالیٰ حق کو — حق کر دکھاتا ہے اپنے ارشادات سے — اور خواہ ناپسند ہی کریں (اسے) مجرم [12] — پس نہ ایمان لائے موسیٰ پر

اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ

بجز ان کی قوم کی اولاد کے [13] (وہ بھی) — ڈرتے ہوئے — فرعون سے — اور اپنے سرداروں سے

[11] جب وہ اپنے جادو کے کمال کا مظاہرہ کر چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میری آیات بیّنات کو سحر کہتے تھے وہ سحر نہیں سحر تو شعبدہ بازیاں ہیں جن کا مظاہرہ تم کر رہے ہو ابھی تمہیں میرے اس قول کی صداقت کا علم ہوا چاہتا ہے۔ سحر باطل ہے اور باطل کا کام مٹ جانا ہے اور حق ہمیشہ زندہ و پائندہ ہوتا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ اس مقابلہ میں کون جیتتا ہے اور کون ہارتا ہے۔ جب حضرت کلیم نے اپنا عصا پھینکا تو وہ چشم زدن میں ان تمام کو نگل گیا۔ حق کا بول بالا ہوا اور باطل کے پرستاروں کو شرمناک ہزیمت اٹھانا پڑی۔

[12] کفار ناک بھوں چڑھاتے رہیں، جرائم پیشہ لوگوں کی پیشانیوں پر بل پڑتے رہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی پرواہ نہیں۔ وہ تو اپنے ارشادات طیبات سے حق کو سربلند کر کے چھوڑتا ہے۔

[13] فرعون مصر کا مطلق العنان بادشاہ تھا لیکن اس نے صرف بادشاہ کہلانے پر ہی قناعت نہ کی بلکہ اس نے اپنے رب اعلیٰ ہونے کا بھی اعلان کر دیا اور اپنی رعایا کو حکم دیا کہ وہ اس کی پرستش کیا کرے۔ بادشاہ کے خلاف بغاوت کی جا سکتی ہے لیکن کوئی پجاری اپنے خدا کے خلاف بغاوت کا تصور تک کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس نے چاہا کہ وہ اپنی حکمرانی کا محل اپنے بادشاہ اور خدا ہونے کی بنیادوں پر تعمیر کرے تاکہ کسی کو سرکشی کی ہمت ہی نہ ہو سکے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھرے دربار میں جب لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ لگایا تو اس کی زد فقط فرعون کے رب اعلیٰ ہونے کے دعوے پر ہی نہیں پڑی تھی بلکہ اس سے تو اس کی حکومت و فرمانروائی کے قصر کی بنیادیں لرز اٹھی تھیں۔ فرعون ایسی جسارت

أَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ

کہیں وہ انھیں بہکانہ دے۔ اور واقعی فرعون بڑا سرکش (بادشاہ) تھا ملک میں اور واقعی وہ حد سے

الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَ قَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ

بڑھنے والوں میں سے تھا۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر

کب برداشت کرسکتا تھا اس نے صاف اعلان کر دیا قال فرعون ذرونی اقتل موسی ولیدع ربہ۔ انی اخاف ان یبدل دینکم اویظھر فی الارض الفساد : (۴۰: ۲۶) یعنی مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کا سر قلم کر دوں۔ بیشک وہ اپنے رب کو بلا لائے۔ مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر اس کو فوراً قتل نہ کر دیا گیا تو وہ تمہارا دین بگاڑ دے گا یا زمین میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دے گا۔ ان حالات میں موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ حکومت کی قہر آلود نگاہوں کو برداشت کر لینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہوا کرتی۔ وہ لوگ جو حکومت کے وظائف پر زندہ تھے۔ جن کی ساری عظمتیں صرف اس وابستگی کی مرہون منت تھیں جنھیں اس حکومت کے سایہ میں ہر طرح کی جائز و ناجائز مراعات حاصل تھیں انھیں کیا پڑی تھی کہ وہ خواہ مخواہ اپنے مستقبل کو تاریک کر دیں۔ وہ اپنے ہاتھوں اپنی بساطِ عیش و نشاط کو الٹ دیں اس لیے قبطیوں کے لیے دعوت موسوی میں کوئی جاذبیت نہ تھی۔ رہے بنی اسرائیل تو ان کی غیرت و قوت کو طویل عرصہ کی غلامی نے کھوکھلا کر دیا تھا ان کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ مدتیں گزریں ان کے سینوں میں کسی ایسی امنگ نے انگڑائی ہی نہیں لی تھی جو ان کی خفیہ صلاحیتوں کو گرما دے۔ ان کی زندگی کا مقصد صرف شکم پروری اور زیادہ دنوں تک جیتے رہنا ہو گیا تھا۔ ان میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ فرعون جیسے جابر حاکم کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والے کے دوش بدوش کھڑے ہو سکیں۔ اس لیے آپ کی قوم کے بڑے بوڑھوں نے اس معرکۂ حق و باطل میں آپ کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ البتہ بنی اسرائیل کے چند نوجوان ان مہیب خطرات اور جاں گسل مشکلات کو جانتے ہوئے جن سے انھیں بلاشبہ دوچار ہونا تھا آگے بڑھے اور حضرت کلیم اللہ کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔

[۸۴] ان جانبازوں کو فرعون کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ انھیں خوب علم تھا کہ وہ ایک سرکش اور مطلق العنان حکمران ہے۔ اس کا ظلم و استبداد کسی قانون اور ضابطہ کا پابند نہیں۔ وہ ان پر ایسے ستم توڑے گا کہ پہاڑوں کے دل بھی کانپ اٹھیں گے لیکن وہ مے توحید سے سرشار اپنے معبود برحق کی وحدانیت کا پرچم لہرانے کا عزم بالجزم کر چکے تھے۔ انھوں نے نتائج سے بے پروا ہو کر اپنی قسمت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وابستہ کر دی تھی۔

یہاں چند امور توجہ طلب ہیں۔ (۱) ذریۃ بکمسن بچوں کو لغت میں ذریت کہتے ہیں لیکن عرف میں اس کا استعمال چھوٹوں بڑوں سب پر ہوتا ہے۔ الذریۃ اصلھا الصغار من الاولاد وان کان قد یقع علی الصغار والکبار معًا فی التعارف ویستعمل للواحد والجمع واصلہ الجمع۔ (مفردات راغب) علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کے بڑوں بوڑھوں کو دعوت دی تو انھوں نے فرعون کے خوف سے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے نوجوان بچوں کو بھی سمجھایا کہ وہ ان کے قریب نہ جائیں لیکن

فَعَلَيۡهِ تَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِيۡنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوۡا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا ۚ

تو اسی پر بھروسہ کرو[۱۱۸] اگر تم سچے مسلمان ہو۔ انھوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا ہے[۱۱۹]

ان نوجوانوں نے تمام خطرات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس کو قبول کیا اس لیے یہاں ذریۃ سے مراد کمسن بچے نہیں بلکہ نوجوانانِ قوم ہیں حیث دعا علیہ السلام الآباء فلم یجیبوہ خوفا من فرعون واجابتہ طائفۃ من شبانہم فالمراد من ذریۃ الشبان لا الاطفال (روح المعانی)

(۲) مِّنۡ قَوۡمِهٖ کی ضمیر کا مرجع کون ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس کا مرجع فرعون ہے۔ کیونکہ اس کا مرجع اگر موسیٰ کو بنایا جائے تو لازم آئیگا کہ قوم موسیٰ کی اکثریت بھی کافر تھی اور ان میں صرف چند لوگ ایمان لائے تھے حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے کیونکہ آپکی ساری قوم آپ پر ایمان لا چکی تھی۔ ہاں اگر اس کا مرجع فرعون ہو تو پھر کوئی اشتباہ نہیں کیونکہ قوم فرعون میں سے تو گنتی کے چند آدمی ایمان لائے تھے۔ مثلاً حضرت آسیہ، مومن آل فرعون، فرعون کا خزانچی اور اس کی بیوی لیکن اگر آپ قرآن کریم کے الفاظ میں غور کریں تو یہ شبہ خودبخود دور ہو جاتا ہے۔ علماء ادب و لغت کی تحقیق کے مطابق اگر آمن کا صلہ باء ہو تو اس کا معنی کسی پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا ہوتا ہے اور اگر اس کا صلہ لام ہو تو پھر اس کا معنی اطاعت و پیروی کرنا ہوتا ہے آمن بہ۔ قبلہ، اعتقدہ وثق بہ و آمن لہ۔ خضع وانقاد (المنجد) یہاں آمن بموسیٰ نہیں تاکہ بنی اسرائیل کی اکثریت کا کفر ثابت ہو بلکہ آمن لموسیٰ کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اگرچہ موسیٰ کی رسالت کو مانتے تھے لیکن اس معرکہ حق و باطل میں وہ آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

۱۱۸ یہاں موسیٰ علیہ السلام اپنے وفاکیش ساتھیوں کی تربیت فرما رہے ہیں۔ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر تمہیں حالات کی تمام ناسازگاریوں کے باوجود گھبرانا نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر کامل بھروسہ کرنا ہوگا۔ راہِ حق کے مسافر کے لیے توکل علی اللہ سے بہتر اور کوئی زادِ راہ نہیں ہے۔

۱۱۹ ان جانبازوں نے اپنے مرشد کے اس سبق کو ہمیشہ یاد رکھنے اور اس پر عمل پیرا رہنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد اپنے مولا کریم کی بارگاہِ عزت و جلال میں دامنِ طلب پھیلا کر دو التجائیں کیں ایک یہ کہ ہمیں اس ظالم قوم کے لیے فتنہ نہ بنا۔ دوسری یہ کہ ہمیں ان کے پنجۂ استبداد سے رہائی بخش۔ فتنہ بننے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں یعنی ہمیں ان کے ظلم و ستم کا ہدف نہ بنا مبادا ہماری قوتِ برداشت جواب دے جائے اور ہمارے پاؤں ڈگمگا جائیں اور صبر و استقامت کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ دوسرا معنی جو زیادہ پسندیدہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر ان کے ظلم و تشدد کے مقابلہ میں ہماری بے بسی کا یہی عالم رہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی برتری کے باعث اپنے برحق ہونے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں وہ جب دیکھیں گے کہ انھوں نے تو ہم پر ظلم کی انتہا کر دی ہے اور مار مار کر ہمیں لہولہان کر دیا ہے اور ان میں سے تو کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی تو وہ یقین کر لیں گے کہ ہمارا کوئی خدا نہیں ورنہ اس کی غیرت اپنے بندوں کی اس رسوائی کو برداشت نہ کر سکتی ای لا تسلطہم علینا فیقول قوم فرعون لو کان ھٰؤلاء علی الحق ما عذبوا و ظنوا انھم خیر منا۔ ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے یعنی ہمیں ایسی لغزش سے بچا جس سے اہل باطل کو دعوتِ حق پر زبانِ طعن دراز کرنے کا موقع مل جائے یا اس کو رد کرنے کا بہانہ مل جائے۔ عام لوگ حق کو اس کے پرستاروں کی زندگی کے آئینہ میں ہی دیکھا کرتے ہیں۔ ان کی سیرت اور کردار میں ذرا سی خامی دیکھی جھٹ اس کا الزام ان پر نہیں بلکہ ان کی دعوت پر لگا دیا اس لیے وہ نوجوان عرض کر رہے ہیں کہ

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ

اے ہمارے رب! نہ بنا ہمیں فتنہ (کا موجب)، ظالم قوم کے لیے اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے

مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ

کافروں (کے ظلم و ستم) سے اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف کہ مہیا کرو

لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ

اپنی قوم کے لیے مصر میں چند گھر ۱۱۷ اور بناؤ اپنے ان گھروں کو قبلہ رخ اور قائم کرو نماز

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَ

اور (اے موسیٰ!) خوشخبری دو مومنوں کو ۱۱۸ اور عرض کی موسیٰ نے اے ہمارے پروردگار! تو نے بخشا ہے ۱۱۹ فرعون اور

آزمائش کی گھڑیوں میں ہمیں جس حوصلہ اولوالعزمی اور استقامت کی ضرورت ہے، وہ ہمیں عطا فرما۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے کسی بشری کمزوری کا ظہور ہو جائے اور ظاہر بین لوگوں کو حق پر آوازہ کسنے کا موقع مل جائے۔ داعیانِ حق کی ذمہ داریاں بڑی نازک ہوتی ہیں۔ ان کی ادنیٰ سی لغزش لوگوں کے لیے حجاب بن جاتی ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ بارگاہِ الٰہی میں اس نازک ذمہ داری کے سنگین تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق طلب کرتے رہیں۔

۱۱۷ مصر میں بنی اسرائیل نے اپنی عبادت گاہیں تعمیر کی ہوئی تھیں جن میں وہ اکٹھے ہو کر عبادت کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت کلیم کی آمد کے بعد فرعون کے حکم سے ان عبادت گاہوں کو مسمار کر دیا گیا اور ان کے دینی اجتماعات پر بھی طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ اہلِ استبداد کا آج بھی یہی دستور ہے۔ ان حالات میں جبکہ ان کی عبادت کے مراکز کھنڈر بنا دیے گئے تھے انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ہی عبادت کر لیا کریں۔ قِبْلَةً سے مراد یا تو مصلیٰ ہے یعنی اپنے گھروں کو ہی عبادت گاہ بنا لیں یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے مکان تعمیر کریں جو قبلہ رخ ہوں تاکہ وہاں عبادت کرنے میں انہیں آسانی ہو اور سمت متعین کرنے میں انہیں تردد نہ ہو۔

۱۱۸ بگڑے ہوئے حالات میں قوم کے حوصلوں کو بلند رکھنا از حد ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ ان کی قوتِ مدافعت جواب دے دیتی ہے۔ حق و باطل کی یہ کشمکش بڑی طویل اور صبر آزما تھی۔ فرعون کی خدائی کا ڈنکا بج رہا تھا اور بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا۔ اگر قدم قدم پر ان مجاہدوں کی حوصلہ افزائی نہ کی جاتی تو وہ کسی وقت بھی حوصلہ ہار سکتے تھے۔ اس لیے خصوصی طور پر فرمایا کہ اے کلیم! انہیں اپنے ربِ کریم کی نصرت کا یقین دلاتے رہو۔ انہیں بتاؤ کہ کامیابی کا سہرا یقیناً تمہارے سر بندھے گا اور فرعون باہمہ جاہ و جلال تباہ کر دیا جائے گا۔

۱۱۹ موسیٰ علیہ السلام عرصہ دراز تک فرعون اور اس کی قوم کو رشد و ہدایت کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن بے سود۔ آئے دن ان کے فسق و فجور میں اضافہ ہی ہوتا اور ان کی سرکشی بڑھتی ہی جاتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ازراہِ تعجب بارگاہِ ربوبیت میں عرض کی اے ہمارے پروردگار! یہ آزمائش

مَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ

اس کے سرداروں کو سامانِ آرائش اور مال و دولت دنیوی زندگی میں اے ہمارے مولا! کیا اس لیے کہ وہ گمراہ کرتے

سَبِیْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ

پھریں (لوگوں کو) تیری راہ سے۔ اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو

فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ

تاکہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قبول کر لی گئی

دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

تمھاری دعا ۲۱؎ پس تم ثابت قدم رہو اور ہرگز نہ چلنا اس طریقہ پر جو جاہلوں کا (طریقہ) ہے

تجمل کے ان گنت سامان یہ دولت و ثروت کی ریل پیل کیا انھیں اس لیے دی گئی کہ یہ رنگ رلیاں مناتے رہیں اور داد عیش دیتے رہیں۔ نہ تجھے یاد کریں اور نہ تیرے انعامات پر تیرا شکر ادا کریں۔ ان کے عشرت کدوں کے سایہ میں مجبور و مقہور انسانیت سسکتی رہے، کراہتی رہے اور انھیں کبھی ان کا خیال ہی نہ آئے۔ یہ نشۂ دولت میں اتنے سرمست رہیں اور ان تاریک جھونپڑوں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جہاں غربت اور فاقہ کشی نے اپنے ظالم پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ اب تو ان بے رحم ہاتھوں سے ظلم کی تلوار چھین لے۔ اے منتقم حقیقی! یہ زر و سیم کے انبار جنھوں نے انھیں بدماغ بنا دیا ہے اب ان کو بھسم کر دے۔ ان پر اپنا در رحمت ہمیشہ کے لیے بند کر دے۔ اب یہ اس لائق ہی کہاں ہیں کہ انھیں تیرے ابرِ کرم میں جگہ دی جائے۔ اکثر مفسرین نے لیضلوا کے لام کو لام عاقبت کہا ہے یعنی تو نے ان کو سامانِ آرائش بخشا اور انھیں دولتِ فراواں عطا کی لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ انھوں نے راہ ہدایت کو چھوڑ کر اپنے لیے گمراہی کا راستہ منتخب کیا۔ لیکن میں نے ترجمہ کرتے ہوئے امام رازی کے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ یہاں ہمزۂ استفہام مقدر ہے اور آپ ازراہ حیرت و استعجاب دریافت کر رہے ہیں۔ ان یکون موسٰی علیہ السلام ذکر ذلك علی سبیل التعجب المقرون بالانکار ... ثم حذف حرف الاستفهام۔ (کبیر)

اگرچہ پیغمبر کا کام پیغام حق سنانا ہوتا ہے بددعا کرنا نہیں ہوتا لیکن جب کسی قوم کی ہدایت کا امکان ہی باقی نہ رہے تو باذنِ الٰہی وہ بددعا کرتا ہے۔

۲۱؎ ارشاد ہوا کہ تمھاری دعا قبول ہوئی۔ ان پر عذاب آئے گا جو ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا لیکن اس کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا گیا ہے تم ناواقف لوگوں کی طرح جلدبازی نہ کرنا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ

اور ہم پار لے گئے بنی اسرائیل کو سمندر سے[۱۲۱] پھر پیچھا کیا اُن کا فرعون اور اس کے لشکر نے

بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ

سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے حتی کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو (بصد یاس) کہنے لگا[۱۲۲] میں ایمان لایا کہ کوئی سچا خدا نہیں

اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۹۰

بجز اس کے جس پر ایمان لائے تھے بنی اسرائیل اور میں اعلان کرتا ہوں کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝۹۱ فَالْیَوْمَ

کیا اب ہے[۱۲۳] اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور تو فتنہ و فساد برپا کرنے والوں سے تھا۔ سو آج ہم[۱۲۴] لے

۱۲۱؎ سورۂ بقرہ اور اعراف میں بنی اسرائیل کے صحیح سلامت پار اترنے اور فرعون کے غرق ہونے کا ذکر ہو چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمایا جائے۔

۱۲۲؎ جب سمندر کی تند موجوں نے اسے اپنے نرغہ میں لے لیا اور اسے اپنی ہلاکت کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہا تو خدائی کا نشہ ہرن ہو گیا اور اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا جس دعوت کو وہ اب تک بڑی حقارت سے ٹھکراتا رہا تھا اب ایک ہی سانس میں تین مرتبہ اس کی صداقت کا اعتراف کرنے لگا۔ آمنت انہ، لا الہ الا الذی.... انا من المسلمین۔

۱۲۳؎ عذاب کا فرشتہ جب شہ رگ کو آکر دبوچ لے، پردۂ غیب میں مستور حقائق جب بے حجاب دکھائی دینے لگیں تو اس وقت ایمان لانا شریعت میں معتبر نہیں۔ اس لیے حالت اضطرار میں جب فرعون نے ایمان لانے کا اعلان کیا تو اسے اس کے منہ پر دے مارا گیا۔ اگرچہ بائیبل میں فرعون کے ایمان لانے کا تذکرہ نہیں لیکن تلمود میں صراحتہً مذکور ہے کہ اس وقت فرعون نے کہا "میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں۔ اے خداوند تیرے سوا کوئی خدا نہیں۔" (تفہیم القرآن)

۱۲۴؎ ہو سکتا تھا کہ سمندر کی بے رحم موجیں اس کی نعش کو کہیں دور بہا لے جاتیں اور سمندر کا کھارا پانی تھوڑی دیر میں اس کے گوشت پوست کو گلا کر رکھ دیتا یا بحری جانور اسے نگل جاتے اور اس کا کوئی نشان تک باقی نہ رہتا لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ دنیا خدائی کے جھوٹے مدعی کے ہولناک انجام کو فراموش کر دے چنانچہ موجوں کو حکم ملا اور انھوں نے اس کے بے روح جسم کو اٹھا کر ایک ٹیلے پر پھینک دیا۔ یہ جگہ آج بھی جبل فرعون کے نام سے مشہور ہے اور وہاں کے لوگ بتاتے ہیں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں فرعون کی لاش کو سمندر نے پھینکا تھا اس کی لاش کو دیکھ کر بنی اسرائیل کو بھی اس کے ڈوب جانے کا یقین ہو گیا۔ نیز باقی لوگوں کے لیے بھی اس میں درس عبرت ہے۔ مصر میں ایسے مسالے ایجاد ہو چکے تھے جن کے استعمال سے لاش کو گلنے سڑنے سے بچایا جا سکتا تھا اور اس زمانہ میں بادشاہوں اور امراء کی لاشوں کو ممی کر دیا

نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

بچا لیں گے تیرے جسم کو (سمندر کی تند موجوں سے) تاکہ تو ہو جائے اپنے پچھلوں کے لیے (عبرت کی) نشانی اور حقیقت یہ ہے کہ

النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ

اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں [۱۲۵] اور ہم نے عطا فرمایا بنی اسرائیل کو بہترین

صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ

ٹھکانا [۱۲۶] اور ہم نے انھیں پاکیزہ رزق بخشا پس انھوں نے اختلاف کیا حتیٰ کہ آگیا ان کے پاس حقیقت کا

الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا

علم۔ (اے حبیب!) بیشک آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان روزِ قیامت جن باتوں میں وہ

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ

جھگڑا کیا کرتے تھے اور (اے سننے والے!) اگر تجھے کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے (اپنے نبی کے ذریعہ) تیری طرف اتارا

جاتا تھا۔ چنانچہ ماہرین آثار قدیمہ نے مصر کے شاہی قبرستانوں سے متعدد ممی شدہ لاشیں نکالی ہیں جو محفوظ ہیں۔ مصر کے عجائب گھر (دار الآثار) میں ایک لاش موجود ہے جس کے متعلق ماہرین اثریات کا خیال ہے کہ یہ فرعون موسیٰ (رعمسیس ثانی) کی لاش ہے ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن ایلیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔" (تفہیم القرآن)

۱۲۵؎ کاش لوگ گزرے ہوئے نافرمانوں کے انجام سے عبرت حاصل کرتے اور اس راہ پر نہ چلتے جس پر چل کر ان کے کئی پیشرو بربادی و نامرادی کے گڑھوں میں گر کر ہلاک ہو چکے ہیں لیکن افسوس کہ ایسا نہیں اگرچہ قدم قدم پر عبرت کی نشانیاں اپنی زبانِ حال سے انھیں متنبہ کر رہی ہیں لیکن غافل انسانوں کے غفلت کے نشہ میں چور انھیں راہوں پر سرپٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں۔

۱۲۶؎ یعنی فرعون کے غرقاب ہونے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کیا اور انھیں بسنے کے لیے ایک زرخیز اور شاداب خطہ زمین (فلسطین اور اردن) مرحمت فرمایا اور انھیں کھانے کے لیے پاکیزہ اور لذیذ چیزیں فراہم کیں۔

مُبَوَّاً: ٹھیرنے کی جگہ، مسکن۔ صدق کا معنی عمدہ، پسندیدہ ای منزلا صالحا مرضیا (بحر)

مبوأ کو صدق سے موصوف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کسی چیز کی توصیف کرتے ہیں تو اسے

الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ

تو دریافت کر ان لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے۔ بیشک آیا ہے تیرے پاس حق تیرے

رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ

رب کی طرف سے پس ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے اور ہرگز نہ ہونا ان لوگوں سے

كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ

جنھوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ورنہ تو ہو جائے گا نقصان اٹھانے والوں سے۔ بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے

عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ لَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ

جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے ۱۲۸ اگرچہ آجائیں ان کے پاس ساری نشانیاں

حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْیَةٌ اٰمَنَتْ

جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب ۱۲۹ پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ ۱۳۰ کوئی بستی ایمان لاتی تو

صدق کی طرف مضاف کر دیتے ہیں یعنی یہ چیز اتنی عمدہ ہے کہ اس سے بھلائی کی جو توقع کی جائے گی وہ چیز اس پر پوری اترے گی اور توقع کرنے والے کی تصدیق کرے گی۔ انما وصف المبوأ بکونہ صدقا لان عادۃ العرب انہا اذا مدحت شیئا اضافتہ الی الصدق تقول رجل صدق، قدم صدق الخ (رازی)

۱۲۷ ان دو آیتوں میں بھی خطاب عام انسان کو ہے۔

۱۲۸ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اس کے علم ازلی میں جو دولت ایمان سے محروم ہیں انھیں ہزار معجزے دکھائے جائیں ہزار دلیلیں سنائی جائیں وہ حق قبول نہیں کریں گے۔

۱۲۹ یہاں تک کہ انھیں عذاب الٰہی گھیرے اس وقت انھیں ہوش آئے گا اور وہ کف افسوس ملیں گے لیکن کیا حاصل۔

۱۳۰ لولا بمعنی ھلا سرزنش اور توبیخ کے لیے استعمال ہوا ہے یعنی وہ لوگ کیوں ایمان نہ لائے تاکہ عذاب الٰہی سے بچ جاتے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ لفظی اعتبار سے یہ استثنا منقطع ہے لیکن معنوی لحاظ سے متصل ہے کیونکہ تقدیر عبارت یوں ہے ما آمن من اھل قریۃ الاقوم یونس۔ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ عذاب ان پر آیا لیکن ان کی گریہ زاری اور نالہ و بکا کی وجہ سے ٹال دیا گیا اور یہ اسی قوم کی خصوصیت ہے کہ نزول عذاب کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی لیکن زجاج کا قول ہے کہ عذاب ابھی نازل نہیں ہوا تھا بلکہ صرف

فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ

نفع دیتا اسے اس کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) بجز قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے

عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾

رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انھیں ایک مدت تک۔

وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ

اور اگر چاہتا آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب (١٣١) کیا آپ

اس کی علامتیں اور آثار نمودار ہوئے تھے کہ انھوں نے صدق دل سے توبہ کر لی یا یہ کہ عذاب نے ابھی ان کو اپنے نرغہ میں نہیں لے لیا تھا جس طرح فرعون کو موجوں نے گھیر لیا تھا بلکہ جب انھوں نے دور سے کالے بادل منڈلاتے دیکھے تو سجدوں میں گر پڑے اور رو رو کر معافی مانگنے لگے ان کی مثال ایسے بیمار کی تھی جس پر بیماری کا حملہ اگرچہ شدید ہے لیکن بچ جانے کے امکانات بھی ابھی موجود ہوں۔ علماء نے زجاج کے اس قول کو بڑا پسند کیا ہے قال الزجاج: انهم لم يقع بهم العذاب وانما رأوا العلامة التي تدل على العذاب ولو رأوا عين العذاب لما نفعهم الايمان۔ (قرطبی) قلت قول الزجاج حسن۔ (قرطبی)

وقال الزجاج: هؤلاء دنا منهم العذاب ولم يباشرهم كما باشر فرعون فكانوا كالمريض الذي يخاف الموت ويرجو العافية فيه فاما الذي يباشره العذاب فلا توبة له۔ (بحر محیط)

(١٣١) بظاہر تو یہ چیز بڑی خوش آئند معلوم ہوتی ہے کہ زمین کا گوشہ گوشہ نور حق سے منور ہو۔ ہر طرف سے اِلَّا اللّٰہ کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہوں۔ محبت و پیار کا زمزمہ بہہ رہا ہو احسان و مروت کی کارفرمائی ہو۔ کوئی بھی حق کا منکر نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی تکوینی مصلحتیں اس کی مقتضی نہیں۔ ذکر و فکر کی محفلیں تو فرشتوں کے دم سے پہلے ہی آباد تھیں آسمان کی وسعتوں میں کوئی چپہ ایسا نہ تھا جہاں ملائکہ اپنی نورانی پیشانیوں سے سجدہ ریز نہ ہوں۔ بایں ہمہ محفل کائنات اداس تھی کسی خلیل نے آتشکدہ نمرود میں ابھی چھلانگ نہیں لگائی تھی حسن و شباب کی ساری حشر سامانیوں اور شعلہ انگیزیوں اور طبعی تقاضوں کو کسی یوسف نے ابھی پائے حقارت سے ٹھکرایا نہیں تھا۔ ید بیضا نے عصائے کلیمی کو جنبش دے کر کسی فرعون کا غرور خاک میں ملایا نہیں تھا۔ ابھی تک احد و حنین کے سنگریزے عشاق باوفا کے خون ناب سے رنگین ہوا نہیں ہوئے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ بزم ہستی ان مناظر کے بغیر ناتمام معلوم ہو رہی تھی۔ یہ کمی تب ہی پوری ہو سکتی تھی کہ افراد انسانی کو متنوع صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا جاتا اور ان کو بروئے کار لانے کے لیے انھیں آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ ان کی نشو و نما کے لیے ایسا ماحول مہیا کیا جاتا جہاں نیکی اور بدی دونوں پنپ سکیں جہاں حق و باطل دونوں کے لیے زندہ رہنے کی گنجائش ہو۔ اس لیے خالق کائنات نے انسان کو پیدا کیا۔ اس میں ہر طرح کی صلاحیتیں رکھیں۔ اسے ہدایت و ضلالت کی راہوں سے آگاہ کر دیا اور پھر اسے عمل کی آزادی مرحمت فرمائی

تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ

مجبور کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو۔ یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں اور کوئی بھی ایسا شخص نہیں کہ وہ

تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ

ایمان لاسکے بغیر حکم الٰہی کے۔ ١٣٢ اور (سنت الٰہی یہ ہے کہ) وہ ڈالتا ہے (گمراہی کی) آلودگی ان لوگوں پر جو

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا

بے سمجھ ہیں فرمائیے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں ١٣٣ اور فائدہ

تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ

نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔ ١٣٤ پس

اور انہیں بتادیا کہ یہ دار العمل ہے جو بوؤ گے وہی کاٹنا پڑے گا۔ اے محبوب! اگر تیرا رب چاہتا تو سب کو مومن بنا دیتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ راہ حق اختیار کرنے پر کسی کو مجبور نہ کیا جائے۔ ولو شاء ربک کے الفاظ میں بکرر غور کرو۔ کیا لطف ہے۔ رب تو وہ ساری کائنات کا ہے لیکن ربوبیت کا جو خصوصی تعلق اے قیم مکہ تیری ذات سے ہے وہ کسی سے نہیں۔ نہ عرش سے نہ کرسی سے المجید ث یتیما فاوٰی کا شرف صرف تیری ذات کو ہی حاصل ہے علیک الصلوٰۃ یا احب خلق اللہ وعلیک السلام یا عروس مملکۃ اللہ۔

١٣٢ یعنی شرف ایمان سے فقط وہی مشرف ہو سکتا ہے جس کی یاوری توفیق الٰہی کرے اور بلاوجہ لوگوں کو نعمت ایمان سے محروم نہیں کردیا جاتا اور بلا سبب ان پر کفر و خذلان کی ذلت تھوپ نہیں دی جاتی۔ فقط انہیں لوگوں کو توفیق سے محروم کیا جاتا ہے۔ جو فہم و عقل کی خداداد قوتوں کو ناکارہ بنا دیتے ہیں اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے لیے انہیں استعمال نہیں کرتے۔

١٣٣ آپ انہیں فرمائیے کہ صحیفہ کائنات کو ذرا غور سے دیکھیں انہیں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے انفسی اور آفاقی دلائل نظر آئیں گے ہر جگہ انہیں ہدایت کے چراغ جگمگاتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ لیکن اگر وہ آنکھیں بند رکھنے پر ہی مصر ہوں تو ان کی قسمت! عین دوپہر کے وقت وہ اندھوں کی طرح گھپ اندھیروں میں گھرے ہوئے ہیں۔

١٣٤ نُذُر: نذیر کی جمع ہے۔ یعنی ان آیات اور شواہد سے فقط وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جن کے دلوں میں طلب حق کا جذبہ ہو لیکن جو حق کو حق سمجھتے ہوئے اس سے روگردانی کیے ہوئے ہوں اور روا ضح دلائل کے باوجود ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوں ان کے لیے نہ کوئی معجزہ مفید ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ڈرانے والا ان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے باز رکھ سکتا ہے۔

يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ

وہ انتظار نہیں کر رہے مگر ان لوگوں جیسے حالات کا جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے ١٣٥ آپ فرمایئے

فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا

اچھا انتظار کرو۔ بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ (جب عذاب آجائیگا) پھر ہم بچالیں گے اپنے رسولوں کو ١٣٦

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَيُّهَا

اور انہیں جو ایمان لائے۔ بلاشبہ ایسا ہی ہوگا۔ یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم بچالیں گے اہل ایمان کو ١٣٧ فرمایئے اے

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ

لوگو اگر تمہیں کچھ شک ہو میرے دین کے بارے میں تو (سن لو) میں عبادت نہیں کرتا ان (بتوں)

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ

کی جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا لیکن میں تو عبادت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی جو مارتا ہے تمہیں

١٣٥ حجت پوری ہوچکی۔ حق واضح ہوچکا۔ اب بھی وہ ایمان نہیں لا رہے۔ شاید وہ اس عذاب کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے گمراہ قوموں پر نازل ہوا تھا اور انہیں ملیا میٹ کر گیا تھا۔ اگر ان کی یہی منشا ہے تو ان کی یہ حسرت بھی پوری کردی جائے گی۔ انہیں کہیے کہ چند روز انتظار کریں یہاں تک کہ وہ گھڑی آجائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت و بربادی کے لیے مقرر کر رکھی ہے اور فرمایئے میں بھی تمہارے ساتھ اس وقت کا منتظر ہوں۔ ایام سے مراد یہاں دن نہیں بلکہ وہ واقعات اور حالات ہیں جن سے ان کے پیش روؤں کو سابقہ پڑا تھا الایام ھھنا بمعنی الوقائع یقال فلان عالم بایام العرب ای بوقائعھم عربی میں ایام کا لفظ عذاب و رحمت، احسان، نعمت وغیرہ معنوں میں بھی مستعمل ہوتا رہتا ہے جس طرح ارشاد باری ہے۔ وذکرھم بایام اللہ ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلاؤ۔ والعرب تسمی العذاب ایاما والنعم ایاما لقولہ تعالٰی وذکرھم بایام اللہ۔ (قرطبی)

١٣٦ یعنی کافروں پر جو تباہ کن عذاب نازل ہوگا اس سے اہل حق کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ بحر احمر کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجیں جو فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو تنکوں کی طرح بہالے جائیں گی، وہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کے لیے خدمتگاروں کی طرح راستہ بنانے جائیں گی۔ آندھی کے زور دار جھکے جو قوم عاد کی بستی کو زیر و زبر کر کے رکھ دیں گے جب ان کا گزر حضرت ہود اور ان کے گھرانے کے پاس سے ہوگا تو ان کی تندی نرمی سے بدل جائے گی اور ایسے معلوم ہوگا کہ نسیم صبح کے جھونکے ہیں جو خفتہ غنچوں کو بیدار کرنے کے لیے صحن چمن میں رواں ہیں۔

١٣٧ اپنے بندوں سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ہم ان پر آنچ نہیں آنے دیں گے اور ہمارا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے اس میں خلف نہیں ان اللہ لا

وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں اہل ایمان سے ١٣٨ نیز مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اپنا رخ سیدھا کر لے

لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾ وَ لَا تَدْعُ مِنْ

اس دین کی طرف ہر کجی سے بچتے ہوئے ١٣٩ اور ہرگز نہ ہو جانا شرک کرنے والوں سے ١٤٠ اور نہ عبادت کر

یخلف المیعاد۔

١٣٨ کفار مکہ کو صاف صاف بتایا جا رہا ہے کہ دلائل و براہین کی روشنی پھیل چکی ہے اور کوہ و دمن جگمگا رہے ہیں اور تم ابھی تک شک اور تردد کا شکار ہو تو ہو مجھے تو تمہارے مذہب کے جھوٹا ہونے اور تمہارے عقائد کے باطل ہونے میں ذرا تامل نہیں۔ اس لیے میں تو کسی قیمت پر تمہارے ان پتھر کے گھڑے ہوئے خداؤں کی عبادت نہیں کروں گا۔ میرا سر نیاز تو صرف اس قادر و قیوم کی بارگاہ صمدیت میں جھک سکتا ہے جس کے قبضہ میں تمہاری زندگی اور موت دونوں ہیں۔ میں تو یہ نادانی نہیں کر سکتا کہ اسے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا معبود بنا لوں مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاؤں جو سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئے ہیں۔ اس حکم سے سرتابی کی مجھ میں تو ہمت ہے نہیں تم دنیا بھر کی دولت لا کر میرے قدموں میں ڈھیر کر دو یا مجھ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دو میں جادۂ حق سے سر مو انحراف نہیں کروں گا۔

١٣٩ نیز مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ اس دین برحق کی طرف اپنا رخ سیدھا کر لوں اور قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کی طرف رخ کیا جاتا ہے تو اس کے علاوہ تمام دوسری چیزوں سے منہ مڑ جاتا ہے۔ اگرچہ اقم وجهك کے حکم میں جو جلال ہے وہ کسی مزید توضیح کا محتاج نہیں لیکن اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر حنیفا کا اضافہ فرمایا۔ یہ اقم کی ضمیر خطاب سے حال ہے اور اس کا معنی ہے ہر باطل سے منہ موڑ کر ہمہ تن حق کی طرف متوجہ ہو جانا یعنی اے ہادی عالم! ہر باطل سے خواہ وہ کسی رنگ میں ہو کسی روپ میں ہو اپنا منہ موڑ لو اور کمال یکسوئی کے ساتھ صرف اس دین حق کی طرف رخ کر لو۔ سچ تو یہ ہے کہ دین اسلام قبول کر لینے کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی انفرادی یا اجتماعی، معاشی یا سیاسی رہنمائی کے لیے کسی اور نظام حیات کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ جب تک کتاب و سنت کا دامن ہم نے مضبوطی سے پکڑے رکھا ہمارے منہ سے نکلی ہوئی بات وزن رکھتی تھی۔ ہماری سیرت پرکشش تھی اور ہمارے کردار میں ایک رعب تھا۔ ؎

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے ✽ کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

١٤٠ صرف یہی تو شرک نہیں کہ غیر خدا کو خدا مان لیا جائے بلکہ اگر کوئی مدعی اسلام قرآن کے واضح احکام کو نظر انداز کر کے اپنی معاشی حالت کو سدھارنے کے لیے کسی غیر اسلامی نظام کی قیادت قبول کرنے کے لیے بیتاب نظر آتا ہے یا اپنے سیاسی نظام کو کسی دوسرے سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے یا اسے اسلام کا لایا ہوا تمدن پسند نہیں اور وہ لغیبی طرز تمدن پر فریفتہ ہو چکا ہے تو آپ اسے شرک کا مرتکب نہیں کہیں گے تو کیا مومن کہیں گے وہ ارباب اقتدار جنہیں قوم کی رہنمائی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے انہیں قرآن مجید کے اس پرجلال ارشاد کو ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَ لَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ

اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے تجھے اور نہ ضرر پہنچا سکتا ہے تجھے ١٤١ اور اگر تو ایسا کرے گا تو پھر تیرا شمار

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ

ظالموں میں ہوگا اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف تو نہیں کوئی دور کرنے والا اسے بجز اس کے ١٤٢ اور اگر

یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

ارادہ فرمائے تیرے لیے کسی بھلائی کا تو کوئی رد کرنے والا نہیں اس کے فضل کو۔ سرفراز فرماتا ہے اپنے فضل وکرم سے جس کو چاہتا ہے اپنے

وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ

بندوں سے اور وہی بہت مغفرت فرمانے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ (اے حبیب!) فرمائیے اے لوگو بیشک آگیا ہے تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف

رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ

سے ١٤٣ تو جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ ہدایت قبول کرتا ہے اپنے بھلے کے لیے اور جو گمراہ ہوتا ہے

١٤١ جب نفع وضرر کا کلی اختیار اسی کے دستِ قدرت میں ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کرنا کتنی بڑی نادانی ہے لاتدع، لاتعبد (قرطبی وغیرہ)

١٤٢ اللہ جل مجدہٗ کی قدرت کاملہ کا ذکر کس دلنشیں پیرایہ میں کیا جارہا ہے۔

١٤٣ اے مکہ کے باشندو بلکہ عرب کے رہنے والو! بلکہ اے آدم کی ساری اولاد! کان کھول کر سن لو مطلع ہدایت پر آفتابِ محمدی طلوع ہوچکا۔ نیکی کی شاہراہ جگمگا اٹھی۔ شک وشبہ کی دھند دور ہوگئی۔ تبلیغ حق کا حق ادا کر دیا گیا۔ اب تمہاری مرضی دعوتِ حق کو قبول کرو یا گمراہی کے گڑھے میں پڑے رہو۔ تم کوئی سا طرزِ عمل اختیار کرو تم آزاد ہو لیکن ایک بات یاد رہے کہ اگر رشد وہدایت کا راستہ اختیار کرو گے تو تمہارا اپنا بھلا ہوگا اور غلط روی سے باز نہ آئے تو اس کا نقصان بھی صرف تمہیں برداشت کرنا پڑے گا۔

فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى

تو وہ گمراہ ہوتا ہے اپنی تباہی کے لیے اور میں تم پر نگران نہیں ہوں گا اور (اے حبیب!) آپ پیروی کرتے

اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾

رہیں جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف ۱۴۴ اور (ظلم کفار پر) صبر کیجیے یہاں تک کہ فیصلہ فرما دے اللہ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

۱۴۴ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب میں تمہارے کاموں کا ذمہ دار نہیں۔ تم جانو اور تمہارا کام جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

۱۴۵ آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ وعلیٰ آلہٖ افضل الصلوٰۃ واجمل التسلیم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حبیب! آپ ان لوگوں کی پرواہ نہ کریں۔ جو وحی آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے بے خوف و خطر اس پر عمل پیرا رہیں۔ ان کی اذیت رسانیوں اور دل آزاریوں پر صبر فرماتے رہیں۔ فیصلہ کی گھڑی آ رہی ہے۔ فیصلہ کرنے والا خود رب العٰلمین ہوگا اور وہی سب سے بہتر اور صحیح فیصلہ فرمانے والا ہے۔ الحمد للہ رب العٰلمین الذی بتوفیقہ تتم الصالحات والصلاۃ والسلام علی حبیبہ الذی بجاھہ تقبل الحسنات ویحفظ السالک عن العثرات وعلی آلہ واصحابہ منابع الخیرات ومصادر البرکات۔

۳۔ ربیع الثانی یوم الخمیس ۱۳۸۷ھ

سُورَۃ هُود

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام: اس سورۃ میں حضرت ھود علیہ السلام کا تذکرہ ہے اس مناسبت سے اسے آپ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ ایک سو تئیس ۱۲۳ آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد ایک ہزار چھ سو اور حروف کی تعداد (۹۵۶۷) ہے۔

نزول: ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ قرائن اس بات پر شاہد ہیں کہ سورۃ یونس کے فوراً بعد یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اسلامی دعوت کا یہ وہ نازک دور ہے جب سنگین مزاحمتوں کے باوجود اسلام کا نور کفر و شرک کے پختہ مورچوں کو سر کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے جس کے باعث کفار و مشرکین آتش زیر پا ہو گئے ہیں۔ اپنے ترکش جور و جفا کا ہر تیر آزمانے پر اتر آئے ہیں۔ اسلام اور حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ان کی ہرزہ سرائی اور بہتان طرازی خست و کمینگی کی حد تک پہنچ چکی ہے نادار و بے بس مسلمانوں پر انہوں نے ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ ان حالات میں اس سورۃ کا نزول ہوتا ہے۔

مضامین: پہلے دو رکوعوں میں حسب سابق بڑے موثر پیرایہ میں کفار کے سامنے اسلام کے بنیادی عقائد توحید، وحی، رسالت اور قیامت پیش کئے گئے ہیں۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ وہ ذات جس کا علم اتنا وسیع اور محیط ہے کہ کائنات کی ہر چیز کو وہ جانتا ہے۔ جس سے آغاز ہی سے خبر ہے اور اس کے انجام پر بھی وہ آگاہ ہے جس کے جود و سخا کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر چھوٹے بڑے جاندار کو جس کی نسبوں خوراک مطلوب تھی میں مناسب اوقات پر فراہم کر رہا ہے۔ جس کی قدرت و حکمت کی یہ کیفیت ہے کہ بلندیوں (سماوات) اور پستیوں (ارض) کو اور ان میں جو کچھ ہے اس نے پیدا فرمایا۔ خود غور کرو جس کا علم اتنا محیط جس کا دست جود و کرم اتنا وسیع، جس کی قدرت اتنی بے پایاں اور جس کی حکمت اتنی حیران کن ہو کیا اس کی الوہیت میں شک کی کوئی گنجائش ہے اور اس کے سوا کوئی اور ایسا ہے جس میں ان کمالات کا شائبہ تک بھی پایا جاتا ہو تاکہ خدائی اور الوہیت میں وہ اس کے شریک ہونے کا مدعی بن سکے اور کیا ایسی قادر و توانا ہستی کے لیے تمہیں مارنے کے بعد زندہ کرنا کوئی مشکل کام ہے۔ ہرگز نہیں۔

پھر انہیں فرمایا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ کسی انسان کا بنایا ہوا ہے تو پھر تم سب مل کر اس کی مثل کیوں پیش نہیں کر دیتے۔ زیادہ نہیں تو دس سورتیں ہی اس جیسی بنا لاؤ۔ اگر ملک سخنوری کے تاجدار ہونے کے باوجود تم دس سورتیں بھی پیش کرنے سے قاصر ہو تو پھر بےجا ضد نہ کرو اور مان لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا لانے والا اس کا سچا رسول ہے۔

حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روز اول سے ہی ان لوگوں کو اسلام کے ان بنیادی عقائد کی دعوت بڑی دلسوزی اور خلوص سے دے رہے تھے لیکن ان کی ہٹ دھرمی اور تعصب میں آئے دن اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا اور ان کا رویہ اسلام کے خلاف سخت سے سخت ہو رہا تھا۔ کوئی دلیل ان پر کارگر ثابت نہیں ہو رہی تھی۔ کسی معجزہ سے ان کی چشم خرد کو بینائی نصیب نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے اس

سورتو میں بڑی فصاحت کے ساتھ ان پہلی قوموں کے حالات بیان کیے گئے جنھوں نے اپنے انبیا کے ساتھ ان جیسا سلوک کیا اور پھر جس ہولناک انجام سے وہ دوچار ہوئے اس پر بھی ان کو آگاہ کیا۔ کفارِ عرب کو بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کی دعوت کو جو حقارت سے ٹھکراتے ہیں ان کی مخلصانہ مساعی کا جو بدبخت مذاق اڑاتے ہیں انبیاء کے پیروکاروں کی غربت افلاس کے باعث ان کی محفل میں بیٹھنا اور ان سے ہم کلام تک ہونا جو لوگ اپنے لیے کسرِ شان سمجھتے ہیں ان کی مہلت کی گھڑیاں جب ختم ہو جاتی ہیں اور غور و فکر کرنے کے لیے جو فرصت انھیں دی جاتی ہے وہ انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر ان پر قہرِ خداوندی کی بجلی کڑکتی ہے اور ان کی ساری عظمتوں اور نخوتوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہے۔ اے کفارِ عرب! اگر تم اس انجامِ بد سے بچنا چاہتے ہو تو آج آنکھیں کھولو اور دینِ حق کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔

ایک بات توجہ طلب ہے۔ ہر قوم، ہر معاشرہ اپنے مخصوص سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات کے زیرِ اثر مختلف قسم کی غلط کاریوں کا شکار رہتا ہے اور ان کی اصلاح کے لیے جب کوئی مصلح میدان میں نکلتا ہے تو اس کی قوم کا ردِ عمل بھی خاص نوعیت کا ہوتا ہے کہیں قوم نوح کی طرح جہالت کی تاریکی اور تقلید کا جمود اپنے پنجے گاڑے ہوتا ہے اور کہیں قوم لوط کی طرح عیش و عشرت اور نفس کی ہوسناکیوں نے اخلاقی انحطاط اور آوارگی پیدا کر دی ہوتی ہے کہیں قوم شعیب کی مانند تجارت کی ہماہمی نے کاروباری بددیانتی کا بازار گرم کر دیا ہوتا ہے۔ اور کہیں قوم ثمود کی طرح صنعت و حرفت میں ترقی کے باعث ذہن بگڑ چکے ہوتے ہیں۔ اور دل مسخ ہو جاتے ہیں اور کہیں فرعونی استبداد نے قوم سے آزادیٔ فکر و عمل کی صلاحیتیں سلب کر لی ہوتی ہیں اور جب کوئی مصلح اصلاحِ احوال کے لیے کوشاں ہوتا ہے تو اسے مختلف قسم کے ردِ عمل سے واسطہ پڑتا ہے۔

انبیاء سابقین کی بعثت کیونکہ صرف ایک مخصوص حلقہ کے لیے اور ایک محدود وقت تک تھی اس لیے ان کی تعلیمات بھی انھیں مقامی اور وقتی ضروریات کے مطابق تھیں لیکن مرشدِ اعظم اور ہادیٔ اکمل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو تمام اقوام کے لیے اور قیامت تک کے لیے تشریف فرما ہوا اس نے ہر معاشرہ کی اصلاح کرنا تھی اور بوقلموں حالات سے دوچار ہونا تھا اس کے مخاطب صحراؤں اور جنگلوں کے ناخواندہ عوام بھی تھے۔ اور شہروں اور آبادیوں کے متمدن باشندے بھی۔ ملوکیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے غلام بھی تھے۔ اور صنعت و حرفت میں اوجِ کمال تک پہنچے ہوئے لوگ بھی۔ دولت و ثروت کے خمار سے مخمور بھی اور مفلس و خستہ حال بھی حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان مختلف طبقوں میں پیدا ہونے والی متنوع غلط کاریوں کی اصلاح کرنا تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کی سیرتوں اور اپنے انبیاء پر ان کے اعتراضات اور دعوتِ حق کے مقابلہ میں ان کا ردِ عمل ایک ایک کر کے بیان فرما دیا تاکہ حضور کریم کو ان تمام احوال سے آگاہ کر دیا جائے جن سے حضور کو دوچار ہونا تھا تاکہ کوئی بات خلافِ توقع نہ ہو اور کوئی ردِ عمل باعثِ حیرت و استعجاب نہ بنے۔

ان تمام امور کو اس سورۂ مبارکہ میں بڑے دلنشین اسلوب میں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتے ہیں۔ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ: آپ اور آپ کے ساتھی حکمِ الٰہی کو بجا لانے کے لیے حالات کی سنگینی اور ماحول کی ناسازگاری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مستعد اور ثابت قدم رہیں۔ اور پھر یہ بھی فرما دیا کہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ آپ کے دل کو ثبات و قرار نصیب ہو۔

آپ عبادتِ الٰہی میں سرگرم رہیں اور اس کی تائید و نصرت پر بھروسہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے سامنے دشمنانِ اسلام کا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہوگا اور فتح و نصرت آپ کے قدم چومے گی۔

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○** ثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ ہود مکی ہے۔ اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — آیتیں ۱۲۳ اس کے رکوع ۱۰

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿۱﴾

الف لام را۔ [1] یہ وہ کتاب ہے [2] محکم و مستحکم بنادی گئی ہیں جس کی آیتیں [3] پھر ان کی وضاحت کردی گئی ہے بڑے دانا اور ہر چیز سے باخبر (خدا) کی طرف سے

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴿۲﴾ وَّاَنِ

کہ تم عبادت کرو مگر صرف اللہ کی [4] بےشک میں تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں [5] اور یہ کہ

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا

مغفرت طلب کرو اپنے رب سے [6] پھر (صدق دل سے) متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف وہ لطف اندوز کریگا تمہیں زندگی کی راحتوں سے

[1] حروف مقطعات پر بحث سورۃ البقرہ اور سورۂ یونس کی ابتدا میں گزر چکی ہے اس لیے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

[2] اگر الٓر سورہ کا نام ہو تو وہ مبتدا ہوگی اور کتاب خبر۔ یا یہ مبتدا محذوف "ہذا" کی خبر ہوگی اور احکمت الخ جملہ کتاب کی صفت واقع ہوگی۔

[3] احکمت احکام سے ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو یوں پختہ اور استوار کرنا کہ اس میں کسی خلل اور نقص کا گمان تک نہ رہے اور فُصِّلَتْ تفصیل سے ہے یعنی مدعا اتنا واضح کر دیا گیا ہے کہ اس میں کسی التباس کی گنجائش نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب الفاظ اور عبارت کے لحاظ سے پختہ ہے اس میں کوئی جھول نہیں اور معنی کے اعتبار سے یہ ہر شک والتباس سے بالاتر ہے یعنی صورۃً اور معنیً درجہ کمال پر فائز ہے۔ ای ھی محکمۃ فی لفظہا مفصلۃ فی معناہا فہو کامل صورۃ ومعنی (ابن کثیر) اور اس میں یہ استحکام اور تفصیل کہاں سے آئی؟ بتلا دیا کہ یہ اس ذات کا کلام ہے جو اپنے اقوال و افعال کے لحاظ سے حکیم ہے اور اپنے علم کے لحاظ سے ہر کام کے انجام سے اچھی طرح واقف ہے۔ ای من عند اللہ الحکیم فی اقوالہ واحکامہ خبیر بعواقب الامور (ابن کثیر)

[4] اور اس کو اس شان و عظمت سے نازل کرنے کا مدعا کیا ہے؟ صرف یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو کسی کو اپنا معبود نہ بناؤ۔ تمہاری جبین نیاز صرف اسی کی بارگاہ صمدیت میں زمین بوس ہو۔

[5] اور میری بعثت کی غرض و غایت یہ ہے کہ میں تمہیں اس کی نافرمانی کے انجام بد سے ڈراؤں اور اس کی اطاعت و بندگی پر حسن خاتمہ کی بشارت دوں۔

[6] میں تمہیں نصیحت بھی کرتا ہوں کہ اس سے پیشتر نادانی کی حالت میں یا شیطان کی انگیخت پر تم لغزشیں کرتے رہے ہو تو اب

إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُۥ ۖ وَإِن

اچھی طرح مقرر میعاد تک ث اور عطا کرے گا ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو اس کی زیادہ نیکی (کا ثواب) ث اور اگر

تَوَلَّوْا فَإِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ﴿٣﴾ إِلَى ٱللَّهِ

تم (اب بھی) روگردانی کرتے رہے تو میں اندیشہ کرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ث اللہ تعالیٰ کی طرف ہی

مَرْجِعُكُمْ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤﴾ أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ

تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ سنو! وہ دہرا کر رہے ہیں ث

ہی چشم پرنم کھولو اور کانپتے ہوئے دل، اشکبار آنکھوں سے سراپا عجز و نیاز بن کر ان گناہوں کی مغفرت کے لیے التجا کرو اور آئندہ کے لیے اپنی تمام کوششوں، سوچوں اور اعمال کا قبلہ اس کی ذات کو بنا لو۔ دل و جان سے اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ ثم توبوا الیہ ای ارجعوا بالطاعۃ الیہ (مظہری) ای ارجعوا الیہ بالطاعۃ والعبادۃ۔

ث عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر قسم کی لذتوں سے کنارہ کش ہو جائے۔ چہرہ پر محرومی کا غازہ لگا لے۔ اور غربت و ناداری کے قفس میں پھڑپھڑاتے رہنے کے لیے تیار ہو جائے۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف کر لیا۔ اپنے گناہوں پر استغفار کر لی اور بقیہ زندگی میں اس کے ہو رہے تو تم کو ہر طرح کی لذت، راحت، عزت، آرام اور فوز و فلاح سے سرفراز کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا بن جانے کا یہ مقصد تو نہیں کہ انسان ہر قسم کی محرومیوں کا شکار ہو جائے بلکہ جو سچے دل سے اس کا ہو جاتا ہے اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہی خوشیوں اور حقیقی کامرانیوں سے اسے بہرہ ور کیا جاتا ہے۔ ھذہ ثمرۃ الاستغفار (قرطبی)

ث یعنی ہر نیک انسان کو اس کے اعمال حسنہ کی جزا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے۔ نیکیوں میں جتنا کوئی بڑھتا جائے گا اسی انداز سے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے خزانہ عامرہ سے مالا مال کرتا جائے گا۔ فضلہ کی ضمیر کا مرجع ذات باری ہے۔ ان یوتی کل ذی عمل من الاعمال الصالحات جزاء عملہ۔ (قرطبی)

ث اور اگر تم اپنی غلط روی سے باز نہ آؤ اور اپنے گزشتہ گناہوں پر سچے دل سے نادم نہ ہو تو پھر مجھے تمہارا انجام اچھا معلوم نہیں ہوتا ایسا نہ ہو کہ کسی بڑے دن کے عذاب میں مبتلا کر دیے جاؤ۔ یوم کبیر سے یا تو روز قیامت مراد ہے یا عذاب کا کوئی دن۔

ث لغت میں 'یثنون' کسی چیز کو لپیٹنے، دوہرا کرنے اور تہ در تہ کرنے کو کہتے ہیں ثنی یثنی ثنیا الشیء: عطفہ، طواہ، ردّ بعضہ علی بعض جب کپڑے کو تہ در تہ لپیٹا جاتا ہے تو عرب کہتے ہیں ثنی الثوب۔ کپڑے کی ایک تہ کو ثِنی ج اَثناء کہا جاتا ہے اثناء الثوب: اطواؤہ و معاطویہ اور ثنی کا صلہ جب عن ہو تو اس کا معنی موڑنا، پھیرنا ہوتا ہے ثناہ عنہ: لواہ وصرفہ اور

صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ

اپنے سینوں کو تاکہ چھپالیں اللہ تعالیٰ سے (اپنے دلوں کا بغض) سنتے ہو! جس وقت وہ خوب اوڑھ لیتے ہیں اپنے کپڑے [۱۱]

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں [۱۲] بلاشبہ وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔

جب اس کا صلہ علیٰ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو کسی چیز پر لپیٹ دینا تاکہ وہ اس میں چھپ جائے۔ ثناہ علیہ، اطبقه وطواه لیخفیہ۔ اس لغوی تحقیق کو پیش نظر رکھتے ہوئے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم کی تلاوت کرتے یا وعظ فرماتے تو جو منافق اور کافر اس مجلس میں موجود ہوتے وہ اپنے سر جھکا لیتے اور اپنے سینوں کو دوہرا کر کے اپنی رانوں سے ملا لیتے تاکہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں سے چھپ جائیں مبادا حضور ان کی طرف متوجہ ہو کر براہ راست ان سے خطاب فرمائیں اور انھیں ان کی کور باطنی پر سرزنش کریں۔ لیستخفوا منه میں منہ کی ضمیر کا مرجع ذات پاک مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء ہوگی۔

علامہ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یثنون صدورھم کا معنی اعراض اور روگردانی کرنا ہے۔ یعنی کفار و منافقین کی عادت یہ تھی کہ حضور فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب انھیں دعوت اسلام دیتے اور کفر و نفاق سے باز آنے کی انھیں تلقین کرتے تو بجائے اس کے کہ وہ اس ناصح مشفق کی نصیحت کو بطیب خاطر قبول کرتے وہ الٹا بے رخی اور سرد مہری کا مظاہرہ کرتے۔

صاحب تاج العروس نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے وثنی صدرہ ثنیا اسر فیہ العداوۃ او طوی ما فیہ استخفاء۔ (تاج العروس) یعنی اس کا معنی ہے کسی کے متعلق سینے میں بغض و عداوت کے جذبات کو چھپانا۔ اس تحقیق کی رو سے آیت کا مدعا یہ ہوگا کہ کفار و منافقین اسلام اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی دشمنی اور عداوت کو اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں تاکہ وہ اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ظاہر نہ ہونے دیں اور پس پردہ حضور کو اذیت پہنچانے اور اسلام کی ترقی میں روڑے اٹکانے کے منصوبے بناتے رہیں اور سازشیں کرتے رہیں۔

[۱۱] الا (حرف تنبیہ) کو مکرر ذکر فرما کر ان کی غلط فہمی دور کر دی کہ وہ ان تمام کوششوں اور کاوشوں کے باوجود اپنے عزائم کو اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔ اس کے محبوب کریم کے متعلق بغض و عناد کے جو گھناؤنے جذبات انھوں نے اپنے دلوں کے نہاں خانوں میں بڑی مہارت سے چھپائے ہوئے ہیں وہ ان سے اچھی طرح آگاہ ہے بلکہ جب رات کے وقت وہ بستر پر دراز ہوتے ہیں۔ ہر طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوتا ہے اور ہو کا عالم ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو کسی لحاف یا چادر میں لپیٹ لیتے ہیں اس وقت بھی وہ علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ان کی ہر حرکت کو جان رہا ہوتا ہے۔ تو ایسے ہمہ دان اور ہمہ بین خدائے ذوالجلال سے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرنا محض نفس فریبی ہے۔

[۱۲] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نادانو! تم کس سے چھپ رہے ہو اور کس سے اپنے دلوں کے نفاق اور اسلام دشمنی کو چھپا رہے ہو۔ اس ذات پاک سے اس ہمہ دان اور ہمہ بین سے جو تمھارے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور تمھارے باطن کو بھی۔ جو تمھارے ان اعمال کو بھی دیکھ رہا ہے جو تم چھپا کر

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ

اور نہیں کوئی جاندار زمین میں [۱۳] مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق وہ جانتا ہے

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ

اس کے ٹھیرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے اور وہی (خدا) ہے جس نے پیدا فرمایا

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ

آسمانوں اور زمین کو [۱۴] چھ دنوں میں اور (اس سے پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا [۱۵] (زمین و آسمان پیدا کیے)

کرتے ہو اور ان کو بھی جن کا تم برملا ارتکاب کرتے ہو۔ وہ تو وہ ذات ہے جس سے تمہارے سینوں میں چھپا ہوا کوئی راز بھی مخفی نہیں اس لیے اس ناکام کوشش میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔

[۱۳] سابقہ آیت میں ظاہر و باطن پر مطلع ہونے کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف تمہارے احوال سے ہی باخبر نہیں بلکہ وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ ہر ذی روح حیوان پر دابۃ کا لفظ بولا جاتا ہے اطلق علی کل حیوان ذی روح (کبیر وغیرہ)

رزق ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی جاندار کی غذا بنے اور اس میں اس کی روح کی بقا اور جسم کی نشو و نما ہو الرزق حقیقته ما یتغذی به الحی ویکون فیه بقاء روحه ونماء جسمه (قرطبی)

مستقر: اسم ظرف ۔ قرار پکڑنے کی جگہ۔ مستودع بھی ظرف ہے ودیعت رکھے جانے کی جگہ۔ مستقر سے مراد اس دنیا میں اس کے ٹھیرنے کی جگہ ہے۔ مستودع سے مراد اس کی قبر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس کے دن کی جولان گاہ کو مستقر اور اس کی رات کی آرامگاہ کو مستودع کہا گیا ہے کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ان الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے بعد اب آیت میں غور فرمائیے۔ بتایا جا رہا ہے کہ تم جانتے ہو کہ دنیا میں ان گنت قسم کے جانور ہیں اور ہر قسم کے اتنے افراد ہیں کہ ان کا شمار کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ تو کون ہے جو چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، مچھلی سے لے کر شہباز تک، جگنو اور جھینگے سے لے کر مگرمچھ تک ہر جاندار کو اس کی مخصوص خوراک حسب مطلوب مقدار پر بلاناغہ بہم پہنچا رہا ہے کس کی مجال ہے کہ وہ یہ ذمہ داری اٹھا سکے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کا لنگر خانہ کھلا ہوا ہے جس کا دسترخوان کرم بچھا ہوا ہے۔ ہر چیز کو بروقت اس کی خوراک مہیا کر دی جاتی ہے۔ یہ اس نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے کہ وہ ہر چیز کی ضرورت کا انتظام خود فرمائے گا۔ اگر خداوند کریم کو ہر چیز کا ٹھکانا معلوم نہ ہو تو اسے خوراک کیسے پہنچائے گا۔ اب جب ہر چیز کو اس کی غذا مہیا کی جا رہی ہے تو معلوم ہوا کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی جہاں جہاں کوئی مدفون ہوگا اس کا بھی اسے علم ہے۔ اے کفار! وہ خدا جس سے کسی چٹان میں چھپا ہوا کیڑا بھی مخفی نہیں جو رات کے اندھیروں میں تاریک غار میں رینگنے والی چیونٹی کو بھی دیکھ رہا ہے تم ہزار اس سے چھپنے کی کوشش کرو اس سے چھپ نہیں سکتے۔

[۱۴] اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے بیان کے بعد اب اس کی قدرت کاملہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ قرآن مجید میں کائنات کی تخلیق کی مدت ستۃ ایام (چھ دن)

کے لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے پہلے کئی مقامات پر بتایا جا چکا ہے کہ یوم کا لفظ جس طرح طلوع آفتاب سے لیکر غروب آفتاب تک کی مدت کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی طرح اہل زبان مطلق وقت کے معنی میں بھی اسے استعمال کرتے رہتے ہیں کیونکہ یوم بمعنی دن کا آغاز تو سورج کی تخلیق کے بعد ہوا اور جس زمانہ کا ذکر ہے اس وقت نہ سورج تھا اور نہ اس کا طلوع و غروب' نہ دن تھا اور نہ رات تھی۔ اس لیے یہاں اس کا یہ معنی تو ہرگز نہیں لیا جا سکتا بلکہ مطلق وقت کے معنی میں ہی یہ مستعمل ہوا ہے یعنی آسمان و زمین کی تخلیق چھ دوروں میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ ہر دور کی مقدار کتنی تھی اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کی وضاحت نہ قرآن کریم نے کی ہے اور نہ سنت نبوی میں اس کا ذکر ہے اور نہ ہی تخلیق کائنات کی تفصیل اس کے دوروں کا تعین، ہر دور میں رونما ہونے والے تغیرات کا بیان قرآن کے اغراض و مقاصد میں داخل ہے۔

آج اس آیت کی وضاحت کے سلسلہ میں جہاں ورق گردانی کی وہاں دور غلامی کے ابتدائی ایام کی ایک معتقد اور مشہور شخصیت کی نگارشات کے مطالعہ کا موقعہ بھی ملا ان کا یہ مضمون سو سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے لیکن افسوس کہ تسکین قلب کا سامان نہ مل سکا بلکہ ان کی ذہنی مرعوبیت پر دل بری طرح تلملاتا رہا۔ ان کے اس طویل مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں جو کئی مقامات پر مذکور ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق چھ دن میں ہوئی۔ یہ بات مبنی بر حقیقت نہیں بلکہ یہود کے زعومات باطلہ کے پیش نظر کہی گئی ہے انھیں کا ایک فقرہ سنئے' وہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں "دنیا و مافیہا کا چھ دن میں بننا بطور بیان حقیقت واقع نہیں بلکہ نقلاً علی اعتقاد الیہود کہا گیا"۔ گویا قرآن کو اظہار حقیقت اور بیان صداقت سے کوئی سروکار نہیں بلکہ اسے تو فقط خصم پر الزامی حجت قائم کرنا ہے۔ چلو اس وقت تو حجت قائم ہو گئی اور کام چل گیا' لیکن جب کہ سائنسی تحقیقات نے یہودی مفروضات کو غلط ثابت کر دیا تو اب فرمائیے عصر حاضر کے طالبان ہدایت کے لیے قرآن میں کونسی جاذبیت پائی گئی۔ آج اسے کون اللہ تعالیٰ کا کلام مانے گا اس کے دوسرے دلائل پر کون اعتماد کرے گا۔

"ستۃ ایام" (چھ یوموں) کی جو تحقیق میں نے پیش کی ہے اور جسے جمہور مفسرین نے پسند فرمایا ہے اس کو غلط ثابت کرنے کے لیے انھوں نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا اور صفحوں پر صفحے لکھتے چلے گئے صرف یہ بات ثابت کرنے کے لیے کہ ان دنوں سے مراد یہی ہمارے بارہ چودہ گھنٹے کے دن ہیں۔ چنانچہ داد تحقیق دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: "علماء اسلام نے بھی جہاں جہاں قرآن مجید میں دنیا و مافیہا کے چھ یوم میں پیدا کرنے کا ذکر آیا ہے یوم کی مدت بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ کسی نے تو ایام سے ایام آخرت مراد لیے ہیں جس کے ہر ایک دن کی مقدار ہزار برس کے برابر خیال کی ہے اور کسی نے ستۃ ایام سے ستۃ احوال مراد لیے ہیں' اور کسی نے ستۃ اطوار اور کسی نے مجرد الحین والوقت۔ مگر جب ہمارا یقین یہ ہے کہ اس باب میں جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے وہ نقلاً علی اعتقاد الیہود ہے نہ بطور بیان حقیقت واقعہ کے تو ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں"۔ (ص ۶۹ مقالات سرسید حصہ چہارم) اب آپ خود ہی فیصلہ فرما دیں کہ اس قسم کا انداز تفسیر کہاں تک پسندیدہ ہو سکتا ہے۔

ف۱۰ اس سے یہ بتایا گیا کہ ارض و سما سے پہلے پانی کی تخلیق ہو چکی تھی اور یہی اصل کائنات ہے اور یہی منبع حیات ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وجعلنا من الماء کل شیئ حی۔ یعنی ہم نے پانی کے ذریعہ ہر چیز کی زندگی کا سامان فراہم کیا۔ اس پانی کی حقیقت کیا تھی کیا وہ یہی پانی تھا یا کوئی مائع رہنے والی چیز تھی جسے سیال ہونے کی مناسبت سے پانی فرمایا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ

تاکہ آزمائے تمھیں کہ تم میں سے کون اچھا ہے عمل کے لحاظ سے۱۴ اور اگر آپ (انھیں) کہیں کہ یقیناً تم اٹھائے جاؤ گے موت

بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

کے بعد ۱۵ تو ضرور کہیں گے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا

اور اگر ہم ملتوی کر دیں ان سے عذاب ۱۶ کچھ عرصہ تک تو (ازراہِ مذاق) کہیں گے کس چیز نے روک لیا

يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ

ہے اس عذاب کو۔ وہ کان کھول کر سن لیں جس دن عذاب آجائیگا ان پر تو نہیں پھیرا جائے گا ان سے اور گھیر لے گا انھیں (وہ عذاب)

۱۴ تخلیق انسان کا مقصد بتایا کہ دیکھنا ہے کہ انسان کو عقل و عمل کی جو گرانقدر قوتیں بخشی گئی ہیں انھیں وہ کس طرح استعمال کرتا ہے۔ کیا اس کے علم و عمل سے گلشن ہستی میں بہار آتی ہے یا تباہی اور بربادی کی خاک اڑنے لگتی ہے۔ کیا وہ اپنی زبان اور اپنے قلم کو انسانیت کے چاک گریبان کو رفو کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے یا وہ انسان کی قبائے شرف کو تار تار کر دیتا ہے۔ کیا اس نے اپنی ساری صلاحیتیں نفس پرستی، عیش کوشی اور فتنہ پردازی میں ہی صرف کر دیں یا اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرنے کے لیے انھیں استعمال کیا۔ اس آزمائش کے لیے حضرت انسان کو پیدا فرمایا گیا۔ یہ دنیا کھیل کود کا میدان نہیں ہے بلکہ امتحان گاہ ہے۔ ہر قدم اٹھانے سے پہلے خوب غور و فکر کر لینا چاہیے کہ یہ ہمیں کدھر لے جائے گا۔

۱۵ خود تو وہ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں اور اگر انھیں سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس عمر عزیز کو یونہی ضائع نہ کرو۔ ان قوتوں سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے بال جان نہ بنو۔ تمھیں مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا۔ بارگاہِ خداوندی میں تمھاری پیشی ہوگی اور تم سے ان اعمال پر محاسبہ کیا جائے گا تو اُلٹا الزام لگانے لگتے ہیں کہ جس کتاب کی آیتیں پڑھ کر تم ہمیں سناتے ہو یہ تو کوئی جادو منتر کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام نہیں۔

۱۶ یعنی ان منکرین حق کا انداز یہ ہے جب ان کے سامنے حق پیش کیا جاتا ہے تو اسے رد کر دیتے ہیں جب ان کے اس بلاوجہ انکار پر عذاب الٰہی سے ڈرایا جاتا ہے تو بڑی شوخی اور بیباکی سے کہتے ہیں لے آؤ اس عذاب کو دیکھیں تو وہ کیسا ہوتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی حکمت اور مصلحت کے باعث نزول عذاب میں تاخیر فرماتا ہے تو اسے اس کا احسان خیال نہیں کرتے اور ان مہلت کی گھڑیوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے الٹا طعنے دینے لگتے ہیں کہ کہاں گیا وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈرایا کرتے تھے۔

مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٨﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ

جس کا وہ تمسخر اڑایا کرتے تھے ف۱ اور اگر ہم چکھائیں کسی انسان کو اپنی طرف سے رحمت (کا مزہ) پھر

نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ﴿٩﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ

ہم چھین لیں اس رحمت کو اس سے۔ تو وہ بڑا مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے اور اگر ہم چکھاتے ہیں اسے کوئی نعمت اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تو وہ

ف۱ انھیں بتایا جارہا ہے کہ جب مقررہ گھڑی آپہنچے گی تو عذاب الٰہی تم پر نازل ہوگا۔ اس وقت تم چلاؤ گے، شور مچاؤ گے، بھاگنے کی کوشش کرو گے سب بے سود۔ وہ عذاب تمہیں نیست و نابود کر دے گا۔ اس لیے ان مہلت کی گھڑیوں کو ضائع نہ کرو۔ رحمت کا دروازہ کھلا ہے آؤ توبہ کرو، معافی مانگ لو بخش دیے جاؤ گے۔

ف۲ انسان کو اس زندگی میں مختلف قسم کے حالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ کبھی اس کے مطلع حیات پر خوشی کے ستارے جگمگاتے ہیں اور کبھی اسے ایسی شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس کا اسے تصور تک بھی نہیں ہوتا۔ کبھی وہ تندرست و توانا ہوتا ہے اور کبھی بیمار و رنجور۔ ان مختلف حالات میں دو قسم کے انسانوں (کافر اور مومن) کا جو طریق کار اور ردّ عمل ہوتا ہے اس کو ان آیات میں بڑے موثر پیرایہ میں ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنی بھلائی اور اپنے وقار کی خاطر بہتر راستہ اختیار کرے۔ انسانی نفسیات کا یہ ایسا حقیقت پسندانہ تجزیہ ہے جس میں شک و شبہ کی ذرا گنجائش نہیں۔

آیت کے چند تشریح طلب الفاظ: الانسان سے جنس انسان مراد ہے کسی خاص شخص یا قوم کی تخصیص نہیں۔ رحمۃ سے مراد صحت، امن و عافیت، اقبال مندی، خوشحالی غرضیکہ ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے۔ یئوس: مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بالکل مایوس ہوجانیوالا جسے حالات کے بہتر ہونے کی کوئی توقع ہی نہ ہو۔ کفور: یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت ناشکری کرنیوالا۔ پہلے جب اسے گوناں گوں نعمتوں سے نوازا گیا تھا تو اس نے کبھی اپنے مالک کا شکریہ ادا نہ کیا۔ اور اب بھی اگرچہ اس کی زندگی کا ایک گوشہ تاریک ہے لیکن کئی گوشے ایسے بھی تو ہیں جہاں سکون و طمانیت کی روشنی پھیلی ہوئی ہے تھوڑی سی تکلیف پر اس کا دوسری نعمتوں سے بھی آنکھیں بند کر لینا کیا یہ ناشکری نہیں؟

ف۳ اگر ہجوم مصائب سے اسے نجات مل جاتی ہے تو وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم کیا اور میری بے کسی پر رحم فرمایا ہے بلکہ مصائب کے ٹل جانے کو حادثات روزگار سے منسوب کرتا ہے لاینسب ذھاب السیئات الی اللہ تعالیٰ ولا یشکرہ بل ینسبہ الی عادۃ الدھر (مظہری)۔ فرح: فرح کہتے ہیں اس لذت کو جو مطلوب کے حاصل ہونے پر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ فخور: مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی اس پر وہ اترانے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ عزتیں، یہ اقبال مندیاں، یہ مال و دولت کی فراوانی ایسی چیزیں ہیں جن کا وہ اپنی ذاتی اہلیت کی وجہ سے مستحق تھا۔

اب آپ غور فرمائیے کہ جس انسان کی یہ حالت ہو کہ ناکامی اور نامرادی کے وقت وہ حوصلہ ہار کر اور پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے اور اپنے مستقبل کے بارے میں بالکل مایوس ہو جائے اور اگر اس پر فارغ البالی اور آسائش کا دور آئے تو کبر و غرور سے زمین پر اٹھلا اٹھلا کر چلنے لگے اس سے کسی اچھے کام کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اگر اس کے رنج و محن کا دور اس کی ذات کے لیے تباہ کن ہوتا ہے تو اس کے عروج کا زمانہ خلق خدا

مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

کو اتفاق ہے کہ دور ہو گئیں سب تکلیفیں مجھ سے۔ بیشک وہ بڑا خوش ہونے والا اترانے والا ہے۔ مگر وہ لوگ جو

صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

صبر کرتے ہیں ۲۲ اور نیک کام کرتے ہیں (وہ ایسے کم ظرف نہیں ہوتے) وہی ہیں جن کے لیے بخشش بھی ہے اور بڑا اجر بھی ہے ۲۳

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ

پس کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ چھوڑ دیں کچھ حصہ اس کا جو وحی کی جاتی آپ کی طرف ۲۴ اور تنگ ہو جائے اس کے ساتھ آپ کا سینہ (اس اندیشہ)

کے لیے مصیبت اور بدبختی کا زمانہ ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی زندگی کبھی مثالی زندگی نہیں بن سکتی۔

۲۲ عام لوگوں کے طرزِ عمل کو ذکر کرنے کے بعد یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو لوگ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں اور اچھے عمل کیا کرتے ہیں وہ یوں نہیں ہوا کرتے۔ وہ مصائب و آلام کے تاریک لمحوں میں بھی نہیں گھبراتے بلکہ چٹان کی طرح ڈٹے رہتے ہیں اور خوشی کے دنوں میں بھی وہ کسی کم ظرفی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اپنے رب کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اپنے وسائل کو اس کی مخلوق کی خدمت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عجبا لامر المومن ان امره کله له خیر ولیس ذالک لاحد الا للمومن ان اصابته سراء شکر فکان خیرا له وان اصابته ضراء صبر فکان خیرا له۔ (مسلم)

یعنی مومن کی بھی عجیب شان ہے کہ اس کی ہر حالت اس کے لیے بہتر ہے۔ اور یہ صرف مومن کی ہی خصوصیت ہے۔ اگر اسے آرام و راحت پہنچے اور وہ اس پر شکر ادا کرے تو یہ آرام و راحت اس کے لیے خیر و برکت کا باعث ہے۔ اور اگر اسے تکلیف پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے تو یہ تکلیف بھی اس کے لیے خیر و برکت کا موجب ہے۔

۲۳ واقعی اس قسم کے لوگ اس سرفرازی کے مستحق ہیں۔

۲۴ کفار نے آخر کہا کہ یہ قرآن جو آپ ہمیں پڑھ کر سناتے ہیں اس میں تو ہمارے خداؤں کو بہت برا بھلا کہا گیا ہے اس لیے ہم اس قرآن کو تو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ہاں اگر آپ ایسا قرآن لے آئیں جس میں ہمارے بتوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا گیا ہو تو ہم آپ پر ایمان لا سکتے ہیں۔ دوسرا اعتراض انہوں نے یہ کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو آپ کے پاس سونے چاندی، لعل و جواہرات کے خزانے ہوتے جنہیں آپ لوگوں میں تقسیم کرتے اور لوگ آپ کی بات مانتے یا آپ کے ہمراہ کوئی فرشتہ ہوتا جو لوگوں کو آپ کی صداقت کا یقین دلاتا اور جو ماننے سے انکار کرتا اس کی گردن مروڑ کر رکھ دیتا۔ دو چار کے ساتھ ایسا کیا جاتا تو کسی کو آپ کی دعوت رد کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ اور آپ کا حال یہ ہے کہ خود نانِ جویں میسر نہیں تو کسی کو کیا دیں گے۔ اور ہم آپ پر آوازے کستے ہیں، پتھر مارتے ہیں، غلاظت پھینکتے ہیں، راستہ میں کانٹے بچھاتے ہیں اور ہمیں تو کبھی سر درد بھی نہیں ہوا۔ آپ خود سوچیے کہ آپ جیسے نبی کا اتباع کرنے کی کسی کو کیا ضرورت ہے۔ یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

يَقُولُوا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ كَنزٌ أَوْ جَآءَ مَعَهُۥ مَلَكٌ ۚ إِنَّمَآ أَنتَ نَذِيرٌ

کہ کافر کہیں گے کہ کیوں نہ اتارا گیا اس پر خزانہ یا کیوں نہ آیا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ۲۵

وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ ٱفْتَرَىٰهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ کیا کفار کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن خود) گھڑ لیا ہے ۲۶ آپ فرمائیے

بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِۦ مُفْتَرَيَٰتٍ وَٱدْعُوا مَنِ ٱسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ

(اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی اور بلا لو (اپنی مدد کے لیے) جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے

ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿١٣﴾ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَٱعْلَمُوٓا أَنَّمَآ

سوا اگر تم (اس الزام تراشی میں) سچے ہو۔ پس اگر وہ نہ قبول کر سکیں تمھاری دعوت تو پھر جان لو کہ یہ قرآن محض

أُنزِلَ بِعِلْمِ ٱللَّهِ وَأَن لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٤﴾

علم الٰہی سے اتارا گیا ہے ۲۷ اور (یہ بھی جان لو کہ) نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ پس کیا (اب) تم اسلام لے آؤ گے۔

کہ ان کی اس قسم کی بیہودہ سرائیوں پر دکھ ہوتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ان کی رضا جوئی کے لیے کتاب میں ردوبدل کر دیں یا دولت کی کمی اور کسی فرشتہ کے ہمراہ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ دل گرفتگی محسوس کریں۔ نہیں ہرگز نہیں۔

وقيل معنى الكلام النفي مع استبعاد اي لا يكون منك ذالك بل تبلغهم كل ما انزل اليك (قرطبی)

یعنی یہ بات آپ سے بعید ہے آپ ایسا ہرگز نہیں کریں گے بلکہ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسے جوں کا توں پہنچا دیں گے۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔

۲۵ آپ کا فرض انھیں عذاب الٰہی سے آگاہ کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ان سے نپٹ لے گا۔

۲۶ قرآن پر ان کے بار بار دہرائے جانے والے اعتراض کا کہ یہ کلام الٰہی نہیں ہے یہی دندان شکن جواب دیا جا رہا ہے جو سورۂ یونس میں ابھی ابھی گزرا ہے کہ تم بھی ملک سخن کے بادشاہ ہو، اقلیم فصاحت و بلاغت میں تمھارا بھی سکہ رواں ہے۔ سب مل کر بیٹھو اور اس قسم کا کلام بنا کر دکھاؤ۔ یہاں دس سورتیں اس جیسی پیش کرنے کا چیلنج دیا جب نہ لا سکے تو یونس میں (جو ہود کے بعد نازل ہوئی) انھیں کہا گیا کہ دس نہیں بنا سکتے تو ایک سورۃ ہی بنا کر پیش کر دو۔

۲۷ اس کا ایک مفہوم تو یہ بیان کیا گیا ہے اے مسلمانو! اگر وہ اس چیلنج کا جواب نہ دے سکیں تو تم جان لو کہ یہ کلام الٰہی ہے (اس صورت میں لکم اور فاعلموا میں جو ضمیر ہے دونوں کا مرجع مسلمان ہوں گے) لیکن آیت کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا۔ مسلمان تو پہلے ہی قرآن کو منزل من اللہ سمجھتے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ

جو طلب گار ہیں دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت ۳۱ کے تو ہم پورا بدلہ دیتے ہیں انھیں ان کے اعمال کا

تھے وراللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر انھیں یقین محکم تھا انھیں فاعلموا اور هل انتم سے خطاب کی کیا ضرورت تھی اس لیے مناسب یہ ہے کہ ان کلمات کا مرجع مشرکین ہوں اور خطاب بھی انھیں سے ہو یعنی اے مشرکو! اگر تم قرآن کا مثل بنانے کے لیے اپنے بڑے بڑے فصیح و بلیغ شاعروں اور خطیبوں کو دعوت دو اور وہ اس دعوت کو قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکیں تو پھر تم بھی جان لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ بھی یقین کر لو کہ اس کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں دیکھو اب تو حقیقت روشن ہو گئی۔ حق واضح ہو گیا۔ کیا اب بھی اسلام لانے میں پس و پیش کرو گے۔ وقیل الضمیر فی لکم وفی فاعلموا للمشرکین والمعنی فان لم یستجب لکم من تدعونه الی المعاونة ولا تهیأت لکم المعارضة فاعلموا انما انزل بعلم الله ای ملتبسا بما لا یعلمه الا الله (بیضاوی)

۳۱ے جو شخص کوئی بھلائی کا کام کرتا ہے کسی یتیم کی پرورش، کسی خستہ حال بیوہ کی سرپرستی، غرباء کی امداد، رفاہ عامہ کے کام ہسپتال، سرائیں، سکول وغیرہ اور ان اعمال سے اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں ہوتی بلکہ وہ دنیا میں ناموری، کاروبار میں ترقی اور اقتدار و دوام کی خواہش وغیرہ مقاصد کے لیے یہ کام کرتا ہے۔ تو بھی اس کے اچھے اور مفید اعمال رنگ لائیں گے۔ لوگ اس کی سخاوت اور رحمدلی کے گیت گائیں گے۔ رفاہ عامہ کے کاموں کو دیکھ کر لوگ اس کی راہ میں آنکھیں بچھائیں گے۔ اس کے کاروبار کو بھی بڑی ترقی ہوگی اور مورخین اس کے فتح کارناموں کو تاریخ کے صفحات پر ثبت بھی کریں گے لیکن کیونکہ اس نے یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لیے نہیں کیے تھے اس لیے اللہ کی ابدی نعمتوں میں سے اسے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ لانهم لم یریدوا بها وجه الله تعالیٰ حتی یکون اجرهم علی الله۔ (مظہری) کیونکہ وہ نعمتیں تو صرف ان خوش نصیبوں کو مرحمت کی جاتی ہیں جو شاہراہ حیات پر قدم اٹھانے سے پہلے اپنے مولا کی رضا کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک یہ آیت کفار کے حق میں نازل ہوئی ہے قیل نزلت فی الکفار قاله الضحاک واختاره النحاس یعنی کافر جو اچھے کام کریں گے انھیں ان کا بدلہ صحت، ثروت، عزت اور ناموری کی شکل میں پورا پورا دے دیا جائے گا۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ ریاکاروں کے حق میں نازل ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ریاکاروں کو کہا جائے گا۔

صمتم وصلیتم وتصدقتم وجاهدتم وقرأتم لیقال ذلک فقد قیل ذلک۔

اے ریاکارو! تم نے روزے رکھے، تم نے نمازیں پڑھیں، صدقے دیئے، جہاد کیا اور قرآن کی تلاوت کی محض اس مقصد کے لیے کہ تمہیں نمازی وغیرہ کہا جائے اور وہ تمہیں کہہ دیا گیا آج تمہارے لیے کچھ نہیں۔ پھر انھیں لوگوں سے سب سے پہلے دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت بیان کی اور پھر زار و قطار رونے لگے۔ (قرطبی)

مگر جو لوگ دنیا کے حصول کو اپنا مطمح نظر نہیں بناتے بلکہ طالب مولیٰ ہوتے ہیں انھیں دنیا بھی ملے گی اور آخرت کی نعمتوں سے بھی انھیں سرفراز کیا جائے گا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من کانت نیته طلب الاخرة جعل الله غناه فی قلبه وجمع الله شمله واتته الدنیا وهی راغمة، ومن کانت نیته طلب الدنیا جعل الله الفقر بین عینیه و

فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي

اس زندگی میں اور انھیں اس میں نقصان نہیں اٹھانا پڑیگا۔ یہ وہ لوگ ہیں نہیں ہے جن کے لیے

الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

آخرت میں مگر آگ۔ اور اکارت گیا جو کچھ انھوں نے دنیا میں کیا اور (درحقیقت) سراسر باطل تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن

توکیا وہ شخص (انکار کرسکتا ہے) جس کے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے ۲۸ اور اس کے پیچھے ایک سچا گواہ بھی آگیا ہو اللہ کی طرف سے ۲۹ اور

شتت علیہ امرہ ولا یاتیہ منہا الا ما کتب لہ۔ رواہ الترمذی ورواہ احمد والدارمی عن ابان عن زید بن ثابت۔ (مظہری)

ترجمہ: جو شخص طلبِ آخرت کے لیے کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے۔ اس کے پراگندہ حال کو درست فرما دیتا ہے اور دنیا اس کے قدموں میں ذلیل ہو کر حاضر ہوتی ہے اور جس شخص کے پیشِ نظر دنیا کا حصول ہوتا ہے تو اس کی غربت اس کی آنکھوں کے سامنے کر دی جاتی ہے۔ اس کے حالات کو پراگندہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اس خستہ حالی کے باوجود دنیا سے اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔ اللہ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔ اور فانی کی طلب میں ہی ہلکان نہ ہوتے رہیں۔ بلکہ باقی کے طالب بنیں۔ اور جب باقی مل گیا تو پیچھے پھر رہ ہی کیا گیا۔

۲۹ دنیا کے طلبگار اسلام کو قبول نہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے رہیں لیکن وہ شخص جس کے پاس اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل بھی ہو اور اس کے ساتھ ایک سچا گواہ گواہی بھی دے رہا ہو۔ تورات جیسی سراپا ہدایت کتاب بھی اس کی صداقت کا بار بار اعلان کر رہی ہو تو وہ تو کسی قیمت پر اسلام سے منہ موڑنے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ اور نہ کسی مصیبت سے ڈر کر راہِ راست کو چھوڑے گا۔ اور جو بدقسمت ان دلائل وشواہد کے ہوتے ہوئے دینِ مبین کا انکار کرتا رہے گا تو اس کا ٹھکانا آتشِ جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ جو شخص حق کو حق سمجھتے ہوئے اس کا انکار کرے اور اس انکار پر مصر بھی رہے تو اگر اس پر آگ کے انگارے نہیں تو کیا جنت کے پھول نچھاور کیے جائیں گے؟

یہاں دو چیزیں تحقیق طلب ہیں۔ بینۃ سے کیا مراد ہے اور شاھد کون ہے۔ علمائے تفسیر نے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ بینہ سے مراد عقلی دلیل، قرآن مجید اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ شاہد سے مراد یا جبریل ہے یا حضور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض ترجمان ہے اور بعض نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شاہد سے مراد حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں لیکن آپ کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قلت لابی انت الشاھد؟ میں نے اپنے پدر بزرگوار سے پوچھا' حضور! کیا شاہد آپ ہیں تو آپ نے فرمایا وددت ان اکون انا ھو لکنہ لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری تو بہت چاہ تھی کہ شاہد میں ہی ہوں لیکن شاہد حضور فخرِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک ہے۔

قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ

اس سے قبل کتاب موسیٰ بھی آ چکی ہو جو امام اور سراپا رحمت ہے ؟ (قطعاً نہیں بلکہ) یہ لوگ تو ایمان لائیں گے اس پر۔ اور

مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ

جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے۔ پس اے سننے والے! نہ پڑ جا

مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

شک میں اس کے متعلق ۳۰ بلاشبہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ

اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو بہتان لگاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا ۳۱ یہ لوگ پیش کیے جائیں گے

عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ

اپنے رب کے سامنے ۳۲ اور کہیں گے گواہ یہی وہ (گستاخ) ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا

۳۰۔ اس میں خطاب عام قاری یا سننے والے کو ہے۔ جس کی تحقیق ابھی سورۃ یونس میں گزری ہے۔

۳۱۔ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی اور من گھڑت باتیں منسوب کیا کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ اس کا کوئی بیٹا ہے یا فلاں اس کا شریک ہے یا جو اس کا کلام ہو اس کے متعلق کہا کہ یہ اس کا کلام نہیں اور جو اس کا کلام نہ ہو اسے اس کا کلام کہنا شروع کیا یا کسی چیز کو حلال یا حرام تو خود کیا اور دعویٰ یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال اور اسے حرام کیا ہے۔

۳۲۔ قیامت کے روز انھیں بارگاہ رب العزت میں پیش کیا جائے گا ان پر فرد جرم لگایا جائے گا۔ کراماً کاتبین کے نوشتے تحریری طور پر پیش کیے جائیں گے۔ ان کے علاوہ عینی گواہ گواہی دیں گے جب ان کا جرم اچھی طرح ثابت ہو جائے گا تو انھیں در رحمت سے دھکیل دیا جائے گا۔ گواہ کون ہوں گے؟ بعض نے کہا ہے کہ فرشتے۔ اور حضرت عباس سے مروی ہے کہ انبیاء و رسل گواہی دیں گے عن ابن عباس انهم الانبياء والرسل وهو قول الضحاك۔ قرآن کریم کی اس آیت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا یعنی ہم ہر امت سے اس پر گواہ لائیں گے اور ان سب پر آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے حضرت عبد اللہ بن مبارک نے سید التابعین حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے: قال ليس من يوم الا وتعرض على النبي صلى الله عليه وسلم امته غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم واعمالهم فلذالك يشهد عليهم (مظہری)

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّٰلِمِينَ ﴿۱۸﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ

خبردار! اللہ کی پھٹکار ہو ظالموں پر۔ جو بدنصیب روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ

اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَٰفِرُونَ ﴿۱۹﴾ أُولَٰٓئِكَ لَمْ

سے اور چاہتے ہیں کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنادیں ۳۳ اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔ یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کو)

يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ

عاجز کرنے والے نہیں تھے زمین میں ۳۴ اور نہ ہی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی

یعنی ہر روز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر حضور کی امت صبح وشام پیش کی جاتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے چہروں اور ان کے اعمال کی وجہ سے انھیں پہچانتے ہیں اس لیے قیامت کے دن ان پر گواہی دیں گے۔ خدا نہ کرے کہ ہم مجرموں اور نافرمانوں کی حیثیت سے بارگاہِ رسالت میں پیش کیے جائیں۔ کتنے رنج والم کا مقام ہے کہ ہم اپنی بداعمالی کی وجہ سے اس ذاتِ پاک کو اذیت پہنچائیں۔ جس کی آنکھیں ہماری مغفرت کے لیے اشکبار ہیں اور جس کے مبارک ہاتھ ہمارے لیے طلبِ رحمت وبخشش کے لیے پھیلے ہوئے ہیں شاہ بہ حضرت بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا یہی واقعہ ہے کہ جب آپ حج کے لیے حاضر ہوئے تو کعبہ کی دہلیز پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر روتے اور اپنی مغفرت کے لیے التجائیں کیں۔ آخر میں عرض کی اے مولا! اگر تیری مرضی یہ ہو کہ مجھے بخشا نہ جائے تو میری یہ التجا ضرور منظور فرما کہ مجھے قیامت کے روز نابینا کر کے اٹھا، تاکہ میں تیرے محبوب کی جناب میں شرمسار نہ ہوں۔

۳۳ دوسرے لوگوں کو حق سے متنفر کرنے کے لیے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ حق کو اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں کہ سننے والا اس سے نفرت کرنے لگتا ہے اور اس کو باطل سمجھنے لگتا ہے۔ آج بھی باطل پرستوں کا یہی شیوہ ہے کہ وہ خود ہی حق کے ترجمان بن بیٹھتے ہیں اور اس کو ایسا جامہ پہناتے ہیں کہ انسان اس سے دور بھاگنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتا ہے وہ حق کو صحیح طور پر پیش کرنے کے بعد اس پر اعتراض کیوں نہیں کرتے۔ وہ یہ اوچھے ہتھیار کیوں استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے نہاں خانۂ دل میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر دامنِ حق کو ان تہمتوں سے ملوث نہ کیا گیا اور اس کے حقیقی حسن کی ایک جھلک بھی کسی نے دیکھ لی تو پروانہ وار اس پر نثار ہونے لگے گا۔ پھر ہم ہزار جتن کریں اس کو حق سے برگشتہ نہیں کر سکیں گے اس لیے وہ اپنا سارا زور حق کو اپنے رنگ میں پیش کرنے کے لیے صرف کرتے ہیں۔

۳۴ یعنی ہماری نافرمانی اور دینِ حنیف سے کھلی دشمنی کے باوجود اس چند روزہ زندگی میں جو ان کا طوطی بولتا رہتا ہے اور ان کی عظمت و سطوت کا نقارہ بجتا رہتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہم سے زبردست اور طاقتور تھے اس لیے اپنی من مانی کرتے رہے ایسا نہیں اگر ہم چاہتے تو ان کے بگڑے ہوئے ناقوں کو فوراً ہی طرح ایک مچھر سے درست کرادیتے اور ان کو کوئی ایسا مددگار بھی نہ ملتا جو ان کو زبردستی

اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ

مددگار تھا۔ دوگنا کردیا جائے گا ان کے لیے عذاب۔ نہ وہ (آوازِ حق) سن سکتے تھے اور

مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ

نہ وہ نورِ حق (دیکھ) سکتے تھے۔ یہی وہ (بدقسمت) ہیں جنھوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو اور گم ہو گئیں

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ

ان سے وہ باتیں جو وہ تراشا کرتے تھے۔ ۳۵ یقیناً یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے

الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا

ہوں گے۔ بیشک جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ۳۶ اور عجز و نیاز سے جھک گئے اپنے

اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ

پروردگار کی طرف۔ یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان دونوں

الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ

فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو۔ کیا یکساں ہے ان دونوں

ہمارے عذاب سے چھوٹ گیا، بلکہ یہ ڈھیل ہم نے خود انھیں دے رکھی تھی تاکہ وہ جی بھر کر نافرمانیاں کر لیں اور انھیں سخت سے سخت عذاب میں گرفتار کر دیا جائے۔ ان بدبختوں کے وہ کان ہی بہرے ہو گئے تھے جو آوازِ حق کو سنتے ہیں وہ آنکھیں ہی اندھی ہو گئی تھیں جو نورِ حق کو دیکھ سکتی ہیں۔

۳۵ ان کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اپنے معبودانِ باطل سے بخشش اور نجات کی جو حسین توقعات انھوں نے وابستہ کر رکھی تھیں وہ سب خاک میں مل گئیں۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے لیکن ان کے خداؤں کا تو کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔

۳۶ ان ازلی بدبختوں کے باطل معتقدات، طرزِ حیات اور دور از حقیقت تصورات اور ان پر ان کے طبعی نتائج کے ذکر کے بعد سعادتمندوں کے گروہ کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ پہلے گروہ کے مقابلہ میں ان کے اعتقادات کیا ہیں، ان کا دستورِ زندگی کیا ہے، ان کے دل کی کیفیت کیا ہے۔ اس کے بعد ان کے انجام سے آگاہ کیا گیا تاکہ سننے والے کو پتہ چل جائے کہ انھوں نے اپنے حسنِ عمل، پاکیِ قلب اور قوتِ ایمان کی وجہ سے

مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ

کا حال ۳۷ کیا تم (اس مثال میں) غور و فکر نہیں کرتے ۳۸ اور بیشک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف۔ ۳۹ (انھوں نے کہا)

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

اے قوم! میں تمھیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں۔ کہ تم نہ عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ تعالیٰ کے بیشک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا دردناک دن

يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا

نہ آجائے۔ تو کہنے لگے ان کی قوم کے سردار جنھوں نے کفر اختیار کیا تھا (اے نوح!) ہم نہیں دیکھتے تمھیں مگر

رحمتِ الٰہی کو اپنی طرف ملتفت کر لیا ہے۔ ان کے دل کے یقین، اعمال کے حسن اور ان کے عجز و نیاز اور سوز و گداز نے عنایاتِ ربانی کو ان کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ اللّٰھم اجعلنا منھم بجاہ حبیبک الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

۳۷ کتنی پیاری، دلنشین اور حقیقت افروز مثال ہے۔

۳۸ گزشتہ آیات میں راہِ حق پر ثابت قدمی سے بڑھتے چلے جانے والوں اور راہِ راست سے دانستہ بھٹک جانے والوں کا تذکرہ ہوا۔ دونوں کے عقائد ان کے اعمال اور ان کے انجام کی تفصیل بیان ہوئی۔ اب اللہ تعالیٰ انبیاء سابقین کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی امتوں کی سرکشیوں کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ صراطِ مستقیم پر چلنے والے ان روح فرسا حالات سے گھبرا نہ جائیں جو انھیں پیش آنے والے ہیں۔ نیز اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ارشاد فرمایا کہ جس طرح پہلے علمبردارانِ حق نے منکرین کی شورشوں اور غوغا آرائیوں کے باوجود صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا آپ بھی کریں اور جس طرح انجام کار وہ کامیاب ہوئے اور ان کے دشمن مٹا دیئے گئے اسی طرح آپ کے دشمن بھی مٹ جائیں گے اور آپ کی عظمت و رفعت کا پرچم تا ابد لہراتا رہے گا۔

۳۹ آپ کا نسب نامہ، آپ کی قوم کا وطن اور آپ کا زمانہ سورۂ اعراف کے حواشی میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرما دیں۔ سر سید احمد خاں نے لکھا ہے کہ ایک روایت کے مطابق آپ کی پیدائش آدم علیہ السلام سے ۱۰۶۵ سال بعد ہوئی اور دوسری روایت جو اس سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے ۲۲۴۲ سال بعد ہوئی (واللہ اعلم) یہ دونوں روایتیں علماء توریت کی ہیں۔ اس طویل عرصہ میں ان میں ہر طرح کی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ بدکاری، اخلاقی پستی، ظلم و سرکشی، روزِ قیامت کا انکار، ان کے علاوہ دامنِ توحید بھی ان کے ہاتھوں سے چھوٹ چکا تھا۔ خدائے واحد و یکتا کی عبادت کو چھوڑ کر انھوں نے ود، سواع، یعوق اور نسر کی پرستش شروع کر رکھی تھی۔ آخرت کی زندگی کا کوئی تصور ان کے ذہن میں باقی نہ تھا اس لیے انھیں آخرت کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ اسی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے تھے۔ اور اس میں ہی زیادہ سے زیادہ دولت، طاقت، عزت اور ناموری حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیئے تھے۔ یہ وہ بیماریاں تھیں جن میں وہ بری طرح مبتلا تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا مقصد ان کی انھیں خرابیوں کی اصلاح تھا۔ اب آپ غور فرمایئے وہ عقیدے جس کی جڑیں دور تک ان کے دل و دماغ میں چلی گئی تھیں وہ بری عادتیں جو مرورِ وقت سے ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھیں۔ ان تمام کے خلاف

بَشَرًا مِّثۡلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيۡنَ هُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ

انسان اپنے جیسا اور ہم نہیں دیکھتے تمہیں کہ پیروی کرتے ہوں تمہاری بجز ان لوگوں کے جو ہم میں حقیر و ذلیل (اور) ظاہر بین

الرَّاۡىِ‌ۚ وَمَا نَرٰى لَـكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍۢ بَلۡ نَظُنُّكُمۡ كٰذِبِيۡنَ ﴿۲۷﴾

ہیں اور ہم نہیں دیکھتے تمہیں جس پر کوئی فضیلت ہے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں

قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَاٰتٰٮنِىۡ

آپ نے فرمایا اے میری قوم! بھلا یہ بتاؤ اگر میرے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا فرمائی ہو مجھے

حضرت نوح کا علم بغاوت بلند کرنا کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔ یکایک ایک کہرام برپا ہو گیا اور آپ پر طرح طرح کے اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ آپ نے جب اپنی قوم کو توحید کا پیغام سنایا چند سلیم الطبع لوگ فوراً لبیک لبیک کہتے ہوئے حاضر خدمت ہو گئے۔ گویا ان کی پیاسی روحیں مدت سے ابر رحمت کی منتظر تھیں۔ لیکن برسر اقتدار طبقہ کو آپ کی دعوت پسند نہ آئی اس لیے انھوں نے ایک ساتھ حضرت نوح پر بھی اعتراضات شروع کر دیئے اور آپ کے ماننے والوں پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ آپ کے بارے میں تو انھوں نے یہ کہا آپ کون ہیں نبوت کا دعویٰ کرنے والے۔ آپ تو ہماری طرح ایک بشر ہیں اور جس قسم کے بشر سے وہ واقف تھے اور جس قسم کی انسانیت سے وہ متعارف تھے وہ تو واقعی اس قابل نہ تھا کہ اسے منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا جاتا اور آپ کے پیروکاروں کو انھوں نے کمینہ و رذیل ہونے کا طعنہ دیا۔ ان کی نگاہیں ان کے پھٹے پرانے کپڑوں کے حجاب میں ہی اٹک کر رہ گئیں وہ ان چیتھڑوں میں ملبوس ان کی عظیم روحوں اور حقیقت شناس فراست کا اندازہ نہ لگا سکیں۔ اراذل جمع ہے اَرْذَل کی اور اَرْذَل کا واحد رَذْل ہے یعنی کمزور اور مفلوک الحال لوگ۔

اسے صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ رای کا معنی ہے آنکھ اور دل سے دیکھنا۔ اعتقاد کو بھی رائے کہا جاتا ہے۔ بادی کا ماخذ یا بدا ہو گا یا بدء پہلی صورت میں اس کا معنی ہو گا کسی چیز کو دیکھتے ہی اس میں غور و فکر کیے بغیر جو پہلی رائے قائم کر لی جاتی ہے اور دوسری صورت میں اس کا معنی ہو گا ظاہر بینی سے رائے قائم کرنے والے معناہ ظاہر النظر من غیر تعمق او الرأی من البدء۔ کفار کا مقصد یہ تھا کہ چند بے عقل اور ناسمجھ قسم کے لوگ آپ کے پیروکار بن گئے ہیں جو کسی بات کی تہ تک پہنچ نہیں سکتے اور جو نہی چیز سنی اس کو قبول کر لیا۔

۴۲ے یعنی جب تم بھی ہماری طرح بشر ہو اور یہ لوگ جو تمہارے معتقد بنے ہوئے ہیں وہ بھی خستہ حال اور سادہ لوح قسم کے لوگ ہیں ہمیں تو تم میں کوئی وجہ امتیاز دکھائی نہیں دیتی جس کے باعث ہم تمہارا ساتھ دیں۔ ہمارے نزدیک تو تم اس دعویٰ میں جھوٹے ہو اور جھوٹوں کی بات کون سنتا ہے۔

۴۳ے آپ کی دعوت کو بھی جھٹلایا اور آپ پر ذاتی حملے بھی کیے اس کے باوجود آپ کی جبین پر بل نہیں پڑتا اور یٰقوم (اے میری قوم) کے پیارے اور محبت بھرے الفاظ سے ان کی اصلاح کی کوشش فرماتے ہیں۔ ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہیں۔ فرمایا تم کہتے ہو، میں

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا

خاص رحمت اپنی جناب سے — پھر پوشیدہ کر دی گئی ہو تم پر (اس کی حقیقت) — تو کیا ہم جبراً مسلط کریں تم پر یہ دعوت درآنحالیکہ

كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى

تم اسے ناپسند کرتے ہو [۴۴] اور اے میری قوم! میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی مال [۴۵] نہیں میرا اجر مگر اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ

ذمہ اور میں (انھیں خوش کرنے کے لیے) ان کو نکالنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں [۴۶] بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے

تمھاری شکل (بشر) ہوں کیونکہ میں بظاہر تمھاری طرح کھاتا پیتا اور زندگی بسر کرتا ہوں لیکن تم میں اور مجھ میں ایک واضح فرق ہے۔ مجھے روشن دلیل (بینة) دی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی خصوصی رحمت سے سرفراز فرمایا ہے جس کی تمھیں ہوا تک بھی نہیں لگی تو ذرا سوچو تم میری شل کیسے ہو گئے لیکن صد افسوس! تمھاری نگاہوں کو اندھا بنا دیا گیا اور وہ اس مقام رفیع کو نہیں دیکھ سکتیں جس پر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو فائز کرتا ہے۔

[۴۴] اگر تم میری دعوت کو ناپسند کرتے ہو تو مجھے کیا پڑی کہ میں خواہ مخواہ تمھیں اس کے قبول کرنے پر مجبور کروں میرا کام اظہار حق تھا وہ کر دیا گیا اب تم جانو اور تمھارا کام۔ اگر کسی مرید کے دل میں اپنے مرشد کے متعلق حسن عقیدت نہ ہو تو مرشد کو کیا پڑی ہے کہ اسے زبردستی روحانی فیضان سے مستفیض کرے۔

[۴۵] تم میرا مذاق اڑاتے ہو مجھے برا بھلا کہتے ہو میرے رفیقوں کی تذلیل و تحقیر کرتے ہو اور میں پھر بھی تمھیں دعوت حق دیتے چلا جا رہا ہوں۔ کیا میں اس طرح تم سے مال بٹورنا چاہتا ہوں۔ ہرگز نہیں میں تم سے کچھ نہیں مانگوں گا میرا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اسی کا حکم مان رہا ہوں میرے اجر کا بھی وہ خود ذمہ دار ہے۔

[۴۶] انھوں نے نوح علیہ السلام سے کہا ہوگا کہ ہر وقت آپ کے ارد گرد خستہ حال لوگ حلقہ باندھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ہماری توجی نہیں چاہتا کہ ایسی جگہ جائیں جہاں اس قسم کے گندے غلیظ اور کمینے لوگوں کا جمگھٹا ہو۔ آپ ان کو اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دیں تب ہم آپ کے پاس آئیں گے۔ اسی قسم کا مطالبہ آپ کو یاد ہوگا کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی کیا تھا۔ حضرت نوحؑ نے صاف جواب دیا۔ یہ نا ممکن ہے کہ میں ان حق پرستوں کو تمھاری خاطر اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دوں۔ تم اپنی جگہ بڑے لوگ ہو گے لیکن میری نظر میں جو قدر و منزلت شمع نور کے ان دل سوختہ پروانوں کی ہے وہ ان گدھوں کی نہیں ہو سکتی جو دنیا کی متعفن لاش پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہاں قدر و منزلت کا معیار اخلاص اور تقویٰ ہے دولت و ثروت نہیں۔

أَرَىٰكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٩﴾ وَيَٰقَوْمِ مَن يَنصُرُنِى مِنَ ٱللَّهِ إِن

والے ہیں البتہ میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ تم ایسی قوم ہو جو حقیقت سے ناواقف ہے ۴۷ اور اے میری قوم کون مدد کر سکتا ہے میری اللہ کے مقابلہ میں اگر میں

طَرَدتُّهُمْ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣٠﴾ وَلَآ أَقُولُ لَكُمْ عِندِى خَزَآئِنُ

نکال دوں اہل ایمان کو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے

ٱللَّهِ وَلَآ أَعْلَمُ ٱلْغَيْبَ وَلَآ أَقُولُ إِنِّى مَلَكٌ وَلَآ أَقُولُ لِلَّذِينَ

ہیں ۴۸ اور نہ یہ کہ میں خود بخود جان لیتا ہوں غیب کو اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو

تَزْدَرِىٓ أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ ٱللَّهُ خَيْرًا ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِىٓ

تمھاری نگاہیں حقیر جانتی ہیں ۵۰ کہ ہرگز نہیں دیگا انھیں اللہ تعالیٰ کچھ بھلائی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو ان کے

أَنفُسِهِمْ ۖ إِنِّىٓ إِذًا لَّمِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا۟ يَٰنُوحُ قَدْ جَٰدَلْتَنَا

دلوں میں ہے۔ (اگر میں ایسا کروں تو) میں بھی ہو جاؤں گا ظالموں سے۔ وہ (برافروختہ ہو کر) بولے اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا

۴۷ ابھی نوح علیہ السلام کا سلسلہ جواب شروع ہے فرمایا تمھیں تو اپنی عقل و دانش پر بڑا ناز ہوگا لیکن میرے نزدیک تو تم انجان اور ناواقف لوگ ہو جنھیں اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ شرف انسانیت کا راز کثرت مال میں مضمر نہیں بلکہ دل کی پاکی، کردار کی بلندی اور اخلاق کی پختگی میں ہے۔

۴۸ پھر فرمایا اے میری قوم! یہ سچے توحید کے متوالے جو تمھیں حقیر نظر آرہے ہیں ان کی شان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی اونچی ہے۔ اگر میں تمھاری خاطر ان کی دل آزاری کروں اور ان کو اپنے پاس سے نکال دوں تو اللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض ہو جائے گا اور میں اس کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتا۔

۴۹ اس جملہ کی وضاحت کے لیے سورہ الانعام کی آیت نمبر ۵۰ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

۵۰ تم تو یہ کہتے ہو کہ یہ رذیل اور خستہ حال لوگ اس قابل نہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہو۔ میں تو ایسا نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ دل کو دیکھتا ہے اگر ان کا باطن درست ہوا، ان کا سینہ نور توحید سے منور ہوا تو ان کی ظاہری خستہ حالی کے باوجود وہ انھیں اپنی خیرات و برکات سے مالا مال کر دیگا۔

فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور اس جھگڑے کو بہت طول دیا (اس مباحثہ کو لپیٹ دو) اور لے آؤ ہمارے پاس جس (عذاب) کی تم ہمیں دھمکی دیتے رہتے ہو[۳۱] اگر تم سچے ہو۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَ

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہی لے آئیگا اسے تمہارے پاس[۳۲] اگر چاہے گا اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے۔ اور

لَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ

نہیں فائدہ پہنچائیگی تمہیں میری خیر خواہی[۳۳] اگرچہ میرا ارادہ ہو کہ میں تمہاری خیرخواہی کروں اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی

يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ ۭ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

یہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کردے، وہ پروردگار ہے تمہارا۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے

افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا

خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمائیے اگر میں نے خود گھڑا ہے اسے تو مجھ پر ہوگا وبال میرے جرم کا[۳۴]۔ اور میں بری الذمہ ہوں ان گناہوں سے

۳۱؎ دلائل کے میدان میں لاجواب تو ہو گئے لیکن حق کو قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ کہنے لگے آپ بڑے جھگڑالو ہیں ہم اتنی طویل بحث سے باز آئے آپ جس عذاب کی ہمیں صبح و شام دھمکی دیتے رہتے ہیں وہ لے آئیے۔ اکثرت جدالنا ای اطلته (مظہری)

۳۲؎ آپ نے جواب دیا یہ میرے مولا کے اختیار میں ہے جب وہ مناسب سمجھے گا عذاب نازل کر دے گا اور پھر تمہیں بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں ملے گی۔

۳۳؎ میں نے تو مقدور بھر تمہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا کسی کو ہدایت دینا یا ہدایت نہ دینا اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے اگر وہ کسی کو ہدایت نہ دینا چاہے تو دنیا بھر کے مبلغ اسے گمراہی سے نہیں بچا سکتے اس لیے انسان کو کبھی اپنے علم سمجھ اور نیکی پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے کسی وقت بھی قدم پھسل سکتا ہے اور انسان منہ کے بل گر پڑتا ہے اسی کی جناب میں بصد نیاز دست بدعا رہنا چاہیے کہ یہ سفینۂ حیات خیر و سلامتی سے کنارے پر جا لگے۔ یاحی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ۔

۳۴؎ یہاں خطاب نوح کو ہے یا فخرِ دوجہاں محمد مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء سے مقصد یہ ہے کہ اگر یہ کلام اور یہ پیغام خدا کی طرف سے نہیں بلکہ میں نے خود گھڑ کر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے تو یہ جرم میرا ہے۔ اس کی سزا تمہیں نہیں

تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ

جو جرم کرتے ہو۔ اور وحی کی گئی نوح (علیہ السلام) کی طرف کہ نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم سے

اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ

بجز ان کے جو ایمان لا چکے [۵۵] اس لیے آپ غمگین نہ ہوں اس سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ اور بنائیے

الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے [۵۶] اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کیجیے مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے ظلم کیا

دی جائے گی لیکن سن لو اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کر کے جو جرم تم کر رہے ہو وہ نہ معاف کیا جائے گا اور نہ اُسے فراموش کیا جائے گا۔ اس کی سزا تمھیں بھگتنی ہوگی، تیار ہو جاؤ۔

۵۵؎ جب ان کو درسِ توحید دیتے دیتے مدتیں گزر گئیں اور ان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ان کی مخالفت اور دشمنی میں اضافہ ہی ہوتا گیا جس سے حضرت نوح کو یقیناً روحانی کوفت ہوتی ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اطمینان کے لیے ان کی طرف وحی فرمائی کہ جن کی قسمت میں دولتِ ایمان رقم تھی وہ ایمان لا چکے۔ ان کے علاوہ اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ اس لیے آپ ان کے لیے غمزدہ نہ ہوں۔ اب مہلت کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں اور ان کی تباہی کا مقررہ وقت آپہنچا ہے۔ تورات میں اس چیز کا جس طرح اور جن الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے وہ پڑھیے آپ کو خود بخود قرآن اور موجودہ تورات کا فرق سمجھ آجائے گا۔ کتاب پیدائش کی آیتیں ملاحظہ ہوں:۔

اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا بُرے ہی ہوتے ہیں ۝ تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا۔ اور دل میں غم کیا ۝ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جاندار اور ہوا کے پرندوں تک کیونکہ میں ان کے بنانے سے ملول ہوں ۝ (باب ۶، آیات ۵، ۶، ۷)

گویا پہلے اللہ تعالیٰ کو انسان کے اعمال کا علم نہ تھا اس لیے اس کو پیدا کیا۔ اب جب اس کے کرتوت نے نیا ابھر گئے تو پتہ چلا کہ یہ کتنی خطرناک مخلوق تھی۔ اسے تو پیدا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب کفِ افسوس ملنے لگا۔ خود سوچیے کیا یہ اسلوبِ بیان شانِ الٰہی کے شایاں ہے۔

۵۶؎ کیونکہ علمِ الٰہی میں انھیں ایک عظیم سیلاب سے ہلاک کرنا مقدر ہو چکا تھا اس لیے پہلے ہی اپنے نبی کو کشتی بنانے کا حکم دیا تاکہ اس دن وہ اسے استعمال کر سکیں۔ باعیننا یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے عن ابن عباس بمرأی منا یا ہماری نگرانی اور حفاظت میں قیل بحفظنا اور وحینا کا مطلب ہے ہماری ہدایات کے مطابق یعنی جس کشتی کے بنانے کا حکم دیا جا رہا ہے اس کے متعلق بتایا کہ کشتی بناؤ گے تم لیکن بنوائیں گے ہم۔ اور ہمارے مجوزہ نقشہ کے عین مطابق۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے اعمال کی یونہی خصوصی حفاظت و

إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۝٣٧ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۖ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن

وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے ؀ اور نوح کشتی بنانے لگے ؀ اور جب بھی گزرتے ان کے پاس سے ان کی قوم کے

قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ

سردار (تو) آپ کا مذاق اڑاتے۔ آپ کہتے اگر تم مذاق اڑاتے ہو ہمارا تو (ایک دن) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے

كَمَا تَسْخَرُونَ ۝٣٨ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ

جس طرح تم مذاق اڑاتے ہو۔ سو تم جان لوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو رسوا کرے گا اسے

نگرانی کرتا ہے اور لحہ بلحہ رہنمائی فرماتا ہے۔

؀ یعنی مجرموں کے غرق کیے جانے کا حتمی فیصلہ ہو چکا۔ اب اس میں کسی ردو بدل کی گنجائش نہیں اس لیے آپ کسی مغضوب کے لیے سفارش نہ کریں۔

؀ حکم الٰہی ملا۔ فوراً تعمیل کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ لکڑی لائی جا رہی ہے اُسے چیرا جا رہا ہے۔ تختے نکالے جا رہے ہیں۔ دیگر ضروری چیزیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ آپ کل تک تو وعظ و تذکیر میں مصروف تھے اب تیشہ اور آری ہاتھ میں لیے دنیا و مافیہا سے بے خبر کشتی بنائے جا رہے ہیں۔ آپ کے ہم وطنوں کو مذاق اور تمسخر کرنے کا ایک انوکھا بہانہ مل گیا۔ طرح طرح کے آوازے کسے جانے لگے۔ حضرت! کیا نبوت چھوڑ کر اب بڑھئی بن گئے۔ صاحب! کیا یہ کشتی خشکی میں چلے گی۔ یہاں تو کوئی دریا یا سمندر نہیں۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں لیکن اللہ تعالیٰ کا بندہ تعمیل حکم میں محو ہے۔ آپ نے پہلے ان کے اعتراضات کو کب کبھی اہمیت دی تھی کہ آج توجہ کرتے اتنا فرما دیا کہ آج جی بھر کے ہمارے ساتھ مذاق کر لو۔ کل ہماری باری بھی آنے والی ہے۔

غرضیکہ کچھ عرصہ کے بعد کشتی تیار ہو گئی۔

قرآن کریم نے یہ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نوح نے کشتی تیار کر دی لیکن اس کا طول و عرض کیا تھا اس کی بلندی کتنی تھی۔ اس میں دروازے اور کھڑکیاں کتنی تھیں۔ یہ ایک منزلہ تھی یا سہ منزلہ۔ یہ کس لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ ان تمام تفصیلات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا کیونکہ ان امور کا عبرت پذیری سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ بعض علماء تفسیر نے اسرائیلی روایات اور مصادر کی روشنی میں ان امور کی تفصیل بیان کی ہے لیکن امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔ واعلم ان امثال ھذہ المباحث لا تعجبنی لانھا امور لاحاجۃ الی معرفتھا البتۃ ولایتعلق بمعرفتھا فائدۃ اصلا یعنی مجھے اس قسم کے مباحث بالکل پسند نہیں اس کے بعد لکھتے ہیں۔ ہمارے لیے اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ وہ اتنی وسیع تھی کہ اس میں حضرت نوح، آپ کا کنبہ اور آپ کے پیروکار اور جانوروں کا جوڑا جوڑا سما سکتا تھا۔ (کبیر)

وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ

اور (کون ہے) جس پر اترتا ہے جس پر عذاب ہمیشہ رہنے والا۔ یہاں تک کہ جب آگیا ہمارا حکم وقت اور ابل پڑا

التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ

تنور تو ہم نے (نوح کو) فرمایا سوار کرو کشتی میں نلہ ہر جنس سے نر و مادہ دو ولتہ اور اپنے گھر والوں کو

وقت یہاں تک کہ عذاب کا مقررہ وقت آگیا اور سب سے پہلے تنور سے پانی ابل پڑا۔ تنور کا کیا معنی ہے؟ علامہ بغوی نے عکرمہ اور زہری سے روایت کی ہے۔ ھو وجہ الارض یعنی سطح زمین تھا وہ کہا ہے کہ تنور سے مراد اعلی الارض واشرفھا یعنی زمین کے بلند ٹیلے۔ اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ تنور ایک چشمہ ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے فار التنور کا معنی صبح کا طلوع ہونا منقول ہے۔ بعض نے اس سے روٹی پکانے والا تنور مراد لیا ہے۔ گویا آپ کے لیے بطور علامت یہ مقرر کیا گیا تھا کہ جب آپ کے تنور سے پانی کا فوارہ پھوٹ نکلے تو سمجھ لینا کہ طوفان کا وقت آگیا اس وقت کشتی میں سوار ہو جانا۔

نلہ جب طوفان آگیا تو نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا اپنے ساتھ کشتی میں چڑھا لیں تاکہ ان کی نسل ضائع نہ ہو جائے۔ یہاں تورات میں عجیب قسم کا تضاد پایا جاتا ہے کہیں دو دو جانوروں کو کشتی میں رکھنے کا حکم ہے اور کہیں سات سات۔ کتاب پیدائش کے باب ششم کی آیت انیس بیس میں ہے۔

اور جانوروں کی ہر قسم میں سے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے لینا کہ وہ تیرے ساتھ جیتے بچیں۔ وہ نر و مادہ ہوں۔ اور پرندوں کی ہر قسم میں اور چرندوں کی ہر قسم میں سے اور زمین پر رینگنے والوں کی ہر قسم میں سے دو دو تیرے پاس آئیں تاکہ وہ جیتے بچیں۔

اور اسی کتاب پیدائش کے ساتویں باب کی دوسری آیت میں ہے۔

کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر اور ان کی مادہ اور ان میں سے جو پاک نہیں دو دو نر اور ان کی مادہ اپنے ساتھ لے لینا اور ہوا کے پرندوں میں سے بھی سات سات نر اور مادہ لینا تاکہ زمین پر ان کی نسل باقی رہے۔

اور اسی باب ہفتم کی آیت ۹ میں ہے:

دو دو نر اور مادہ کشتی میں نوح کے پاس گئے جیسا خدا نے نوح کو حکم دیا تھا۔

اب آپ بتائیے کہ اوپر دو حکم ہیں۔ نوح نے کیوں ایک حکم مانا اور دوسرا ترک کر دیا۔

ولتہ اس سے بظاہر یہی سمجھ آتا ہے کہ ہر قسم کے دو دو جوڑے یعنی چار جانور رکھنے کا حکم ہو رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں اس لیے ان الفاظ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ زوج جوڑے کے ہر فرد کو بھی کہتے ہیں جس طرح عورت کو بھی زوج کہا جاتا ہے اور مرد کو بھی زوج۔ قرآن کریم میں ہے وخلق منھا زوجھا اس سے اس کا زوج پیدا کیا۔ اس لیے زوجین جب تثنیہ ہوگا تو اس سے جوڑے کے دونوں فرد نر اور مادہ مراد ہوں گے قرآن مجید میں ہے وانہ خلق الزوجین الذکر والانثی اس نے زوجین یعنی نر اور مادہ پیدا کیے۔

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ

سوائے ان کے جن پر پہلے ہو چکا ہے حکم اور (سوار کرو) جو ایمان لا چکے ہیں۔ اور نہیں ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ

اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ

مگر تھوڑے لوگ۔ اور نوح نے کہا سوار ہو جاؤ اس (کشتی) میں[۶۲] اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ہے

[۶۲] یہ چیز غور طلب ہے کہ کیا یہ طوفان روئے زمین پر آیا تھا اور کیا آپ نے دنیا بھر کے حیوانات کا ایک ایک جوڑا اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ محققین کا قول یہ ہے کہ طوفان صرف اس علاقہ میں آیا جہاں نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم آباد تھی۔ اگرچہ ایسی تصریحات بھی کتب میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ طوفان عالمگیر تھا لیکن یہ اسرائیلی روایات ہیں یا ان سے اخذ کیے ہوئے علماء کے اقوال۔ کتاب و سنت سے کوئی ایسی نص پیش نہیں کی جا سکتی جس سے صراحۃً اس طوفان کا عالمگیر ہونا ثابت ہو۔ بعض نے اس آیت سے استدلال کیا ہے رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ (اے رب! زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ) لیکن ہو سکتا ہے الارض جو معرف باللام ہے اس سے مراد آپ کی قوم کی سرزمین ہو جس طرح فرعون کے متعلق ہے وان فرعون لعال فی الارض۔ یہاں بھی الارض سے مراد ساری روئے زمین نہیں بلکہ ملک مصر مراد ہے نیز من الکافرین بھی معرف باللام ہے یعنی وہ مخصوص کافر جو آپ کی قوم سے تھے۔ قرآن کریم میں ہمیں یہ بھی تصریح ملتی ہے کہ آپ کی بعثت صرف آپ کی قوم کے لیے تھی ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ۔ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک نسل انسانی زیادہ پھیلی نہ ہو بلکہ اسی علاقہ میں ہی بس رہی ہو۔ اس اعتبار سے تمام انسانی افراد اس طوفان کی زد میں تھے اور اس وجہ سے اس کو عالمگیر کہہ دیا گیا ہو۔ یہ بات قابل فہم ہے لیکن اگر یہ اندازہ درست ہو کہ آپ کی پیدائش آدم علیہ السلام سے تینیس سو سال بعد ہوئی تو اتنے عرصہ دراز تک اولاد آدم کا ایک تنگ سے رقبہ میں محدود رہنا دل میں کھٹک پیدا کرتا ہے۔ انھیں امور کے پیش نظر علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے محتاط پیرایہ میں لکھا ہے:۔

والذی یمیل القلب الیہ ان الطوفان لم یکن عاما (روح المعانی) یعنی دل اس طرف مائل ہے کہ طوفان عام نہیں تھا۔

اگر اس قول کو راجح قرار دیا جائے تو پھر نوح علیہ السلام کو دنیا بھر کے حیوانات کشتی میں لے جانے کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ جانور اپنے ہمراہ لیے ہوں گے جن کی فوری ضرورت تھی اور جن کو دور دراز کے علاقوں سے جو طوفان کی زد سے محفوظ تھے لانا مشقت اور تکالیف کا موجب تھا۔ بل امر بحمل ما یحتاج الیہ اذا نجا ومن معہ من الغرق لئلا یغتموا لفقدہ ویتکلفوا مشقۃ جلبہ من الاصقاع النائیۃ التی لم یصلہا الغرق (روح المعانی)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سورۃ المومنون کی آیت فاسلک فیہا من کل زوجین اثنین کی تفسیر کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے:۔ ای کل زوجین من الحیوان الذی یحضرہ فی الوقت اثنین الذکر والانثی لکی لا ینقطع نسل ذالک الحیوان واللہ تعالیٰ اعلم (کبیر)

إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٤١﴾ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ

بیشک میرا پروردگار غفور رحیم ہے اور وہ چلنے لگی انھیں لے کر ایسی موجوں میں جو پہاڑ کی مانند ہیں

وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا

اور پکارا نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو اور وہ (ان سے) الگ تھا۔ بیٹا سوار ہو جاؤ ہمارے ساتھ

۴۳ ؎ جن جانوروں، گھر والوں اور اہل ایمان کو کشتی میں سوار کرنے کی اجازت ملی تھی ان کو آپ نے سوار ہونے کا حکم دیا اور کہا بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا الخ یعنی اس بلا خیز سیلاب سے جس کے سامنے بلندیاں اور پستیاں سب یکساں ہو گئی ہیں ہم اپنی نجات اور سلامتی کے لیے اعتماد اس کشتی پر نہیں کرتے بلکہ ہمارا بھروسہ تو اس رب العٰلمین پر ہے جس کی مغفرت کا دامن بڑا کشادہ ہے اور جس کی رحمت کا ابر نیساں ہر وقت ہی برستا رہتا ہے۔ ہمارے بیڑے کے چلنے کا آغاز اسی کے نام نامی سے ہو رہا ہے۔ اور اس بیڑے کا لنگر انداز ہونا بھی اسی کے اسم پاک سے ہوگا۔ ہمارے سفر کی ابتدا بھی اسی کے کرم کے سہارے ہو رہی ہے اور اس کی انتہا بھی اسی کے فضل سے ہوگی حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور رحمت عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت جب کشتی میں سوار ہو اور یہ پڑھے تو اسے غرق ہونے سے امان مل جائے گی۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (قرطبی)

آخر میں مجریٰ اور مرسیٰ کی ترکیب اور صیغہ کے متعلق کچھ سن لیجیے:۔

ارکبوا میں جو ضمیر فاعل ہے وہ ذو الحال ہے۔ اور بسم اللہ الخ حال ہے یعنی کشتی میں یہ کہتے ہوئے سوار ہو بسم اللہ الخ مجریٰ و مرسیٰ ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں ہو سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں کشتی چلنے کے وقت اور اس کے ساحل پر لنگر انداز ہونے کے وقت۔ یا اس جگہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں جہاں وہ چلتی ہے اور جہاں وہ رکتی ہے یا یہ دونوں مصدر میمی ہیں یہاں پھر مضاف (وقت) محذوف ماننا پڑے گا۔ ای وقت جریھا و وقت ارسائھا۔ مجری جری یجری مجرد سے ہے اور مرسیٰ، ارسیٰ، یرسی باب افعال مزید فیہ سے ہے۔

۴۴ ؎ طوفان کی شدت کا بیان ہو رہا ہے یعنی یہی نہیں کہ سیلاب آ گیا اور وادیاں اور بستیاں، پہاڑ اور اونچے ٹیلے غرقاب ہو گئے اور اس کی پرسکون سطح پر کشتی آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی نہیں بلکہ اس میں خوفناک قسم کی تند و تیز موجیں اٹھ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا کہ پانی کا پہاڑ بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس دل ہلا دینے والی خوفناک طغیانی میں ایک کشتی اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کو لیے ان دھاڑتی ہوئی موجوں کو چیرتی ہوئی سلامتی سے چلی جا رہی تھی۔

۴۵ ؎ اس حال میں آپ کو اپنا بیٹا کنعان نظر آیا۔ جو آپ کی رفاقت اور سنگت کو چھوڑ کر الگ ہو گیا تھا آپ نے فرمایا کافروں کا ساتھ چھوڑ دیجیے

قوم نوح کا علاقہ اور جبلِ جودی

بحیرۂ اسود

اردن

شام

ترکی

عراق

سعودی عرب

ارارات
۱۶۹۴۶

آذربائیجان

ایران

جزیرہ ابن عمر

جبلِ جودی

موصل

نینوی

دریائے دجلہ

قوم نوح کا علاقہ

بغداد

کربلا

دریائے فرات

بصرہ

کویت

شمال

جودی ایک پہاڑ کا نام ہے جو اقلیم موصل میں دریائے دجلہ کے مشرقی جانب واقع ہے (معجم البلدان یاقوت حموی)
جزیرہ ابن عمر سے ۲۵ کلومیٹر ہے اس کی بلندی تقریباً دو ہزار فٹ کے قریب ہے سفینہ نوح اسی پر آکر ٹھہرا تھا۔
یہاں سے جو سلسلہ کوہ شروع ہوتا ہے اسے کوہ ارارات کہتے ہیں۔ ارارات اس پہاڑ کی ایک چوٹی کا نام
بھی ہے جس کی بلندی سولہ ہزار نو سو چھیالیس فٹ ہے۔ بعض ہوابازوں نے اپنی پرواز کے دوران کشتی نما
کوئی چیز برف میں دھنسی ہوئی دیکھی ہے اور اسے کشتی نوح کا ڈھانچہ خیال کر لیا ہے۔ صحیح قول یہی
ہے کہ آپ کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری ہے۔

وَلَا تَكُن مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ

اور نہ ہو کافروں کے ساتھ۔ بیٹے نے کہا (مجھے کشتی کی ضرورت نہیں) میں پناہ لے لوں گا کسی پہاڑ کی وہ بچا

مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ

لے گا مجھے پانی سے۔ آپ نے کہا (بیٹا!) آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ۷۶ مگر جس پر وہ رحم کرے۔

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿٤٣﴾ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ

اور (اسی اثناء میں) حائل ہو گئی انکے درمیان موج ۷۷ پس ہو گیا وہ ڈوبنے والوں سے اور حکم دیا گیا اے زمین! ۷۸

اب بھی سچے دل سے تائب ہو جا۔ اب بھی ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ بچ جائے گا لیکن جو ازلی بدبخت ہو اس میں نصیحت کب اثر کرتی ہے۔ وہ اکڑ گیا۔ بڑی بے پرواہی اور گستاخانہ انداز میں کہنے لگا۔ مجھے آپ کی کشتی میں پناہ لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ سامنے کتنے اونچے پہاڑ ہیں ان میں سے کسی پر چڑھ جاؤں گا۔ یہ پانی میرا کیا بگاڑ سکے گا۔

۷۶ آپ نے فرمایا کمبخت! پہاڑوں کی کیا مجال کہ تمہیں خدا کی گرفت اور اس کے عذابوں سے بچا سکیں۔ بچنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ تم سچے دل سے توبہ کرتے پیغمبر کے دامن میں پناہ لیتے اور کشتی میں اس کے ساتھ سوار ہو جاتے۔ بعض ظاہر پرست اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی بے بسی ثابت کرنے کے لیے بطور دلیل اکثر یہ آیت پڑھتے ہیں۔ انھوں نے کبھی اتنا سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ یہ عجز کس کی طرف سے ہے۔ اگر کنعان منت سماجت کرتا کہ اباجان مجھے بچا لیجئے اور آپ فرماتے کہ نہیں میں تمہیں نہیں بچا سکتا تو ان حضرات کا استدلال قابل التفات ہوتا۔ یہاں تو معاملہ برعکس ہے۔ آپ تو بار بار فرما رہے ہیں آ جا کشتی میں سوار ہو جا۔ بچ جائے گا لیکن وہ اپنی بدبختی کے باعث انکار کر رہا ہے کہ میں کشتی میں نہیں چڑھوں گا۔ وہ غرق ہو گیا اس کے غرق ہو جانے کی وجہ یہ نہ تھی کہ پیغمبر کا دامن شفقت تنگ تھا اس نے چاہا بھی لیکن اسے جگہ نہ مل سکی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ کنعان پناہ لینے پر آمادہ نہ ہوا۔

۷۷ پانی کا ایک ریلا آیا اور اس مغرور اور متمرد کو تنکے کی طرح بہا کر لے گیا اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

۷۸ سیلاب کے اترنے کے متعلق تورات میں ہے:-

سمندر کے سوتے اور آسمان کے دریچے بند کیے گئے اور آسمان سے جو بارش ہو رہی تھی تھم گئی۔ اور پانی زمین پر سے گھٹتے گھٹتے ایک سو پچاس دن کے بعد کم ہوا اور ساتویں مہینے کی سترھویں تاریخ کو کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹک گئی اور پانی دسویں مہینہ تک برابر گھٹتا رہا اور دسویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں۔

(پیدائش باب ۸ آیت ۲ تا ۵)

لیکن قرآن کریم کے بیان میں جو جلال و تمکنت ہے اس کی نظیر دنیا بھر کے صحائف میں کہاں مل سکتی ہے۔ صاحب روح المعانی

ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ

نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان تھم جا اور اتر گیا پانی اور حکم الٰہی نافذ ہو گیا۔

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾ وَ

اور ٹھہر گئی کشتی جودی (پہاڑ) پر ۹۶ اور کہا گیا ہلاکت و بربادی ہو ظالم قوم کے لیے۔ اور

نَادَىٰ نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ

پکارا نوح نے اپنے رب کو اور عرض کی میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی تو میری اہل سے ہے ۹۷ اور یقیناً تیرا وعدہ

وجد آفریں لہجے میں رقمطراز ہیں: واعلم ان هذه الآية قد بلغت من مراتب الاعجاز اقاصيها واستذلت مصاقع العرب فسفهت بنو اصيها وجمعت من المحاسن ما يضيق عنه نطاق البيان۔ اس کے اعجاز کی بلندیوں کے سامنے بلغاء عرب کی گردنیں جھک گئیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ عرب کے فصحاء و بلغاء نے قرآن کی مثل پیش کرنے کا عزم کر لیا۔ چالیس روز تک کباب شراب سے اپنی فصاحت و بلاغت کی قوتوں کو تیز بلکہ برافروختہ کرتے رہے۔ اچانک یہ آیت ان کے کان میں پڑی تو ہتھیار ڈال دیئے اور کہنے لگے هذا الكلام لا يشبه كلام المخلوقين۔ ابن مقفع ایک ملحد جو عہد عباسی کا ایک نامور عالم و ادیب تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت میں کوئی اس کا ہم پلہ نہ تھا۔ اس نے بڑی دماغ سوزی، دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے ایک سورۃ بنائی تاکہ اسے قرآن کے مقابلہ میں پیش کرے۔ ایک روز اس کا گزر ایک مکتب کے پاس سے ہوا جہاں بچے قرآن حفظ کر رہے تھے۔ کوئی بچہ یہ آیت پڑھ رہا تھا اسے سن کر وہ مبہوت ہو گیا۔ الٹے پاؤں واپس گھر پہنچا اور اپنی تحریر کو دھو ڈالا اور کہا کہ اس کلام کا مقابلہ ممکن نہیں۔ (روح المعانی)

۹۶ ایک پہاڑ کا نام ہے جو موصل کے قریب ہے اور جبل ارارط کی ایک شاخ ہے۔ کہتے ہیں محرم کی دس تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا جب آپ کی کشتی کوہ جودی پر آ کر رکی۔

۹۷ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ التجا کنعان کے غرق ہونے سے پہلے کی تھی یا غرق ہونے کے بعد؟ علماء سے دونوں قول مروی ہیں۔ اگر پہلے ہو تو اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کنعان علم کھلا کفر نہیں کیا کرتا تھا لیکن اس کے دل میں نفاق تھا۔ حضرت نوح نے اس کے ظاہری اسلام کے پیش نظر یہ گزارش کی کہ بار الٰہا! یہ میرا بچہ ہے اور ڈوب رہا ہے اور تو نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ میں تیرے اہل و عیال کو بچا لوں گا۔ جواب دیا گیا کہ یہ تیرا بیٹا نہیں اس کے دل میں کفر و نفاق ہے اس کے اعمال اچھے نہیں۔ اس لیے اس کے متعلق مت سفارش کرو۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ کھلا کافر تھا لیکن غلبہ محبت کی وجہ سے خیال نہ رہا اور یہ عرض کر بیٹھے جس پر تنبیہ کی گئی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی یہ ندا کنعان کے ڈوب جانے کے بعد تھی (اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے کیونکہ اس ندا کا ذکر وكان من المغرقين کے بعد ہوا ہے) تو پھر اس کا مقصد یہ تھا کہ الٰہی! کنعان کے غرق کیے جانے کی وجہ کیا ہے حالانکہ وہ

الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ

سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بہتر حکم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھر والوں سے نہیں

اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ

(کیونکہ) اس کے عمل اچھے نہیں پس نہ سوال کیا کرو مجھ سے جس کا تجھے علم نہ ہو

اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ

میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نہ ہو جانا نادانوں سے عرض کرنے لگے میرے پروردگار! میں پناہ مانگتا ہوں تجھ

میرا بیٹا تھا اس استفسار کے جواب میں پہلے تو فوراً یہ فرمایا انہ لیس من اهلك وہ تیرے اہل وعیال سے ہے ہی نہیں۔ بعد میں اس کی وجہ بتائی کہ انہ عمل غیر صالح وہ بدعمل اور بدکردار تھا اور ایسے شخص کو نبوت کے پاک خاندان کا فرد شمار نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کا سبب صرف کسی نیک اور بزرگ کی اولاد ہونا نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ اگر کوئی نعمت ایمان سے محروم ہے تو اس کو کسی بزرگ باپ کا بیٹا ہونا کوئی فائدہ نہ دے گا خواہ وہ باپ نوح جیسا عظیم المرتبت نبی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجات اور ترقی درجات کا دارومدار ایمان اور صالح عمل پر ہے۔ جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اس کے لیے بخشش نہیں۔ اور رہا اس کے لیے کسی کی شفاعت قبول ہوگی لیکن جو ایماندار ہو مگر شومئی قسمت سے گناہوں کا ارتکاب کرتا رہا ہو اس کے لیے شفاعت اور بخشش کا دروازہ کھلا ہے۔ جو لوگ اس واقعہ سے انبیاء و صلحاء کی شفاعت کا انکار کرتے ہیں وہ بھی حق و انصاف سے دور ہیں! اور جو اس گھمنڈ میں احکام الٰہی کی نافرمانی کرتے ہیں کہ وہ فلاں بزرگ کی اولاد سے ہیں، اُن کی سیاہ بختی بھی دیدۂ عبرت نگاہ کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔ کیا انھیں یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ جس رب ذوالجلال کے ہر حکم کی بجا آوری ان کے بزرگ آباؤ اجداد کی زندگی کا واحد نصب العین تھا جنھوں نے ایک قدم بھی تقویٰ کی راہ سے ادھر اُدھر نہیں رکھا۔ ان کی اولاد ہو کر اس پروردگار عالم کی نافرمانی کر رہے ہیں جس کریم نے ان کے بزرگوں کی شب ہائے اربعین اشکباریوں، نیازمندیوں اور دل گدازیوں پر رحم فرما کر انھیں عزت و ناموری کے اتنے بلند مقام تک پہنچایا۔ کیا ان کے فرزندوں کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے مولا کریم کی اطاعت و بندگی کو چھوڑ کر اس کی نافرمانی کو اپنا شعار بنائیں۔ اس غلط نظریہ نے ان شریف خاندانوں کو جتنا نقصان پہنچایا ہے شاید ہی کسی اور حادثہ نے پہنچایا ہو۔ کاش! ان خاندانوں کے چشم و چراغ اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور خداداد صلاحیتوں کو خدمت دین اور خدمت خلق کے لیے استعمال کریں تو وہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان پر کتنی بخششیں فرماتا ہے اور ان کی وجہ سے کتنی خلق خدا کو ہدایت ہوتی ہے۔ وہ ذرا سوچیں اگر وہ بخش بھی دیئے گئے تو اپنی غفلت اور بدعملی کی وجہ سے ان کے مقامات میں جو تنزل اور ان کے درجات میں جو انحطاط ہوا ہے کیا وہ کچھ کم افسوسناک ہے۔ کیا انھوں نے دانائے شیراز کا یہ شعر بھی نہیں سنا۔ ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است ✱ رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

أَنْ أَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِى بِهِۦ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِى وَتَرْحَمْنِىٓ أَكُن مِّنَ

کہ میں سوال کروں تجھ سے ایسی چیز کا جس کا مجھے علم نہیں لٹ اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں ہو جاؤں گا زیاں

ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٤٧﴾ قِيلَ يَٰنُوحُ ٱهْبِطْ بِسَلَٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكَٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰٓ أُمَمٍ

کاروں سے۔ ارشاد ہوا اے نوح! (کشتی سے) اُتر یئے امن و سلامتی کے ساتھ کٹ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں

مِّمَّن مَّعَكَ ۚ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٨﴾ تِلْكَ

اور ان قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں اور (آئندہ) کچھ قومیں ہوں گی ہم لطف اندوز کریں گے انھیں پھر پہنچے گا انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب یہ قصہ

مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلْغَيْبِ نُوحِيهَآ إِلَيْكَ ۖ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَآ أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ

غیب کی خبروں سے ہے کٹ جنھیں ہم وحی کر رہے ہیں آپکی طرف۔ نہ آپ جانتے تھے اسے اور نہ ہی آپ کی قوم

مِن قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَٱصْبِرْ ۖ إِنَّ ٱلْعَٰقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ

اس سے پہلے پس آپ صبر کریں کٹ یقیناً نیک انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ اور عاد کی طرف (ہم نے) انکے بھائی

لٹ بارگاہِ الٰہی سے ذرا سی تنبیہ ہوئی۔ فوراً سراپا عجز و نیاز بن گئے اور معافی مانگنی شروع کی۔ مردانِ خدا کا یہی دستور ہوا کرتا ہے۔

کٹ جب طوفان ختم ہو گیا، پانی اُتر گیا، کشتی جودی پہاڑ پر آ کر رک گئی۔ اللہ تعالیٰ نے دعاؤں اور برکات و خیرات کی خوشخبری کے ساتھ زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ فرمایا اس خاکدانِ ارضی میں امن و سلامتی کے ساتھ اتریئے۔ ہماری برکتیں آپ پر نازل ہوتی رہیں گی۔ تمہارے مال میں تمہارے کاروبار میں تمہاری کھیتی باڑی میں اور تمہاری نسلوں میں زیادتی ہو گی اور آپکے ہمراہی بھی ان نعمتوں سے سرفراز کیے جائیں گے۔

کٹ اگرچہ نوح علیہ السلام کے نام سے لوگ آگاہ تھے اور ان کے احوال کی بھی کچھ کچھ انھیں خبر تھی۔ لیکن وہ سب ظن و گمان کے تراشیدہ افسانے تھے حقیقتِ حال سے کوئی واقف نہ تھا۔ اے میرے نبی! تمھیں بھی ان کے صحیح حالات کا علم نہ تھا اور تیری قوم بھی جاہل اور ان پڑھ تھی۔ اس غیب کو ہم نے آپ پر بذریعہ وحی منکشف فرمایا۔

کٹ اس واقعہ کے ذکر کا مقصد محض تاریخ بیان کرنا یا دل بہلانا نہیں بلکہ آپ کو حضرت نوح کے صبر و استقامت پر آگاہ کرنا ہے تاکہ آپ بھی کفار و مشرکین کی دل آزاریوں کے مقابلہ میں صبر سے کام لیں۔ یقین کیجئے ان کی نخوت و سرکشی خاک میں مل جائے گی اور کامیابی آپکے قدم چومے گی۔

هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ

ہود کو بھیجا انھوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہو تم

اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى

مگر افترا پرداز۔ اے میری قوم! نہیں مانگتا میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں ہے میری اجرت مگر اس (ذات) پر

الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ

کے ذمہ جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ کیا تم (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے۔ اے میری قوم! مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (اول) رجوع

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا نام عاد تھا جو اپنے کسی دادا کے نام سے موسوم ہوئی تھی۔ ان کا وطن حضر موت اور یمن کا علاقہ تھا۔ اس کی تفصیل سورۃ الاعراف کے حواشی میں ملاحظہ فرمایئے۔

آپ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری طرح طرح کی خرابیوں کے علاوہ وہ شرک کی گمراہی میں مبتلا تھے۔ انھوں نے مختلف کاموں کے لیے الگ الگ دیوتا مقرر کر رکھے تھے۔ اور انھیں کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔ اپنے خالق سے ان کا رشتہ منقطع ہو چکا تھا۔ اس کی یاد کا دیا بجھ چکا تھا اور اس کی عبادت کا انھیں خیال بھی نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا نبی آتا ہے۔ انھیں دعوت حق بھی دیتا ہے۔ اپنی صداقت کی ایک عقلی دلیل بھی پیش کرتا ہے اور اس گمراہی کے اثرات بد سے بچنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔ حضرت ہود اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا سبق دیتے ہیں اور جھوٹے خداؤں سے قطع تعلق کی تلقین فرماتے ہیں۔ فرمایا ما من الٰہ غیرہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ یہ مٹی پتھر کے بت بھی کبھی خدا بن سکتے ہیں۔ یہ تمھاری من گھڑت باتیں ہیں۔ جو ہرگز توجہ کے لائق نہیں۔

اپنی صداقت کی دلیل پیش کی کہ نہ تو میں تم سے کچھ مانگتا ہوں اور نہ تم سے کسی اجر کی تمنا کرتا ہوں۔ تو پھر مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان اجری سے فرمایا کہ آخر میں تم سے کیوں مانگوں جبکہ میرا پیدا کرنے والا موجود ہے جو میری ساری ضروریات کا ذمہ دار ہے۔ وہ غنی بھی ہے اور کریم بھی۔ اسے چھوڑ کر میں تمہارے سامنے کیوں ہاتھ پھیلاؤں۔ ذرا سوچو تو۔

اگر تم گزشتہ گناہوں کی مغفرت طلب کرو گے اور آئندہ کے لیے اپنی عبادت، اطاعت اور توجہ کا قبلہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بناؤ گے تو عقبیٰ کی سرخروئی کے ساتھ ساتھ تمھیں اس دنیا میں خوشحال کر دیا جائے گا۔ بارشیں برسیں گی تمھاری بنجر زمین ان سے سیراب ہو کر سونا اگلنے لگے گی ہر طرف سرسبز کھیت لہلہانے لگیں گے۔ معاشی خوشحالی کا ایک زریں دور شروع ہو جائے گا۔ جب تمھاری مالی حالت سدھر گئی تو اولاد بھی صحت مند، خوبرو اور بکثرت پیدا ہوگی۔ دولت کی فراوانی اور قبیلہ کے افراد کی کثرت سے تمھاری قوت میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا۔ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی شریعت کی پابندی شروع کر دی تو تم مفلس اور قلاش ہو جاؤ گے۔ سوچیے کیا اسی قسم کے غلط تصورات کے باعث ہی ہم دین اسلام سے کچھے کچھے نہیں رہتے۔ شریعت اسلامیہ کی پیروی کا تصور

تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى

رجوع کرو اس کی طرف۔ وہ اتاریگا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش اور بڑھا دیگا تمھیں قوت میں تمھاری پہلی

قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا

قوت سے اور نہ منہ موڑو (اللہ تعالیٰ سے) جرم کرتے ہوئے۔ انھوں نے کہا اے ہود! نہیں لے آیا تو ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہیں

نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

ہم چھوڑنے والے اپنے خداؤں کو تمھارے کہنے سے[۹۴] اور نہیں ہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ

ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔[۹۵] ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں

اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِىْ

اللہ تعالیٰ کو[۹۶] اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنھیں تم شریک ٹھیراتے ہو۔ اس کے سوا پس سازش کرو میرے خلاف

کرتے ہی عزت و اقبال کے خوفناک سائے ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلنے لگتے ہیں۔ اس حقیقت کا ذکر اس سورۃ کی ابتدائی آیت میں بھی ہو چکا ہے وان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متاعا حسنا۔ مدرارا، درّ یدرّ درّا سے مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے کثرت سے بہنا۔ المدرار غزیر السیلان یعنی موسلا دھار بارش۔

[۹۴] اہل کفر کا رویہ ہمیشہ معاندانہ اور متعصبانہ ہوتا ہے۔ صاف کہہ دیا کہ آپ نے ہمارے سامنے کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جس سے ہمیں آپ کی صداقت کا یقین آجائے۔ ہم نہ اپنے خداؤں کو چھوڑیں گے اور نہ آپ کی دعوت قبول کریں گے خواہ مخواہ آپ اپنا دماغ کھپا رہے ہیں۔ اور ہمارا بھی وقت ضائع کر رہے ہیں اور اپنا بھی۔

[۹۵] یہ جو آپ بہکی بہکی (نعوذ باللہ) باتیں کر رہے ہیں۔ جانتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا کوئی خدا تم سے ناراض ہو گیا ہے۔ اس نے تم سے عقل سلب کر لی ہے اور اب تم دیوانوں کی طرح باتیں کر رہے ہو اپنی سلامتی مطلوب ہے تو ہمارے خداؤں کے قدموں میں گر پڑو اور اپنی گستاخی کی معافی مانگ۔ ویقال عراہ الامر واعتراہ اذا المّ بہ (قرطبی)

[۹۶] ان کی لایعنی و لغویات سے آپ جلال میں آگئے۔ فرمایا تم میری سچائی کی گواہی مت دو۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی میری صداقت کے لیے کافی ہے۔ ہاں تمھیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں نے علی الاعلان یہ کہا کہ میرا ان بتوں اور تمھارے ان جھوٹے خداؤں کے ساتھ کوئی

جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿٥٥﴾ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم

سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو ۸۲ بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ۸۳

مَا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾

کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ ۸۴

فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي

پھر اگر تم روگردانی کرو تو میں نے تو پہنچا دیا ہے تمہیں وہ پیغام جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے تمہاری طرف اور جانشین بنائے گا میرا رب

قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

کسی اور قوم کو تمہارے علاوہ ۸۵ اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان

تعلق نہیں۔

۸۲ نیز میرا ایک اور اعلان بھی سن لو تم سب مل کر تم بھی اور تمہارے خدا بھی میرے خلاف جو سازش کرنا چاہتے ہو کر لو۔ میں تم سے کسی قسم کی التجا نہیں کروں گا۔ تم سے مہلت نہیں مانگوں گا۔ لیکن سن لو تم میرا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے۔

۸۳ اس غیر متزلزل یقین اور ناقابل شکست اعتماد کی وجہ بیان فرمادی کہ میرا جس پر بھروسہ ہے وہ بڑی طاقت اور قوت کا مالک ہے وہ جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی بلکہ دنیا میں ان گنت انواع و اقسام کے جو کروڑوں چرند پرند وغیرہ تمہیں نظر آرہے ہیں وہ سب اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں اور دم مارنے کی کسی میں مجال نہیں۔ خود سوچو جس کی تائید و نصرت کرنے والا اتنی طاقت کا مالک ہو اسے تم اور تمہارے بے بس خدا کیا گزند پہنچا سکتے ہیں۔ ناصیہ پیشانی کے اوپر آگے جو بال ہیں۔ الناصیۃ قصاص الشعر فی مقدم الرأس (قرطبی) پیشانی کے بالوں کو پکڑنے کا مطلب ہے کسی کو مقہور و مغلوب کرنا۔ الاخذ بالناصیۃ تمثیل لقھر القاھر علی المقھور و ذل المغلوب بین یدیہ یتصرف فیہ کیف شاء (قرطبی)

۸۴ تقدیر و تدبیر، جزا و سزا، عطاء و حرمان، غرضیکہ اس کے تمام افعال عدل و انصاف پر مبنی ہیں اور اس کی حکمت بالغہ اور رحمت واسعہ کے آئینہ دار ہیں۔ قیل معناہ لا خلل فی تدبیرہ ولا تفاوت فی خلقہ سبحانہ (قرطبی)

۸۵ تمہیں اگر تمہاری پیہم سرکشیوں کی وجہ سے نیست و نابود کر دیا گیا تو گلشن ہستی کی رونق میں کچھ فرق نہ پڑے گا۔ تم سے بہتر کسی قوم کو تمہارا جانشین بنا دیا جائے گا جو زندگی کے گلستان میں اعمال صالحہ کے پھول کھلائے گی۔ جو اپنی محنت و کاوش سے علم و حکمت کے چشمے جاری کر دے گی۔ ان کے دم قدم سے بزم کائنات میں نئی چہل پہل دکھائی دینے لگے گی۔ دنیا کی تقریباً ہر طاقت ور قوم یہی سمجھتی ہے کہ عالم کی آبادی اس کے دم قدم سے ہے اگر اس پر کوئی افتاد پڑی تو ہر طرف بربادی اور ویرانی کا دور دورہ ہوگا۔ روشنی کے سائے دیے

حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

اور جب آگیا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دیدی ہود کو اور جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ بوجہ

بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا

اپنی رحمت کے ۵۶ اور ہم نے نجات دے دی انہیں سخت عذاب سے۔ اور یہ قوم عاد (کی داستان) ہے انہوں نے انکار

بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾

کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور نافرمانی کی اس کے رسولوں کی اور پیروی کرتے رہے ہر جابر منکر حق کے حکم کی۔ ۵۷

وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا

اور ان کے پیچھے لگا دی گئی اس دنیا میں بھی لعنت اور قیامت کے دن بھی۔ سنو! عاد نے

كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾ وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ

انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! ہلاکت و بربادی ہو عاد کے لیے جو ہود کی قوم تھی ۵۸ اور قوم ثمود کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی

بجھ جائیں گے۔ جہالت و وحشت کا گھپ اندھیرا چھا جائے گا۔ لیکن ہزاروں قومیں آئیں اپنا مقررہ وقت پورا کرکے چلتی بنیں لیکن خدا کی دنیا آباد ہی رہی اور جب تک اس کی مرضی ہوگی آباد ہی رہے گی۔

۵۶ اس سے مراد ایمان ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق مرحمت فرمائی۔ اوالایمان الذی انعمنا علیھم۔

۵۷ جبار۔ متکبر اور سرکش۔ عنید۔ جو جان بوجھ کر حق کا انکار کرے۔ العنید الطاغی الذی لایقبل الحق ولا یذعن لہ (قرطبی) اذا ابی ان یقبل الشیئ وان عرفہ (مظہری)

یعنی قوم عاد کی بربادی کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کا برسر اقتدار طبقہ تو ویسے سرکش اور متکبر تھا حق کو قبول کرنا ہی اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا لیکن اس قوم کے عوام نے بھی عقل و خرد سے کام لینا چھوڑ دیا تھا انھوں نے بھی حضرت ہود کی دعوت پر سنجیدگی سے غور و فکر نہیں کیا تھا۔ وہ بھی لکیر کے فقیر تھے اور اپنے رئیسوں کی چاپلوسی کرتے اور ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتے۔ دونوں گروہوں خاص و عام کو غور و فکر کی طویل مہلت دی گئی لیکن انھوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ آخر تباہ کر دیئے گئے۔

۵۸ بُعْد کے معنی دور ہونا اور بعد کا معنی ہلاک ہونا بھی ہے۔ یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا گیا یا انھیں ہلاک کر دیا گیا۔

صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ

صالح کو بھیجا ۸۹ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا ۹۰ اس نے پیدا فرمایا تمہیں

مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ

زمین سے اور بسا دیا تمہیں اس میں۔ پس مغفرت طلب کرو اس سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس

اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ

کی طرف ۹۱ بیشک میرا رب قریب ہے (اور التجائیں) قبول فرمانے والا ہے ۹۲ انہوں نے کہا اے صالح! تم تھے ہم میں (ایک ایسے شخص) جس سے امیدیں

۸۹ حضرت ہود اور ان کی قوم کے حالات بیان کرنے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ ثمود کا مسکن حجاز اور شام کا درمیانی خطہ ہے۔ یہ بھی عاد کے قبیلہ کی ایک شاخ ہے جو حضرت ہود پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب سے بچ گئے تھے اور وہاں سے نقل مکانی کر کے یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ یہاں آ کر وہ خوب پھلے پھولے ان کے آنے سے یہ خطہ لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور سرسبز و شاداب باغات کے باعث رشکِ ارم بن گیا۔ فنِ تعمیر میں انہوں نے خصوصی مہارت حاصل کی ان کا مفصل ذکر سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ علوم و فنون میں ترقی اور زراعت و باغبانی کی مہارت کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بہت عمدہ ہو گئی لیکن دولت کی فراوانی اپنے جلو میں جن خرابیوں کو لاتی ہے وہ بھی پوری قوت سے ان میں نشو و نما پانے لگیں۔ اپنے مالکِ حقیقی سے رشتہ ٹوٹ گیا۔ باطل خداؤں کی چوکھٹ پر جبیں سائی کرنے لگے عقیدہ کی گمراہی کے ساتھ ساتھ اخلاق کی گراوٹ طبعی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ جو انہی کی قوم کے ایک فرشتہ سیرت فرد تھے۔

۹۰ حضرت صالح نے بھی اپنی تبلیغ کا آغاز درسِ توحید سے کیا انہیں بتایا کہ تمہارا معبود وہ ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور پھر تم کو اس میں آباد کرنے کا اہتمام فرمایا اور وہ تمام اسباب فراہم کر دیئے جو تمہاری بقا کے لیے ضروری تھے۔ لیکن جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے وہ نہ تمہارے خالق ہیں اور نہ رازق انہوں نے تمہیں کچھ بھی نہیں دیا۔ وہ بیچارے دے بھی کیا سکتے ہیں جو اپنے وجود اور اپنی تراش خراش میں تمہارے فنِ سنگتراشی اور مجسمہ سازی کے مرہونِ منت ہیں۔ یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے۔ استعمرکم قال قتادۃ اسکنکم فیہا یعنی اس کا معنی قتادہ کے نزدیک یہ ہے کہ اس نے تمہیں زمین میں آباد کر دیا ہے۔ ایک دوسرا معنی بھی کیا گیا ہے اى طلب العمارۃ یعنی اس نے زمین کو آباد کرنے کا تمہیں حکم دیا ہے۔

۹۱ اگرچہ تمہاری زندگی کا اکثر حصہ کفر و شرک میں برباد ہو چکا ہے لیکن ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے اس کی رحمت تمہاری منتظر ہے۔ اب بھی اگر سچے دل سے آ جاؤ گے تو قبول کر لیے جاؤ گے۔ تمہاری عمر بھر کی خطاؤں اور گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔

۹۲ جس رب کو تم دور بہت دور سمجھتے ہو بلکہ اپنے ذہن و تصور سے بھی جس کی یاد کے نقش مٹا چکے ہو وہ تو تمہارے بالکل قریب ہے۔ رگِ جان سے بھی زیادہ قریب۔ اور مہربان اتنا ہے کہ جو مانگو گے وہی ملے گا۔ اس کے درِ کرم سے کسی سائل کو محروم واپس لوٹایا ہی نہیں جاتا۔ ان اندھے بہرے خداؤں پر فریفتہ ہو رہے ہو جو نہ تمہیں دیکھتے ہیں اور نہ تمہاری فریاد سنتے ہیں اور اس ربِ کریم سے منہ موڑ بیٹھے ہو جو تمہارے دل کی دھڑکنوں

هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ

وابستہ تھیں اس سے پہلے۔ کیا تم روکتے ہو ہمیں اس سے کہ ہم عبادت کریں ان (بتوں) کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا، اور بےشک ہم

اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

اس امر کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ایک بےچین کردینے والے شک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آپ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن

کو بھی سنتا ہے۔ جو رحیم و کریم بھی ہے اور قادر و توانا بھی جسے تمہارے حال پر ترس بھی آتا ہے اور جو تمہاری مشکلوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

۹۳؎ حضرت صالح بچپن سے ہی شرافت و متانت کے پتلے تھے۔ ان کی ہر ہر بات سے ذہانت اور دانائی ظاہر ہوتی تھی۔ ان کا دامن حیات ہر قسم کی آلودگیوں اور کمزوریوں سے پاک تھا۔ ان کو دیکھ کر ان کی قوم کے افراد ان کے شاندار مستقبل کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں کیا کرتے تھے۔ وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر ہماری قومی عظمت کو چار چاند لگائے گا۔ اس کی حکیمانہ قیادت میں ہم خوب ترقی کریں گے لیکن جب آپ نے انھیں ان کے بتوں کی عبادت سے روکنا شروع کیا جن کی عبادت وہ صدہا سال سے کرتے چلے آ رہے تھے، اور اللہ رب العزت کی وحدانیت پر ایمان لانے کا حکم دیا تو وہ ششدر رہ گئے۔ وہ صالح کی زبان سے یہ کیا سن رہے ہیں۔ ان کو اپنے کانوں پر اعتبار ہی نہ آ رہا تھا۔ وہ اس سوچ میں پڑ گئے کہ یہ کیا ہو گیا۔ جسے ہم قومی عروج و اقبال کا ضامن سمجھے ہوئے تھے وہ تو قوم کے بنیادی عقیدہ پر کلہاڑا چلا رہا ہے۔ یہ تو قوم کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دے گا۔ بڑے حیرت زدہ انداز میں کہنے لگے صالح! ہم نے تو تم سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ اور تم یہ کیا کر رہے ہو۔ غور تو کرو کیا ہم ان خداؤں کی پوجا چھوڑ دیں۔ جن کی پوجا آج تک ہم اور ہمارے باپ دادا کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمیں تو تمہاری اس عجیب و غریب دعوت پر یقین نہیں آ رہا۔ تم نے تو ہمیں ایک ایسے تذبذب سے دوچار کر دیا ہے جس نے ہمارا چین ختم کر دیا ہے اور ہمارے اطمینان و یقین کی دنیا میں ہل چل پیدا کر دی ہے۔ مریب شک کی صفت ہے۔ باب افعال سے اسم فاعل ہے اس کا معنی ہے ریبہ میں ڈال دینا۔ کہتے ہیں ارابہ اذا اوقعہ فی الریبۃ نفس کے قلق اور اطمینان و سکون کے اٹھ جانے کو عربی میں ریبہ کہتے ہیں ھی قلق النفس وانتفاء الطمانیۃ (مظہری) الریبۃ اسم من الریب قال بنو اربیۃ فی قلوبھم ای تدل علی دغل وقلۃ یقین (مفردات) وہ کس قسم کا قلق و اضطراب تھا جس کی آگ حضرت صالح نے ان کے دل میں لگا دی تھی۔ وہی قلق جو ہمیشہ صدائے حق بلند ہونے کے بعد اہل باطل کے دلوں میں پیدا ہوا کرتا ہے۔ پہلے وہ جس غلط عقیدہ کو قبول کیے ہوتے ہیں اس کے سچا ہونے کے بارے میں انھیں کامل یقین ہوتا ہے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ وہ ایک سراسر باطل نظریہ کو اپنائے ہوئے ہیں لیکن جب حق کا منادی کرنے والا آتا ہے اور اپنی دلنشین آواز، قوی براہین سے ان کی غلطی کو آشکارا کرتا ہے تو وہ قبول کریں یا نہ کریں۔ ان کے دل کی دنیا میں ایک تہلکہ ضرور برپا ہو جاتا ہے۔ اور وہ سکون و اطمینان کافور ہو جاتا ہے جو سالہا سال سے ان کے دل میں خیمہ زن تھا۔ بجائے اسی سکون و طمانیت کے لٹ جانے پر حرف شکایت زبان پر لا رہے ہیں۔

رَبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ

دلیل پر ہوں ۹۴ اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا کی ہو مجھے اپنی جناب سے خاص رحمت تو کون ہے جو بچا سکیگا مجھے اللہ (کے عذاب) سے ۹۵

فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً

اگر میں اس کی نافرمانی کروں تم تو نہیں زیادہ کرنا چاہتے میرے لیے سوا نقصان کے ۹۶۔ اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے ۹۷ تمہارے لیے نشانی ہے

۹۴ یوں معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے لوگوں نے پہلے بڑی منت سماجت کی ہوگی۔ اپنی توقعات اور امیدوں کا واسطہ دیا ہوگا کہ آپ اس اونچی دعوت سے باز آجائیں۔ پھر ذرا دھمکا کر آپ کو رام کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ انھیں کی ترغیب و ترہیب کے جواب میں آپ نے فرمایا ہوگا کہ اے قوم! مانا کہ تمھیں نور ہدایت نظر نہیں آرہا لیکن میں تو دیکھ رہا ہوں کہ آفتاب صداقت ضوفشاں ہے۔ میری چشم بصیرت کو میرے پروردگار کی وحدانیت اور کبریائی کے جلوے قدم قدم پر نظر آرہے ہیں۔ میں کس طرح ان تابندہ حقائق کا انکار کرسکتا ہوں۔ مجھے اس نے جن بے پایاں رحمتوں سے نوازا ہے میں ان کی ناشکری کی کیسے جرأت کرسکتا ہوں۔

۹۵ اگر ان حقائق کو یوں بے نقاب دیکھ لینے کے بعد میں تمہاری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کا انکار کردوں تو اگر میرے رب نے مجھے پکڑ لیا تو کیا تم میں سے کسی میں اتنا دم خم ہے کہ وہ مجھے چھڑا لے۔ اگر تم میری دعوت قبول کر کے اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بچانا نہیں چاہتے تو میرے حال پر ترس کھاؤ اور مجھے اپنے ساتھ غرق ہونے پر مجبور نہ کرو۔

۹۶ تم میرے خیر خواہ بن کر مجھے سمجھا رہے ہو لیکن میں تمہاری بات نہیں مان سکتا کیونکہ میرا اس میں سراسر نقصان ہے۔ مجھے ایسے نادان دوستوں کی نصیحتوں کی ضرورت نہیں جو اپنی بے سمجھی سے مجھے بھی راہ حق سے برگشتہ کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔

۹۷ آپ کی اس استقامت کو دیکھ کر انھوں نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ سچے ہیں تو کوئی معجزہ دکھائیے جس طرح سورہ الشعراء میں مذکور ہے فات بایۃ ان کنت من الصادقین اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ ان کے اس مطالبے کے جواب میں آپ نے ایک اونٹنی اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے بطور معجزہ اور دلیل پیش کی۔ امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں کہ مروی ہے کہ عید کے موقع پر قوم نے آپ سے مطالبہ کیا کہ ہم تب ایمان لائیں گے کہ وہ سامنے جو چٹان نظر آرہی ہے اس سے ایک اونٹنی پیدا ہو جائے آپ نے دعا مانگی۔ قدرت الٰہی کے سامنے کونسی چیز مشکل ہے دعا قبول ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی مطلوبہ اونٹنی نمودار ہو گئی! امام مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں اعجاز کی کئی وجوہ تھیں۔ (۱) اس کا یوں چٹان سے نکل آنا۔ (۲) اس کا حاملہ پیدا ہونا۔ (۳) اس کا ایک دن میں سارا پانی پی جانا وغیرہ۔ یہ ساری باتیں اپنی اپنی جگہ پر قوی معجزے ہیں۔ لیکن کیا قرآن حکیم نے بھی اس کے متعلق کوئی تصریح کی ہے تو فرماتے ہیں ولیس فی القرآن الا ان تلک الناقة كانت آية ومعجزة فاما بيان انها كانت معجزة من اي الوجوه فليس فيه بيانه (کبیر) یعنی قرآن میں تو اتنا مذکور ہے کہ یہ اونٹنی معجزہ تھی لیکن اس میں وجہ اعجاز کیا تھی اس میں معجزہ کا کونسا پہلو تھا قرآن میں مذکور نہیں اس لیے ہمیں اتنا ہی یقین کرنا کافی ہے کہ آپ نے بطور معجزہ ایک اونٹنی پیش کی جب کتاب اور سنت صحیحہ میں اس کے معجزہ ہونے کی کیفیت بیان نہیں ہوئی پھر اس کی تفصیل کے

فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِيٓ أَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ

پس چھوڑ دو اسے کھاتی پھرے اللہ تعالیٰ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ورنہ پکڑ لے گا تمھیں

عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ

عذاب بہت جلد پس انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ تو صالح نے فرمایا لطف اٹھالو اپنے گھروں میں تین

أَيَّامٍ ۖ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا

دن تک ۹۹ یہ (اللہ کا) وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ پھر جب آ گیا ہمارا حکم ۱۰۰ تو ہم نے بچا لیا صالح کو

وَّالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ

اور انھیں جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ اپنی رحمت سے نیز (بچا لیا) اس دن کی رسوائی سے۔ بیشک

رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا

اے محبوب! تیرا رب ہی بہت قوت والا بہت عزت والا ہے اور پکڑ لیا ظالموں کو ایک خوفناک کڑک نے ۱۰۱ اور صبح کی انھوں نے

دیر ہونا وقت ضائع کرنا ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۷۳ کا حاشیہ بھی ملاحظہ ہو۔

۹۸ ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۷۷ کا حاشیہ۔

۹۹ جب انھوں نے اس ناقہ کو ہلاک کر دیا تو آپ نے انھیں بتایا کہ تین دن کے بعد تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب یقیناً آئے گا اب بھی بھر کر رنگ رلیاں منالو۔

۱۰۰ مدت مقررہ کے بعد عذاب نازل ہوا جس نے کفار کو موت کی نیند سلا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اس کے ساتھیوں کو اس تباہ کن عذاب سے بھی محفوظ رکھا کہ ان کو خراش تک بھی نہ آئی دوسرا ان کو شرمساری سے بھی بچا لیا۔ کیونکہ اگر آپ کے کہنے کے مطابق عذاب نہ آتا تو آپ کو کتنی خفت اٹھانی پڑتی۔ کافر تالیاں بجاتے آوازے کستے اور ان کی اذیت رسانیوں میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا اور بعض علماء نے ومن خزی یومئذ میں واؤ کو زائد کہا ہے۔

۱۰۱ یعنی ایسی خوفناک کڑک پیدا ہوئی کہ ان کے دل سینوں میں پھٹ گئے۔ سورۃ الاعراف میں ہے فاخذتھم الرجفۃ کہ انھیں زلزلے نے آ لیا۔ یہاں کڑک کا ذکر ہے وہاں زلزلہ کا۔ یہ اختلاف کیوں ہے؟ کوئی اختلاف نہیں۔ جب گرجدار آواز پیدا ہوتی ہے تو زمین تھرا اٹھتی ہے۔ جب توپ کا گولہ چھٹتا ہے تو کیا مکان لرزنے نہیں لگتے اور زمین کانپتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔ اگر توپ کے ایک گولے کے

فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝٦٧ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟

اس حال میں کہ وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے گرے پڑے تھے۔ (انھیں یوں نابود کر دیا گیا) گویا وہ یہاں کبھی آباد ہی

چلنے سے یہ حالت ہوتی ہے تو معلوم نہیں اس خوفناک کڑک سے کیا محشر بپا ہوا ہوگا۔

اسلام کے کئی خیر خواہوں نے اسلام پر بڑی زیادتیاں کی ہیں۔ ان کی فہرست بڑی طویل ہے۔ یہاں جس خیر خواہانہ زیادتی کا ذکر مقصود ہے وہ ہے جو بعض کرم فرماؤں نے مستشرقین کے اعتراض سے ڈر کر قرآنی مطالب کے بیان کرنے میں کی ہے۔ قرآن کریم میں بیسیوں مقامات پر اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتی ہے۔ اعتقاد و عمل کی گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ان کے فسق و فجور سے طہارت و تقویٰ کا دامن تار تار ہو جاتا ہے۔ ان کا غرور اور تمرد جب عدل و انصاف کے تقاضوں کو روند ڈالتا ہے۔ جب مظلوم کو فریاد کرنے پر سزائیں دی جاتی ہیں تو ایسی قوم پر اللہ تعالیٰ ان کی بداعمالیوں کے باعث ایسا عذاب مسلط کرتا ہے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے متعدد انبیاء اور ان کی قوموں کے احوال بیان کیے گئے ہیں اور ان عذابوں کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ جو طوفانوں، زلزلوں، تند و تیز آندھیوں اور بجلی کی کڑک وغیرہ کی شکل میں ان قوموں پر نازل ہوئے اور ان کے غرور کو مٹی میں ملا دیا۔ ان واقعات کو بیان کرنے کے بعد ہر بار اس قسم کے جملے فرمائے کہ یہ قصص اور حالات عبرت پذیری کے لیے ذکر کیے گئے ہیں۔ قصہ گوئی اور داستان سرائی مطلوب نہیں۔ لیکن اسلام کے کئی کرم فرماؤں کو اس بات پر اصرار ہے کہ ایسا نہیں۔ یہ عذاب کسی جرم کی سزا نہیں ہے بلکہ ان حادثات کے طبعی اسباب مہیا ہو گئے تو وہ رونما ہوتے۔ ان کے واقعہ ہونے کو قطعاً کسی کی نیکی اور بدی کے ساتھ ہلکا سا بھی رابطہ نہ تھا۔ ایک اقتباس پیش خدمت ہے:۔

"آندھی اور طوفان، پہاڑوں کی آتش فشانی، ان سے ملکوں کا اور قوموں کا برباد ہونا، زمین کا دھنس جانا، قحط کا پڑنا، کسی قسم کے حشرات کا زمین میں، پانی میں، ہوا میں پیدا ہو جانا، کسی قسم کی وباؤں کا آنا اور قوموں کا ہلاک ہونا سب امور طبعی ہیں۔ جو ان کے اسباب جمع ہو جانے پر موافق قانون قدرت کے واقع ہوتے رہتے ہیں۔ انسانوں کے گنہگار ہونے یا نہ ہونے سے فی الواقع اس کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ اگرچہ توراۃ میں اور دیگر صحف انبیاء میں اس قسم کے ارضی و سماوی واقعات کا سبب انسانوں کے گناہ قرار دیئے ہیں۔ مثل ایک پوشیدہ بھید کے سمجھ سے خارج ہے۔ اس سے ہم کو اس مقام پر بحث نہیں ہے۔ مگر قرآن پاک میں بھی ایسے واقعات کو انسانوں کے گناہوں سے منسوب کرنا بلاشبہ تعجب سے خالی نہیں ہے" (مقالات سر سید ص ۱۲۳ حصہ چہاردہم)

اس تعجب کو دور کرنے کے لیے دوسرے صفحہ پر یوں رقم طراز ہیں:۔

پس قرآن پاک کے اس قسم کے بیانات کو جن میں حوادث ارضی و سماوی کو انسان کے گناہوں سے منسوب کیا ہے یہ سمجھنا کہ وہ ایک حقیقت اشیاء "علیٰ ماھی علیہ" کا بیان ہے ان سمجھنے والوں کی غلطی ہے نہ قرآن پاک کی۔" (مقالات سر سید ص ۱۲۴ حصہ چہاردہم)

اس طویل اقتباس پر معذرت خواہی کے بعد گزارش ہے کہ اگر صاحب موصوف نے یہ کہہ کر کسی شبہ کا ازالہ کیا ہے تو انھوں نے دوسری طرف ساتھ ہی سینکڑوں اعتراضات جو ان سے بھی زیادہ سخت ہیں ان کے لیے زمین ہموار کر دی ہے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر یہ الزام لگایا کہ ان کے

كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝۶۸ وَلَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ

نہ ہوئے تھے۔ سنو! ثمود نے انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! بربادی ہو ثمود کے لیے۔ اور بلاشبہ آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے

بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاۗءَ بِعِجْلٍ

پاس خوشخبری لے کر تو انہوں نے کہا (اے خلیل!) آپ پر سلام ہو۔ آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو۔ پھر آپ جلدی لے آئے (دعوت ضیافت

لو غلط کا حقیقت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا وہ تو اپنی مطلب براری کیلیے ہر مفید مطلب بات کو اپنا لیتے ہیں خواہ وہ صداقت سے کوسوں دور ہو جب کسی نبی کے متعلق یہ گھٹیا تصور آپکے ذہن میں جاگزیں ہو جائے۔ تو ایک نبی اور ایک سیاسی شعبدہ باز میں آپ کیونکر تمیز کر سکیں گے۔

پھر قرآن جس کو ہم سب کلام الٰہی یقین کرتے ہیں اس کے بیان کردہ حقائق پر آپکا اعتقاد کیونکر باقی رہیگا۔ حضرت صالح اپنی قوم کو فرماتے ہیں کہ تین دن کے بعد یقیناً تم پر عذاب آئیگا۔ اس میں شک شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں اور ایسا ہی ہوا تو

کیا ان تین دنوں میں وہ سب طبعی اسباب فراہم ہو گئے جن کی وجہ سے کڑک اور زلزلہ رونما ہوا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان میں اول کی زد صرف کفار پر پڑی اور اہل حق کو خراش تک نہ آئی۔ کون سی چیز تھی جس نے ان عذابوں میں نیک و بد میں تمیز کرنے کی قوت پیدا کر دی۔ قرآن کریم کی ان آیات پر مکرر غور فرمائیے۔

واغرقنا الذین کذبوا بایاتنا ہم نے ان کو غرق کیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ الا ان عادا کفروا ربہم الا بعدا لعاد قوم ھود عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا تھا اور ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ الآن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین اے فرعون! عمر بھر نافرمانی کرتا رہا، فساد برپا کرتا رہا اب ایمان لاتے ہو۔ واخذ الذین ظلموا الصیحۃ اس کڑک نے ان لوگوں کو برباد کیا جو ظلم کرتے تھے۔ فانظر کیف کان عاقبۃ الظالمین، المفسدین، المجرمین طبعی اسباب کا انکار نہیں لیکن طبعی اسباب کو یکجا کر کے ایک خاص وقت پر ایک مخصوص قوم کے لیے عذاب کی صورت میں ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اسی کی قرآن پاک نے بار بار وضاحت فرمائی ہے۔

۱۲۰۔ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے۔ دونوں مصر سے اس علاقہ میں ہجرت کر کے آئے تھے۔ آپ نے کنعان کے علاقہ میں رہائش اختیار کی اور حضرت لوط دریائے اردن کی ترائی میں فروکش ہوئے۔ یہ علاقہ اپنی زرخیزی اور شادابی میں بے مثل تھا۔ یہاں سدوم، عمورہ، ادمہ اور زبوئیم کی بستیاں آباد تھیں۔ حضرت لوط کی قوم جن اخلاقی بیماریوں میں مبتلا تھی ان کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ ان کی بستیوں کو زیر و زبر کرنے کے لیے جن فرشتوں کو بھیجا گیا انہیں یہ بھی حکم دیا گیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل کر ان کی اہلیہ سارہ کو بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب کی پیدائش کی خوشخبری سناتے جائیں۔ چنانچہ جب وہ حضرت خلیل کے پاس پہنچے تو آپ جلدی سے اٹھے اور ان کی ضیافت کا اہتمام فرمانے لگے۔ اپنی اہلیہ کو آٹا گوندھنے کا حکم دیا۔ خود اپنے مویشیوں کے گلہ سے ایک موٹا تازہ بچھڑا پکڑ کر لائے۔ اور ایک خادم کو تیار کرنے کی فرمائش کی۔ جلدی جلدی کھانا تیار کر کے لے آئے اور اپنے مہمانوں کے سامنے دسترخوان پر چن دیا۔ لیکن مہمانوں نے ہاتھ آگے نہ بڑھایا

حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ

کے لیے ایک بچھڑا بھنا ہوا پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے کھانے کی طرف تو اجنبی خیال کیا انھیں اور دل ہی دل میں

مِنْهُمْ خِيْفَةً ۗ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَاَتُهٗ

ان سے اندیشہ کرنے لگے ۳۱ فرشتوں نے کہا ڈریئے نہیں۔ ہمیں تو بھیجا گیا ہے قوم لوط کی طرف۔ اور آپ کی اہلیہ (سارہ) پاس

آپ حیران ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اس زمانہ کے دستور کے مطابق اگر نووارد اپنے میزبان کے پیش کردہ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا تھا تو سمجھ لیا جاتا تھا کہ اس کی نیت بخیر نہیں۔ آپ سہم گئے اور دل ہی دل میں اندیشہ کرنے لگے۔ فرشتوں نے آپ کی تشویش کو یہ کہہ کر ختم کر دیا آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ ہم فرشتے ہیں اور ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔

اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ آنے والے کو سلام کہنا چاہیے۔ اور جنھیں سلام کہا جائے ان پر لازم ہے کہ بڑی خوش اسلوبی سے اس سلام کا جواب دیں قالوا سلاماً میں سلام منصوب ہے اور قال سلامٌ میں مرفوع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلا سلام فعل محذوف کا مفعول ہے۔ عبارت یوں ہے نسلم علیک سلاماً اور دوسرا سلام مبتدا مؤخر ہے اور اس کی خبر علیکم محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے:۔ علیکم سلامٌ آپ نے ان کے سلام کے جواب میں جملہ اسمیہ استعمال فرمایا جو دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے اور یہ چیز جملہ فعلیہ میں نہیں جو ملائکہ نے استعمال کیا تھا نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہمان نوازی سنت ابراہیمی ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہمان نوازی کی بڑی ترغیب دی ہے اور اسے ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیکرم جارہ ومن کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے ہمسایہ کی عزت کرنی چاہیے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت تکریم کرنی چاہیے۔ سیرت کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مہمانوں کی تعظیم و تکریم اور ان کے آرام و آسائش کا از حد اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

علماء اسلام نے تصریح کی ہے کہ دیہات جہاں باہر سے آنے والے مسافروں کے لیے قیام و طعام کا کوئی انتظام نہیں ہوتا وہاں کے لوگوں پر لازمی ہے کہ وہ مہمان کے قیام و طعام کا بندوبست کریں اور بڑے شہر جہاں آرام دہ ہوٹل ہیں وہاں مہمان کی ضیافت مکارم اخلاق سے ہے لیکن ضروری نہیں۔

انها واجبة فی القری حیث لا طعام ولا ماوی بخلاف الحواضر فانها مشحونة بالماوات والاقوات ولا شك ان الضيف كريم والضيافة كرامة (قرطبی)

۳۱ بعض صاحبان اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس آیت سے حضرت ابراہیم کی بے علمی پر استدلال کرنے لگتے ہیں کہ دیکھو انھیں پتہ نہ چلا کہ یہ فرشتے ہیں۔ ان کے اس شبہ کے ازالہ کے لیے میں خود تو کچھ عرض نہیں کرتا البتہ مولانا تھانوی کا ایک جملہ نقل کرنے کی جسارت کرتا ہوں شاید ان لوگوں کو اپنی جلد بازی پر تنبیہ ہو جائے۔ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ آپ کا ان کو فرشتہ یقین کر لینا صرف ان کے کہنے پر نہ تھا بلکہ قوت مدرکہ قدسیہ کے

قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

کھڑی تھیں تو وہ ہنس پڑیں ۱۰۵ تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی ۱۰۶ اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا

سارہ نے کہا ہائے حیرانی ۱۰۷ کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بلاشبہ یہ تو

لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ

عجیب و غریب بات ہے ۱۰۸ فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر ۱۰۹ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور

ذریعے سے متوجہ ہو کر یقین کیا جس سے اولاً توجہ نہ فرمائی تھی جیسا بعض اوقات محسوسات میں بھی یہ قصہ پیش آتا ہے۔" (نقل از تفسیر ماجدی)

کسی چیز کی طرف توجہ کا نہ ہونا اور چیز ہے اور اس کا علم نہ ہونا اور چیز ہے۔ یہاں توجہ کی نفی ہے علم کی نفی نہیں فلیتدبر۔

۱۰۴ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ بنت ہاران بن ناحور جو آپ کے چچا کی بیٹی تھیں پاس کھڑی تھیں یا تو جب مہمان آئے اور حضرت ابراہیم ان سے گفتگو کرنے لگے تو یہ خیمہ میں کھڑی ہو کر سننے لگیں یا آپ نے انھیں مہمان کی خدمت گزاری کے لیے مقرر فرمایا اور وہ کھڑی ہو کر یہ خدمت بجا لا رہی تھیں۔

۱۰۵ آپ کے ہنسنے کی کیا وجہ تھی؟ یا تو آپ نے جب محسوس کیا کہ حضرت ابراہیم کی تشویش دور ہو گئی ہے اور آپ مطمئن ہو گئے ہیں تو خوشی سے ہنس پڑیں یا عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے فبشرناھا باسحاق فضحکت کہ ہم نے جب انھیں اسحاق کی بشارت دی تو وہ فرط مسرت سے ہنس پڑیں۔ (قرطبی کبیر) دونوں توجیہیں معقول ہیں۔

۱۰۶ فرشتے آئے تو حضرت خلیل اللہ کے پاس تھے انھوں نے حضرت اسحاق کی بشارت حضرت سارہ کو کیوں دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے حضرت ہاجرہ کے شکم سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اسمٰعیل جیسا چندے آفتاب چندے ماہتاب فرزند عطا فرمایا ہوا تھا یہ حضرت سارہ تھیں جن کی شاخ امید ابھی پھل سے محروم تھی اس لیے انھیں بھی یہ خوشخبری سنائی گئی۔ نیز بچہ کی پیدائش کی خوشی قدرتاً باپ سے زیادہ ماں کو ہوتی ہے۔

۱۰۷ ویلتی اصل میں ویلتی تھا تخفیف کے لیے ی کو الف سے بدل دیا۔ "ویل" کا لغوی معنی ہلاکت ہے۔ یہاں اس سے مراد اپنے لیے بددعا کرنا نہیں محض اظہار حیرت و تعجب مقصود ہے اور عورتیں عام طور پر اظہار تعجب کے لیے ایسے الفاظ ہی استعمال کرتی ہیں ولم ترد الدعاء علی نفسھا ولکنھا کلمۃ تخف علی افواہ النساء اذا طرأ علیھن ما یعجبن منہ (قرطبی)

۱۰۸ یعنی جب بیوی کی عمر ۹۰ سال کے لگ بھگ ہو اور میاں سو سے تجاوز کر چکے ہوں ان حالات میں کسی بچے کا پیدا ہونا خرقِ عادت نہ سہی تعجب خیز ضرور ہے اور ان کا حیرت زدہ ہو کر رہ جانا بالکل قدرتی بات تھی۔

بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ

اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو!؀۱۰ بیشک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے۔ پھر جب دُور ہو گیا

عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ

ابراہیم (علیہ السلام) سے خوف ؀۱۱ اور مل گیا انہیں مژدہ تو وہ ہم سے جھگڑنے لگے قوم لوط کے بارے

لُوْطٍ ؕ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ

میں۔ بیشک ابراہیم بڑے بردبار، رحم دل (اور) ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس بات کو

عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ

رہنے دیجئے۔ بیشک آگیا تیرے رب کا حکم۔ اور ان پر آکر رہے گا عذاب

؀۹ قدرتِ خداوندی اتنی بے پایاں اور وسیع ہے کہ اس کے سامنے سارے تعجب اور ساری حیرتیں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ حضرت سارہ کی توجہ جب قدرتِ الٰہی کی طرف مبذول کرائی گئی تو ان کا استعجاب یقین اور فکرِ مسرت میں بدل گیا۔

؀۱۰ اہلِ بیت پر رحمتِ الٰہی کے نزول اور اس کی بے حساب برکتوں کے نزول کی خوشخبری دی جا رہی ہے یا دعا کی جا رہی ہے ان میں کون شامل ہے؟ حضرت سارہ حضرت خلیل کی زوجہ محترمہ تو جب حضرت خلیل کے اہلِ بیت میں آپ کی زوجہ محترمہ داخل ہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے ازواجِ مطہرات کو خارج کرنا کتنی نادانی ہے اور قرآن پر زیادتی ہے یقینا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ کی بشارت میں اولاً اور اصلاً حضور کی ازواج مطہرات داخل ہیں اور ثانیاً دیگر حضرات قدسی صفات رضوان اللہ علیھن وعلیھم اجمعین۔

؀۱۱ جب آپ کی پریشانی دور ہو گئی اور بیٹے اور پوتے کی بشارت سے دل خورسند ہو گیا تو لگے قوم لوط کے لیے سفارش کرنے یجادلنا (ہم سے جھگڑنے لگا) کا لفظ جس محبت، قرب اور بے تکلفی پر دلالت کرتا ہے وہ اہلِ نیاز سے مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرا بندہ میرا خلیل میرے ساتھ ان کے بارے میں جھگڑنے لگا جب اپنے سے کسی اعلیٰ و برتر ہستی کے ساتھ قریبی تعلق ہوتا ہے اور دونوں طرف سے انتہائی محبت و پیار پایا جاتا ہے تب ہی کسی بات پر ضد اور اصرار کیا جا سکتا ہے ورنہ پہلے تو خود ہی اس قسم کی حرکت کی جرأت نہیں ہوتی اور اگر کسی غلط فہمی کے باعث کوئی ایسی بات زبان پر لاتا ہے تو ایاز قدر خود بشناس کا جواب ملتا ہے۔ قہر و عتاب کی بجلی کوندتی ہے اور کانوں سے پکڑ کر اسے باہر نکال دیا جاتا ہے لیکن یہاں بڑی محبت سے حضرت خلیل کے اس انداز کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد حلیم اواہ منیب کے القابِ عالیہ سے ممتاز فرمایا۔ حلیم کہتے ہیں بردبار کو جو بدی کرنے والے سے انتقام لینے میں جلدی نہ کرے۔ اواہ کہتے ہیں جو دوسرے لوگوں کی غمخواری میں آہ و لب ہے۔ منیب کہتے ہیں جو ہر وقت دل و جان سے اپنے رب کی طرف راغب رہے۔ (مظہری)

غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿٧٦﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ

جو پھیرا نہیں جا سکتا ۱۱۲ اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط (علیہ السلام) کے پاس ۱۱۳ وہ دلگیر ہوئے ان کے آنے سے اور

بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿٧٧﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ

نیز پریشان ہوئے ۱۱۴ ان کی وجہ سے اور بولے آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے۔ اور (مہمانوں کی خبر سنتے ہی) آگئے ان کے پاس

اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ

ان کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے ۱۱۵ اور اس سے پہلے ہی وہ کیا کرتے تھے برے کام ۱۱۶ لوط نے کہا اے میری قوم! دیکھو یہ میری قوم کی

۱۱۲ جواب ملا اس جھگڑے کو چھوڑئیے۔ ان بدبختوں کو مدتوں سمجھایا گیا لیکن وہ اپنے کفر و شرک سے باز نہ آئے ان کے لیے عذاب مقدر ہو چکا ہے۔ اب یہ فیصلہ بدلا نہیں جا سکتا کیونکہ مشرکین کے لیے بخشش نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو ان کے حق میں سفارش کرنے سے روک دیا۔

۱۱۳ ملائکہ وہاں سے رخصت ہو کر حضرت لوط کے پاس پہنچے۔ ان باجمال اور بے حد حسین مہمانوں کو دیکھ کر آپ گھبرا گئے۔ آپ کو اپنی قوم کی اخلاقی پستی کا اچھی طرح علم تھا۔ آپ کو خطرہ تھا کہ اگر انھیں خبر ہو گئی تو وہ میرے ان مہمانوں کی بے حرمتی سے باز نہیں آئیں گے۔ قرآن پاک نے آپ کے اس اضطراب اور بے چینی کو سِیْٓءَ بِهِمْ اور ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا اور هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ کے بلیغ جملوں سے ظاہر فرمایا ہے۔

۱۱۴ سِيْٓءَ بِهِمْ کا معنی کیا گیا ہے ساء مجیئھم لوطًا ان کی آمد نے لوط کو پریشان کیا۔ ساء لازمی اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ ساء مُ فهو لازم وساءه فهو متعد (قرطبی)

ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا ذرع کہتے ہیں کہنی تک ہاتھ کو۔ ہاتھ ذکر کر کے قوت مراد لینا عام ہے یعنی یہ ہوا کہ جب ان کی وجہ سے اپنے آپ کو کمزور اور بے دست و پا محسوس کیا اور قوم کے شر سے بچنے کی کوئی راہ نظر نہ آئی قلت والذرع فی الاصل الید لی المرفق والساعد ویطلق علی القوۃ کالید والمعنی ھھنا ضاقت ای ضعفت بھم طاقتہ ولم یجد من المکروہ مخلصًا (کذا فی القاموس) علامہ بیضاوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ھو کنایۃ عن شدۃ الانقباض للعجز عن مدافعۃ المکروہ یعنی یہ الفاظ اس دلی تنگی اور انقباض کے بیان کے لیے بطور کنایہ ذکر کیے جاتے ہیں، جو انسان اس وقت محسوس کرتا ہے جب وہ کسی تکلیف کو دور کرنے سے بالکل عاجز ہو جائے۔ یوم عصیب شدید سخت۔ اگلے مزید حالات کے لیے سورۃ الاعراف کے حواشی ملاحظہ ہوں۔

۱۱۵ قوم کو جب پتہ چلا کہ اس طرح کے خوبرو نوجوان لوط کے مہمان بنے ہیں تو بھاگتے چلے آئے۔ کہتے ہیں ان کی آمد کی اطلاع حضرت لوط کی بیوی نے انھیں دی تھی۔ یھرعون، الاھراع سے مشتق ہے کہتے ہیں اھرع الرجل اھراعًا ای اسرع فی رعدۃ من برد او غضب او حمی یعنی شدت جوش و غضب سے کانپتے ہوئے بھاگتے چلے آئے۔ یہ لفظ عام طور پر مجہول ہی استعمال ہوتا ہے۔

۱۱۶ جس فاسد اور گندی نیت سے وہ بھاگتے چلے آ رہے تھے اس کی طرف اشارہ کیا کہ وہ لواطت کا فعل بد چھپ کر نہیں کیا کرتے تھے

بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ

بیٹیاں ہیں ۱۱۲ وہ پاک اور حلال ہیں تمہارے لیے تم خدا کا خوف کرو اور مجھے رسوا نہ کرو میرے مہمانوں کے معاملہ میں۔

اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ

کیا تم میں ایک بھی سمجھدار آدمی نہیں؟ کہنے لگے تم خوب جانتے ہو نہیں تمہاری (اس قوم کی)

بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ

بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں ۱۱۳ اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ لوط نے (بصد حسرت) کہا اے کاش! میرے پاس

کسی کو خبر تھی اور کوئی بے خبر تھا بلکہ اس کا ارتکاب بیانگ دہل کیا کرتے سب کو ان کی خباثت کا علم تھا اس لیے ان کے یوں دندناتے چلے آنے کا مقصد کسی سے مخفی نہ تھا۔

۱۱۲ؔ حضرت لوط کو جو خطرہ تھا وہ سامنے آگیا۔ یہ لوگ ان کے محترم مہمانوں کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے کا تہیہ کر چکے تھے آپکے ساتھ کوئی ایسی جمعیت نہ تھی جو ان وحشیوں کو ڈانٹ کر بھگا دیتی۔ بڑے یاس کے عالم میں فرمایا هٰؤُلَاءِ بَنَاتِیْ یہ میری لڑکیاں ہیں۔ یہ طریقہ بڑا پاکیزہ اور ستھرا ہے۔ هٰؤُلَاءِ بَنَاتِیْ سے مراد میری لڑکیاں نہیں بلکہ آپکی قوم کی بچیاں ہیں۔ کیونکہ نبی اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ یہ میری قوم کی بیٹیاں جن کو تم نے اپنے نکاح کی زنجیر میں جکڑ رکھا ہے لیکن ان کے قریب تک نہیں جاتے ہو ان کی طرف متوجہ ہو۔ تمہاری خواہش نفس بھی احسن طریقہ پر پوری ہوگی اور ان کے حقوق زوجیت بھی ادا ہو جائیں گے یہی توجیہ صحیح ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسری وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ان کی قوم کے رئیسوں نے آپکے آپ کی بیٹیوں کا رشتہ طلب کیا تھا لیکن آپ نے ان کے فسق و فجور اور انکی ذلیل حرکتوں کے باعث رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا اب جب انھوں نے آپکے مہمانوں کی بے حرمتی کرنا چاہی تو آپ اس بات پر بھی آمادہ ہو گئے کہ اپنی لڑکیوں کا رشتہ ان خواہشمند رئیسوں کو دے دیں تاکہ اس تعلق کی وجہ سے وہ اپنی قوم کے اوباشوں کو اس ذلیل حرکت سے باز رکھیں لیکن تورات کی روایت کو اگر معتبر مانا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی بیٹیاں شادی شدہ تھیں۔ اس لیے ان کے بیاہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کتاب پیدائش باب ۱۹ کی آیت ۱۲ میں ہے۔ تب ان مردوں نے لوط سے کہا کیا یہاں تیرا اور کوئی ہے؟ داماد اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں اور جو کوئی تیرا اس شہر میں ہو سب کو اس مقام سے باہر نکال لے جا۔ آیت ۱۴ میں ہے۔ تب لوط نے باہر جا کر اپنے دامادوں سے جنھوں نے اس کی بیٹیاں بیاہی تھیں باتیں کیں اور کہا کہ اٹھو اور اس مقام سے نکلو کیونکہ خداوند اس شہر کو نیست کریگا۔ اس لیے پہلی توجیہ ہی درست ہے اور حضرت لوط کے مقام رسالت کے مناسب ہے۔

۱۱۳ؔ حق سے مراد یہاں حاجت ہے یعنی ہمیں ان عورتوں کی ضرورت اور حاجت نہیں ہم جس مقصد کے لیے آئے ہیں تم اچھی طرح جانتے ہو اس لیے ہماری مزاحمت نہ کرو اور بیچ سے ہٹ جاؤ۔

قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿٨٠﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

مجھ میں تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں پناہ لے سکتا کسی مضبوط سہارے کی [119] فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں [120]

لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ

یہ لوگ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے پس آپ نکل جائیے اپنے اہل و عیال کو جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے اور پیچھے مڑ کر تم میں سے کوئی

اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ

نہ دیکھے۔ مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جائیے بیشک وہی (عذاب) اسے بھی پہنچنے والا ہے جو ان (دوسرے مجرموں) کو پہنچا۔ ان پر عذاب آنے کا مقررہ وقت

الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا

صبح کا وقت ہے۔ کیا نہیں ہے صبح (بالکل) قریب؟ پھر جب آ پہنچا ہمارا حکم [121] تو ہم نے کر دیا اس کی

[119] جب آپ نے دیکھا کہ منت سماجت بھی بے اثر ہے اور افہام و تفہیم کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے تو آپ پر گویا کوہِ الم ٹوٹ پڑا اور نہایت ہی حسرت آمیز لہجہ میں یہ فرمایا۔

[120] فرشتے اب تک بغور خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ جب ان اوباشوں کی گستاخی اور حضرت لوط کی پریشانی اور بےبسی کی انتہا ہو گئی تو فرشتے گویا ہوئے اے لوط! گھبراؤ نہیں دروازہ کھول دو اور ان مسخروں کو آگے آنے دو ہم انہیں تھوڑے ہی ہیں کہ یہ آگے بڑھ کر ہم کو دبوچ لیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں۔ اور ہمیں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ ہم ان کی بستیوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں۔ آپ ایسا کریں کہ رات کا جب کچھ حصہ گزر جائے تو اپنے گھر والوں کو ہمراہ لے کر یہاں سے چلے جائیں لیکن آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ اس کا انجام وہی ہوگا جو دوسرے مجرموں کا۔ اب ان ظالموں کی مہلت کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ بس صبح ہونے کی دیر ہے۔ اور صبح کے طلوع ہونے میں اب زیادہ وقت نہیں۔

[121] جب عذاب آیا تو ان کی بستیوں کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا گیا۔ ان کی فلک بوس عمارتیں زمین پر اوندھی گرا دی گئیں۔ ان پر سخت پتھروں کی ایسی موسلادھار بارش کی گئی کہ وہ سب خاک سیاہ بن کے رہ گئے۔ سعدوم، عموراہ، ادما اور زبوئیم ان کی چاروں بستیاں اس جگہ آباد تھیں۔ جہاں آجکل بحر مردار یا بحر لوط ہے۔ اب بھی بحر لوط سے دھوئیں کے بادل اٹھتے رہتے ہیں۔ اور کثرت سے زلزلے آتے رہتے ہیں۔

چند تشریح طلب الفاظ: سجیل کا معنی نحاس اور ابو عبیدہ نے بہت سخت اور کثیر کیا ہے السجیل الشدید الکثیر۔ منضود۔ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے یعنی جب پتھر برسنے لگے تو بلا توقف برستے چلے گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی دھاگہ میں پروئے ہوئے ہیں اور یکے بعد دیگرے گرتے چلے جاتے ہیں۔ مسومۃ: نشان زدہ گویا ان پر قدرت کے اسلحہ سازی کے کارخانہ کی مہر لگی ہوئی تھی مسومۃ

سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً

بلندی کو اس کی پستی اور ہم نے برسائے اُن پر پتھر آگ میں پکے ہوئے پے در پے۔ جو نشان زدہ تھے

عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ

آپکے رب کی جانب سے۔ اور نہیں (لوط کی) بستی (مکہ کے) ظالموں سے کچھ دُور۔ اور اہلِ مدین کی طرف (ہم نے) انکے بھائی

شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا

شعیب کو بھیجا۔ آپنے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ اور نہ کمی کیا کرو[۱۲۳]

معلمۃٌ من السّماء وھی العلامۃ اور مسومۃ کا یہ معنی بھی بتایا گیا ہے کہ ہر پتھر پر اس فاسق کا نام لکھا ہوا تھا جسے اس نے فنا کرنا تھا وما ھی الخ یعنی قوم لوط کی اُجڑی اور الٹی ہوئی بستیاں مکہ کے ظالم کافروں سے دُور نہیں ہیں وہ خود وہاں جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس واقعہ کی تصدیق کر سکتے ہیں ہم انھیں کسی ایسی قوم کا حال نہیں سنا رہے کہ جن کے ویران علاقہ تک ان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں ببعیدۃ ہونا چاہیے تھا لیکن ھی میں مکان کا معنی ملحوظ رکھ کر بعید۔ مذکر ذکر کیا گیا قیل المعنی ما ھذہ القری من الظالمین ببعید بین الشام والمدینۃ وجاء ببعید مذکراً علی معنی بمکان بعید۔ (قرطبی)

[۱۲۲] حضرت لوط کی قوم کے عبرتناک انجام کے بعد اب حضرت شعیب علیہما السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ آپ کی قوم مدین اور اس کے نواحی علاقوں میں آباد تھی۔ یہ شہر بحرِ احمر کے اس مقام پر آباد تھا جہاں جزیرہ نمائے عرب کی دو تجارتی شاہراہیں آکر ملتی تھیں یمن و شام اور عراق و مصر کے قافلے یہیں سے گزرتے تھے۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مدین کتنی بڑی تجارتی منڈی ہوگی۔ وہاں کاروبار کا کیا عالم ہوگا اور وہاں کے باشندے کتنے آسودہ حال ہوں گے۔ اس کا تفصیلی بیان سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ ہر پیغمبر کا مقصد اولین یہی ہوتا ہے کہ بندے کا رشتہ اس کے رب کے ساتھ استوار کرے اور معبودِ حقیقی کی صحیح معرفت سے اسے بہرہ ور کرے۔ اس کے بعد قوم جن اخلاقی کمزوریوں کا شکار ہو چکی ہو اسے ان سے نجات پانے کا راستہ بتائے۔ حضرت شعیب جس قوم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے وہ اپنے رب کو بھول چکی تھی۔ ان کا تعلق اس معبودِ برحق سے بالکل کٹ چکا تھا جس کی الوہیت کے زمزمے ان کے جدِ امجد حضرت خلیل علیہ السلام عمر بھر گاتے رہے تھے۔ انھوں نے بھی مشرک قوموں سے متاثر ہو کر طرح طرح کے بت بنا لیے تھے جن کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت شعیب نے سب سے پہلے انھیں یہی دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی خدا نہیں۔

[۱۲۳] ہر قوم اپنے مخصوص حالات اور ماحول کی وجہ سے مخصوص اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ اہلِ مدین کیونکہ ایک بین الاقوامی تجارتی منڈی میں آباد تھے اور کاروبار میں بڑی مہارت رکھتے تھے اس لیے ان میں وہی کمزوریاں پوری شدت سے رونما ہوئیں جو عام طور پر اس ماحول کی پیداوار ہوتی ہیں۔ ناپ اور تول میں خیانت! لیتے وقت زیادہ ناپنا اور زیادہ تولنا اور دیتے وقت کم ناپنا اور کم تولنا۔ آپ نے اسی حرکت سے

اَلْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

ناپ اور تول میں میں دیکھتا ہوں تمھیں کہ تم خوشحال ہو اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر

عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝۸۴ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ

اُس دن کا عذاب آ جائے جو ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ اور اے میری قوم! پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۸۵

اور نہ گھٹا کر دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔

انھیں باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت شعیب کو حسن خطابت کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ آپ کا یہ خطبہ جو ان آیات میں مذکور ہے کتنا حکیمانہ اور مدلل ہے۔ پہلے فرمایا کہ ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو کیونکہ یہ گھٹیا حرکت تو وہ کرتے ہیں جو غریب اور نادار ہوں لیکن اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ تمھاری مالی حالت بہت بہتر ہے تم آسودہ حال ہو، کاروبار نقطۂ عروج پر ہے اتنے متمول ہونے کے باوجود تمھارا ان ذلیل ہتھکنڈوں کو استعمال کرنا تمھاری شان کے شایان نہیں کس عمدہ طریق سے انھیں شرم دلائی جارہی ہے اور اس فعل سے انھیں روکا جارہا ہے۔ غیرت و حمیت کو مہمیز لگانے کے ساتھ ہی یہ بھی تنبیہ کردی کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اس چابکدستی سے ڈنڈی مارتے ہو کہ تم لوگوں کی سادہ لوحی اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نفع کما لو اور تھوڑی سی مدت میں امیر کبیر بن جاؤ۔ اور تمھارا خیال ہے کہ اگر تم نے بہت دولت اکٹھی کرلی تو امن سلامتی اور راحت شادمانی کا دور دورہ ہوگا لیکن تمھارا یہ خیال درست نہیں ناجائز معاشی استحصال کا نتیجہ ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ اس سے آخر کار فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے وہی لوگ جو آج تمھیں کمزور اور بے زبان نظر آرہے ہیں اور جن کے متعلق تمھارا یہ نظریہ ہے کہ ان کے جسم سے جتنا بھی خون نکال لیا جائے یہ اُف تک نہیں کریں گے ان میں تو احتجاج کی سکت تک بھی نہیں لیکن جب ظلم و تشدد کی انتہا ہو جائے گی تو ان کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ جائے گا۔ اور مہر خاموشی ٹوٹ جائے گی ان کی بے نور آنکھوں سے غیظ و غضب کے انگارے چھوٹیں گے۔ ان کی زبان شعلہ نوا بنے گی اور تمھارے عشرت کدوں اور تمھارے سامانِ تعیش کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیں گی۔ تم انھیں باغی کہو گے، فسادی اور فتنہ باز کہو گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس فتنہ و فساد کے باعث تم ہو سارا ایندھن تم نے فراہم کیا انھوں نے تو صرف آگ لگادی۔ یہ ہلاکت خیز بم تم نے تیار کیا انھوں نے تو جوشِ انتقام میں صرف اس کا بٹن دبادیا۔

معاشی میدان میں ناجائز وسائل سے نفع اندوزی کرنے والوں کو فساد برپا کرنے والا کہہ کر ایک تلخ لیکن ناقابل انکار حقیقت سے پردہ اٹھایا۔ آج ہر ملک میں بے چینی اور بے اطمینانی کا سیلاب امڈا چلا آرہا ہے۔ معاشی زبوں حالی کی وجہ سے کتنے ملک سرخ انقلاب کی آماجگاہ بنے کتنے شاہی خاندانوں کو ان کی نادار اور کمزور رعایا نے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر ڈالا۔ کیا یہ چیزیں ہمیں بیدار کرنے کے لیے کافی نہیں۔ اللہ نے اس حقیقت کو صدہا سال پہلے کتنی وضاحت سے بیان فرما دیا۔ اب اس سے نصیحت حاصل کرنا تو ہمارا فرض ہے۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ

جو بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دینے سے وہی بہتر ہے[124] تمہارے لیے اگر تم ایمان دار ہو۔[125] اور نہیں ہوں میں تم پر

بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ

نگہبان[126] قوم نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں انھیں جن کی عبادت

اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ

کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا[127] یا تصرف کریں اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں[128] (از راہ تمسخر کہنے لگے) بس تم ہی ایک دانا اور نیک چلن

الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ

رہ گئے ہو۔ آپ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے

[124] دولت کی ہوس بڑی شدید ہوتی ہے۔ اس کا طالب کبھی سیر نہیں ہوتا وہ چاہتا ہے کہ دولت کے انبار پر انبار لگاتا ہی چلا جائے۔ یہی ہوس اسے ہر قانون شکنی اور اخلاقی ضابطوں کی پامالی پر اکساتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نبی قناعت کا درس دیتا ہے کہ حلال ذریعہ سے جو دولت مل جائے اسی پر قناعت کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ زیادہ دولت کا کمانا قطعاً وجہ شرف نہیں۔

[125] یہ فرما کر ان کی غیرت ایمانی کو جھنجھوڑا نیز بتایا کہ مومن کا یہی شعار ہونا چاہیے تم اپنے آپ کو مومن کہلا کر بھی اگر کافرانہ حرص و ہوس کے اسیر ہو تو پھر یہ بڑی شرم کی بات ہے۔

[126] یعنی میرا کام تو تمہیں سمجھانا ہے اور اس میں میں کوتاہی نہیں کر رہا تمہاری ہر وقت نگرانی کرنا اور تمہیں جبراً ان حرکات سے باز رکھنا میرے فرائض میں داخل نہیں۔

[127] حضرت شعیب کے خطبہ میں دو چیزیں تھیں پہلی یہ کہ اپنے خدا کی عبادت کرو اور ان من گھڑت خداؤں کی پوجا سے باز آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے جواب میں تو انھوں نے وہی جملہ کہہ دیا جو سارے مشرک کہا کرتے تھے کہ ہم ان خداؤں کو چھوڑنے کے لیے ہرگز تیار نہیں جن کی عبادت صدیوں سے ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں لیکن انھوں نے یہ بات کہنے کے ساتھ ساتھ آپ پر ایک چوٹ بھی کر دی یعنی یہ جو تم بڑے صوفی بنے بیٹھے ہو اور اپنے مصلیٰ پر اوپر نیچے ہوتے رہتے ہو کیا اس چیز نے تمہیں ایسی انہونی اور ناقابل اعتبار بات کہنے کی جرأت دلائی ہے۔

[128] دوسری بات جو آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمائی تھی کہ کاروبار میں بددیانتی چھوڑ دو۔ پورا تولو پورا ناپو۔ اسی میں تمہارا بھلا ہے ورنہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے گی اور تم پر قہر خداوندی نازل ہوگا اس کے جواب میں جو بات انھوں نے کہی آج تک ملت کے پجاری

وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ

اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی ۱۲۹ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ خود تمہارے خلاف کرنے لگوں اس امر میں

اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ

جس سے میں تمھیں روکتا ہوں ۱۳۰ نہیں چاہتا ہوں مگر (تمہاری) اصلاح (اور درستی) جہاں تک میرا بس چلے ۱۳۱ اور نہیں میرا راہ پانا۔

اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ

مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے ۱۳۲ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے میری قوم! ہرگز نہ اکسائے تمھیں میری عداوت

اور طرح طرح کے طنز و استہزا کے تیر برساتے ہیں کہ یہ مال ہمارا ہے، ان کے ہم مالک ہیں، اس لیے ہمیں مکمل اختیار ہے کہ جس طرح ہم چاہیں انھیں استعمال کریں۔ ہم اپنی اس آزادی پر کسی قسم کی پابندی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اے شعیب! آپ خواہ مخواہ ہماری آزادیٔ عمل میں مخل نہ ہوں اور ہماری اقتصادی ترقی میں روڑے نہ اٹکائیں۔ اس سلسلہ میں ہم آپ کی کوئی بات سننے کے بھی روادار نہیں۔ آخر میں پھر ایک طنز یہ جملہ چست کر دیا انک لانت الحلیم الرشید کہ بس ایک آپ ہی حلیم و رشید اس علاقہ میں رہ گئے ہیں باقی تو سب نادان اور گمراہ ہی ہیں۔

حضرت شعیب نے ان کی سرمہری اور دل آزاری کے باوجود انھیں فرمایا کہ تم مجھ سے بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو تمھیں شاید یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ میں تمہاری آسودگی پر حسد کرتا ہوں اور مجھے تمہاری یہ ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ تمہارا یہ خیال درست نہیں ہے بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری یہ آسودگی عارضی نہ ہو پائیدار ہو۔ تمہاری یہ ترقی کھوکھلی نہ ہو حقیقی ہو۔ اور مجھے جو نور بصیرت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس سے مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ تم ہلاکت کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہو۔ میں یہ کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ میری قوم جس کے ساتھ میرا خونی رشتہ ہے وہ برباد ہو رہی ہو اور میں خاموش بیٹھا رہوں۔ میں تو تمھیں آگاہ کرتا ہی رہوں گا۔ میں تو تمھیں باز آ، باز آ، کی ندائیں دیتا ہی رہوں گا۔ اگر تم نے میری دعوت کو مسترد کر دیا اور گرداب ہلاکت میں چھلانگ لگا دی تو کم از کم میرا ضمیر تو مطمئن ہو گا کہ میں نے تمہاری خیر اندیشی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

۱۲۹ اور مجھے تم سے حسد کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے۔ میں کوئی مفلس نادار تو نہیں ہوں کہ تمہاری دولت کو دیکھ کر جل رہا ہوں۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمت کے خزانوں سے حلال اور وسیع رزق عطا فرمایا ہے کان شعیب کثیر المال قال به ابن عباس۔

۱۳۰ میرا عمل تو دیکھو کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ دولت جمع کرنے کے جن ناجائز ذرائع سے میں تمھیں روکتا ہوں کبھی میں نے انھیں خود استعمال کیا ہو یا جس بات کے کرنے کا تمھیں حکم دیا ہو خود اس کی خلاف ورزی کی ہو جب میرا عمل میرے ہر قول کی تصدیق کر رہا ہے۔ تو پھر تمھیں میری خیر خواہی پر شک نہیں کرنا چاہیے۔

شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ

(اللہ کی نافرمانی پر) جیسا وہ پہنچے تمھیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح یا قوم ہود

اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ

یا قوم صالح کو۔ اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے

ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ

پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اسی کی طرف بے شک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار کرنے والا ہے۔ وہ بولے اے شعیب ہم نہیں سمجھ سکتے

١٣١ ـ میری ان ساری کاوشوں کا ایک ہی مقصد ہے کہ تمہارا عقیدہ بھی درست ہو جائے اور تمہارے اعمال بھی پاکیزہ ہو جائیں۔ تمہاری ساری مخالفتوں کے باوجود میں حتی المقدور یہ کوشش جاری رکھوں گا۔

١٣٢ ـ پہلے جملہ میں اصلاح کی نسبت اپنی طرف کی گئی تھی جس سے بظاہر ادعا کی بو آ رہی تھی اس لیے فوراً کہہ دیا۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ محض میرے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور دستگیری سے ہو رہا ہے توفیق کا معنی ہے اچھے مقصد کے حصول کے لیے تمام اسباب کا مہیا کر دینا۔ جعل الاسباب موافقۃ للمطلوب الخیر۔

١٣٣ ـ بعض لوگ کسی کی عداوت اور مخالفت میں اتنے اندھے ہو جاتے ہیں کہ انھیں اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہیں رہتا۔ وہ اس کی ہر بات کو ٹھکرا دیتے ہیں خواہ اس کے اتباع میں ان کا ذاتی فائدہ بھی ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں سچی سچی باتیں تمھیں سنا رہا ہوں کھلی کھلی حقیقتیں بتا رہا ہوں اور تم ان سے دور بھاگتے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم محض میری وجہ سے ان حقائق کو پس پشت ڈالنے پر مصر ہو۔ عقلمند لوگ تو ایسا نہیں کیا کرتے۔ وہ کسی کی عداوت میں اندھے ہو کر اپنے آپ کو تو برباد نہیں کرتے۔ تم بھی جہاندیدہ لوگ ہو۔ تم میری مخالفت میں اتنے دور تو نہ چلے جاؤ کہ نجات کے سارے راستے مسدود ہو جائیں۔

١٣٤ ـ اپنے بار گناہ کو دیکھ کر اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یہ خیال نہ کرو کہ عمر بھر تو اس کی سرکشی کرتے رہے اب آخر میں کیا خاک مسلمان ہوں گے؟ یہاں مایوسی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر تم اپنے گناہوں پر اظہار ندامت کرتے ہوئے مغفرت طلب کرو گے اور آئندہ کے لیے اس کے ساتھ اطاعت و انقیاد کا پیمان وفا باندھو گے تو تمھیں اللہ تعالیٰ اپنے دامن رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا۔ اس کی مغفرت کا ایک چھینٹا تمہاری عمر بھر کی غلطیوں اور نادانیوں کے لیے کافی ہو گا کیونکہ میرا رب جس کی رحمت کی مسلسل میں تم کو خوشخبری دے رہا ہوں جس کی بارگاہ عزت میں حاضر ہونے کی میں تمہیں ترغیب دے رہا ہوں جس کے ابر کرم میں سر چھپانے کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کا ابر کرم بیکراں ہے اس کی عنایات کا بادل جب برستا ہے تو ہر جگہ کو سیراب کر دیتا ہے اور نہ صرف یہ کہ اس کی رحمت بے پایاں ہے بلکہ زمین و آسمان کا واحد مالک ہونے کے باوجود وہ اپنے بندوں سے نفرت نہیں کرتا اور انھیں نظر حقارت سے نہیں دیکھتا بلکہ محبت فرماتا ہے اور جب کوئی رو سیاہ شکستہ دل

كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَىٰكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے ۱۳۵ اور بلاشبہ ہم دیکھتے ہیں تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے ۱۳۶ اور اگر تمھارے کنبہ کا لحاظ نہ ہوتا تو

لَرَجَمْنَٰكَ ۖ وَمَآ أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَهْطِىٓ أَعَزُّ عَلَيْكُم

ہم نے تمھیں سنگسار کر دیا ہوتا اور نہیں ہو تم ہم پر غالب۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم! کیا میرا کنبہ زیادہ معزز ہے ۱۳۷ تمھارے نزدیک

ہو کر اس کے حضور میں حاضر ہوتا ہے تو اسے بے پایاں مسرت ہوتی ہے۔ میں تمھیں ایسے رحیم اور ودود کے دربار میں باریابی بخشنے کے لیے اتنا بے چین و بے قرار ہوں۔

ودود مبالغہ کا صیغہ ہے بہت محبت فرمانے والا۔

۱۳۵ اللہ کا نبی اپنے اخلاص اپنی بے غرضی اور خیر اندیشی کا یقین دلانے کی کوشش فرماتا ہے اور انھیں متنبہ کرتا ہے کہ تم میری عداوت کے جوش میں اس حق کو چھوڑ دینے کی غلطی نہ کرو لیکن اس ساری دلسوزی کا صلہ قوم کی طرف سے بجز نفرت و حقارت کے اور کچھ نہیں ملتا بلکہ وہ ازراہ طنز اور استہزا کہتے ہیں کہ جناب! آپ ایسی باتیں کرتے ہیں جو ہمارے فہم سے ہی بالاتر ہیں۔ آپ خواہ مخواہ ہمیں کیوں دق کرتے ہیں۔ کسی ایسی قوم کے پاس تشریف لے جائیے جو آپ کی ان عالمانہ باتوں کی قدر کر سکے اور ان فاضلانہ نکات کی داد دے سکے۔ قالوا ذالک اعراضا عن سماعہ احتقارا لکلامہ (قرطبی)

۱۳۶ یعنی بہتر یہ ہے کہ آپ ہماری سمع خراشی سے باز آجائیں۔ جب ہمیں آپ کی باتیں سمجھ ہی نہیں آتیں تو آپ خواہ مخواہ کیوں اپنے آپ کو بھی ہلکان کر رہے ہیں اور ہمیں بھی پریشان کر رہے ہیں اور اگر ہماری اس صاف صاف تنبیہ کے باوجود آپ نے اپنے وعظوں کا سلسلہ بند نہ کیا تو پھر ہمیں دوسرا حربہ استعمال کرنا پڑے گا۔ اے شعیب ہمیں تو تمھارے کنبہ والوں کا لحاظ ہے اس لیے ہم خاموش ہیں ورنہ تم میں اتنی طاقت کہاں کہ ہمارے مقابلہ میں ٹھہر سکو۔ رھط خاندان کے ان افراد کو کہتے ہیں جو کسی شخص کی تقویت کا باعث ہوں اور دکھ سکھ میں اس کے شریک ہوں۔ رھط الرجل عشیرتہ الذی یستند علیھم ویتقوی بھم (قرطبی)

۱۳۷ حضرت شعیب کو ان کا یہ قول از حد ناگوار گزرا اور اپنی اس ناگواری اور ناپسندیدگی کا برملا اظہار فرمادیا کہ تمھیں میرے خاندان کا پاس تو ہے جس کی وجہ سے تم مجھے کچھ نہیں کہتے ہو لیکن کیا تمھیں میرے رب کا لحاظ نہیں جس نے مجھے تمھاری ہدایت کے لیے رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ یہ سچی باتیں جو بے خوف تمھیں سنا رہا ہوں اس کی وجہ یہ نہیں کہ میرا خاندان میری پشت پناہی کر رہا ہے بلکہ میری اس دلیری اور بے باکی کا راز اپنے رب پر توکل کرنے میں ہے۔ اسی کی تائید و نصرت کے بھروسہ پر میں اتنا دلیر بنا ہوا ہوں کہ تم تمام سیٹھوں کی مخالفت کو خاطر میں نہیں لا رہا۔ مجھے تمھارے اس بیہودہ قول سے سخت صدمہ پہنچا ہے کہ تمھارے دلوں میں میری قوم کا لحاظ اور وقار تو ہے لیکن میری طاقت کے اصلی سرچشمے میرے رب کو تم نے یوں بھلا دیا ہے جیسے کوئی چیز پس پشت ڈال دی جاتی ہے۔ تف ہے تمھاری اس نادانی اور کم فہمی پر یعنی ترکتم قتلی لاجل رھطی ولا تحفظونی باللہ فی رسالتہ ... منسوب الی الظھر والکسر من تغییر النسب۔

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

اللہ تعالیٰ سے۔ اور تم نے ڈال دیا ہے اسے پس پشت۔ بیشک میرا رب جو عمل تم کرتے ہو (انکو اپنے علم سے) احاطہ کیے ہوئے ہے

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ

اور اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر (اور) میں (اپنے طور پر) عمل پیرا ہوں۔ تمھیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر

يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ

آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کردے گا ۱۳۸ اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار

رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

کرنے والا ہوں۔ اور جب آپہنچا ہمارا حکم (یعنی عذاب) تو ہم نے بچا لیا شعیب کو اور انھیں جو ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ

مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ

اپنی خاص رحمت سے اور آلیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے تو صبح کی انھوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں

جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ

کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے۔ گویا کبھی وہ ان میں بسے ہی نہ تھے ۱۳۹ سنو! ہلاکت ہو مدین کے لیے جیسے ہلاک ہو چکے تھے

۱۳۸ جب ان کو سمجھاتے سمجھاتے سالہا سال گزر گئے اور وہ دعوت حق کو قبول کرنے کے لیے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے رسول نے انھیں آگاہ فرما دیا کہ اب وہ عذاب آنے والا ہے اور کھرے اور کھوٹے اور سچے اور جھوٹے میں خود بخود امتیاز ہو جائے گا۔

۱۳۹ وہ عذاب ایک خوفناک کڑک کی صورت میں آیا۔ سارے ظالم موت کی نیند سو گئے! اور ان کی برباد بستیوں کو دیکھ کر یہ خیال ہونے لگا کہ گویا یہاں کبھی کوئی آدمی بسا ہی نہیں تھا لیکن ہم نے اس عذاب سے شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بچا لیا برحمۃ منا کے الفاظ سے یہ بتایا کہ ان کا نجات پا جانا محض ہماری رحمت کی وجہ سے تھا۔

ثَمُودَ ﴿٩٥﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٩٦﴾ إِلَىٰ

ثمود۔ اور بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور صریح غلبہ کے ساتھ۔ ۱۴۰

فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انھوں نے پیروی کی فرعون کے حکم کی۔ اور فرعون کا حکم بالکل غلط تھا ۱۴۱

بِرَشِيدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ

وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا روزِ قیامت ۱۴۲ اور لاڈالیگا انھیں آتش جہنم میں۔ بہت بری داخل

۱۴۰ متعدد انبیا اور ان کی نافرمان قوموں کے عبرت آموز حالات سنانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے ذکر سے اس بات کا اہتمام ہو رہا ہے۔ آیات سے مراد تورات کی آیتیں نہیں کیونکہ تورات کا نزول تو غرقِ فرعون کے بعد ہوا بلکہ آپ کے وہ نو معجزات مراد ہیں جن کا ذکر سورۃ الاسراء میں بالتفصیل انشاء اللہ آئے گا اور سلطان مبین کے دیا تو وہ قوی دلائل و براہین ہیں جو فرعون سے مناظرہ کے وقت آپ نے پیش کیے اور اسے خاموش ہونا پڑا یا اس سے مراد عصا ہے جس نے ساحرانِ فرعون کی ساری شعبدہ بازی کا طلسم چشم زدن میں توڑ کر رکھ دیا اور حق کو اتنا عیاں کر دیا کہ وہ سب کے سب آپ پر ایمان لائے۔

عصا اگرچہ ان نو نشانیوں میں سے ایک ہے لیکن اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے علیحدہ بھی ذکر کیا۔

۱۴۱ رشید غویٌّ کی ضد ہے۔ رشید کا لفظ ہر اس کام کے لیے استعمال ہوتا ہے جو قابلِ تحسین اور پسندیدہ ہو اور غوایت ہر اس کام کو کہتے ہیں جو قابلِ مذمت اور ناپسندیدہ ہو الرشید لیستعمل فی کل ما یحمد و یرتضی ضد الغی فانہ یستعمل فی کل ما یذم (مظہری) یعنی فرعون کی ساری باتیں رشد و ہدایت سے بیگانہ تھیں۔ اس کے دعویٰ خدائی سے لے کر بنی اسرائیل کو غلام بنانے تک کوئی چیز بھی تو ایسی نہ تھی جسے بنظرِ استحسان دیکھا جا سکتا ہو یا عقل و دانش کے معیار پر پوری اترتی ہو اور اس سے بھی زیادہ قابلِ تاسف اس کی قوم کا طرزِ عمل تھا جس نے کسی دعویٰ کو عقلِ سلیم کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری نہ سمجھا اور جس ظلم و تشدد اور جن احمقانہ حرکات کا وہ عمر بھر ارتکاب کرتا رہا اس کے متعلق اس سے باز پرس تو کجا اس کے حسن و قبیح پر غور کرنے کی حاجت بھی محسوس نہ کی۔

۱۴۲ جس طرح دنیا میں وہ آنکھیں بند کیے فرعون کے پیچھے چلتے رہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اس روز بھی ان کا حشر اپنے اس لیڈر کے ساتھ ہوگا جس کی غلط قیادت نے انھیں دنیا میں برباد کیا تھا۔ آج بھی جو منزل اس کی ہوگی وہی ٹھکانہ ان کا ہوگا۔ یہ بتا دیا کہ آنکھیں بند کر کے پیچھے چلنے والے یہ فرض نہ کر لیں کہ اگر ان کے لیڈر اپنی غوایت و گمراہی کی وجہ سے گرفتارِ عذاب ہوئے تو انھیں اس لیے معاف کر دیا جائے گا کہ ان بے چاروں نے خود تو گمراہی کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ یہ تو غلط قیادت کی وجہ سے گمراہ ہو گئے اس لیے سارا مواخذہ ان کے لیڈروں سے ہی ہونا چاہیے۔ فرمایا ایسا نہیں ہوگا بلکہ گمراہ لیڈر کو بھی سزا ملے گی اور ان کے پیروکاروں پر بھی عذاب آئے گا۔ ان کو

الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ

ہونے کی جگہ ہے ۱۴۳ کہ جہاں انھیں داخل کیا جائیگا اور ان پر بھیجی جاتی ہے اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن بھی بہت برا

الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا

عطیہ ہے جو انھیں دیا جائیگا ۱۴۴ یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جو ہم بیان کر رہے ہیں آپ سے ان میں سے کچھ

غور و فکر کی جو صلاحیتیں دی گئی تھیں ان سے کام لیکر انھوں نے حق و باطل میں کیوں امتیاز نہ کیا ان کو دیدۂ بینا بخشا گیا تھا وہ دانستہ کیوں اندھے بنے رہے۔ کیا یہ کوئی کم جرم ہے؟ قیامت کے دن بھی ان کا لیڈر آگے آگے ہوگا۔ اور یہ گمراہ پیرو کار اپنی قسمت کو روتے ہوئے اپنے لیڈر کو کوستے ہوئے کشاں کشاں افتاں وخیزاں اس کے پیچھے جا رہے ہونگے۔ یہ گمراہ لیڈر اور اس کے ماننے والے اسی طرح میدان حشر میں حاضر کیے جائیں گے اور انھیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔ علامہ ابن کثیر نے مسند امام احمد سے یہ حدیث نقل کی ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرء القیس حامل لواء شعراء الجاھلیۃ فی النار کہ زمانہ جاہلیت کے شاعروں کا جھنڈا امرء القیس کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور وہ ان سب کو لے کر جہنم میں جائے گا۔

۱۴۳ یہ الفاظ تحقیق طلب ہیں۔ وِرْدٌ اسم ہے اس کا مصدر وُرُوْدٌ ہے جس کا معنی ہے پانی کی تلاش میں جانا اور الورد اس پانی کو کہتے ہیں جس کا قصد کیا گیا ہو الورود اصلہ قصد الماء یقال وردت الماء فانا وارد والماء مورود والورد الماء المرشح للورود واستعمل فی النار علی سبیل الفظاعۃ (مفردات)

صاحب روح المعانی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں فالورد علی ھذا بمعنی نصیب من الماء والمورود صفتہ والمخصوص بالذم محذوف وھو النار ؛ وِرْد کا معنی ہے پانی کا حصہ۔ یہ موصوف ہے اور المورود اس کی صفت ہے۔ دونوں مل کر بئس کے فاعل ہیں اور مخصوص بالذم النار ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ فرعون اپنے پیرو کاروں کے آگے اس طرح جا رہا ہوگا جس طرح قافلہ کی ضروریات کے لیے پانی تلاش کرنے والا قافلہ کے آگے چلتا ہے۔ لیکن ان بدنصیبوں کی بدنصیبی کا کیا کہنا کہ جس گھاٹ پر فرعون انھیں لیے جا رہا ہے وہاں میٹھا اور ٹھنڈا پانی نہ ہوگا جو ان کی تشنگی کو دور کرے گا اور ان کے گھبرائے ہوئے دلوں کی تسکین کا باعث ہوگا۔ بلکہ ابلتا ہوا کھولتا ہوا پانی ہوگا۔ اگر وہ پئیں گے تو ان کے منہ اور گلے جل جائیں گے اور ان کی آنتیں پھٹ جائیں گی اور اگر نہیں پئیں گے تو شدت پیاس سے ویسے جان نکلے گی۔

۱۴۴ رِفْدٌ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو سہارا دینے کے لیے اس کے ساتھ رکھی جاتی ہے ما یضاف الی غیرہ لیعمدہ ویدعمہ اور اس کا معنی مدد کرنا اور بخشش بھی آیا ہے الرفد المعونۃ والعطاء (المنجد) یعنی جو مدد انھیں دی گئی جو بخشش ان پر کی گئی وہ بہت بری تھی یعنی دنیا میں بھی سب لوگ ان نابکاروں اور ناہنجاروں پر لعنت بھیجتے رہے اور قیامت کے دن بھی اگر ان کی کچھ امداد کی گئی یا انھیں کوئی چیز بخشی گئی تو وہ یہی تھی کہ انھیں مزید لعنت اور پھٹکار کا مستوجب قرار دیا گیا بئس الرفد المرفود

قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ

ہیں اور کچھ کٹ گئی ہیں ۱۳۵؎ اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر بلکہ انھوں نے خود زیادتی کی تھی اپنی جانوں پر۔ پس

اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

نہ فائدہ پہنچایا انھیں ان کے (جھوٹے) خداؤں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی

شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ

جب آگیا حکم آپ کے رب کا۔ ان لوگوں نے تو فقط ان کی بربادی میں ہی اضافہ کیا ۱۳۶؎ اور یونہی

اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِیْمٌ

گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو درآنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک (اور)

شَدِیْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ

سخت ہوتی ہے۔ بیشک ان واقعات میں (عبرت کی) نشانی ہے اس کے لیے جو ڈرتا ہے عذاب آخرت سے ۱۳۷؎ یہ وہ

کا معنی ہوگا وہ مدد جو ان کی کی گئی تھی یا وہ عطا جو ان کو بخشی گئی تھی وہ بہت بُری تھی۔

۱۳۵؎ یہ واقعات جو تمھارے سامنے پیش کیے گئے ہیں ان بستیوں کے حالات ہیں جن میں سے بعض کے کچھ کھنڈرات باقی ہیں اور اپنے پاس سے گزرنے والوں کو زبان حال سے اپنی آبادی اور بربادی کی ہوشربا داستان سنا رہے ہیں۔ اور بعض بستیاں ایسی بھی ہیں جن کا نام و نشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ ان کی عظمت پر نوحہ کرنے کے لیے کوئی شکستہ دیوار بھی موجود نہیں۔ قائم، جس کا کوئی نہ کوئی نشان باقی ہو۔ حصید، وہ کھیتی جسے کاٹ دیا گیا ہو۔ یہاں وہ قوم مراد ہے جس کا کوئی نشان باقی نہ رہا ہو۔

۱۳۶؎ یعنی جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو جن جھوٹے سہاروں پر انھوں نے تکیہ کیا ہوا تھا وہ ایک ایک کر کے گرتے اور ناپید ہوتے چلے گئے اور اس آڑے وقت میں وہ ان کے کسی کام نہ آئے بلکہ ان جھوٹے سہاروں پر اعتماد ہی ان کی بربادی کا باعث بنا۔ وہ ان کو بڑا قوی اور مضبوط سمجھتے رہے اور ان کی بے بسی اور بے دست و پائی کا یقین تب انھیں ہوا جب وقت ہاتھ سے گزر چکا تھا۔

۱۳۷؎ ان واقعات کے بیان کرنے کا مقصد وحید تو صرف یہ ہے کہ گمراہ لوگ اپنی اصلاح کریں لیکن ایسا نہیں ہوتا جو عیش و عشرت میں کھوئے ہوئے ہیں وہ ان باتوں کی طرف دھیان نہیں دیتے ان کے لیے یہ جو اُجڑے ہوئے دیار اور کھنڈرات تفریح کا سامان ہوتے ہیں۔ ان کے استاد انھیں یہ بتلاتے ہیں کہ ان بربادیوں کا تعلق ان کی سرکشیوں سے نہ تھا بلکہ طبعی اسباب ایسے پیدا ہوگئے کہ زلزلہ آیا اور اس آباد نگری کی فلک بوس عمارتیں پیوند خاک

يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ﴿١٠٣﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا

دن ہے جس دن اکٹھے کیے جائیں گے سب لوگ اور یہ وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائیگا ۱۴۸ اور ہم نے نہیں مؤخر کیا ہے اسے مگر

لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ﴿١٠٤﴾ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ

ایک مقررہ مدت تک جو گنی ہوئی ہے۔ جب وہ دن آئیگا تو اس کی ہیبت سے کوئی شخص نہیں بول سکے گا بجز اسکی اجازت کے ۱۴۹ تو بعض ان میں سے

شَقِيٌّ وَّسَعِيدٌ ﴿١٠٥﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ

بدنصیب ہونگے اور بعض خوش نصیب ۱۵۰ سو وہ جو بدنصیب ہیں وہ آگ میں ہوں گے ان کے (مقدر میں) وہاں چیخنا

وَّشَهِيقٌ ﴿١٠٦﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا

اور چلانا ہوگا ۱۵۱ وہ دوزخ میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں ۱۵۲ مگر

ہوگئیں بارشیں کثرت سے ہوئیں، دریاؤں میں پانی آگیا اور طغیانی آگئی جس نے ان تمام آباد علاقوں کو ویران کر دیا۔ بادل آگئے جس طرح آتے رہتے ہیں بجلی کڑکی جیسے کڑکتی رہتی ہے اور اتفاقیہ اس محل یا قلعہ پر گری اور اسکی بنیادوں کو بھی اکھیڑ کر رکھ گئی اس بگڑی ہوئی اور بڑی کوشش سے بگاڑی ہوئی ذہنیت سے جب ان بستیوں کو دیکھا جاتا تو کبھی اپنے اعمال کے محاسبہ کا خیال تک پیدا نہیں ہوتا۔ آج آثار قدیمہ میں غور و فکر کرنیوالے عبرت پذیری کے اس جذبہ سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہی خوش نصیب ان گزرے ہوئے واقعات سے درس عبرت لیتا ہے اور اجڑے ہوئے در و دیوار کی زبان حال سے عبرت کی کہانی سنکر اپنی اصلاح کی طرف مائل ہوتا ہے جو قیامت پر ایمان رکھتا ہو اور اسے یقین ہو کہ وہ دن آنے والا ہے جبکہ سب لوگ بارگاہ رب العزت میں پیش کیے جائیں گے اور ان کے اعمال پر محاسبہ ہوگا اور اسے بھی وہاں جوابدہی کے لیے ضرور حاضر ہونا ہوگا۔

۱۴۸ یعنی نیک و بد سب حاضر ہوں گے۔

۱۴۹ آج تو ان خدا فراموشوں اور خود فریبوں کی چرب زبانی کا یہ عالم ہے کہ بولتے بولتے تھکنے کا نام نہیں لیتے لیکن اس روز سب مہر بلب کھڑے ہونگے کسی کو یارائے تکلم نہ ہوگا ایسے معلوم ہوگا کہ گویا کسی نے ان کی زبانوں پر تالے ڈال دیے ہیں اور انکے لبوں کو سی دیا گیا ہے اس دن وہی لب کشائی کر سکیگا جسے بولنے کی اجازت ملیگی اور کون نہیں جانتا کہ وہ حامل لواء الحمد اور صاحب مقام محمود صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کوئی نہیں ہو سکتا۔

۱۵۰ آج بھی انسانیت بٹی ہوئی ہے لیکن تقسیم بڑی عجیب و غریب ہے۔ گورے کالے، عربی اور عجمی کی بنیادوں پر قائم ہے قیامت کے روز یہ مصنوعی امتیازات ختم کر دیے جائیں گے اور نوع انسانی صرف دو گروہوں میں بٹ جائیگی ایک گروہ کو سعید کہا جائیگا اور دوسرے کو شقی جنہوں نے اپنی دنیوی زندگی میں اپنے رب کو پہچانا اور اس کی بندگی میں اپنی عمر بسر کی انکا گروہ سعید کہلائیگا اور ان پر سعادت کا پرچم لہرائیگا اور جو عمر بھر اپنے مالک کو جھٹلاتے رہے اور اپنی نفس پرستی میں مگن رہے ان پر بدبختی اور حرماں نصیبی کی پھٹکار برس رہی ہوگی۔

۱۵۱ جب گدھا ہینگتا ہے تو اس کی ابتدائی آواز کو زفیر کہتے ہیں جو بلند ہوتی ہے اور اس کی آخری آواز کو شہیق کہتے ہیں جو نسبتاً آہستہ ہوتی ہے

مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا

جتنا چاہے آپ کا پروردگار[۱۵۲] بیشک آپ کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ اور وہ جو خوش نصیب ہیں تو وہ

فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا

(ہمیشہ) جنت میں ہونگے ہمیشہ رہیں گے اس میں جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر

مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ

جتنا چاہے آپ کا رب۔ یہ وہ عطا ہے جو ختم نہیں ہوگی[۱۵۴] تو اے سننے والے! نہ ہو جا تو شک میں[۱۵۵] انکے متعلق جنکی یہ پوجا

هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا

کرتے ہیں۔ وہ نہیں پوجتے مگر ایسے ہی جیسے پوجتے تھے انکے باپ دادا اس سے پہلے۔ اور ہم یقیناً

اور سینے سے نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اس لیے بلند آواز سے چلانے کو زفیر اور آہستہ آہستہ نالہ و فریاد کرنے کو شہیق سے تعبیر کیا گیا۔

۱۵۲ یعنی دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ آیت میں آسمان اور زمین سے موجودہ آسمان زمین مراد نہیں کیونکہ یہ تو اس وقت فنا کر دیئے جائینگے بلکہ عالم آخرت کے آسمان و زمین مراد ہیں جو ابدی ہونگے اور اگر آیت میں یہی زمین و آسمان مراد ہوں تو پھر کفار کے ابدی عذاب کو ان الفاظ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب جب کسی چیز کی ابدیت اور دوام کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو انہی الفاظ سے اس کو تعبیر کرتے ہیں ان العرب یعبرون عن الدوام والابد بقولهم ما دامت السموات والارض۔

۱۵۳ ابن قتیبہ، ابن الانباری و فراء جو لغت و نحو کے امام ہیں انہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ استثناء ہے جسے عملی جامہ نہیں پہنایا جائیگا محض اظہار قدرت و اختیار کے لیے ذکر کیا گیا جیسے سنقرئك فلا تنسى الا ما شاء الله میں ہے اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ یہاں الا استثناء کے لیے نہیں بلکہ سوا کے معنی میں ہے یعنی وہ اتنی مدت دوزخ میں رہیں گے جتنی مدت آسمان و زمین کو بقا نصیب ہے اور اس کے سوا اور بھی اور وہ اتنا جتنا اللہ چاہے کا جس کو نہ تم سمجھ سکتے ہو اور نہ اس کا اندازہ ہی کر سکتے ہو اگرچہ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ کفار کے لیے بھی جہنم کا عذاب کبھی نہ کبھی منقطع ہو جائے گا لیکن جمہور کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ ختم نہیں ہوگا اور احادیث صحیحہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۱۵۴ یعنی اہل جنت کو جن انعامات سے سرفراز کیا جائے گا وہ ایسے نہیں ہیں جن کا سلسلہ کچھ مدت کے بعد منقطع ہو جائے، بلکہ ان خوش نصیبوں پر ان کے خداوند کریم کے فضل و کرم اور جود و عطا کی بارش ہمیشہ ہمیشہ برستی رہے گی۔

۱۵۵ یہاں بھی خطاب عام قاری کو ہے کیونکہ حضور کے متعلق تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس صدر منشرح اور قلب منور میں اس قسم کے شبہ کی پرچھائیں تک بھی پڑ سکتی ہو۔ اس سے پہلے کئی مقامات پر اس مسئلہ کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔

لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

پورا پورا دینے والے ہیں انھیں ان کا حصہ جس میں ذرا کمی نہیں ہوگی۔ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب

فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ

پھر اختلاف کیا جانے لگا اس میں ۱۵۵ اور اگر ایک بات پہلے سے طے نہ کر دی گئی ہوتی آپکے پروردگار کی جانب سے ۱۵۶ تو فیصلہ کر دیا گیا ہوتا انکے

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ

درمیان اور بیشک وہ ایسے شبہ میں ہیں اسکے متعلق جو بے چین کر دینے والا ہے۔ اور یقیناً ان سب (اختلاف کرنیوالوں) کو پورا پورا بدلہ دیگا انھیں

اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ

آپکا رب انکے کرتوتوں کا ۱۵۷ بیشک اللہ تعالیٰ جو کام وہ کرتے ہیں ان سے خوب آگاہ ہے۔ پس آپ ثابت قدم رہیے جیسے حکم دیا گیا ہے آپکو اور وہ بھی ۱۵۹ جنھوں نے

۱۵۵ یعنی جس طرح اہل مکہ قرآن کے متعلق دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں بعض لوگ اس کی صداقت پر ایمان لے آئے ہیں اور ان کی اکثریت بھاری اکثریت اس کو کلام الٰہی ماننے سے بھی انکار کر رہی ہے۔ اے محبوب ان کے طرز عمل پر آپ پریشان و حزین نہ ہوں ایسا ہوتا ہی آیا ہے۔ حضرت موسیٰ پر جو کتاب اتاری گئی تھی اس پر بھی تو سب لوگ ایمان نہیں لائے تھے فیہ تسلیۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۵۶ چاہیے تو یہ تھا کہ منکرین پر فوراً عذاب آتا۔ تاکہ وہ دوسرے لوگوں کے لیے باعث عبرت ہوتا لیکن آپ کا رب ان کے بارے میں ایک فیصلہ فرما چکا ہے اس لیے اس کے پیش نظر فوراً عذاب نہیں اترے گا۔

۱۵۷ اس آیت میں لمّا کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ عاصم ابن عامر اور حمزہ قراء نے لمّا مشدد پڑھا ہے

باقی قراء نے اسے لما مخفف پڑھا ہے اگر یہ مخفف ہو تو لام قسم کا ہوگا اور ما تاکید کے لیے اور مزید ہوگا۔ یا ما بمعنی من ہوگا ما کو مزید مانا جائے تو آیت کا معنی ہوگا واللہ لیوفینھم اور اگر ما کو بمعنی من کہا جائے تو معنی ہوگا واللہ لمن لیوفینھم اور اگر لمّا مشدد پڑھا جائے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت میں اس کا اصل لمن ما تھا۔ نون کو میم سے بدلا گیا لمما ہوا۔ تین میم جمع ہو گئے۔ پہلے کو حذف کیا یہاں بھی ما مزید ہوگا معنی ہوگا لمن لیوفینھم یا یہ لمّ سے مصدر ہے۔ تنوین کے عوض تخفیف کے لیے الف آ گیا لمّا ہو گیا اس وقت معنی ہوگا ان کلاً جمیعاً (مظہری) آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن پر ایمان لانے والوں اور اس کا انکار کرنے والوں کا کوئی عمل ہم سے مخفی نہیں۔ ہم سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دیں گے۔

۱۵۸ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے عقائد، اعمال اور اخلاق میں اسلام کے احکام پر پابندی سے چلنے اور چلتے رہنے کو استقامت کہتے ہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے استقامت کے مفہوم کی وضاحت بڑے اچھے انداز میں بیان فرمائی ہے قال عمر بن الخطاب الاستقامۃ ان تستقیم

وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ

(ثابت قدم رہیں) جو تائب ہو کر آپ کے ہمراہ ہیں اور سرکشی نہ کرو بیشک جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے خوب دیکھ رہا ہے اور مت جھکو ان کی طرف جنھوں نے ظلم کیا ۱۶۰ ورنہ

ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ

چھوئے گی تمہیں بھی آگ۔ اور (اس وقت) نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار

ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿١١٣﴾ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ

پھر تمہاری مدد بھی کی جائے گی اور قائم کیجیے نماز دن کے دونوں سروں پر ۱۶۱ اور کچھ رات کے

علی الامر والنہی ولا تروغ روغان الثعلب یعنی استقامت کا یہ معنی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر ثابت قدمی سے عمل پیرا رہے اور لومڑی کی طرح ہیر پھیر نہ کرتا رہے۔ ع علم دشوار است تا درپیچ

واقعی استقامت کا مقام بڑا کٹھن ہے اسی لیے صوفیائے کرام نے فرمایا الاستقامۃ فوق الکرامۃ کہ استقامت کا درجہ کرامت سے بہت بلند ہے۔

۱۶۰ رکون کا معنی ہے محبت اور دلی میلان الرکون المحبۃ والمیل بالقلب یہاں مقصد یہ ہے کہ ظالموں کی مداہنت (خوشامد) مت کرو قال السدی لا تداھنوا الظلمۃ اور عکرمہ نے کہا ہے کہ ان کی اطاعت نہ کرو وقال عکرمۃ لا تطیعوھم علامہ بیضاوی نے فرمایا لا تمیلوا الیھم ادنی میل یعنی ان کی طرف تھوڑا سا قلبی میلان بھی مت کرو۔ علامہ قرطبی نے اس لفظ کی تشریح اس طرح لکھی ہے۔ الرکون حقیقۃ الاستناد والاعتماد والسکون الی الشئ والرضا بہ رکون کا معنی ہے کسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنا اور اس کی طرف سے مطمئن اور راضی ہو جانا۔ ابو العالیہ نے کہا ہے لا ترضوا اعمالھم (قرطبی) ان کے اعمال کو پسند نہ کرو۔ اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ان بدمذہبوں کے پاس بیٹھنا اور ان کی مجلسوں میں شرکت کرنا عذاب الٰہی کا باعث ہے ہم اپنی نادانی سے ان کی صحبت کو بے ضرر خیال کرتے ہیں اور اپنی سادہ لوحی سے بے دھڑک ان کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں سمجھتے کہ وہ ہر وقت اس موقع کی تاڑ میں رہتے ہیں جب کہ وہ پھونک مار کر تمہارے ایمان کی شمع کو گل کر دیں اس لیے اہل اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ ان بدعقیدہ لوگوں کی صحبت سے احتراز کریں اور اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی سنگت کرنا اور ان کی تقویت کا باعث بننا جو لوگوں کے حقوق تلف کرتے ہیں یہ بھی شرعاً ناجائز ہے۔ تمہاری تائید اور اعانت صرف ان لوگوں کے لیے ہونی چاہیے جو صحیح عقیدہ کے علمبردار ہیں اور اپنی عملی زندگی میں عدل و انصاف کی قدروں کو سربلند دیکھنے کے لیے کوشاں ہیں۔ مذاہب باطلہ کی فرقہ بازیاں سیاسی جتھہ بندیاں اور قبائلی تعصب ملت کے لیے تباہ کن ہیں اور اس کے شیرازہ کو بکھیرنے کا موجب ہیں۔

۱۶۱ دن کا ایک کنارہ صبح اور دوسرا شام ہے۔ اس آیت میں صبح، مغرب اور عشا کی نمازوں کا حکم ہے اگرچہ سورت (واقعہ معراج) سے پہلے نازل ہوئی

الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿١١٤﴾

حصوں میں۔ بیشک نیکیاں مٹا دیتی ہیں برائیوں کو۔ ١٦٢ یہ نصیحت ہے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے۔

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٥﴾ فَلَوْلَا كَانَ

اور آپ صبر کیجیے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا نیکوں کے اجر کو۔ تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ

مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ

ان امتوں میں جو تم سے پہلے گزری ہیں ایسے زیرک لوگ ہوتے ١٦٣ جو روکتے زمین میں فتنہ و فساد برپا کرنے سے

فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

مگر وہ قلیل تھے ١٦٤ جنھیں ہم نے نجات دی تھی ان سے۔ اور پیچھے پڑے رہے ظالم اس

ہو تو پھر اس آیت سے نماز پنجگانہ کا ثبوت تلاش کرنا قبل از وقت ہوگا کیونکہ صلوٰت خمسہ کی فرضیت تو شب معراج میں ہوئی۔

١٦٢ نیکیوں کا دوگنا اثر ہوتا ہے ایک تو یہ کہ وہ بذات خود نیکی ہے اور اس پر اچھے نتائج مرتب ہونگے۔ دوسرا وہ برائیوں کے ان اثرات کے ازالہ کے لیے بھی اکسیر کا کام دیتی ہے جو انسان سے وقتاً فوقتاً صادر ہو ہی جاتی ہیں۔ چنانچہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت کرنے کے لیے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ اے صحابہ! اگر کسی آدمی کے گھر کے سامنے سے نہر گزرتی ہو وہ ہر روز اس میں پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس پر کوئی میل کچیل باقی رہے گی۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ وہ تو بالکل پاک ہو جائے گا اس کے جسم پر میل کا نشان تک باقی نہیں رہیگا تو حضور نے فرمایا اسی طرح جو آدمی دن میں پانچ دفعہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بالکل باقی نہیں رہتے۔

١٦٣ بقیة سے مراد عقل و دانش ہے اور اسے بقیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان وہی چیز محفوظ رکھتا ہے جو نہایت ہی عمدہ ہو۔ عرب جب یہ بتاتے ہیں کہ فلاں آدمی زیرک اور عقلمند ہے تو کہتے ہیں فلان ذو بقية يقال فلان من بقية القوم من خيارهم (مظہری) آیت کا مقصد یہ ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب شوریدہ سر اور بد دماغ لوگوں نے شریعت کے احکام کی خلاف ورزی شروع کی تو قوم کا ایک سنجیدہ اور سمجھدار طبقہ آگے بڑھتا اور ان لوگوں کو سمجھاتا کہ تم اس سرکشی کی راہ کو اختیار نہ کرو کیونکہ یہ انھیں بربادی کے گڑھے میں جا کر پھینکے گی۔ وہ لوگ جو سمجھ بوجھ کے مالک تھے وہ گوشۂ عافیت میں دبکے بیٹھے رہے ان کے سامنے ان کی قوم گل کھلاتی رہی لیکن وہ اس خوف سے ان کے مزاحم نہ ہوئے کہ مبادا انھیں بھی ہدف تنقید بننا پڑے۔ اس مجرمانہ خاموشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم بھی غرق ہوئی اور یہ بھی اس کے ساتھ غرق کر دیے گئے۔

١٦٤ بہت کم ایسے لوگ تھے جنھوں نے انبیاء کے دوش بدوش کھڑے ہو کر تبلیغ حق کا دشوار فریضہ ادا کیا اور ہم نے ان کو اپنے عذاب سے نجات دی۔

مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى

عیش و طرب جس میں وہ تھے ۱۶۵ اور وہ مجرم تھے ۔ اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ برباد کردے بستیوں کو

بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ

ظلم سے حالانکہ ان میں بسنے والے نیکوکار ہوں ۔ اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ

ایک ہی امت ہے ۱۶۶ (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لیے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ

وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

سے محفوظ رہیں گے) اور اسی (رحمت) کے لیے انھیں پیدا فرمایا ہے ۱۶۷ اور پوری ہو گئی آپ کے رب کی (یہ) بات کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو

۱۶۵ یعنی عیش و عشرت کے جو اسباب انھیں میسر تھے انھیں میں وہ مگن رہے انھیں کبھی یہ خیال نہ آیا کہ انھیں ایک دن اس بزم طرب کو الوداع کہنا ہوگا۔ وہ ان فانی اور ناپائیدار مسرتوں میں ایسے کھوئے رہے اور اس فرحت و سرور کے سلسلہ کو دراز کرنے میں اتنے منہمک رہے کہ انھیں اپنی موت کا دن کبھی یاد نہ آیا۔

۱۶۶ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کی فطرت میں نافرمانی کی قوت پیدا ہی نہ کرتا یا ان کو غلط راستے پر چلنے کا اختیار ہی نہ دیتا یا اپنے خوف کا وہ ڈنڈا آٹھوں پہر ان کے سر پر آویزاں کر دیتا کہ وہ گناہ کے ارتکاب کی طاقت و اختیار کے باوجود اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے لیکن اللہ تعالیٰ کا منشا یہ نہ تھا اور انسانی شرافت و عظمت بھی اس کی متحمل نہ تھی اس لیے سب کو حق و باطل کی راہیں بتلا دی گئیں اور انھیں ان دونوں راہوں میں سے کوئی ایک اختیار کرنے کی آزادی دے دی گئی۔

۱۶۷ اس جملہ کا تعلق آیت کے کس حصے کے ساتھ ہے؟ بعض نے یہ لکھا ہے کہ اس کا تعلق الا من رحم ربك کے ساتھ ہے۔ یعنی انسان کی آفرینش کی غایت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہرہ ور ہوتا رہے اور ہمیشہ ہدایت کی شاہراہ پر گامزن رہے۔ فقال ابن عباس ومجاهد وقتادة والضحاك وللرحمة خلقهم اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا تعلق اختلاف سے ہے یعنی انسان کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے کوئی راہ اختیار کرے۔ اسے کسی ایک راہ پر چلنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا اس طرح جو اختلاف رونما ہوگا اس کے پیش نظر بعض کو جنت میں اور بعض کو دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ قال الحسن ومقاتل وعطاء الاشارة للاختلاف ای وللاختلاف خلقهم اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ذلك کا مشار الیہ اختلاف اور رحمة دونوں ہیں اور واحد اسم اشارہ کا مشار الیہ دو متضاد چیزیں ہوتی رہتی ہیں جیسے قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا یہاں بھی ذلك کا مشار الیہ فضل اور رحمة

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ

جن و انسان (دونوں) سے ۔ اور یہ سب جو ہم بیان کرتے ہیں آپ سے پیغمبروں کی سرگزشتیں یہ اس لیے

الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ

ہیں کہ پختہ کردیں ان سے آپ کے قلب (مبارک) کو۔ ۱۶۸ اور آیا ہے آپ کے پاس اس سورۃ میں حق اور

مَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا

نصیحت اور یاد دہانی ہے اہل ایمان کے لیے۔ اور آپ فرما دیجیے انھیں جو ایمان نہیں لاتے کہ تم عمل کرتے رہو

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ لا وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ

اپنی جگہ پر اور ہم (اپنے طور پر) عمل پیرا ہیں۔ اور تم بھی انتظار کرو۔ ہم بھی منتظر ہیں اور اللہ ہی کے

غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ

لیے ہیں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سارے کام۔ تو آپ بھی اسی کی عبادت کیجیے

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع

اور اسی پر بھروسہ رکھیے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ ۱۶۹

دونوں ہیں یعنی اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اہل خلاف کو اختلاف کے لیے پیدا کیا اور اہل رحمت کو رحمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں ھذا احسن الاقوال انشاءاللہ یہ توجیہ سب سے بہتر ہے۔

۱۶۸ جن ایام میں اس سورت کا نزول ہوا وہ اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کے لیے بڑے صبر آزما دن تھے۔ کفار کا غیظ و غضب شباب پر تھا۔ اسلام کی ترقی نے انھیں آتش زیر پا کردیا تھا وہ اس شمع حق کو بجھانے کے لیے اپنی ہر امکانی کوشش میں مصروف تھے۔ غریب مسلمانوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے جارہے تھے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری اور حوصلہ شکنی کے لیے ہر ہتھکنڈا استعمال میں لایا جارہا تھا ظاہر بین نگاہوں کو یاس و قنوط کے اندھیرے ہر سمت چھائے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ امید کی کوئی کرن بھی تو افق پر نظر نہ آتی تھی۔ ان حالات میں اور ان دنوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اولوالعزم انبیاء اور رسل کے واقعات سنائے اس آیت میں اس حقیقت کو بیان فرمایا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تاکہ اے میرے محبوب آپ کا قلب مبارک محکم و مضبوط رہے اور آپ کے غلاموں کو بھی تسکین و اطمینان کی دولت نصیب

۱۲۹؎ آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت میں سرگرم رہو اور اس پر بھروسا اور اعتماد قوی سے قوی تر ہوتا چلا جائے آپ کا ، آپ کے ماننے والوں اور آپ کے مخالفین کے تمام اعمال پر بخوبی آگاہ ہے۔ وہ ان کے ان اعمال کا بدلہ ضرور دے گا آپ پریشان نہ ہوں۔ کامیابی اور کامرانی آپ کے قدم چومے گی اور دنیا کی مخالفت اور کوئی آندھی اس چراغ اسلام کو نہ بجھا سکے گی۔

تعارف سُورۃ یُوسف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۂ پاک میں کیونکہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ خیر شرح و بسط سے کیا گیا ہے اس لیے اس سورت کو آپ ہی کے نام نامی سے موسوم کیا گیا۔ اس کی آیتوں کی تعداد ایک سو گیارہ ہے۔ اس میں ۱۶۰۰ کلمے اور ۱۶۶ ۷ حروف ہیں اور بارہ رکوع ہیں۔

صحیح قول کے مطابق یہ ساری سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بتا کر تسلی دی کہ جس طرح برادرانِ یوسف کے ناپاک منصوبے ناکام ہوئے اور سب کو چار و ناچار حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت کو تسلیم کرنا پڑا اسی طرح ایک دن وہ بھی آنیوالا ہے جب قریش آپکے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں گے اور آپکے دامنِ رحمت سے وابستہ ہونے میں ہی اپنی نجات کا یقین کریں گے۔

یوں تو قرآن حکیم میں سابقہ انبیاء کرام کی پرنور اور درخشاں زندگیوں کے بیسیوں قصے مذکور ہیں۔ جن کا ہر پہلو رشد و ہدایت کے انوار برسا رہا ہے لیکن "احسن القصص" کے لقب سے صرف یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داستانِ حیات کو ہی نوازا گیا ہے۔ اس کی وجہ؟ اس کی وجہ ظاہر ہے تکمیلِ انسانیت کی منزلِ رفیع کی طرف جو راستہ جاتا ہے اس کے سارے پیچ و خم، نشیب و فراز، پیش آنیوالی دشواریاں، منزل سے دل برداشتہ کر دینے والے سنگین مرحلے، منزل سے غافل کر دینے والے حسین و جمیل مناظر اور دل موہ لینے والی دلچسپیوں کو اتنی وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی ابہام و التباس کی گنجائش تک نہیں رہتی۔ پھر اس جانگداز، کٹھن اور طویل راہ کو طے کرنے کے لیے مسافر کو جس صبر، عزم، توکل، تقویٰ، عالی حوصلگی اور چشم پوشی کی ضرورت ہوتی ہے اس کا ذکر بھی اتنے دلنشین اور موثر پیرائے میں کیا گیا ہے کہ اگر انسان فطرتِ سعید اور قلبِ سلیم کی نعمت سے محروم نہ ہو تو وہ اس منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بیتاب ہو جاتا ہے وہ طوفانوں سے کھیلتا، بپھری ہوئی لہروں سے آنکھ مچولی کرتا، ہلاکت انگیز گردابوں کا منہ چڑاتا، چٹانوں سے کبھی ٹکراتا، کبھی دامن بچاتا ہوا ساحلِ مراد کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے آپ خود انصاف فرمائیے جس ذاتِ اقدس و اطہر کی داستانِ حیات کا دامن ایسے انمول حقائق سے لبریز ہو اگر اسے احسن القصص نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے اور اگر قرآن اسے احسن القصص نہ کہے تو اور کون کہے؟

حضرت اسحاق کے فرزند حضرت یعقوب علیہما السلام کا خانوادہ کنعان کے علاقہ میں فروکش ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثیر تعداد میں بیٹے عطا کیے ہیں جو خوبرو، دراز قامت، تنومند اور بڑے جفاکش ہیں آخری عمر میں حضرت یعقوب کے ہاں ایک فرزند تولد ہوتا ہے جو حسن و رعنائی کا ایسا حسین و جمیل پیکر ہے جس سے حسین تر پیکر چشم فلک نے اس وقت تک دیکھا ہی نہیں جمالِ صوری کو حسنِ معنوی نے چار چاند لگا دیے ہیں حضرت یعقوب اس مرقعِ دلبری و زیبائی کو دیکھ دیکھ کر پھولے نہیں سماتے یہ طفلِ جلیل جیسے جیسے زندگی کے مرحلے طے کرتا جا رہا ہے ہونہاری

اور ارجمندی کے آثار ظاہر ہوتے چلے جارہے ہیں۔ نجابت و شرافت کا رنگ دن بدن نکھرتا جارہا ہے بڑے بھائیوں کے دل میں حسد کی چنگاریاں سلگنے لگی ہیں۔ دس بارہ سال کا سن ہے کہ ایک رات یوسف نے ایک خواب دیکھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ گیارہ ستارے سورج اور چاند انہیں سجدہ کر رہے ہیں صبح اس کا ذکر اپنے پدر بزرگوار سے کر دیتے ہیں۔ آپ اس خواب کے آئینہ میں اپنے نور نظر کے درخشاں اور تابندہ مستقبل کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔

گویا اس خواب نے حضرت یوسف کی منزل کا تعین کر دیا ہے پہلے ہی بتا دیا گیا کہ گلشن خلیل کا یہ لالۂ رنگین قبائے شرف انسانیت کی جاودواں اور ہر دم جواں عظمتوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے والا ہے۔

لیکن کیا ان جاودانی عظمتوں کو پالینے کا راستہ ہموار اور خوشگوار ہے؟ کیا اس پر گلاب کی نرم و نازک پتیاں بچھی ہوئی ہیں جن پر خراماں خراماں گزرتے جانا ہے؟ یا وہ راستہ تیز کانٹوں اور کھردری چٹانوں سے اٹا پڑا ہے اور اس پر چلنے والے کا فرض ہے کہ وہ اپنے خون ناب سے ان کانٹوں اور چٹانوں کو لالے کی سرخی اور گلاب کی مہک بخشے اپنی جواں ہمتی اور اولوالعزمی سے ویرانوں کو فردوس بداماں بناتا ہوا آگے بڑھے۔

قدرت الٰہی کے سامنے تو کچھ مشکل نہیں کہ آن واحد میں گمنامی کی پستیوں سے نکال کر سچی عزت اور حقیقی ناموری کی بلندیوں تک پہنچا دے اور کسی کی پیشانی پر پسینہ کا قطرہ بھی نمودار نہ ہو لیکن سنت الٰہی یوں نہیں۔ نوامیس فطرت کے تقاضے اس کے برعکس ہیں۔ ؎

برہنہ سرہے تو عزم بلند پیدا کر یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے کلاہ

مقام یوسفی کی بلندیوں پر للچائی ہوئی نگاہ ڈالنے والے یاد رکھیں کہ اس راہ کا پہلا مرحلہ ہی صبر آزما اور حوصلہ شکن ہے۔ کنواں ہے تنگ تاریک اور گہرا کنواں۔ بھائیوں کے ہاتھ گلے میں رسہ ڈال رہے ہیں پھر اس کنوئیں میں لٹکا رہے ہیں جب کنوئیں کی گہرائی نصف رہ جاتی ہے تو اوپر سے رسہ کاٹ دیا جاتا ہے۔ انجام سے بے نیاز ہونے کی ہمت اور حوصلہ ہے تو آگے بڑھو اقدام کرو یقیناً رحمت خداوندی ضائع نہیں ہونے دے گی جب تم گرو گے تو جبرائیل کے نورانی پر تمہیں تھام لینے کے لیے بچھے ہوں گے لیکن وہاں تک پہنچنے کے لیے تم کہاں تک صبر و ثبات کا مظاہرہ کرتے ہو یہ ضرور دیکھا جائے گا۔

پھر مصر کا بازار ہے اور خاندان رسالت کا یہ گل سرسبد غلام کی حیثیت سے وہاں بیچنے کے لیے لایا جاتا ہے۔ خریدار بولیاں دینے لگے ہیں یوسف جو کل تک اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا بنا ہوا تھا اپنی اس تذلیل و رسوائی کو دیکھ رہا ہے اور خاموش ہے کسی کو اس راز سے آگاہ نہیں کرتا کہ وہ کون ہے لبوں پر مہر خاموشی ہے۔ آنکھ قدرت الٰہی کے کرشمے دیکھنے میں محو ہے اور دل ہے کہ صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے اور زبان اپنے رب کے فیصلہ پر شکوہ سنج کہاں شکر گزار ہے آخر کار بادشاہ کا مدار المہام عزیز مصر سب سے زیادہ بولی دیتا ہے اور یہ نیلامی اس کے حق میں ختم ہوتی ہے۔

اب نہ تاریک کنواں ہے نہ بھائیوں کی سرد مہری اور سرزنشیں ہیں نہ کارواں والوں کی درشتی ہے اور نہ بازار کی رسوائی۔ اب آزمائش ایک نیا روپ اختیار کرتی ہے مصر کے رئیس اعظم اور سلطنت کے مدار المہام کا عظیم الشان قصر ہے جہاں ہر سمت زندگی اپنی ساری رنگینیوں کے ساتھ محو خرام ہے۔ آرام و آسائش اور خورد و نوش کا شاہانہ اہتمام ہے کئی سال عیش و طرب میں ڈوبے ہوئے اس ماحول میں بسر ہوتے ہیں۔ اب کمسن یوسف جوان ہو گیا ہے حسن کی جلوہ سامانیاں محشر بپا کرنے لگی ہیں محل کی جس روش پر چل نکلتے ہیں دل

قدموں میں بچھے چلے جاتے ہیں۔ خود عزیز مصر کی بیوی ہزار جان سے نثار ہے لیکن آنکھیں ہیں کہ بارحیا سے اٹھتی ہی نہیں، ہونٹ ہیں کہ ہلتے ہی نہیں آخر کار اس امتحان کی سنگینی اپنی انتہا کو پہنچ گئی جب عزیز مصر کی بیوی انہیں اپنے خلوت کدہ میں لے گئی اور سارے دروازے بند کر دیئے اور ھیت لک (جلدی کر دواب کیا دیر ہے) کی اشتعال انگیز دعوت دی لیکن یوسف معصوم نے معاذ اللہ (خدا کی پناہ) کہہ کر اس کی اس پیش کش کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر رکھ دیا اور بتا دیا کہ مقام یوسفی پر پہنچنے کا خواب دیکھنے والو! اس راہ میں ایسے پرخطر اور ہوش ربا لمحے بھی آتے ہیں اور مردان پاک یوں دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔

اس گناہ کی پاداش میں کہ تم نے عفت وعصمت کے دامن کو داغدار ہونے سے کیوں بچایا آپ کو جیل کی کوٹھری میں قید کر دیا جاتا ہے۔ تو نو دس سال اسی اسیری میں گزر جاتے ہیں لیکن نہ دل میں شکوہ ہے اور نہ زبان پر شکایت۔ دل اپنے رب کریم کی محبت سے سرشار ہے۔ اور زبان اس کی توحید وکبریائی کے گیت گا رہی ہے اور کئی بھٹکے ہوؤں کو راہ ہدایت دکھا رہی ہے یہاں تک کہ بادشاہ مصر ایک بھیانک خواب دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہے اس کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے اپنے وزیروں، دربار کے دانشوروں اور کاہنوں کو طلب کرتا ہے سب بے بس ہیں اور اسے خواب پریشان کہنے پر مصر ہیں آخر وہ شخص جس نے قید خانے میں آپ سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تھی اور اسے صحیح پایا تھا بادشاہ سے اجازت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور بادشاہ کا خواب بیان کر کے تعبیر بتانے کی درخواست کرتا ہے یہاں حضرت یوسف صدیق کی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا ایک پہلو بے نقاب ہوتا ہے نہ تو آپ نے اس شخص کو وعدہ فراموشی کا طعنہ دیا نہ تعبیر بتانے کے لیے اپنی رہائی کا مطالبہ کیا بلکہ خواب کی تعبیر بھی بتا دی اور ان سنگین حالات سے عہدہ برآ ہونے کی تدبیر بھی بیان فرما دی گویا آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ آفتاب ہیں۔ آفتاب بن مانگے نور برساتا ہے اور ہر چشم بینا کو روشن کرتا ہے۔

بادشاہ جب آپ کی عظمت کا معترف ہو کر از خود آپ کو رہا کرنے کا حکم صادر کرتا ہے تو فقیر غیور اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ پہلے اس الزام کی تحقیق کرو جس کی پاداش میں مجھے اتنا عرصہ پابند سلاسل رکھا گیا اس کے بعد تمہارے اس حکم کو ماننے یا رد کرنے پر غور ہوگا۔ بادشاہ نے زنان مصر سے تحقیق احوال کے لیے جب باز پرس کی نہ صرف زنان مصر نے یک زبان ہو کر آپ کی پاکی دامن کی شہادت دی بلکہ عزیز مصر کی بیگم نے جو بہتان تراشنے اور قید کرانے میں پیش پیش تھی برملا کہہ دیا "الآن حصحص الحق" آج حق عیاں ہو گیا قصوروار میں تھی میں اپنے جرم کا اعتراف کرتی ہوں وہ معصوم ہے اس کی چشم باحیا کی قسم! اس کا دامن عصمت ہر داغ سے پاک ہے۔

یوں وہ نبی جس نے اپنے رب کریم کو راضی کرنے کے لیے مصر کے کوچہ وبازار میں اپنے آپ کو بدنام کرنے کا جرأت مندانہ اقدام کیا تھا آج جب زندان مصر سے قدم باہر رکھتا ہے تو دوست ودشمن اس کی سیرت کی پاکی، اس کے اخلاق کی بلندی، اور اس کے کردار کی پختگی کو دل وجان سے تسلیم کر رہے ہیں، اگرچہ آپ کی عظمت شان اس طرح بھی آشکارا ہو رہی ہے لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ آپ حضرت یوسف کی جلالت مرتبت کا اندازہ لگانا چاہیں تو وہ جملہ غور سے سنئے جو اس وقت ان کے دل کی گہرائیوں سے نکل کر آہستہ آہستہ زبان پر آ رہا ہے آپ کہہ رہے ہیں وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم۔ مجھے اپنی پاکدامنی کا دعویٰ نہیں نفس کا کام ہی برائی کا حکم دینا ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے بیشک میرا پروردگار غفور رحیم ہے۔ سبحان اللہ کیا

شان ہے۔ اس تواضع کی اور تمکنت اور وقار ہے اس انکسار میں!

مورخین کے بیان کے مطابق مصر پر اس وقت پندرھویں خاندان کی حکومت تھی جو تاریخ میں چرواہے بادشاہوں (SHEPHERD KINGS OR HYKSOS KINGS) کے نام سے مشہور ہیں اور حضرت یوسف کے زمانہ میں جو بادشاہ تھا اس کا نام اپوفس (APOPHIS) بتایا جاتا ہے۔ اسی کے عہد میں مصر اپنی تاریخ کے طویل اور بدترین قحط سے دوچار ہوا بادشاہ نے ان بگڑتے ہوئے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے حضرت یوسف کو کل اختیارات دے دیئے اور آپ نے کسی ہچکچاہٹ اور تذبذب کے بغیر اس سنگین ذمہ داری کو قبول فرمایا۔ ”قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم“۔

جب قحط پڑا تو آپ نے اپنے غذائی ذخیروں کے منہ کھول دیئے صرف اہل مصر ہی آپ کی حسن تدبیر سے قحط کی ہلاکت انگیزیوں سے محفوظ نہیں رہے بلکہ گردونواح کے ضرورت مند بھی جب حاضر ہوتے تو انھیں محروم واپس نہ لوٹایا جاتا یہاں تک کہ آپ کے جود وسخا کا چرچا کنعان تک جا پہنچا اور فرزندان یعقوب علیہ السلام طلب خوراک کے لیے حاضر ہوئے آپ نے انھیں پہچان لیا لیکن جتایا تک نہیں۔ ان کے اونٹوں کو بھی لاد دیا اور جو قیمت انھوں نے ادا کی وہ بھی چپکے سے ان کی خرجیوں میں رکھ دی اور فرمائش کی کہ دوبارہ آئیں تو اپنے چھوٹے بھائی کو بھی لیتے آئیں۔ وہ دوبارہ آئے پھر انھیں اپنی داد و دہش سے مالا مال کر دیا لیکن راز سے پردہ نہ اٹھایا۔ تیسری مرتبہ جب آئے تو اب وہ گھڑی آپہنچی تھی کہ آپ اپنا تعارف کرائیں جس انداز سے آپ نے اپنا تعارف کرایا وہ صرف آپ کو ہی زیبا ہے اور یہی باتیں آپ کی شان یوسفی کو چار چاند لگنے کا باعث بنتی ہیں۔ فرمایا ھل علمتم ما فعلتم بیوسف واخیہ کیا تمھیں یاد ہے جو سلوک تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا (مبادا وہ حقیقت سے پردہ اٹھنے کے باعث شرمندگی محسوس کریں) اس لیے فوراً فرما دیا اذ انتم جاھلون۔ یعنی اس وقت تم ناواقف اور بے خبر تھے۔ ساتھ ہی ان کے اس ظالمانہ رویہ کی خود ہی معذرت پیش کر دی اور انھیں یقین بھی دلا دیا کہ وہ مطمئن رہیں ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی بھائی حیرت سے منہ تک رہے ہیں اس وقت بھی آپ کے دل میں نخوت کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوا بلکہ فرما دیا قد من اللہ علینا بیشک ہم پر اللہ تعالیٰ نے یہ لطف و احسان فرمایا ہے کہاں سے اٹھایا اور کہاں پہنچا دیا لیکن اپنے پیغمبرانہ تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس حقیقت کو بھی عیاں کر دیا کہ ایسے لطف و احسان سے بہرہ ور ہونے کا طریقہ یہ ہے فرمایا انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (بیشک جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا) کیا بات ہے قدم قدم پر حقائق کے موتی لٹاتے ہوئے معارف کے گلستان اگاتے ہوئے منزل مقصود کی طرف بڑھ رہے ہیں یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تقویٰ اور صبر اختیار کیا اس لیے ان احسانات کا مستحق قرار پایا کیونکہ اس میں غرور و تعلی کی آمیزش بھی ہو سکتی ہے اور یہ غلط فہمی بھی پیدا ہو سکتی تھی کہ یہ صرف آپ کی ذات والا صفات کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ فرمایا من یتق ویصبر جو بھی تقویٰ کا لباس پہن کر صبر کی قندیل روشن کرکے آگے بڑھے گا رحمت خداوندی اس کی مخلصانہ جدوجہد پر اپنی قبولیت کے پھول نثار کرتی جائے گی۔ آئے جس میں ہمت ہے خود تجربہ کرکے دیکھ لے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے

ہجر و فراق کی طویل رات سحر آشنا ہو رہی ہے وہ روز سعید طلوع ہو رہا ہے جب بچھڑے ہوئے والدین اپنے نور نظر سے ملنے کے

لیے مصر پہنچ رہے ہیں حضرت یوسف ان کی پیشوائی کے لیے بڑے کروفر سے آگے جاتے ہیں۔ بڑی عزت و تکریم سے ان کا استقبال کرتے ہیں اور انھیں تخت پر بٹھاتے ہیں اس وقت گیارہ بھائی اور والدین حضرت یوسف کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں حضرت کی زبان سے نکلتا ہے یابت ھذا تاویل رؤیای من قبل اے پدر مکرم یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا اس تعبیر کو بروئے کار لانے میں میرا کوئی کمال نہیں محض میرے پروردگار کی بندہ نوازی ہے۔ یہاں ان مشکلات کا مختصر ذکر بھی کر دیا تاکہ لطف و لذت میں اضافہ ہو۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ صمدیت میں دامن طلب پھیلا دیتے ہیں اور وہ چیز مانگتے ہیں جس کے مانگنے کے بعد دل کی ساری حسرتیں اور سارے ارمان پورے ہو جاتے ہیں اور آپ کا عقاب ہمت جو اب تک بلندیوں کی طرف پرکشا رہا ہے اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے عرض کی۔

فاطر السموات والارض انت ولیّ فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین گویا شمع ایمان کو فروزاں کر کے اس دار فنا سے دار بقا کی طرف کوچ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی سنگت میں شامل ہو جانا ہی منزل یوسفی ہے۔

جو خواب آپ نے بچپن میں دیکھا وہ سچا خواب تھا اسے ضرور پورا ہونا تھا اور وہ پورا ہوا لیکن خواب دیکھنے والے کو تکمیل کی منزل تک پہنچنے کے لیے جن مرحلوں سے گزرنا پڑا وہ آپ کی اقتدا کرنے والوں کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے چاہئیں ہمت، صبر، توکل اور رحمت خداوندی کی دستگیری سے ہی انسان اس رفیع منزل تک پہنچ سکتا ہے۔

قرآن کریم پر مستشرقین کا ایک بے بنیاد الزام: یورپ کے مستشرقین قرآن کریم پر جہاں دوسرے بے سروپا اعتراضات کرتے ہیں وہاں بڑی شدومد سے یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ قرآن حکیم میں انبیاء سابقین کے جو واقعات مذکور ہیں وہ وحی ربانی نہیں بلکہ پیغمبر اسلام نے علماء اہل کتاب سے انھیں سنا اور پھر قرآن میں درج کر دیا اس الزام کی لغویت ثابت کرنے کے لیے ہمیں کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں اگر آپ تورات و انجیل میں بیان کردہ قصص کا موازنہ قرآن کریم میں مذکورہ واقعات سے کریں گے تو حقیقت خود بخود اظہر من الشمس ہو جائے گی یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہی لیجئے قرآن کریم نے اس واقعہ کو جس انداز سے بیان فرمایا ہے وہ کس قدر سبق آموز، بصیرت افروز اور عبرت انگیز ہے۔ ہر آیت روشنی کا ایک بلند مینار ہے جس کی تابانی سے تکمیل انسانیت کا راستہ جگمگا رہا ہے۔ قدم قدم پر حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کی جلالت شان کے آثار دکھائی دیتے ہیں اسے پڑھ کر کامیاب و کامران زندگی گزارنے کا شوق دل میں انگڑائیاں لینے لگتا ہے لیکن یہی قصہ جب ہم تورات میں پڑھتے ہیں تو ہمیں ایک عام آدمی کی روکھی پھیکی داستان حیات معلوم ہوتی ہے جو ہر قسم کی جاذبیت اور کشش سے یکسر خالی ہے۔

اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے تورات کی کتاب پیدائش کے چند حوالے پیش کرتا ہوں۔ ان کا مقابلہ آپ آیات قرآنی سے کیجیے آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس واقعہ کا ماخذ تورات نہیں بلکہ وحی الٰہی ہے اسی لیے اس کا ہر جملہ حکمت و دانش کا وہ آئینہ ہے جس میں زندگی کی حقیقتیں بے نقاب نظر آرہی ہیں۔

حضرت یوسف کا تعارف یوں کرایا جا رہا ہے:۔

یہ لڑکا اپنے باپ کی بیویوں بلہاہ اور زلفہ کے بیٹوں کے ساتھ رہتا تھا اور وہ ان کے برے کاموں کی خبر باپ تک پہنچا دیتا تھا۔

(کتاب پیدائش : باب ۳۰۔ آیت ۲) یعنی یوسف کا کام جنگل کھانا تھا۔
آپ نے جب اپنا خواب اپنے والد محترم کو بتایا تو انھوں نے سن کر جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو :۔
"تب اس کے باپ نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ یہ خواب کیا ہے جو تو نے دیکھا ہے۔ کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے زمین پر جھک کر تجھے سجدہ کریں گے" (باب ۳۷ : آیت ۱۱)
اس کے بعد سورۂ یوسف کی آیات ۴ ، ۵ ، ۶ بھی تلاوت فرمائیے۔
یوسف کے بھائی آپ کو ٹھکانے لگا کر جب بکرے کے خون سے آپ کی قبا کو آلودہ کر کے لے آئے تو حضرت یعقوب کا رد عمل کیا تھا۔
"پھر انھوں نے یوسف کی قبا لے کر اور ایک بکرا ذبح کر کے لے اس کے خون میں تر کیا ...... سو وہ اسے اُن کے باپ کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم کو یہ چیز پڑی ملی اب تو پہچان کہ یہ تیرے بیٹے کی قبا ہے یا نہیں اور اس نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے۔ کوئی برا درندہ اسے کھا گیا ہے۔ یوسف بیشک پھاڑا گیا تب یعقوب نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کے لیے ماتم کرتا رہا" (باب ۳۷۔ آیات ۳۲ ، ۳۳ ، ۳۴)
اس کے بعد سورۂ یوسف کی آیات ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ملاحظہ فرمائیے۔
جب یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی بیوی سے دامن چھڑا کر بھاگے اور راستہ میں عزیز مصر سے مٹھ بھیڑ ہوئی تو زلیخا نے جو الزام لگایا اور اسی کے خاندان کے ایک گواہ نے جس طرح آپ کی برأت ثابت کی یہاں تک کہ عزیز کو بھی اپنی بیوی سے یہ کہنا پڑا "انک کنت من الخاطئین (بلاشبہ تو ہی خطاکار ہے) اس کا مطالعہ آپ سورہ یوسف میں کر چکے ہیں اب اسی واقعہ کو تورات کی زبان سے سنیئے
"جب اس کے آقا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں جو اس نے اس سے کہیں سن لیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے ایسا ایسا کیا تو اس کا غضب بھڑکا۔
اور یوسف کے آقا نے اس کو لے کر قید خانہ میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے ڈال دیا سو وہ وہاں قید خانہ میں رہا"
(باب ۳۹ : آیات ۱۹ ، ۲۰)
قید خانہ میں آپ کے نظر بند کیے جانے اور بادشاہ کے ساقی اور باورچی کے خواب بیان کرنے کا تو ذکر ہے لیکن اس دعوت توحید کی طرف اشارہ تک بھی نہیں جس سے زندان مصر کی تاریک فضا نور توحید سے جگمگا اٹھی تھی۔
جب بادشاہ مصر نے وہ عجیب خواب دیکھا جس کی تعبیر کاہن اور دانشور نہ بتا سکے تو اس نے اپنے ساقی کو قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا اس وقت آپ نے جس سیر چشمی اور غیرت کا مظاہرہ کیا اس کی تفصیل آپ سورہ مذکورہ کی آیات ۴۵ تا ۵۲ میں ملاحظہ فرما چکے ہونگے۔ اب یہاں بھی پڑھیے۔ فرق خود ہی واضح ہو جائے گا۔
"تب فرعون نے یوسف کو بلوا بھیجا سو انھوں نے جلد اسے قید خانہ سے باہر نکالا اور اس نے حجامت بنوائی اور کپڑے بدل کر فرعون کے سامنے آیا۔" (باب ۴۱۔ آیت ۱۴)
بھائی جب پہلی بار آپ کے پاس آئے تو ان کی آمد کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"سو یوسف کے بھائی آئے اور اپنے سر زمین پر ٹیک کر اس کے حضور آداب بجا لائے۔" (باب ۴۲ - آیت ۶)

پھر آپ اُن پر جاسوسی کا غلط الزام لگاتے ہیں۔

"یوسف نے تو اپنے بھائیوں کو پہچان لیا تھا پر انھوں نے اُسے نہ پہچانا اور یوسف . . . . . . ان سے کہنے لگا کہ تم جاسوس ہو کہ آئے ہو کہ اس ملک کی بری حالت دریافت کرو۔ (باب ۴۲ - آیت ۹، ۱۰)

بھائی اس الزام سے اپنی برأت ثابت کرتے ہیں لیکن آپ پھر انھیں کہتے ہیں۔

"تب یوسف نے ان سے کہا: میں تو تم سے کہہ چکا کہ تم جاسوس ہو سو تمھاری آزمائش اس طرح کی جائے گی کہ فرعون کی حیات کی قسم تم یہاں سے جانے نہ پاؤ گے جب تک تمھارا سب سے چھوٹا بھائی یہاں نہ آ جائے . . . . . . ورنہ فرعون کی حیات کی قسم، تم ضرور ہی جاسوس ہو! ور اس نے ان سب کو تین دن تک اکٹھے نظر بند رکھا۔ (باب ۴۲ - آیت ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷)

حضرت یوسف کے پیراہن بھیجنے حضرت یعقوب کے یوسف کی خوشبو سونگھنے کا تورات میں ذکر تک بھی نہیں۔

جب مصر قحط میں مبتلا ہو گیا، زرخیز زمینیں بنجر بن گئیں۔ جہاں کبھی سر سبز و شاداب کھیت لہلہایا کرتے تھے وہاں خاک اڑنے لگی اور مصری قحط کی وجہ سے بھوکوں مرنے لگے تو تورات کے بیان کے مطابق حضرت یوسف نے جو سلوک اپنی رعایا سے کیا وہ منصب نبوت تو کجا کسی رحم دل حاکم کے شایان شان بھی نہیں بلکہ وہ ایک سنگدل اور بے رحم بنیے کا سلوک ہے۔ چنانچہ پہلے سال ہی غلہ اتنی گراں قیمت پر فروخت کیا گیا کہ قوم کی ساری پونجی ختم ہو گئی۔ دوسرے سال جب وہ غلہ کا مطالبہ کرنے کے لیے آئے تو ان کے سارے مویشی لے لیے گئے۔ تیسرے سال جب فاقہ کشیوں سے مجبور ہو کر یوسف کے پاس آتے ہیں تو یوسف اس شرط پر انھیں غلہ دینے پر رضامند ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی ساری زمینوں کو فرعون کے نام پر فروخت کر دیں۔ تورات کا بیان ملاحظہ ہو۔

"اور اس سارے ملک میں کھانے کو کچھ نہ رہا کیونکہ کال ایسا سخت تھا کہ ملک مصر اور ملک کنعان دونوں کال کے سبب سے تباہ ہو گئے تھے اور جتنا روپیہ ملک مصر اور ملک کنعان میں تھا وہ سب یوسف نے اس غلہ کے بدلے جسے لوگ خریدتے تھے لے لیکر جمع کر لیا اور سب روپے کو اس نے فرعون کے محل میں پہنچا دیا۔" (باب ۴۷ - آیت ۱۳، ۱۴)

دوسرے سال جب غلہ لینے آئے تو انھوں نے کہا۔

"تو مصری یوسف کے پاس آ کر کہنے لگے ہم کو اناج دے کیونکہ روپیہ تو ہمارے پاس رہا نہیں، ہم تیرے جیتے جی کیوں مریں۔ یوسف نے کہا اگر روپیہ نہیں ہے تو اپنے چوپائے دو اور میں تمھارے چوپایوں کے بدلے تم کو اناج دونگا۔" (آیت ۱۵، ۱۶)

چنانچہ انھوں نے سارے مویشی یوسف کو دے کر غلہ لیا! ور سال گزارا۔ تیسرے سال وہ پھر غلہ کی طلب میں حاضر ہوئے تو اُن کی بے بسی اور خستہ حالی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے غلہ لینے کے معاوضہ میں اپنے آپ کو اور اپنی زرعی زمینوں کو فروخت کرنے کی پیش کش کر دی اور یوسف کو ذرا رحم نہ آیا بلکہ اس نے بڑی خوشی سے ان کی پیش کش کو قبول کیا اور فرعون کے نام پر انھیں بھی اور ان کی زمینوں کو بھی خرید لیا۔ تورات میں ہے :-

"سو تو ہم کو اور ہماری زمین کو اناج کے بدلے خرید لے کہ ہم فرعون کے غلام بن جائیں اور ہماری زمین کا مالک بھی وہی ہو جائے

اور ہم کو بیج دے تاکہ ہم ہلاک نہ ہوں بلکہ زندہ رہیں اور ملک بھی ویران نہ ہو اور یوسف نے مصر کی ساری زمین فرعون کے نام پر خرید لی۔ کیونکہ کال سے تنگ آکر مصریوں میں سے ہر شخص نے اپنا کھیت بیچ ڈالا سو ساری زمین فرعون کی ہو گئی"۔

(باب ۴۷۔ آیت ۱۹، ۲۰)

"تب یوسف نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ دیکھو میں نے آج کے دن تم کو اور تمہاری زمین کو فرعون کے نام پر خرید لیا ہے سو تم اپنے لیے یہاں سے بیج لو اور کھیت بو ڈالو"۔ (باب ۴۷۔ آیت ۲۳)

یہ ہے سیرت یوسفی کا وہ خاکہ جو تورات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا موازنہ قرآن کریم سے کیجیے۔ آپ اگر انصاف اور حق طلبی کے جذبہ سے بکسر محروم نہیں کر دیے گئے تو مستشرقین کے اس اعتراض کی لغویت اور بیہودگی آپ کے سامنے عیاں ہو جائیگی اور آپ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ہادیٔ برحق پیغمبرِ اسلام علیہ اطیب التحیۃ واذکی السلام نے ان واقعات کو اہل کتاب سے سن کر بیان نہیں کیا، بلکہ براہ راست اللہ رب العالمین سے سنا اور لوگوں کو سنایا والحمد للہ رب العالمین۔

سورۃ یوسف مکیۃ وھی مائۃ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ احدیٰ عشرۃ آیۃ واثنا عشر رکوعًا

سورہ یوسف مکی ہے اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ آیتیں ۱۱۱ اور رکوع ۱۲

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

الف لام ۔ را لہ یہ آیتیں ہیں — روشن کتاب کی ۔ ۲ — بیشک ہم نے اتارا اسے یعنی قرآن — عربی کو — تاکہ تم (اسے)

تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ

خوب سمجھ سکو ۳ — ہم بیان کرتے ہیں — آپ سے — ایک بہترین قصہ ۴ — اس قرآن کے ذریعہ جو

۱ حروفِ مقطعات میں ان پر بحث پہلے گزر چکی ہے ۔

۲ تلک مبتدا ہے آیات الکتاب المبین خبر ہے مبین اسم فاعل ہے ۔ اَبَانَ سے یہ لفظ بَانَ اور بَیَّنَ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ پہلی صورت میں یہ لازمی ہوگا اور اس کا معنی ہوگا ظَھَرَ یعنی اس کتاب کا کلام الٰہی ہونا ایک ایسی صداقت ہے جو اظہر من الشمس ہے کسی دلیل کی محتاج نہیں ۔

دوسری صورت میں یہ متعدی ہوگا اور اظہر کے معنی میں مستعمل ہوگا اس وقت اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ کتاب حق و باطل کو ظاہر کرنے والی ہے

۳ انزلناہ کی ضمیر کا مرجع کتاب ہے یا قصہ یوسف پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ ہم نے اس کتاب کو عربی میں نازل کیا تاکہ تم اس کو بکثرت تلاوت کرو اور آسانی سے سمجھو ۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ قصہ یوسف جس کے متعلق اہل کتاب نے دریافت کیا ہے اسے ہم نے عربی زبان میں نازل کیا تاکہ اے اہل عرب ! تم اسے سمجھو اور اس سے نصیحت حاصل کرو ۔ قرآنًا عربیًا کے منصوب ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حیان لکھتے ہیں وانتصب قرآنا قیل علی البدل من الضمیر وقیل علی الحال الموطئۃ (بحر محیط) یعنی قرآنا بدل ہوگا انزلناہ کی ضمیر کا ۔ میں نے یہی ترکیب ملحوظ رکھی ہے اور یا عربیا ضمیر کا حال ہوگا ! ور قرآنا بطور تمہید و تاکید حال ہوگا جیسے مررت بزید رجلا صالحا (قرطبی)

۴ القصص ۔ قص سے مصدر ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کا تتبع کرنا چنانچہ حضرت موسیٰ کی والدہ نے جب آپ کو ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا تو انھوں نے حضرت موسیٰ کی بہن سے کہا وقالت لاختہ قصیہ کہ اس تابوت کے پیچھے پیچھے جاؤ ۔ دیکھو کدھر جاتا ہے کیونکہ قصہ گو واقعہ کو ایک ترتیب سے بیان کرتا ہے اس لیے اس کو قاص (تتبع کرنیوالا) کہتے ہیں ۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم اس واقعہ کو بڑے احسن پیرایہ میں بیان کرتے ہیں بعض علما کا خیال ہے کہ قصص قصہ کا ہم معنی ہے جو اسم ہے یعنی آپ سے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں ۔ اس کو احسن القصص کہنے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ انسانی زندگی کے تمام کرداروں کو یہاں اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے کہ ہر ایک کی حقیقت نکھر کر سامنے آگئی ہے اور اسی کے ضمن میں زندگی کے ان مسائل کو بیان کیا گیا ہے جن کا انسانی معاشرہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے ۔ اس میں توحید کے دلائل

إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝٣

ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے۔ اگرچہ آپ اس سے پہلے غافلوں میں سے تھے۔ ؂

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَ

(یاد کرو) جب کہا یوسف نے اپنے والد سے کہ اے میرے محترم (باپ!) میں نے (خواب میں) دیکھا ہے گیارہ ستاروں کو اور

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ۝٤ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ

سورج اور چاند کو میں نے انھیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے میرے بچے ؂ نہ بیان کرنا

خوابوں کی تعبیر، سیاسی مسائل، معاشرہ کی پیچیدگیاں، معاشی اصلاح کی تدابیر، غرضیکہ تمام وہ امور جو دین اور دنیا کی اصلاح میں موثر ثابت ہو سکتے ہیں بڑی عمدگی سے بیان کر دیئے گئے۔ فیہا ذکر التوحید والفقہ والسیر وتعبیر الرؤیا والسیاسۃ والمعاشرۃ وتدبیر المعاش وجل الفوائد التی تصلح للدین والدنیا۔ (قرطبی)

؂ یعنی وحی الٰہی سے پہلے دوسرے لوگوں کی طرح اس واقعہ کا صحیح علم آپ کو بھی نہ تھا۔

؂ حضرت یوسفؑ کی عمر ابھی چھوٹی ہی تھی بعض روایات کے مطابق تیرہ سال اور بعض کے مطابق اس سے بھی کم کہ آپ نے یہ خواب دیکھا اور اپنے والد بزرگوار سے بیان کیا۔ آپ نے آیت میں ملاحظہ کیا کہ رَأَيْتُ کا لفظ دو دفعہ مذکور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے آپ نے گیارہ چمکتے ہوئے ستاروں اور شمس و قمر کو دیکھا اور پھر دیکھا کہ وہ سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ دونوں مشاہدے کیونکہ مستقل اہمیت کے حامل تھے اس لیے ان کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرمایا۔ رأیتھم کی ضمیر کا مرجع ستارے اور شمس و قمر ہیں۔ قاعدہ کے مطابق رأیتھا ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ غیر ذوی العقول ہیں لیکن ان سے طاعت و انقیاد کا جو فعل صادر ہوا ہے وہ ذوی العقول کا فعل ہے اس لیے ان کے لیے مذکر کی جمع استعمال کی۔ سجدہ کا لغوی معنی بھی یہاں مراد لیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے آپ کے سامنے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی ہو۔ سجدۂ تعظیمی کی بحث آگے آئے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ)

؂ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے تمام فرزندوں سے زیادہ حضرت یوسفؑ سے محبت کیا کرتے تھے۔ تورات میں ہے اور اسرائیل یوسف کو اپنے تمام بیٹوں سے زیادہ پیار کرتا تھا کیونکہ وہ اس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا اور اس نے اسے ایک بوقلموں قبا بھی بنا دی تھی۔ (پیدائش ۳۷: ۳) میرے نزدیک محبت کی یہ وجہ درست نہیں ورنہ چاہیے یہ تھا کہ بنیامین سے سب سے زیادہ پیار کیا جاتا۔ کیونکہ وہ حضرت یوسف سے بھی زیادہ بڑھاپے کا بیٹا تھا۔ اس محبت کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کی کہاوت کے مطابق حضرت یوسف کی سلیم الطبعی، شرافت اور مدارج عالیہ پر فائز کرنے والی صلاحیتوں کے آثار و انوار آپ کے چہرہ پر نمایاں تھے۔ اسی لیے حضرت یعقوب ان کو دل سے چاہتے تھے۔ بُنَیَّ ابن کی تصغیر ہے جو انتہائی محبت کی غمازی کر رہی ہے۔

رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ

اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ۷ ورنہ وہ سازش کریں گے تیرے خلاف۔ بیشک شیطان انسان کا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۞ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ

کھلا دشمن ہے ۸ اور اسی طرح چن لے گا تجھے تیرا رب ۹ اور سکھاوے گا تجھے باتوں کا انجام ۱۱

۷ جب معصوم یوسف نے یہ خواب اپنے والد بزرگوار سے بیان کیا تو آپ نے اس کی تعبیر بتانے سے پہلے یوسف کو ہدایت کرنا ضروری سمجھا کہ وہ اس عظیم خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرے مبادا وہ درپے آزار ہوں۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ بھائی ان سے حسد کرتے ہیں۔

۸ شیطان کا تو کام ہی لوگوں کو بہکاتے رہنا ہے وہ برے کاموں اور سنگین جرموں کو بھی اتنا حسین اور دلکش بنا کر پیش کرتا ہے کہ اچھا بھلا عقلمند انسان بھی دھوکا کھا جاتا ہے۔ یہی شیطان تھا جس نے قابیل کے سامنے اپنے نیک نفس بھائی ہابیل کا قتل عین مصلحت بنا کر پیش کیا تھا اس لیے شیطان کی مکاریوں سے کوئی بعید نہیں کہ وہ تیرے بھائیوں کو تیرے خلاف اکسائے اور تجھے اذیت پہنچانے کے لیے ان کو برانگیختہ کرے اس لیے تم اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں کے سامنے نہ کرنا۔

۹ اجتبیٰ کی تحقیق کرتے ہوئے زجاج لکھتے ہیں کہ جَبَيْتُ الشَّيْءَ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کو اپنے لیے مخصوص کر لینا قال الزجاج الاجتباء مشتق من جبيت الشيء اذا اخلصته لنفسك (کبیر) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں اجتباء الله العبد تخصيصه اياه بفيض الهي يتحصل له منه انواع من النعم بلا سعي من العبد وذلك للانبياء وبعض من يقاربهم من الصديقين والشهداء (مفردات)

یعنی اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کو چن لینے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنے مخصوص فیض سے بہرہ یاب فرماتا ہے جس کی برکت سے اسے طرح طرح کی نعمتیں بغیر اس کی ذاتی کوشش کے حاصل ہوتی ہیں اور یہ شرف انبیاء کو اور صدیقین اور شہداء کو بخشا جاتا ہے۔

۱۱ حضرت یعقوب اپنے فرزند ارجمند کو مزید خوشخبری سنا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے خوابوں کی تعبیر کا ملکہ عطا فرمائے گا۔ امام رازی نے تاویل الاحادیث کا ایک اور مفہوم بھی بیان فرمایا ہے یعنی روحانی اور جسمانی مخلوقات سے اللہ تعالیٰ کی قدرت حکمت اور اس کی جلالت شان پر استدلال کرنا المراد من تاويل الاحاديث كيفية الاستدلال باصناف المخلوقات الروحانية والجسمانية على قدرة الله وحكمته وجلالته (کبیر)

الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا

یعنی خوابوں کی تعبیر اور پورا فرمائے گا اپنا انعام تجھ پر[12] اور یعقوب کے گھرانے پر جیسے اس نے پورا

عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶

فرمایا اپنا انعام اس سے پہلے تیرے دو باپوں ابراہیم اور اسحٰق پر یقیناً تیرا پروردگار سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے[13]

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۷ اِذْ قَالُوْا

بیشک یوسف اور اسکے بھائیوں (کے قصہ) میں (عبرت کی) کئی نشانیاں ہیں دریافت کرنے والوں کے لیے[14] جب بھائیوں نے

لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا

(آپس میں) کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے[15] حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں۔ یقیناً ہمارے والد

[12] اس نعمت سے مراد دنیوی اور اخروی سعادتیں ہیں اور نعمت نبوت تمام نعمتوں سے افضل و برتر ہے۔

[13] یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ کونسی نعمت کسے دی جائے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔

[14] بھائیوں کا آپ سے حسد اور اس کا انجام حضرت یوسف کا انتہائی اشتعال انگیز حالات میں دامن عفت پر داغ نہ آنے دینا، غربت اور غلامی کی رسوائیوں اور قید و بند کی سختیوں کو خوشی سے برداشت کرنا، با اقتدار ہونے کے بعد اپنے ظالم بھائیوں کو معاف کر دینا، حضرت یعقوب کا حزن و ملال اور پھر طویل فراق کے بعد وصال یہ ساری ایسی باتیں ہیں جن میں جتنا زیادہ غور کیا جائے گا اتنا ہی فطرت انسانی کے حقائق کھلتے چلے جائیں گے۔ نیکی، صبر، عفو و درگزر اور دیگر اخلاق حسنہ کی بالادستی پر یقین اتنا ہی پختہ ہوتا جائے گا اس لیے فرمایا کہ ان کے بھائیوں کے قصہ میں قوانین فطرت اور سنن الٰہیہ کے متعلق استفسار کرنے والوں کے لیے کئی نشانیاں ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یوسف اور بنیامین ایک والدہ کے شکم سے تھے۔ ان کا نام راحیل تھا اور تورات میں راحل ہے۔ یہ آپ کے ماموں کی لڑکی تھی۔ روبیل، شمعون، لاوی، یہودہ، ایساکار اور زبولون چھ بیٹے اور ایک بیٹی دینہ لیا کے بطن سے تھے جو راحیل کی بہن تھیں اور چار بیٹے دان، نفتالی، جاد اور آشر کنیزوں کی اولاد تھے۔ (مظہری)

[15] حضرت یعقوب کی یوسف سے خصوصی محبت کے باعث بھائیوں کے دلوں میں حسد کا جذبہ پہلے ہی سلگ رہا تھا۔ اب اس خواب کے متعلق سنا تو وہ جذبہ بھڑک اٹھا۔ انھوں نے اپنے مساس میں چبھنے والے کانٹے کو نکال پھینکنے کا فیصلہ کر لیا۔ باہمی مشورہ کے لیے اکٹھے ہوئے۔ ہم دس جوان بھائی ہیں۔ سارے کنبہ کا بوجھ ہم اٹھائے ہوئے ہیں۔ کاروبار کی ساری ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہے۔ مویشی ہم چراتے ہیں۔ ان کی حفاظت ہم کرتے ہیں۔ اور یہ ہمارے والد ہیں کہ جب دیکھو یوسف کو گود میں اٹھائے ہوئے پچکار رہے ہوتے ہیں۔

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ

(ایسا کرنے میں) کھلی غلطی کا شکار ہیں ۱۵ قتل کر ڈالو یوسف کو ۱۶ یا دور پھینک آؤ اسے کسی علاقہ میں (یوں) تنہا ہو جائے گا

وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ

تمہاری طرف تمہارے باپ کا رخ اور ہو جانا اس کے بعد (توبہ کر کے) نیک قوم ۱۸ (یہ سن کر) ان میں سے ایک ۱۹

اولاد کے بارے میں ان کا یہ رویہ قطعاً درست نہیں عصبة دس سے لے کر چالیس تک جمعہ کو کہتے ہیں العصبة من الرجال والخيل والطير مابين العشرة والاربعين كالعصابة (قاموس)

۱۵ ضلال سے مراد یہاں عقیدہ کی گمراہی نہیں بلکہ ان دنیوی معاملات میں راہ اعتدال سے انحراف ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ترجیحی سلوک عدل و انصاف کے منافی ہے لمراد منه الضلال عن رعاية المصالح في الدنيا لا البعد عن طريق الرشد والصواب (کبیر) انھیں یہ بات سمجھ نہ آئی تھی کہ جوان توانا بیٹوں کو نظر انداز کر کے چھوٹے اور ضعیف بچوں سے اتنا پیار کہاں کی مصلحت اندیشی اور دانشمندی ہے۔ آج بھی جب کہ تمدن میں ہمہ گیر انقلاب برپا ہو چکا ہے۔ از منہ قدیمہ کی طرح اولاد کی کثرت انسان میں قوت و شوکت کا شعور پیدا کر دیتی ہے وہ زمانہ جب کہ قبائل صحراؤں اور کھلے میدانوں میں بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے اس وقت قبیلہ کی عزت و شوکت کا انحصار صرف قوت بازو پر تھا معاشی خوشحالی کے لیے کنبہ کا کثیر افراد پر مشتمل ہونا ضروری تھا آپ خیال کریں کہ اس سوسائٹی میں جوان بیٹوں کی کتنی اہمیت ہوگی۔ لیکن انھیں کیا معلوم کہ یعقوب کی حقیقت شناس نگاہیں یوسف کی طلعت زیبا میں سعادت، نجابت، شرافت اور نبوت کے وہ جلوے دیکھ رہی تھیں جن کا ان میں نام و نشان تک نہ تھا۔

۱۶ تجویز پیش ہوئی کہ یا تو یوسف کو قتل کر دیا جائے یا اسے کسی دور دراز علاقہ میں پہنچا دیا جائے جب یہ باپ کی آنکھوں سے نہاں ہو جائے گا تو اس کی ساری توجہ اور محبت کا مرکز ہم ہو جائیں گے۔

۱۸ پیغمبر زادے تھے بارہا یہ سنا تھا کہ کسی کو بلاوجہ قتل کرنا یا اسے اذیت پہنچانا جرم عظیم ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے سخت گرفت ہوتی ہے اس لیے کچھ گھبراہٹ محسوس کی ہوگی لیکن ان کے نفس حیلہ ساز نے انھیں سہارا دیا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ یوسف کو ٹھکانے لگانے کے بعد توبہ کر لیں گے اور نیک ہو جائیں گے۔ گناہ معاف ہو جائے گا اور عذاب سے چھٹکارا مل جائے گا مجرم ذہنیتیں کچھ اسی طرح ہی سوچا کرتی ہیں۔ لیکن ایسے مجرموں کے دلوں کو وہ سوز و گداز وہ احساس ندامت، وہ اشکبار آنکھیں نصیب ہی کب ہوتی ہیں جو رحمت الٰہی کو اپنی طرف مائل کر سکتی ہوں۔ یہ بھی شیطان کا فریب اور نفس کا عظیم دھوکہ ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یوسف کو قتل کرنے کے بعد تمہاری ساری دشواریاں دور ہو جائیں گی اور تمہارے معاملات درست ہو جائیں گے لیس المقصود ههنا صلاح الدين بل المعنى يصلح شانكم عند ابيكم ويصير ابوكم محبا لكم (کبیر)

۱۹ ایک بھائی (شمعون) نے کہا کہ یہ تجویز بڑی سنگدلانہ ہے۔ ایک معصوم بچے کو یوں بلاوجہ موت کے گھاٹ اتار دینا سخت معیوب بات ہے

مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ

کہنے والے نے کہا کہ نہ قتل کرو یوسف کو (بلکہ) پھینک دو اسے کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہ میں نکال لیں گے اسے کوئی

السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿١٠﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى

راہ چلتے مسافر۔ اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے (یہ طے کرنے کے بعد) انھوں نے (آکر) کہا اے ہمارے باپ! کیا ہوا آپ کو کہ آپ اعتبار ہی

يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿١١﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ

نہیں کرتے ہم پر یوسف کے بارے میں حالانکہ ہم تو اسکے سچے خیرخواہ ہیں۔ آپ بھیجیے اسے ہمارے ساتھ کل تاکہ خوب کھائے پیئے اور کھیلے کودے ۲۲

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿١٢﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ

اور کوئی فکر نہ کیجیے ہم اسکے نگہبان ہیں۔ آپ نے فرمایا بیشک مجھے غمزدہ بناتی ہے یہ بات کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ

اگر تم یوسف کو سامنے سے ہٹانے کا فیصلہ کر ہی چکے ہو تو اسے کسی سنسان جنگل کے ویران تاریک کنوئیں میں پھینک دو۔ کوئی قافلہ گزرے گا تو اس کی آواز سن کر وہ اسے نکال لے گا اور اپنے ساتھ لے کر اپنے ملک میں چلا جائے گا۔ اس طرح ہمارا مقصد بھی پورا ہو جائیگا اور ایک بے گناہ کے خون ناحق سے ہمارا دامن بھی آلودہ نہ ہو گا۔ چنانچہ یہ تجویز بالاتفاق منظور ہوئی۔

۲۰۔ غیابہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو تیری آنکھوں سے چھپا دے۔ کنوئیں کی تہ کو بھی غیابہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ زیادہ گہرائی کی وجہ سے تاریک ہوتی ہے اور جو چیز اس میں گرے وہ کسی کو نظر نہیں آتی اور جُب، اس کنوئیں کو کہتے ہیں جو بہت گہرا ہو اور اس میں پانی زیادہ ہو۔ فی القاموس الجب البئر الکثیرۃ الماء البعیدۃ القعر۔

۲۱۔ اب مشکل یہ درپیش تھی کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنائیں تو کیونکر۔ حضرت یعقوب تو یوسف کو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔ چنانچہ آکر آتے ہی آپ سے یہ شکایت کی کہ آپ ہم پر یوسف کے بارے میں اعتماد نہیں کرتے۔ آخر اس بے اعتباری کا باعث کیا ہے۔ ہم اسکے دشمن تو نہیں وہ ہمارا بھائی ہے ہمیں تو اس کی ہر طرح کی خیرخواہی مطلوب ہے۔ آپ کا ہمارے متعلق یہ خیال کرنا بہت بڑی زیادتی ہے النصح القیام بالمصلحۃ و ارادۃ الخیر (مظہری)

۲۲۔ یہ کہنے کے بعد کہ ہم تو دل و جان سے یوسف کے خیرخواہ ہیں اور آپ ناحق ہم پر شک کرتے ہیں اب کہا کہ اگر آپ ہم پر اعتماد کرتے ہیں تو اسے کل سیر و تفریح کے لیے ہمارے ساتھ روانہ کیجیے۔ رَتَعَ کہتے ہیں جی بھر کر کھانا پینا۔ رتع الانسان و الابل اذا اکلا کیف شاء۔ کھیلنے سے مراد دوڑنا شکار کرنا تیر اندازی وغیرہ جو شریعت میں مباح ہیں۔ و نتسع فی اکل الفواکہ نلعب بالسباق و الصید والرمی مما یباح اتیانہ۔ (مظہری)

سورۂ یوسف سے متعلقہ علاقے

دوتن : جہاں برادران یوسف نے حضرت یوسفؑ کو کنویں میں پھینکا
سکم : جہاں حضرت یعقوبؑ کی آبائی اراضی اور رہائش تھی یہ اب نابلس کے نام سے مشہور ہے۔
حبرون : اسے مدینۃ الخلیل بھی کہتے ہیں۔ یہ حضرت یعقوبؑ کا مسکن تھا۔
ممفس : مصر کا قدیم دارالسلطنت جسے اب منف کہا جاتا ہے۔
جوشن : حضرت یوسفؑ نے اس علاقے میں بنی اسرائیل کو آباد کیا۔
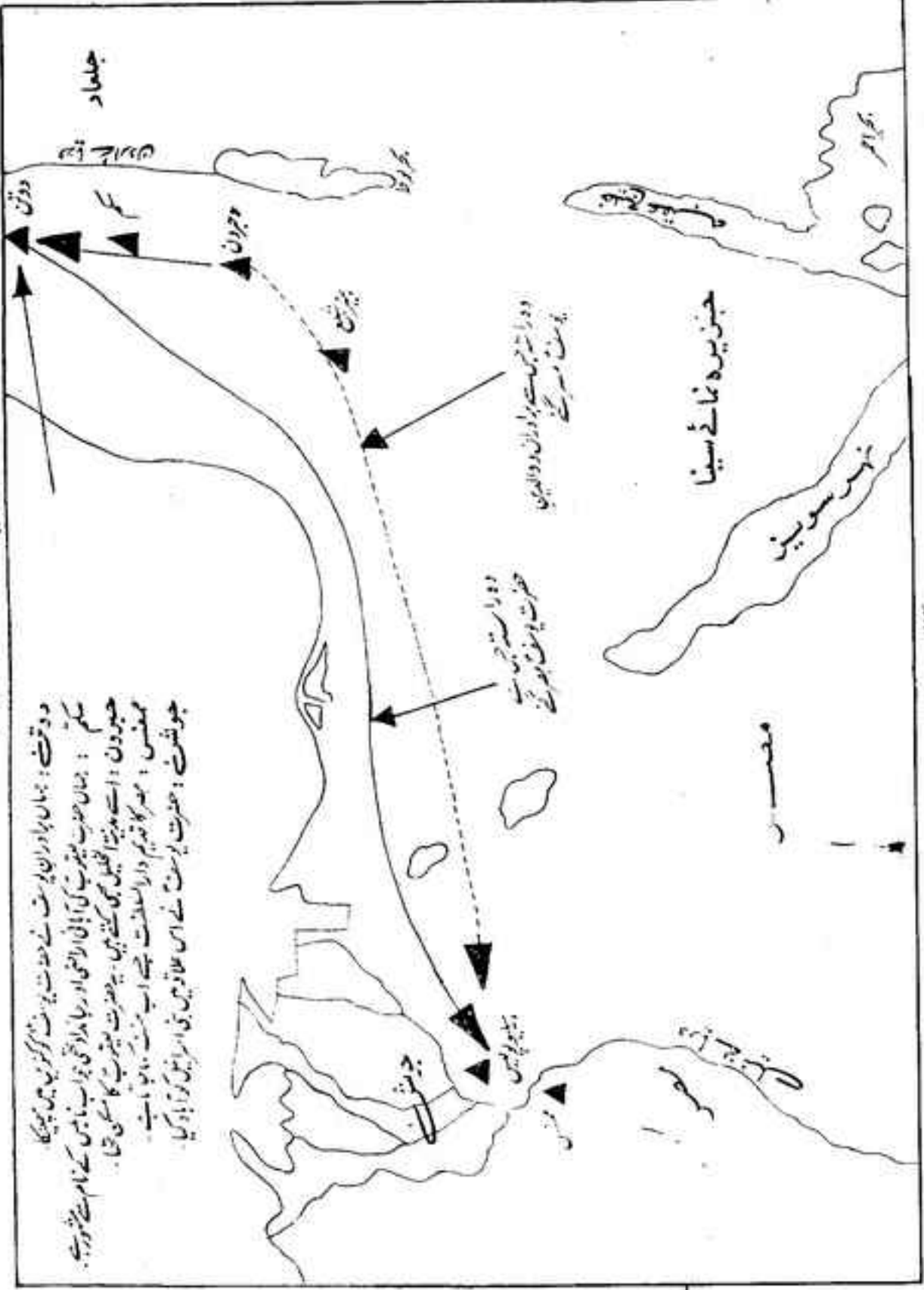
اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَىٕنْ اَكَلَهُ

کہیں کھا نہ جائے اس کو بھیڑیا ۲۳ اور تم (سیر و تفریح کے باعث) اس سے بےخبر ہو۔ کہنے لگے اگر کھا جائے اسے

الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ

بھیڑیا حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں بلاشبہ ہم تو تب زیاں کار ہوئے ۲۵ پھر جب (بصد اصرار) اسے لے گئے ۲۶ اور

اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ

سب نے یہی طے کر لیا کہ ڈال دیں اسے کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہ میں اور ہم نے اس وقت اس کی طرف وحی کی (گھبراؤ نہیں) ۲۷ تم

۲۳ یعنی اس کی ہر طرح سے نگرانی کریئے۔ اس طرح آپ کے ہمارے خلوص اور نیک نیتی کا پتہ چل جائیگا اور یہ بے اعتمادی ختم ہو جائے گی۔

۲۴ آپ نے اپنے دلی خدشات کا اظہار فرما دیا۔ اور ممکن ہے کہ ان کے بہانہ کی طرف اشارہ کر دیا ہو۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ آپ کو معلوم تھا کہ بھیڑیا آپ کو نہیں کھا سکتا۔ لیکن آپ نے انھیں تنبیہ کی کہ وہ ان کی حفاظت میں تساہل نہ برتیں۔ ولخاف ان یاکلہ الذئب الزجر عن التهاون فی حفظه وان كان یعلم ان الذئب لا یصل الیه۔

۲۵ وہ اپنی طرف سے ان خدشات کا ازالہ کر رہے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم دس گرانڈیل جوان ساتھ ہوں تو بے چارے بھیڑیے کی کیا مجال کہ یوسف کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے اگر ہماری موجودگی میں یوسف کو گزند پہنچے تو پھر ہمیں مارے شرم کے ڈوب مرنا چاہیے۔

۲۶ حضرت یعقوب نے بادلِ نخواستہ اجازت دے دی۔ اس پر انھوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور یوسف کو بڑی محبت سے اپنے ساتھ لے چلے۔ جب حضرت یعقوب کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو زدوکوب شروع کی۔ حضرت یوسف رحم طلب نگاہوں سے ایک ایک بھائی کے منہ کو دیکھتے لیکن بے سود۔ ہر ایک یہی طعنہ دیتا کہ بلاؤ ان گیارہ ستاروں کو اور چاند اور سورج کو جنھوں نے تجھے سجدہ کیا۔ چنانچہ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ ایک مجوزہ کنوئیں پر پہنچے۔ اور انھیں ڈول میں ڈال کر یا گلے میں رسی ڈال کر کنوئیں میں لٹکا دیا۔ جب وہ درمیان میں پہنچے تو اوپر سے رسی کاٹ دی۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو حکم دیا ادرك عبدی جاؤ میرے بندے کو جا کر سنبھالو۔ اس سے پیشتر کہ وہ سطح آب پر پہنچتے جبرئیل نے آکر آپکے نیچے پر بچھا دیئے اور ان کو سنبھال لیا۔

۲۷ ان روح فرسا لمحوں میں حضرت یوسف کے معصوم دل پر جو گزری ہوگی اس کا آپ آسانی سے تصور کر سکتے ہیں۔ اس دل شکستگی اور رنج و الم کی ان روح فرسا گھڑیوں میں حضرت یوسف کو یہ مژدہ سنایا جاتا ہے۔ یوسف گھبراؤ مت ایک درخشاں مستقبل تیرے لیے چشم براہ ہے۔ تجھے ہم اتنا سرفراز کریں گے کہ تو یہ سب غم بھول جائے گا۔ تیرے یہ بھائی ایک دن تیرے دربار میں سائل کی حیثیت سے آئیں گے اور تو انھیں اس قصہ سے آگاہ کرے گا۔ ان کی آنکھیں ان رفعتوں کو دیکھنے سے قاصر ہیں جو ہم نے تیرے لیے مقدر فرما دی ہیں۔ انھیں معلوم ہی نہیں کہ تو ایک گوہر نایاب ہے جس کی قدر و قیمت کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ یہاں اوحینا بمعنی الهمنا ہے یعنی ہم نے یوسف کو بذریعہ الہام

بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾

ضرور انہیں آگاہ کرو گے ان کے اس فعل پر اور وہ (تیرے رتبۂ عالی کو) نہیں سمجھتے اور آئے اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت گریہ زاری

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا

کرتے ہوئے [۲۸] (آکر) کہا اے ابا جی! ہم ذرا گئے کہ دوڑ لگائیں اور ہم چھوڑ گئے یوسف کو اپنے سامان کے پاس (ہائے افسوس!)

فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

کھا گیا اس کو بھیڑیا۔ اور آپ نہیں مانیں گے ہماری بات [۳۰] اگرچہ ہم سچے ہیں۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

اور لے آئے اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر [۳۱] آپ نے فرمایا (غلط کہتے ہو یوں نہیں) [۳۲] بلکہ آراستہ کر دکھایا ہے تمہارے

یہ مژدہ سنا دیتے ہیں۔ بعض علماء کی یہ رائے بھی ہے کہ آپ کو اسی وقت شرف نبوت سے سرفراز کر دیا گیا تھا۔

[۲۸] اس ناپاک منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے بعد دن بھر خوب سیر و تفریح کرتے رہے۔ عشاء کے وقت چیختے چلاتے اور شور مچاتے گھر لوٹے۔

[۲۹] حضرت یعقوب تو پہلے ہی اتنی تاخیر پر مضطرب ہوں گے جب انھوں نے یہ شور و فغاں سنا ہوگا تو بے چین ہو گئے ہوں گے۔ پوچھا ہوگا کیا ہوا۔ کیوں رو رہے ہو۔ مجھے یوسف نظر نہیں آ رہا وہ کہاں ہے؟ تو انھوں نے انتہائی فریب کاری سے یہ جواب دیا۔

[۳۰] ہمیں یقین ہے کہ آپ ہماری اس بات کو مانیں گے نہیں۔ کیونکہ پہلے ہی آپ کا دل ہماری طرف سے صاف نہیں۔ لیکن آپ مانیں یا نہ مانیں جو قصہ ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں یہ سو فی صد سچا ہے اس میں شک شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

[۳۱] اس کے ساتھ انھوں نے ایک اور فریب کیا۔ ایک دنبہ یا ہرن ذبح کیا اور یوسف کی قمیص کو اس کے خون میں لت پت کر کے لے آئے اور اسے اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لیے بطور ثبوت پیش کر دیا۔

[۳۲] آپ نے یہ سن کر فرمایا یہ محض تمہارے نفسوں کی فریب کاری ہے اور تمہارے اس دعویٰ میں صداقت کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ قمیص جو تم کسی کے خون میں لت پت کر کے لائے ہو یہ بھی صاف صاف بتا رہی ہے کہ تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ اگر بھیڑیے نے یوسف کو کھایا ہوتا تو کیا یہ قمیص جگہ جگہ سے پھٹ نہ گئی ہوتی۔ ایسا عقلمند بھیڑیا تو آج تک دیکھنے سننے میں نہیں آیا کہ اس نے آدمی کو تو کھا لیا ہو اور قمیص پر خراش تک نہ آنے دی ہو۔ سوّل کا معنی ہے مزین اور آراستہ کرنا۔ سولت ای زینت۔ التسویل تزیین النفس لما تحرص علیہ وتصویر القبیح بصورۃ الحسن۔ (مظہری)

أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾

نفسوں نے اس (سنگین جرم) کو۔ سو (اس جانکاہ حادثہ پر) صبرِ جمیل کروں گا ۳۳ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا اس پر جو تم بیان کرتے ہو۔ ۳۴

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ

اور (تھوڑی دیر بعد) ایک قافلہ آیا ۳۵ تو اہلِ قافلہ نے (پانی لانے کے لیے) اپنا آدمی بھیجا اس نے لٹکایا اپنا ڈول۔ وہ پکار اٹھا مژدہ باد! یہ

هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَ

تو لڑکا ہے موہنا بچہ ہے! اور انھوں نے چھپا دیا اسے متاعِ (گرانبہا) سمجھتے ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو وہ کر رہے تھے۔ اور

۳۳ے آپ نے فرمایا میں تو اس جانکاہ حادثہ پر صبرِ جمیل کروں گا۔ صبرِ جمیل اس صبر کو کہتے ہیں جہاں نہ شکوہ و شکایت ہو اور نہ جزع و فزع کا گزر ہو والصبر الجمیل ھو الذی لا جزع فیہ ولا شکوی۔ (قرطبی)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی جلالتِ شان اور مقامِ نبوت کو یہی زیبا تھا کہ وہ دامنِ صبر کو مضبوطی سے تھام لیں اور کسی ایسی حرکت کا ارتکاب نہ کریں جو عام لوگوں سے ایسے موقعوں پر سرزد ہوتی ہے۔ لیکن تورات کا بیان اس کے برعکس ہے "اور اس نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے۔ کوئی برا درندہ اسے کھا گیا ہے۔ یوسف بےشک پھاڑا گیا۔ تب یعقوب نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کا ماتم کرتا رہا اور اس کے سب بیٹے بیٹیاں اسے تسلی دینے جاتے تھے پر اسے تسلی نہ ہوتی تھی۔ وہ یہی کہتا رہا کہ میں تو ماتم ہی کرتا ہوا قبر میں اپنے بیٹے سے جا ملوں گا۔ سو اس کا باپ اس کے لیے روتا رہا۔" (پیدائش ۳۷ : ۳۳، ۳۴، ۳۵) قرآن کریم کی عظمت اور صداقت کا آپ اس ایک واقعہ سے ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

۳۴ے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک نفیس بحث لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب کو ان کی غلط بیانی کا یقین ہو گیا تھا تو وہ کیوں نہ یوسف کی جستجو میں نکلے اور کیوں آتشِ فراق میں برسوں جلتے رہے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس امر کا تو واقعی یقین تھا کہ یوسف زندہ ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کے خاموش ہو کر بیٹھے رہنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تلاش کرنے سے منع فرما دیا ہو تاکہ ان کے صبر و استقامت کا اچھی طرح امتحان ہو جائے۔ اور یا اس لیے کہ آپ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ یوسف کی خود حفاظت کرے گا وہ خود ہی اس کا نگران ہے اور جس شاندار مستقبل کے متعلق پہلے ہی بتا دیا گیا ہے وہ ظاہر ہو کر رہے گا۔ لا جواب عنہ الا ان یقال انہ سبحانہ وتعالی منعہ عن الطلب تشدیداً للمحنۃ علیہ وتغلیظاً للامر علیہ ...... وایضا لعلہ علیہ السلام علم ان اللہ تعالی یصون یوسف عن البلاء والمحنۃ وان امرہ سیعظم بالآخرۃ ثم لم یرد ھتک استار سرائر اولادہ ..... فلما وقع یعقوب علیہ السلام فی ھذہ البلیۃ رأی ان الاصوب الصبر والسکوت وتفویض الامر الی اللہ تعالی بالکلیۃ۔ (کبیر)

۳۵ے یہ قافلہ شام سے مصر جا رہا تھا۔ ان کا گزر اس کنوئیں کے قریب سے ہوا اور یہ واقعہ پیش آیا۔ سیارہ و سیار کی مؤنث ہے۔ اس کا معنی قافلہ ہے یعنی وہ قوم جو سفر کر رہی ہو۔

شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

انھوں نے بیچ ڈالا یوسف کو حقیر سی قیمت پر چند درہموں کے عوض [۳۷] اور وہ (پہلے ہی) اس میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے [۳۸]

وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى

اور کہا اس شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا (اہل) مصر سے اپنی بیوی کو عزت و اکرام سے اسے ٹھیراؤ [۳۹] شاید یہ

ادلی: ادلی سے کا معنی ڈول کو کنوئیں سے نکالنا اور دلی سے کا معنی ڈول کا کنوئیں میں لٹکانا۔

وارد: اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کنوئیں یا چشمہ وغیرہ پر جا کر قافلے کے لیے پانی کا انتظام کرے۔

یٰبُشْرٰی: یہ لفظ غایت تعجب و سرور کو ظاہر کرتا ہے جب اس آدمی نے ڈول باہر نکالا اور اس میں ایک چاند کو شرما دینے والا حسین بچہ دیکھا تو وہ فرطِ مسرت سے بے قابو ہو گیا اور پکار اٹھا یٰبُشْرٰی اے خوشخبری۔

[۳۷] جب تیسرے دن یوسف کے بھائی خبر لینے کے لیے آئے تو ان کو کنوئیں میں نہ پایا لیکن وہاں ایک قافلہ کے فروکش ہونے کے نشانات موجود تھے۔ وہ اس قافلہ کے تعاقب میں نکلے جلد ہی وہ قافلہ انھیں مل گیا۔ اس میں یوسف کو پکڑ لیا اور بتایا کہ یہ ہمارا غلام ہے چند دن سے بھاگ آیا ہے چنانچہ تھوڑی سی قیمت پر اس گوہر شہوار کو ان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

[۳۸] یعنی ان کو یوسف سے کوئی دلچسپی نہ تھی جو اسے فروخت کر کے زیادہ روپیہ کمانے کے آرزومند تھے۔ ان کے پیش نظر تو صرف یہ بات تھی کہ کسی طرح وہ باپ کی نظروں سے دور ہو جائے لانہ لم یکن قصدھم تحصیل الثمن انما کان قصدھم تبعید یوسف عن ابیہ (مظہری) علامہ راغب اصفہانی لفظ زاہد کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں الزھید الشیء القلیل الزاھد فی الشیء الراغب عنہ (مفردات) تھوڑی چیز کو زہید کہتے ہیں اور جو شخص کسی چیز سے بیزار ہو اس میں کوئی دلچسپی نہ لیتا ہو اس کو الزاھد فی الشیء کہا جاتا ہے۔

[۳۸] جب وہ قافلہ مصر کے پایۂ تخت منف (ممفس) میں پہنچا تو قافلہ والوں نے دوسرے سامانِ تجارت کے ساتھ آپ کو بھی فروختگی کے لیے پیش کیا۔ گلشنِ خلیل کا مہکتا ہوا پھول جب بازارِ مصر میں لایا گیا ہوگا تو ساری فضا معطر ہو گئی ہوگی۔ حسن و جمال کا ایسا مرقع نہ آنکھوں نے آج تک دیکھا اور نہ کانوں نے سنا۔ ایسے غلام کی آمد کی خبر آنِ واحد میں شاہی ایوانوں میں گھومنے لگی ہوگی اور دیکھتے ہی دیکھتے خریداروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے ہوں گے۔ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر قیمت پیش کرنے میں بخل سے کام نہ لیا ہوگا۔ آخر مصر کے ایک امیر کبیر شاہی دربار کے ایک اعلیٰ افسر نے خرید لیا اور آپ کے خریدار کا نام فوطی فار ہے چنانچہ بائیبل میں ہے ”اور مدیانیوں نے اسے مصر میں فوطی فار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک حاکم اور جلوداروں کا سردار تھا بیچا“ (پیدائش ۳۷: ۳۶) قرآن حکیم نے اسے عزیز مصر کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

[۳۹] عزیز مصر نے آپ کی لوح جبیں پر سعادت و نجابت کے نقوش دیکھ لیے تھے۔ بڑی محبت سے گھر لایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ بڑا پیارا بچہ مل گیا ہے اس کے آرام و آسائش کا ہر وقت خیال رکھنا اس کی کسی طرح دل آزاری نہ ہو۔ اس کی شکل و صورت کسی شاندار مستقبل کی غمازی کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی دن ہمارے لیے یہ مفید ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔ اس عورت کا نام ایک روایت میں راعیل ہے

اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ

ہمیں نفع پہنچائے یا بنالیں ہم اسے اپنا فرزند اور یوں (اپنی حکمت کاملہ سے) ہم نے قرار بخشا یوسف کو (مصر کی) سرزمین میں

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ

اور تاکہ ہم سکھادیں اسے خوابوں کی تعبیر۔ ۴۱ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے ہر کام پر ۴۲

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا

لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے ۴۳ اور جب وہ پہنچے اپنے پورے جوبن کو تو ہم نے عطا فرمائی انہیں

اور تلمود میں اس کا نام زلیخا ہے۔ شاید اسی روایت سے ہماری کتابوں میں وہ زلیخا کے نام سے مشہور ہوئی اسمها راعیل وقیل زلیخا
مثوی اسم ظرف ہے ٹھیرنے کی جگہ۔

۴۰ ایسے ملک میں جہاں کسی کو یوسف کے عظیم خانوادے کا علم تک نہ تھا جسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر مصر لایا گیا تھا جسے بیچنے والے بھی ایک جگر پارہ غلام تصور کرتے تھے۔ پھر وہ عام غلاموں کی طرح منڈی میں لایا گیا اور فروخت ہوا اس کے لیے اتنی عزت و آسائش کے سامان مہیا فرما دینا مصری مملکت کے ایک عظیم رئیس کے دل میں اس کے لیے پدرانہ شفقت بلکہ فدویانہ جذبہ پیدا کر دینا یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

۴۱ یعنی جس طرح ہم نے اس پر یہ مہربانی فرمائی اسی طرح حضرت یعقوب کی بتائی ہوئی تعبیر کو بھی پورا کیا جائے گا اور اسے تاویل الاحادیث کا علم مرحمت فرمایا جائے گا۔

۴۲ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ مشکلات کا ہجوم مخالفتوں کے طوفان اسباب و وسائل کا فقدان اس کے حکم کے وقوع پذیر ہونے میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ بھائیوں کی ساری سازشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے یوسف کو جہاں پہنچانے کا ارادہ فرمایا وہ ہو کر رہا۔

۴۳ عام لوگ ظاہری حالات پر نظر رکھتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کام ناممکن ہے۔ ان کی نگاہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت سے ناواقف ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ شک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ورنہ قدرت خداوندی کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔

۴۴ عمر کا وہ حصہ جس میں انسان کی جسمانی اور عقلی قوتیں پوری طرح نشوونما پالیتی ہیں اسے اشد کہتے ہیں حکماء کے نزدیک یہ تیس اور چالیس سال کے درمیانی عرصہ کا نام ہے یعنی جب آپ کی فطری صلاحیتیں پوری طرح رونما ہو چکیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی خصوصی نوازشات سے سرفراز فرمایا اور انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ حکم سے مراد حکمت اور نبوت ہے اور علم سے مراد احکام شرعی کا علم یا خوابوں کی تعبیر کا علم۔ اور عظمت شان کے اظہار کے لیے دونوں کو نکرہ ذکر کیا۔ عن ابن عباس ان الحکم النبوۃ والعلم الشریعۃ وتنکیرھما للتفخیم (روح المعانی)
علامہ نظام الدین نیشاپوری حکم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کے نفس مطمئنہ کو نفس امارہ پر حاکم بنا دیا کیونکہ عالم قدس سے جو ہر نفس

وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ

نبوت اور علم ۔ اور یونہی ہم نیک جزا دیتے ہیں اچھے کام کرنے والوں کو ۵۲؎ اور بہلانے پھسلانے لگی انھیں ۵۳؎ وہ عورت جس کے گھر

بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ

میں آپ رہتے تھے کہ ان سے طلب براری کرے اور (ایک دن) اس نے تمام دروازے بند کر دیئے اور (بصد ناز) کہنے لگی جلدی آبھی جا۔

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

یوسف (پاکباز) نے فرمایا خدا کی پناہ! (یوں نہیں ہو سکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے بیشک ظالم فلاح

انوار الٰہیہ اور ربانی تجلیات کا فیضان فقط اسی وقت ہوتا ہے۔ فحینئذٍ تفیض الانوار القدسیۃ والاضواء الالٰهیہ من عالم القدس علی جوہر النفس (تفسیر ضیاء الوسی) یہاں علامہ مذکور نے بڑی نفیس بحث لکھی ہے جو مطالعہ کے قابل ہے۔

۵۲؎ یعنی ہمارے یہ احسانات صرف حضرت یوسف تک محدود نہیں بلکہ جو بھی صبر، استقامت، عصمت، طہارت اور دیگر خصائل حمیدہ سے اپنے آپ کو متصف کریگا ہم اسے بھی ان نوازشات سے بہرہ ور فرمائیں گے۔

۵۳؎ کچھ ہی عرصہ گزرا کہ عزیز کی بیوی آپ کے حسن جمال پر فریفتہ ہو گئی لیکن اس کے لیے یوسف جیسے پاکباز جوان سے یکبارگی اظہار مدعا کرنا آسان نہ تھا اس نے نسوانی فطرت کے مطابق انھیں اپنا صید زبوں بنانے کے لیے سینکڑوں جتن کیے ہوں گے اور آپ سے بے تکلف ہونے کی ہر ممکن کوشش کی ہوگی۔ رَاوَدَتْ کا لفظ اسی امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے المراودۃ المطالبۃ برفق من رَادَ یرود اذا ذهب وجاء یعنی مراودة کو کہتے ہیں بڑی نرمی اور لطائف الحیل سے کسی چیز کی طلب کرنا اس کا اصل راد ہے اس کا مفہوم آنا جانا آمد و رفت رکھنا ہے۔ لیکن جب اس جوان صالح کی بے نیازیوں نے اس کے تمام حیلوں کو ناکام بنا دیا تو اس نے آخری قدم اٹھایا۔ یوسف کو اپنے پاس بلایا اور اپنے خلوت خانہ کے تمام دروازے بند کر دیئے اور جب بالکل تنہائی ہو گئی تو شرم و حیا کے تمام آداب کو پس پشت پھینکتے ہوئے کہنے لگی "ھیت لک"۔ "ھیت" کی حرکات و سکنات کے متعلق بڑی طویل بحثیں کی گئی ہیں۔ لیکن حضرت ابن مسعود کی اس روایت کے بعد کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ھَیْتَ لَكَ پڑھایا ہے (ھا اور تا دونوں پر فتح) مزید قیل و قال کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ علماء نے اس بارے میں بھی اختلاف کیا ہے کہ یہ لفظ عربی ہے یا عجمی۔ کسی نے اسے حورانی کسی نے عبرانی اور سریانی اور ایک صاحب نے اسے قبطی بھی کہا ہے لیکن صحیح قول وہ ہے جو مجاہد سے منقول ہے کہ یہ لفظ عجمی نہیں بلکہ عربی ہے کسی چیز پر برانگیختہ کرنے اور اس کی طرف توجہ دلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قال مجاهد وغیرہ هی لغة عربیة وهی کلمة حث واقبال علی شیء (مظہری وغیرہ)

علامہ ابی حیان نے لکھا ہے ھیت اسم فعل بمعنی اسرع (جلدی کر) یہ اسم فعل ہے اور جلدی کرو کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ

نہیں پاتے۔ اور اس عورت نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی (روشن) دلیل۔ یوں ہوا

۳۲؎ آپ خیال فرمائیے عزیز مصر کے محل کی ایک خلوت گاہ ہے اس کے سارے دروازے بڑے اہتمام سے مقفل کر دیئے گئے ہیں۔ مکمل تنہائی ہے اس عالم میں آپ زلیخا کی اس اشتعال انگیز درخواست بلکہ تقاضا کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ آپ کے جواب کے ہر لفظ سے پیغمبرانہ جلالت متانت اور بخت ظاہر ہو رہی ہے۔ پہلے فرمایا معاذ اللہ یعنی میرا معبودِ برحق اس فعل قبیح کو ناپسند کرتا ہے۔ میں ایسے جرم سے اس کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا انّہٗ ربّی تو عزیز مصر کی آبرو ہے۔ جس نے مجھ پر اس غریب الوطنی میں اتنا احسان اور مروت کی ہے۔ بھلا میں ایسے محسن کی آبرو کو کیسے داغدار کر سکتا ہوں۔ آخر میں سنن الٰہیہ میں سے مکافاۃِ عمل کے اٹل قانون کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ جو شخص اپنے محسن کے ساتھ برائی کرتا ہے وہ ظالم ہے اور ظلم کرنے والا کبھی کامران نہیں ہو سکتا۔ کتنے حکیمانہ اور باوقار انداز میں زلیخا کو بتا دیا کہ یہ سودا بڑا مہنگا ہے۔ یوسف اس کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

معاذ اللہ ان مصادر میں سے ہے جن کے فعل کا محذوف ہو جانا واجب ہے جیسے سبحان اللہ۔

ربّی کے متعلق اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ اس سے مراد عزیز مصر ہے کیونکہ رب بمعنی سید اور مربی (پرورش کرنے والا) عام مستعمل ہے اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ ربّی سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔

۳۳؎ یہ آیت بڑی معرکۃ الآراء ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اس کے متعلق تفصیل سے لکھا جائے تاکہ حقیقت منکشف ہو اور کسی قسم کا شبہ دل میں خلجان پیدا نہ کرے۔ اس آیت میں ھَمّ کا لفظ دو دفعہ مذکور ہے لیکن دونوں کے فاعل جدا جدا ہیں۔ ھَمَّتْ کا فاعل عزیز کی بیوی ہے اور دوسرے ھَمَّ کا فاعل حضرت یوسف ہیں۔ اب یہی دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ دونوں فعل ایک ہی معنی میں مستعمل ہوئے ہیں یا ھمت فعل کا معنی اور ہے اور ھمّ کا اور ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ھمّ بھا مستقل جملہ ہے اور لولا ان را برھان ربہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے اس جملہ شرطیہ کا پہلے کلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اس رائے کے حاملین پھر اس بات میں باہم مختلف ہیں کہ کیا ان دونوں فعلوں کا ایک ہی معنی ہے یا الگ الگ۔ ان میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ ھمّت کا معنی ہے کسی چیز کا عزم اور قصد کرنا اور ھمّ بھا میں عزم و قصد کا معنی نہیں بلکہ محض میلانِ طبع مراد ہے۔ ان کے خیال کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوگا کہ زلیخا نے تو اس حرکت کے ارتکاب کا عزم مصمم کیا لیکن حضرت یوسف کے دل میں محض میلانِ طبع کا ظہور ہوا۔ لیکن یہ معنی بیان کرنے میں لغت سے زیادہ عقیدت کو دخل ہے۔ جو شخص حضرت یوسف کی نبوت کا قائل نہیں یا نبی کا معصوم ہونا ضروری نہیں سمجھتا۔ اسے آپ کیسے مطمئن کریں گے۔ اگر وہ یہ اصرار کرے کہ پہلا فعل جس کا اسناد زلیخا کی طرف ہے اس کا معنی محض میلانِ طبع ہے اور دوسرے فعل کا معنی عزم و قصد ہے تو ہم اسے کیونکر قائل کر سکیں گے۔ دوسری جماعت کا خیال ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہے یعنی کسی کام کے کرنے کا عزم اور قصد کرنا۔ وہ کہتے ہیں زلیخا نے بھی اس فعل کا قصد و عزم کیا اور آپ بھی (نعوذ باللہ) بالکل تیار ہو گئے لیکن اس سے ملوث نہیں ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دلیل نمودار ہو گئی تھی۔ امام فخر الدین رازی اور دیگر محققین نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے اور ان کے

اس قول پر انتہائی ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ اور اسے حضرت یوسف کے دامنِ عصمت پر ایک بدنما بہتان قرار دیا ہے۔ چونکہ حضرت امام رازی نے اس مسئلہ کو بڑی شرح وبسط سے لکھا ہے اس لیے انھیں سے استفادہ کرتے ہوئے اس گتھی کو سلجھانے کی بتوفیق اللہ کوشش کروں گا۔ وہ فرماتے ہیں لولا ان رآ برھان ربہ شرط مؤخر ہے اور ھم بھا جزا مقدم ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ زلیخا نے تو اس فعل کا عزم مصمم کیا اور اگر یوسف برہان الٰہی کو نہ دیکھتے تو وہ بھی ان انتہائی اشتعال انگیز حالات میں اس فعل کا عزم اور قصد کر لیتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے کیونکہ برہان الٰہی کا مشاہدہ فرمایا اس لیے ان سے اس فعل کا عزم وقصد وقوع پذیر نہیں ہوا۔ علامہ موصوف نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے متعدد زوردار دلائل پیش کیے ہیں۔ میں ان میں سے صرف ایک کے ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ آؤ ان سے پوچھیں جن کا اس واقعہ کے ساتھ براہ راست تعلق تھا کہ کیا حضرت یوسف نے عزم وقصد کیا تھا یا نہیں۔ جو فیصلہ وہ دیں اس کو تسلیم کرنے میں تو کسی کو تذبذب نہیں ہونا چاہیے۔ فرماتے ہیں کہ جن کا اس واقعہ سے براہ راست تعلق تھا وہ یہ ہیں:۔

خود حضرت یوسف۔ زلیخا۔ اس کا خاوند۔ زنانِ مصر۔ گواہ خود رب العالمین۔

یوسف علیہ السلام کا اپنا بیان یہ ہے ھی راودتنی عن نفسی کہ اس عورت نے مجھے طرح طرح سے پھسلانا چاہا۔ پھر آپ کا یہ دعا فرمانا رب السجن احب الیّ مما یدعوننی الیہ اے اللہ جس بری حرکت کی طرف مجھے وہ بلاتی ہیں اس سے تو قید خانہ زیادہ پسند ہے۔ عزیز کی بیوی نے دو بار آپ کے دامن کی پاکی کا اعتراف کیا۔ پہلی مرتبہ اس نے زنانِ مصر کے سامنے کہا ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم اور دوبارہ جب بادشاہِ مصر نے یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے رہا کر کے اپنے دربار میں لے آنے کا حکم دیا تو حضرت یوسف نے اس کی اس دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ فرمایا کہ جب تک مجھ پر لگائے ہوئے بہتان کی تحقیق نہ ہو جائے میں جیل سے نکلنے کے لیے تیار نہیں۔ اس وقت زلیخا نے پھر برملا کہا الآن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین۔ اور عزیزِ مصر نے تو اسی وقت ہی کہہ دیا تھا انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم یہ سب تمہارا مکر ہے۔ یوسف بے گناہ ہے۔ اور اس گواہ نے بھی گواہی دی کہ اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو یہ سچا ہے اور سب سے سچا گواہ اللہ جل مجدہ ہے۔ اس نے بھی آپ کی پاکدامنی کی شہادت دی اسی آیت میں فرمایا لنصرف عنہ السوء والفحشاء انہ من عبادنا المخلصین یعنی یوسف تو ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے اس سے تو ہم نے ہر قسم کی برائی اور فحشا کو دور کر دیا ہے۔ اس کے بعد امام فرماتے ہیں کہ اور تو اور خود ابلیس نے کہہ دیا کہ یوسف کا دامن اس داغ سے پاک ہے فبعزتک لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین الآیۃ یعنی مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو راہ راست سے بھٹکا دوں گا لیکن تیرے مخلص بندوں پر میرا داؤ نہیں چل سکتا اور یوسف بارشادِ الٰہی مخلصین میں سے ہیں اس لیے شیطان کے فریب میں نہیں آ سکتے۔

ابھی ایک چیز حل طلب باقی ہے۔ اہل لغت میں سے زجاج نے ھم بھا کو جزا مقدم بنانے سے انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جزا کی تقدیم شاذ ہے اور کلام فصیح میں موجود نہیں ان تقدیم جواب لولا شاذ وغیر موجود فی الکلام الفصیح اس کا امام نے یہ جواب دیا ہے کہ بیشک احسن یہی ہے کہ جزا شرط سے مقدم نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر کسی معنوی اہمیت کے پیش نظر اس کو مقدم

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٢٤﴾

تاکہ ہم دُور کر دیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو۔ بیشک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو چن لیے گئے ہیں ۲۹؎

کر دیا جائے تو یہ غلط ہے بلکہ علامہ ابی حیان نے تصریح کی ہے کہ جزاء کو شرط پر مقدم نہ کرنے کا قاعدہ نحویوں کے نزدیک متفقہ نہیں ہے۔ کوفیوں نے تو اس تقدیم کو بالکل جائز قرار دیا ہے۔ اور بصریوں میں سے ابو زید انصاری اور مبرد جیسے بلند پایہ عالم اس کے جواز کے قائل ہیں۔ (بحر)

زجاج نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ لولا کی جزاء پر لام آنا ضروری ہے اگر هم بها جزاء مقدم ہوتی تو اس پر لام ضرور داخل ہوتا۔ لام کا نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس کا لولا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا کہ لام کا جزاء پر لے آنا جائز ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ لام کے بغیر جزاء آ ہی نہیں سکتی پھر انھوں نے یہ آیت بطور استشہاد پیش کر کے زجاج کے دونوں اعتراضوں کو رد کر دیا۔ ان كادت لتبدي به لولا ان ربطنا على قلبها یہاں تو بالاتفاق ان كادت لولا کی جزاء ہے۔ یہ مقدم بھی ہے اور اس پر لام بھی نہیں اور اگر اس پر کوئی بضد ہی ہو کہ لولا کی جزاء مقدم نہیں ہو سکتی تو ہم کہیں گے کہ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ هم بها جزاء نہیں ہے کیونکہ یہ مقدم ہے اور تمہارے خیال میں اگر اس مقدم کو جزاء مان لیا گیا تو آسمان گر پڑے گا لیکن وہ کیا جزاء ہے جس کو تم مقدر مانتے ہو۔ قاعدے کے مطابق اسی چیز کو مقدر مانا جا سکتا ہے جس پر کلام سابق دلالت کرے اس لیے جو جزاء مقدر مانی جائے گی وہ یہی هم بها ہی ہو گی جس پر کلام سابق دلالت کر رہا ہے اس صورت میں بھی معنی وہی رہیگا جو ہم نے بیان کیا ہے۔

اس سلسلہ میں بعض اسلاف کے اقوال سے استدلال کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں نے یہ کہا کہ حضرت یوسف نے عزم و ارادہ کیا تھا امام رازی اور ابو حیان اور دیگر محققین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ اقوال آپس میں اتنے متضاد ہیں اور ایک دوسرے کی تکذیب کر رہے ہیں کہ انھیں صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا نیز کسی مستند روایت سے ان اسلاف سے ثابت بھی نہیں جن کی طرف انھیں منسوب کیا جاتا ہے علامہ ابو حیان رقم طراز ہیں:

واما اقوال السلف فنعتقد انه لا يصح عن احد منهم شيء من ذلك لانها اقوال متكاذبة يناقض بعضها بعضاً اس کے بعد وہ لکھتے ہیں۔ قد طهرنا كتابنا هذا عن نقل ما في كتب التفسير مما لا يليق ذكره واقتصرنا على ما دل عليه لسان العرب (بحر)

یعنی ہم نے اپنی کتاب کے صفحات کو ایسی روایات کے نقل کرنے سے پاک رکھا ہے اور آیت کی توضیح کرتے ہوئے لغت عرب کے قواعد پر اعتماد کیا ہے۔ برهان ربه برہان سے مراد حرمت زنا کی وہ قطعی دلیل جو آپ کو معلوم تھی یا آپ کی جبلی طہارت اور فطری عصمت جو نفوس انبیاء کا خاصہ لازمہ ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ دانتوں میں انگلی دبائے کھڑے ہیں لنصرف عنه السوء۔ سوء سے مراد گناہ صغیرہ اور فحشاء سے مراد گناہ کبیرہ ہیں۔

۲۹؎ مُخْلِصِين اور مُخْلَصِين: پہلی قرأت کے مطابق اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے اپنے آپ کو خالص کر لیا۔ الذین اخلصوا الطاعة لله اور دوسری قرأت کے مطابق وہ مراد ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لیے

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا

اور دونوں دوڑ پڑے دروازہ کی طرف ۵۰ اور اس عورت نے پھاڑ ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور (اتفاق ایسا ہوا کہ) ان دونوں نے کھڑا پایا اس کے

الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ

خاوند کو دروازے کے پاس ۵۱ جھٹ بول اٹھی (عزیز مصر سے) بتائیے کیا سزا ہے اس کی جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا بجز اس کے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ

کہ اسے قید کر دیا جائے یا اسے دردناک عذاب دیا جائے۔ آپ نے (جواباً) فرمایا (میں نے نہیں بلکہ) اس نے پھسلانا چاہا ہے مجھے کہ مطلب براری کرے

مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ

اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاندان سے تھا (کہ دیکھو) اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس نے سچ کہا اور وہ

چن لیا ہے اَلَّذِیْنَ اَخْلَصَهُمُ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ۔ اور حضرت یوسف ان دونوں وصفوں سے موصوف تھے۔

۵۰ آپ کے انکار کے باوجود جب اس کا اصرار بڑھتا ہی گیا تو آپ نے وہاں سے بھاگ نکلنے میں ہی عافیت سمجھی لیکن دروازے تو سب بند تھے اور انہیں قفل لگا کر کنجیاں زلیخا نے اپنے پاس رکھی ہوئی تھیں (وغلقت الابواب) اب یہاں سے نکلیں تو کیونکر۔ دل ہی دل میں عرض کی مولا! بھاگنا میرا کام ہے اور دروازے کھولنا تیرا کام۔ جب بھاگے تو تالے ٹوٹتے گئے اور دروازے خود بخود کھلتے گئے۔ آخری دروازے پر پہنچے جو محل کے صحن میں کھلتا تھا تو پیچھے سے زلیخا نے آلیا اور آپ کا پیراہن پکڑ لیا۔ یہاں تک کہ وہ پھٹ گیا۔ آپ اس کشمکش کی شدت کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یونہی ہاتھ لگانے سے تو کپڑا پھٹ نہیں جاتا اور حضرت یوسف کا لباس تو بڑا عمدہ اور نیا ہوگا۔ اس کے پھاڑنے میں تو زلیخا کو بھی کافی زحمت ہوئی ہوگی جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت یوسف پوری قوت سے دروازے کی طرف دوڑے جا رہے تھے پیچھے سے زلیخا بڑی تیزی سے لپکی اور پوری طاقت سے آپ کی قمیص کو کھینچ کر آپ کو روکنا چاہا۔ آپ اسی سرعت کے ساتھ آگے بڑھے۔ اس طرح پیراہن پیچھے سے پھٹ گیا۔

۵۱ باہر نکلے تو دیکھا کہ عزیز مصر کھڑا ہے۔ زلیخا اپنے خاوند کو دیکھ کر سہم گئی لیکن فوراً سنبھلی اور حضرت یوسف پر دست اندازی کا الزام لگا دیا تاکہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کر سکے۔ جب عزیز مصر نے اپنی بیوی سے یہ بات سنی ہوگی تو اس کے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ کتنا ناشکرگزار اور احسان فراموش ہے یوسف۔ میں نے اس کے ساتھ اتنی مروت کی اور اس نے اس کا صلہ مجھے کیا دیا۔ اس لیے آپ نے فوراً اس الزام کی تردید کرنا ضروری سمجھا فرمایا یہ غلط کہتی ہے اس نے مجھے ورغلانا چاہا۔ میں تو اس سے بھاگ کر آیا ہوں۔

مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۲۶﴾ وَ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ

جھوٹوں میں سے ہے۔ ۵۲ اور اگر اس کی قمیص پھٹی ہوئی ہو پیچھے سے تو یہ اس نے جھوٹ بولا

وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ

اور یوسف سچوں میں سے ہے۔ پس جب عزیز نے دیکھا پیراہن یوسف کو کہ پھٹا ہوا ہے پیچھے سے تو بول اٹھا یہ ستم

مِنْ كَیْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا

عورتوں کا فریب ہے۔ بیشک تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے ۵۳ اے یوسف (پاکباز) اس بات کو جانے دو ۵۴

وَ اسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ ﴿۲۹﴾ وَ قَالَ نِسْوَةٌ

اور اے عورت اپنے گناہ کی معافی مانگ بیشک تو ہی قصوروار وں میں سے ہے۔ اور کہنے لگیں عورتیں

۵۲ عزیز مصر اب حیران تھا کہ وہ کس کو سچا کہے اور کس کو جھوٹا۔ لیکن ایک عقلمند شخص نے کہا کہ دیکھو اگر قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یوسف نے دست درازی کی اور زلیخا نے مدافعت کی اس کشمکش میں قمیص آگے سے پھٹ گئی اور اگر قمیص پیچھے سے دریدہ ہے تو یوسف کی صداقت میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ یہاں شهد شاهدٌ۔ حکم حاکم کے معنی میں ہے کہ ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کر دیا کیونکہ شہادت کے لیے شاہد کا موقع پر حاضر ہونا ضروری ہے اور جس نے یہ بات کہی وہ موقع پر موجود نہ تھا یہ شخص کون تھا اس کے متعلق حضرت حسن، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، مجاہد اور سدی کا قول یہ ہے کہ وہ زلیخا کے رشتہ داروں میں ایک عقلمند آدمی تھا جس سے عزیز اکثر مشورہ لیا کرتا تھا انه رجل حكيم ذو عقل كان الوزير يستشيره في امورهٖ وكان من جملة اهل المرأة وروي عن ابن عباس وهو الصحيح في الباب والله اعلم (قرطبی) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک شیر خوار بچہ تھا جس نے حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دی اور قدرت الٰہی سے یہ امر کوئی بعید نہیں کہ جس نے حضرت مریم کی برأت کے لیے حضرت عیسیٰ کو گویا کر دیا تھا اس نے حضرت یوسف کی برأت کے لیے ایک شیر خوار بچہ کو بولنے کی قدرت بخش دی ہو لیکن اکثر علما نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

۵۳ عجیب بات یہ ہے کہ اپنی بیوی کی اتنی بڑی خیانت پر مطلع ہو کر اس کا خون نہیں کھولا اسے غصہ نہیں آیا اس نے اس کو سزا دینا تو کجا کرخت لہجہ میں جھڑکنا بھی مناسب نہ سمجھا بلکہ بڑے نرم انداز میں جس میں بے غیرتی، بے حمیتی اور بے چارگی کی بو آ رہی ہے اتنا کہنا ہی کافی سمجھا کہ یہ تمہارا مکر ہے اور تمہارا مکر بڑا ہوتا ہے۔ ان الفاظ میں بھی غور فرمائیے اس بیچارے نے تو ان کیدك (کہ زلیخا یہ تیرا فریب ہے) کہنے کی بھی جرأت نہیں کی بلکہ کُنَّ جمع مؤنث کی ضمیر ذکر کر کے ساری عورتوں کی طرف کید کو منسوب کر دیا۔

۵۴ حضرت یوسف کی دلجوئی کرتے ہوئے انہیں بھی یہی مشورہ دیا کہ آپ اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دیں اور اس پر خاک ڈالیں۔ جو ہونا تھا ہو

فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا

شہر میں — کہ عزیز کی بیوی — بہلاتی ہے اپنے (نوجوان) غلام کو تاکہ اس سے مطلب براری کرے ۵۵

حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۰ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ

اس کے دل میں گھر کر گئی ہے اسکی محبت ہم تو دیکھ رہی ہیں اسے کہ وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ پس جب زلیخا نے سنا ان کی مکارانہ باتوں کو تو اس نے انھیں

اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا

بلا بھیجا ۵۶ اور تیار رکھیں ان کے لیے مسندیں اور (جب وہ آگئیں تو) دے دی ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک چھری

وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ

اور یوسف کو کہا کہ دروازہ کھول (اور) آؤ ان کے سامنے پس جب (یوسف آگئے اور) انھوں نے اس کو دیکھا تو اس کی عظمت (حسن) کی قائل

ہوگیا اس سے اس وقت کے مصری معاشرہ پر بھی روشنی پڑتی ہے اور امراء کی عورتیں کس طرح من مانی کیا کرتی تھیں۔ اور انکے شوہر انکی ان بدکاریوں کے باوجود کتنے بے بس تھے یا ان میں جذبہ غیرت کس حد تک مفقود ہوچکا تھا۔

۵۵ زلیخا کی اس وارفتگی کا چرچا عام ہونے لگا۔ بڑے بڑے روساء کی بیگمات جب کبھی ایک جگہ اکٹھی ہوتیں تو ان کا موضوع سخن زلیخا کی داستان محبت ہی ہوتی۔ کہتیں کہ زلیخا اپنے زرخرید غلام پر ڈورے ڈالنے لگی ہے۔ اس کی محبت نے تو اس کو بالکل دیوانہ بنا دیا ہے۔ اسے اپنے مقام کا بھی پاس نہیں۔ مصر کے ایک رئیس عظیم کی بیوی ہو کر اپنے غلام پر یوں فریفتہ ہوجانا کتنی بڑی نادانی ہے۔ شَغَف: اس پردے کو کہتے ہیں جس میں دل چھپا رہتا ہے۔ اس صورت میں قد شغفها حبا کا معنی یہ ہوگا کہ اس کی محبت نے زلیخا کے دل کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے اور زجاج نے کہا ہے کہ شغف اس سیاہ نکتہ کو کہتے ہیں جو دل کے وسط میں ہوتا ہے یعنی یوسف کی محبت زلیخا کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ گئی ہے۔ ضلال سے مراد عقل وفہم سے بیگانگی ہے۔ نسوة چونکہ فساد کا اسم ہے اس لیے اس کا فعل مذکر لانا جائز ہے۔

۵۶ زلیخا کو جب پتہ چلا کہ اس کا راز عشق افشا ہوگیا ہے اور مصر کی امیرزادیاں اسے نادانی اور بیہودگی کے طعنے دینے لگی ہیں تو اس نے اپنے ماہ کنعان کی جلوہ نمائی کے لیے ایک پرتکلف شاہانہ دعوت کا اہتمام کیا جس میں چالیس کے قریب معزز خواتین کو دعوت دی۔ ان کے بیٹھنے کے لیے قیمتی قالین بچھائے گئے اور گاؤ تکیے رکھے گئے دستر خوان پر کھانا چن دیا گیا۔ تازہ اور خوشبودار پھلوں کو طشتریوں میں سجا کر سامنے رکھ دیا گیا اور پھل کاٹنے کے لیے ایک ایک تیز چھری ان کے ہاتھ میں دے دی۔ ہوسکتا ہے اس وقت بھی کھانے میں چھری کا استعمال کیا جاتا ہو جب پھل کاٹنے میں مشغول ہوگئیں تو زلیخا نے حضرت یوسف کو سامنے آنے کا حکم دیا۔ ان عورتوں نے جب اس حسن معصوم کو دیکھا تو ان کے ہاتھ زخمی ہوگئے لیکن انھیں خبر تک نہ ہوئی۔ یہ حسن کی وارفتگی نہ تھی بلکہ اس پیکر تقدس و نبوت کی ہیبت، یہ پیکر رعنا اور اس پر طہارت کی خلعت

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ

ہو گئیں اور وارفتگی کے عالم میں) کاٹ بیٹھیں اپنے ہاتھوں کو اور کہنے لگیں سبحان اللہ! یہ انسان نہیں بلکہ یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔ زلیخا (فاتحانہ

فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ

انداز میں) بولی یہ ہے وہ (پیکر رعنائی) جس کے بارے تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں ۸ بخدا میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا ۹

فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ

لیکن وہ بچا ہی رہا ۱۰ اور اگر وہ نہ بجا لایا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے قید کر دیا جائے گا اور وہ ہو جائے گا ان لوگوں سے جو

فاخرہ جمال و جلال کے ایسے حسین امتزاج کا انھوں نے تو کبھی تصور تک نہیں کیا تھا۔ بیساختہ زبان سے نکلا سبحان اللہ! سبحان اللہ! پاک ہے وہ اللہ جس نے اے یوسف! تجھے پیدا فرمایا۔ زلیخا! یہ انسان تو نہیں یہ تو کوئی نوری فرشتہ ہے۔ آکبرنہ کا معنی ہے کہ وہ حسن یوسفی کو دیکھ کر سخو ہو گئیں۔ ورعرب بھی عن ابن عباس اعظمنہ و ھبنہ (قرطبی) قطعن ایدیھن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ کٹ کر الگ جا گرے بلکہ خراش آجانا اور زخمی ہو جانا۔ انما ھو خدش و حز (قرطبی) حاش کلمۃ تفید معنی التنزیہ والمعنی ھھنا تنزہ اللہ تعالیٰ من العجز حیث قدر علی خلق جمیل مثلہ
۸ زلیخا نے جب انھیں یوں بے خود پایا تو فاتحانہ انداز میں کہنے لگی یہی وہ یوسف ہے جس کے عشق کے طعنے تم مجھے دیا کرتی ہو۔ تم تو اس کے حسن کی ایک جھلک کی تاب بھی نہ لاسکی ہو کیا اب بھی مجھ پر زبان طعن دراز کرو گی۔ کیا اب بھی مجھے نادان اور بے وقوف کہو گی۔
۹ یہ الفاظ غور طلب ہیں۔ ایک بھری محفل میں وہ کس بے حیائی کے ساتھ یوسف کو ورغلانے اور اس کو اپنے دام فریب میں پھنسا کر اپنی مقصد براری کی ناپاک کوششوں کا ذکر کر رہی ہے۔ اسے یہ خیال بھی نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور کن کے سامنے کہہ رہی ہے اور ان معزز خواتین میں سے بھی کوئی اس بے حیائی پر اسے نہیں ٹوکتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری معاشرہ میں اس وقت یہ چیزیں معیوب نہیں خیال کی جاتی تھیں۔ جس طرح یورپ زدہ معاشرہ میں اپنے عشق و معاشقہ کی داستانیں بڑے فخر سے بیان کی جاتی ہیں۔ یہی ان کی حالت تھی۔ زلیخا کی داستان کی شہرت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ایک وزیر کی بیگم ہو کر اپنے ایک غلام کے دام محبت میں اسیر ہے بلکہ یوسف کا اس کی خواہشات کو ٹھکرا دینا اور اس کی منت سماجت کے باوجود اس کی طرف نگاہ التفات نہ کرنا اس داستان کی شہرت کا باعث بنا۔ جب کسی قوم میں غیرت و حمیت کے جذبات فنا ہو جاتے ہیں اور شرم و حیا کے تقاضے پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں تو وہاں یہ چیزیں تہذیب و شائستگی کی علامت سمجھی جاتی ہیں اور اس قسم کے اذکار پر شرمانے کے بجائے فخر کیا جاتا ہے۔
۱۰ یہاں زلیخا حضرت یوسف کی پاکدامنی کا ذکر آپ کی سیرت کی بلندی کو ظاہر کرنے کے لیے نہیں کر رہی بلکہ یوسف پر یہ الزام لگانے کے لیے اپنی سہیلیوں کو بتا رہی ہے کہ اس شخص نے غضب ہی کر دیا ہے میرے حسن و شباب کی توہین کی ہے اور میرے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ میں نے اب تک اس کی مجرمانہ بے وفائی کو برداشت کیا۔ لیکن اب میں اس سے زیادہ اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر اس نے حسب سابق میرا مطالبہ نہ مانا تو میں اسے ذلیل و رسوا کر کے جیل بھجوا دوں گی۔

الصّٰغِرِيْنَ ۝٣٢ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ

بے آبرو ہیں۔ یوسف نے عرض کی اے میرے پروردگار! قید خانہ (کی صعوبتیں) مجھے زیادہ پسند ہیں ٦٠ اس (گناہ) سے جس

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝٣٣

کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو (اپنی عنایت سے) نہ دور کرے مجھ سے ان کے مکر کو تو میں مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور ہو جاؤں گا نادانوں سے ٦١

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

پس قبول فرمالی اس کی دعا اس کے رب نے ٦٢ اور دور کر دیا اس سے ان عورتوں کے مکر و فریب کو۔ بیشک ٦٣ وہی (اپنے بندوں کی فریادیں) سننے والا

الْعَلِيْمُ ۝٣٤ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى

اور (ان کے حالات) خوب جاننے والا ہے۔ پھر مناسب معلوم ہوا انھیں باوجود یکہ (یوسف کی پاکبازی کی) نشانیاں دیکھ چکے تھے کہ

٦٠ جب آپ نے زلیخا کی یہ دھمکی سنی اور ان عورتوں نے بھی انھیں سمجھایا کہ یوسف نادان نہ بنو اپنی جوانی اور حسن پر رحم کرو تم کتنے خوش قسمت ہو کہ مصر کی ایک امیر ترین اور حسین ترین عورت تجھے دل سے چاہتی ہے تم کیوں بضد ہو تم درخواست کو ضرور قبول کرو ہم تجھے ازراہ خیر خواہی یہ مشورہ دے رہی ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے سمجھا کہ مجھے ہر طرف سے گھیرا جا رہا ہے آپ نے اس وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی اے میرے مالک! بیشک مجھے یہاں ہر آرام ہے اور ہر شخص میرا دل سے احترام کرتا ہے لیکن اگر اس آرام اور احترام کی مجھے یہ قیمت ادا کرنا پڑے کہ میں تیری نافرمانی کروں تو اے کریم مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ قید و بند کی صعوبتیں اور سختیاں جو مجھے اس گناہ سے بچائیں وہ مجھے اس آرام و احترام سے بہت عزیز ہیں۔

٦١ حضرت یوسف اب تک متعدد سخت ترین آزمائشوں سے گزرے تھے اور انھوں نے کبھی اپنے دامن عفت پر داغ نہ آنے دیا تھا۔ زلیخا کے ابتدائی فریبوں میں بھی نہ پھنسے اس کی خلوت گاہ میں اس کے حسن و شباب کے مست تقاضوں کو ٹھکراتے ہوئے باہر نکل آئے اس ضیافت میں جہاں مصر کا سارا حسن بن سنور کر اور بے نقاب ہو کر آگیا تھا وہاں بھی اس پیکر حسن و عفت کو پیش کیا گیا تو ان کی نگاہیں جھکی ہی رہیں اور ان کے شرم و حیا نے کسی کی طرف دیکھنا تک گوارا نہ کیا۔ ان تمام نازک مراحل سے کامیابی سے گزرنے اور شیطان کے ہر دام فریب کو تار تار کر دینے کے باوجود آپ کے دل میں اپنے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوئی اور کبھی اس کو اپنا کمال تصور نہ کیا بلکہ اپنے رب کے سامنے اپنی بے بسی اور ناتوانی کا برملا اعتراف کرتے رہے اور اس کی اعانت اور توفیق کی بھیک ہی مانگتے رہے۔ یہاں بھی یہی التجا کر رہے ہیں۔ کہ اے میرے خداوند ذوالجلال اگر تو مجھے ان کے مکر و فریب سے نہ بچائے اور میری دستگیری نہ کرے تو میں اکیلا کبھی ان کی عیاریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا میرے قدم تو پھسل جائیں گے اور مجھ سے ایسا قصور سرزد ہو جائے گا کہ میرا شمار پھر صادقین اور مخلصین میں نہ ہوگا بلکہ جاہلوں میں ہونے لگے گا۔

٦٢ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندے یوسف کی عاجزانہ التجا کو شرف قبول بخشا اور ہر مرحلہ پر وہ ثبات اور پختگی عطا فرمائی کہ حسن عریاں کی

حِيْنٍ ﴿٣٥﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ

وہ اسے قید کر دیں کچھ عرصہ تک ٦٣ ٦٤ ۔ اور داخل ہوئے آپ کے ساتھ ہی قید خانہ میں دو نوجوان ان میں سے ایک نے ذکر کیا کہ میں نے

اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا

(خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں ۔ اور دوسرے نے کہا میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اٹھائے ہوئے ہوں اپنے سر پر

تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٦﴾

کچھ روٹیاں جن سے کھا رہے ہیں پرندے اس سے ۔ آپ بتا دیجئے ہمیں اس کی تعبیر بیشک ہم دیکھ رہے ہیں آپ کو نیکوکاروں سے ۔ ٦٥

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ

آپ نے فرمایا نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا جو تمہیں کھلایا جاتا ہے مگر میں تمہیں بتا دوں گا اس کی تعبیر اس سے پیشتر کہ کھانا تمہارے پاس

کوئی یورش آپ کو متزلزل نہ کر سکی۔

٦٣ ۔ اس ضیافت کے بعد حسن یوسف کے چرچے گھر گھر ہونے لگے۔ نہ صرف زلیخا بلکہ سارے متمول گھرانوں کی رنگین ادائیں آپ کی محبت کا دم بھرنے لگیں تو حکومت کے ارباب بست و کشاد نے بالآخر اس بے گناہ یوسف کو قید کرنے میں ہی مصلحت سمجھی من بعد ما رأوا کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ یوسف کو قطعاً بے گناہ سمجھتے تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ ان گناہگار نگاہوں کو سرزنش کرتے اور انھیں معتوب گردانتے انھوں نے حضرت یوسف کو ہی قید کرنا آسان سمجھا اور ایک روایت میں ہے کہ زلیخا نے اپنے شوہر سے شکایت کی کہ اس کنعانی غلام نے مجھے بہت رسوا کر دیا۔ جہاں جاتا ہے میرے متعلق توہین آمیز باتیں بتاتا ہے۔ اگر تمہیں اپنی عزت و ناموس کا کچھ پاس ہے تو اسے قید کر دو۔ اس نے جانتے ہوئے کہ یوسف بے گناہ ہے اور سارا قصور اس کی بیوی کا ہے اس نے اپنی مجرم اور خائن بیوی کی پاسداری کے لیے ایک بے گناہ اور معصوم کو جیل میں بھیجنا گوارا کر لیا۔

٦٤ ۔ لغت میں حین وقت کے ایک غیر معین عرصہ کو کہتے ہیں اس کا اطلاق مختصر اور طویل عرصہ پر یکساں ہوتا ہے۔ اگرچہ اس مدت کو متعین کرنے کے لیے کئی اقوال موجود ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ اسے مقرر نہ کیا جائے۔ فالصحیح ان ھذہ المقادیر غیر معلومة وانما القدر المعلوم انه بقی محبوسا مدة طویلة۔

٦٥ ۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں شاہ مصر اپنے دو ملازموں سے ناراض ہو گیا اور انھیں جیل بھجوا دیا۔ ان میں سے ایک اس کے مطبخ کا ناظم تھا۔ اور دوسرا اس کی محفل عیش و طرب کا نگران اعلیٰ تھا۔ ان دونوں پر یہ الزام عاید کیا گیا کہ انھوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی ہے۔ وہ اپنی قید کاٹ رہے تھے کہ ایک رات دونوں نے خواب دیکھا۔ وہ بڑے پریشان تھے کہ اس خواب کی تعبیر کس سے پوچھیں۔ حضرت یوسف بھی عرصے

يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

آئے۔ تمہ یہ ان علموں میں سے ہے جو سکھایا ہے مجھے میرے رب نے۔ میں نے چھوڑ دیا ہے دین اس قوم کا

لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

جو نہیں ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر نیز وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔ اور میں تو پیرو بن گیا اپنے

آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ

باپ دادا ابراہیم اسحاق اور یعقوب کے دین کا تہ نہیں روا ہمارے لیے کہ ہم شریک ٹھہرائیں

اسی زنداں میں اسیر تھے۔ اور اپنے اخلاق عالیہ، نیک نفسی اور عالی ظرفی کے باعث تمام قیدیوں کی نظروں میں بڑے محبوب اور محترم تھے۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ ہر غمزدہ کی دلداری کرتے۔ ہر مریض کی عیادت کے لیے تشریف لیجاتے۔ اگر کوئی زخمی ہوتا تو اس کی مرہم پٹی کرتے۔ ساری رات اپنے رب کے حضور میں دست بستہ کھڑے رہتے اور اتنا روتے کہ جیل خانہ کے در و دیوار بھی آہ و فغاں کرتے ہوئے معلوم ہوتے (قرطبی اور کبیر)۔ چنانچہ اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بھی بتا دیا کہ ہم اس لیے آپ کے پاس آئے ہیں کہ ہم آپ کو محسن سمجھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت یوسف جیل میں بھی ایسی پاکیزہ زندگی بسر کر رہے تھے کہ آپ کے پاس رہنے والے قیدی آپ کو محسن کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

٦٦ آپ نے فرمایا اس سے پیشتر کہ تمہارا کھانا آئے میں تمہیں تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔ اب یہاں سے آپ کی پیغمبرانہ شان کا ظہور شروع ہوتا ہے۔ فرمایا خوابوں کی جو تعبیر میں بتایا کرتا ہوں یہ ظن و تخمین اور کہانت و قیافہ شناسی کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ وہ علم ہے جو میرے رب نے مجھے تعلیم کیا ہے۔

٦٧ یہاں سے آپ کے اس عظیم و مدلل خطبہ کا آغاز ہو رہا ہے جو آپ نے توحید کے موضوع پر مصر کے مشرکانہ ماحول میں سب سے پہلے دیا۔ اس خطبہ کی ابتدا اور اس کے بعد توحید کی صداقت کے دلائل، پھر انہیں شرک کو ترک کر کے توحید قبول کرنے کی ترغیب اور آخر کار ذلک الدین القیم کا اعلان کتنا دل افروز، بصیرت افروز اور موثر ہے۔ ان کے جذبات عقیدت کو ٹھیس لگائے بغیر کس طرح اپنے مدعا کو پر اثر اور دلکش انداز میں بیان فرمایا۔ کہ خود ہی اس عقیدہ سے دست بردار ہونے کے لیے بیتاب ہو گئے۔ جب تک کسی داعی حق میں یہ حکیمانہ فراست اور یہ عالی حوصلگی نہ ہو وہ اپنی دعوت کے لیے کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ حق کو کسی پر زبردستی ٹھونسنا حق کی توہین کرنا ہے۔ اسے یوں پیش کرنا چاہیے کہ ذہن و قلب اسے قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں اور وہ انسان کی روح میں سرایت کر جائے۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ دعوت میں تدریج کی عمدہ مثال ہے۔ اب آپ مختلف آیات کا سلسلہ وار مطالعہ فرماتے جائیے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم مشرک ہو تم بتوں کی پوجا کرتے ہو بلکہ اپنا عقیدہ بیان فرمایا کہ میں اس ملت سے بیزار ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں لاتی اور روز قیامت کی منکر ہے۔

٦٨ پھر انہیں بتایا کہ میرا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جسے پہلی دفعہ میں ہی اختیار کیے ہوئے ہوں بلکہ میرے جلیل القدر آبا و اجداد جن کے

بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَى النَّاسِ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو۔ یہ (توحید پر ایمان) تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے ہم پر اور لوگوں پر ۳۸

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۳۸ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ

لیکن بہت سے لوگ اس احسان پر شکر ہی بجا نہیں لاتے۔ اے قید خانہ کے میرے دو رفیقو! (یہ تو بتاؤ) کیا

مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ ۳۹ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ

بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے ۳۹ تم نہیں پوجتے ۴۰ اس کے

نام سے نیا واقف ہے۔ ان کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ آپ حیران ہونگے کہ آج تک یوسف علیہ السلام کو مختلف مشکلات سے واسطہ پڑا لیکن انھوں نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ میں کس خاندان کا چشم و چراغ ہوں۔ سب سے پہلے ہم یہاں دیکھ رہے ہیں کہ آپ نے اپنے بزرگوں کا نام ذکر کیا ہے۔ فرمایا میں بھی توحید کا قائل ہوں اور میرے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم یعقوب اسحاق بھی اسی عقیدۂ توحید کے پرستار تھے۔

۳۸ اللہ تعالیٰ کی توحید کی معرفت اس کا بہت بڑا احسان ہے اس نے اپنی معرفت توحید کے لیے ان گنت دلائل قائم فرما دیئے ہیں لیکن اکثر لوگ ان کی طرف توجہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور اس شرف معرفت سے محروم رہتے ہیں۔ اور عقل و فہم کی خداداد صلاحیتوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ہیں۔

۳۹ آپ کی اس تقریر کا مقصد تو ان دو ساتھیوں کے دلوں کو نور ایمان سے منور کرنا ہے۔ ذرا اس حکیمانہ انداز دعوت کو ملاحظہ فرمایئے کس طرح قدم بقدم ان کو منزل ہدایت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ فرمایا میرا مسلک تو وہ ہے جو میں نے تم سے بیان کر دیا اور وہ صرف میرا ہی مسلک نہیں بلکہ جلیل القدر ہستیاں جن کے نام سے تم خوب واقف ہو ان کا بھی یہی مسلک تھا۔ اس کے بعد یہ نہیں فرماتے کہ تم بھی میرا وہی اختیار کرو بلکہ ان سے ایک سوال پوچھتے ہیں کہ تم ہی بتاؤ کہ بہت سے خداؤں کی بندگی بہتر ہے یا ایک اللہ کی جو ہر چیز پر غالب اور ہر چیز پر قادر ہے جو بارش بھی برساتا ہے، رزق بھی دیتا ہے۔ بچے بھی عطا کرتا ہے شفا بھی بخشتا ہے۔ کیا یہ بہتر ہے کہ ایسے خدا کی بندگی کا اعتراف کر لیا جائے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے یا ایسے متعدد خداؤں کو مانا جائے جو تمہارے عقیدہ کے مطابق بھی صرف محدود اختیار کے مالک ہیں۔ کوئی صرف بارش برسا سکتا ہے لیکن اولاد کا دینا اس کے بس کی بات نہیں۔ کوئی دولت تو بخش سکتا ہے لیکن کسی بیمار کو صحت دینا اس کے قبضۂ قدرت میں نہیں تم ہی بتاؤ کہ در در کی ٹھوکریں کھانے سے تو ایک قادر قیوم کا ہو رہنا ہی ہزار سعادت ہے، دوسرا اتنے خداؤں کو راضی رکھنا بھی کوئی آسان بات نہیں ممکن ہے کہ دولت کی دیوی کی پوجا کرتے کرتے تم کوئی ایسی حرکت کر بیٹھو کہ زندگی کا دیوتا برہم ہو جائے۔ یہ تو برسا لیکن اسی لمحہ دوسرے نے غضبناک ہو کر زندگی کا دیا بجھا دیا۔ کیا عقل سلیم اس قسم کے خرافات قبول کر سکتی ہے۔

۴۰ پہلے ان کے اعتقاد کے مطابق خدائے واحد کی بندگی کی معقولیت کو واضح کیا۔ اب صاف صاف انھیں بتا دیا کہ یہ مختلف قسم کے دیوی دیوتا

دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ

علاوہ مگر چند ناموں کو جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے۔ نہیں اتاری

اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کوئی دلیل۔ نہیں ہے حکم (کا اختیار) کسی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو

اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

بجز اس کے [38] یہی دین قیم ہے [39] لیکن بہت سے لوگ (اس حقیقت کو)

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ

نہیں جانتے [40] اے قید خانہ کے میرے دو ساتھیو! (اب خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک (یعنی پہلا) تو پلایا کرے گا

خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ

اپنے مالک کو شراب۔ لیکن دوسرا سولی دیا جائے گا اور (نوچ) کھائیں گے پرندے اس کے سر سے۔

قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ﴿۴۱﴾ ؕ وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ

(ازل) فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کے متعلق تم دریافت کرتے ہو [41] اور کہا (یوسف علیہ السلام) نے اسے جس کے بارے میں آپ کو

جو تم نے بنا رکھے ہیں اور ان کو مختلف قسم کے اختیارات تفویض کر رکھے ہیں۔ یہ سب تمہاری خود ساختہ باتیں ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

[38] کائنات کی ہر چیز اللہ وحدہٗ لاشریک کے زیر نگین ہے۔ بلندیوں اور پستیوں میں اسی کا حکم نافذ ہے۔ اسی واحد قہار کا یہ حکم ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے اور اسی کو معبود برحق اور مالک حقیقی تسلیم کیا جائے۔

[39] یعنی وہ دین جس کی صداقت و حقانیت روشن دلائل سے ثابت ہے۔ ای ثابت الذی دلت علیہ البراھین۔

[40] لیکن اکثر لوگ اپنے رب کی دی ہوئی غور و فکر کی صلاحیتوں سے کام ہی نہیں لیتے۔ دین حق سے ان کی محرومی ان کی ناشکری کا نتیجہ ہے۔ یہ ہے حضرت یوسف صدیق کا پہلا خطبہ جو آپ نے زندان مصر میں ارشاد فرمایا۔

[41] اپنے فریضہ نبوت کو ادا کرنے کے بعد ان کو خوابوں کی تعبیروں سے آگاہ کیا اور ایسا ہی ہوا جیسا آپ نے فرمایا تھا۔

نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ

یقین تھا کہ وہ نجات پا جائیگا ان دونوں سے کہ میرا تذکرہ کرنا اپنے آقا کے پاس۔ لیکن فراموش کرا دیا اسے شیطان نے کہ وہ ذکر کرے

فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْۤ اَرٰى سَبْعَ

اپنے بادشاہ کے پاس۔ پس آپ ٹھیرے رہے قید خانہ میں کئی سال۔ اور (کچھ عرصہ بعد ایک دن) بادشاہ نے کہا میں (خواب میں)

بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ

دیکھتا ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی کھا رہی ہیں انھیں سات دُبلی گائیں اور سات سبز خوشے ہیں اور

وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ

دوسرے سات خشک سوکھے ہوئے۔ اے درباریو! بتاؤ مجھے میرے خواب کی تعبیر اگر تم خوابوں کی

لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿٤٣﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ

تعبیر بتایا کرتے ہو۔ درباریوں نے کہا (اے بادشاہ) یہ خواب پریشان ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر

ظن کا فاعل اگر یوسف ہوں تو اس کا معنی یقین کرنا ہے کیونکہ آپ کو اس تعبیر کے وقوع میں ذرا شک نہ تھا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا قُضِیَ الْاَمْرُ اس امر کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے نیز نبی کا علم ظنی نہیں یقینی ہوتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ظن کا فاعل وہ ساقی ہے اور ھو کی ضمیر الذی کی طرف راجع ہو۔

اگرچہ بعض علماء نے فانساہ کی ضمیر کا مرجع حضرت یوسف کو قرار دیا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ حضرت یوسف جن کے شب و روز ذکر الٰہی میں بسر ہوتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی یاد الٰہی کی تلقین کرنے میں مصروف رہتے تھے وہ اپنے رب کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ اس کا مرجع وہ ساقی ہے جس کو آپ نے رہا ہونے اور اپنے منصب پر دوبارہ فائز ہونے کی خوشخبری دی تھی۔ حضرت امام رازی کا خیال ہے کہ آپ کا اپنی رہائی کے لیے کسی کو ذریعہ بنانا بھی آپ کی شان رفیع کے شایاں نہ تھا حسنات الابرار سیئات المقربین کے مطابق غیر کی طرف یہی التفات نسیان الٰہی شمار ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت یوسف کو جیل سے رہائی دلانا چاہی تو اس کے لیے ظاہری اسباب پیدا کر دیئے۔ ایک رات بادشاہ مصر کو یہ خواب آیا جو آیات میں مذکور ہے۔ اس نے مشہور کاہنوں، نامور نجومیوں اور زیرک لوگوں کو جمع کیا اور ان سے اپنا خواب بیان کرنے کے بعد اس کی تعبیر دریافت کی۔ وہ کہنے لگے کہ خوابوں کی تعبیر بیان کرنے کے فن میں بلاشبہ ہم مہارت رکھتے ہیں لیکن جو کچھ آپ نے دیکھا ہے

بِالْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ

جاننے والے نہیں۔ اور (اس وقت) بولا وہ شخص جو بچ گیا تھا ان دو (قیدیوں) سے اور (اب) اسے یوسف

اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ

کی یاد آئی ایک عرصہ بعد[۹۸] میں بتاتا ہوں تمہیں اس خواب کی تعبیر۔ مجھے (قیدخانہ تک) جانے دیجئے۔ اے یوسف! اے صدیق!

اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ

بتائیے ہمیں (اس خواب کی تعبیر) کہ سات موٹی تازہ گائیں ہیں۔ کھا رہی ہیں انہیں سات لاغر گائیں اور سات

سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ

خوشے ہیں سرسبز اور دوسرے (سات خوشے) خشک تاکہ میں (آپ کا جواب لیکر) واپس جاؤں لوگوں کی طرف

لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا

شاید وہ (آپ کے علم و فضل کو) جان لیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کاشت کرو گے سات سال تک حسب دستور۔ تو جو

حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ

تم کاٹو گے اسے رہنے دو خوشوں میں مگر تھوڑا سا (ضرورت) کے لیے نکال لو) جسے تم کھا لو۔ پھر

وہ خواب نہیں بلکہ افکار پریشاں ہیں۔ ان کی تعبیر ہم نہیں بتا سکتے بلکہ یہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کی تعبیر دریافت کرنے کے لیے فکر کیا جائے۔

اضغاث: ج ضغثٌ قبضۃ ریحان او حشیش او قضبان پھولوں کا گلدستہ یا گھاس اور لکڑیوں کا گٹھا۔

احلام ان افکار پریشاں کو کہتے ہیں جو انسان نیند کی حالت میں دیکھتا ہے جن کی حقیقت کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ شبہ الاحلام المختلطۃ التی لا یتبین حقائقها قالوا اضغاث احلام حزم اخلاط من الاحلام۔ (المفردات)

۹۸ اب اس ساقی کو عرصہ دراز کے بعد حضرت یوسف کا خیال آیا اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ میں ایک ایسے آدمی کو جانتا ہوں جو ایسے مشکل خوابوں کی تعبیر بتا سکتا ہے اگر اس خانہ زاد کو اجازت ہو تو اس سے خواب کی تعبیر دریافت کرے چنانچہ وہ حضرت یوسف کے پاس آیا اور بادشاہ کا خواب ذکر کیا اس نے یہ بھی ضرور بتایا ہوگا کہ بادشاہ اس سے بڑا پریشان ہے اس نے اپنے دربار کے ماہر کاہنوں، نجومیوں اور معبروں کو بلا کر اس کی تعبیر پوچھی لیکن کوئی بھی اس کی تعبیر بیان نہ کر سکا۔ یہاں عجز شان یوسفی پوری آب و تاب سے نمایاں ہوتی ہے۔ آپ نے

يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ

آئیں گے اس (خوشحالی) کے بعد سات (سال) بہت سخت کھا جائیں گے جو ذخیرہ تم نے پہلے جمع کر رکھا ہوگا۔

لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ

ان کے لیے مگر تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لوگے۔ پھر آئے گا اس عرصہ کے بعد ایک سال

عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ

جس میں مینہ برسایا جائے گا لوگوں کے لیے اور اس سال وہ (پھلوں کا) رس نکالیں گے۔ (تعبیر سنتے ہی) بادشاہ نے کہا

ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ

(فوراً) لے آؤ انھیں میرے پاس پس جب (فرمان شاہی لیکر) انکے پاس قاصد آیا (تو) آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اپنے بادشاہ کے

فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ

پاس اور اس سے پوچھو کہ حقیقت حال کیا تھی ان عورتوں کی جنھوں نے کاٹ ڈالے تھے اپنے ہاتھ بے شک میرا

رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ

پروردگار تو ان کے مکر (و فریب) سے خوب آگاہ ہے۔ بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا کیا معاملہ ہوا تھا جب تم نے یوسف کو بہلایا

اس شخص کو ملامت تو کجا اس سے اس کی طویل فراموشی کا ذکر تک بھی نہ کیا۔ اور اس خواب کی تعبیر کے لیے یہ شرط بھی پیش نہیں کی کہ مجھے پہلے رہا کرو تو میں اس کی تعبیر بتاؤں گا۔ بلکہ خواب سن کر اس کی تعبیر بھی بتادی۔ نہ صرف تعبیر بلکہ اس مشکل کا حکیمانہ حل بھی پیش کر دیا۔

بادشاہ نے آپ کی بتائی ہوئی تعبیر اور آپ کی حکیمانہ تجویز سنی تو فوراً حکم دیا کہ ایسے دانا کو قید میں رکھنا بڑا ظلم ہے ابھی اسے رہا کر کے میرے پاس لے آؤ۔

فلما جاءه الخ تقریباً نو سال کا عرصہ قید و بند کی تکلیفیں جھیلتے گزر گیا تھا اور وہ بھی بغیر قصور کے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جب آپ کو رہائی کا مژدہ سنایا گیا تو خوشی سے پھولے نہ سماتے اور اسی وقت جیل سے باہر تشریف لاتے لیکن آپ کی بلند ہمتی اور عالی ظرفی نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ آپ مشکوک حالت میں باہر آئیں۔ قاصد کو فرمایا میں اس وقت تک جیل سے نکلنے کے لیے تیار نہیں ہوں جب تک اس الزام کی تحقیق نہ کر لی جائے جو مجھ پر عاید کیا گیا تھا۔ ایسی اولوالعزمی صرف بندگان خدا کو ہی زیب دیتی ہے۔

بادشاہ نے ان خواتین کو بلایا اور ان سے حقیقت حال دریافت کی۔ سب نے اور سب سے بڑھ کر زلیخا نے جو یوسف کو ملزم گرداننے میں پیش پیش تھی

عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ

تھا اپنی مطلب براری کیلیے۔ (یک زبان) بولیں حاشا للہ! نہیں معلوم ہوئی ہمیں تو اس میں ذرا برائی۔

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ

عزیز کی بیوی (گویا اب ضبط نہ رہا) کہنے لگی اب تو آشکارا ہو گیا حق۔ میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا

عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ

تھا اپنی مطلب براری کیلیے بخدا وہ تو سچا ہے۔ (یوسف نے کہا) یہ میں نے اس لیے کہا تھا تاکہ عزیز جان لے

لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ﴿۵۲﴾

کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی ۸۳؎ اور یقیناً اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغابازوں کی فریب کاری کو۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ اِلَّا مَا رَحِمَ

اور میں اپنے نفس کی برأت (کا دعویٰ) نہیں کرتا۔ بیشک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا مگر وہی (بچتا ہے) جس پر پیار

رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ

رحم فرمائے۔ یقیناً میرا رب غفور رحیم ہے ۸۴؎ اور بادشاہ نے حکم دیا کہ لے آؤ اسے میرے پاس۔ میں چن لونگا اسے

اور جس کی انگیخت سے انہیں قید کیا گیا تھا اس نے واشگاف الفاظ میں آپ کی برأت اور پاکدامنی کا اعتراف کیا کہ شک شبہ کا ادنیٰ سا احتمال بھی باقی نہ رہا۔

۸۳؎ آپ نے فرمایا میں نے اس لیے اس الزام کی تحقیق کرانا ضروری سمجھا کہ عزیز مصر کو پوری طرح اطمینان ہو جائے کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں میں نے کسی خیانت کا ارتکاب نہیں کیا اور اس کی بیوی نے جو ناپاک الزام لگایا تھا اس میں رائی برابر بھی صداقت نہ تھی۔ تورات میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے لیکن مقام رسالت کی جن رفعتوں کا پتہ قرآن حکیم کے بیان سے چلتا ہے ان کا وہاں نام ونشان تک نہیں۔ دیکھئے (کتاب پیدائش باب نمبر ۳۹-۴۰)

۸۴؎ پہلی آیت میں حضرت یوسف کے ان الفاظ میں لم اخنہ کہ میں نے خیانت نہیں کی اپنی پاکدامنی کا ادعا پایا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے تو اپنے کسی کمال کو اپنی طرف منسوب کرنا گوارا نہیں کرتے بلکہ ہر خوبی اور کمال کو اپنے خداوند ذوالجلال کا محض احسان یقین کرتے ہیں اس لیے "لم اخنہ" کے الفاظ زبان سے نکالنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس میں میری کوئی خوبی نہیں بلکہ یہ میرے رب کریم کا فضل و کرم ہے کہ اس نے میری دستگیری فرمائی اور میں زنان مصر کے دام تزویر میں پھنسنے سے بچ گیا اگر اس کی نگاہ کرم میری چارہ سازی نہ فرماتی اور مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیا جاتا تو

لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ

اپنی ذات کے لیے۔ پھر جب اس نے آپ سے گفتگو کی (اور مطمئن ہوگیا) تو کہا آپ آج سے ہمارے ہاں بڑے محترم (اور) قابلِ اعتماد (وزیر) ہیں

اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ

۸۵ آپ نے فرمایا مجھے مقرر کر دے زمین کے خزانوں پر ۸۶ بیشک میں (ان کی) حفاظت کرنے والا (اور معاشی مسائل کا) ماہر ہوں۔ یوں ہم

میں کیونکر جذبات کو بے قابو کر دینے والے ان حالات میں ثابت قدم رہتا۔ نفس امارہ کی تو عادت ہے کہ وہ گناہ کے خار زاروں میں انسان کو اس بے رحمی سے گھسیٹتا ہے کہ قبائے شرافت تار تار ہو جاتی ہے۔ نفس سرکش کی شر انگیزیوں سے وہی بچ سکتا ہے جس پر میرا رب مہربانی فرمائے۔ اگر میں ان صبر آزما اور جاں گسل آزمائشوں سے کامیابی کے ساتھ گزر آیا ہوں تو سب سن لو کہ یہ میرا کمال نہیں بلکہ میرے رب کا کرم ہے۔ بیشک اس کا دامن مغفرت بڑا وسیع ہے اور اس کا بحر رحمت بے پایاں ہے۔

۸۵ بادشاہ تو اپنے خواب کی تعبیر سن کر ہی آپ کے علم و فہم کا معتقد ہو گیا تھا لیکن جب اس نے آپ کی عالی ظرفی کا مشاہدہ کیا اور دیکھا کہ جو زبانیں کل تک اس پر بہتان تراشنے میں تیز تھیں وہ آج سب اس کی پاکدامنی کے گیت گا رہی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خائن اور آپ کو راستباز، اپنے آپ کو جھوٹا اور آپ کو سچا کہہ رہی ہیں تو اس کے دل میں آپ کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی۔ خواب کی تعبیر سن کر اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ ائْتُونِي بِهٖ کہ انہیں فوراً میرے پاس لے آؤ لیکن آج آپ کی امانت، عصمت اور عالی ظرفی کو دیکھ کر بول اٹھا ائْتُونِي بِهٖ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ کہ فوراً جیل سے آزاد کر کے میرے پاس لے آؤ تاکہ میں اس کو اپنا معتمد علیہ بناؤں۔ جب آپ کو لایا گیا تو اس نے بڑی عزت و تکریم کی۔ اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اس کے بعد مصروف گفتگو ہوا یقیناً وہ گفتگو سیاسی حالات، ملکی مسائل اور آنے والے معاشی بحران کے متعلق ہوئی ہوگی جب اسے آپ کی دانائی اور معاملہ فہمی کے متعلق اطمینان ہو گیا تو اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ کے الفاظ سے آپ کو اپنے دربار کے معزز ترین امراء میں شامل کر لیا۔ کیا ایک مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی فاسق و فاجر حکمران یا ایک غیر مسلم حکومت میں کوئی عہدہ قبول کرے اس کے متعلق علماء اسلام نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ اگر اس کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ ظالم و کافر اسے آلہ کار ہی بنائے گا اور اس کی ساری قوتیں اس کے ظالمانہ اور کافرانہ عزائم کی تکمیل میں ہی صرف ہوں گی تو اس صورت میں اس کا کوئی عہدہ قبول کرنا ناجائز ہے۔ لیکن اگر اسے ظن غالب ہے کہ وہ عدل و انصاف قائم کرنے میں ممد ثابت ہوگا اور اس کی خدمات ملک کی معاشی خوشحالی اور سیاسی استحکام کے لیے مفید ثابت ہوں گی تو ایسے حالات میں اسے فاسق اور کافر افراد کی حکومتوں میں عہدہ قبول کرنے کی اجازت ہے۔ حضرت یوسف نے اس کافر بادشاہ کی مملکت میں وزارت مال اور وزارت خزانہ کا چارج اسی بنا پر لیا تھا کہ شاہ مصر نے آپ کو ہر قسم کے اختیارات تفویض کر دیئے تھے اور آپ آزادی سے اپنے فرائض انجام دینے کی قدرت رکھتے تھے۔ يتبوأ منها حيث يشاء يدل على انه صار في الملك بحيث لا يدفعه احد و لا ينازعه منازع بل صار مستقلا بكل ما شاء و اراد۔ (کبیر)

۸۶ آپ نے فرمایا کہ میں مالی امور میں بڑی مہارت رکھتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ دولت کو کس طرح مفید اور نفع بخش مقاصد کے لیے استعمال

مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۚ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ

نے تسلط (اور اقتدار) بخشا یوسف کو سرزمین مصر میں تاکہ رہے اس میں جہاں چاہے ہم سرفراز کرتے ہیں

بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾ وَلَأَجْرُ

اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر عمدہ کام کرنے والوں کا اور آخرت کا اجر

کیا جا سکتا ہے اور کس طرح ناجائز اور بے مقصد مصارف سے بچایا جا سکتا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تو مجھے مال و خزانہ کا وزیر مقرر کر دے انی حفیظ للخزائن بما لا یستحقہا علیم بوجوہ مصالحہا (مظہری) یعنی میں ناجائز اخراجات سے خزانے کی حفاظت کر سکتا ہوں اور مفید اور نفع بخش مقامات پر خرچ کرنے کے اصولوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا لا نستعمل علی عملنا من اراده۔ کہ اگر کسی عہدہ کی کوئی شخص خواہش رکھتا ہے تو ہم ایسے شخص کو وہ عہدہ نہیں سونپتے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ سے ارشاد فرمایا:-

یا عبدالرحمان لا تسئل الامارة فانك ان اعطیتها عن مسئلة وكلت الیها وان اعطیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها۔

اے عبدالرحمٰن کوئی عہدہ مت مانگو۔ کیونکہ اگر تمہاری طلب پر تمہیں کوئی عہدہ دیا جائے گا تو اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا تمہیں ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔ اور اگر طلب کے بغیر تمہیں کوئی عہدہ ملا تو اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لیے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد پہنچے گی۔ ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ کسی عہدہ کا خود مطالبہ کرنا درست نہیں تو پھر حضرت یوسف کا یہ فرمانا اجعلنی علی خزائن الارض کیونکر جائز ہوگا۔ اس کے متعلق علماء کرام نے وضاحت کی ہے کہ جب کوئی شخص یہ جانتا ہو کہ اس کے بغیر کوئی ایسا آدمی نہیں جو ان ملکی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر انجام دے سکے تو اس پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیش کرے اور اس ذمہ داری کو اٹھائے لیکن اس کے علاوہ اگر اور لوگ موجود ہوں تو اس وقت اسے کسی عہدہ کی خواہش کرنے کی اجازت نہیں۔ حضرت یوسف جانتے تھے کہ آنے والے حالات میں ان کے علاوہ کوئی بھی اس ذمہ داری کو اٹھانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس لیے آپ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔

إنّ یوسف انما طلب الولایة لانه علم انه لا احد یقوم مقامه فی العدل والاصلاح وتوصیل الفقراء الی حقوقهم فرأی ان ذلك فرضاً متعیناً علیه وكذا الحكم الیوم۔ (قرطبی)

۸۵ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کے سننے والوں کی توجہ اپنی شان کریمی اور بندہ نوازی کی طرف مبذول کرا رہا ہے کہ دیکھو کس طرح ہم نے یوسف کو سرفراز فرمایا۔ کہاں سے اٹھایا اور کہاں پہنچایا کنعان کے جنگل کے ایک غیر آباد کنوئیں کی تاریکی سے نکالا اور مصر جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک کے سارے خزانوں کا مالک بنا دیا ذروں کو اٹھانا اور ان کو رشک خورشید بنا دینا میرا ہی کام ہے۔

۸۶ ان کلمات طیبات سے ہر نیکوکار کی حوصلہ افزائی فرما دی کہ ہماری رحمت و عنایت کا دروازہ ہر اس شخص کے لیے اب بھی کھلا ہے

اَلْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَجَآءَ اِخْوَةُ

(اس سے) یقیناً بہتر ہے ان کے لیے جو ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیے رہے۔ اور (ایک روز) آنکلے برادرانِ

يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَمَّا

یوسف (علیہ السلام)[۵۸] اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے سو آپ نے تو انھیں پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ اور جب مہیا

جو یوسف کی طرح بے داغ سیرت کا مالک ہو جو دیانت و امانت کی بہترین خوبیوں سے متصف ہو جسے کوئی بیرونی انگیخت اپنی منزل سے غافل نہ کر سکے ہم کسی نیکوکار کے اعمال کو ضائع نہیں کرتے۔ ہر اس شخص کے لیے صلاءِ عام ہے جس میں اولوالعزمی کا جوہر ہے نیکی کی صلاحیتیں ہیں۔ مجھے راضی کرنے کے لیے ہر قسم کی تکلیفوں اور بدنامیوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے کہ وہ بے جھجک آگے چلا آئے اس کے برہنہ سر کو عزت و کرامت کے تاج سے ضرور سرفراز فرمایا جائے گا اور دنیا میں جاہ و جلال بخشنے کے علاوہ ہم قیامت کے دن بھی اسے اپنی ابدی رحمتوں سے مالا مال فرما دیں گے۔

۵۸ بادشاہِ مصر نے مملکت کا سارا نظم و نسق آپ کے سپرد کر دیا آپ نے خوشحالی کے سات سالوں میں زراعت کی طرف خاص توجہ مبذول کی۔ کاشتکاروں کو زیادہ سے زیادہ غلہ پیدا کرنے کی سہولتیں دیں۔ غیر آباد زمینوں کو آباد کیا گیا۔ پیداوار کی حفاظت کے لیے بھی خاص اہتمام کیا گیا۔ بڑے بڑے وسیع و عریض گودام تعمیر کیے گئے اور جو غلہ فوری ضرورت سے زائد ہوتا اسے خوشوں میں رہنے دیا گیا تاکہ کیڑے کوڑے سے محفوظ رہے۔ اس عرصہ میں نئے اور پرانے تمام گودام غلہ سے لبالب بھر گئے۔ آخر وہ وقت آیا جب کہ ہر طرف قحط اور خشک سالی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ مینہ برسنا بند ہو گیا۔ دریائے نیل کے پانی کی سطح بہت نیچی ہو گئی۔ سرسبز و شاداب علاقوں میں خاک اڑنے لگی۔ زرخیز زمینیں بنجر ہو گئیں۔ آپ کے حسنِ تدبیر سے جو غلہ محفوظ رکھا گیا تھا اب وہ لوگوں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ اس طرح مصر کے لوگ قحط کی ہلاکت آفرینیوں سے محفوظ رہے۔ اردگرد کا علاقہ بھی قحط زدہ علاقہ تھا۔ وہاں قحط کی تباہ کاریاں قیامت ڈھا رہی تھیں۔ مصر میں پبلک کے لیے حکومت کی طرف سے غلہ کی فراہمی کا چرچا عام تھا۔ ان لوگوں نے بھی غلہ حاصل کرنے کے لیے مصر کا رخ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے بیرونِ ملک سے آنے والوں کے لیے بھی غلہ مہیا کرنے کا انتظام کر رکھا تھا لیکن ان سے غلہ کی مناسب قیمت وصول کی جاتی تھی۔ اور ہر ایک کے لیے غلہ کی مخصوص مقدار سے زیادہ غلہ حاصل کرنا ممنوع تھا۔ ان ہنگامی حالات میں اگر یہ دونوں طریقے نہ اپنائے جاتے تو آپ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکتے۔ اگر حکومتِ مصر مفت غلہ بانٹتی تو خود مصر کی معاشی حالت بگڑ جاتی اور اگر راشن بندی کا طریقہ جاری نہ کیا جاتا تو کتنے ہی ذخائر کیوں نہ ہوتے چند دنوں میں ختم ہو جاتے۔ اسی حسنِ انتظام اور حقیقت شناسی کے باعث حضرت یوسف علیہ السلام سات سالہ قحط کے طویل عرصہ میں ملکی معیشت کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کی ضروریات کی کفالت بھی کرتے رہے۔ علماءِ اسلام نے آپ کے اسی طریقہ کار سے حکومتِ وقت کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ ہنگامی حالات میں راشن سسٹم جاری کرے۔ چنانچہ علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں وفیما قص اللہ تعالیٰ علینا من قصۃ یوسف وحفظہ للاطعمۃ

جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا

کردیا ان کے لیے ان (کی رسد خوراک) کا سامان تو فرمایا دوبارہ آؤ تو لے آنا میرے پاس اپنے پدری بھائی کو کیا تم نہیں دیکھتے

تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي

کہ میں کس طرح پیمانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور میں کتنا بہتر مہمان نواز ہوں۔ اور اگر تم اسے نہ لے آئے میرے پاس

بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ

تو (سن لو) کوئی پیمانہ تمھارے لیے میرے پاس نہیں ہوگا اور نہ تم میرے قریب آسکو گے۔ وہ بولے ہم ضرور مطالبہ کریں گے اس کے بھیجنے

أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿٦١﴾ وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي

کے متعلق اس کے باپ سے اور ہم ضرور ایسا کریں گے اور آپ نے فرمایا اپنے غلاموں کو کہ (چپکے سے) رکھ دو ان کا سامان (جس کے عوض انھوں نے غلہ خریدا)

فی سنی الجدب وقسمتہ علی الناس بقدر الحاجۃ دلالۃ علی ان الائمۃ فی کل عصر ان یفعلوا مثل ذالک اذا خافوا ھلاک الناس من القحط (احکام القرآن)

کنعان کا علاقہ بھی اس قحط کی زد میں تھا۔ اور لوگوں کی طرح حضرت یعقوب کے فرزندوں نے بھی بار برداری کے مویشی لیے اور مصر کا رخ کیا۔ کیونکہ غلہ کی تقسیم کا سب کام حضرت یوسف کی ذاتی نگرانی میں ہو رہا تھا اس لیے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مجبوریوں کا اظہار کر کے غلہ کے لیے درخواست کی حضرت یوسف سے اُن کی ملاقات اگرچہ عرصہ دراز کے بعد ہوئی تھی لیکن آپ نے دیکھتے ہی اپنے بھائیوں کو پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے اور بے چارے پہچانتے بھی تو آخر کیونکر ان کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ شاہانہ لباس میں ملبوس زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا جس کے حکم کی تعمیل کے لیے سینکڑوں ہزاروں ملازم دست بستہ کھڑے ہیں یہ وہ ننھا یوسف ہے جس کو عرصہ ہوا انھوں نے ایک تاریک کنوئیں میں پھینکا تھا اور پھر صرف چند ٹکوں میں قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جذبات کو بے قابو نہ ہونے دیا۔ ایک اجنبی کی حیثیت سے ان کے گھر کے حالات دریافت کیے اور انھیں کی زبانی یہ بھی پتہ چل گیا کہ اُن کا ایک اور بھائی بھی ہے جسے وہ گھر چھوڑ آئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنا حصہ لینے کے بعد اپنے والد اور اپنے بھائی کے لیے بھی راشن کا مطالبہ کیا ہو اور حضرت یوسف کے دریافت کرنے پر بتایا ہو کہ ہمارے باپ بوڑھے ہیں اور اس بچے کو ہم ان کی خدمت کے لیے چھوڑ آئے ہیں۔ اس طرح ان کی زبان سے ہی بنیامین کا ذکر آگیا ہو۔ امام رازیؒ نے یہی بیان کیا ہے۔ آخر میں آپ نے انھیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دفعہ میں تمھارے چھوٹے بھائی کا راشن دے رہا ہوں لیکن آئندہ اُسے ہمراہ لانا ہوگا۔ دیکھو میں تم سے کتنی مہربانی اور فراخدلی سے پیش آرہا ہوں۔ آخر میں یہ دھمکی بھی دے دی کہ اگر اس کو نہ لائے تو پھر تمھیں بھی غلہ نہیں ملے گا۔

رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ

ان کی خورجیوں میں⁸⁹ تاکہ وہ اسے پہچان لیں جب وہ واپس جائیں اپنے گھر والوں کے پاس شاید وہ لوٹ کر آئیں

يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٢﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ

پھر جب واپس لوٹے اپنے باپ کے پاس تو عرض کرنے لگے اے ہمارے پدر بزرگوار! روک دیا گیا ہے ہم سے

فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ

غلہ سو (از راہ نوازش) بھیجیے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (ابن یامین) کو تاکہ ہم غلہ لاسکیں اور ہم یقیناً اس کی نگہبانی کریں گے⁹⁰ آپ نے (جواباً) فرمایا

اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ

کیا میں اعتماد کروں تم پر اس کے بارے میں بجز اس کے جیسے میں نے اعتماد کیا تھا تم پر اس کے بھائی کے بارے میں اس سے قبل پس

خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ

اللہ تعالیٰ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے⁹¹ اور وہ زیادہ مہربان ہے تمام مہربانی کرنے والوں سے۔ اور جب انھوں نے کھولا اپنا سامان⁹² تو

٨٩ جب اپنے بھائیوں کی زبانی آپ کو اپنے خاندان کی تکلیفوں کا علم ہوا تو آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے کنبہ والوں سے اس غلہ کی قیمت وصول کریں اس لیے آپ نے غلہ تولنے والوں کو کہا کہ ان کا روپیہ ان کی بوریوں میں اس طرح رکھ دو کہ انھیں پتہ نہ چلے۔

٩٠ جب اپنے وطن پہنچے تو عزیز مصر کی عنایات خسروانہ فیاضی محبت بھری گفتگو کا سارا تذکرہ حضرت یعقوب سے کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی گزارش کر دی کہ اس کریم النفس حاکم نے ہمیں بڑی تاکید کی ہے کہ آئندہ بنیامین کو اپنے ہمراہ لے آئیں۔ حضرت یعقوب کو یقین دلانے لگے کہ آپ ہرگز فکر نہ کریں ہم اس کی خوب دیکھ بھال کریں گے۔ اور اس کی حفاظت میں ذرا سستی نہ کریں گے۔

٩١ آپ نے فرمایا میں تمھیں خوب جانتا ہوں اور تمھارے وعدوں کی حقیقت بھی مجھے معلوم ہے۔ میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا میرا بھروسہ تو اپنے رب پر ہے۔ اور اسی کی حفاظت مجھے کافی ہے۔

٩٢ اس ابتدائی ملاقات سے فارغ ہوئے تو بوریوں کو کھولنے لگے تاکہ غلہ نکال کر حفاظت سے رکھیں۔ ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی ساری رقم ان کی بوریوں میں رکھ کر واپس کر دی گئی ہے۔ خوشی سے بے قابو ہو گئے دوڑتے ہوئے پھر حضرت یعقوب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انھیں بنیامین کو ان کے ہمراہ مصر بھیجنے پر آمادہ کرنے لگے۔

نمیر: مار اهله یمیر و میرا اذا حمل الیهم الطعام من بلد اخر یعنی دوسرے علاقے سے سامان خورد و نوش کو اپنے اہل و

وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَیْهِمْ ؕ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِیْ ؕ هٰذِهٖ

انھوں نے دیکھا کہ ان کا مال انھیں واپس لوٹا دیا گیا ہے (تو ترغیب دینے کے لیے) کہنے لگے اے ہمارے پدر (محترم) ہم اور کیا چاہتے ہیں یہ (دیکھیے)

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا ۚ وَ نَمِیْرُ اَهْلَنَا وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَیْلَ

ہمارا مال بھی لوٹا دیا گیا ہے ہماری طرف اور (اگر بن یامین ساتھ گیا تو) ہم رسد لائیں گے اپنے اہل خانہ کیلئے اور حفاظت کرینگے اپنے بھائی کی اور ہم زیادہ لیں گے

بَعِیْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ

ایک شتر کا بوجھ۔ یہ غلہ بہت تھوڑا ہے[۹۳] آپ نے کہا میں ہرگز نہیں بھیجوں گا اسے تمہارے ساتھ یہاں تک کہ دو تم میرے ساتھ

مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ

وعدہ جو پختہ کیا گیا ہو اللہ کی قسم سے[۹۴] کہ تم ضرور لے آؤ گے میرے پاس اسے مگر یہ کہ تمہیں بے بس کر دیا جائے[۹۵] پس جب وہ لے آئے

مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۶۶﴾ وَ قَالَ یٰبَنِیَّ

آپ کے پاس اپنا پختہ وعدہ[۹۶] تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو ہم گفتگو کر رہے ہیں اس پر نگران ہے اور آپ نے کہا اے میرے بچو!

لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ

(شہر میں) نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے بلکہ داخل ہونا مختلف دروازوں سے[۹۷]

عیال کے لیے لے آنا۔

[۹۳] آپ نے انکار فرما دیا کہ میں ایک بار شتر کے لیے اپنے بیٹے کو تمہارے ساتھ بھیجنے کو تیار نہیں ہوں۔ ہاں اگر تم پختہ قسم اٹھاؤ اور مجھے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یقین دلاؤ کہ تم اسے بحفاظت واپس لے آؤ گے تو پھر میں اس کو بھیج سکتا ہوں۔

[۹۵] مگر یہ کہ تم سب کو دشمن گھیر لیں اور تمہیں ہلاک کر دیں اِلَّاۤ اَنْ تَهْلِكُوْا جَمِیْعًا اور قتادہ نے کہا ہے اِلَّاۤ اَنْ تُغْلَبُوْا حَتّٰى لَا تُطِیْقُوْا ذٰلِكَ یعنی یہاں تک کہ تم کو بالکل مغلوب اور بے بس بنا دیا جائے۔

[۹۶] انھوں نے حضرت یعقوب کو مطمئن کرنے کے لیے بڑی قسمیں اٹھائیں۔ یہاں تک کہ اس طرح کی قسم اٹھائی کہ اس اللہ تعالیٰ کی قسم جو محمد مصطفیٰ کا رب ہے ہم اس کی حفاظت کریں گے (مظہری) تو آپ مجبور ہو گئے اور بن یامین کو بھیجنے پر آمادگی ظاہر کی۔

وَمَآ أُغْنِي عَنكُم مِّنَ ٱللَّهِ مِن شَيْءٍ ۖ إِنِ ٱلْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ

اور نہیں فائدہ پہنچا سکتا میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کے لیے۔ اسی پر

تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ

میں نے توکل کیا ہے اور اسی پر توکل کرنا چاہیے توکل کرنے والوں کو ۹۸ اور جب وہ (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح

أَمَرَهُمْ أَبُوهُم مَّا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم مِّنَ ٱللَّهِ مِن شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً

حکم دیا تھا انھیں اُن کے باپ نے۔ وہ نہیں فائدہ پہنچا سکتا تھا انھیں اللہ کی تقدیر سے کچھ بھی مگر یہ احتیاطی تدبیر ایک خیال تھا

فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَىٰهَا ۚ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَٰهُ وَلَٰكِنَّ

نفسِ یعقوب میں جسے انھوں نے پورا کیا اور بیشک وہ صاحبِ علم تھے بوجہ اسکے جو ہم نے سکھایا تھا انھیں لیکن

۹۹ جب غلّہ کا پہلا ذخیرہ ختم ہوگیا اور مزید غلّہ لانے کے لیے مصر جانے کی تیاریاں مکمل ہوگئیں تو حضرت یعقوب نے اپنے فرزندوں کو بلا کر یہ ارشاد فرمایا کہ جب شہر میں داخل ہونے لگو تو ایک جتھے کی صورت میں داخل نہ ہونا بلکہ دو دو تین تین ہو کر مختلف دروازوں میں سے داخل ہونا۔ آپ کے اس ارشاد کی کیا وجہ تھی؟ علماء کرام نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں یا تو آپ کو یہ خیال آیا کہ جب یہ گرانڈیل، تندرست و توانا، حسین و جمیل نوجوان ایک ساتھ شہر میں داخل ہوں تو ممکن ہے لوگ ان کے ساتھ حسد کریں اور بادشاہ کے پاس جا کر ان کی کوئی شکایت کردیں اور بادشاہ کہیں انھیں قید کر دے۔ امام رازی فرماتے ہیں واعلم ان هذا الوجه محتمل لا انكار فيه کہ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے لیکن اکثر علما کا خیال یہ ہے کہ آپ نے انھیں نظرِ بد سے بچانے کے لیے یہ حکم دیا تھا اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ نظر حق ہے۔ ایک روایت میں حضور سے مروی ہے ان العين لتدخل الرجل القبر والجمل القدر یعنی نظرِ بد انسان کو قبر میں اور اونٹ کو ہانڈی میں پہنچا دیتی ہے۔ نیز حضور ان کلماتِ طیبات سے حسنین کریمین کو دم فرمایا کرتے تھے أعوذ بكلمات الله التامة من كل شيطٰن وهامة ومن كل عين لامة۔ جس شخص کو اپنے متعلق یہ خیال ہو کہ اس کی نظر لگتی ہے تو اسے چاہیے کہ جب کسی چیز کو دیکھے اور وہ اسے پسند آئے تو کہے تبارك الله احسن الخالقين اللهم بارك فيه اور جس کو نظر کی وجہ سے تکلیف پہنچے تو جس کی نظر سے تکلیف ہوئی ہو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے۔

۱۰۰ امرِ مکروہ سے بچنے کی ایک تدبیر بتا دی لیکن ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں یہ تدبیریں اسی وقت تک کارگر ثابت ہو سکتی ہیں جب اذنِ الٰہی ہو۔ اسی کا فرمان نافذ ہے۔ اور ہم سب کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝٦٨ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ

اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے ۹۹ اور جب پہنچے یوسف کے پاس تو یوسف نے جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی کو (نیز)

أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝٦٩ فَلَمَّا

اُسے فرمایا میں تمہارا بھائی ہوں سو غمزدہ نہ ہو (ان حرکتوں پر) جو یہ کیا کرتے تھے ۱۰۰ پھر جب

جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ

فراہم کر دیا انھیں ان کا سامان (خوراک) تو رکھ دیا (اپنا) پیالہ اپنے بھائی کی خورجی میں پھر پکارا ایک

مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۝٧٠ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِم مَّاذَا

پکارنے والا اے قافلہ والو! بلاشبہ تم چور ہو انھوں نے (حیرت زدہ ہو کر) وہ بولے درآنحالیکہ وہ انکی طرف متوجہ تھے

۹۹ امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ کو اس لیے صاحب علم کہا گیا ہے کہ آپ کو اس بات کا یقین محکم تھا کہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہو سکتی۔ امام فرماتے ہیں کہ اگرچہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے اسباب کا مہیا کرنا ہر شخص پر فرض ہے لیکن اسے یہ یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی کوئی احتیاط اسے تقدیر کے فیصلے سے نہیں بچا سکتی۔ آپ فرماتے ہیں فاعلم ان الانسان مامور بان یراعی الاسباب المعتبرة فی هذا العالم وما مور ایضا بان یعتقد ویجزم بانه لا یصل الیه الا ما قدره الله تعالیٰ وان الحذر لا ینجی من القدر

نیز امام مذکور نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ کو علم تھا کہ مصر کا حکمران آپ کا لخت جگر یوسف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی اس راز کے افشا کرنے کی اجازت نہ تھی۔ انه علیه السلام کان عالما بان ملك مصر هو ولده یوسف الا ان الله تعالیٰ ما اذن له فی اظهاره (کبیر)

۱۰۰ حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو ساتھ لیکر روانہ ہوئے۔ جب مصر کے پایۂ تخت میں پہنچے تو حسب ہدایت مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوئے۔ آپ کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو بڑی عزت و تکریم سے خوش آمدید کہا۔ اور شاہی مہمان خانہ کے نگران کو حکم دیا کہ دو دو بھائیوں کو ایک ایک کمرہ میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا جائے۔ بنیامین کو اپنی تنہائی کا خیال آیا تو افسردہ ہو گئے۔ ان کو غمزدہ دیکھ کر حضرت یوسف نے انھیں بلایا اور اس افسردگی کی وجہ پوچھی تو آپ نے کہا مجھے آج اپنا بھائی یاد آرہا ہے۔ کاش وہ ہوتا تو میں بھی اس کے ساتھ ٹھہرایا جاتا۔ آپ نے بظاہر ان کی دلداری کے لیے ان کو اپنے پاس ٹھہرانے کا حکم دیا۔ تنہائی میں جب ملاقات ہوئی تو آپ نے اپنی حقیقت سے آگاہ کر دیا کہ بنیامین گھبراؤ نہیں جس بھائی کی یاد تمہیں ہر وقت غمگین رکھا کرتی تھی میں ہی تمہارا بھائی یوسف ہوں۔ دونوں بھائیوں نے چھوٹی بڑی ساری باتیں ایک دوسرے کو بتائی ہونگی۔ اس ضمن میں بھائیوں کی زیادتیوں کا تذکرہ بھی بنیامین نے کیا ہوگا۔ ان کی دلجوئی کے لیے آپ نے فرمایا۔

فلا تبتئس بما کانوا یعملون۔

تَفْقِدُونَ ﴿٧١﴾ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ

کونسی چیز تم نے گم کی ہے انھوں نے کہا ہم نے گم کیا ہے بادشاہ کا پیالہ اور وہ شخص جو ڈھونڈ لائیگا اسے بطور انعام ایک بار شتر (غلہ)

وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ

دیا جائیگا۔ اور میں ۹۹ اس کا ضامن ہوں۔ کہنے لگے خدا کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ ہم (یہاں) اس لیے نہیں آئے کہ فساد برپا کریں زمین میں

وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ﴿٧٤﴾ قَالُوا

اور نہ ہی ہم چوری پیشہ ہیں ۱۰۰ (ان) خدام (یوسف) نے کہا پھر اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ثابت ہو جاؤ۔ ۱۰۱ انھوں نے کہا کہ

۹۹ مدت دراز کے بعد بنیامین اپنے بچھڑے ہوئے بھائی سے ملے تھے۔ اور ایسے حالات میں جب کہ مصر ان کے زیر نگیں ہے اور مملکت کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں تو بچھڑنے کو دل نہ چاہا۔ اور کہا کہ میں تو ان ظالموں کے ساتھ واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا بنیامین میں تمھیں کس طرح روک سکتا ہوں ملک کا قانون اجازت نہیں دیتا کہ کسی اجنبی کو ملک جانے سے روک دیا جائے۔ اور اگر صاف صاف بات کی جائے تو قبل از وقت پردہ فاش ہوتا ہے اور اس کی ابھی اجازت نہیں۔ آخر یہ طے پایا کہ آپ کے سامان میں شاہی قیمتی پیالہ رکھ دیا جائے تمھاری روانگی کے بعد لازمی طور پر جب اہلکار اس پیالہ کو نہ پائیں گے تو تمھارے سامان کی تلاشی لیں گے اور پیالہ جب تمھارے سامان سے برآمد کر لیا جائیگا تو پھر تمھیں رکنے کی صورت نکل آئیگی۔ لیکن اس طرح تم پر چوری کا الزام لگے گا کیا تم اسکے لیے تیار ہو۔ انھوں نے بخوشی اجازت دیدی آپ نے خود یا کسی خادم خاص کے ذریعہ وہ پیالہ انکے سامان میں رکھ دیا۔ جب وہ روانہ ہو گئے اور غلہ کے گودام کے اہلکاروں نے وہ پیالہ مفقود پایا تو انھیں سخت فکر لاحق ہوئی سوچنے لگے ابھی تو پیالہ یہیں تھا اور ان کنعانیوں کے بغیر اور کوئی یہاں آیا بھی نہیں۔ انکے دل میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ ہو نہ ہو پیالہ وہی اڑا لے گئے ہیں۔ فوراً انکے تعاقب میں ایک افسر چند ملازمین کے ساتھ بھیجا گیا۔ جب وہ اس قافلہ کے نزدیک پہنچا تو اس نے بلند آواز سے کہا اے قافلہ والو ٹھیر جاؤ۔ تم ہمارے چور ہو۔

۱۰۰ وہ بیچارے اس الزام سے دہشت زدہ ہو گئے اور پیچھے مڑ کر پوچھنے لگے کیا چیز گم ہو گئی ہے انھوں نے بتایا کہ شاہی پیالہ نہیں مل رہا اور تمھارے بغیر اور وہاں کوئی آیا بھی نہیں یقیناً پیالہ تمھارے ہی پاس ہے اور تم میں سے جو پیالہ تلاش کرے گا اسے غلہ کا لدا ہوا ایک اونٹ بطور انعام دیا جائیگا۔

۱۰۱ وہ قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنی صفائی پیش کرنے لگے۔

۱۰۲ اہلکاروں کو اپنی جگہ پر یقین تھا کہ ان کے سوا کوئی اور چور نہیں ہے ادھر وہ قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنی برأت کر رہے تھے عام طور پر ایسے موقع پر یہی ہوتا ہے کہ ملزم سے ہی پوچھا جاتا ہے کہ تم جو اپنی صفائی پیش کرتے کرتے نہیں تھکتے تم خود ہی بتاؤ کہ اگر تم پر یہ الزام ثابت ہو جائے تو تمھیں کیا سزا دی جائے۔ یہی بات ان ملازمین شاہی نے بھی کی۔ انھیں برأت کا پختہ یقین تھا اس لیے انھوں نے کہہ دیا کہ اگر ہم میں سے کوئی چور ثابت ہو تو ہم اسے سخت سزا دیں گے جو ہماری شریعت میں ہے کہ چور کو ہم آپ کے سپرد کر دیں گے۔ وہ عمر بھر غلام رہے گا۔

جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی

اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں یہ پیالہ دستیاب ہو تو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے اسی طرح ہم سزا دیا کرتے ہیں

الظّٰلِمِیْنَ ۝۷۵ فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا

ظالموں کو۔ پس تلاشی یعنی شروع کی ان کے سامانوں کی یوسف کے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے ۵۵ آخرکار نکال

مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ

لیا وہ پیالہ اس کے بھائی کی خورجی سے۔ یوں تدبیر کی ہم نے ۵۶ یوسف کے لیے نہیں رکھ سکتے تھے یوسف اپنے بھائی کو

۵۵ اب ان کے سامان کی تلاشی شروع ہوئی۔ یہ قدرتی بات ہے کہ ابتدا سب بڑے کے سامان سے ہوئی ہوگی۔ اور آخر میں سب چھوٹے کی باری آئی ہوگی۔ سب کے سامان کھول کر تلاشی لی گئی لیکن پیالہ برآمد نہ ہوا۔ آخر میں بنیامین کا سامان کھولا گیا تو پیالہ مل گیا۔ ان کی تجویز کردہ سزا کے مطابق بنیامین کو پکڑ لیا گیا اور اسے حضرت یوسف کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ اس طرح حضرت یوسف اپنے راز کو افشا کیے بغیر اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

معتبر تفاسیر کے مطالعہ سے صورتِ حالات کو جس طرح میں سمجھا ہوں وہ میں نے پیشِ خدمت کر دی۔ اس کے بعد ان شبہات کا احتمال ہی باقی نہیں رہتا جو یہاں صورتِ حال کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کے باعث کیے جاتے ہیں۔

۵۶ یہاں دو امر تحقیق طلب ہیں (ایک) کِدْنَا کا معنی کیا ہے اور کیا اس کی نسبت ذاتِ خداوندی کی طرف جائز ہے۔ عام طور پر کید کا معنی حیلہ سازی اور فریب ہی کیا جاتا ہے لیکن لغت عرب میں اس کے علاوہ کئی دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے کسی کام کو کرنے۔ کوئی تدبیر سوچنے اور ارادہ کرنے کے معنی میں بھی اس کا استعمال عام ہے۔ چنانچہ علامہ ابو عبداللہ قرطبی لکھتے ہیں۔ قوله تعالیٰ كدنا معناه صنعنا عن ابن عباس، القتبي: دبرنا ابن الانباري: اردنا (قرطبی)

یعنی حضرت ابن عباس نے کِدْنَا کا معنی کیا ہے صنعنا یعنی ہم نے یوں کیا اور قتبی نے اس کا معنی دبّرنا کیا ہے کہ ہم نے یوں تدبیر کی۔ ابن الانباری نے اس کا معنی اردنا کیا ہے کہ ہم نے اس طرح ارادہ کیا اور بطور استشہاد کسی شاعر کا یہ شعر بھی ذکر کیا ہے۔

كادت وكدت وتلك خير ارادة ✻ لو عاد من عهد الصبا ما قد مضى۔

یعنی اس نے بھی ارادہ کیا اور میں نے بھی ارادہ کیا اور یہ ارادہ بڑا بابرکت تھا بشرطیکہ بچپن کا گزرا ہوا زمانہ لوٹ آئے یہاں کاد بمعنی اَرَادَ ہے اور اگر پہلا معنی ہی مراد ہو تو اسے اس کے انجام کے پیشِ نظر ذاتِ باری کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے جس طرح امام رازی نے لکھا ہے۔ فالكيد السعي في الحيلة والخديعة ونهايته القاء الانسان من حيث لا يشعر في امر مكروه ولا سبيل له الى دفعه فالكيد في حق الله محمول على هذا المعنى (کبیر)

دوسرا امر جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ ان واقعات میں سے کس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی تدبیر فرمایا ہے اس کے متعلق گزارش ہے کہ اگر ذرا

فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ وَ

بادشاہ مصر کے قانون میں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ ہم بلند کر دیتے ہیں درجے جن کے چاہتے ہیں ۸۱؎ اور

فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ

ہر صاحب علم سے برتر دوسرا صاحب علم ہوتا ہے۔ بھائی بولے اگر اس نے چوری کی ہے (تو کیا تعجب ہے) بیشک چوری کی تھی

لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ

اسکے بھائی نے بھی اس سے پہلے ۸۲؎ پس چھپا لیا اس بات کو یوسف نے اپنے جی میں اور نہ ظاہر کیا اسے ان پر۔ (دل میں) کہا تم بہت

اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ

بری جگہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم بیان کر رہے ہو۔ وہ کہنے لگے اے عزیز! اس کا باپ

غور کیا جائے تو حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا تھا کہ اس قافلہ کی روانگی کے بعد فوراً انکو پیالہ کی گمشدگی کا پتہ نہ چلتا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد انھیں معلوم ہوتا کہ پیالہ گم ہو چکا ہے اتنے میں وہ مصر کی سرحد عبور کر کے چلے جاتے یا پہلے اپنے میں سے کسی کو چوری سے متہم کرتے اور ان کی طرف ان کا خیال ہی نہ جاتا یا یہ نوبت ہی پیش نہ آتی کہ چور کی سزا کے متعلق ان سے ہی دریافت کیا جاتا اور اگر ان سے پوچھا بھی گیا تھا تو وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ جو بادشاہ کی مرضی ہو اس چور کو سزا دے۔ یہ سب ایسے احتمالات تھے جو اغلب الوقوع تھے اس لیے انکو پیالہ کی گمشدگی کا فوراً علم ہو جانا، پھر ذہن کا فوراً ان کی طرف منتقل ہونا پھر مجرم کی سزا کے متعلق ان سے پوچھنا اور پھر ان کا یہ سزا تجویز کرنا یہ سب تدبیر الٰہی اور ارادۂ ربانی کی کرشمہ سازی تھی۔ اور اگر ان واقعات میں سے ایک کڑی بھی گم ہو جاتی تو پھر بنیامین کو رکھنے کی کوئی وجہ جواز آپ کو نہ مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی تائید اگر تدبیر یوسفی کو حاصل نہ ہوتی تو حضرت یوسف کے لیے اپنے ملکی قانون کے مطابق بھائی کو روک لینا ممکن نہ تھا۔ علامہ بدر الدین الزرکشی نے البرھان فی علوم القرآن میں لفظ کاد کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا یعنی کاد بمعنی اراد ومنہ کذالک کدنا لیوسف۔ یعنی کاد ارادہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اس آیت میں مستعمل ہے (البرہان جلد ۴ صفحہ ۱۳۹)

۸۱؎ ایسی تدبیر جس میں کسی کی حق تلفی نہیں کسی پر بے جا الزام نہیں کوئی قانون شکنی نہیں فہم یوسفی میں ایسی تدبیر کے آجانے کو اللہ تعالیٰ رفع درجات سے تعبیر فرما رہے ہیں۔

۸۲؎ وہ اپنی برأت ثابت کرنے کیلیے کہنے لگے کہ اے عزیز! آپ ہمارے متعلق بدگمانی کو دل میں جگہ نہ دیں۔ یہ لڑکا جس نے یہ حرکت کی ہے یہ ہمارا سگا بھائی نہیں یہ دوسری ماں سے ہے اس کا ایک اور بھائی تھا وہ بھی چور تھا ہم دوسری ماں کے بیٹے ہیں۔ ہمارا کردار بے داغ ہے ہم اس قسم کی ذلیل حرکتیں نہیں کیا کرتے۔ حضرت یوسف نے بڑی خاموشی اور تحمل سے انکی دل آزار گفتگو سنی لیکن کسی ناگواری کا مظاہرہ نہ کیا اور ان کو سارے ساز و سامان کے ساتھ بڑی عزت و تکریم سے وطن جانے کی اجازت دیدی۔ یہی وہ عالی ظرفی ہے جس نے آپ کو ان مراتب عالیہ و مناصب رفیعہ پر

لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

بہت بوڑھا ہے (اسکی جدائی نہ برداشت کر سکے گا) پس ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ پکڑ لیجئے[109] بیشک ہم تجھے نیکوکاروں سے

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ

دیکھتے ہیں آپ نے کہا ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ پکڑیں ہم مگر اس کو جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے۔ ورنہ

اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَيْــَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ

ہم ظالم ہوں گے۔ پھر جب مایوس ہو گئے یوسف سے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے[110] ان کے بڑے بھائی نے کہا

اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ

کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے لیا تھا تم سے وعدہ جو پختہ کیا گیا تھا اللہ کے نام سے اور اس سے

قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ

پہلے جو زیادتی یوسف کے حق میں تم کر چکے ہو (وہ بھی تمہیں یاد ہے) سو میں تو نہیں چھوڑوں گا اس زمین کو جب تک کہ اجازت نہ دیں مجھے میرے

فائز کیا اخلاق کی انھیں بلندیوں کی طرف ہمیں راغب کرنے کے لیے یہ واقعہ سنایا بھی جا رہا ہے۔

۱۰۹ انھوں نے اپنے باپ کی پیرانہ سالی کا واسطہ دیکر بنیامین کی واپسی کی التجا کی لیکن آپ نے مسترد کر دی۔ فرمایا ہم تمہاری تجویز کردہ سزا اس کو دیں گے جس کے سامان سے ہمارا پیالہ برآمد ہوا اس کی جگہ کسی اور کو روک لینا سراسر ظلم ہے۔

۱۱۰ اگرچہ یہ باب استفعال ہے لیکن یئِسُوا کے معنی میں ہے۔ جس طرح استسخر بمعنی سخر اور استعجب بمعنی عجب ہے نیز اس کا مصدر ایاس (همزہ القام) نہیں بلکہ یئس (همزہ العین) ہے نجیا نصب بحالِ الحال من المضمر فی خلصوا وھو واحد یؤدی عن جمع (قرطبی)

جب حضرت یوسف نے ان کی درخواست مسترد کر دی تو بڑے سٹپٹائے۔ الگ بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے کہ اب حضرت یعقوب کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ ہماری پیشانی سے پہلا کلنک کا ٹیکہ ابھی دور نہیں ہوا ان میں سے روبیل، جو سب سے بڑا تھا اس نے تو گھر واپس جانے سے صاف انکار کر دیا کہ جب تک حضرت یعقوب خود مجھے واپسی کا حکم نہ دیں یا خدا کا کوئی حکم نہ ہو میں واپس نہیں جاؤں گا اور دوسرے بھائیوں کو کہا کہ تم یہ غلہ بھی لے جاؤ اور خود بھی جاؤ حضرت یعقوب سے سارا ماجرا بیان کر دو کہ تمہارے لاڈلے بیٹے نے یہ گل کھلایا ہے اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہم نے تو اسے نہیں کہا کہ تم چوری کرو اور اگر وہ ہمارے سامنے پیالہ چرا تا تو ہم یقیناً اسے روکتے اس نے تو اتنی چابکدستی سے ہم سب کی آنکھوں میں خاک ڈال پیالہ چرایا کہ ہمیں پتہ چلا اور نہ کسی اہلکار کو اس معاملہ میں ہم بالکل بے قصور ہیں حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ہم سے ناراض نہ ہوں۔

اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ

تم لوٹ جاؤ اپنے باپ کی طرف پھر (انھیں یہ) — اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ — باپ یا فیصلہ فرمائے اللہ تعالیٰ میرے لیے۔

فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا

عرض کرو اے ہمارے محترم باپ! بلاشبہ آپ کے بیٹے نے چوری کی (اس لیے وہ گرفتار کر لیا گیا) اور ہم نے (آپ سے) وہی کچھ بیان کیا جس کا ہمیں علم تھا اور ہم

كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ

نہیں تھے غیب کی نگہبانی کرنے والے۔ اور (اگر آپ کو اعتبار نہ آئے تو) دریافت کیجیے بستی والوں سے جس میں ہم رہے ۱۱

الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

اور (پوچھیے) اس قافلہ سے جس میں ہم آئے اور یقیناً ہم سچ عرض کر رہے ہیں۔ آپ نے (یہ سن کر) کہا بلکہ آراستہ کر دی ہے تمھارے لیے تمھارے نفسوں نے

اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ

یہ بات (میرے بیٹو) اب صبر ہی زیبا ہے ۱۲ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ لے آئیگا میرے پاس ان سب کو ۱۳

۱۱ اور اگر انھیں تمھاری بات پر یقین نہ آئے تو کہنا کہ آپ بیشک مصر کوئی اپنا آدمی بھیجکر تحقیق کر لیں یا اس قافلہ میں دوسرے لوگ جو ہمارے ساتھ تھے۔ اُن سے تسلی کر لیں قریہ سے مراد مصر ہے۔

۱۲ دو بھائی دونوں پر غلہ لادے ہوئے گھر پہنچے لیکن بنیامین ساتھ نہیں تھا حضرت یعقوب نے پوچھا تو سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا ان ابنک سرق اے ہمارے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی اور پکڑا گیا اس کے متعلق آپ نے فرمایا بل سولت لکم یعنی میرے بیٹے پر چوری کا الزام لگانا غلط ہے اس نے ہرگز چوری نہیں کی اس میں ایک راز الٰہی ہے جسے تم نہیں جانتے میں اس نئے جانکاہ صدمہ پر بھی صبر جمیل کروں گا ان ابنی سرق وماسرق وانما ذلک لامر یریدہ اللہ۔ (قرطبی)

۱۳ اگرچہ برسوں گزر گئے اور بظاہر یوسف کی کوئی خبر نہ ملی ابھی کا درد جدائی کیا کم تھا کہ اس پیرانہ سالی میں بنیامین بھی غلام بنا لیا گیا اور اس سے ملنے کی بھی کوئی امید نہ رہی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کا نبی ان ظاہری مایوسیوں سے کب دل برداشتہ ہوتا ہے امید کرم کا جو چراغ وہ روشن کرتا ہے غم کی یہ آندھیاں اسے بجھا نہیں سکتیں آپ نے فرمایا میں صبر کروں گا اور صبر کرنا ہی میرے لیے پسندیدہ ہے اور مجھے اپنے رب سے قوی امید ہے کہ شب فراق طویل سہی لیکن یہ صبح وصال میں بدل کر رہیگی اللہ تعالیٰ میرے بچھڑے ہوئے تمام بچوں کو ضرور مجھ سے ملا دیگا۔ ہم تفسیر کبیر سے علما کا یہ قول پہلے نقل کر آئے ہیں کہ آپ کو یوسف علیہ السلام کے مصر میں موجود ہونے کا علم تھا ایک بات اور غور طلب ہے۔ یا کہ حضرت یعقوب کو علم نہ تھا لیکن حضرت یوسف

جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ

بیشک وہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے ۱۳۴ اور منہ پھیر لیا آپ نے ان کی طرف سے ۱۳۵ اور کہا ہائے افسوس ۱۳۶

عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٤﴾

یوسف کی جدائی پر اور سفید ہو گئیں ان کی دونوں آنکھیں غم کے باعث اور وہ اپنے غم کو ضبط کیے ہوئے تھے ۱۳۷

کو پہلے نہیں بھائیوں کی آمد کے بعد تو اپنے والد بزرگوار کے حزن و ملال کا پتہ چل گیا اور وہ مصر کے حکمران تھے انھوں نے آدمی بھیج کر آپ کو کیوں نہ بلوا لیا۔ یا کم از کم اطلاع ہی کیوں نہ بھیجی کہ آپ غم نہ کریں میں خیریت سے ہوں۔ آپ کا یوں خاموش رہنا بظاہر تو دانستہ اذیت رسانی کے مترادف تھا اس کا جواب عارف باللہ حضرت ثناء اللہ پانی پتی نے دیا ہے کہ یہ خاموشی بامر اللہ تھی۔ فان قیل قال البغوی کیف استجاز یوسف ان یعمل مثل هذا بابیه ولم یخبره بمکانه وحبس اخاه مع علمه بشدة وجد ابیه ففیه معنی العقوق وقطیعة الرحم وقلة الشفقة قلنا اکثر الناس فیه والصحیح انه عمل ذلك بامر الله تعالى۔ (مظہری)

۱۳۴ اسے ہر سب احوال کا علم ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ میں اس کے حکم کے سامنے تسلیم خم کرتا ہوں اور اس کے فضل و کرم کی آس لگائے بیٹھا ہوں۔

۱۳۵ جب یہ دوسری چوٹ لگی تو دل اچاٹ ہو گیا اور تمام گھر والوں سے و علائق دنیوی سے منہ موڑ لیا اور اپنے رب کے ذکر میں مشغول رہنے لگے۔

۱۳۶ اسف شدت غم کو کہتے ہیں اصل میں عبارت یوں ہے یا أسفی تعال فهذا اوانك اے میرے درد و غم آجا اب تیرے آنے کا وقت ہے۔ شدت غم و اندوہ کے وقت یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ کثرت گریہ سے آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور بینائی جاتی رہی۔

۱۳۷ ای کظوم: مملوء من الحزن ممسك عليه لا يبثه یعنی جو شخص غم و اندوہ سے لبریز ہو چکا ہو اور اس نے لبوں پر مہر خاموشی لگا رکھی ہو اور کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرتا ہو۔

بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا اپنے فرزند کی محبت میں یوں وارفتہ ہو جانا اور اس کے ہجر و فراق میں رو رو کر آنکھیں سفید کر لینا آپ کے شایان شان معلوم نہیں ہوتا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اہل معرفت نے اس خلش کو یہ کہہ کر دور کیا ہے کہ حسن یوسف کو آپ کے لیے جمال الٰہی کا آئینہ بنا دیا گیا تھا وہ اس طلعت زیبا کے آئینہ میں تجلیات الٰہیہ کا مشاہدہ فرمایا کرتے تھے جب حضرت یوسف آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو انوار خداوندی کی لذت دید سے محروم ہو جانے کے باعث آپ بے چین اور بے قرار ہو گئے والذا بعض العارفین ان ذلك الاسف والبكاء ليسا الا لفوات ما انكشف له عليه السلام من تجلى الله تعالى فى مرآة وجه يوسف عليه السلام (روح المعانی) اس کے بعد علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

ولعمری انه لو كان شاهد تجليه تعالى فی اول التعينات فی عين حبيبه المجيد صلى الله عليه وسلم لنسى مارای و ما عراه ما عرا۔ (روح المعانی)

یعنی مجھے اپنی زندگی کی قسم! اگر حضرت یعقوب اللہ تعالیٰ کی اس تجلی کا مشاہدہ کرتے جو فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال میں درخشاں ہے تو انھیں حسن یوسف یاد ہی نہ رہتا اور ان کے ہجر و فراق میں آپ کا یہ حال نہ ہوتا۔

حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے یہ شبہ اور اس کا جواب بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے اور بڑے عارفانہ انداز میں اس حقیقت کو

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ

بیٹوں نے عرض کی بخدا! آپ ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں یوسف کو کہیں بگڑ نہ جائے آپ کی صحت ۱۱۸ یا

بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف کا حسن انوار الٰہیہ کی جلوہ گاہ تھا اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے جس میں حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کی ذات اقدس کی تربیت اور مبداء تعین اللہ تعالیٰ کی صفت علم ہے جو تمام صفات سے قریب اور محبوب ہے۔ اور علم کا حسن جمال اتنا لطیف اور بلند ترین ہے کہ اسے نگاہیں پا نہیں سکتیں اسی لیے حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمال حسن کو ہماری نظریں صحیح طور پر نہیں دیکھ سکتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسن جمال قیامت کو بے نقاب ہو گا۔ اس دن دنیا کو پتہ چلے گا کہ حسن حسن محمدی ہی ہے اور جمال جمال احمدی ہی ہے۔ واعلم حسن جمال کالکیفیۃ لہ فلاجل کمال لطافتہ وعلو درجتہ تجلی فی سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من الحسن والجمال ما لاتدرکہ الابصار وسیظہر حسنہ وجمالہ فی الآخرۃ فیوسف علیہ السلام ان سلولہ فی الدنیا ثلثی الحسن لکن فی الآخرۃ الحسن حسن محمدی والجمال جمالہ۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رقمطراز ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے حسن پر تو صرف حضرت یعقوب اور دوسرے لوگ فریفتہ تھے لیکن حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حسن جمال سے خالق کائنات محبت فرماتا تھا۔ کان حسن یوسف علیہ السلام بحیث احبہ یعقوب والخلائق وکان حسن محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بحیث احبہ رب یعقوب والخلائق جل جلالہ۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصوف کی مخصوص زبان میں اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے جو عام لوگوں کے علم و فہم سے بالاتر ہے۔ میں نے عام فہم انداز میں آپ کے مدعی اور خلاصہ کلام پیش کیا ہے تاکہ عوام بھی لطف اندوز ہو سکیں۔ اہل علم سے میری استدعا ہے کہ وہ خود تفسیر مظہری کا اس مقام پر مطالعہ کریں اور محظوظ ہوں انھیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ فیلسوف اسلام شاعر مشرق نے جب یہ فرمایا تھا تو بجا فرمایا تھا۔ ؎

دل بینا بھی کر خدا سے طلب ✲ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

۱۱۸۔ بیٹوں نے جب دیکھا کہ حضرت یعقوب ہر لحظہ یوسف کے فراق میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے ہیں اور انھیں یاد کر کے آنسوؤں کے دریا بہاتے رہتے ہیں تو انھیں اس سے باز رکھنے کے لیے یہ کہا کہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو آپ کی صحت بگڑ جائے گی اور موت کے واقع ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

تفتأ۔ خلیل اور سیبویہ نے کہا ہے کہ قسم میں یہاں لا کو حذف کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس وقت کوئی التباس نہیں ہوتا اور بعض نحویوں کے نزدیک ما فتئ اور فتأ دونوں لغتوں میں معنی ایک ہی ہے۔

زعم الخلیل وسیبویہ ان "لا" تضمر فی القسم لانہ لیس فیہ اشکال وقیل ما فتئ وفتأ فہما لغتان ولا یستعملان الا مع الجحد (قرطبی)

حارضًا حرض سے ہے اور اس کا اصلی معنی ہے فرط غم، غلبہ عشق اور بڑھاپے کی وجہ سے جسمانی اور عقلی قوتوں کا مضمحل ہو جانا۔ نحاس نے کہا ہے کہ جب کسی کو رنج و اندوہ بیمار کر دے تو کہتے ہیں احرضہ الھم۔

تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿٨٥﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ

آپ ہلاک نہ ہو جائیں ۔ آپ نے فرمایا میں تو شکوہ کر رہا ہوں ۔ اپنی مصیبت اور اپنے دکھوں کا

اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا

خدا کی بارگاہ میں ١١٩ اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے ۔ ١٢٠ اے میرے بیٹو! جاؤ اور سراغ لگاؤ

مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ

یوسف کا اور اس کے بھائی کا اور مایوس نہ ہو جاؤ رحمت الٰہی سے ١٢١ بلاشبہ مایوس نہیں ہوتے

مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا

رحمت الٰہی سے مگر کافر لوگ ۔ پھر جب وہ گئے (یوسف علیہ السلام) کے پاس تو انہوں نے

١١٩ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھے تم کچھ نہ کہو میں تو اپنی حکایت درد و غم صرف اپنے خداوند ذوالجلال کی بارگاہ بے کس پناہ میں بیان کر رہا ہوں۔ مجھے اس سے مت روکو۔

١٢٠ اس قصہ میں جو حکمتیں مستور ہیں اور جو راز پوشیدہ ہیں انہیں میں ہی جانتا ہوں تم ایک خاموش تماشائی کی طرح دیکھتے رہو کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

بثّ : انتہائی حزن و ملال و غم جس کو انسان ہزار کوشش کے باوجود چھپا نہ سکے۔ حقيقة البث في اللغة ما يرد على الانسان من الاشياء المهلكة التي لا يتهيأ له ان يخفيها وقيل اشد الحزن۔

١٢١ ایک دن آپ نے اپنے بیٹوں کو یاد فرمایا اور حکم دیا کہ جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ آپ اس آیت میں غور فرمائیں حضرت یعقوب کا یوسف کو تلاش کرنے کا حکم دینا صاف بتا رہا ہے کہ آپ کو یقین ہے کہ یوسف زندہ ہے پھر یوسف کے ساتھ ان کے بھائی کا ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یوسف وہیں ہے جس کے پاس تم بھائی چھوڑ آئے ہو وہیں جا کر تلاش کرو اور آخر میں مزید تاکید فرمائی کہ مایوس نہ ہو کیونکہ اہل ایمان اپنے رب کی رحمت بے پایاں سے مایوس نہیں ہوا کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خاموش رکھنے کی حکمت پوری ہو چکی اب پردہ اٹھنے والا ہے۔ اور اذن لب کشائی ملنے والا ہے۔

١٢٢ اپنے پدر بزرگوار کی ہدایت کے مطابق تلاش یوسف میں مصر وارد ہوئے وہاں پہنچے تو عزیز مصر کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی ان مشکلات کا ذکر کیا جن سے قحط سالی کی وجہ سے ان کا سارا خاندان دوچار تھا۔ یہاں تک کہ فاقہ کشی کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دی کہ اس سے پیشتر تو ہم جب غلہ لینے کے لیے حاضر ہوتے تھے تو ہم اس کی قیمت ساتھ لاتے تھے لیکن اس دفعہ تو تنگدستی کا یہ عالم ہے کہ پوری قیمت بھی میسر نہیں ہو سکی تھوڑے سے ورق سے جو درہم مل سکے ہیں وہ تو لے آئے ہیں۔ اے عزیز آپ کا رحیمانہ برتاؤ ہمارے ساتھ روا رکھا جاتا رہا ہے اس لیے روپیہ کی کمی کی

يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ

عرض کی اے عزیز! پہنچی ہے ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو مصیبت اور (اس مرتبہ) ہم لے آئے ہیں حقیر سی پونجی۔

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

پس پورا ناپ کر دیں ہمیں پیمانہ اور (اس کے علاوہ) ہم پر خیرات بھی کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیک بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾

آپ نے پوچھا کیا تمہیں علم ہے جو سلوک تم نے کیا یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جب[۱۲۳] تم نادان تھے

وجہ سے ہمارے غلہ کی مقررہ مقدار میں کمی نہ فرمائیے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہمارے ساتھ مروت فرمائیے ہم بڑی طویل مسافت طے کر کے آئے ہیں اور ہماری معاشی حالت انتہائی قابل رحم ہے۔ آپ جو عنایت خسروانہ ہم پر کریں گے اگرچہ ہم درہم و دینار سے اس کا معاوضہ ادا کرنے کے قابل نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس عنایت و شفقت کا اجر آپ کو ضرور عطا فرمائے گا۔ بضاعة: مال کا حصہ مراد قیمت۔ مزجاة: ازجاءٌ سے ہے، کسی چیز کو دور پھینک دینا، ستر د کر دینا کیونکہ دکاندار کو اگر کم قیمت دی جائے یا کھوٹا سکہ دیا جائے تو وہ غصہ میں اسے پھینک دیا کرتا ہے۔ اسی مناسبت سے کم قیمت یا کھوٹے سکوں کو بضاعة مزجاة کہا گیا ہے۔ تصدق علینا کا معنی یہاں تفضل علینا کرنا زیادہ مناسب ہے۔

۱۲۳؎ جب آپ کو کنوئیں میں لٹکا کر اوپر سے رسی کاٹ دی گئی تھی اس وقت اللہ تعالیٰ نے یوسف کو کہا تھا کہ غم نہ کھا تیرا بال بھی بیکا نہیں ہو گا اور ایک روز وہ آئے گا جب تو ان کو اس کارستانی پر آگاہ کرے گا۔ آج اس وعدے کے پورا ہونے کا وقت آپہنچا لیکن کس آن بان سے۔ اس کا اس وقت نہ یوسف کو پتہ تھا اور نہ بھائیوں کو خبر تھی۔ بھائی جنہیں اپنی طاقت و جوانی پر بڑا گھمنڈ تھا سائل کی صورت میں غلہ مانگنے کے لیے حاضر ہیں۔ سراپا ادب و احترام بن کر اپنے فقر و فاقہ کی کہانی بیان کر رہے ہیں۔ بڑے خوشامدانہ لہجے میں اس سے مزید غلہ دینے کی درخواست کر رہے ہیں انہیں معلوم ہی نہیں کہ یہ شاہی جاہ و جلال سے سنہری تخت پر جو سامنے بیٹھا ہے وہ یوسف ہے۔ اچانک آپ نے ان سے پوچھا یہ تو بتاؤ جو کچھ تم نے لاعلمی کی حالت میں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ سلوک کیا تھا وہ بھی یاد ہے۔ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں دہشت اور حیرت سے پوچھنے لگے کہیں آپ یوسف تو نہیں فرمایا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ شان و شوکت جو تم دیکھ رہے ہو اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ سب کچھ میرے رب کریم کا احسان ہے جو اس نے اپنے مسکین بندوں پر فرمایا ہے۔ اس فضل ربانی کی جو اصل وجہ تھی وہ بھی بتا دی لیکن اس حکیمانہ انداز میں کہ حقیقت بھی بیان ہو گئی اور کسی قسم کی خودستائی بھی نہیں پائی گئی۔ فرمایا جو تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اور جو مشکلات و مصائب میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں اور خوبیوں کو ضائع نہیں کرتا اور اچھے نتائج سے شاد کام کرتا ہے جو اس نے مقرر کر رکھے ہیں۔ حضرت یوسف کی شان کریمی آپ کے ہر ارشاد سے نمایاں ہو رہی ہے۔ بھائیوں سے جب پوچھا کہ تم نے یوسف کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا وہ یاد ہے۔ یہ سنتے ہی انہیں اپنی ساری کارستانیاں ایک ایک کرکے یاد آگئی ہوں گی اور ندامت کے بارگراں کے نیچے ڈوبے چلے جا رہے ہوں گے لیکن پیشتر اس کے کہ وہ معذرت خواہی کریں حضرت یوسف خود ہی ان کی طرف سے معذرت

قَالُوٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۫ قَدْ

(سراپا حیرت بن کر) کہنے لگے کیا (سچ مچ) آپ ہی یوسف ہیں فرمایا (ہاں) میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ بڑا کرم فرمایا ہے

مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

اللہ تعالیٰ نے ہم پر۔ یقیناً جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے (وہ آخر کار کامیاب ہو جاتا ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا

اجر ضائع نہیں کرتا۔ بھائیوں نے کہا خدا کی قسم! برتری دی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر اور بیشک ہم ہی

لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ

خطا کار تھے ۱۲۴؎ آپ نے فرمایا نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن ۱۲۵؎ معاف فرمائے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں) کو

پیش رہتے ہیں کہ یہ غلطی تم نے بے علمی کی وجہ سے کی تھی جب حقیقت حال کا علم نہ تھا۔ اہل کرم کا یہی شیوہ ہے کہ اپنے مجرم کو بھی پریشان نہیں دیکھ سکتے۔ اپنا رنج و غم انہیں بھول جاتا ہے اور اس کے احساس ندامت کی تلخی کو کم کرنے کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے جب اللہ تعالیٰ کے احسان کی وجہ بیان کی تو یہ نہیں کہا کہ کیونکہ میں بڑا متقی اور پرہیزگار تھا اور ہر حلہ پر صابر رہا اس لیے مجھ پر یہ کرم ہوا بلکہ قاعدہ کلیہ ذکر کر دیا اس میں ان کی حوصلہ افزائی بھی فرما دی کہ اگر تم بھی تقویٰ اور صبر کو اپنا شعار بنا لو گے تو تم بھی اس کے انعام و اکرام کے مستحق بن جاؤ گے۔

۱۲۴؎ بھائیوں کو آپ کی فضیلت شان کا آخر اعتراف کرنا ہی پڑا خطأ خطأ اذا تعمد بالذنب واخطأ اذا كان غير متعمد۔

۱۲۵؎ جب آپ نے بھائیوں کو اعتراف جرم کے ساتھ اظہار ندامت کرتے ہوئے سنا تو طبع کریم میں پھر جوش آیا اور فرمایا بے فکر ہو جاؤ میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہیں کی جائے گی بلکہ تمہیں ان کارستانیوں کی یاد دلا کر شرمندہ بھی نہیں کیا جائے گا التثريب التعيير والتوبيخ حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس روز مکہ مکرمہ فتح کیا اور کفر و شرک کی اس آماجگاہ میں توحید کا پرچم لہرایا تو خانہ کعبہ کے دروازہ کو پکڑ کر فرمایا الحمد لله الذي صدق وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی امداد فرمائی اور تمام کافروں کے لشکروں کو اکیلے شکست دی۔ پھر ان مکہ کے سرکشوں کی طرف متوجہ ہوئے جو آج تک اسلام کو مٹانے کے لیے سر توڑ کوششیں کرتے رہے تھے اور غریب مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے ہوئے کبھی ان کے ہاتھ نہیں کانپتے تھے۔ جن کے جرائم کی فہرست بڑی طویل اور سنگین تھی ان کو مخاطب ہو کر فرمایا ما تظنون يا معشر قريش اے گروہ قریش تم کیا خیال کرتے ہو۔ تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے قالوا خيرًا اخ كريم وابن اخ كريم وقد قدرت انھوں نے بیک زبان جواب دیا کہ ہمیں آپ سے بھلائی کی توقع ہے۔ آپ کریم النفس بھائی ہیں اور شریف الطبع بھائی کے بیٹے ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے قدرت و اختیار بھی دیا ہے اور جب کوئی کریم النفس شخص صاحب اختیار ہوتا ہے تو وہ دوسروں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا کرتا ہے۔

اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۹۲﴾ اِذۡهَبُوۡا بِقَمِیۡصِیۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰی وَجۡهِ

اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے ۱۲۶ لے جاؤ میرا یہ پیراہن ۱۲۷ پس ڈالو اسے میرے باپ کے چہرہ پر

اَبِیۡ یَاۡتِ بَصِیۡرًا ۚ وَ اۡتُوۡنِیۡ بِاَهۡلِكُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۹۳﴾ وَ لَمَّا فَصَلَتِ

وہ بینا ہو جائیں گے۔ اور (پھر) لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل و عیال کو ۱۲۸ اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ

الۡعِیۡرُ قَالَ اَبُوۡهُمۡ اِنِّیۡ لَاَجِدُ رِیۡحَ یُوۡسُفَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ تُفَنِّدُوۡنِ ﴿۹۴﴾

ہوا (تو ادھر کنعان میں) ان کے باپ نے فرمایا کہ میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں ۱۲۹ اگر تم مجھے بیوقوف خیال نہ کرو۔

قال انا اقول کما قال اخی یوسف لا تثریب علیکم الیوم۔ حضور نے فرمایا میں آج تمہارے حق میں وہی فیصلہ صادر کرتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں کے لیے صادر کیا تھا: تم پر آج کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و نبیہ و بارک وسلم۔

۱۲۶ اپنے حقوق معاف کرنے کے بعد اب بارگاہ الٰہی میں ان کے قصوروں کی مغفرت کے لیے خود ہی التجا کرتے ہیں۔ یہی وہ شان کریمی ہے یہی وہ حسن خلق ہے۔ یہی وہ عالی ظرفی ہے جس کا نام یوسف ہے۔ انہی خصائل حمیدہ کے باعث بازار مصر میں بکنے والے کنعانی نوجوان کے قدموں میں مصر جیسی عظیم مملکت کا تخت بچھایا جاتا ہے۔ اس واقعہ کو اتنی شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنے کا صرف یہی مقصد ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے والی قوم اپنی آنکھوں سے اس چیز کا مشاہدہ کرے کہ صبر و تحمل، حلم و بردباری، عفت و پاکدامنی، عفو و درگزر اور خوف الٰہی کی صفات حمیدہ سے متصف ہونے والا آخر کار کن عزتوں اور کامرانیوں اور حقیقی مسرتوں سے بہرہ ور کیا جاتا ہے اور باطل کی نام و نمود اور غلط طریقوں سے حاصل کی ہوئی کامیابی کتنی عارضی اور سرعت سے فنا پذیر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ منزل رضا کے راستہ پر پھول بچھے ہوئے نہیں کہ آپ خراماں خراماں چلے جائیں گے بلکہ اس راستہ میں گمنامی کے کنوئیں، بازار مصر کی رسوائی، محلاتی زندگی کی راہزنی اور طویل قید و بند کی سختیاں ہیں۔ اگر ان مرحلوں سے ثابت قدمی سے گزرنے کی ہمت ہے تو آؤ بسم اللہ۔

۱۲۷ جو قمیص اس وقت آپ نے زیب تن فرمائی ہوئی تھی وہ اتار کر دی اور فرمایا کہ یہ لے جاؤ اور حضرت یعقوب کی آنکھوں پر جا کر رکھو۔ ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے وہ قمیص بھیجی تھی جسے زلیخا نے پیچھے سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا تھا لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ هو القمیص الذی کان علیہ حینئذ کما هو الظاهر (روح المعانی)

۱۲۸ واپس جا کر اپنے سارے خاندان کو یہاں میرے پاس لے آؤ تا کہ وہ آرام و آسائش سے زندگی بسر کریں۔

۱۲۹ اس وقت جب یہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب نے بھی باذن الٰہی مہر خاموشی توڑی اور فرمانے لگے کہ اگر تم مجھے ناداں، اور مخبوط الحواس نہ کہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ آج مجھے اپنے بیٹے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ تفنید کہتے ہیں کسی کو نادانی اور بیوقوفی کی طرف منسوب کرنا۔ ای لولا تنسبونی الی الفند وهو نقصان عقل یحدث من الهرم (مظہری) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ابھی قافلہ آٹھ دن کی

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ

گھروالوں نے کہا بخدا! (بابا جی!) آپ اپنی اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔ ۱۳۰؎ پس جب آ پہنچا خوشخبری سنانے والا (اور)

اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْۤ

اس نے ڈالا وہ پیراہن آپ کے چہرہ پر تو وہ فوراً بینا ہو گئے ۱۳۱؎ آپنے (فرط مسرت سے) کہا (دیکھو) کیا میں نہیں کہا کرتا تھا تمہیں

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ

کہ میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ (کے بتانے) سے جو تم نہیں جانتے۔ بیٹوں نے عرض کی اے ہمارے پدر (محترم) مغفرت مانگیے ہمارے لیے ہمارے گناہوں

مسافت پر تھا کہ آپکو حضرت یوسف کی خوشبو آنے لگی۔

۱۳۰؎ آپکے سارے بیٹے تو مصر گئے ہوئے تھے گھر میں جو بہو بیٹیاں یا پوتے پوتیاں تھیں انھوں نے کہا بابا جی بینے بھی دو آپ کو تو ہر وقت یوسف کے خواب ہی آتے رہتے ہیں جس خوشبو کا آپ ذکر کر رہے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں یہ تو اس محبت اور وارفتگی کی فسوں کاری ہے۔

۱۳۱؎ جب قافلہ قریب پہنچا تو ایک قاصد بھیجنے کی تجویز ہوئی تاکہ آپ کو جلد از جلد خوشخبری سنائی جائے چنانچہ یہودا نے کہا کہ اس روز یوسف کی قمیص خون سے لت پت کر کے میں ہی لے گیا تھا اب یہ قمیص بھی مجھے دو کہ میں پہلے جاکر آپ کو یہ مژدہ جانفزا سناؤں۔ شاید میری پہلی غلطی کی کچھ تلافی ہو جائے بعض کی رائے یہ ہے کہ قمیص لیجانے والا شمعون تھا۔ الغرض ان میں سے ایک بھائی قمیص لیکر پہلے پہنچ گیا اور حضرت یوسف کے مل جانے کی خوشخبری سنائی اور ساتھ ہی حضرت یوسف کے ارشاد کے مطابق ان کی قمیص آپ کی آنکھوں پر رکھدی قمیص کے رکھنے کی دیر تھی کہ اس کی برکت سے آپ کی کھوئی ہوئی بینائی واپس آگئی فعاد بصیراً بعد ما کان عمی (مظہری) بعض ظاہر پرستوں کو یہاں بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے کہ کپڑے کی قمیص کو آخر بینائی کے ساتھ کیا تعلق۔ اگر یہ بات کسی روایت یا حدیث میں ہوتی تو بیک جنبش قلم اس حدیث کو غلط ضعیف موضوع وغیرہ کہہ کر جان چھڑا لیتے لیکن یہ بات تو قرآن نے خود بیان کی ہے اس کو غلط کہیں تو کیونکر اس لیے یہاں تاویلوں کا سہارا لیا جاتا ہے فرماتے ہیں کہ آپ نابینا نہیں ہو گئے تھے بلکہ محض ضعف بصر کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا جب فرزند دلبند کی بازیابی کی خوشخبری سنی تو فرط مسرت سے خون میں جوش پیدا ہوا اور بینائی قوی ہو گئی لیکن وہ حضرات فارتد بصیراً (آپ پھر بینا ہو گئے) کے قرآنی کلمات کا ترجمہ کیا کریں گے۔ سیدھی بات ہے کہ قمیص اگرچہ دوسری قمیصوں کی طرح کپڑے کی بنی ہوئی تھی لیکن اسے اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے یوسف کے جسم کے ساتھ چھونے کا شرف حاصل ہو گیا تھا جس خدا نے مختلف ادویہ میں حیرت انگیز تاثیرات رکھ دی ہیں اس قادر مطلق کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ اس نے اپنے بندے کی عزت افزائی کے لیے اس کی قمیص کو حضرت یعقوب کے بینا ہونے کا سبب بنا دیا ہو۔ فالظاهر انه عليه السلام صار بصيرا بالقاء القميص على وجهه ليس الا من باب خرق العادة وليس الخارق بدعا في هذه القصة۔ (روح المعانی) یعنی ظاہر قرآن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب کا بینا ہونا بطور خرق عادت تھا۔

إِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ﴿٩٧﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۖ إِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ

کہ بیشک ہم ہی قصور وار تھے ۱۳۳ فرمایا عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے۔ بیشک وہی غفور

الرَّحِيْمُ ﴿٩٨﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ

رحیم ہے ۱۳۴ پھر جب وہ سب یوسف کے روبرو ہوئے ۱۳۵ آپ نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو ۱۳۶ اور انھیں کہا

ادْخُلُوْا مِصْرَ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى

داخل ہو جاؤ مصر میں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم خیر و عافیت سے رہو گے۔ اور جب شاہی دربار میں پہنچے تو آپ نے اونچا

۱۳۲؎ جب سب آگئے تو آپ نے فرمایا دیکھا میرے رب نے مجھ پر کتنا کرم فرمایا۔ میں تم سے کہا نہیں کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بچھڑا ہوا یوسف ضرور ملائے گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ یوسف زندہ ہے اور ہم پھر اکٹھے ہوں گے۔ من حیا یوسف ان اللہ یجمع بینا (مظہری) یوسف گم گشتہ کی بازیابی کی خبر سن کر آپ نے بعینہٖ وہی لفظ کہے جو ہجر و فراق کے انتہائی دردناک لمحوں میں کہے تھے واعلم من اللہ ما لا تعلمون یہاں فرمایا انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ حضرت یعقوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا تھا صرف قبل از وقت افشاء راز کی اجازت نہ تھی۔

۱۳۳؎ سب فرزندوں نے مودبانہ التجا کی اے ہمارے پدر بزرگوار ہم سے قصور ہو گیا ہم نے بڑی غلطی کی اب ہم اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور سخت نادم بھی ہیں۔ آپ از راہ کرم بارگاہ رب العزت میں ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا فرمائیے۔

۱۳۴؎ آپ نے وعدہ فرمایا کہ میں تمہارے لیے اپنے رب کے حضور میں مغفرت کی التجا کروں گا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے سحری کے وقت اور بعض میں ہے کہ شب جمعہ کو دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ان کے قصوروں کو معاف فرما دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے التماس دعا کرنا اور پھر ان کی برکت سے دعا کا مستجاب ہو جانا اور بڑے بڑے گناہوں کا بخش دیا جانا قرآن کی ان آیات سے ثابت ہے۔

۱۳۵؎ حضرت یوسف کی خواہش کے مطابق حضرت یعقوب اپنے سارے کنبہ کو لے کر مصر روانہ ہوئے۔ حضرت یوسف کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو ایک لشکر جرار کے ساتھ استقبال کے لیے آگے بڑھے۔ بادشاہ مصر وزراء اور امراء بھی آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت یعقوب نے جب یہ جاہ و حشمت دیکھی تو پوچھا۔ کیا یہ شاہ مصر کی سواری آ رہی ہے۔ بتایا گیا نہیں بلکہ آپ کا نور نظر یوسف ہے جو آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے استقبال کرنے کو آ رہا ہے۔

۱۳۶؎ جب قریب پہنچے تو حضرت یوسف اپنے بچھڑے ہوئے ماں باپ سے بغلگیر ہو کر ملے اس ملاقات کی لذت کو ان کے دل ہی جانتے ہوں گے یا کوئی فرقت کا مارا جسے عرصہ دراز کے بعد اپنے محبوب کا وصال نصیب ہوا ہو۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ آپ کی والدہ کا انتقال بچپن میں ہو

الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يَا أَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ

بٹھایا اپنے والدین کو تخت پر ۱۳۷ اور وہ گر پڑے آپ کے لیے سجدہ کرتے ہوئے ۱۳۸ اور (یہ منظر دیکھ کر) یوسف نے کہا اے میرے پدر بزرگوار! یہ تعبیر ہے میرے خواب

مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي

کی جو پہلے (عرصہ ہوا میں نے) دیکھا تھا ۱۳۹ بیشک میرے پروردگار نے اسے سچا کر دکھایا ہے اور اس نے بڑا کرم فرمایا مجھ پر جب اس نے نکالا مجھے

گیا تھا اس کے بعد حضرت یعقوب نے آپ کی خالہ سے نکاح کیا تھا اور وہی اس وقت ساتھ تھیں لیکن مجھے علامہ ابن کثیر کی تحقیق زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ زندہ تھیں۔ اور ان کی وفات پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ قرآن کریم کا ظاہر بھی ان کے زندہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور جو چیز قرآن ثابت کرے وہی درست ہے۔ محمد ابن اسحاق اور امام ابن جریر کی یہی رائے ہے قال محمد بن اسحاق وابن جریر کان ابوہ وامہ یعیشان قال ابن جریر ولم یقم دلیل علی موت امہ وظاہر القرآن یدل علی حیاتہا (تفسیر ابن کثیر)

۱۳۷؎ حضرت یوسف نے عرض کی اب آپ شہر میں قدم رنجہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کو ہر طرح کا آرام میسر ہوگا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے شہر سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا تھا و رفع ابویہ علی العرش الخ جب اپنے دربار میں پہنچے جہاں ان کا زرنگار تخت مع تمام شاہانہ تکلفات کے بچھا ہوا تھا تو بصد احترام اپنے والدین سے اس تخت پر قدم رنجہ فرمانے کی التجا کی اور ان دونوں نے تخت پر جلوس فرمایا۔

۱۳۸؎ یعنی والدین نے اور سب بھائیوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ یہاں سجدہ سے کیا مراد ہے اور سجدہ کس کو کیا گیا تھا اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ سجدہ سے مراد صرف جھکنا ہے یعنی اظہار تعظیم کے لیے وہ آپ کے سامنے جھکے۔ اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ سجدہ سے مراد زمین پر پیشانی رکھنا ہے کیونکہ خرّوا کا لفظ اسی معنی کی تائید کرتا ہے خرّ کا معنی ہے سقط من علوٍ الی سفل اوپر سے نیچے گرنا اور یہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ سجدہ سے مراد زمین پر پیشانی رکھنا ہو۔ اب اس صورت میں علماء کا پھر اختلاف ہے بعض کی رائے یہ ہے کہ سجدہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اور یوسف بحیثیت قبلہ کے تھے۔ یہاں "لہ" بمعنی الیہ ہے یعنی آپ مسجود الیہ تھے۔ مسجود لہ اللہ تعالیٰ تھا اور بعض نے کہا تھا کہ یہ "ل" اجلیہ ہے خرّوا لہ سجدا۔ خرّوا لاجلہ سجدا یعنی انہوں نے سجدہ تو اللہ تعالیٰ کو کیا تھا لیکن اس کی وجہ حضرت یوسف تھے یعنی اتنی طویل جدائی کے بعد ان سے وصال کا جو موقع دیا گیا تھا اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا۔ لیکن اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ سجدہ یوسف کو ہی کیا گیا اور اس سے مراد بھی وہی زمین پر پیشانی رکھنا ہے لیکن یہ سجدہ عبادت کا نہیں تھا بلکہ سجدۂ تعظیمی تھا جو پہلی تمام شریعتوں میں جائز تھا اور حضور کی تشریف آوری سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے سجدہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں سجد ابواہ واخوتہ الباقون ۔۔ وقد کان ہذا سائغا فی شرائعہم اذا سلموا علی الکبیر یسجدون لہ ولم یزل جائزا من لدن آدم الی شریعۃ عیسیٰ فحرم ہذا فی ہذہ الملۃ وجعل السجود مختصا بجناب الرب سبحانہ وتعالیٰ

۱۳۹؎ اس وقت حضرت یوسف نے عرض کی اے پدر بزرگوار یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا حضرت سلمان

مِنَ السِّجۡنِ وَجَآءَ بِكُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّيۡطٰنُ

قید خانہ سے ۱۴۰ اور لے آیا تمھیں صحرا سے اس کے بعد کہ ناچاقی ڈال دی تھی شیطان نے

بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَ اِخۡوَتِىۡ‌ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَطِيۡفٌ لِّمَا يَشَآءُ‌ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِيۡمُ

میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان ۱۴۱ بیشک میرا رب لطف و کرم فرمانے والا ہے جس کیلیے چاہتا ہے ۱۴۲ یقیناً وہی سب کچھ جاننے

الۡحَكِيۡمُ‏ ۝۱۰۰ رَبِّ قَدۡ اٰتَيۡتَنِىۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَ عَلَّمۡتَنِىۡ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ

والا دانا ہے ۱۴۳ اے میرے رب! عطا فرمایا تو نے مجھے یہ ملک نیز تو نے سکھایا مجھے باتوں کے انجام کا علم

فارسی کا قول ہے کہ خواب دیکھنے اور اس کی تعبیر میں چالیس سال کا عرصہ گزرا تھا واخرج جماعة عن سلمان الفارسی انها اربعون سنة وھو قول الاکثرین۔

۱۴۰ اس کے بعد آپ نے سامنے حضرت یوسف اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اعتراف کرکے اس کا شکر بجا لاتے ہیں جو اس جدائی کے عرصہ میں آپ پر فرمائے گئے ان احسانات کی ابتدا قید خانہ سے رہائی پانے سے کی لیکن کنوئیں سے نکلنے کا ذکر کیا تاکہ ان کے بھائی شرمسار نہ ہوں اور شائع صوفیا کا یہ قول ہے ذکر الجفا فی وقت الصفا جفا کہ صلح و صفائی کے وقت گزشتہ جور و ستم کا تذکرہ ظلم ہے۔

۱۴۱ یہاں بھی بھائیوں کے فعل کو ان کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اس کا ذمہ دار شیطان کو ٹھہرایا۔ یہ بھی آپ کی کریم النفسی تھی احال ذنبھم علی الشیطان تکرما منہ۔ (قرطبی)

۱۴۲ ان احسانات کا ذکر کرنے کے بعد پھر اپنے رب کریم کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ لطیف ہے۔ اور لطیف اس کو کہتے ہیں جو اپنے احسانات کو بڑی نرمی سے دوسروں تک پہنچائے وحقیقۃ اللطیف الذی یوصل الاحسان الی غیرہ برفق (مظہری) علامہ قرطبی نے لطیف کا یہ معنی کیا ہے جو اپنے بندوں کے ساتھ اس طرح لطف و کرم کرے اور ان کی ضروریات کو اس طرح فراہم کرے کہ انھیں خبر تک نہ ہو اللطیف ھو البر بعبادہ الذی یلطف بھم من حیث لا یعلمون ویسبب لھم مصالحھم من حیث لا یحتسبون۔

۱۴۳ اللہ تعالیٰ کی صفات علم و حکمت کی جو خصوصی جلوہ نمائی اس قصہ سے ہو رہی ہے وہ کسی غور و فکر کرنے والے پر مخفی نہیں۔ اس کی قدرت کا تو یہ عالم ہے کہ جو چاہے آن واحد میں ظہور پذیر ہو جائے۔ اگر وہ چاہتا تو حضرت یوسف کو ان آزمائشوں میں مبتلا کیے بغیر ان مدارج عالیہ پر فائز کر دیتا اس کی قدرت کے سامنے یہ کچھ بعید نہ تھا لیکن اس کی حکمت ہے۔ حکمت کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ ان بلند مراتب تک پہنچنے کے لیے ان تمام مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جن سے حضرت یوسف گزرے۔ انسان کی صلاحیتیں بیدار ہی تب ہوتی ہیں جب انھیں بے رحم طوفانوں سے دوچار کیا جاتا ہے۔ صحیح تربیت کے لیے زندگی کے سارے نشیب و فراز سے گزرنا ضروری ہے۔ حضرت یوسف کی ذات کو ایک مثالی کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور رضائے الٰہی کی منزل کے مسافر کو جس قسم کے لوگوں جس قسم کے حالات اور جس قسم کی رکاوٹوں سے واسطہ پڑتا

الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا

اے بنانے والے آسمانوں اور زمین کے![۱۳۳] توہی میرا کارساز ہے دنیا میں

ہے۔ان کو بڑے دلنشین انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔ قدم قدم پر یہ تنبیہ سنائی دیتی ہے کہ اے سالک راہِ حق تیری منزل بڑی دور ہے۔ اس کی راہ بڑی کٹھن ہے۔ اس میں حائل ہونے والی رکاوٹیں بڑی حوصلہ شکن ہیں۔ گہرے اور خوفناک غار منہ کھولے تیرا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ تجھے منزل سے غافل کرنے کے لیے فردوس بداماں وادیاں ہیں جن کے درختوں کے سائے بڑے گھنے اور ٹھنڈے ہیں۔ جن میں کھلنے والے پھول بڑے خوبصورت اور خوشبودار ہیں۔ اس کا ہر منظر بڑا دلکش اور دلربا ہے۔ بھلا دیکھیں تیری ہمت کو کہ تو کس طرح کانٹوں سے الجھتا ہوا، چٹانوں کو روندتا ہوا پہاڑوں کو پھلانگتا ہوا اور ان جنت نظیر وادیوں کے دلکش مناظر سے آنکھ بچاتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔ اگر کسی راحت نے تجھے اپنی منزل سے غافل کر دیا یا کسی ہوشربا حادثہ کی وجہ سے تو دل برداشتہ ہو گیا تو تیرا نام اس منزل کے مسافروں کی فہرست سے خارج کر دیا جائیگا۔ یہاں تو ایک لحہ کی غفلت بھی قیامت برپا کر دیتی ہے۔ ؎

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر ٭ یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ منزل دور شد

اپنے مقبول بندوں کو سرفراز کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے۔ جس میں ان گنت حکمتیں ہیں۔ اس منزل کا عزم کرنے سے پہلے طلب صادق کے ساتھ صبر و شکیب کی زاد اور لمبی کالی رات میں نہ بجھنے والا چراغ ہاتھ میں لینا شرط اوّل ہے۔ یہی اس کی سنت ہے اور اسی میں اس کی حکمت کی جلوہ آرائی ہے۔

۱۳۳۔ حضرت سیدنا یوسف صدیق علیہ السلام کی عالی ظرفی اور کریم النفسی کا نظارہ آپ کئی مقامات پر کر چکے ہیں۔ لیکن آپ کی اولو العزمی، بیرچشمی اور خدا طلبی کا جو ظہور یہاں ہو رہا ہے اس کی مثال نہیں۔ یہاں آپ کی ایک دعا کا ذکر ہے۔ جن نعمتوں سے آپ کو اب تک سرفراز کیا گیا ان میں سے کوئی ایسی نعمت نہیں جو آپ نے اپنے رب سے طلب کی ہو۔ وہ سب انعامات و احسانات بے طلب اور بن مانگے عطا فرمائے گئے تھے۔ قرآن میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ آپ نے مصر کے تاج و تخت کے لیے التجا کی ہو یا ان مراتبِ عالیہ کے لیے تمنا کی ہو کہ ان کے ماں باپ اور بھائی ان کو آ کر سجدہ کریں۔ لیکن یہاں وہ پیکرِ تسلیم و رضا اپنا دامنِ طلب پھیلا رہا ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ جو آج تک بے طلب عنایات سے شادکام ہوتا رہا ہے وہ آج کس نعمت کے لیے زبانِ سوال کھول رہا ہے۔ اس سے پہلے ایک اور امر توجہ طلب ہے کہ وہ مانگ کس شان سے رہا ہے۔ اس کے سوال کرنے کا انداز کیا ہے۔ آیئے آپ بھی سیکھیے کہ انسان اپنے خداوند کریم سے مانگے تو کیا مانگے اور مانگے تو کیسے مانگے۔ رب قد آتیتنی سے دعا کا آغاز ہے۔ آپ ان احسانات اور انعامات کا اعتراف کر رہے ہیں جن سے آپ کو اب تک بہرہ ور کیا گیا ہے۔ فاطر السموات سے اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کا بیان ہے۔ انت ولی سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو ہی میرا کارساز ہے۔ تیرے سوا میرا کوئی نہیں۔ ایسی حمد و ثنا، ایسی تمجید و تحمید اور ایسے اظہارِ بے بسی کے بعد مانگا تو کیا مانگا۔

توفنی مسلما والحقنی بالصالحین میرے مولیٰ اس دنیا سے جب میری روانگی کا وقت آئے تو میں اس حال میں یہاں سے روانہ ہوں کہ زبان تیری توحید کا اعتراف کر رہی ہو۔ دل تیری عظمت و کبریائی کے گیت گا رہا ہو۔ اور سر تیرے حضور میں جھکا ہوا ہو۔ تیری نافرمانی کا کوئی داغ میرے دامنِ حیات کو بدنما نہ کر رہا ہو۔ اس طرح یہاں سے میری روانگی ہو اور اس کے بعد اپنے صالح

وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۞ ذٰلِكَ مِنْ

اور آخرت میں۔ مجھے وفات دے درآنحالیکہ میں مسلمان ہوں اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ (اے حبیب!) یہ قصہ غیب کی

اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا

خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کرتے ہیں آپ کی طرف۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ متفق ہو گئے تھے

اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ۞ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ

اس بات پر درآنحالیکہ وہ مکر کر رہے تھے۔ اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں،

بِمُؤْمِنِیْنَ ۞ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

ایمان لانے والے ۱۳۵؎ اور نہیں طلب کرتے آپ ان سے اس (درس ہدایت) پر کچھ معاوضہ۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت

لِّلْعٰلَمِیْنَ ۞ وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ

سب جہانوں کے لیے۔ اور کتنی ہی (بیشمار) نشانیاں ہیں۔ جو آسمانوں اور زمین (کے ہر گوشہ) میں (بکھری ہوئی) ہیں جن پر (صبح و شام)

ع ۱۱ ۵

بندوں کے ساتھ مجھے ملا دے۔ مجھے ان کی سنگت اور رفاقت نصیب فرما۔

یہ ہے مرد حق اندیش کی منزل اس کے لیے وہ ساری عمر مصروف عمل رہتا ہے اس کا سوز و ساز اس کا پیچ و تاب اسی کے لیے ہوتا ہے اسی کی دھن میں وہ دن کو بے قرار اور رات کو بے چین رہتا ہے اسی کی لگن میں وہ سب روشمار رہتا ہے۔ اسی منزل کا پتہ بتانے کے لیے قرآن آیا۔ اسی منزل کی لگن پیدا کرنا اسلام کا مقصد وحید ہے۔ اور اسی منزل کی طرف لے جانے کے لیے رحمۃ للعالمین کی تشریف آوری ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

اللّٰھم خذ بید عبدك الضعیف المسكین الذی لا حول له ولا قوۃ الا بك وتوفه مسلماً والحقه بسید الصالحین وقائد الشهداء قدوۃ الصدیقین امام النبیین والمرسلین سیدی وحبیبی وشفیعی محمد المبعوث رحمة للعالمین اللّٰھم صلّ علیه من الصلوات اطیبها والتسلیمات اطهرها والتحیات ازكاها وعلی اٰله واصحابه واولیاء امته الی یوم الدین۔

۱۳۵؎ یہودیوں کے کہنے پر مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یوسف علیہ السلام کا قصہ سنانے کی درخواست کی جب ان کی یہ خواہش پوری کر دی گئی تو انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اس پر ایمان لے آتے لیکن وہ اپنے کفر پر بضد رہے حضور کریم کے قلب نازک کو تکلیف پہنچی، تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿١٠٥﴾ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ

گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کیے ہوتے ہیں ۱۲۹ اور نہیں ایمان لاتے ان میں سے اکثر اللہ کے ساتھ

إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ أَفَأَمِنُوا أَن تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ

مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کر رہے ہوتے ہیں ۱۳۰ کیا وہ بے غم ہو گئے ہیں اس بات سے کہ آ جائے ان پر چھا جانے والا

عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٠٧﴾

اللہ تعالیٰ کا عذاب یا آ جائے ان پر قیامت اچانک اور انہیں اس کی آمد کا شعور تک نہ ہو ۱۳۱

۱۲۹ کاین من آیۃ یعنی ان کفار کا اپنے کفر پر اڑے رہنا اس لیے نہیں کہ ان کے سامنے توحید کی کوئی روشن دلیل پیش نہیں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور کبریائی کی روشن دلیلیں تو زمین و آسمانوں میں بکھری پڑی ہیں۔ اور یہ ان دلیلوں کو دیکھتے بھی ہیں لیکن دانستہ ان سے اعراض کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ کاین: اصل میں ای تھا۔ کاف تشبیہ کا داخل ہوا تو تنوین کو ظاہر کیا گیا تو کاین ہو گیا۔ یہ یہاں کم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۳۰ یعنی ان کفار و مشرکین کی بھی عجیب حالت ہے اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا تو کہتے ہیں اللہ نے۔ تمہارا خالق کون ہے کہتے ہیں اللہ۔ بارش کون برساتا ہے اور غلہ کون اگاتا ہے تو کہتے ہیں اللہ لیکن اس کے باوجود بتوں کو بھی الٰہ مانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ بتوں کے متعلق مشرکین کا جو عقیدہ تھا وہ متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے وہ کہتے ویقولون أئنا لتارکوا آلھتنا لشاعر مجنون ۔ ۳۷: ۳۶ وہ کہتے ہیں کیا ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں نیز حج کے موقع پر جو تلبیہ وہ کہا کرتے تھے اس سے بھی ان کے عقیدہ کا پتہ چلتا ہے۔ وہ کہا کرتے لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک ہم حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ تیرا شریک ہے جس کو تو نے اپنا شریک بنایا ہے تو اس کا مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو مالک ہے۔

یا اس آیت میں مشرکین کی اس حالت کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ مصائب میں گھر جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلاتے تھے اور جب مصیبتیں ٹل جاتی تھیں تو پھر اس کا انکار کرتے تھے یا اس سے مراد ریاکار ہیں جو عبادت تو اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں لیکن دل میں خیال ہوتا ہے کہ فلاں مجھے اچھا سمجھے۔ یہ بھی ایمان اور شرک کو یکجا کرنے کی ایک صورت ہے اور اہل حق نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر اسباب ظاہری کی طرف مائل ہوا اور سبب حقیقی کی طرف سے نگاہ ہٹ گئی تو یہ بھی شرک ہوا۔ و اثبات اللہ فی شیء بل النظر الی الاسباب مع الغفلۃ عن المسبب ینافی التوحید فالموحدون ھم الصوفیۃ (مظہری) یعنی سچے موحد تو صوفیائے کرام ہیں کہ ان کی نظر کسی حالت میں بھی اسباب میں نہیں الجھتی بلکہ ہر وقت مسبب الاسباب پر ہی رہتی ہے۔

۱۳۱ یعنی ان کا عذاب الٰہی سے یوں بے خوف ہو کر کفر و شرک اور فسق و فجور میں مشغول رہنا بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے اگر اس بے خبری

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ

آپ فرما دیجیے یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی)

اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَمَآ

جو میری پیروی کرتے ہیں ۱۴۹ اور ہر عیب سے پاک ہے اللہ تعالیٰ اور نہیں ہوں میں مشرکوں سے۔ اور ہم نے

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ

(رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد ۱۵۰ جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

کیا یہ (منکر) لوگ سیر و سیاحت نہیں کرتے زمین میں تاکہ وہ دیکھیں کہ کیا ہوا تھا انجام ۱۵۱ ان (منکرین) کا جو

کے عالم میں ان پر عذاب الٰہی آگیا یا قیامت قائم ہوگئی تو پھر ان کا کیا بنے گا۔ یہ کہاں سر چھپائیں گے۔

۱۴۹ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ ان لوگوں کو بتا دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہنا ہی میرا مقصد حیات ہے۔ میں تمہیں یہ دعوت علی وجہ البصیرت دے رہا ہوں۔ میرے پاس اس کی صداقت کے روشن دلائل ہیں اور مجھے اس کی حقانیت پر محکم یقین ہے اور یہی حال ان لوگوں کے ایمان و یقین کا ہے جنہوں نے سچے دل سے میری پیروی اور اطاعت اختیار کرلی ہے۔ هٰذِهٖ کا اشارہ الیہ توحید اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت سبیلی سے مراد سنتی و منہاجی اور بصیرت سے مراد وہ واضح دلائل اور قوی براہین ہیں جن کے بعد کوئی اندھیرا نہیں رہتا۔ من اتبعنی۔ میں قیامت تک اطاعت فرمانبرداری کرنے والے لوگ ہیں اور صحابہ کرام کا مقام ان سب میں اعلیٰ و برتر ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ من اتبعنی سے مراد صحابہ کرام ہیں یعنی اصحاب محمد کانوا احسن طریقۃ واقصد ھدایۃ معدن العلم وکنز الایمان وجند الرحمٰن یعنی اس سے مراد حضور کریم کے صحابہ کرام ہیں۔ انہی کا طریقہ سب سے بہتر اور انہی کی ہدایت سب سے عمدہ تھی۔ وہ علم کی کان، ایمان کا خزانہ اور رحمان کا لشکر تھے۔

۱۵۰ کفار اپنی اس غلط فہمی کا بار بار اظہار کر چکے تھے کہ انسان اس قابل نہیں کہ وہ مرتبہ نبوت پر فائز ہو سکے اس کے لیے تو کوئی فرشتہ ہونا چاہیے جو بشری کمزوریوں سے مبرا ہو۔ ان کے اس وسوسہ کا پھر رد فرما دیا کہ ہماری سنت یہی ہے کہ ہم انسانوں کی طرف انسان ہی نبی بنا کے بھیجتے ہیں تاکہ افادہ اور استفادہ صحیح طور پر ہو سکے۔

۱۵۱ اس آیت میں انہیں ان برباد شدہ کھنڈروں پر نگاہ عبرت ڈالنے کی تلقین کی جا رہی ہے جن کے پاس سے ان کا گزر اکثر و بیشتر ہوتا رہتا ہے۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۹

ان سے پہلے (ہوگزرے) تھے۔ اور دارِ آخرت یقیناً بہتر ہے ان کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں (اے سننے والو!) کیا تم نہیں سمجھتے۔

حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْــــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا

جب (نصیحت کرتے کرتے) مایوس ہو گئے رسول [۱۵۴] اور وہ منکرین گمان کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے

جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ

اس وقت آگئی ان کے پاس ہماری مدد۔ پس بچا لیا گیا (عذاب سے) جس کو ہم نے چاہا۔ اور نہیں ٹالا جا سکتا ہمارا عذاب اس قوم سے جو

[۱۵۴] آیت کا یہ حصہ بڑا غور طلب ہے رسولوں کے مایوس ہونے کا مطلب کیا ہے؟ ظنوا کا فاعل کون ہیں؟ انھم کا مرجع کون ہے؟ قد کذبوا کا نائب فاعل کون ہے؟ پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ جب انبیاء کرام نے اپنی اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی اس کی صداقت پر دلائل و براہین پیش کیے اور طرح طرح کے معجزات بھی دکھلائے اور دعوت و ارشاد کا یہ سلسلہ سال دو سال تک نہیں بلکہ عرصہ دراز تک جاری رہا تب بھی ان کے دلوں میں ایمان کی شمع فروزاں نہ ہوئی تو انبیاء کرام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے۔ ظنوا کا فاعل بعض لوگوں نے انبیاء کو بنایا ہے اور اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ انبیاء نے یہ ظن کیا کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت اور کفار پر عذاب نازل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ ایفا نہیں کیا گیا لیکن اس طرح کا ظن انبیاء کی طرف منسوب کرنا درست نہ تھا اس لیے انھوں نے ظن کے معنی میں تاویل کی اور کہا کہ اس سے مراد محض وہم و خیال ہے جس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ اور کبھی یہ کہا کہ اس ظن کی وجہ ان کا اجتہاد تھا لیکن صاف بات یہ ہے کہ ظنوا کا فاعل کفار ہیں۔ کفار نے یہ گمان کیا کہ یہ رسول جو ہمیں ہر روز عذاب کے نزول سے ڈراتے تھے وہ عذاب کہاں ہے ہم نے تو ان کی دعوت کو ٹھکرانے میں اور انھیں اذیت پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی اور اگر وہ عذاب آنا ہوتا تو اب تک آگیا ہوتا۔ عذاب کا نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے ہم سے غلط بیانی سے کام لیا ہے یا جس نے ان سے وعدہ کیا کہ میں ان پر عذاب اتاروں گا اس نے وعدہ خلافی کی ہے (مظہری) علامہ آلوسی نے طویل بحث کے بعد آخر کار اسی قول کو ترجیح دی ہے فرماتے ہیں وانت تعلم ان الاوفق بتعظیم الرسل علیہم السلام بل ابعد عن الحوم حول حمی مالا یلیق بھم القول بنسبة الظن الی غیرھم کہ انبیاء کی تعظیم اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ظن کی نسبت انبیاء کی طرف نہ کی جائے بلکہ غیروں کی طرف کی جائے۔ اب اگر معنی یہ کیا جائے کہ کفار نے یہ خیال کیا کہ ان سے غلط بیانی کی گئی ہے تو اس صورت میں ھم کا مرجع اور کذبوا کا فاعل کفار ہی ہوں گے اور اگر یہ معنی کیا جائے کہ کفار نے یہ گمان کیا کہ انبیاء سے نزول عذاب کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس کی خلاف ورزی کی گئی ہے یعنی وہ پورا نہیں کیا گیا تو اس وقت ھم کا مرجع اور کذبوا کا نائب فاعل انبیاء ہوں گے۔

الْمُجْرِمِينَ ﴿١١٠﴾ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

جرائم پیشہ ہے۔ بلاشبہ پہلی قوموں (کے عروج و زوال) کی داستانوں میں (درس) عبرت ہے سمجھداروں کے لیے ۱۵۳

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ

نہیں ہے یہ قرآن ایسی بات جو (یونہی) گھڑ لی گئی ہو بلکہ یہ تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں

وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

اور یہ (قرآن) ہر چیز کی تفصیل ہے اور سراپا ہدایت و رحمت ہے اس قوم کیلیے جو ایمان لاتے ہیں۔ ۱۵۴

۱۵۳ یعنی حضرت یوسف ان کے بھائیوں ان کے والدین، اہل مصر اور دیگر لوگ جن کا ذکر اس سورت میں آیا ہے ان کے واقعات میں ارباب عقل و دانش کے لیے بڑی نصیحتیں ہیں۔

۱۵۴ اس قصہ کے بیان کے بعد کفار کے اس قول کی تردید کر دی کہ یہ کلام حضور خود گھڑ کر پیش کرتے ہیں فرمایا کہ تم خود سوچو ایک امی جو لکھنا نہیں پڑھنا نہیں کسی صاحب علم کے پاس اس کی نشست و برخاست نہیں ہے۔ وہ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی وحی کے بغیر کیونکر اس عمدگی سے پیش کر سکتا ہے۔ یقیناً یہ ناممکن ہے۔ اس لیے اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس کتاب سے تو ان آسمانی صحیفوں کی تصدیق ہوتی ہے جو پہلے انبیاء پر نازل کیے گئے تھے نیز ان کتب میں طرح طرح کے تغیر و تبدل، اور تحریف کے پائے جانے سے ان واقعات میں جو الجھنیں اور جو خفا پیدا ہو گئے تھے ان کو یہ کھول کر بیان کرتی ہے۔ نیز یہ سراپا ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جو اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانے۔

تعارف سُورہ الرَّعْد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِس سورۃ مبارکہ کا نام "الرعد" ہے کیونکہ اس کی ایک آیت میں یہ کلمہ مستعمل ہے یسبح الرعد بحمدہ۔

اس کی آیات کی تعداد تینتالیس ہے۔ یہ ۸۵۵ کلمات اور ۳۵۰۶ حروف پر مشتمل ہے۔ اس کے چھ رکوع ہیں۔

نزول: اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا یا مدینہ طیبہ میں؟ اس بارے میں علما کی آرا مختلف ہیں۔ خود حضرت ابن عباس سے دونوں قول مروی ہیں۔ آیات کا مضمون مکی سورتوں سے بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ علامہ آلوسی نے یہ کہہ کر اس اختلاف کو ختم کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے لیکن اس میں کئی آیتیں ایسی بھی ہیں جو مدنی ہیں والذی یجمع بہ بین الاختلاف انہا مکیۃ الا آیات منہا۔ (روح المعانی)

مضامین: سورۃ کا آغاز اس بیان سے ہوا کہ قرآن حکیم کلام الٰہی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی عظمت و کبریائی، اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو ایسی روشن اور ناقابل انکار تکوینی آیات سے ثابت کیا گیا ہے جن کا انکار فقط وہی بدنصیب کر سکتا ہے جس نے عقل و فہم کا چراغ بجھا دیا ہو۔ سر پر آسمان ہے جس کی رفعت اور وسعت کا اندازہ لگایا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر اس میں آفتاب و مہتاب اپنے انوار سے ہر طرف اجالا کر رہے ہیں۔ نیچے زمین کا فرش بچھا ہے اس میں کہیں چشمے ابل رہے ہیں، کہیں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے دریا بہ رہے ہیں، کہیں پہاڑ ہیں جن کی برف پوش چوٹیاں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور جن کی وادیاں قدرت کی رنگینیوں کی جلوہ گاہ ہیں۔ کہیں شاداب کھیت لہلہا رہے ہیں کہیں باغات اپنے گوناگوں اشجار و اثمار کی بہار دکھا رہے ہیں۔ زمین ایک، پانی ایک، لیکن اس ایک زمین سے جو پھل پھول اگتے ہیں وہ اپنے رنگ و بو میں، اپنے ذائقہ اور تاثیر میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ بوقلمونی اور تنوع کہاں سے آ گیا۔ کیا کوئی قلب سلیم اس ذات پاک کا انکار کر سکتا ہے جس کی قدرت کی جلوہ طرازیاں چاروں طرف محو خرام ناز ہیں۔

اس قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ ساتھ ذرا اس کے علم محیط کا بھی اندازہ لگائیے۔ ظاہر باطن میں کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں جس کی اسے خبر نہ ہو۔ شکم مادر میں ایک قطرہ آب کو انسان بننے تک جن مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے جن تبدیلیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو نازک اور لطیف تغیرات وہاں رونما ہوتے ہیں ان میں سے کوئی بھی تو ایسی بات نہیں جو اس کے علم اور اس کے اذن کے بغیر رونما ہو رہی ہو۔

جس ذات اقدس کی قدرت اتنی کامل، جس کی حکمت اتنی محکم اور جس کا علم اتنا محیط ہو بلا شبہ وہی اور صرف وہی معبود برحق ہے۔

ان براہین ساطعہ کے باوجود منکرین حق کی ہٹ دھرمی کچھ کم حیرت انگیز نہیں وہ باطل کے اندھیروں سے اتنے مانوس ہو چکے ہیں کہ حق کا اجالا اپنی ساری دل آویزیوں کے باوجود ان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ وہ دکھائی دیتے ہیں تو یہ عرض نہیں کرتے کہ انھیں نور حق کو پہچاننے اور راہ حق پر چلنے

کی سعادت نصیب ہو بلکہ عرض کرتے ہیں کہ اگر یہ سچ ہے تو ان پر عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ لیکن رحمتِ خداوندی ان کی اس طفلانہ ضد پر فوراً مواخذہ نہیں کرتی بلکہ انھیں مزید سوچنے سمجھنے اور حق قبول کرنے کی مہلت دی جاتی ہے وان ربک لذو مغفرۃ علی ظلمھم اے محبوب تیرا رب لوگوں کی ظلم کیشیوں کے باوصف ان سے درگزر ہی فرماتا رہتا ہے۔

اسلام اپنے ماننے والوں میں جو ذہنی، روحانی اور عملی انقلاب برپا کرتا ہے۔ اس کا ذکر بھی آیات انیس تا چوبیس میں فرما دیا اور اسلام سے بے بہرہ ہوتے ہوئے انسان کا دامن فکر و عمل جن آلودگیوں سے ملوث ہوتا ہے۔ انھیں بھی آیت ۲۵ میں جامع طور پر بیان کر دیا تاکہ اسلام کے انقلاب آفریں اثرات کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے۔

اگرچہ دوسری سورتوں کی طرح اس سورت کی ہر آیت بھی رشد و ہدایت کا مینار ہے لیکن میں قارئین کی خصوصی توجہ آیات ۱۱، ۱۷، ۲۸ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آیت ۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے افراد و اقوام کے عروج و زوال کا ایک اٹل قانون بیان فرما دیا ہے۔ ہر وہ شخص یا قوم جو اپنی موجودہ پستی اور ذلت پر نالاں ہے اور عروج و بلندی کی خواہاں ہے وہ اس آیت کو بار بار پڑھے۔

قرآن سے ناواقف لوگ عام طور پر یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ تنازع للبقاء STRUGGLE FOR EXISTENCE اور بقائے اصلح SURVIVAL OF THE FITTEST کا نظریہ سب سے پہلے ڈاروِن نے پیش کیا لیکن اگر آپ آیت ۱۷ کا بغور مطالعہ فرمائیں گے تو آپ تسلیم کریں گے کہ حکمت کی انگوٹھی کا یہ قیمتی نگینہ بھی قرآن کے بحرِ حکمت کا ہی ایک چمکتا ہوا موتی ہے۔

انسان اپنی مادی اور سائنسی ترقی کے باوجود آج بے چین اور مضطرب ہے۔ اس کے فکر کے افق پر خوفناک اندیشوں اور کربناک تصورات کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ نرم و گداز صوفوں پر بیٹھ کر بھی اسے اطمینان نصیب نہیں۔ ٹیلیویژن کی سکرین پر حسن عریاں کی عشوہ طرازیاں اور نغموں کی پھوار بھی اس کی پیاس کو بجھا نہیں سکتی۔ دولت کے انبار بھی اس کو تسکین نہیں دے سکتے۔ اطمینان قلب ہی وہ جنس نایاب ہے جس کی انسان کو آج سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے اپنے سادہ، دلنشین اور پرزور انداز میں یہ بتا کر "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (آیت ۲۸) انسان کو اس متاع عزیز کا سراغ بتا دیا۔

آخر میں یہ فرما کر بات ختم کر دی کہ اے محبوب میں نے تجھے رسالت کا منصب بخشا ہے اور صحیفہ رشد و ہدایت عطا فرمایا ہے تاکہ تو اندھیرے میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو شاہراہ ہدایت پر گامزن کر دے۔ زبان تیری ہے لیکن بات میری ہے۔ قدم تو اٹھاتا ہے توفیق میں بخشتا ہوں۔ کاوش دشواریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے منکرین کے شور و غوغا کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آپ اپنے فرض رسالت کی ادائیگی میں سرگرم رہیں۔ اگر یہ کور باطن تیری نبوت کا انکار بھی کریں تو پرواہ نہیں۔ تیری رسالت تیری صداقت کا میں خود گواہ ہوں! اور وہ لوگ بھی گواہ ہیں جن کے دل نور وحی سے منور ہیں۔

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ رعد مدنی ہے اس کی آیتیں ۴۳ اور رکوع چھ ہیں۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ

الف لام میم را[1] یہ آیتیں ہیں کتاب (الہی) کی۔[2] اور جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپکے رب کی جانب سے وہ حق ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ

لیکن اکثر لوگ (اپنی کج فہمی کے باعث) ایمان نہیں لاتے۔ اللہ وہ (قدرت و حکمت والا) ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو

1۔ حروف مقطعات ہیں۔ ان کے متعلق تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول عطا سے یہ مروی ہے کہ یہ مخفف ہے انا اللہ الملک الرحمٰن کا۔

2۔ یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی۔ اور جس کتاب کو اللہ تعالیٰ نازل فرمائے اس کے حق ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس سچی کتاب پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اعجاز بیان کے سامنے تو انھیں دم مارنے کی ہمت نہ تھی لیکن قرآنی دعوت کے تین بنیادی اصولوں سے انھیں اتنا شدید اختلاف تھا کہ وہ کسی قیمت پر ان کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ (۱) توحید باری (۲) روز قیامت (۳) وحی۔ یہ بات ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتی تھی کہ ایک خدا اس وسیع و عریض کائنات کے ان گنت مسائل سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتا ہے اجعل الالھۃ الھا واحدا ان ھذا لشیئ عجاب۔ نیز قرآن کا یہ کہنا کہ مرنے کے بعد تمہیں پھر زندہ کیا جائے گا اور قیامت کے دن تمہیں اپنے اعمال کی جوابدہی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا ہو گا تو اس کو بھی عقل و دانش کے خلاف یقین کرتے ہوئے اس کا انکار کرتے تھے۔ وہ یہ ماننے کے لیے بھی تیار نہ تھے کہ کوئی انسان ایسا بھی ہو سکتا ہے جس پر وحی نازل ہو۔ یہ تین شبہات ان کے دل میں ایسے جڑ پکڑ چکے تھے کہ ان کی موجودگی میں آفتاب سے روشن دلائل کے سامنے بھی وہ سر جھکانے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ اس سورت میں انہی تین شبہات کو ایک مؤثر طریقہ سے دور کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی حقیقت کا فہم تو انسان کے بس میں نہیں لیکن اس کی صفات کے آئینوں میں اس کی عظمت و کبریائی کے جلوے دیکھے جا سکتے ہیں۔ ذرا آسمان کی طرف نظر اٹھا کر تو دیکھو۔ کیا تم اس کی بلندی کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ کیا اس کی وسعت و فراخی کا تمہاری نظر احاطہ کر سکتی ہیں۔ کیا اس کو اتنی بلندی پر تھامنے کے لیے کوئی ستون تمہیں دکھائی دے رہا ہے۔ تم تو ایک چھوٹے سے کمرے کی چھت ڈالنا چاہو تو پہلے دیواریں بناتے ہو پھر شہتیر رکھتے ہو ان پر دھنیاں کڑیاں بچھاتے ہو تب جا کر ایک چھت بنتی ہے اور وہ بھی ایسی کہ کچھ مدت کے بعد اس میں شگاف پڑنے شروع ہو جاتے ہیں اس پر بھی تمہیں اپنے فن اور ذہانت پر ناز ہے۔ ذرا اس کی قدرت کو دیکھو جس نے آسمانوں کو ستونوں اور سہاروں کے بغیر کھڑا کر دیا ہے۔ پھر اس کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ اسے بنے ہوئے لاکھوں کروڑوں سال گزر گئے اور اس میں بال تک پیدا

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

بغیر ستونوں کے (جیسے) تم انہیں دیکھ رہے ہو پھر وہ متمکن ہوا عرش پر سے اور پابند حکم بنا دیا سورج

وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ

اور چاند کو سے ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک۔ اللہ تعالیٰ تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی ث کھول کر بیان کرتا ہے

الْآيَاتِ لَعَلَّكُم بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ

اپنی نشانیوں کو۔ شاید تم اپنے رب سے ملاقات کا یقین کر لو ے اور وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا زمین کو ے

نہیں ہوتی۔ ترونھا کی ضمیر کا مرجع سموٰت بھی ہو سکتے ہیں اور عمد بھی۔ پہلی صورت میں آیت کا ترجمہ وہ ہوگا جو درج ہے دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جس نے بلند کیا آسمانوں کو ان ستونوں کے بغیر جنہیں تم دیکھ سکو یعنی آسمانوں کو ستونوں پر تو قائم کیا گیا ہے لیکن ایسے نہیں جو تمہیں نظر آسکیں ای لها عمد فی الحقیقۃ الا ان تلک العمد ھی قدرۃ اللہ وابقاءہ ایاھا فی الجو العالی (کبیر) یعنی حقیقت میں اس کے ستون ہیں اور وہ قدرت ربانی اور امر الٰہی ہے جس کی وجہ سے وہ اتنی بلندی میں قائم ہیں۔

سے یعنی کائنات کی تخلیق کے بعد اس کی بقا اور اس کی نشوونما اور اس کی حکمرانی کی زمام اس کے دست قدرت میں ہے۔ اس پر حواشی پہلے گزر چکے ہیں۔

سے اگر اب بھی اطمینان نہیں ہوا تو آؤ تمہیں اس کی قدرت کا ایک اور روشن ثبوت دکھائیں۔ سورج اور چاند کو دیکھو کس طرح اپنی معینہ مداروں میں گردش کر رہے ہیں۔ مقررہ وقت پر طلوع ہوتے ہیں۔ مقررہ راستے سے گزرتے ہوئے غروب ہوتے ہیں۔ انقیاد و اطاعت کا یہ عالم ہے کہ ایک دن بھی انھوں نے چڑھنے و ڈوبنے میں تاخیر یا عجلت نہیں کی۔ کیا مجال کہ اپنے مقررہ راستے سے بال برابر دائیں بائیں سرک سکیں۔ کوئی مشرق سے مغرب کی طرف۔ کوئی مغرب سے مشرق کی طرف۔ کوئی مائل بجنوب اور کوئی مائل بشمال ہے کسی کی رفتار تیز ہے اور کسی کی رفتار سست لیکن نہ آپس میں ٹکراتے ہیں نہ راستہ بدلتے ہیں نہ مقررہ وقت سے پہلے اپنا دورہ مکمل کرتے ہیں اور نہ پیچھے۔ خود ہی بتاؤ جس کے حکم سے یہ سب کچھ رونما پذیر ہو رہا ہے اس کے علم اس کی قدرت میں شک کرنے کی کوئی گنجائش ہے وہ لوگ جو شمس و قمر و دیگر اجرام فلکی کی پوجا کیا کرتے ہیں انھیں بھی بتا دیا کہ وہ خدا نہیں وہ معبود نہیں بلکہ وہ ایک فرمانبردار غلام کی طرح اپنے مالک کے فرمان کے سامنے سرافگندہ ہیں۔ علامہ راغب سخر کا معنی لکھتے ہیں التسخیر سیاقۃ الی الغرض قھرا۔ کسی چیز کو قہراً و جبراً کسی مخصوص غرض کی طرف لے جانا۔ (مفردات)

ے یعنی اس جہان رنگ و بو اور عالم ہست و بود کو پیدا کرنے کے بعد وہ بے تعلق ہو کر بیٹھ نہیں رہا بلکہ وجود و عدم حیات و موت فقر و غنا اور جملہ شئون کائنات اسی کی تدبیر سے انجام پا رہے ہیں۔ اس پر بھی حواشی گزر چکے ہیں۔

ے اپنی قدرت و حکمت کی آیات بینات کے ذکر کے بعد ان کے دوسرے رخ کی طرف توجہ فرمائی اور انھیں بتایا کہ جس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ

اور بنا دیئے اس میں پہاڑ ث اور دریا ث اور ہر قسم کے پھلوں میں سے دو دو

فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

جوڑے بنا دیئے نث وہ ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو لا بیشک ان تمام چیزوں میں (اس کی قدرت کی)

آسمان و زمین شمس و قمر اور تمام اجرام فلکی اس کے فرمان کے غلام ہیں۔ اس کے لیے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ مُردوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اپنے حضور میں پیش کرے۔ بیان کا حسن اور اسلوب کی دلکشی غور طلب ہے۔

ث عالم علوی میں اپنی قدرت کے نشانات کا مشاہدہ کرانے کے بعد اب عالم سفلی میں اپنی قدرت کے شاہکاروں کی طرف توجہ مبذول کرائی جارہی ہے۔ اس آیت میں پانچ دلیلیں ذکر ہوئیں۔ (۱) دیکھو! سوچو! انصاف کرو اور بتاؤ زمین کا یہ وسیع و عریض فرش کس نے بچھایا ہے۔ کیا تمہارے ان بتوں نے جنہیں گھڑے ہوئے ابھی صرف چند سال ہی گزرے ہیں اور انھیں گھڑا بھی گیا تو کس پتھر سے جو اس وسیع زمین کے کسی گوشہ میں پایا گیا۔ اس آیت سے زمین کے چپٹے ہونے پر استدلال درست نہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ زمین کی کرویت دلائل سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس کی مخالفت کرنا ہٹ دھرمی ہے انه ثبت بالدلائل ان الارض کرة وکیف یمکن المکابرة فیه (کبیر) کیونکہ کرۂ ارضی بڑا وسیع ہے اس کو اپنی شکل میں ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے ان الارض جسم عظیم والکرة اذا کان فی غایة الکبر کان کل قطعة منها تشاهد کالسطح یاد رہے کہ امام رازی نے یہ سطور ۶۰۶ھ میں لکھی تھیں یعنی علمائے اسلام کے نزدیک زمین کی کرویت اس وقت سے ہی محقق ہو چکی تھی۔

ث دوسری دلیل: جگہ جگہ پہاڑوں کا قائم کر دینا بھی اس کی قدرت کاملہ کی روشن دلیل ہے کس طرح ان کو بلند کیا اور ایک جگہ پر انھیں مستحکم کر دیا جن میں ان گنت معدنیات کے خزانے پیدا کر دیئے کہیں سے کوئلہ نکل رہا ہے کہیں سے لوہا کہیں سے سونا برآمد ہو رہا ہے۔ کہیں سے تانبا کہیں سے کچھ اور کہیں سے کچھ۔

ث تیسری دلیل: پہاڑوں کے سخت پتھروں اور سنگین چٹانوں سے ہزارہا فٹ کی بلندی پر پانی کے ایسے چشمے جاری کر دیئے جن سے بڑے بڑے دریا نکلیں اور میدانی علاقوں میں جا کر لاکھوں مربع میل زمین کو سیراب کریں۔ یقیناً یہ اس کی کبریائی کی روشن نشانی ہے۔

نث چوتھی دلیل: پھلوں کے اقسام کا شمار آسان نہیں۔ ان میں رنگ، بُو، ذائقہ اور تاثیر کا جو بے پناہ فرق ہے وہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ اگر آپ بیک وقت قدرت کی ان تمام نیرنگیوں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں تو ایک قسم کے پھل کو ہی لیجیے ایک ہی زمین ہے ایک ہی موسم ہے اور ایک ہی چشمہ کے پانی سے آبپاشی ہوتی رہی ہے لیکن پھر بھی ان میں یکسانیت نہیں۔ کوئی انتہائی شیریں ہے کوئی بیحد ترش۔ کسی کا رنگ سبز ہے کسی کا زرد، کوئی عمدہ ہے اور کوئی ردی۔ سوچو ان میں رنگ، بُو، ذائقہ و تاثیر کا یہ تفاوت کہاں سے آیا۔ طبعی اسباب تو یکساں تھے معلوم ہوا کہ ان تمام طبعی عوامل کے پیچھے کوئی اور قوت کارفرما ہے جس کا حکم سب پر غالب ہے۔ اسباب میں اثر بھی اسی نے رکھا

لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ

نشانیاں ہیں اس قوم کیلیے جو غور و فکر کرتے رہتے ہیں ۔ اور زمین میں مختلف قسم کے ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں اور باغات ہیں انگوروں کے

ہے۔ اثر کا ظہور بھی اسی کے اذن سے ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ بھی وہی مقرر فرماتا ہے۔

زوجین سے مراد نر مادہ بھی ہو سکتے ہیں جیسے جدید تحقیقات سے واضح ہو چکا ہے کہ جتنی جڑی بوٹیاں فصلیں پھل دار درخت اور بیلیں ہیں سب میں کوئی نر ہے اور کوئی مادہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسی ہوائیں مقرر کر دی ہیں جو نر پودوں سے مادۂ تولید لے کر مادہ پودوں پر ڈالتی رہتی ہیں تاکہ عمل تلقیح انجام پذیر ہوتا رہے۔ وجعلنا الریاح لواقح میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

لله پانچویں دلیل: دن کے آجانے کے بعد رات کی تاریکی کا پھیل جانا۔ یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ آپ خود غور فرمائیے کہ اگر لیل و نہار کا یہ تسلسل نہ ہوتا تو یہ دنیا یا تو سائبیریا سے بھی زیادہ سنسان برفستان ہوتی یا ایک چٹیل لق و دق صحرا اور دونوں زندگی کی رنگینیوں سے بالکل محروم ہوتے۔

لله ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے اور وہ ہے بھی ایک۔ اگر کائنات کسی حادثہ سے معرض وجود میں آئی ہوتی تو اس کے جمال میں یہ رعنائی اور اس کے کمال میں یہ نکھار نہ ہوتا اگر کائنات کے کئی خالق ہوتے تو کائنات کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز میں جو حیرت انگیز ہم آہنگی موجود ہے وہ مفقود ہوتی۔ آسمان سے لیکر زمین تک سورج سے لیکر ذرہ تک دریاؤں سے لیکر ایک معمولی جڑی بوٹی تک ایسا نظم و نسق قائم ہے گویا کسی ماہر کاریگر نے کائنات کی بظاہر ان مختلف متضاد اور بکھری ہوئی چیزوں کو ایسی لڑی میں پرو دیا ہے کہ ایک کو چھوڑ کر دوسری کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر پہاڑوں کو بنانے والا کوئی دوسرا خدا ہوتا اور میدانوں کو بنانے والا اور تو وہ کبھی پہاڑوں سے ایسے دریا جاری نہ کرتا جن کا پانی وہاں سے بہہ کر میدانوں کو جا کر سیراب کرے۔ اگر اجرام فلکی اور زمین کے خالق الگ الگ ہوتے تو انھیں کیا پڑی تھی کہ سورج چاند اور دوسرے کواکب کو اتنی مسافت پر رکھتے کہ ان سے پیدا ہونے والی حرارت اور روشنی کی صرف اتنی مقدار زمین پر پہنچے جس سے زندگی نشو و نما پا سکے۔ کائنات کے تنوع میں جو وحدت، اختلاف میں یکسانیت، اور ہر چیز کا دوسری چیز سے جو گہرا ربط ہے وہ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ ایک قادر مطلق حکیم اور ہمہ دان خدا ہی اس کا خالق ہے جس کا کوئی شریک نہیں لیکن یہ روشن دلائل اس قوم کے دلوں کو ہی نور یقین سے منور کر سکتے ہیں جو ان آیات بینات میں غور و فکر کیا کرتی ہے کاش ہمارے نوجوان قرآن کی ان آیات کا صدق دل سے مطالعہ کریں۔ اور ان کے تقاضوں کو دیانتداری اور دلسوزی سے پورا کریں تو بخدا نہ صرف یہ کہ ان کا آفتاب اقبال نصف النہار پر چمکنے لگے بلکہ انسانوں کا منزل گم کردہ قافلہ جو وہم و گمان کے گھٹ اندھیروں میں بھٹک رہا ہے اس کی آوارگی کے دن بھی ختم ہو جائیں۔ انھیں بھی وہ منزل مل جائے جو انسان کی حقیقی منزل ہے۔ یہ آیتیں ان نوجوانوں کو اور ان کی خفتہ صلاحیتوں کو سختی سے جھنجھوڑ رہی ہیں جنھیں اب یاد ہی نہیں کہ وہ اس ملت کے فرد ہیں جسے قدرت نے خیر الامم فرمایا ہے۔ اور جس کے فرائض میں اہم ترین فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اس غارت گر متاع حیات کو کون بتائے کہ اے پچھلی رات تک رقص گاہوں اور سینماؤں میں داد عیش دینے والے تو کب لوٹے گا۔ تیرا گھر تو لٹ گیا تیری ناموس تو خاک میں ملا دی گئی۔ اقوام عالم کے قافلے ترقی کی دوڑ میں اتنے آگے نکل گئے کہ اب ان کی آواز جرس بھی سنائی نہیں دے رہی۔

أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ

اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں کچھ ایک تنے سے پھوٹی ہیں اور کچھ الگ الگ تنوں سے سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی

وَاحِدٍ ۖ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

پانی سے (اسکے باوجود) ہم فضیلت دیتے ہیں بعض (درختوں) کو بعض پر ذائقہ اور بو میں ۱۳؎ بیشک ان میں (اللہ تعالیٰ

لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَإِذَا

کی عظمت و کبریائی کی) نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو عقلمند ہو۔ اے سننے والے! اگر تو (انکے تعصب پر) حیران ہوتا ہے تو حیرت انگیز ان کا یہ قول بھی

كُنَّا تُرَابًا أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ

ہے کہ کیا جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے (دوبارہ) پیدا کیا جائے گا ۱۴؎ یہی (منکرین قیامت) وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار

۱۳؎ اپنی قدرت کی نیرنگیوں کی طرف پھر متوجہ کیا جا رہا ہے چشم خرد کھولو اور دیکھو گوش ہوش وا کرو اور سنو کہ یہ تمہاری زمین ہے اس کو مختلف ٹکڑوں میں تم نے تقسیم کیا ہوا ہے۔ کسی میں انگوروں کے باغات لگاتے ہو کسی میں اناج اگاتے ہو کہیں کھجوروں کے نخلستان کھڑے ہیں۔ ایک ہی پانی سے ان کھیتوں اور باغات کو تم سیراب کرتے ہو۔ زمین بھی ایک پانی بھی ایک موسم بھی ایک لیکن دیکھو ہر جگہ ہماری قدرت کے نرالے گل کھلے ہیں۔ کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ، کوئی ردی۔ کسی کی اوسط پیداوار کچھ کسی کی کچھ۔ کیا یہ ہمارے قادر مطلق ہونے کے ناقابل تردید دلائل نہیں اگر ہماری قدرت کا دخل نہ ہوتا تو طبعی اسباب کی یکسانگی کے باعث نتائج میں بھی اسی قسم کی یکسانیت ہوتی۔ اگر عقل و خرد سے کام لو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ سب ہماری قدرت کی منہ بولتی براہین ہیں۔ وهذا ادل دليل على بطلان القول بالطبع اذ لو كان ذالك بالماء والتراب والفاعل له الطبيعة لما وقع الاختلاف۔ قوت فکر و رفعت عقل کو قرآن جو اہمیت دیتا ہے اور اس کو کام میں لانے اور اس سے صحیح صحیح فائدہ اٹھانے کا جو جیتا جاگتا احساس دلاتا ہے وہ ان آیات سے عیاں ہے۔ تحقیق لغوی صنوان کا واحد صنو ہے۔ اس کا معنی مثل ہے جیسے حدیث شریف میں ہے عم الرجل صنو ابيه یعنی چچا باپ کی مثل ہوتا ہے۔ صنوان کھجوروں کے ان متعدد درختوں کو کہتے ہیں جو ایک اصل سے پھوٹے ہوں۔ هي النخلات والنخلتان يجمعهن اصل واحد وتتشعب منه رؤوس فتصير نخيلا (قرطبی)

غیر صنوان: المتفرق کھجوروں کے الگ الگ درخت۔

۱۴؎ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے ان روشن دلائل کے بعد وقوع قیامت پر ایمان نہ لانا انتہائی تعجب انگیز ہے جب انہیں سمجھا دیا گیا کہ یہ جہان بالا و پست اس کی صفاتِ کمال کی جلوہ گاہ ہے چشم بینا کو ہر ذرہ میں اس کی قدرت، حکمت اور علم کے حسین جلوے نظر آ رہے ہیں، تو جس کی قدرت و حکمت کی یہ شان ہو کیا اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس نے اس ارذل کے بعد کوئی دار الجزاء نہ بنائی ہو۔ ایک ذی

وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

کا انکار کیا! اور انھیں (بدنصیبوں) کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ اور یہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس (آگ) میں

فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ وَ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَ قَدْ

ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور یہ تیزی سے مطالبہ کرتے ہیں آپ سے برائی (عذاب) کا بھلائی (یعنی بخشش) سے پہلے۔ اور ان

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ

نادانوں کو یاد نہیں کہ گزر چکے ہیں ان سے پہلے نزول عذاب کے کئی واقعات ۱۹ اور اے محبوب! بلاشبہ آپ کا رب بہت بخشنے والا بھی ہے لوگوں کیلئے

حق کا علم ہاتھ میں اٹھائے اور ساری دنیا کی آفتیں اس پر ٹوٹ پڑیں اور اس گناہ کی پاداش میں کہ وہ حق کو حق کیوں کہتا ہے اسے گھر سے نکال دیا جائے۔ اسے مال و متاع سے محروم کر دیا جائے اسے تختہ دار پر کھینچ دیا جائے اور اس کے بعد کوئی ایسا دن نہ آئے جب اس کو اس کی حق کیشی جرأت مندی اور ثابت قدمی کا صلہ دیا جائے۔ جو سر کش شخص قہر و ظلم کی بجلی بن کر تباہی مچاتا ہے حقوق تلف کرتا ہے داد عیش دیتا ہے اور یہ باغی جب یہاں سے جائے تو کیا اس کو فراموش کر دیا جائے! اور اس کی عمر بھر کی بدکاریوں اور دل آزاریوں کی اسے کوئی سزا نہ دی جائے! ایسا ہونا اس کی حکمت کے خلاف ہے عقل سلیم اس کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ دنیا میں کئی تعجب انگیز باتیں ہیں لیکن اس کھلی حقیقت کا اس بے حیائی سے انکار ایک ایسا تعجب خیز امر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز حیرت انگیز اور مضحکہ خیز نہیں ہو سکتی۔

۱۹ یعنی ان منکرین حق کی یہ دیرینہ عادت ہے کہ اسلام کی حقانیت کے جو روشن دلائل ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ان میں تو غور و فکر کی زحمت گوارا نہیں کرتے البتہ منکرو بچے یہ اللہ تعالیٰ نے جو عذاب مقدر کیا ہے اس کے جلد آنے کے لیے بڑا شور مچاتے ہیں انھوں نے اسلام کی حقانیت کی صرف ایک دلیل اپنے ذہن میں جمائی ہوئی ہے کہ اگر وہ عذاب اتر آیا تو یہ نبی بھی سچا اور اس کا دین بھی برحق۔ اور اگر ان کی فرمائش کے مطابق نہ اترا اور انھیں سوچنے کی مزید مہلت دے دی گئی تو بس یہ فیصلہ دے دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ من گھڑت اور کھوکھلی دھمکیاں ہیں۔ وہ نادان یہ بھی نہیں سوچتے کہ اگر وہ عذاب ان پر نازل کر دیا جائے اور اس وقت اسلام اور داعی اسلام کی صداقت کا یقین انھیں آ بھی جائے تو اس سے آخر انھیں کیا فائدہ ہو گا وہ تو تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ انھیں بتایا جا رہا ہے کہ نادان بچوں کی طرح یہ ضد چھوڑ دو۔ ان مہلت کی گھڑیوں سے فائدہ اٹھاؤ ان دلائل و شواہد میں غور کرو اور نور ایمان سے اپنے سینوں کو روشن کرو۔

۲۰ یعنی ان سے پہلے بھی تو کئی قومیں گزر چکی ہیں جنھوں نے اس قسم کی حماقت کی اور عذاب الٰہی کے نزول کا مطالبہ کیا اور اسی نزول عذاب کو نبی کی صداقت کا معیار قرار دیا۔ ہم نے ان پر ان کی بیتاب خواہش اور بے حد اصرار کے باعث جب عذاب بھیجا تو کیا وہ تباہ و برباد ہو کر نہ رہ گئے۔ یہ لوگ ان کے خوفناک انجام سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ کیا یہ بھی بے چین ہیں کہ پہلے تباہ ہونے والوں کی روش اختیار کر کے اپنے آپ کو بھی بالکل تباہ و برباد کر کے دم لیں گے۔

عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑥ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

ان کے ظلم (زیادتی) کے باوجود ۱۷ اور بیشک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا بھی ہے ۱۸ اور کافر کہتے ہیں۔

كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ

کہ کیوں نہ اتاری گئی ان کی طرف کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے ۱۹ آپ تو (گمراہی کے انجام بد سے) ڈرانے والے ہیں

لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ

اور ہر قوم کے لیے آپ ہادی ہیں ۲۰ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو (شکم میں) اٹھائے ہوتی ہے کوئی مادہ اور جانتا ہے جو کم کرتے ہیں

المثلات۔ العقوبات اس کا واحد مَثُلَةٌ ہے یعنی عذاب۔ علامہ راغب لکھتے ہیں المَثُلَةُ: نقمة تنزل بالانسان فيجعل مثالا يرتدع به غيره وذلك كالنكال جمعه مَثُلات ومَثَلات۔ (مفردات)

۱۷ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تیرا پروردگار تو اپنے بندوں پر عذاب نازل کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیتا اس کی مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے۔ بندے نافرمانی کرتے ہیں قصور کرتے ہیں۔ کفر و شرک پر اڑے رہتے ہیں۔ فسق و فجور کی انتہا کرتے ہیں۔ لیکن وہ عفو و درگزر ہی کرتا رہتا ہے اس کا شیوہ ہی کرم کرنا اور پیہم کرم کرنا ہے۔ کفار مکہ نے بھی غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعائیں مانگیں تھیں اللهم ان كان هذا هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء اے اللہ اگر یہ کتاب سچی ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اصرار کے باوجود ان پر عذاب نہ اتارا بلکہ یہ فرمایا: ماكان الله ليعذبهم وانت فيهم، اے محبوب تم ان کے درمیان تشریف فرما ہو ان پر عذاب کیونکر اتارا جائے۔

۱۸ لیکن جب انکار و عناد کی حد ہو جاتی ہے اور مہلت کا عرصہ ختم ہو جاتا ہے تو پھر ان پر اتنا شدید عذاب آتا ہے کہ وہ نیست و نابود کر کے رکھ دیے جاتے ہیں۔

۱۹ سینکڑوں معجزات دیکھنے کے باوجود پھر وہ یہی کہتے ہیں کہ کوئی اور معجزہ دکھایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو فرماتے ہیں کہ ان کو بتا دیجیے کہ میرا کام تمہیں اس کے عذاب سے ڈرانا تھا وہ میں نے پوری طرح کر دیا۔ میرے رب نے مجھے اس لیے نہیں بھیجا کہ تم معجزات کے لیے فرمائشیں کرتے رہو اور میں ان کو پورا کرتا رہوں۔

۲۰ عکرمہ اور ابو ضحاک نے کہا کہ هاد سے مراد حضور کی ذات ہے کہ حضور منذر بھی ہیں اور قیامت تک آنیوالی سب اقوام عالم کے لیے راہ نما بھی ہیں عن عكرمة وابى الضحاك (لكل قوم هاد) قالا هو محمد صلى الله عليه وسلم۔ (ابن کثیر) اور اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ دنیا میں جتنی قومیں گزری ہیں یا اب موجود ہیں سب کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیا اور ان کے نائبین کو مقرر کیا کہ انہیں پیغام حق پہنچائیں اور شاہراہ ہدایت پر چلنے کی دعوت دیں۔

الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾ عَالِمُ

رحم اور جو زیادہ کرتے ہیں ۲۱ اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازہ سے ہے۔ وہ جاننے والا ہے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾ سَوَاءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ

ہر پوشیدہ چیز کو اور ہر ظاہر چیز کو سب سے بڑا عالی مرتبہ ہے ۲۲ (اس کے علم میں) سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات

الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ

کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے ۲۳ اور وہ بھی جو چھپا رہتا ہے رات کے وقت اور جو چلتا پھرتا رہتا ہے

بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ

دن کے وقت۔ انسان کے لیے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی ۲۴ وہ نگہبانی کرتے ہیں اس کی

۲۱ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو بیان کیا جا رہا ہے کہ شکم مادر میں قرار پانے والے نطفہ کو اور مدت حمل میں جو چھوٹے بڑے اہم اور غیر اہم تغیرات اس میں رونما ہوتے ہیں وہ ان سب کو جانتا ہے۔ ہر چیز کے لیے اس نے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ ہر چیز اسی کے عین مطابق معرض وجود میں آتی ہے جو ذات تمہیں اس وقت سے جانتی ہے جبکہ تم ایک قطرہ آب سے زیادہ کچھ نہ تھے تو کیا اب تمہارا کوئی قول اور تمہارا کوئی ارادہ اس سے چھپا رہ سکتا ہے؟ یا اگر تم قبروں میں پڑے پڑے خاک ہو جاؤ اور تمہارے ذروں کو ہوا اڑا لے جائے تو وہ بھی اس کے علم میں ہے اور قیامت کے دن وہ ان سب منتشر ذروں کو اکٹھا کر کے زندہ کرے گا اور تم سے باز پرس ہوگی۔

۲۲ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ کا ذکر فرمایا الکبیر الذی کل شیئ دونہ المتعال المستعلی علی کل شیئ بقدرتہ و قہرہ۔ (قرطبی) یعنی کبیر وہ ہے جو سب سے بڑا ہو اور ہر چیز اس کے نیچے ہو اور متعال کا یہ مفہوم ہے کہ جو اپنی قدرت اور طاقت کے باعث ہر چیز پر غالب ہو۔

۲۳ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہے یعنی وہ تمہاری سب باتوں کو جانتا ہے خواہ تم بڑی رازداری سے سرگوشیاں کرو یا بلند آواز سے اظہار خیال کرو، خواہ رات کی تاریکی کے پردہ میں تم چھپے ہوئے ہو یا دن کے اجالے میں ظاہر دکھائی دے رہے ہو، وہ تمہاری ہر بات سنتا ہے اور تمہیں ہر حال میں دیکھتا ہے۔ سارب بظاہر اس کے علاوہ اس کا معنی المتواری، یعنی سرنگوں میں چھپنے والا السارب المتواری ای داخل سربا (قرطبی)

۲۴ یعنی شکم مادر میں قطرہ آب سے لیکر انسان کامل بننے تک جتنے تغیرات ہوئے وہ ہمارے مقرر کیے ہوئے اندازے کے مطابق ہوئے۔ وہ سب ہمارے علم میں ہیں۔ اسی طرح جب انسان اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو ہمارے خدائی پہرہ دار اس کے اعمال نیک و بد کی نگرانی پر مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔

مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا

اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی اچھی یا بری حالت کو جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی

بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ

پیدا نہیں کرتے ۲۵ اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا تو کوئی ٹال نہیں سکتا اسے ۲۶ اور نہیں ان کیلیے

اور اس کا ہر قول و فعل ریکارڈ کر لیا جاتا ہے اور قیامت کے دن اگر وہ اپنے جرائم کو تسلیم کرنے سے انکار کرے گا تو یہ نوشتہ اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور پھر اس کو مجال انکار نہیں رہے گی۔

اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کر دیے ہیں جو اس کے آگے پیچھے رہتے ہیں اور طرح طرح کے مصائب سے اسے بچاتے ہیں۔ ایک روز ایک آدمی حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آیا اور آ کر عرض کی کہ قبیلہ مراد کے چند آدمی آپ کو قتل کرنے کی سازش کر رہے ہیں اس لیے اپنی حفاظت کا اہتمام فرمائیے۔ اقلیم یقین رضا کے فرمانروا نے فرمایا ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں جو اس کی حفاظت پر مامور ہوتے ہیں جب تک وہ مقررہ گھڑی نہ آ جائے اور جب وہ ساعت آ جاتی ہے تو وہ فرشتے تقدیر الٰہی کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں اور موت کا مقررہ وقت ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس میں وقت سے پہلے کوئی داخل نہیں ہو سکتا وان الاجل حصن حصینۃ اور بعض علماء کا ارشاد ہے کہ لہ کا مرجع حضور فخر کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو کفار کی دست درازیوں اور ان کے مکر و فریب سے حضور کی حفاظت کرتے ہیں معقبات اوٹ کر آنے والے التعقب العود بعد البدأ من امر اللہ میں من بمعنی با بمعنی بامر اللہ ان کی وہ حفاظت اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے ہوتی ہے۔

۲۵ عروج و ترقی عزت و خوشحالی اور امن و عافیت کی ان نعمتوں سے کوئی قوم بہرہ ور ہوتی ہے۔ ان سے اسے بلاوجہ محروم نہیں کر دیا جاتا بلکہ جب وہ خود اپنے اچھے اعمال کو برے اعمال سے پسندیدہ خصال کو ناپسندیدہ اطوار سے فرض شناسی محنت اور جفاکشی کی صفات کو فرض ناشناسی سہل انگاری اور دوں ہمتی سے بدل دیتی ہے اس وقت قدرت کا اٹل قانون اسے عزت کی بلندیوں سے ذلت و نامرادی کی پستیوں میں دھکیل دیتا ہے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم (من العافیۃ والنعمۃ) حتی یغیروا (ای القوم) ما بانفسہم (من الاحوال الجمیلۃ بالاحوال القبیحۃ) (مظہری)

اسی طرح کسی خستہ حال قوم یا فرد کو بلاوجہ خوشحال نہیں بنا دیا جاتا، بلکہ پہلے اسے اپنی مذموم خصلتیں چھوڑنی پڑتی ہیں اور خصال حمیدہ سے اپنے آپ کو متصف کرنا پڑتا ہے، تب اس کی حالت بدل جاتی ہے۔

۲۶ جب کوئی قوم بار بار کی نصیحتوں ان کے بعد پیہم تنبیہوں اور سرزنشوں کے باوجود اپنی اصلاح نہیں کرتی اور اپنی اصلاح کے لیے جو مہلت اسے دی جاتی ہے وہ بھی غفلت میں گزار دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے اعمال کے بدلے میں کوئی سزا دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر کوئی طاقت اس کو اپنے اعمال کے نتائج سے بچا نہیں سکتی۔ یہ وہ قانون قدرت ہے جس میں کوئی استثناء نہیں یہ حقیقت ہے جو ناقابل تردید

مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ۝ هُوَ الَّذِیۡ یُرِیۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّ

اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مددکرنے والا ہوتا ہے۔ وہی ہے جو تمھیں دکھاتا ہے بجلی (کبھی) ڈرانے کے لیے اور (کبھی)

طَمَعًا وَّ یُنۡشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَ یُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ

امید دلانے کیلئے ۲۷ اور اٹھاتا ہے (دوش ہوا پر) بھاری بادل اور رعد اس کی پاکی بیان کرتا ہے اس کی حمد کے ساتھ ۲۸

وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ مِنۡ خِیۡفَتِهٖ ۚ وَ یُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیۡبُ بِهَا

اور فرشتے بھی اس کے خوف سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے ۲۹ پھر گراتا ہے انھیں

ہے کیا امت مسلمہ کو اپنے اعمال و اطوار کی اصلاح کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس روشن آیت کے بعد بھی کسی سمجھانے والے کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

۲۷ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر اور شواہد پیش کیے جا رہے ہیں کہ بادلوں میں جو بجلی کوندتی ہے۔ جس کی خیرہ کن چمک کو دیکھ کر تمھارے دلوں میں بیم و رجا کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تم دل ہی دل میں ڈر بھی رہے ہوتے ہو کہ کہیں تم پر گر کر تمھیں ہلاک نہ کر دے اور خوش بھی ہو رہے ہوتے ہو کہ بارش ہوگی کھیت اور باغات سیراب ہو جائیں گے اور تم نہال ہو جاؤ گے۔ یہ بجلی اور یہ بھاری بھرکم بادل جو ادھر اُدھر منڈلاتے پھر رہے ہیں تمھیں معلوم ہے کس نے پیدا کیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے جس کی تخلیق کا یہ کرشمہ ہے۔ خوفًا اور طمعًا کے منصوب ہونے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ حال ہیں اور یہ بھی کہ یہ مفعول لہٗ ہیں قال ابوالبقاء خوفا و طمعا مفعول من اجلہ (بحر) سحاب: اسم جنس ہے مذکر، مونث، مفرد جمع سب پر یہ استعمال ہوتا ہے۔

۲۸ یہ بجلی کی کڑک جسے سن کر تم دہل جاتے ہو اور تمھارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ بھی اپنی زبان حال سے یہ گواہی دے رہی ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا ہر عیب اور ہر ناتوانی سے پاک ہے ہر خوبی اور ہر کمال سے متصف ہے اور فرشتے بھی اسی کی پاکی اور حمد کے ترانے گا رہے ہیں۔ سب اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ کوئی بڑی سے بڑی قوت اور مقرب سے مقرب فرشتہ اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ رعد اس کڑک کو کہتے ہیں جو بادلوں کے آپس میں ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے اور اس فرشتہ کا نام بھی ہے جس کے ذمہ بادلوں کی تدبیر اور انتظام ہے۔ قال ابن عباس الرعد مَلَکٌ اَنَّہٗ مؤکَّلٌ بالسحاب یصرفہٗ حیث یؤمر (بحر)

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بادل گرجے اور بجلی کڑکے تو جو شخص یہ کلمات پڑھے اگر اس کو بجلی سے نقصان پہنچے تو اس کی دیت کا میں ذمہ دار ہوں۔ سبحان من یسبح الرعد بحمدہٖ والملٰئکۃ من خیفتہٖ وھو علٰی کلّ شیءٍ قدیر۔

۲۹ اسی کے حکم سے بجلی گرتی ہے اور اسی پر جا گرتی ہے جس پر گرانا چاہتا ہے۔ لوگ بڑی بے فکری سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو موضوع سخن بنائے ہوتے ہیں۔ اپنے علم و فہم پر اتنے نازاں ہوتے ہیں کہ ادب و احترام کا دامن بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور جو جی میں آئے وہ زبان پر لے آتے ہیں اور ان کی بے باکی پر جب اللہ تعالیٰ کے غضب کی بجلی گرتی ہے تو ان کو خاک سیاہ بنا کے رکھ دیتی ہے حضرت سید

مَنْ يَّشَاۤءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ

جس پر چاہتا ہے۔ اس حال میں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔ اسی کو

دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ

پکارنا حق ہے ۳۵ اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ۳۶ وہ نہیں جواب دے سکتے انھیں کچھ بھی

علی کرم اللہ وجہہ نے شدید المحال کا معنی کیا ہے۔ بڑی سخت گرفت کرنے والا شدید الاخذ قالہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ اس آیت کی شان نزول میں علماء کرام نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ میں حضرت صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ خزائن العرفان سے اس کی شان نزول نقل کر رہا ہوں۔

حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک نہایت سرکش کافر کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے اپنے اصحاب کی ایک جماعت بھیجی انھوں نے اس کو دعوت دی۔ کہنے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب کون ہے جس کی تم مجھے دعوت دیتے ہو کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا یا لوہے کا یا تانبے کا۔ مسلمانوں کو یہ بات بہت گراں گزری اور انھوں نے واپس جا کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ایسا اکفر سیاہ دل سرکش دیکھنے میں نہیں آیا۔ حضور نے فرمایا اس کے پاس پھر جاؤ۔ اس نے پھر وہی گفتگو کی اور اتنا اور کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر کے ایسے رب کو مان لوں جسے نہ میں نے دیکھا نہ پہچانا۔ یہ حضرات پھر واپس آئے اور انھوں نے عرض کیا کہ حضور اس کا خبث تو اور ترقی پر ہے۔ فرمایا پھر جاؤ۔ بتعمیل ارشاد پھر گئے جس وقت اس سے گفتگو کر رہے تھے اور وہ ایسی ہی سیاہ دلی کی باتیں بک رہا تھا ایک ابر آیا اس سے بجلی چمکی اور کڑک پیدا ہوئی اور بجلی گری اور اس کافر کو جلا دیا۔ یہ حضرات اس کے پاس بیٹھے رہے جب وہاں سے واپس ہوئے تو راہ میں انھیں اصحاب کرام کی ایک اور جماعت ملی۔ وہ کہنے لگے۔ کہیے وہ شخص جل گیا۔ ان حضرات نے کہا کہ آپ صاحبوں کو کیسے معلوم ہو گیا؟ انھوں نے فرمایا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آئی ہے ویرسل الصواعق الآیۃ۔

(خزائن العرفان)۔

۳۵ آیت کا یہ حصہ غور طلب ہے۔ علامہ زمخشری نے تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ الحق کا کلمہ یا تو سچ جو باطل کی نقیض ہے کے معنی میں ہوگا یا اللہ تعالیٰ کا اسم ہوگا اگر حق سچ کے معنی میں ہو تو پھر دعوۃ کی یہ صفت ہوگی لیکن مرکب توصیفی کی جگہ مرکب اضافی ذکر ہوا اور لغت عرب میں موصوف کو صفت کی طرف مضاف کر دیا جاتا ہے جیسے کلمۃ الحق یا مسجد الجامع ، میں ہے یعنی وہ دعا جو حق اور درست ہے جس پر قبولیت مرتب ہوتی ہے اور جو قبول ہوتی ہے وہ تو وہی دعا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کی جائے والمعنی ان اللہ سبحانہ یدعی فیستجیب الدعوۃ والداعی مسئول لہ اور اگر حق اسماء الٰہی میں سے ہو تو اس وقت معنی ہوگا دعوۃ المدعو الحق الذی یسمع فیجیب۔ علامہ ابو حیان نے بحر محیط میں پہلی ترکیب کو صحیح قرار دیا ہے اور یہی واضح بھی ہے۔

۳۶ جو بے جان بتوں کے پجاری ہیں اور ان کو پکارتے ہیں اور ان سے دعائیں مانگتے ہیں ان کی محرومی اور نامرادی کو ایک بڑی دلنشین

بِشَیۡءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیۡهِ اِلَى الۡمَآءِ لِیَبۡلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ

مگر اس شخص کی طرح جو پھیلائے ہوئے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پانی کی طرف تاکہ اس کے منہ تک پانی پہنچ جائے اور (یوں تو)

مَا دُعَآءُ الۡكٰفِرِیۡنَ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ یَسۡجُدُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ

پانی اسکے منہ تک نہیں پہنچ سکتا اور نہیں کافروں کی دعا مگر اسکے کہ وہ بھٹکتی پھرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کیلئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے

مثال دے کر واضح کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا ایسے کنوئیں کے دہانے پر بیٹھا ہو جس کی تہ میں پانی کھڑا ہے وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ پانی اوپر آجائے لیکن اس بے جان اور بے شعور پانی کو کیا خبر کہ ایک پیاسا کنوئیں کے کنارے پر بیٹھا ہوا بڑی بے تابی سے اس کی طرف ہاتھ بڑھا رہا ہے تاکہ پانی اوپر ہو جائے اور اس کے منہ میں داخل ہو کر اس کی پیاس کو دور کر دے۔ وہ پانی نہ تو اس کی آواز سنتا ہے نہ اسے دیکھتا ہے نہ اس کی شدت تشنگی سے باخبر ہے اور نہ ہی اس میں اتنی قوت ہے کہ خود بخود نیچے سے اوپر چلا جائے۔ اور اپنے طالب کی پیاس کو بجھائے۔ بس یہی حال ان مشرکوں کا ہے جو بتوں کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں کرتے ہیں لیکن وہ بے جان مجسمے نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ان کی مصیبت کا انھیں کچھ احساس ہوتا ہے نہ وہ انھیں نفع پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں اس لیے ان کے آگے دعا میں التجا اور فریادیں کرنا سراسر بے محل اور بے معنی ہے۔ وکذا ایک مایدعونه جماد ولایحس بدعائهم ولایستطیع اجابتهم ولا یقدر علی نفعهم (بحر) امام لغت نحو ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ عرب اس شخص کے لیے جو بے فائدہ کوشش کرتا ہے القابض علی الماء بطور ضرب المثل پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے بطور استشہاد یہ شعر لکھا ہے ؎ وانی وایاکم وشوقا الیکم ٭ کقابض ماء لم یسعه الانامل

۳۲؎ اس لیے کافروں کی یہ چیخ و پکار سب ضائع اور بے فائدہ ہے۔ کیونکہ جو دینے پر قادر ہے اس سے وہ مانگتے نہیں اور جن سے وہ مانگتے ہیں وہ بے جان پتھروں کے وہ مجسمے ہیں جو کچھ نہیں دے سکتے اُن کی دعا منظور ہو تو کیسے!

اس سے کسی کو یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ اگر لکڑی یا پتھر سے گھڑی ہوئی کسی مورتی سے یہ معاملہ کیا جائے تو کفر اور شرک ہے لیکن اگر کسی انسان جو زندہ ہے جس کی آنکھیں ہیں وہ ان سے دیکھتا ہے جس کے کان ہیں وہ ان سے خوب سنتا ہے اس سے یہ معاملہ کیا جائے تو شرک نہ ہوگا بلا شبہ وہ بھی شرک ہوگا جس طرح مشرکین ان مجسموں کو اپنا اِلٰہ اور معبود سمجھا کرتے تھے اگر کسی انسان کے متعلق بھی کسی کا یہ عقیدہ ہو تو وہ قطعاً مشرک ہوگا جس طرح یہ خیال کر لینا بدبختی ہے اسی طرح یہ تصور کر لینا بھی حقیقت ناشناسی ہے کہ اگر کسی اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے سے دعا کی درخواست کی جائے یا بارگاہ رسالت میں استغاثہ کیا جائے تو یہ بھی شرک ہو جاتا ہے حضور کی برکت سے توحید کا سبق ہر مومن کی لوح قلب پر یوں نقش ہو چکا ہے کہ وہ کسی غیر خدا کو اپنا معبود یا اللہ سمجھنے کا تصور تک بھی نہیں کر سکتا حتیٰ کہ اس مرقع ہر خوبی و زیبائی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ہر گاہ گو ہر نماز میں اپنی کئی بار پورے یقین اور شرح صدر سے یہ شہادت دیتا ہے کہ اشهد ان محمدا عبده و رسوله میں گواہی دیتا ہوں کہ میرا آقا و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم باایں ہمہ کمالات اللہ کا بندہ ہے اور اس کا رسول ہے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا نہیں، خدا کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو کسی اور کے متعلق اس کے دل میں شرک کا خیال کیسے آسکتا ہے اللہ تعالیٰ امت میں

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۞ قُلْ

اور زمین میں ۳۲۔ بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً۔ اور ان کے سائے بھی (سجدہ ریز ہیں) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی۔ آپ (ان سے)

مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ

پوچھیے کون ہے پروردگار آسمانوں اور زمین کا؟ (خود ہی) فرمائیے اللہ ۳۳۔ انھیں (کہیے) کیا تم نے بنا لیے ہیں اللہ کے

دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ

سوا ایسے حمایتی جو اختیار نہیں رکھتے اپنے لیے بھی کسی نفع کا اور نہ کسی نقصان کا۔ (ان سے) پوچھیے

يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ

کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور بینا یا کیا یکساں ہوتے ہیں اندھیرے اور نور ۳۵۔

انتشار پیدا کرنے والا افراط و تفریط سے بچائے اور راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ طٰہٰ ویٰس صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۲۔ یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز اپنے مالک کے حکم کے آگے سرافگندہ ہے۔ کوئی تو وہ خوش نصیب ہیں جن کا ظاہر اور باطن جن کا دل اور دماغ جن کی روح اور جن کا بدن اس کی عظمت و کبریائی کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہوئے اس کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں اور جن کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں وہ بھی اس کے سامنے دم نہیں مار سکتے۔ اسی کے حکم سے اور اسی کے مقرر کیے ہوئے وقت پر یہ پیدا ہوئے اور جب اس کا حکم آئے گا انھیں اس دنیا سے اسی وقت بلا توقف جانا پڑے گا کوئی چاہے یا نہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا طوق اس کے گلے میں آویزاں ہے کسی کی مرضی ہو یا نہ ہو اس کے حکم کے سامنے ہر ایک کو گردن جھکانی پڑتی ہے۔ ان المومن یسجد ببدنہ طوعاً وکل مخلوق من المومن والکافر یسجد من حیث انہ مخلوق یسجد دلالۃ وحاجۃ الی الصانع۔ (قرطبی) الاٰصال جمع اصیل۔ عصر اور مغرب کا درمیانی وقت۔

۳۳۔ بے شمار دلائل اور ان گنت شواہد کے باوجود وہ بتوں کو خدا کا شریک اور اپنا معبود بنانے سے باز نہیں آتے۔ اے میرے رسول ان سے پوچھیے آسمان و زمین کا خالق و پروردگار کون ہے اگر وہ اس کا جواب دینے میں پس و پیش کریں تو آپ خود ہی فرما دیجیے "اللہ" امام بغوی نے لکھا ہے کہ حضور نے جب یہ سوال ان سے پوچھا تو خاموش ہو گئے۔ پھر کہنے لگے اجب انت آپ بتائیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا قل اللہ۔ اب ان سے پوچھو کہ جب تم بھی یہ مانتے ہو کہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا خالق اور مالک وہی ہے تو پھر تم ان بے بس اور بے اختیار معبودوں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ جو اپنے آپ کو نفع نہیں پہنچا سکتے اور اپنے آپ کو ضرر سے نہیں بچا سکتے وہ تمھارے کس کام آئیں گے۔

۳۵۔ پھر ان سے پوچھیے بتاؤ کیا اندھا اور بینا یکساں ہیں کیا گمراہی کی ظلمتیں اور ہدایت کا نور تاباں ایک جیسا ہے تم تو بڑے زیرک ہو ذرا عقل سے تو کام لو۔

اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوۡا كَخَلۡقِهٖ فَتَشَابَهَ الۡخَلۡقُ عَلَيۡهِمۡ ؕ

کیا انھوں نے بنائے ہیں اللہ کے لیے ایسے شریک جنھوں نے کچھ پیدا کیا ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے پس یوں تخلیق ان پر مشتبہ ہو گئی ہو

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنۡزَلَ مِنَ

فرمائیے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کو اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے۔ اس نے اتارا

السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌ ۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا

آسمان سے پانی پس بہنے لگیں وادیاں اپنے اپنے اندازے کے مطابق۔ تو اٹھا لیا سیلاب کی رو نے ابھرا ہوا

رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ

جھاگ۔ اور جن چیزوں کو آگ کے اندر تپاتے ہیں زیور بنانے کے لیے یا دیگر سامان بنانے کے لیے

۳۶ اگر کائنات کی چھوٹی بڑی خوبصورت بدصورت چیزوں میں سے چند چیزیں بھی ان کے بتوں نے پیدا کی ہوتیں تو پھر ان کو خدا ماننے اور ان کی عبادت کرنے کے متعلق شک ہو سکتا تھا لیکن ہر چیز کا جب وہی خالق ہے تو پھر اس کے سوا کسی اور کو معبود بنانے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۷ اے پیکر رسول کرم! آپ پھر اعلان کر دیجیے تاکہ کسی کو شبہ نہ رہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور تخلیق کائنات میں کسی کو کوئی دخل نہیں۔ وہ واحد یکتا ہے رب ہونے میں بھی اور معبود ہونے میں بھی بلکہ نگاہ حقیقت آگاہ سے دیکھا جائے تو موجود حقیقی بھی وہی ایک ہے، باقی سب موجودات اس کے وجود کے ظلال ہیں۔ ای المتوحد بالربوبیة واستحقاق العبادة بل المتوحد بالوجود المتاصل لا موجود غیرہ الا بوجود ھو ظل وجودہ (مظہری)۔ القہار سب پر غالب ہے کوئی چیز اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی الغالب علی کل شیء لا یقاومہ شیء (رازی)

۳۸ حق و باطل کا فرق ایک مثال دے کر سمجھایا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ حق کے دوام و بقا اور باطل کے زوال و فنا کی وجہ بھی بیان کی جا رہی ہے۔ فرمایا تم نے بارہا مشاہدہ کیا ہوگا کہ جب موسلا دھار مینہ برستا ہے تو وادیاں پانی سے لبریز ہو جاتی ہیں۔ بڑی اور وسیع وادیوں میں پانی کی مقدار زیادہ اور چھوٹی اور تنگ وادیوں میں پانی کی مقدار تھوڑی ہوتی ہے جب پانی تیزی سے بہتا ہے تو تم نے دیکھا ہوگا کہ سطح آب پر جھاگ نمودار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب زیور بنانے کے لیے تم سونا چاندی پگھلاتے ہو یا دیگر چیزیں بنانے کے لیے تم دوسری دھاتوں کو گلاتے ہو تو اسی قسم کا جھاگ ان پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس ابھرے ہوئے جھاگ کے نیچے جو نتھرا ہوا پانی یا صاف پگھلی ہوئی دھاتیں ہیں۔ یوں سمجھو کہ وہ حق ہے اور ان پر ابھرا ہوا جھاگ یوں سمجھو کہ وہ باطل ہے۔ بظاہر تو وہ جھاگ اوپر ہے اور پانی اس کے نیچے چھپا ہوا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد پانی کی کوئی لہر اسے اٹھا کر کنارہ پر پھینک دے گی اور کوئی کاریگر اس میل کچیل کو نکال باہر کرے گا اور اس جھاگ و میل کچیل کا نام و نشان

زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ڛ فَاَمَّا الزَّبَدُ

اس میں بھی ویسا ہی جھاگ اٹھتا ہے یوں اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے حق اور باطل کی۔ پس (دیکھو) جھاگ تو

فَيَذْهَبُ جُفَاۗءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۭ

رائیگاں چلا جاتا ہے اور جو چیز نفع بخش ہے لوگوں کے لیے تو وہ باقی رہے گی زمین میں ۳۵

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۭ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؔ

یونہی اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا بھلائی (ہی بھلائی)

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ

ہے اور جنھوں نے نہیں مانا اس کا حکم تو اگر ان کے ملک میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور

باقی نہیں رہیگا۔ اسی طرح باطل ظاہری کر و فر کے باوجود مٹنے والا ہے۔ حادثات کی کوئی ایک ٹھوکر ہی اس کی مغرور گردن کو مروڑ کر رکھ دیتی ہے اور حق نکھرے ہوئے پانی کی طرح رواں دواں آگے بڑھتا ہے۔ باغوں اور کھیتوں کو سیراب کر کے انھیں نیا جوبن بخشتا ہے اور لاکھوں پیاسوں کی پیاس بجھاتا ہے۔

۳۵ اب اس راز سے پردہ اٹھایا جاتا ہے کہ حق کو بقائے دوام کیوں بخشا گیا اور باطل کے مقدر میں فنا و زوال کیوں رقم ہوا۔ بتایا ہمارا یہ اصول ہے کہ جو چیز نفع رساں ہوگی جس سے ہماری مخلوق کو فائدہ پہنچے گا جو بزم ہستی کی رونق میں افزائش کا باعث ہوگی وہ باقی رہے گی اور جو چیز افادیت اور نفع رسانی کی صفت سے محروم ہوگی وہ فنا ہو جائے گی۔ قرآن حکیم نے چودہ صدیاں پہلے تنازع للبقا (STRUGGLE FOR EXISTENCE) میں بقاء اصلح کا قانون (SURVIVAL OF THE FITTEST) واضح طور پر بتا دیا تھا کہ اس دنیا میں وہی چیز باقی رہیگی جو مفید اور نفع بخش ہوگی اور جب بھی کوئی چیز اپنی افادیت کھو بیٹھے وہ کسی وقت کتنی عزیز اور گراں قدر کیوں نہ ہو اس کو اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ آپ صبح سویرے اپنے باغیچہ سے خوبصورت رنگین اور پیارے پیارے پھول چن کر ان کا گلدستہ بناتے ہیں اور کس شوق سے اسے کسی گلدان میں سجاتے ہیں۔ دن بھر انھیں دیکھ دیکھ کر کتنی تازگی اور فرحت محسوس کرتے ہیں لیکن جب وہ دوسرے دن کملا جاتے ہیں۔ ان کی مہک ختم اور ان کی رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے تو اس گلدستہ کو اپنے انھیں ہاتھوں سے اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ یہی حال نظریات کا بھی ہے۔ زندگی کے وہ کسی شعبے سے متعلق ہوں جب تک وہ مفید نتائج پیدا کرتے رہتے ہیں وہ زندہ و سلامت رہتے ہیں اور جب وہ افادیت سے محروم ہو جاتے ہیں تو انھیں بھلا دیا جاتا ہے۔ قوموں اور افراد کے لیے بھی عروج و زوال کا یہی معیار ہے جب تک کوئی فرد یا کوئی قوم اپنی تعمیری صلاحیتوں، پسندیدہ اخلاق اور منفعت بخش اعمال سے متصف رہتی ہے اس کی عظمت کا پرچم بلند فضاؤں میں لہراتا رہتا ہے اور ہر حادثہ اس کو نئی طاقت بخشتا ہے ہر آزمائش اس کی قوتوں کو جلا بخشتی ہے لیکن جس وقت اس کی ذہنی قوتیں بانجھ ہو جاتی ہیں، ان کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں اور ان کا طریقۂ کار راہ راست

سے جھٹک جاتا ہے تو عزت و کرامت کا جو تاج صدیوں سے اُن کے سر پر جگمگا رہا تھا وہ چھکے سے اُتار لیا جاتا ہے۔ وہ زرنگار مرصع تخت جس پر وہ بیٹھا کرتا تھا اس کے نیچے سے از خود کھسک جاتا ہے۔ آپ قوموں کی ترقی و ادبار کا مطالعہ کریں۔ آپ افراد کے عروج و زوال کا جائزہ لیں ایک ہی اصول ہر جگہ آپ کو جاری و ساری نظر آئیگا۔ ہر قوم کو زندہ رہنے کے لیے قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ ہر قوم کو عزت و ناموری کے حصول کیلیے قربانی دینا پڑتی ہے اور پھر اس حاصل کردہ عزت و ناموری کو برقرار رکھنے کے لیے شدید محنت سے کام کرنا پڑتا ہے اور یہی حال افراد کا ہے۔ ہم عروج حاصل کرنے کے لیے بڑے منصوبے بناتے ہیں ہم بلند مناصب تک پہنچنے کے لیے بڑے خواب دیکھا کرتے ہیں لیکن صد حیف! وہ راستہ اختیار نہیں کرتے جو قدرت نے اس منزل تک پہنچنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ اور اس طرح عمر بھر ٹھوکریں کھاتے چلے جاتے ہیں۔ تھک کر چُور ہو جاتے ہیں اور منزل ہے کہ دُور دُور ہٹتی چلی جاتی ہے۔ ترقی کا خواب دیکھنے والوں بام عروج پر پہنچنے کی تڑپ رکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے وجود کو نفع بخش بنائیں۔ دکھی لوگوں کا سکون بنیں تاکہ اشکبار آنکھیں انہیں دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ اپنے دامن شفقت کو حتی الامکان کشادہ کریں تاکہ مصیبت زدوں کو اس کے سایہ میں پناہ مل سکے۔ منزل چل کر خود ان کے قدموں میں آئیگی اور اقتدار کی کرسی بصد منت ان کی خدمت میں پیش کی جائیگی۔ جب تک بنی اسرائیل رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیے رہے انی فضلتکم علی العالمین کا شرف انہیں نصیب رہا۔ جب ملت اسلامیہ نے اس فرض کی ذمہ داری کو سنبھالا تو خیر الامم کا تاج انکے سر پر رکھ دیا گیا۔ اپنے عہد عروج میں جہاں جہاں بھی مسلمان گئے جہالت کے اندھیرے دور ہوئے علم و عرفان کے چراغ روشن کرتے رہے۔ لق و دق صحرا مرغزاروں اور لالہ زاروں میں بدل گئے۔ انکے اٹھارہ سالہ بچے مشرق و مغرب کے مظلوموں اور ستم زدوں کی امداد کے لیے پہنچے اور انہیں ظلم و استبداد کی زنجیروں سے آزاد کرایا۔ قرآن کے عالم تحقیق و اجتہاد سے علم و حکمت کے گلستانوں میں تازہ پھول کھلاتے رہے۔ قرآن کا ایک کاشتکار اور ایک باغبان بھی اپنے ذوق تجدید کی تسکین کیلیے پھلوں پھولوں اور اناجوں میں عمدہ سے عمدہ قسمیں پیدا کر رہا تھا۔ ان کا طبیب امراض جسمانی کی تشخیص میں سب سے سبقت لے گیا تھا۔ ان کا صوفی روحانی امراض کی چارہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ جب تک اس قوم کا وجود خیر و برکت کا سرچشمہ بنا رہا اس کی پیش قدمی کو روکنے کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی اور جب اس کی صلاحیتیں سہل انگاری کا شکار ہو گئیں جب اس کا شوق تحقیق کند ہو گیا اور جذبہ اجتہاد ٹھنڈا پڑ گیا جب اس کے حوصلے پست اور ولولے سرد ہو گئے جب اس کے نوجوانوں کو شمشیر و سناں سے نفرت اور طاؤس و رباب سے پیار ہو گیا تو پھر اما الزبد فیذہب جفاء کے اصول کے مطابق انھیں تخت و تاج سے ستبردار ہونا پڑا۔ الحمراء کی دیواروں کے سایوں میں انکے بوڑھوں اور بچوں کو بیدردی سے ذبح کر دیا گیا۔ شاہی محلات میں شہزادیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔ اور انہیں اندلس کی سرزمین سے جہاں انھوں نے آٹھ سو سال تک حکومت کی تھی نکلنا پڑا۔ یہی حال ہندوستان اور دوسری جگہوں پر ہوا۔ عزت و کرامت کی وہ قبائیں جو انکے آباؤ اجداد نے بڑی محنت و مشقت سے حاصل کی تھی وہ انھیں اپنے ہاتھوں سے اتار کر دوسروں کو دینی پڑی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے اس میں کسی قوم یا فرد کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اگر ہم اپنی موجودہ حالت پر خوش نہیں ہو تو منہ بسورنے یا سر آہیں بھرنے سے کچھ نہیں بنے گا۔ اپنے آپکو بدلیے زمانہ خود بخود بدل جائیگا۔ یہی سبق ابھی ابھی قرآن نے آپ کو پڑھایا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم الآیۃ اور یہی اب آپکو بتا دیا گیا کہ قوم ہو یا فرد بقاء و دوام اس کیلیے ہے عزت کی بلندیاں اسکے لیے ہیں جس سے خلق خدا کو فائدہ ہو۔ آپ اپنے آپکو اس کی مخلوق کے لیے نفع رساں بنائیں آپ اپنی صلاحیتوں کی برتری اپنی سیرت کی پاکیزگی اپنے عزائم کی پختگی اور حق کے لیے جینے اور حق کے لیے مرنے کا ثبوت بہم پہنچائیں دنیا خود ہی آپ کو اپنی آنکھوں پر بٹھائے گی۔ اس آیت میں چند مشکل الفاظ ہیں۔ انکو بھی سمجھ لیجئے۔ اودیۃ جمع ہے اسکی واحد وادی ہے۔ زبد جھاگ۔ رابیا ابھرا ہوا۔ بے بلند ہونا یعنی وہ جھاگ جو سطح آب پر تیر رہا ہوتا ہے جفاء ای ما اجفاہ الوادی ای رمی بہ یعنی جس کو وادی نے باہر پھینک دیا جب

مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَمَاْوٰىهُمْ

اتنا ہی اور اسکے ساتھ۔ تو وہ (عذاب سے بچنے کے لیے) اسے بطور فدیہ دیدیں۔ یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنکے لیے سخت باز پرس ہوگی اور انکا ٹھکانا

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ

جہنم ہے۔ اور وہ بہت بری قرارگاہ ہے۔ تو کیا جو شخص جانتا ہے کہ جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے

رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی ؕ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِیْنَ

رب کی جانب سے وہ حق ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھا ہے۔ نصیحت صرف وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔ وہ جو

یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ

پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو اور نہیں توڑتے پختہ وعدہ کو۔ اور جو لوگ جوڑتے ہیں جنکے جوڑنے

ہانڈی میں ابال آئے اور جھاگ کو باہر پھینک دے تو کہتے ہیں اجفأت القدر اذا غلت حتی ینصب زبدها۔ ابتغاء حلیة : کی نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے یا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے۔ زبد مثله۔ مبتدا مؤخر ہے اور علیہ خبر مقدم۔

۴۰؎ یعنی قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب ماننے والا اور اس کا انکار کرنے والا یکساں نہیں ہوسکتے۔

۴۱؎ جن اولوا الالباب کا ذکر اس سے پہلی آیت پاک میں ہوا ان کی صفات کا بیان ہو رہا ہے۔ عہد اللہ سے مراد وہ تمام ذمہ داریاں ہیں جن کو نبھانے کا اسلام قبول کرتے وقت اس نے وعدہ کیا تھا خواہ ان کا تعلق عقاید سے ہو یا اعمال سے۔ انفرادی حیثیت کی حامل ہوں یا ملی حیثیت کی ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے۔ میثاق پختہ وعدہ خواہ وہ خدا سے ہو یا خلق خدا سے۔

۴۲؎ یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے تمام ان امور پر حاوی ہے جن کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم نے حکم دیا ہے۔ تمام آسمانی کتب اور تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا ملت اسلامیہ کے ساتھ ہمدردی اور اس کے لیے ایثار اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سب اس میں مندرج ہیں لیکن اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی احسن معاملہ اور ان کی ایذا رسانی کے باوجود ان سے محبت و پیار پر خصوصی دلالت کرتی ہے اور اس کی اہمیت سے کوئی ہوشمند انکار نہیں کرسکتا۔ اگر کسی خاندان کے افراد میں باہمی محبت ہوگی ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور فراخدلی کے جذبات پائے جائینگے تو اس کے افراد رنج وغم کی گھڑیوں میں ایک دوسرے کے مونس وغمخوار ہونگے اور فرحت و سرور کے لمحوں میں شریک ہوکر خاندان کی خوشیوں کو دوبالا کرنے کا موجب ہونگے لیکن جس خاندان میں محبت کی جگہ عداوت لے لے جب ایک عزیز اپنے عزیز کا، ایک بھائی اپنے بھائی کا بدخواہ بن جائے تو دماغ سازشی ہوجاتا ہے اس کی ذہانت کوئی مفید کام کرنے کی بجائے تخریبی منصوبے بناتی ہے اس خاندان کے وسائل اس کا سرمایہ اور اس کی قوتیں اسی خاندان کی بنیادوں کو اکھیڑنے میں صرف ہوجاتی ہیں۔

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ

متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ جوڑا جائے اور ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور خائف رہتے ہیں سخت

الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

حساب سے۔ اور جو لوگ (مصائب و آلام میں) صبر کرتے رہے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز کو

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

اور خرچ کرتے رہے اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر اور مدافعت کرتے رہتے ہیں ؎ نیکی سے

بھائی بھائی کو سہارا دینے کی بجائے ایسی فرصت کی تاڑ میں رہتا ہے کہ وہ اسے ایسا دھکا دے کہ پھر وہ سنبھل نہ سکے۔ بیدریغ بہیہ بڑی عزیز عمریں اور بڑی نادر صلاحیتیں اسی دھینگا مشتی میں برباد ہو جاتی ہیں۔ ہادیٔ مشفق و مرشد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنے اور ان کی زیادتیوں سے بھی اغماض کرنے کی بار بار تاکید فرمائی۔ چند ارشادات گرامی ملاحظہ فرمائیے عن عبد اللہ بن عمرو قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس الواصل المکافی ولکن الواصل اذا ان قطعت رحمہ وصلہا۔ (رواہ البخاری)

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو صلہ رحمی کے بدلہ میں ایسا کرے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے کہ اگر اس سے قطع تعلق کی جائے تو پھر بھی وہ اس کو جوڑتا ہے۔

۲۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رجل یا رسول اللہ من احق بحسن صحابتی قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال ابوک۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے بہترین سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے۔ فرمایا تیری ماں۔ عرض کی اس کے بعد۔ فرمایا تیری ماں۔ پھر پوچھا اس کے بعد۔ فرمایا تیری ماں۔ پھر سوال کیا اس کے بعد؟ (چوتھی مرتبہ) حضورؐ نے ارشاد فرمایا تیرا باپ۔

۳۔ وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من ابر البر صلۃ الرجل اھل ود ابیہ بعد ان یولی۔ (رواہ مسلم) یعنی حضورؐ نے فرمایا کسی آدمی کا اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔

۴۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ تعلموا من انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم۔ فی صلۃ الرحم محبۃ فی الاھل مثراۃ فی المال منساۃ فی العمر۔ (ترمذی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا شجرہ نسب سیکھا کرو تاکہ تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کر سکو۔ صلہ رحمی کی وجہ سے خاندان میں محبت، مال میں زیادتی اور عمر میں طوالت اور ڈھیل ہے۔

؎ یعنی برائی کرنے کے بعد نیکی کرتے ہیں یا گناہ کے بعد توبہ کرتے ہیں یا یہ کہ اگر ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرتا ہے تو وہ اس کے بدلہ میں زیادتی نہیں کرتے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں قال الحسن اذا حرموا اعطوا واذا قطعوا وصلوا یعنی اگر انھیں محروم کیا جاتا ہے تو وہ عطا کرتے

السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا

برائی کو انہیں لوگوں کے لیے دار آخرت کی راحتیں ہیں یعنی سدا بہار باغات جن میں وہ داخل ہوں گے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ

اور جو صالح ہوں گے ان کے باپ دادوں، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے وہ بھی داخل ہوں گے اور فرشتے

يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ

(یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر بوجہ اسکے جو تم نے صبر کیا

ہیں اور جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو وہ درگزر کرتے ہیں اگر ان کے ساتھ قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔

۳۸ کسی فعل پر جو جزا دی جاتی ہے اس کو عقبیٰ کہتے ہیں اس کا لغوی معنی پیچھے آنا ہے اور کیونکہ ہر فعل کی جزا اس کے پیچھے آتی ہے اس لیے اسے عقبیٰ کہتے ہیں لعقبۃ کا معنی ہے جازاہ۔ اگر جزا اچھی ہو تو اس کے لیے العقبۃ العقبیٰ العاقبۃ کے الفاظ مستعمل ہوتے ہیں اور اگر جزا بری ہو تو اس کے لیے العقوبۃ المعاقبۃ اور العقاب کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ عاقبۃ کا لفظ اگر مضاف ہو تو پھر یہ عذاب کا معنی بھی دیتا ہے۔

۳۹ ومن صلح حضرت امام ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بڑی نفیس بحث لکھی ہے۔ اس کا ذکر کرنا ناظرین کے لیے فائدے سے خالی نہ ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے والدین ان کی بیویوں اور ان کی اولاد کو بشرطیکہ وہ ایمان کی صفت سے متصف ہوں ان کاملین کے درجات اور مقامات پر فائز فرمائیں گے اگرچہ وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے ان درجات و مقامات کے اہل نہ ہوں اور یہ عنایت محض اپنے مقبول بندوں کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے فرمائی جائی ہے فھذہ الاٰیۃ تدل علی ان اللہ تعالیٰ یعطی درجات الکاملین من لم یبلغ درجتھم ولم یعمل مثل اعمالھم من آبائھم وازواجھم وذریاتھم تطییبا لقلوبھم وتعظیما لشانھم بشرط ایمانھم (مظہری) کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی نسب اور تعلق کام نہیں دیتا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل سبب ونسب منقطع یوم القیامۃ الا سببی ونسبی (رواہ الطبرانی والحاکم والبیہقی عن ابن عمر بسند صحیح)۔

ابن عساکر نے حضرت ابن عمر سے بسند صحیح یہ روایت نقل کی ہے کل نسب وصھر ینقطع الا نسبی وصھری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر سبب اور نسب کے بغیر قیامت کے دن تمام اسباب اور انساب منقطع ہو جائیں گے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اور انساب کا بھی یہ حال ہوگا علامہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کی قرابتیں اور ان کی دوستیاں منقطع ہو جائیں گی لیکن اہل ایمان کی قرابتیں اور دوستیاں باقی رہیں گی کیونکہ یہ رشتہ داریاں اور دوستیاں حضور کے سبب ہوئی ہیں اور سارے مومن حضور کے روحانی فرزند ہیں۔ فکان المراد ان قرابات الکفار وموالاتھم تنقطع دون قرابات المومنین وموالاتھم (مظہری مختصراً)

۴۰ وہ کون خوش نصیب ہیں جن کی خدمت میں فرشتے حاضر ہو کر تسلیمات و تحیات عرض کریں گے؟ وہ لوگ جو ساری عمر نفس کو گناہوں سے بچانے

فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ

پس کیا عمدہ ہے یہ آخرت کا گھر۔ اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ (سے کیے ہوئے) وعدہ کو

بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَ

اسے پختہ کرنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان رشتوں کو جن کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انھیں جوڑا جائے اور

يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

(علی الاعلان) فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے۔

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا

اللہ تعالیٰ کشادہ روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے ۵۳ اور تنگ روزی کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) اور کفار بڑے مسرور ہیں دنیوی زندگی (کی آسودگی)

اور نیکی اور اطاعت پر مداومت کرنے میں کوشاں رہے، جو دنیا کی لذتوں اور عیش و طرب سے زندگی بھر کنارہ کش رہے۔ حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روزِ حشر اعلان کیا جائیگا کہ اہلِ صبر و استقامت حاضر ہوں کچھ لوگ حاضر ہونگے انھیں حکم ملے گا جاؤ جنت میں چلے جاؤ۔ راستہ میں ان سے فرشتے پوچھیں گے کہاں جا رہے ہو، وہ کہیں گے جنت کی طرف۔ فرشتے کہیں گے کیا حساب سے بھی پہلے۔ وہ جواب دیں گے جی ہاں! پوچھا جائے گا تم کون ہو، وہ بتائیں گے ہم اہلِ صبر ہیں۔ فرشتے استفسار کریں گے کہ تمہارے صبر کی حقیقت کیا تھی تو وہ فرمائیں گے صبرنا انفسنا علی طاعة الله وصبرناها عن معاصي الله وصبرناها على البلاء والمحن في الدنيا۔ قال علي بن الامام حسين فتقول لهم الملئكة ادخلوا الجنة فنعم اجر العاملين۔ ہم اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رکھا اور اس کی نافرمانی سے ان کو بچایا اور دنیا کے مصائب و آلام پر صبر سے کام لیا تو فرشتے کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ نیک عمل کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ غزوۂ احد کے بعد ہر سال کی ابتدا میں شہداء احد کے مزارات پر تشریف لے جاتے اور جب اس وادی کے دہانہ پر پہنچتے تو فرماتے السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبى الدار۔ اے پیکرانِ صبر و وفا اس صبر کے سبب سے جس کا مظاہرہ تم نے احد کے میدان میں کیا، تم پر اللہ تعالیٰ کے سلام ہوں، کتنا اچھا بدلہ ہے جو تمھیں عطا فرمایا گیا۔ ثم کان ابوبکر بعد النبي يفعله وكان عمر بعد ابي بكر يفعله وكان عثمان بعد عمر يفعله۔ (قرطبی) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر ہر سال جایا کرتے، ان کے بعد حضرت عمر، ان کے بعد حضرت عثمان جایا کرتے۔ اولیاء کرام کے اعراس اور مزارات پر حاضری کی یہ روشن دلیل ہے۔

۵۳ رزق کی زیادتی اور تنگی حق و باطل کا کوئی معیار نہیں۔ اس دار الامتحان میں ایک کافر کے پاس بھی زر و سیم کے خزانے ہو سکتے ہیں اور مردِ مومن تنگ دست ہو سکتے ہیں۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور (حقیقت یہ کہ) نہیں ہے دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں مگر متاعِ حقیر ۔ اور کفار کہتے ہیں (کہ اگر یہ سچے نبی ہیں) تو

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ

کیوں نہ اُتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے ۴۸ آپ فرمائیے (نشانیاں تو بہت ہیں) بیشک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے

يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ

جسے چاہتا ہے اور رہنمائی فرماتا ہے اپنی (بارگاہِ قرب) کی طرف جو صدقِ دل سے رجوع کرتا ہے ۴۹ (یعنی) جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے

قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ

ہیں جن کے دل ذکرِ الٰہی سے ۵۰ خوب دھیان سے سنو! اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں وہ لوگ جو

۴۸ کفار کا یہی وطیرہ تھا۔ بار بار نئے معجزوں کی فرمائش کرتے اور اتنی سنجیدگی سے کہ گویا یہ پہلی بار معجزہ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ انھوں نے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا اور نہ انھیں کوئی دکھایا گیا۔

۴۹ اس سے پیشتر تمھیں کئی معجزات دکھائے گئے لیکن ہدایت تمھارے مقدر میں نہ تھی۔ کیونکہ یہ کوئی ایسی حقیر اور ارزاں چیز تو ہے نہیں کہ تم منہ اٹھائے ادھر ادھر بھاگتے رہو اور تمھاری منتیں کی جائیں کہ ازراہِ نوازش یہ ہدایت ہے اسے جھولی میں ڈال لو بلکہ یہ تو وہ گوہرِ نایاب ہے کہ صرف انھیں کو عطا کیا جاتا ہے جن کے دلوں میں اس کی سچی طلب ہو۔ تم اس قابل ہی نہیں کہ یہ گلِ رعنا تمھاری دستار کی زینت بنایا جائے۔

۵۰ جب تک دل میں شک کا کانٹا چبھتا رہتا ہے انسان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا اور جب یقین کا اجالا ہوتا ہے تو سارا کرب و اضطراب ختم اور ساری بے چینیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذکرِ الٰہی سے ہی دل میں اطمینان اور سکون پیدا ہوتا ہے۔ یہی وہ نور ہے جس سے شبہات کے اندھیرے بھاگ جاتے ہیں۔ یہی وہ غذا ہے جس سے روح کو تقویت ملتی ہے اور انسان میں نیکی کی مضمر صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں اور جوان ہوتی ہیں۔ اسی سے انسان میں وہ جلال اور وہ قوت نمودار ہوتی ہے جس سے شیطان پر لرزہ طاری ہوتا ہے اور اس کے مفسد منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں۔ دنیا کی ساری نعمتوں میں سے اطمینانِ قلب سب سے عظیم نعمت ہے۔ دولت، عزت، صحت اور کثرتِ اولاد کے باوجود بھی روح کو سکون اور دل کو چین نصیب نہیں ہوتا۔ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی وہ آبِ حیات ہے کہ جس کے پینے والا پھر کبھی تشنگی کی شکایت اور کوئی گھبراہٹ محسوس نہیں کرتا۔ وہ تختۂ دار پر بھی ہو، وہ آتش کدۂ نمرود میں بھی مسکراتا ہے۔ اوالمعنی ان القلوب الصافية للمؤمنين انما اوتوا الهم لذكر الله فاذا ذكروا الله تطمئن قلوبهم انسا به تعالى كاطمينان السمك في الماء۔ (مظہری) اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حالت صوفیائے کرام کے نزدیک وجدانیات میں سے ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد صوفیائے کرام ہی ہیں۔

وهذه الحالة بديهية من الوجد انيات لخدام الصوفية العلية فالمراد بقوله الذين امنوا هم الصوفيا ء۔

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ

ایمان بھی لائے اور عمل (بھی) نیک کیے مژدہ ہو ان کیلئے ۵۱ اور انہی کے لیے اچھا انجام ہے۔ اسی طرح ہم نے آپ کو

اَرْسَلْنٰكَ فِىْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ

رسول بنا کر بھیجا ایک قوم میں جس سے پہلے گزر چکی ہیں کئی قومیں تاکہ آپ پڑھ کر سنائیں انہیں وہ کلام

الَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّىْ

جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور یہ کفار انکار کر رہے ہیں رحمٰن کا ۵۲ فرمائیے وہی میرا پروردگار ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا

نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی جناب میں رجوع کیے ہوں۔ اور اگر کوئی ایسا قرآن آ جاتا ۵۳ جس کے

سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ

ذریعہ سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس کے اثر سے پھٹ جاتی زمین یا مُردوں سے اس کے ذریعہ بات کی جا سکتی

۵۱ طوبیٰ مصدر ہے بُشریٰ اور زُلفیٰ کے وزن پر یطاب سے ہے حضرت ابن عباس نے اس کا معنی فرمایا ہے فرح لهم وقرة عين دل کی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنت کے ایک درخت کا نام بھی طوبیٰ ہے۔

۵۲ ابوجہل نے ایک دن سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے قریب کھڑے سجدے میں جا مانگ رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں یا اللہ یا رحمٰن۔ وہ جاہل دوڑتا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور کہنے لگا دیکھو تمہیں ایک عجیب بات سناؤں کہ اب محمد نے بھی دو خداؤں (اللہ، رحمٰن) کی عبادت شروع کر دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضور نے کفار کو فرمایا اسجدوا للرحمٰن کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہنے لگے وما الرحمٰن رحمٰن کون ہے۔

۵۳ ایک دن ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے حضور کی خدمت میں چند مطالبات پیش کیے کہ اگر مکہ کے پہاڑ دور ہٹ جائیں اور ہماری کھیتی باڑی کے لیے زمین فراخ ہو جائے نیز اس میں چشمے اور نہریں جاری ہو جائیں اور قصی (ہمارا جد اعلیٰ) قبر سے زندہ ہو جائے اور ہم بھی دوش ہوا پر سوار ہو کر شام و یمن میں تجارت کے لیے آیا جایا کریں تو پھر ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ایسا کر بھی دیا جائے تو یہ ہٹ دھرم پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور یہی کہیں گے کہ بڑا زبردست جادوگر ہے۔ اس شرط کی جزا محذوف ہے۔ لما آمنوا۔ اور دوسری آیت سے بھی یہی مفہوم ثابت ہے۔

ولو اننا نزلنا اليهم الملائكة وكلمهم الموتى وحشرنا عليهم كل شيء قبلا ما كانوا ليؤمنوا - ۶ : ۱۱۱

لِلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ

(یہ قدرت سے بعید تھا) بلکہ سب کام اللہ کے اختیار میں ہیں۔ (اشعار بامنہ لوگ ایمان نہ لائے) کیا نہیں جانتے ایمان والے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو

لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ

سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔ ۵۵ اور کفار اسی حالت میں رہیں گے کہ پہنچتا رہیگا انھیں (آگے دن) اپنے

بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ

کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی صدمہ ۵۶ یا اترتی رہیگی کوئی نہ کوئی مصیبت ان کے گھروں کے گردونواح میں یہاں تک کہ آجائے

وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۟ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ

اللہ کے وعدے (کے پورا ہونے) کا دن۔ بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اور بیشک تمسخر اڑایا گیا رسولوں کا

مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ

جو آپ سے پہلے گزرے پس میں نے ڈھیل دی کافروں کو (کچھ عرصہ تک) پھر میں نے پکڑ لیا انھیں۔ تو (دیکھو) کیسا (بھیانک) تھا

كَانَ عِقَابِ ۟ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ

میرا عذاب۔ کیا وہ خدا جو نگہبانی فرما رہا ہے ہر نفس کی اس کے اعمال (نیک و بد) کے ساتھ ۵۷

۵۵ یعنی یہ امر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں۔ اگر وہ چاہے تو آنِ واحد میں یہ سب کچھ ظہور پذیر ہو جائے لیکن جب ایمان لانا ان کے مقدر میں ہی نہیں تو پھر ان کے مطالبات پورا کرنے کا کیا فائدہ؟

۵۶ افلم ییئس الذین، الخ بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کیا اچھا ہوتا کہ اگر ان کے یہ مطالبات بھی پورے کر دیئے جاتے اور یہ اسلام قبول کر لیتے۔ انھیں اس خیال سے باز رہنے کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم اب ان سے یہ توقع نہ رکھو۔ عام علماء نے تو ییئس کا ترجمہ ناامید ہونا کیا ہے یعنی کیا مسلمان ان معاندین کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہوئے لیکن حضرت ابن عباس، مجاہد اور حسن سے اس کا ترجمہ افلم یعلموا "کیا انھوں نے نہیں جانا" مروی ہے۔ علامہ قرطبی نے اس پر کئی اشعار سے استشہاد کیا ہے۔ ان میں سے رباح بن عدی کا یہ شعر ہے:۔

الم ییئس الاقوام انی انا ابنه ✲ وان کنت عن ارض العشیرة نائیا

یعنی کیا انھیں معلوم نہیں کہ میں اس کا بیٹا ہوں اگرچہ میں قبیلہ کی سرزمین سے دور ہوں۔ فراء نے کلبی سے ییئس بمعنی یعلم نقل کیا ہے اور یہ ہوازن کی

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي

(ہرگز نہیں) اور ان مشرکین نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کے شریک۔ فرمائیے ذرا نام تو لو ان کا۔ (نادانو!) کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ

الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کو ایسی بات سے جسے وہ (ہمہ دان) ساری زمین میں نہیں جانتا یا یونہی یاوہ گوئی کرتے ہو۔ بلکہ آراستہ کر دیا گیا ہے کافروں کے لیے ان کا

مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

مکر و فریب اور روک دیئے گئے ہیں راہ راست سے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ ہونے دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا

مِنْ هَادٍ ۝٣٣ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

نہیں۔ ان (بدبختوں) کے لیے عذاب ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب تو بڑا

اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝٣٤ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ

سخت ہوگا۔ اور نہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچانے والا۔ اس جنت کی کیفیت جس کا وعدہ پرہیزگاروں

صحاح میں یہی لکھا ہے قال الفراقال الکلبی ییئس بمعنی یعلم ..... وقال الجوہری فی الصحاح۔ (قرطبی)

ف یعنی انہیں وقتاً فوقتاً طرح طرح کے مصائب و آفات سے دوچار کیا جائیگا اگر پھر بھی وہ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہیگا۔

ف یہاں قائم کا معنی کھڑا ہونے والا نہیں بلکہ اس کا معنی نگران اور نگہبان ہے۔ رقیب علیہ (مظہری) اسکا دوسرا معنی عالم بھی کیا گیا ہے جیسے اس شعر میں قائم بمعنی عالم ہے۔ ؎ فلولا رجال من قریش اعزۃ، سرقتم ثیاب البیت واللہ قائم اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر قریش کے سرداروں کا تمہیں خوف نہ ہوتا تو تم بیت اللہ شریف کا غلاف بھی چرا لیتے۔ اس کا جواب محذوف ہے اور جملہ کا مفہوم یہ ہے افمن ھو حافظ لا یغفل کمن یغفل یعنی کیا وہ جو ہر چیز کا نگران ہے ایسے آپ جیسا سمجھتے ہیں جو بالکل بےخبر ہے۔ ظاہر من القول، معناہ بباطل من القول (قرطبی مظہری) یعنی بیہودہ بات۔

آیت کا مقصد یہ ہے کہ وہ ذات جو کائنات کی ہر چیز کی نگہبان ہے کیا تمہارے بت جو محض بےخبر اور بے بس ہیں اس کی طرح ہو سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ذرا ان کا نام تو بتاؤ جن کو تم نے میرا شریک بنایا ہوا ہے۔ یہی لات و منات کا نام پیش کرو گے تو یاد رکھو یہ بے جان پتھر کبھی خدا ہو سکتے ہیں۔ کچھ تو عقل سے کام لو اگر اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو آخر اسے بھی تو اس کی خبر ہوتی۔ اس ہمہ دان اور ہمہ بین کو تو معلوم ہی نہیں کہ اس کا کوئی شریک ہے تم نے یہ شریک کہاں سے ڈھونڈ لیے۔

ف اسلام کے خلاف انکی سازشوں اور شمع توحید کو بجھانے کے لیے ان کی کوششوں کو شیطان نے آراستہ و مزین کر کے ان کے سامنے پیش کیا۔

الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ

سے کیا گیا ہے ایسی ہے کہ رواں ہیں اس کے نیچے ندیاں۔ اس کا پھل ہمیشہ رہتا ہے ۵۹ اور اس کا سایہ بھی نہیں ڈھلتا

عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝۳۵ وَالَّذِيْنَ

یہ انجام ہے ان کا جو اپنے رب سے ڈرتے رہے اور کفار کا انجام آگ ہے۔ اور جنہیں ہم نے

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ

کتاب عطا فرمائی وہ خوش ہو رہے ہیں اس کتاب پر جو نازل کی گئی آپ کی طرف اور ان گروہوں میں سے ایسے بھی ہیں جو بعض

مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ

قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ ۶۰ فرما دیجئے (مجھے تمہاری مخالفت کی پرواہ نہیں) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں

بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝۳۶ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا

اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اسے فیصلہ عربی زبان

عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

میں۔ اور اگر تم پیروی کرو ان کی خواہشات کی اس کے بعد کہ آچکا تمہارے پاس صحیح علم تو

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝۳۷ۧ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا

نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مددگار اور نہ کوئی محافظ۔ اور بیشک ہم نے بھیجے کئی رسول

وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ شمع توحید کو گل کرنے کی جو کوشش کر رہے ہیں اس سے وہ اپنی اپنے خاندان، قوم اور تمام نوع انسانی کی بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں اور نتائج کے لحاظ سے ان کی یہ کاوشیں بڑی فائدہ مند ہوں گی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح وہ اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی تباہی اور گمراہی کا سامان تیار کر رہے ہیں۔ اور ان کی شومیٔ اعمال کی وجہ سے ہدایت کا راستہ ہی ان پر بند ہو گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا۔

۵۹ وہاں کی سب نعمتیں ابدی ہیں انہیں زوال نہیں۔

۶۰ یعنی قرآن کریم کے جو احکام ان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتے ان کی مصلحتوں سے ٹکراتے ہیں یا ان پر عمل کرنے میں انہیں جسمانی مشقت اور مالی نقصان

مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ

آپ سے پہلے [۱۱] اور بنائیں ان کے لیے بیویاں اور اولاد۔ اور نہیں ممکن کسی رسول کے لیے

اَنْ يَّاْتِیَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ

کہ وہ لے آئے کوئی نشانی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر [۴۲] ہر میعاد کے لیے ایک نوشتہ ہے۔ مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ

مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ

جو چاہتا ہے۔ اور باقی رکھتا ہے (جو چاہتا ہے) [۴۳] اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب [۴۴] اور اگر ہم دکھا دیں آپ کو کچھ (عذاب)

بڑے سخت لگتے ہیں۔ وہ ایسے احکام کو قبول نہیں کرتے خواہ وہ سراپا حق ہوں۔ وھو مایخالف اھواءھم (مظہری)

[۴۱] لفار اور اہل کتاب یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ ان کی بیویاں ہیں ان کا بال بچہ ہے۔ یہ چیزیں کسی نبی کو زیب نہیں دیتیں۔ یہ تو ہم دنیا داروں کے کام ہیں جو نبی ہو اس کو ان دھندوں سے کیا واسطہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے محبوب سے پہلے بھی نبی آئے جن کو تم بھی نبی تسلیم کرتے ہو کیا ان کی بیویاں نہ تھیں کیا ان کی اولاد نہ تھی جب ان کو اس کے باوجود تم نبی مانتے ہو تو انھیں نبی تسلیم کرنے سے تمھیں کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔

[۴۲] رسول اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن سے معجزہ دکھاتے ہیں۔ ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں۔

[۴۳] قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر مخالفین کی طرف سے یہ اعتراض بھی کیا جاتا تھا کہ اس میں کئی احکام ان احکام کے خلاف ہیں جو پہلی آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔ اگر یہ قرآن منزل من اللہ ہوتا تو اس میں ایسا کوئی حکم نہ ہوتا جو کسی سابقہ حکم کو منسوخ کرتا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بھلائی اور نفع کو بہتر جانتا ہے جب تک پہلے احکام لوگوں کی فلاح و ترقی کے ضامن تھے انھیں باقی رکھا گیا اور جب حالات بدل گئے ان کی افادیت ختم ہو گئی تو ان کی جگہ ایسے احکام نازل فرمائے جو موجودہ حالات میں انسانی معاشرہ کے لیے باعث خیر و برکت ہو سکتے تھے۔ یہ حکیمانہ رد و بدل قابل اعتراض نہیں۔ قابل اعتراض تو یہ بات ہوتی کہ اگر ان احکام کو جن کی قوس باقی رہنے دیا جاتا جن کی افادیت اب ختم ہو چکی تھی اور اب انسانیت کی ترقی میں حائل بن رہے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ لوح محفوظ میں جو لکھا گیا ہے اس میں سے جس چیز کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے قال ابن عباس رضی اللہ عنہما یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت یعنی ما کان فی اللوح (مظہری) وغیرہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفسیر مظہری رقمطراز ہیں کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں:۔ (۱) معلق (۲) مبرم۔ تقدیر معلق اسے کہتے ہیں جس کے وقوع پذیر ہونے کو کسی دوسری چیز کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہو کہ اگر یہ شرط پائی گئی تو یہ چیز پائی جائے گی اور اگر نہ پائی گئی تو نہ پائی جائے گی کبھی اس تعلیق کا ذکر لوح میں درج ہوتا ہے اور کبھی صرف علم الٰہی میں۔ لوح محفوظ میں اس کا ذکر نہیں ہوتا۔ اور تقدیر مبرم وہ ہے جس کے متعلق اٹل فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے اس میں رد و بدل کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ورد لا القضاء لا یرد۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مفہوم دریافت کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا لاقرن عینک بتفسیرھا ولاقرن عین امتی بعدی

بتفسیرها الصدقة علی وجهها وبر الوالدین واصطناع المعروف یحول الشقاء سعادة ویزید فی العمر ویقی مصارع السوء (روح المعانی) یعنی یہ کہ اس آیت کی تفسیر والے علی (رضی اللہ عنہ) تیری آنکھوں میں ٹھنڈک کروں گا اور اپنی امت کی آنکھوں میں ٹھنڈک کروں گا۔ صدقہ کو صحیح مصرف پر خرچ کرنا، ماں باپ کے ساتھ مہربانی کرنا اور بھلائی کرنا ایسے اعمال ہیں جو بدبختی کو نیک بختی سے بدل دیتے ہیں عمر میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں اور بُرے انجاموں سے بچاتے ہیں اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من سرہ ان یبسط له فی رزقه وینسأ له فی اثره فلیصل رحمه۔ کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا رزق اس کے لیے کشادہ کیا جائے یا اس کی موت کو مؤخر کیا جائے تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ علامہ ابن کثیر نے مسند امام احمد سے یہ حدیث نقل کی ہے عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرجل لیحرم الرزق بالذنب یصیبه ولا یرد القدر الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البر حضرت ثوبان نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کو اس کے گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور تقدیر کو دعا بدل دیتی ہے اور نیکی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور زار و قطار رو رو کر یہ التجا کر رہے تھے اللھم ان کنت کتبتنی فی اھل السعادۃ فاثبتنی فیھا وان کنت کتبت علی الشقاوۃ فامحنی واثبتنی فی اھل السعادۃ والمغفرۃ فانک تمحو ما تشاء وتثبت وعندک ام الکتاب (ابن کثیر)

اے اللہ! اگر تو نے مجھے سعادت مندوں کے زمرہ میں لکھا ہے تو مجھے اسی زمرہ میں رہنے دے اور اگر تو نے مجھ پر شقاوت لکھی ہے تو اسے مجھ سے مٹا دے اور اہل سعادت و مغفرت کی فہرست میں میرا نام ثبت کر دے کہ تو مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثبت کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ ام الکتاب تیرے پاس ہے۔ حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ عرض خدمت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نگاہ کشف سے دیکھا کہ آپ کے دونوں صاحبزادوں حضرت محمد سعید اور حضرت محمد معصوم کے استاد ملا طاہر لاہوری کی پیشانی پر شقی (بدبخت) لکھا ہوا ہے۔ آپ نے اس کا تذکرہ اپنے دونوں بچوں سے کیا۔ ان دونوں نے گزارش کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے استاد کی شقاوت کو سعادت سے بدل دے۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ میں نے لوح محفوظ میں دیکھا کہ یہ قضائے مبرم ہے اس کو بدلا نہیں جا سکتا۔ بچوں نے پھر بھی دعا کے لیے اصرار کیا۔ آپ کو یاد آیا کہ حضرت غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ نے فرمایا ان القضاء المبرم ینتہی بدعائی کہ قضائے مبرم بھی میری دعا سے بدل جاتی ہے تو میں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ اللھم رحمتک واسعة وفضلک غیر مقتصر احد وانا رجیک واسئلک من فضلک العمیم ان تجیب دعوتی فی محو کتاب الشقاوۃ من ناصیة ملا طاهر واثبات السعادۃ مقامه کما اجبت دعوۃ سید السند رضی اللہ عنه اے اللہ تیری رحمت بڑی وسیع ہے تیرا فضل کسی ایک پر بند نہیں، میں امیدوار ہوں اور سوال کرتا ہوں کہ اپنے فضل عمیم سے میری اس التجا کو قبول فرما۔ ملا طاہر کی پیشانی سے شقی کا لفظ مٹا کر سعید کا لفظ ثبت فرما جس طرح تو نے حضرت غوث الاعظم کی دعا قبول فرمائی تھی۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی پیشانی سے شقی کا لفظ مٹا دیا گیا۔ سعید کا لفظ لکھا گیا۔

حضرت علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ قضائے مبرم سے یہاں وہ قضا مراد ہے جو لوح محفوظ میں کسی امر سے معلق نہ تھی بلکہ شکل مبرم تھی لیکن علم الٰہی میں وہ قضائے معلق تھی۔ رحمۃ اللہ علیہ وعلی اتباعہ وافاض علینا من برکاتھم وفیضھم۔

بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ

جس کا ہم نے کفار کو دھمکی دی ہے ۷۴ (تو تمہاری مرضی) یا ہم (پہلے ہی) اٹھا لیں آپ کو (تو ہماری مرضی) سو آپ پر صرف تبلیغ فرض

وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا

ہے اور ہمارے ذمہ ہے کہ (ان سے) حساب لیں۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم (ان کے مقبوضہ) علاقہ کو ہر طرف سے (رفتہ رفتہ)

مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِیْعُ

کم کر رہے ہیں ۷۵ اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے۔ کوئی نہیں رد و بدل کر سکتا اس کے حکم میں۔ اور وہ بہت جلد حساب

الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِیْعًا ؕ

لینے والا ہے۔ اور مکاریاں کرتے رہے وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ان سب کو مکر کی

یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَیَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَی

سزا دینا ۷۶ وہ جانتا ہے جو کماتا ہے ہر شخص اور عنقریب کفار بھی جان لیں گے کہ دار آخرت (کی ابدی مسرتیں) کس

۷۳ ام الکتاب سے مراد علم الٰہی ہے جس میں کوئی تغیر ممکن نہیں۔ کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔

۷۴ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفر کو شکست فاش ہوگی کفار کی ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ حق کا بول بالا ہوگا۔ ہر طرف توحید کا نور چمکے گا۔ کوہ و دمن بحر و بر آبادیوں اور صحراؤں پر اسلام کا پرچم لہرائے گا۔ یہ ہمارا وعدہ ہے جو ضرور پورا ہوگا۔ ان میں سے کچھ آپ کی اس حیات ظاہری میں وقوع پذیر ہوگا اور کچھ بعد میں رونما ہوگا۔ آپ ان کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں اور بد زبانیوں سے پریشان نہ ہوا کریں۔ حق کا پیغام پہنچا دینا آپ کے ذمہ ہے اور ان سے باز پرس کرنا ہمارا کام ہے۔

۷۵ یعنی یہ جزیرہ عرب عریض زمین جہاں آج کفر و شرک کا اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ یہاں اسلام کا آفتاب ضوفشانی کرے گا اور کفر کا اندھیرا سکڑتا اور سمٹتا جائے گا۔ مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوگا تو باطل کی طاغوتی قوتوں کے قبضہ سے ان کے ملک نکل جائیں گے۔ اکثر المفسرین علیٰ ان المراد منہ فتح دیار الشرک (مظہری) وقال مجاھد ایضاً وقتادۃ والحسن ھو ما یغلب علیہ المسلمون مما فی ایدی المشرکین (قرطبی)

۷۶ اس سے پہلے بھی کفر و باطل مکر و فریب کا سہارا لیتے رہے۔ حق کو نیچا دکھانے کے لیے کوشاں رہے اور ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کی ہر سازش کو ناکام بنایا اور ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ فللّٰہ المکر جمیعا کا معنی یہی ہے کہ ان کی چالوں کو ناکام بنانا اور اسلام دشمنی پر ان کو سزا دینا۔ ای عند اللہ جزاء مکرھم (مظہری) ای یجازیھم بہ (قرطبی)

الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ

کے لیے ہیں۔ اور کفار کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں۔ فرمائیے (میری رسالت پر) اللہ تعالیٰ بطور

شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان ؁ اور وہ لوگ (بطور گواہ کافی ہیں) جن کے پاس کتاب کا علم ہے۔

؁ دشمنانِ حق کے انکار سے کیا ہوتا ہے اگر وہ آپ کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تو یہ ان کی بدبختی ہے۔ آپ کو ان کی گواہی کی حاجت نہیں آپ فرمائیے میری رسالت اور صداقت کی گواہی دینے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اور وہ لوگ بھی میری سچائی اور میرے نبی برحق ہونے کی شہادت دے رہے ہیں۔ جن کو اس کتاب مقدس کا علم عطا فرمایا گیا ہے بعض نے کہا ہے کہ من عندہ سے مراد جبریل ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد مومن ہیں۔ جو جتنا کتاب کے معانی واسرار پر یقینی آگاہی ہو گی اس کی گواہی اتنی زیادہ قابلِ اعتبار ہو گی۔ ان مومنین میں سرِفہرست حضرت ابوبکر صدیق حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین اور باب مدینۃ العلم سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں۔

تعارف سورۃ ابراہیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام : اس سورۃ کے چھٹے رکوع میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر مبارک ہے اس لیے اس نام کو اس سورۃ مبارکہ کا عنوان مقرر کیا گیا۔ اس سورۃ میں سات رکوع، باون آیتیں، آٹھ سو اکسٹھ کلمات، تین ہزار چار سو چونتیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ سورۃ مبارکہ مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکی دور کے اس سال میں نازل ہوئی جب کفار نے ہر قسم کے تعلقات کو نظرانداز کر دیا تھا اور بڑی شدومد سے کھل کر اسلام کی مخالفت شروع کر دی تھی انھوں نے حضور علیہ السلام کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہ اس دعوت کو ہرگز قبول نہیں کریں گے اور برملا یہ دھمکیاں دینے لگے تھے کہ اگر تم باز نہ آئے تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ سے جبراً نکال دیا جائے گا۔ اپنے اس مرکزی شہر میں ہم آپ لوگوں کی موجودگی زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ صرف کھوکھلی دھمکیاں ہی نہ تھیں بلکہ انھوں نے اپنے منصوبے بنانے شروع کر دیے تھے تاکہ ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ ان حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ مکی زندگی کے آخری دنوں کی یہ بات ہے اور انھی حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مضامین : اس سورۃ کا آغاز اس حقیقت کے بیان سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صحیفہ رشد و ہدایت دے کر اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو گھمبیر اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لے آئیں تاکہ لوگ عزیز و حمید پروردگار کی راہ پر پورے یقین کے ساتھ گامزن ہو سکیں۔

اس کے معاً بعد یہ بتا دیا کہ منکرین حق گوناگوں بیماریوں کا شکار ہیں۔ انھوں نے آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی دائمی نعمتوں کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اس فانی زندگی کی آسائشوں اور آرائشوں پر وارفتہ ہو گئے ہیں نیز خود بھی بادیہ ضلالت میں سرگرداں ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی حق کو قبول کرنے سے روکتے ہیں مزید برآں اس دین حق کو اس غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی رغبت ہی ختم ہو جائے۔

موسیٰ علیہ السلام کا اختصار سے ذکر کر دیا کہ وہ تورات کو لے کر آئے تاکہ لوگوں کو شاہراہ ہدایت پر گامزن کریں۔ اپنے

اپنی احسان فراموش قوم کو اپنے رب کریم کے بے پایاں انعامات کی یاد دلائی اور شکریہ ادا کرنے کی ترغیب دی۔

کفار مکہ کو تنبیہ کی کہ جو رویہ تم نے اختیار کر رکھا ہے، جو سلوک تم میرے رسول کے ساتھ کر رہے ہو اسی قسم کا سلوک تم سے پہلے کفار نے بھی اپنے اپنے انبیاء کے ساتھ کیا تھا انہوں نے بڑی بے باکی اور ڈھٹائی سے اپنے رسولوں کو کہا تھا کہ بے شک تم دلائل کے انبار لگا دو جس قسم کے معجزات چاہو ہمیں دکھاؤ ہم کسی قیمت پر ایمان نہیں لائیں گے بلکہ ہم تمہیں یہاں سے جلاوطن کریں گے۔ انہوں نے بڑے گستاخانہ لہجے میں یہ بھی کہا کہ تم ہماری طرح بشر ہی تو ہو تم پر کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ ہم تمہاری اطاعت و فرمانبرداری کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لیں، اپنے آباء و اجداد کے نظریات و عقاید کو چھوڑ کر تمہارے بتائے ہوئے عقاید کو مان لیں انبیاء کرام نے انھیں بتایا کہ ہمیں اپنے بشر ہونے کا اعتراف ہے لیکن جن خصوصی نعمتوں سے خداوند کریم نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے۔ تمہاری آنکھیں انھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ کفار نے اپنے نبیوں کی دعوت کو ناکام بنانے اور اپنے نبیوں کو زبردستی ملک بدر کرنے کے منصوبوں پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ کے غضب نے انھیں مزید مہلت نہ دی۔ وہ تمام کے تمام ہلاک و برباد کر دیئے گئے۔ ان کے شاندار مکانات، حویلیاں، ان اللہ تعالیٰ کے بندوں سے آباد ہوئیں جنھیں وہ حقیر اور کمزور سمجھا کرتے تھے۔

جس طرح کفار کے انداز گفتگو میں بے باکی کا عنصر غالب ہے اسی طرح ان کی سرزنش میں قرآن کا لہجہ بھی بہت سخت ہے۔ محشر کو پیش آنے والے واقعات کا نقشہ اس تفصیل اور اثر انگیز انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی میں حق پذیری کی ادنیٰ سی صلاحیت بھی ہو تو وہ غور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ روز حشر منکرین کی جو حالت ہوگی وہ حواس باختہ پریشاں حال سر اٹھائے ہوئے ادھر ادھر بھاگ رہے ہوں گے۔ پیپ کا پانی انھیں پینے کے لیے ملے گا۔ ہر طرف سے موت انھیں اپنے نرغہ میں لیتے ہوئے محسوس ہوگی لیکن وہ مریں گے نہیں۔ اس روز قوم کے رؤسا اور ان کے فرمانبرداروں میں جو کڑوا کسیلا مکالمہ ہوگا اس کو بھی بیان کر دیا" تاکہ لوگ ابھی سے اپنا محاسبہ کر لیں اور کسی ایسے شخص کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری شروع نہ کر دیں، جو روز قیامت ان کے لیے حسرت و ندامت کا باعث ہو۔

اس کے ساتھ ہی شیطان جس کی ساری عمر وہ فرمانبرداری کرتے رہے اور وہ انھیں طرح طرح کے لالچ دیتا رہا اس روز جب تمام اسرار آشکار ہوں گے تو شیطان ان لوگوں کو جو عمر بھر اس کے اشارۂ ابرو پر اپنی متاع ہوش و خرد کو نثار کرتے رہے، جو حوصلہ شکن جواب دے گا وہ بھی اپنے اندر ہزاروں عبرتوں کے سامان رکھتا ہے وہ صاف صاف انھیں کہہ دیگا کہ جو وعدے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ کیے وہ اس نے پورے کر دیئے لیکن جو وعدہ میں نے تمہارے ساتھ کیا میں اس کو پورا نہیں کر سکتا۔ مجھے ملامت کرنے کا تمھیں کوئی حق نہیں۔ میں نے تو تمھیں گمراہ کرنا تھا گمراہ کر لیا۔ یہ تمہارا کام تھا کہ اپنی عقل و خرد سے کام لیتے، اللہ تعالیٰ کے نبی کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن رہتے۔ اب اپنی نادانی کی سزا بھگتو اور اپنے آپ کو کوسو۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات کا تذکرہ ہے۔ ان کی پیاری پیاری دعائیں ہیں جو انھوں نے

بڑے خلوص اور نیاز سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عظمت میں پیش کیں۔ کعبہ کے شہر کے لیے اس شہر کے مکینوں کے لیے اپنی اولاد کی ہدایت اور رزق حلال کے لیے التجائیں کیں۔ ساتھ ہی عرض کیا کہ الٰہی! اس لق و دق صحرا اور اس بے آب و گیاہ بیابان میں تیرے گھر کے پڑوس میں میں نے اپنی اولاد کو اس لیے بسایا ہے کہ وہ تیری عبادت کرتے رہیں۔ الٰہی! لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت اور لگن پیدا کر دے تاکہ وہ ان کے پاس کھچے کھچے چلے آئیں۔ یہ وادی جہاں سرسبزی و شادابی کا دور دور تک نشان نہیں۔ اس وادی میں رہنے والوں کو کھانے کے لیے تازہ پھل عطا فرما۔

حضرت خلیل کی ساری دعائیں قبول ہوئیں اور اگر کسی کو اس کا عینی مشاہدہ کرنا ہو تو وہ آج بھی مکہ مکرمہ میں جا کر مشاہدہ کر سکتا ہے۔

آخر میں قیامت کے روز کفار کی حالت زار کا نقشہ کھینچ کر لوگوں کو تنبیہ کر دی گئی اگر تم اس روز اس عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو میرے نبی کریم کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ تمہارا مکر اگرچہ اتنا زبردست ہو کہ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا ڈالے لیکن تم اپنے بُرے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ میں حق کا محافظ ہوں تمہارے سارے منصوبے اور سازشیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا عرفان اور صراط مستقیم پر ثابت قدمی سے آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سورۃ ابرٰھیم مکیۃ وھی اثنتان وخمسون اٰیۃ وسبع رکوعات بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ ابراہیم مکی ہے۔ اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — ۵۲ آیتیں اور ۷ رکوع ہیں

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

الف۔ لام۔ را۔ لے یہ (عظیم الشان) کتاب ہے کہ ہم نے اتارا ہے اسے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو (ہر قسم کی) تاریکیوں سے نور (ہدایت و عرفان)

النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿١﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ

کی طرف۔ ان کے رب کے اذن سے (یعنی) عزیز و حمید کے راستہ کی طرف۔ وہی اللہ جس کے ملک

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ

میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بربادی ہے کفار کے لیے

عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ﴿٢﴾ اِۨلَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ

سخت عذاب کے باعث جو پسند کرتے ہیں دنیوی زندگی کو آخرت (کی ابدی زندگی) پر

لے حروف مقطعات ہیں۔

لے کتاب خبر ہے اس کا مبتدا ہذا محذوف ہے۔ انزلناہ الخ اس کی صفت ہے۔ فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو اس لیے آپ کے قلب منیر پر نازل فرمایا کہ کفر و شرک، بدعت و ضلالت، فسق و فجور کے اندھیروں میں انسانیت کا کارواں صدہا سال سے آوارہ و سرگرداں ہے۔ عقل کا چراغ بجھ چکا ہے سابقہ انبیاء کی تعلیمات مسخ ہو چکی ہیں۔ ہدایت پذیری کے تمام وسائل مفقود ہو گئے ہیں۔ اے میرے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ہدایت کا وہ نیر تاباں عطا فرمایا جا رہا ہے جس کے مقدر میں غروب ہونا نہیں۔ آپ انہیں صدیوں سے بھٹکنے والے انسانوں کو راہ ہدایت کی طرف لے جائیں۔

سے اور آپ کا لوگوں کی راہنمائی کرنا اور انہیں ضلالت سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کرنا اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اجازت ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب کا شرف بخشیں۔

سے یہ الی النور سے بدل ہے یعنی وہ نور کیا ہے جس کی طرف آپ راہنمائی کرتے ہیں۔ وہ راستہ ہے عزیز و حمید کا جو سب پر غالب ہے اور جو ہر ستائش کے لائق ہے کیونکہ گمراہی کی سینکڑوں صورتیں ہیں اس لیے ظلمات جمع استعمال کیا گیا اور ہدایت ایک ہی ہے اس لیے واحد کا لفظ استعمال کیا گیا۔

وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ أُولَٰئِكَ فِي

اور دوسروں کو بھی (روکتے ہیں) راہِ خدا سے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس (راہِ راست) کو ٹیڑھا بنا دیں ۵ یہ لوگ

ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ

بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔ اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ ۶

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۖ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ

تاکہ وہ کھول کر بیان کرے ان کے لیے (احکامِ الٰہی کو) پس گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جسے چاہتا ہے ۷

۵ یعنی کوئی سلیم الطبع انسان اس پیغامِ ہدایت کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔ صرف یہی لوگ اس کا انکار کر رہے ہیں جو دنیوی زندگی پر فریفتہ ہیں۔ اسی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنانا، اسی میں زیادہ سے زیادہ ناموری حاصل کرنا ان کا مقصدِ وحید ہے۔ آخرت کی ابدی زندگی کو خوشگوار بنانے اور اس میں سرخرو اور آبرومند ہونے کا انھیں کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ خود بھی راہِ حق سے گریزاں ہیں اور انھیں یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی دوسرا اس شاہراہِ ہدایت پر گامزن ہو۔ لوگوں کو اسلام سے بدظن کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ سننے والا اس سے دور رہنے میں ہی اپنی عافیت یقین کرنے لگتا ہے۔

۶ جب بھی کوئی رسول کسی قوم کی طرف مبعوث ہوا تو اسی قوم کی زبان میں اس پر وحی نازل کی گئی تاکہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی رہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پیشتر جو انبیاء مبعوث ہوئے وہ کسی مخصوص قوم یا کسی مخصوص علاقہ کے لیے مبعوث ہوئے لیکن حضور کو سارے عالم کا ہادی اور مرشد بنا کر بھیجا گیا۔ وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا اور حضور کا ارشادِ گرامی ہے ارسل کل نبی الی امتہ بلسانہا وارسلنی اللہ الی کل احمر واسود من خلقہ یعنی مجھے سب کی طرف بھیجا گیا۔ حکم ہوا کہ آپ اس عالمی دعوت کا آغاز اپنے خاندان سے کریں وانذر عشیرتک الاقربین اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ پھر آپ کو اپنی تبلیغ کے دائرہ کو اپنے شہر اور گرد و نواح کے علاقہ میں وسیع کرنے کا فرمان ملا۔ لتنذر ام القریٰ ومن حولہا اور جب یہ لوگ اس دعوت کو دل و جان سے قبول کر لیں تو پھر اس کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا جائے اور یہی طریقہ قابلِ عمل تھا اس لیے ضروری ہوا کہ قرآن کریم اس زبان میں نازل ہو جو اس دعوت کے اولین مخاطب لوگوں کی ہے۔

۷ جنھوں نے اس دعوت میں غور و فکر کیا اور اس کے دلائل صداقت کو عقلِ سلیم کی کسوٹی پر پرکھا ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی راہ کشادہ کر دی لیکن جن بدبختوں نے تعصب اور ہٹ دھرمی کے باعث اس دعوت میں غور و فکر کرنا ہی مناسب نہ سمجھا انھوں نے حق کی تابانیوں کو دیکھنے سے ہی اپنی آنکھیں بند رکھیں ان سے ہدایت پذیری کی صلاحیتیں چھین لی گئیں اور انھیں گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ④ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ

اور وہی سب پر غالب بہت دانا ہے۔ اور بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ

أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ

(اور انھیں حکم دیا) کہ نکالو اپنی قوم کو (گمراہی کے) اندھیروں سے نور (ہدایت) کی طرف شہ اور یاد دلاؤ انھیں اللہ تعالیٰ کے

اللَّهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ⑤ وَإِذْ قَالَ

دن ۹ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر بہت صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے اور جب فرمایا

مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ

موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو کہ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت (و احسان) کو جو تم پر ہوا جب اس نے نجات دی تمھیں

آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ

فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمھیں سخت عذاب اور ذبح کرتے تھے تمھارے فرزندوں کو

وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ⑥

اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمھاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمھارے رب کی طرف سے۔

شہ اے حبیب جس طرح آپ کو لوگوں کی راہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے اسی طرح ہم نے موسیٰ کو بھی رسول بنا کر بھیجا تاکہ اپنی قوم کو گمراہیوں سے نکال کر ہدایت کی طرف لے جائیں۔

۹ عربی میں نعمتوں کو بھی ایام کہا جاتا ہے اور گزشتہ واقعات کو بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو وہ نعمتیں یاد دلائیں جو ہم نے ان پر فرمائیں۔ کس طرح انھیں فرعون کے ظلم و استبداد سے رہائی دی۔ کس طرح سمندر سے انھیں سلامتی سے گزارا اور کس طرح ان کی آنکھوں کے سامنے فرعون کو غرق کیا یا انھیں گزری ہوئی قوموں کے واقعات و حالات سنائیں تاکہ نصیحت قبول کریں۔ ان واقعات میں ہر اس شخص کو جو صبر اور شکر کی صفات سے متصف ہے۔ ہماری قدرت کی نشانیاں نظر آئیں گی۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ

اور یاد کرو جب (انھیں) مطلع فرمایا تمھارے رب نے (اس حقیقت سے) کہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کرونگا اور اگر تم نے ناشکری کی

اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ

(تو جان لو) یقیناً میرا عذاب شدید ہے [11] نیز (یہ بھی) فرمایا موسیٰ نے اگر تم ناشکری کرنے لگو اور تم ہی نہیں بلکہ) جو بھی

فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۸ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا

سطح زمین پر ہے (ناشکری کرے) تو بیشک اللہ تعالیٰ غنی (اور سب تعریفوں کا مستحق ہے [12] کیا نہیں پہنچی تمھیں اطلاع ان

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ

(قوموں) کی جو پہلے گزر چکی ہیں یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے بعد

بَعْدِهِمْ ڛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

گزرے۔ [13] نہیں جانتا انھیں مگر اللہ تعالیٰ۔ لے آئے تھے اُن کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں

[10] تاذّن و اذّن دونوں کا معنی اَعْلَمَ ہے یعنی خبردار کیا، آگاہ کیا۔ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنے منعم کے انعام کا اعتراف کرے اور پھر اس انعام کو اپنے منعم کی نافرمانی میں صرف نہ کرے۔ عارفوں کا قول ہے کہ شکر سابقہ انعامات کی زنجیر ہے اور مزید انعامات کا صیاد ہے الشکر قید للموجود و صید للمفقود۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی الٰہی رب کیف اشکرک و شکری لک نعمۃ جدیدۃ منک علیّ یا اللہ! میں تیرا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں۔ کیونکہ توفیقِ شکر بھی تیری ایک نئی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا یا داؤد الآن شکرتنی اے داؤد علیہ السلام جب تو نے اس حقیقت کو پا لیا تو اب تو نے میرا شکر ادا کیا۔

[11] جس طرح شکر مزید انعام و اکرام کا باعث ہے اسی طرح ناشکری اور کفرانِ نعمت محرومی کا سبب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت، عزت، علم وغیرہا کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرنا سب سے بڑی ناشکری ہے۔

[12] حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو بتایا کہ شکر گزار بننے میں تمھارا ہی فائدہ ہے اور کفرانِ نعمت کرو گے تو خود ہی نقصان اٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ تمھاری احسان مندیوں کی ضرورت ہے اور نہ تمھاری ناشکریوں کا خوف۔

[13] گزشتہ قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ

پس انھوں نے (ازراہِ تمسخر) ڈال لیے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں ۲۳ اور (بڑی بیباکی سے) کہا ہم نے انکار کیا اس دین کا جس کے ساتھ

بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝٩ قَالَتْ رُسُلُهُمْ

تم بھیجے گئے ہو اور جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس کی (صداقت کے بارے میں) ہم شک میں ہیں جو ہمیں بے چین کرنے والا ہے ان کے پیغمبروں نے پوچھا

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ

کیا (تمھیں) اللہ تعالیٰ کے متعلق شک ہے ۲۴ جو پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا جو (ازراہ کرم) بلاتا ہے تمھیں تاکہ بخش دے تمھارے

مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ

گناہ اور (جو ازراہ مہربانی پیہم نافرمانی کے باوجود) تمھیں مہلت دیتا ہے ایک مقررہ میعاد تک ان (نادانوں نے) جواب دیا نہیں ہو تم

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

مگر بشر ہماری طرح ۲۵ تم یہ چاہتے ہو کہ روک دو ہمیں ان (بتوں) سے جن کی پوجا کیا کرتے تھے

اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ

باپ دادا کیا کرتے تھے۔ پس لے آؤ ہمارے پاس کوئی روشن دلیل۔ کہا انھیں ان کے رسولوں نے کہ ہم

۲۳ جب ان کے انبیاء انھیں شرک سے منع کرتے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تو وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر انھیں خاموش ہونے کا اشارہ کرتے یا اظہارِ حیرت کے لیے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتے۔ ان دونوں صورتوں میں افواھھم کی ضمیر کا مرجع کفار ہوں گے۔ اور اگر اس کا مرجع رسولوں کو بنایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ انھیں وعظ کرنے لگتے تو یہ بے ادب آگے بڑھ کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے اور انھیں بولنے کی بھی اجازت نہ دیتے۔ بعد والا جملہ ان کے اس بیباکانہ طرزِ عمل کی تائید کرتا ہے۔

۲۴ ان کو رسولوں نے فرمایا کہ اگر تم کسی مشکل و پیچیدہ مسئلہ کو نہ سمجھ سکتے تو تم معذور تھے لیکن اتنی بڑی کھلی اور روشن حقیقت کا انکار سخت نادانی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی توحید میں تمھیں شک ہے جو سب کا خالق ہے! اور جس کا درِ کرم تمھاری مسلسل سرتابیوں کے باوجود کھلا ہوا ہے۔

۲۵ وہی پرانا اعتراض کہ تم ہماری طرح بشر ہو۔ ہم تمھارے کہنے پر اپنے آباؤ اجداد کا مسلک چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

تمہاری طرح انسان ہی ہیں ۱۸ لیکن اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے اپنے

عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

بندوں سے۔ اور ہمیں یہ طاقت نہیں کہ ہم لے آئیں تمہارے پاس کوئی دلیل بجز اذن خداوندی ۱۹

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى

اور مومنوں کو فقط اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے اور ہم کیوں نہ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر

۱۸ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے فرمایا کہ ہم کب انکار کرتے ہیں کہ ہم بشر نہیں ہیں اور ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ ہم فرشتے ہیں۔ ہم بھی تمہاری طرح بشر ہیں لیکن جو فضائل و کمالات اور جو قوتیں اور استعداد یں اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرحمت فرمائی ہیں ان سے تم بے بہرہ ہو ماتحن من الملئکۃ بل نحن بشر مثلکم فی الصورۃ او فی الدخول تحت الجنس ولکن اللہ تعالیٰ یمن علی من یشاء بالفضائل والکمالات والاستعدادات التی یدور علیہا فلک الاصطفاء للرسالۃ (روح المعانی) کفار انبیاء کرام کی ظاہری بشریت سے فریب کھا گئے اور ان کی نگاہیں شان نبوت کو پہچاننے سے قاصر رہیں۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے ان لوگوں کے شکوک و شبہات کو بیان کر کے اپنے حکیمانہ انداز میں ان کا ازالہ فرمایا ہے۔ ؎

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

یعنی کفار نے کہا ہم بھی انسان ہیں اور انبیاء بھی انسان ہیں۔ ہم بھی سوتے ہیں اور کھاتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح۔ ؎

ایں ندانستند ایشاں از عما ہست فرقے درمیاں بے انتہا

ان اندھوں نے یہ نہ جانا کہ ان کے درمیان اور انبیاء کے درمیان تو بے انتہا فرق ہے۔ ؎

ہر دو یک گل خورد زنبور و نحل زاں یکے شد نیش زاں دیگر عسل

ویسے تو زنبور اور شہد کی مکھی ایک پھول سے ہی خوراک حاصل کرتی ہیں لیکن وہاں ڈنک نمودار ہوتا ہے اور یہاں شہد۔ ؎

ہر دو گوں آہو گیاہ خوردند و آب زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب

دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں لیکن ایک سے صرف لید نکلتی ہے اور دوسرے سے خالص کستوری۔ ؎

ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا واں خورد گردد ہمہ نور خدا

کافر کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور نبی کھاتا ہے تو وہ نور خدا بنتا ہے۔

۱۹ یعنی معجزات کا ظہور اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے تمہیں کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے۔

اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَ

حالانکہ اس نے دکھائی ہیں ہمیں ہماری (کامیابی کی) راہیں اور ہم ضرور صبر کرینگے تمہاری اذیت رسانیوں پر ۱۹؎

عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

پس اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے توکل کرنے والوں کو۔ اور کہا کفار نے اپنے

لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ

رسولوں کو کہ ہم ضرور باہر نکال دیں گے تمہیں اپنے ملک سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں۔

فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ

پس وحی بھیجی ان کی طرف اُن کے پروردگار نے کہ (مت گھبراؤ) ہم تباہ کردینگے ان ظالموں کو ۲۰؎ نیز ہم یقیناً آباد کرینگے تمہیں (ان کے)

الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ

ملک میں انہیں (برباد کرنے) کے بعد۔ یہ (وعدۂ نصرت) ہر اس شخص کے لیے ہے جو ڈرتا ہے میرے حضور کھڑا ہونے سے اور خائف ہے

وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَاۗىِٕهٖ

میری دھمکی سے ۲۱؎ اور رسولوں نے حق کی فتح کے لیے التجا کی ۲۲؎ (جو قبول ہوئی) اور نامراد ہوگیا ہر سرکش، منکر حق۔ اس نامرادی کے بعد

۱۹؎ تم جی بھر کر ہمیں اذیت پہنچاؤ، مقدور بھر ہم پر ظلم و ستم کرو ہم بڑی استقامت سے ان تمام مصائب کو برداشت کریں گے اور صبر کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پائیگا کیونکہ ہم اپنے رب پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں اور جن کا بھروسہ قادر و توانا پر دکھائی دیتا ہے انہیں گھبراہٹ اور بے صبری سے کیا واسطہ۔

۲۰؎ کفار اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دھمکیاں دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی تائید و نصرت کی یقین دہانی کرا رہا ہے۔

۲۱؎ یہ کامرانی کا مژدہ ان تمام لوگوں کے لیے ہے جن کے دل روزِ محشر میرے روبرو حاضر ہونے سے ہر لحظہ خائف و ترساں رہتے ہیں اور یہ مراقبہ انہیں میری نافرمانی سے روکتا ہے اور میری اطاعت پر انہیں ثابت قدم رکھتا ہے یہی کامیاب و کامران ہونگے اور انہی کے دشمنوں کے لیے ناکامی و نامرادی ہے۔

۲۲؎ استفتح کا فاعل انبیاء بھی ہو سکتے ہیں اور کفار خود بھی۔ پہلی صورت میں مطلب ہوگا کہ انبیاء نے ان سے مایوس ہو کر بارگاہ الٰہی میں فتح کی دعا کی اور یہ لفظ اس معنی میں مستعمل ہوتا ہے جس طرح حدیث پاک میں ہے۔ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یستفتح بصعالیک المہاجرین۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقراء مہاجرین کے توسیلہ سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے۔ دوسری صورت میں آیت کا یہ معنی ہوگا کہ کافروں نے دعا مانگی کہ اگر یہ لوگ سچے ہیں تو ہم پر عذاب

جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ

جہنم ہے ۲۳ اور پلایا جائے گا اسے خون اور پیپ کا پانی۔ وہ بمشکل ایک ایک گھونٹ بھریگا اور حلق سے نیچے نہ اتار سکیگا

وَيَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ

اور آئے گی اس کے پاس موت ہر سمت سے ۲۴ اور وہ (پھر بھی) مرے گا نہیں۔ (علاوہ ازیں) اس کے پیچھے

عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿١٧﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ

ایک اور سخت عذاب ہوگا۔ ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اپنے رب کا انکار کیا ایسی ہے کہ ان کے اعمال راکھ کا ڈھیر ہیں ۲۵

نازل کر چنانچہ عذاب آیا جس نے ہر سرکش کو نامراد کر کے رکھ دیا۔

۲۳ دنیا میں ان کو ذلت و رسوائی سے دوچار کرنے کے بعد انھیں فراموش نہیں کر دیا جائیگا۔ بلکہ ہمارے انبیاء و رسل کی انھوں نے جو توہین کی تھی۔ ان کے سامنے جو گستاخیاں کی تھیں اور قبول حق سے جو انکار کیا تھا اس کے بدلے میں انھیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔

یتجرعہ ، باب تفعّل کا مضارع ہے تکلف پر دلالت کرتا ہے یعنی پیاس کی شدت کے باعث وہ پینے پر مجبور بھی ہوگا۔ لیکن اس بدبودار بدذائقہ اور کھولتی ہوئی پیپ کو پیئے تو کیونکر۔ حلق سے نیچے اترے تو کیسے ایک آدھ گھونٹ اور وہ بھی بڑی مشکل سے۔

۲۴ ہر طرف سے موت برستی ہوئی محسوس ہوگی اور وہ ان ناقابل برداشت آلام سے بچنے کیلیے مرنے پر بھی بصد خوشی آمادہ ہوگا۔ لیکن موت آئیگی نہیں۔ وہ اسکے لیے ترستا ہی رہیگا۔ جبار ، وہ متکبر جو اپنے اوپر کسی کا حق نہیں سمجھتا عنید ، راہ راست سے منہ موڑنے والا الجائر عن القصد هو العنود والعنيد والعاند۔ وراء ، پیچھے و آگے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے صدید ، اس پیپ کو کہتے ہیں جس میں خون ملا ہوا ہو۔ اساغ ، خوشگوار سمجھنا۔

۲۵ ان کے اچھے اعمال کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ کفر و شرک کی موجودگی میں انکی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کا ڈھیر ہو اور تند آندھی چلے اور اس کو اڑا کر لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان اعمال کی کوئی قدر و منزلت نہیں اور انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انھیں ان اعمال پر قیامت کے دن کوئی اجر نہ ملے انھوں نے جو نیک کام کیے تھے تو ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ انھیں اچھا کہیں۔ ان کی رحم دلی اور سخاوت کا چرچا ہو۔ انکو الیکشن جیتنے میں آسانی ہو انکی تجارت چمکے۔ ان کے کاروبار میں ترقی ہو جس مقصد کے لیے انھوں نے یہ سب کچھ کیا وہ مقصد انھیں حاصل ہو گیا جب خدا کی رضا انھیں مطلوب ہی نہ تھی تو اسکے حاصل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب قیامت کی سرخروئی کا انکے دل میں تصور ہی نہ تھا۔ تو انھیں روز قیامت سرخرو کیا جائے تو آخر کیوں؟ اور جن لوگوں نے اپنے بتوں کی خوشنودی کے لیے کچھ کیا تو وہ جائیں اپنے بتوں کے پاس اور ان سے مانگیں۔ بہرحال وہ ان اعمال پر قطعاً اس بات کے حقدار نہیں کہ بارگاہ الٰہی سے انھیں اس کی جزا دی جائے اور قیامت کے دن ان اعمال کے باعث انھیں جنت میں بھیجا جائے اگر کوئی شخص اپنے اعمال اور اپنے کاموں کا یہ انجام پسند نہیں کرتا تو اسے چاہیے کہ وہ کفر و شرک سے توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو کام کرے اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے پیش نظر ہو۔

إِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا

جیسے تند ہوا تیزی سے اڑا لے گئی سخت آندھی کے دن۔ نہ حاصل کریں گے ان اعمال سے جو انھوں نے کمائے

عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿١٨﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ

تھے کوئی فائدہ ۔ یہ (اعمال کا اکارت جانا ہی) بہت بڑی گمراہی ہے ۔ کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہی

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ

پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ ۲۲ اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہلاک کر دے اور لے آئے کوئی نئی مخلوق ۲۳

جَدِيدٍ ﴿١٩﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿٢٠﴾ وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا

اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ اور (روز حشر) اللہ تعالیٰ کے سامنے ۲۴ (سب چھوٹے بڑے)

۲۲ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۳، کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

۲۳ یعنی یہ سراسر تمہاری غلط فہمی ہے کہ اگر تم نہیں ہو گے تو خدا کی دنیا اجڑ جائے گی۔ اس کی رونق ختم ہو جائے گی۔ وہ چاہے تو تمہیں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دے اور کسی اور قوم کو تمہارا جانشین کر دے جو اپنی نیک نفسی، اپنی قابلیت، ذہانت اور اپنی مخلصانہ جدوجہد سے اس گلشن ہستی کو نئی بہاروں سے آشنا کر دے۔

۲۴ جب قیامت کا دن آئے گا تو وہ سب اپنی قبروں سے نکل کر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گے۔ اپنی نافرمانیاں، اپنا کفر و شرک، اپنا فسق و فجور اور انبیاء کرام کو جس طرح انھوں نے دکھ پہنچائے تھے اور ان کی بے ادبیاں کی تھیں ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے آ جائیں گی۔ ادھر جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے دکھائی دیں گے۔ اس وقت گمراہ سرداروں کے پیروکار انھیں کہیں گے کہ زندگی بھر ہم تمہارے پیچھے آنکھیں بند کر کے چلتے رہے۔ تم نے ہمیں کہا کہ اس نبی کی بات مت سنو۔ ہم نے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ تم نے کہا کہ ان پر پتھر برساؤ۔ ہم نے ان نورانی پیکروں پر بے دریغ پتھراؤ کیا اور انھیں لہولہان کر کے چھوڑا۔ آج بتاؤ کچھ تم ہمارے لیے کر سکتے ہو۔ وہ سردار اپنی مکمل بے بسی کا اعتراف کریں گے اور بڑی حسرت و ندامت سے کہیں گے کہ ہم تو خود گمراہ رہے ہم تمہاری کیا امداد کر سکتے ہیں؟ گمراہوں کا ایک یہ گروہ بھی ہے جو اپنے رئیسوں اور سرداروں کی اندھی تقلید میں یوں مگن رہتا ہے کہ وہ حق کو سمجھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کی عمر بھر ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا۔ ان کو خواب غفلت سے چونکانے کے لیے قیامت کے دن پیش آنے والے واقعات کو دلکش انداز میں بیان کیا تاکہ وہ اگر چاہیں تو اپنی اس نازیبا حرکت سے باز آ جائیں۔

فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ

حاضر ہوں گے تو کہیں گے کمزور (پیروکار) ان (سرداروں) سے جو متکبر تھے (اے سردارو!) ہم تو (ساری عمر) تمہارے فرمانبردار رہے پس کیا (آج)

اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا

تم ہمیں بچا سکتے ہو عذابِ الٰہی سے وہ کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ

ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی تمہاری رہنمائی کرتے۔ یکساں ہے ہمارے لیے خواہ ہم گھبرائیں یا صبر کریں۔ ہمارے لیے (آج) کوئی

مَّحِيْصٍ ﴿٢١﴾ ع وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ

راہِ فرار نہیں ہے۔ اور شیطان کہے گا جب (سب کی قسمت کا) فیصلہ ہو چکے گا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا

وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

وہ وعدہ سچا تھا۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔ اور نہیں تھا میرا تم پر کچھ

سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا

زور ۲۹ے مگر یہ کہ میں نے تم کو (کفر کی) دعوت دی اور تم نے (فوراً) قبول کر لی میری دعوت۔ سو تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت

ع ۳ / ۱۵

۲۹ے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اوّلین و آخرین کو میدانِ حشر میں جمع کریگا اور انکے درمیان فیصلہ فرما دیگا تو اہلِ ایمان کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں فیصلہ صادر فرما دیا! اب اللہ تعالیٰ کی جناب میں کون ہماری شفاعت کرے گا۔ پہلے آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ معذرت کریں گے۔ چلتے چلتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں گے فیقول عیسیٰ علیہ السلام ادلکم علی النبی الامی فیاتونی فیاذن اللہ لی ان اقوم فیثور مجلسی من اطیب ریح شمھا احد حتی آتی ربی فیشفعنی ویجعل لی نوراً من شعر راسی الی ظفر قدمی ثم یقول الکافرون قد وجد المومنون من یشفع لھم فمن یشفع لنا فیقولون ما ھو غیر ابلیس ھو الذی اضلنا فیاتونہ فیقولون قد وجد المومنون من یشفع لھم فقم انت فاشفع لنا فانک انت اضللتنا فیقوم فیثور من مجلسہ من انتن ریح شمھا احد ثم یعظم نحیبھم ویقول عند ذلک ان اللہ وعدکم وعد الحق الآیۃ (قرطبی) ترجمہ: عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ سب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اذن فرمائیگا اور میں کھڑا ہونگا اور میری مجلس سے ایسی خوشبو پھیلے گی جسے آج تک کسی نے نہ سونگھا ہو تو میں اپنے رب کے حضور میں آ کر اپنی

أَنفُسَكُم ۖ مَّا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ ۖ إِنِّي كَفَرْتُ

کرو۔ ۳۰ نہ میں (آج) تمہاری فریاد رسی کرسکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کرسکتے ہو ۳۱ میں انکار کرتا ہوں

بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ ۗ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ

اس امر سے کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے ۳۲ بیشک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

کی شفاعت کروں گا اور اللہ تعالیٰ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور میرے گیسوئے عنبرین سے لے کر میرے قدموں کے ناخنوں تک نور ہی نور ہوگا۔ یہ منظر دیکھ کر کافر کہیں گے کہ مومنوں کو تو شفیع المذنبین مل گیا اب ہماری کون شفاعت کریگا۔ پھر کہیں گے کہ شیطان کے پاس چلو۔ اسی نے ہم کو گمراہ کیا تھا وہی ہماری شفاعت کریگا۔ سب اس کے پاس آئینگے اور کہیں گے کہ اہل ایمان کو تو ان کا شفیع مل گیا اب تو ہماری شفاعت کر کیونکہ تو نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا۔ اس کی مجلس سے ناقابل برداشت بدبو اٹھے گی۔ وہ رونے چلانے لگیں گے تو شیطان انہیں یہ جواب دے گا:۔ ان اللہ وعدکم وعد الحق ووعدتکم فاخلفتکم یعنی اس وقت شیطان کہے گا کہ تم سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ قیامت آئے گی تمہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی نیکوں کو جنت میں اور بدکاروں کو دوزخ میں بھیجا جائے گا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت نہیں آئیگی۔ قبروں سے پھر جی اٹھنے کی بات محض غلط ہے۔ کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ میں تمہارا ساتھی اور مددگار ہوں۔ بیشک تم پیغمبروں کی بےادبیاں کرتے رہو ان کی دعوت کو ٹھکراتے رہو۔ حلال حرام کا فرق بالکل من گھڑت ہے جس طرح دولت کما سکتے ہو کماؤ اور داد عیش دو۔ سو اللہ تعالیٰ نے جو سچے وعدے تم سے کیے تھے وہ سب اس نے پورے فرما دیئے اور میں نے تم سے سب جھوٹے وعدے کیے تھے اور میں نے سب کی خلاف ورزی کی۔

۳۰ یہ بات سن کر شیطان کے پرستار آگ بگولہ ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ تیرا ستیاناس ہو تو نے اس وقت ہمیں شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین کے دامن میں پناہ لینے سے روکا اور آج ہمیں تو یوں صاف جواب دے رہا ہے۔ شیطان کہیگا مجھ پر ناحق ناراض ہو رہے ہو۔ میں نے تمہیں کب مجبور کیا تھا: کہ میرے پیچھے ضرور چلو اور میرا کہنا ضرور مانو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول سے رشتہ توڑ کر مجھ سے تعلق جوڑو۔ میں نے صرف تمہیں گمراہی کی طرف بلایا اور تم اتنے بیوقوف اور احمق نکلے کہ مکھیوں کی طرح بھنبھناتے چلے آئے۔ اپنے رحمٰن و رحیم خدا کو چھوڑا۔ اپنے رؤف و رحیم رسول کو چھوڑا اور میں جو تمہارا ازلی دشمن اور بدخواہ تھا اس کی دعوت کو قبول کیا اب مجھے کیوں کوستے ہو اپنی بدبختی اور حماقت پر ماتم کرو اور خوب ماتم کرو سب تمہارا اپنا قصور ہے۔ میں تمہارا قطعاً ذمہ دار نہیں ہوں۔

۳۱ نہ میں تمہاری کچھ مدد کرسکتا ہوں اور نہ تم میری مدد کرسکتے ہو تمہیں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنی ہوگی اور مجھے اپنی سرکشیوں کا عذاب جھیلنا ہوگا۔ الصارخ والمستصرخ ھو الذی یطلب النصرۃ والمعاونۃ والمصرخ ھو المغیث۔ صارخ اور مستصرخ اس کو کہتے ہیں جو مدد اور اعانت کا طلب گار ہو اور مصرخ مددگار اور فریاد رس کو کہتے ہیں۔

۳۲ تم مجھے دنیا میں خدا کا شریک سمجھتے تھے میں اس کا انکار کرتا ہوں اور تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں کہ میں خدا کا شریک نہیں ہوں تم

أَلِيمٌ ﴿٢٢﴾ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي

اور داخل کیا جائیگا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے[۲۲] باغات میں رواں ہونگی

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا

جن کے نیچے ندیاں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اپنے رب کے حکم سے انکی دعا وہاں ایک دوسرے کو یہ ہوگی کہ

سَلَامٌ ﴿٢٣﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ

تم سلامت رہو۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کیسی عمدہ مثال بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے کہ کلمہ طیبہ[۲۴] ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے

محض اپنی حماقت کی وجہ سے لیا سمجھتے رہے ہو۔ یہ وہ مکالمہ ہے جو قیامت کے روز ہوگا شیطان کے پیروکار اس جواب سے ندامت اور شرمندگی سے دوچار ہونگے وہ کتنی روح فرسا ہوگی۔ ہر ہوشمند کو چاہیے کہ اس شرمساری اور رسوائی سے بچنے کے لیے آج ہی آمادہ اصلاح ہو۔

لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو شیطان کا رویہ اپنے پرستاروں کے ساتھ آج بھی وہی ہے جب وہ کسی کو نقب زنی پر اکساتا ہے اپنے سگے بھائی کو قتل کرنے کے لیے برانگیختہ کرتا ہے جب کسی کی ناموس کو ملوث کرنے کی تحریک اس میں پیدا کرتا ہے تو اس وقت دولت اور حرمت لذت اور عیش کی زندگی کا جو نقشہ وہ پیش کرتا ہے کتنا دلفریب ہوتا ہے لیکن جب انسان اس کے دام تزویر میں پھنس جاتا ہے تو شیطان اس سے آنکھیں پھیر لیتا ہے جب چور پر ڈنڈے برستے ہیں تو وہ اس کی پٹائی پر بغلیں بجاتا ہے جب اسے تختہ دار پر کھڑا کرکے موت کا پھندا اس کے گلے میں ڈالا جاتا ہے تو شیطان کی خوشی کی حد نہیں ہوتی جب بدکاری کی وجہ سے وہ موذی بیماریوں (سوزاک، وغیرہ) کے چنگل میں گرفتار ہوکر چیختا ہے تو وہ آگے بڑھ کر اس کے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک چھڑکتا ہے۔ جب جعفر اور صادق نے اپنی ملت اور اپنے دین سے غداری کرنے کا ارادہ کیا تھا انھیں اپنا مستقبل کتنا درخشاں نظر آیا ہوگا لیکن اس غداری کے بعد بجز لعنت اور ذلت کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ بدر کے میدان میں کفار مکہ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا شیطان نے پہلے انھیں اکسایا اور یقین دلایا لا غالب لکم الیوم من الناس آج تم پر کوئی بھی غالب نہیں آسکتا! اور پختہ وعدہ کیا وانی جار لکم میں تمھارا پشت پناہ ہوں اور جب حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کی خارہ گداز شمشیریں بے نیام ہوکر ان کی صفوں میں تباہی مچانے لگیں تو شیطان نے فوراً کہہ دیا انی بریٔ منکم میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تمھیں نظر نہیں آرہا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

[۲۳] اب ان کا ذکر ہو رہا ہے جن کو صاحب مقام محمود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔

[۲۴] کلمہ طیبہ سے مراد ایمان ہے اور کلمہ خبیثہ سے مراد کفر ہے۔ ایمان اور کفر کی حقیقت کو ایک نہایت بلیغ مثال سے واضح کیا کہ ایمان ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے اور پاکیزہ اور عمدہ درخت کی یہ صفات ہوتی ہیں کہ جڑیں کافی گہری ہوتی ہیں۔ کوئی تند و تیز آندھی بھی اسے اکھیڑ نہیں سکتی۔ اس کی شاخیں خوب پھیلی ہوئی اور اونچی ہوتی ہیں اس طرح اس کا سایہ بھی خوب گھنا ہوتا ہے۔ اور اس پر پھل بھی کثرت لگتا ہے وہ پھلدار بھی

طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ

جس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ دے رہا ہے اپنا پھل

حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔ اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ (انہیں)

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۣاجْتُثَّتْ

خوب ذہن نشین کر لیں۔ اور مثال ناپاک کلمہ کی ایسی ہے جیسے ناپاک درخت ہو ۳۵؎ جسے اکھاڑ لیا جائے

مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

زمین کے اوپر سے (اور) اسے کچھ بھی قرار نہ ہو۔ ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو

ہوتا ہے اور اس کا پھل مقدار میں زیادہ اور ذائقہ میں لذیذ ہوتا ہے۔ فرمایا ایمان بھی ان تمام صفات اور خوبیوں سے متصف ہے جو ایک پاکیزہ درخت کے خواص ہیں۔ اس کی جڑیں دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوتی ہیں۔ مصائب و آلام کا کوئی طوفان اس کو ہلا نہیں سکتا۔ اسلام سے پہلے حضرت عمر نے اپنی ہمشیرہ فاطمہ کو مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔ کیا اس ظلم و تشدد سے ان کا شجر ایمان اکھڑ سکا تھا۔ اس کی شاخیں اتنی بلند ہیں کہ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ مومن کے کردار اس کے خلق عظیم اور اس کے جذبہ للہیت کی رفعتوں کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اور اس درخت کا جو پھل ہے اس کی شان ہی نرالی ہے۔ دوسرے درختوں پر سال میں ایک بار پھل لگتا ہے اور وہ بھی کبھی زیادہ کبھی کم کبھی پکتا ہے اور کبھی کچا ہی گر جاتا ہے۔ لیکن شجر ایمان کا کیا کہنا۔ ہر سال بارہ مہینے اس کی شاداب شاخیں میٹھے اور لذیذ پھلوں سے لدی ہوئی جھکتی رہتی ہیں۔ ایک لمحہ بھی تو ایسا نہیں آتا کہ اس کی شاخیں ثمر سے خالی ہوں۔ ؎

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند   بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

رات ڈھلتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے بندے اشک سحر گاہی سے وضو کر کے دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صبح ہوتی ہے تو مسجدیں سجدہ کرنے والوں سے بھر جاتی ہیں۔ ہر سانس کے ساتھ اللہ ھو کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ کبھی ذکر کا غلغلہ ہے اور کبھی فکر کی خاموشی۔ کبھی تسبیح اور کبھی حمد کبھی ترتیل قرآن ہو رہی ہے اور کبھی صاحب قرآن پر صلوٰۃ و سلام۔ اور جب ایسی بابرکت اور بامقصد زندگی گزار کر مومن قبر کی سنسان وادی میں خیمہ زن ہوتا ہے تو نزول رحمت کا سلسلہ یہاں بھی ٹوٹنے نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ کے ورد کرنے والے تلاوت قرآن صدقات و خیرات سے اس کی روح کو ایصال ثواب کر رہے ہوتے ہیں۔ تؤتی اکلھا کل حین کا منظر دیکھنا ہو تو مقبولان بارگاہ خداوندی کے مزارات پر انوار پر حاضر ہو کر اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لو۔

۳۵؎ کفر ایک خبیث درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں ہی نہیں ہوتیں۔ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اسے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا ایسے درخت کی شاخیں

بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ

اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی ۳۶ اور بھٹکا دیتا ہے اللہ تعالیٰ

الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ

زیادتی کرنے والوں کو ۳۷ اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنھوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی

ع ۱۶

کہاں ہوگی اور اس کا پھل کہاں لگے گا۔

۳۶ یعنی جو لوگ اخلاص و یقین سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ انھیں ہر مقام پر ثبات و استقامت بخشتا ہے۔ دنیا میں انکو دولت ایمان سے محروم کرنے کیلیے ہزاروں فتنے برپا کیے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی آزمائشوں سے انھیں گزرنا پڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے انکے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی۔ اسی طرح قبر و حشر میں جو مشکل مرحلے پیش آئیں گے۔ توفیق الٰہی اس وقت بھی انکی دستگیری کریگی اور وہ ہر میدان میں کامیاب و سرخرو ہونگے۔ سوال قبر کے متعلق وہ حدیث جو صحاح ستہ میں مذکور ہے ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المسلم اذا سئل فی القبر یشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله فذلك قول الله تعالی یثبت الله الذین امنوا الآیة یعنی قبر میں جب ایک مسلمان سے اسکے رب اور اسکے رسول اور اسکے دین کے متعلق سوال کیا جائیگا تو وہ جواب میں کہیگا اشهد ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله اور یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا یثبت الله الذین امنوا الآیة۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال استغفروا لاخیکم و سلوا له التثبت فانه الآن یسأل یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو اس کے قریب کھڑے ہو جاتے اور سب کو فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا مانگو کیونکہ اب اس سے پوچھا جا رہا ہے۔ حضرت سہل بن عمار فرماتے ہیں کہ میں نے یزید بن ہارون کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا سنائیے اللہ تعالیٰ نے آپکے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ انھوں نے کہا قبر میں میرے پاس دو بڑے خوفناک اور سخت فرشتے آئے اور مجھ سے دریافت کیا ما دینک من ربک من نبیک تیرا دین کیا ہے۔ تیرا رب کون ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ فاخذت بلحیتی البیضاء وقلت المثلی یقال هذا وقد علمت الناس جوابکما ثمانین سنة میں نے اپنی سفید داڑھی کو پکڑ کر کہا کیا میرے جیسے شخص سے تم اس قسم کے سوالات پوچھتے ہو۔ میں اسّی سال تک لوگوں کو تمہارے انھیں سوالات کے جوابات پڑھاتا رہا ہوں۔ یہ بات ختم ہوئی تو انھوں نے ایک سوال پوچھا تم نے حریز بن عثمان سے کوئی حدیث لکھی ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ فقال الله کان یبغض علیا فابغضه الله ان دونوں فرشتوں نے کہا کہ وہ علی کرم اللہ وجہہ سے بغض رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مردود بنا دیا۔ (قرطبی)

علامہ ابن کثیر اور دیگر مفسرین کرام نے اس مقام پر متعدد صحیح احادیث سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لیے قبر ایک آرام گاہ ہے۔ اور بدکاروں کے لیے اس میں شدید عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ﷺ کے طفیل عذاب قبر سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔

۳۷ یعنی ظالموں کو قبر میں ان سوالات کا جواب بھول جائے گا۔

اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۗ وَبِئْسَ

نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں (یعنی) دوزخ میں ٣٨ جھونکے جائیں گے اس میں اور وہ بہت بُرا

الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوْا

ٹھکانا ہے۔ اور بنا لیے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مدمقابل تاکہ بھٹکا دیں (لوگوں کو) اس کی راہ سے آپ (انھیں) فرمائیے (کچھ وقت)

فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿٣٠﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا

لطف اٹھالو، پھر یقیناً تمھارا انجام آگ کی طرف ہے۔ آپ فرمائیے میرے بندوں کو ٣٩ جو ایمان لائے ہیں کہ وہ صحیح صحیح ادا کیا کریں

الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ

نماز اور خرچ کیا کریں اس سے جو ہم نے انھیں رزق دیا ہے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ اس سے پیشتر کہ

يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿٣١﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

آجائے وہ دن جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ٤٠ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو

وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ

اور زمین کو اور اتارا بلندی سے پانی پھر پیدا کیے اس پانی سے پھل تمھارے کھانے کے لیے ٤١

٣٨ قریش مکہ پر اللہ تعالیٰ نے گوناگوں احسانات فرمائے تھے۔ اپنے گھر کی خدمت اور ہمسائیگی کا شرف انھیں بخشا تھا۔ سارے عرب قبیلوں میں ان کی عزت اور تکریم کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اور پھر انھیں میں سے خاتم النبیین کو مبعوث فرمایا۔ ان کا تو یہ فرض تھا کہ ہر دم شکر الٰہی بجا لاتے اور اس کے کسی حکم سے سرمو انحراف نہ کرتے لیکن انھوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی خود بھی برباد ہوئے اور اپنی قوم کو بھی ہلاکت و بربادی کی بستیوں میں دھکیل دیا۔ البوار: الھلاک۔
یعنی ہلاکت و تباہی جھنم دار البوار کا عطف بیان ہے۔

٣٩ اپنے بندوں کو اعمالِ حسنہ کی بجا آوری کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

٤٠ یعنی اس دن سے پہلے نیک اعمال کا ذخیرہ جمع کر لو جو تمھیں قیامت کے دن کام آئیگا ورنہ کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ گے۔ اس دن کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی تاکہ آپ دوڑ کر جائیں اور جس عمل کی آپ کو ضرورت پڑے کسی دکان سے خرید لائیں۔ اس دن دنیا کے بھائی چارے اور دوستیاں بھی کام نہیں آئینگی۔

٤١ ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے شاہکاروں اور کرشموں میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے ان کے ذکر کے ساتھ ساتھ مناسب اور

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿٣٢﴾ وَ

اور اس نے مسخر کر دیا تمہارے لیے کشتی کو تاکہ وہ چلے سمندر میں اس کے حکم سے اور تابع فرمان کر دیا تمہارے لیے دریاؤں کو۔ اور

سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾

مسخر کر دیا تمہارے لیے آفتاب و مہتاب کو جو برابر چل رہے ہیں اور مسخر کر دیا تمہارے لیے رات اور دن کو۔

وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ

اور عطا فرمایا تمہیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا[43] اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ﴿٣٤﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا

بیشک انسان بہت زیادتی کرنے والا (اور) ناشکرا ہے[44] اور (اے حبیب) یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے کہ اے میرے رب بنا دے

موزوں موقع پر لکم (تمہارے لیے) کا تکرار کتنا معنی خیز ہے گویا بتایا جا رہا ہے کہ تم ہی مقصودِ کائنات ہو۔ باقی سب کچھ تمہاری بقا اور نشو ونما کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تخلیق ہوا ہے آسمان اور زمین چاند اور سورج' دریا اور سمندر' اور گردشِ لیل ونہار سب تمہارے خدمت گزار ہیں۔ اے انسان! تو بھی اپنے دل سے پوچھ تجھے کیوں پیدا کیا گیا۔ اس لیے کہ تو سورج دیوتا کو پوجتا ہے۔ جو تیری چاکری میں مصروف ہے تو دریاؤں کے سامنے جھکتا پھرے جو تیری خدمت کے لیے رواں دواں ہیں۔ یا تو مال ودولت کو فراہم کرنا ہی اپنا مقصدِ حیات بنا لے۔ نہیں ایسا نہیں۔ تیری شان بڑی بلند ہے۔ تیرا مقام بڑا رفیع ہے۔ سب کچھ تیرے لیے ہے۔ اور تو اپنے خالق ومالک کے لیے ہے۔ اسی کی بارگاہِ صمدیت میں سربسجود ہونا تجھے زیب دیتا ہے۔ اب تیری احسان شناسی اور شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ تو اسی کا ہو رہے۔

۴۳؎ یہ عظیم انعامات ہیں جو تمہارے عالمِ وجود میں قدم رکھنے سے پہلے ہی تمہارے لیے مہیا کر دیے گئے لیکن ان کے علاوہ ہم تمہاری ان تمام ضروریات کو بھی پورا کرتے ہیں جن کے متعلق تم ہم سے التجائیں کرتے ہو اور دعائیں مانگتے ہو۔ اس کے انعامات واحسانات اتنے کثیر ہیں کہ تم اگر ان کا شمار کرنا چاہو تو دفتر کے دفتر ختم ہو جائیں۔ تمہاری زبانیں گنتے گنتے تھک جائیں لیکن تم ان کو گن نہ سکو۔ انسان اگر اپنے گردوپیش سے آنکھیں بند کر کے صرف اپنے وجود میں ہی غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس پر اس کے پروردگار کی نوازشات بے حد وحساب ہیں۔ ذرا سوچو اگر مرد کے منہ پر بال ہی نہ اگیں اور عورت کے چہرہ پر بال اگ آئیں تو پھر؟ اگر ہاتھوں میں ہتھیلیاں ہی نہ ہوں یا انگلیوں کے سروں پر ناخن ہی نہ ہوں تو آپ کے بازو کی ساری قوت بیکار ہو جائے۔ اگر منہ میں لعابِ دہن (تھوک) ہی پیدا نہ ہو تو کیا آپ کی زبان لکڑی کی طرح خشک ہو کر نہ رہ جائے گی۔ اگر آنکھوں پر پپوٹے نہ ہوں یا پپوٹوں کے ساتھ پلکیں نہ ہوں تو آپ آنکھوں کی حفاظت کیسے کر سکیں گے۔ یہ بظاہر معمولی چیزیں ہیں جن کی افادیت کے متعلق شاذ ونادر ہی ہم غور کیا کرتے ہیں۔ جب ان کی اہمیت کا یہ حال ہے تو بڑی بڑی نعمتوں کی اہمیت کا آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ

اس شہر کو امن والا ۴۵ اور بچائے رکھ مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی ۴۶ اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو

اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ

گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو ۴۷ پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہو گا ۴۸ اور جس نے

۴۳ چاہیے تو یہ تھا کہ ہماری پیشانیاں اپنے اس رحیم پروردگار کے حضور میں ہر وقت جھکی رہتیں۔ دل اس کی عظمت و کبریائی کے احساس سے لبریز رہتے اور زبانیں اس کی حمد و ثنا کے گیت گاتی ہی رہتیں لیکن یہ تو وہ خاک ہے جس کی عزت افزائی کے لیے اتنے سامان کیے گئے۔ یہ بڑا ظلوم اور کفار ہے۔ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں یعنی بڑا ہی ظالم سخت ناشکرا۔ تم خود ہی انصاف سے بتاؤ کہ ایسے محسن اور کریم رب کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا یا اس کی نافرمانی کرنا ظلم عظیم نہیں اور اس کی گرانبہا نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے باوجود اس کی ناشکری کرنا کیا کفران نعمت کی حد نہیں؟

۴۴ عام انسانوں کا تو یہ حال ہے کہ وہ ظلوم و کفار ہیں۔ اب اس بندے کا ذکر ہو رہا ہے جو صبار اور شکور ہے تاکہ دنیا کے طلبگاروں کو ایک ایسے مرد حق آگاہ سے روشناس کرایا جائے جس نے سب تعلقات کو توڑ کر اپنی عبودیت، اپنی دوستی اور اپنی محبت کا رشتہ ایک ربِ قدوس سے استوار کیا تھا تاکہ لذت و عیش کے متوالے ان لوگوں کے کیف و سرور کی بھی ایک جھلک دیکھ سکیں جو شراب محبت سے مخمور ہو کر سارے جہان کی نعمتوں آسائشوں کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے سارے بندھنوں کو توڑتے ہوئے شاداں و فرحاں اپنے محبوب حقیقی کی طرف بڑھے چلے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں بھی آرزو پیدا ہوتی ہے۔ وہ بھی دست سوال دراز کیا کرتے ہیں۔ دنیا کے کباڑ خانے میں مگن رہنے والے آئیں اور ذرا دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے عقاب ہمت کی بلند پروازی کا کیا عالم ہے۔ وہ جب مانگتے ہیں تو کیا مانگتے ہیں۔ وہ دامن طلب پھیلاتے ہیں تو کس مقصد کے لیے؟

۴۵ جس شہر کی آبادی اور پرامن ہونے کی التجا کی جا رہی ہے وہ حضرت ابراہیم کا آبائی وطن نہیں ہے۔ ان کی اپنی رہائش یہاں نہیں۔ ان کا مال اور ان کی جائداد وہاں موجود نہیں بلکہ اس شہر کیلئے یہ التجا کی جا رہی ہے جہاں ان کے محبوب حقیقی کا گھر ہے یعنی اے خدا وہ جگہ جو تیرے انوار کی تجلی گاہ ہے وہ وادی جہاں تیرے جلووں کا ہجوم ہے۔ وہ مقام جہاں تیرا حسنِ ازل آشکارا ہے اسے سلامتی ہو، وہاں امن ہو۔ یہاں کے بسنے والے تیری یاد اور تیری عبادت میں کھوئے رہیں۔ کسی تکلیف کا کانٹا ان کے دامن احساس میں نہ چبھے۔

۴۶ یہ عرض نہیں کیا جا رہا کہ ہمیں بتوں کی عبادت سے بچا! التجا یہ ہے کہ ہمیں ان سے بہت دور رکھ۔ ہمارے خیال میں بھی ان کا تصور نہ آنے پائے۔

۴۷ بتوں کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت مجازی ہے کیونکہ وہ گمراہی کا سبب ہیں اور کبھی فعل کا اسناد اس کے حقیقی فاعل کی بجائے اس کے سبب کی طرف بھی مجازاً کیا جاتا ہے۔

۴۸ کیا پیاری بات ہے جو خلیل کو ہی زیب دیتی ہے کہ جو تیرے فرمانبردار ہوں گے وہ تو میرے گروہ میں شامل ہی رہیں گے لیکن جنہوں نے میری نافرمانی کی تو ان کے لیے یہ نہیں کہا کہ تو انہیں کچل دے بلکہ کہا تو یہ کہا کہ تو غفور رحیم ہے تیرا کام ہی مغفرت کرنا اور رحم کرنا ہے۔ مقصد بھی پورا ہو گیا اور بارگاہ صمدیت کے آداب کا بھی پوری طرح پاس رہا۔ نیز زرا ادب من عصاك (جس نے تیری نافرمانی کی) نہیں کہا بلکہ من عصانی (جس نے میری نافرمانی کی)

عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ

میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بیشک تو غفور رحیم ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس

بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں ۴۹ اے ہمارے رب! اس لیے تاکہ وہ قائم کریں نماز

کہا ہے عصیاں سے مراد اگر گناہ ہوں تو بات واضح ہے اور اگر کفر و شرک مراد ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ان کو ہدایت کی توفیق مرحمت فرما۔ ان کی توبہ قبول کر۔ کیونکہ جس کی موت کفر پر ہو اس کے لیے نہ مغفرت ہے، اور نہ اس کے لیے طلبِ مغفرت کی اجازت ہے۔

۴۹ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ننانوے سال کی عمر میں حضرت ابراہیم کو حضرت ہاجرہ کے بطن سے ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام نامی اسمٰعیل رکھا گیا۔ حضرت ابراہیم بحکم الٰہی اپنے شیر خوار بچے اور اس کی والدہ کو لیکر اس مقام پر آئے جہاں اب مکہ آباد ہے وہاں پانی بالکل نایاب تھا۔ آپ نے اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو وہاں ٹھہرایا اور کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ ان کے پاس رکھ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ حضرت ہاجرہ پیچھے دوڑیں اور عرض کی اے ابراہیم آپ ہمیں اس اُجاڑ وادی میں چھوڑ کر خود کہاں جا رہے ہیں۔ انھوں نے کئی بار یہ بات دہرائی لیکن حضرت ابراہیم نے مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ حضرت ہاجرہ نے پوچھا آاللّٰہ امرك بھذا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ہاجرہ بڑے اطمینان سے کہا اذًا لایضیعنا تب وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دیگا۔ پھر وہ لوٹ کر اپنے نورِ نظر کے پاس آگئیں۔ جب ابراہیم پہاڑ کی ایک چوٹی پر پہنچے جہاں سے حضرت ہاجرہ آپ کو نہیں دیکھ سکتی تھیں تو آپ قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو گئے اور یہ دعا مانگی جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ حضرت ہاجرہ حضرت اسمٰعیل کو دودھ پلاتی رہیں۔ یہاں تک کہ مشکیزہ کا پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں۔ خود بھی پیاسی تھیں اور ننھا بچہ شدتِ تشنگی سے اپنے خشک ہونٹوں پر جب زبان پھیرتا تو یہ منظر ان سے دیکھا نہ جاتا۔ پاس ہی صفا کی پہاڑی تھی اس خیال سے اسکے اوپر چڑھیں شاید کوئی آدمی نظر آئے لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ بچے کی فکر دامنگیر ہوئی نیچے اتریں پھر مروہ کی پہاڑی پر گئیں شاید کوئی آدمی نظر آجائے اور اسکے پاس سے چند گھونٹ دستیاب ہو جائیں۔ اسی تجسس میں سات مرتبہ وہ ان دونوں پہاڑیوں پر چڑھیں اور اتریں۔ حضرت ابن عباس رض نے فرمایا کہ حضور نے فرمایا فذالك سعی الناس بینهما اسی وجہ سے لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ جب آخری مرتبہ مروہ پر پہنچیں تو آپ کو ایک آواز سنائی دی۔ آپ اس کے لیے ہمہ تن گوش بن گئیں۔ ایک فرشتہ نے اپنا پَر مارا اور زمین سے پانی اُبل پڑا فوراً وہاں پہنچیں اور اسکے اردگرد ایک حد بنادی۔ پھر اپنے مشکیزے کو اس پانی سے بھر لیا لیکن وہ پانی ابلتا ہی رہا۔ حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یرحم اللّٰہ ام اسماعیل لو ترکت زمزم۔ او قال لو لم تغرف من الماء لکانت زمزم عینا معینا اللہ تعالیٰ ام اسمٰعیل پر رحم کرے اگر وہ زمزم کو یونہی چھوڑ دیتی تو زمزم ایک چشمہ جاری ہوتا۔ چنانچہ آپ نے چشمہ سے پانی پیا۔ اور اپنے بچہ کو دودھ پلایا۔ فرشتہ نے انھیں کہا لا تخافی الضیعۃ فان ھھنا بیت اللّٰہ یبنیه ھذا الغلام و ابوہ و ان اللّٰہ لا یضیع اھلہ اے ہاجرہ مت ڈرو یہاں بیت اللہ ہے تیرا یہ بیٹا اور اس کا باپ اس کی تعمیر کرینگے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے اہل کو کبھی ضائع نہیں ہونے دیگا۔

فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىٓ إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ

پس کردے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انھیں رزق دے

الثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾ رَبَّنَآ إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِى وَمَا نُعْلِنُ ۗ

پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔ ۵۰ اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو ہم

وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى ٱللَّهِ مِن شَىْءٍ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فِى ٱلسَّمَآءِ ﴿٣٨﴾

ظاہر کرتے ہیں ۵۱ اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِى وَهَبَ لِى عَلَى ٱلْكِبَرِ إِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ ۚ إِنَّ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق (جیسے فرزند) ۵۲ بلاشبہ

۵۰ حضرت ابراہیم کی دعا کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ نے عرض کی۔ یہ تیرا مقدس گھر جس وادی میں واقع ہے وہاں کی زمین قابلِ زراعت نہیں نہ پانی دستیاب ہے اور نہ زمین موزوں ہے۔ ان کے رزق کا بھی خود انتظام فرما۔ اپنے بندوں کے دلوں میں یہاں کے رہنے والوں کی محبت پیدا فرما، تاکہ وہ کشاں کشاں یہاں چلے آئیں اور ان کی ضروریاتِ زندگی کا سامان زائرین کے ذریعہ سے مہیا ہوتا رہے۔ جہاں سبز گھاس کا ایک تنکا نظر نہیں آتا تھا وہاں کے بسنے والوں کیلئے دعا مانگی جارہی ہے کہ اے مالک انھیں ہر قسم کے تازہ اور شیریں پھل مرحمت فرما۔ وہ قدرتِ الٰہی کی بخششوں سے خوب آشنا تھے انھیں علم تھا کہ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ جسے حضرت خلیل کی دعا کی مقبولیت کا مشاہدہ کرنا ہو وہ وہاں جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ مکہ مکرمہ کے بازاروں میں ہر قسم کے پھل موجود ہیں بلکہ دنیا بھر کی مصنوعات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں جو فراواں بھی ہیں اور ارزاں بھی۔ اور قیامت تک یہی کیفیت رہیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ افئدۃ: اس کا واحد فؤاد ہے دل۔ تھوی اگر یہ باب عَلِمَ یَعْلَمُ سے ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے محبت کرنا اور اگر یہ باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہو جس طرح یہاں ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے سقط من علو الی سفل بسرعۃ بڑی تیزی سے اوپر سے نیچے گرنا۔

۵۱ اے مولا! اگرچہ ہماری ضرورتوں اور ہمارے مصالح کو تو خوب جانتا ہے اور ہمیں عرض کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں لیکن یہ سوال اظہار افتقار اور اعتراف بندگی کے لیے کیا جارہا ہے تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ ہم تیرے بندے ہیں۔ اور تیری نظرِ کرم کے ہر وقت محتاج ہیں۔ تجھی سے سب کچھ مانگتے ہیں اور تو ہی ہمیں سب کچھ دیتا ہے فلا حاجۃ لنا الی الطلب ندعوک اظہاراً لعبودیتک افتقاراً الی رحمتک (مظہری)

۵۲ اب تک طلب مزید کے لیے دامن پھیلائے رہے۔ اب سابقہ عنایات کا شکریہ ادا کرنے لگے کہ پہلے بھی ہم تیرے دستِ جود و سخا کے پروردہ ہیں۔ آج تک تیری ہی چشمِ لطف و کرم نے ہماری حاجت روائیاں کی ہیں۔ جب میں بوڑھا ہوگیا۔ میری بیوی بانجھ ہوگئی اور عام طور پر اولاد پیدا ہونے کا وقت گزر گیا۔ اس بڑھاپے اور پیرانہ سالی میں تو نے مجھے اسمٰعیل و اسحاق جیسے دو ارجمند فرزند مرحمت فرمائے، مجھے یقین ہے کہ تو اس خوگر لطف و عطا کو

رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٩﴾ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ

میرا رب بہت سننے والا ہے دعاؤں کا۔ میرے رب! بنا دے مجھے نماز کو قائم کرنے والا۵۳ اور میری اولاد کو بھی۔

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿٤٠﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ

اے ہمارے رب! میری یہ التجا ضرور قبول فرما۔ اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو۵۴ اور سب مومنوں کو جس دن

الْحِسَابُ ﴿٤١﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُونَ ۚ إِنَّمَا

حساب قائم ہوگا۔ اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کرتوتوں سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۵۵ وہ تو انہیں صرف

پھر بھی اپنے الطاف خسروانہ سے نوازتا ہی رہیگا معلوم ہوا کہ نیک بخت اور سعادتمند اولاد بھی اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔ جس کے لیے حضرت خلیل جیسے جلیل المرتبہ نبی سراپا شکر و امتنان بنے ہوئے ہیں۔

۵۳ اقامت نماز کی دعا کی جارہی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کے ظاہری اور باطنی آداب کو بجالاتے ہوئے پابندی سے ادا کرتے رہنا معدلا لها بأركانها وآدابها محافظا ومواظبا عليها (مظہری)

۵۴ حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والدین مسلمان تھے۔ آپکے والد کا نام تارخ تھا اور آزر آپکا چچا تھا۔ "اب" کا لفظ مجازاً چچا پر بھی بولا جاتا ہے لیکن والد کا لفظ حقیقی باپ کے لیے مخصوص ہے اس لیے یہاں ابوی کا لفظ ذکر نہیں کیا بلکہ والدی کا لفظ ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں حقیقی ماں باپ مراد ہیں اور مجازی باپ (چچا) مقصود نہیں۔ اور وہ اس بات کا مستحق نہ تھا کہ اس کے لیے طلب مغفرت کی جاتی۔ اور دوسرے حضرات جو آزر کو آپ کا حقیقی والد ہی مانتے ہیں ان کے نزدیک والدی سے مراد حضرت آدم و حوا ہوں گے۔

(مظہری) هذه الآية تدل على ان والديه عليه السلام كانا مسلمين وانما كان آزر عمه وكان اسم ابي ابراهيم تارخ ولاجل دفع توهم آزر قال والدي يعني من ولداني حقيقة ولم يقل ابوي فان الاب يطلق على العم مجازا۔ (مظہری)

۵۵ ہر مظلوم و ستم رسیدہ کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ گھبراؤ نہیں تمہاری داد رسی کی جائے گی۔ یہ خیال مت کرو کہ اللہ تعالیٰ کفار کی ستم کیشیوں اور ظلم آرائیوں سے بے خبر ہے اس کو تیری خبر نہیں کہ اس کے بندوں پر کیسے کیسے ظلم اور زیادتیاں کی جارہی ہیں۔ فرمایا ہم انکی ساری کارستانیوں کو خوب جانتے ہیں تمہیں ان کے آہنی چنگل سے ضرور رہائی دلائی جائیگی۔ یہ جو ڈھیل ان کو دی جارہی ہے اس میں بھی حکمت ہے۔ شخص البصر نگاہ کا کھلی کی کھلی لگ جانا مهطعين۔ فی القاموس هطع هطوعا اسرع مقبلا خائفا ترساں اور لرزاں بڑی تیزی سے آگے بڑھتے جانا۔ المقنع الذی یرفع رأسه جو آدمی اپنا سر اٹھائے ہوئے ہو۔ الهواء: الخلاء۔ بزدل کے دل کو کہا جاتا ہے جو ہر قوت و طاقت سے بالکل خالی ہوتا ہے یعنی جو آج نشے پندار سے مدہوش ہیں جنہیں آج خدا کا خوف ہے نہ اس کے رسول کی حیا۔ غرور و نخوت کے ان پیکروں کا قیامت کے دن یہ حال ہوگا۔

يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي

ڈھیل دے رہا ہے اس دن کیلئے جب کہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں۔ بھاگے جا رہے ہونگے اپنے سر

رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴿٤٣﴾ وَأَنْذِرِ

اٹھائے ہوئے ان کی پلکیں نہیں جھپکتی ہوں گی اور ان کے دل (وحشت سے) اڑے جا رہے ہونگے (اے حبیب!) ڈرایئے

النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا

لوگوں کو اس دن سے جب آئے گا ان پر عذاب تو بول اٹھیں گے ظالم (کہ) اے ہمارے رب! ہمیں مہلت دے

إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا

تھوڑی دیر کے لیے ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے۔ (انہیں کہا جائے گا) کیا تم قسمیں

أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ﴿٤٤﴾ وَسَكَنْتُمْ فِي مَسَاكِنِ

نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تمہیں یہاں سے کہیں جانا نہیں ہے۔ اور تم آباد تھے ان لوگوں کے (متروکہ) گھروں

الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا

میں جنہوں نے ظلم کیے تھے اپنے آپ پر اور یہ بات تم پر خوب واضح ہو چکی تھی کہ کیسا برتاؤ کیا تھا ہم نے ان کے ساتھ اور ہم نے بھی

(٤٢) قیامت کے دن کفار کو جس پشیمانی کا سامنا ہوگا اس کی یاد اور اس کا احساس دلا کر آج ہی انہیں تائب ہونے کی ترغیب دی جا رہی ہے توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ توبہ کرو گے تو قبول ہوگی جب توبہ کا دروازہ بند ہو گیا اس وقت سر پٹخو گے لیکن بے سود۔

(٤٣) کفار اس دن سراپا التجا بن کر عرض کریں گے ہمیں تھوڑی سی مہلت بخشی جائے ہم اپنی گزشتہ غلطیوں کی تلافی کر لیں لیکن ان کی یہ التجا مسترد کر دی جائے گی اور انہیں ان کی وہ جاہلانہ اور متکبرانہ باتیں یاد دلا کر مزید رسوا اور شرمندہ کیا جائے گا کہ تم تو بڑی قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ قیامت کا دن کبھی نہیں آئے گا ہم سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی اب بتاؤ کہاں گئیں تمہاری قسمیں اور کدھر ہیں وہ تمہاری شیخیاں۔

(٤٤) تم ان بستیوں میں سکونت پذیر رہے جن کے پہلے باشندے اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ کر دیئے گئے تھے ان بستیوں کے در و دیوار ظالموں کی عبرتناک داستانیں تمہیں سنایا کرتے تھے اور ہم نے بھی تمہیں مثالیں دے کر حق کی طرف بلایا اور تم بے گوش ہی رہے۔ آج چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں آج معذرت خواہی بعد از وقت ہے اب تو تمہیں لامحالہ اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتنی ہوگی۔

لَكُمُ الْأَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ

بیان کی تھیں تمہارے لیے (طرح طرح کی) مثالیں۔ اور انہوں نے اپنی طرف سے بڑی فریب کاریاں کیں ۵۹ اور اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے مکر کا توڑ تھا ۶۰ اگرچہ

كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ

انکی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے۔ تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرنے والا ہے

رُسُلَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ

اپنے رسولوں سے ۶۱ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے (اور) بدلہ لینے والا ہے۔ یاد کرو اس دن کو جبکہ بدل دی جائیگی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین سے ۶۲

وَالسَّمَاوَاتُ ۖ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ

اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے) اور سب لوگ حاضر ہو جائیں گے اللہ کے حضور میں (وہ اللہ) جو ایک ہے (اور) سب پر غالب ہے ۶۳ اور تم دیکھو گے مجرموں کو

۵۹ ان کی مزاحمتوں کے باوجود اسلام دن بدن ترقی کر رہا تھا۔ حق کی روشنی آئے دن ان میں سے کسی کے دل میں چمکتی اور وہ ان سے کٹ کر اسلام کے پرچم کے نیچے آجاتا۔ یہ صورتِ حال کفر کے سرغنوں کے لیے ناقابلِ برداشت تھی انہوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چراغِ زیست گل کرنے کے لیے اپنی تمام قوتیں اور زور لگا دیں۔ شب و روز وہ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور منصوبے بنانے میں مصروف رہتے۔ ان کی وہ تدبیریں اور سازشیں حقیقت میں بڑی خطرناک تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کی تدبیر نے ان کی تمام چالوں اور تجویزوں کو ناکام بنا دیا۔

۶۰ یعنی ان کی سازشوں کا توڑ اللہ تعالیٰ کے پاس تھا یا ان کی اس اسلام دشمنی کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے دینا ہے۔ عنده جزاء مكرهم وابطاله له۔ (مظہری) وعند الله جزاء مكرهم۔ (روح المعانی)۔

۶۱ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مزید تسکین و طمانیت کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔

۶۲ اس روز زمین و آسمان تو ہوں گے لیکن وہ زمین ایسی نہیں ہوگی جس سے ہم واقف ہیں۔ وہ آسمان ایسا نہ ہوگا جس سے ہم روشناس ہیں۔ نہ وہاں ستارے جگمگا رہے ہوں گے نہ چاند اپنی روپہلی اور خنک کرنوں سے دلوں کو تازگی اور روح کو نشاط بخش رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور اس کے حبیب مکرم کو ہی معلوم ہے کہ وہ زمین کیسی ہوگی اور وہ آسمان کیا ہوگا۔ یہ تبدیلی صرف اوصاف میں ہوگی یا ذات ہی بدل جائے گی۔

۶۳ سب خورد و کلاں، پیر و جواں اس خدا کے حضور میں جمع ہونگے جو یکتا ہے اور جس کی یکتائی کا انکار کرنے کی اس روز کسی کو جرأت نہ ہوگی۔ وہ جو قہار ہے جس کے سامنے سارے مغرور و سرکش سر جھکائے کھڑے ہونگے۔

يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى

اس روز کہ جکڑے ہوئے ہونگے زنجیروں میں۔ ان کا لباس تارکول کا ہوگا ۶۴ اور ڈھانپ رہی

وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

ہوگی انکے چہروں کو آگ۔ یہ اس لیے تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو جو اس نے کمایا تھا ۶۵ بیشک اللہ تعالیٰ بہت جلد

الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا

حساب لینے والا ہے۔ یہ (قرآن) ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے اسے اتارا گیا ہے تاکہ انھیں ڈرایا جائے اس کے ذریعہ اور تاکہ وہ اس حقیقت کو

هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

خوب جان لیں کہ صرف وہی ایک خدا ہے اور تاکہ اچھی طرح ذہن نشین کرلیں (اس حقیقت کو) دانشمند لوگ ۶۶

ع ۱۱ ۷ ۱۹

۶۴ اس روز مجرموں کو اس حال میں پیش کیا جائیگا کہ وہ زنجیر و سلاسل میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے اور تارکول کا سیاہ اور بدبودار لباس انھوں نے پہنا ہوا ہوگا۔ مقرنین: ھشدودین بندھے ہوئے جکڑے ہوئے۔ الاصفاد: الاغلال والقیود طوق اور بیڑیاں یعنی ہر وہ چیز جس کے ساتھ کسی کو باندھا جائے۔ سرابیل جمع سربال قمیص۔ قطران وہ سیال جو خارش زدہ اونٹ پر ملا جاتا ہے تارکول۔

۶۵ اس کا تعلق برزوا کے ساتھ ہے میدان حشر میں سب کو حاضر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔

۶۶ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انسان میں دو قوتیں ہیں۔ قوت نظری اور قوت عملی اور انھیں کی تکمیل میں انسان کی ترقی اور کمال کا راز پنہاں ہے۔ قوت نظری کا کام حقائق موجودات کو جاننا ہے۔ اور اس کا کمال یہ ہے کہ سب سے اعلیٰ اور ارفع حقیقت یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کا عرفان اسے حاصل ہوجائے اور قوت عملی کا کام یہ ہے کہ انسان اخلاق فاضلہ سے متصف ہوجائے اور تمام اخلاق فاضلہ سے افضل اور احسن خلق یہ ہے کہ انسان اپنے خداوند ذوالجلال کی اطاعت کو اپنا شعار بنالے۔ اور یہ دونوں کمال قرآن کریم میں غور و فکر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص ہدایت طلبی کے جذبہ سے سرشار ہوکر قرآنی دلائل و براہین کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ بے ساختہ یہ کہہ اٹھتا ہے:

لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ۔ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئٍ قدیر۔

اور جب یقین کا یہ چراغ روشن ہوجاتا ہے تو عمل کی شاہراہ جگمگانے لگتی ہے اور وہ مستانہ وار یہ کہتا ہوا اس پر گامزن ہوجاتا ہے اسلمت لرب العٰلمین میں نے اپنا سر اطاعت و انقیاد رب العالمین کے ہر حکم کے سامنے جھکا دیا ہے۔

تعارف سورہ الحجر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام : اس سورۂ پاک کا نام الحجر ہے۔ یہ لفظ آیت نمبر ۸۰ میں مذکور ہے۔ یہ چھ رکوعوں اور ننانوے آیتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد ۶۵۴ اور حروف کی تعداد دو ہزار سات سو ساٹھ ہے۔

زمانہ نزول : یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے مضامین میں غور کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ اس کا تعلق اس زمانہ سے ہے جبکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دلائل قاہرہ اور براہین قاطعہ سے اسلام کی حقانیت کو ثابت کر دیا۔ کفار کے شکوک و شبہات کا مسکت جواب دے کر انھیں مبہوت کر دیا۔ اب علم اور تحقیق کے میدان میں ان کے لیے قیل و قال کی مجال تک نہ رہی۔ اور ہٹ دھرمی اور تعصب کے سوا دشمنانِ اسلام کے پاس اپنے باطل سے چمٹے رہنے کا کوئی جواز نہ رہا اور انھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر آپ ہمیں آسمان پر بھی چڑھا کر لے جائیں تو پھر بھی ہم آپ کی نبوت پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔

مضامین : اس سورۃ میں ان لوگوں کو واضح طور پر بتایا کہ تمہارا انجام وہی ہوگا جو تم سے پہلے تمہاری طرح ہٹ دھرمی اور تعصب کرنے والوں کا ہوتا رہا ہے۔ مہلت کی گھڑیاں اب ختم ہونے والی ہیں۔ اس لیے تیار ہو جاؤ کہ قوم لوط اور اصحاب الحجر کی طرح تمہارا نام و نشان مٹا دیا جائے۔

اس دھمکی کے ساتھ ساتھ انھیں غور و فکر کی بھی دعوت دی گئی اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید حضور کی رسالت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر دلائل پیش کر دیئے۔ اسی ضمن میں انسان کی پیدائش کے متعلق اسلامی نظریہ وضاحت سے بیان فرما دیا گیا۔ سورۃ کی ابتدائی آیتوں میں ان کے طریقہ کار اور طرزِ عمل کا نفسیاتی تجزیہ بھی کر دیا گیا۔ بتایا کہ اسلام کی صداقت پر روشن دلائل کے باوجود وہ کیوں حق کو قبول نہیں کرتے اور یہ سمجھ لینے کے بعد کہ ان کے عقاید اور نظریات بالکل باطل اور بیہودہ ہیں۔ وہ ان سے کیوں دست کش نہیں ہوتے۔ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عیش و طرب اور فسق و فجور کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ وہ کسی قیمت پر ان سے باز نہیں آسکتے۔ نیز شیطان نے ان کے سامنے حسین اور دلکش توقعات کا ایک ایسا خوبصورت محل تعمیر کر دیا ہے جس کے بعد وہ کسی اور طرف توجہ کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے اور حقیقت ہے کہ جب انسان ان گوناگوں امراض کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر کوئی نصیحت اس پر کارگر ثابت نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو فرمایا ذرھم یاکلوا ویتمتعوا ویلھھم الامل فسوف یعلمون۔ (آیت نمبر ۳)

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ حجر مکی ہے اس کی ۹۹ (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے) آیات اور ۶ رکوع ہیں

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱

الف۔لام۔را۔ یہ آیتیں ہیں کتاب (الٰہی) کی ۱؎ اور روشن قرآن کی۔ ۲؎

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا

(عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد) بہت آرزو کریں گے کفار ۳؎ کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ انھیں رہنے دیجیے وہ کھائیں (پئیں)

۱؎ یعنی اِس کتاب کی آیات ہیں جو اپنی افادیت جامعیت کے اعتبار سے صحیح معنوں میں کتاب کہلانے کی مستحق ہے جس طرح کسی نوع کے فرد کامل کا ذکر کرنا ہو تو اس کا نام لینے کی بجائے اس نوع کو ہی ذکر کر دیتے ہیں جس سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس نوع کا صحیح فرد جو اس کی تمام صفات اور خاصیات سے متصف ہے۔ یہی ایک فرد ہے۔ باقی افراد تبعاً اور ضمناً اس میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۲؎ جو حق و باطل میں تمیز کرتا ہے جو حلال و حرام کو واضح کرتا ہے اور جس کی روشنی انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو منور کر رہی ہے۔

۳؎ آج تو کفار اسلام کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اور اگر اس کی طرف بلایا جائے تو بڑی نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہیں وہ وقت آنے والا ہے جب یہ صدق دل سے اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش! وہ اس دین کے پیروکار ہوتے کاش! انھوں نے اس دعوت کو قبول کیا ہوتا۔

یہ اظہارِ حسرت وہ کب کریں گے؟ طبرانی نے حضرت جابر سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے کئی گنہگار دوزخ میں جائیں گے۔ کچھ عرصہ بعد کفار انھیں طعنہ دیں گے کہ تم تو اپنے آپ کو مسلمان کہا کرتے تھے۔ تمہارا انجام بھی ہم سے مختلف نہیں۔ تمہارے ایمان نے تمھیں کوئی نفع نہ دیا فلا یبقی موحد الا اخرجه اللّٰه من النار ثم قرأ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ربما یود الذین الآیة یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ ہر موحد کو آگ سے نکال لیگا۔ پھر حضور نے یہ آیت پڑھی رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ الخ تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ کافر اس وقت اظہارِ حسرت و ندامت کریں گے لیکن علامہ ابو حیان اندلسی نے لکھا ہے کہ یہ اظہار حسرت اس وقت بھی ہوگا لیکن یہ صرف اسی وقت نہیں ہوگا بلکہ اور کئی مواقع جبکہ کفار کو ذلیل و رسوا کیا جائے گا اور مسلمانوں کو سربلند کیا جائیگا خواہ وہ دنیا میں اسلام کی فتح اور کفار کی شکست کا وقت ہو خواہ موت کا وقت ہو خواہ حشر ہیں۔ تمام ایسے مواقع پر کفار اظہارِ حسرت کریں گے قیل عند کل حالة یعذب فیها الکافر ویسلم المومن۔ ذکره ابن الانباری۔ (بحر)

رُبَّ حرفِ جار ہے اور یہ اسم پر داخل ہوتا ہے جب اسے فعل پر داخل کرنا ہو تو اس کے ساتھ ما کافہ لگاتے ہیں۔ ربما ہو گیا اس کے بعد یہ فعل پر بھی داخل ہو سکتا ہے رُبَّ قلت کے معنی پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یا کثرت پر دلالت کرنے کیلیے علماء نحو کا اس مسئلہ میں کافی اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کی اصل وضع معنی قلت کے لیے ہے لیکن کبھی کبھی یہ کثرت کے معنی پر بھی

وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝٣ وَمَآ أَهْلَكْنَا

اور عیش کریں ؎ اور غافل رکھے انھیں (جھوٹی) امید ۔ کچھ عرصہ بعد وہ (حقیقت کو) خود بخود جان لینگے ! اور نہیں ہلاک کیا ہم نے

مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ۝٤ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ

کسی بستی کو مگر یہ کہ اس کی (ہلاکت کا وقت) لکھا ہوا تھا جو معلوم تھا ؎ نہ آگے بڑھ سکتی ہے کوئی قوم اپنے

أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝٥ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ

مقررہ وقت سے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے ؎ اور وہ کہنے لگے اے وہ شخص اُتارا گیا ہے جس پر

الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝٦ لَّوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ

قرآن ؎ بیشک تو مجنون ہے ۔ تو کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تو

دلالت کرتا ہے جیسے یہاں واصلہا ان تستعمل فی قلیل وقد تستعمل فی الکثیر (قرطبی) علامہ ابوحیان کا پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ رُبّ محض اثبات شئ پر دلالت کرتا ہے۔ قلت و کثرت کا مفہوم سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے رُبّ اگرچہ ماضی پر ہی بکثرت داخل ہوتا ہے لیکن یہ سمجھ لینا کہ یہ مضارع پر داخل نہیں ہو سکتا غلط ہے۔ مضارع پر بھی داخل ہوتا ہے لیکن بہت کم مواقع پر۔ وقد تدخل علی المستقبل لکنہ قلیل بالنسبۃ الی دخولہا علی الماضی (بحر)
؎ اللہ تعالیٰ اظہارِ غضب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب ان احمقوں کو اسی حالت میں رہنے دیجئے اور ان کو سمجھانے کی مزید زحمت گوارا کیجئے۔ یہ ہدایت کے طلبگار ہی نہیں۔ ان کی صرف ایک ہی خواہش ہے کہ یہ خوب کھائیں پئیں اور عیش و عشرت کریں۔ انھیں اسی میں مگن رہنے دیجئے۔ یہ لمبی آسیں لگائے بیٹھے ہیں جب موت کا وقت آئیگا انھیں خود بخود معلوم ہو جائیگا کہ انہوں نے اپنے اوپر کتنا ظلم کیا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا۔ بدبختی کی چار نشانیاں ہیں: آنکھوں میں آنسوؤں کا نہ آنا۔ دل کا سخت ہونا۔ طولِ امل اور حرصِ دنیا (مسند بزاز، قرطبی) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشادِ گرامی ہے انما اخشی علیکم اثنتین طول الامل واتباع الھوی فان طول الامل ینسی الآخرۃ واتباع الھوی یصد عن الحق (روح المعانی) یعنی مجھے تمہارے بارے میں دو چیزوں کا اندیشہ ہے لمبی آس لگانا اور خواہشِ نفس کی پیروی کرنا۔ کیونکہ لمبی آس آخرت کو فراموش کرا دیتی ہے اور خواہشِ نفس کی پیروی حق سے روک دیتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا ما اطال عبد الامل الا اساء العمل یعنی جو شخص لمبی آس لگاتا ہے وہ بُرے اعمال کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ دانا وہی ہے جو ہر وقت موت کو قریب سمجھے اور فرصت کے لمحے جو اسے دیئے جا رہے ہیں اُن سے پوری طرح فائدہ اٹھائے۔
؎ ای اجل مؤقت: ایک مقررہ میعاد جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ ؎ اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔
؎ کفار ازروئے استہزاء اور مزاح کہتے کہ یہ کتاب جس کے متعلق آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ آسمان سے اتری ہے اس میں ایسی ایسی انہونی باتیں

الصّٰدِقِيْنَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا

سچا ہے ۝۶ ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ اور انھیں اسکے بعد مزید مہلت

مُّنْظَرِيْنَ ۝۸ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ وَ

نہیں دی جاتی ۝۹ بیشک ہم ہی نے اُتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ ۝۱۰ اور

ہیں جن کو کوئی سمجھدار آدمی درست تسلیم نہیں کر سکتا آپ کا خلافِ عقل باتیں کرنا اور پھر انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ کا دماغ درست نہیں۔

۶ ہم بیسیوں مرتبہ مطالبہ کر چکے ہیں کہ اپنے رب سے کہو کہ وہ کوئی فرشتہ اتارے جو آکر آپ کی تصدیق کرے۔ اگر آپکے اس قول میں کہ میں نبی ہوں کوئی صداقت ہوتی تو کیا آپ کا خدا ایک فرشتہ بھی نہ بھیجتا۔ معلوم ہوا کہ آپکے اس دعویٰ نبوت میں صداقت کی کوئی رمق نہیں ہے۔

۹ اللہ تعالیٰ ان کے اس احمقانہ اصرار پر فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری خواہش کے مطابق فرشتہ اتار دیا جاتا اور پھر بھی تم ایمان نہ لاتے جیسے کہ تمہاری ضد اور تعصب سے عیاں ہے تو پھر تمہیں اسی وقت تہس نہس کر دیا جاتا۔ یہ تو ہمارا کرم ہے کہ ہم تمہیں مہلت دیئے ہوئے ہیں تاکہ تم غور و فکر کرو شاید تمہیں ہدایت نصیب ہو جائے۔

۱۰ بڑے زوردار الفاظ میں کفار کے اس اعتراض کا ابطال کیا جا رہا ہے کہ قرآن کلام الٰہی نہیں۔ فرمایا بلاشبہ ہم ہی نے اتارا ہے اسے تین مرتبہ ضمیر متکلم کا یکے بعد دیگرے تکرار (انا۔ نحن۔ نزلنا) جس تاکید بالائے تاکید پر دلالت کر رہا ہے۔ وہ اہل علم سے مخفی نہیں اور ضمیریں بھی جمع متکلم کی استعمال ہوئیں جو نازل کرنے والے کی عظمت و کبریائی کا اظہار کر رہی ہیں یعنی ہم جو سارے جہانوں کے خالق و مالک ہیں ہم جن کی فرمانروائی کا ڈنکا زمین و افلاک فرش و عرش پر بج رہا ہے ہم نے اس کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ اس میں کسی قسم کی تحریف یا کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں۔ ای من التحریف والزیادۃ والنقصان ولا یتطرق الیہ الخلل ابداً۔ آج چودہ صدیاں قریب الاختتام ہیں اور دشمنانِ اسلام کی خواہشوں، کوششوں اور سازشوں کے باوجود ایک آیت میں بھی ردو بدل نہیں ہو سکا۔ ایک نقطہ کی کمی بیشی اور زیر و زبر کا فرق بھی تو نہیں ہوا۔ آج بھی لاکھوں انسان اسے اپنے سینوں میں محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ اگر خدانخواستہ سارے لکھے ہوئے قرآنی نسخے نایاب ہو جائیں تو پھر بھی یہ جوں کا توں محفوظ رہے گا۔ اگر کوئی جابر سے جابر حکمران اور کوئی بڑے سے بڑا عالم اسے پڑھتے ہوئے زیر کو زبر میں بدل دے تو سات آٹھ سال کا بچہ اسے ٹوک دے گا۔ آج دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس کا مصنف یا جس کے ماننے والے اس کے متعلق یہ دعویٰ کر سکتے ہوں۔ مذہبی صحائف جو دنیا کی مختلف قوموں کی عقیدت کا مرکز ہیں۔ ان کے ماننے والوں کا بھی یہ دعویٰ نہیں کہ ان کے مذہبی صحیفے ہر قسم کے رد و بدل سے پاک ہیں صرف قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ کہ باطل اس میں کسی جانب سے داخل نہیں ہو سکتا۔ اور ان چودہ صدیوں کے طویل عرصہ میں اسلام کا کوئی بدترین بدخواہ بھی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ اس میں کوئی تحریف ہوئی ہو۔ یورپ کے مستشرقین جنھوں نے اپنے وسیع علم، بے عدیل ذہانت اور طویل عزیز عمریں قرآن کے اس دعویٰ

لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ

بیشک ہم نے بھیجے (پیغمبر) آپ سے پہلے اگلی امتوں میں ۱۱ اور نہیں آتا تھا انکے پاس

مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ

کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہم داخل کرتے ہیں گمراہی کو

قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

مجرموں کے دلوں میں۔ ۱۲ وہ نہیں ایمان لائیں گے اس پر اور گزر چکی ہے پہلوں کی یہی روش۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے ۱۳ اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے۔

کو غلط ثابت کرنے کے لیے صرف کیں، وہ بھی آخرکار یہ ماننے پر مجبور ہو گئے کہ یہ کتاب ہر قسم کی تحریف اور تغیر سے پاک ہے۔ میور (MUIR) سے زیادہ دشمن اسلام کون ہو گا اسلام اور بانی اسلام کے خلاف اس کی زہر افشانیاں رسوائے عالم ہیں۔ اسے بھی یہ لکھنا پڑا (THERE IS PROBABLY IN THE WORLD NO OTHER BOOK WHICH HAS REMAINED TWELVE CENTURIES WITH SO PURE A TEXT.

یعنی غالباً دنیا میں قرآن کے علاوہ کوئی ایسی اور کتاب نہیں جس کا متن بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے یوں پاک رہا ہو۔

۱۱ یعنی جس طرح یہ حقیقت ناشناس اور عقل کے اندھے آج بے باکیاں اور گستاخیاں کرتے ہیں۔ یہی دستور ان کے پیشروؤں کا بھی تھا۔ ان کے پاس بھی جب اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی تشریف لے آتا تو وہ بھی اس پر آوازے کستے اور پھبتیاں اڑاتے۔ شِيَع۔ شيعة اس کا معنی ہے ایک فرقہ، ایک گروہ جو کسی بات پر متفق ہو اس کا اصل شياع ہے وهو الحطب الصغار توقد به الكبار۔ وہ چھوٹی لکڑیاں جن کے ذریعے بڑی لکڑیوں کو آگ لگائی جاتی ہے اشياع ما تضرم به النار (المنجد)

۱۲ سلك، پرونا، دھاگہ سوئی میں ڈالا جائے تو کہتے ہیں سلكت الخيط في الابرة یعنی جس طرح انہوں نے انکار اور استہزاء کو اپنا شعار بنایا ہم نے بھی بطور سزا ان کو فہم ہدایت سے محروم کر دیا اور اخلاقی طور پر نہایت ناپسندیدہ اور نامرغوب بات (یعنی بڑوں اور بزرگوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا) ان کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ نسلکہ کی ضمیر کا مرجع الاستہزاء ہے جو یستہزءون کا مصدر ہے اور لا یؤمنون بہ کی ضمیر کا مرجع کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا اس لیے اس کا مرجع الذکر ہے۔ (کبیر)

۱۳ یہاں ان کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہو رہا ہے کہ کفر ان کے دلوں میں یوں جڑ پکڑ چکا ہے کہ اگر ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں اور یہ سیڑھی لگا کر دن بھر اوپر بھی چڑھ جائیں اور ہماری قدرت کے روشن دلائل اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں پھر بھی یہ حق کو قبول کرنے کے

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿١٥﴾

پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں ۱۳؎ بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنٰهَا

اور بیشک ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں ۱۵؎ اور ہم نے آراستہ کر دیا ہے آسمان کو دیکھنے والوں کے لیے ۱۶؎ اور ہم نے محفوظ کر دیا ہے

لیے آمادہ نہیں ہونگے اور بڑی بے حیائی اور ڈھٹائی سے کہدیں گے کہ یہ جو کچھ ہمیں نظر آرہا ہے حقیقت نہ تھی بلکہ کچھ منتر پڑھ کر ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے تھا کچھ بھی نہیں۔ اور ہمیں یوں نظر آیا کہ ہم آسمان پر چڑھے وہاں فرشتوں کو دیکھا اور قدرت کی اعجاز آفرینیوں کا مشاہدہ کیا۔ یہ مشاہدات محض نظر بندی کا کرشمہ تھے حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا ہم پر جادو کر دیا گیا تھا۔

۱۴؎ علامہ قرطبی نے کلمہ سکرت کی تحقیق کرتے ہوئے علماء لغت کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں سدت بالسحر۔ اغشیت ابصارنا۔ غطیت۔ جت۔ پھر لکھا ہے کہ ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی منعت۔ قلت وھذہ اقوال متقاربۃ یجمعھا قولك منعت۔ ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے۔

۱۵؎ کفار و منکرین کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کے مزید تکوینی دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ تاکہ وہ ان میں غور کریں اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کو تسلیم کر کے نور ہدایت سے اپنے قلوب کو روشن کریں پہلے ان آیات کونیہ کا ذکر فرمایا جو بلندی میں پائی جاتی ہیں بروج کا واحد برج ہے۔ اس کا ایک لغوی معنی ہے جس میں اہل زبان اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اور ایک اس کا اصطلاحی معنی ہے جس میں یونان کے علماء ہیئت نے اسے استعمال کیا۔ دونوں معنے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں برج کا لغوی معنی ہے ظاہر ہونا۔ جب عورت پردہ سے نکل آئے اور اپنی نمائش کرنے لگے تو کہتے ہیں تبرجت المرأۃ اصل البروج الظھور ومنھا تبرجت المرأۃ باظھار زینتھا۔ (قرطبی)

اس لغوی معنی کی مناسبت سے اس کا اطلاق ان چیزوں پر ہونے لگا جو دور سے نمایاں ہوتی ہیں مثلاً قلعہ۔ محل۔ شاہراہ وغیرہ والبروج جمع برج وھو لغۃ القصر والحصن (روح المعانی) اسی وجہ سے وہ بڑے ستارے جو دور سے نمایاں ہوتے ہیں انھیں بھی اہل عرب برج کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں المراد بالبروج الکواکب العظام (روح المعانی، قرطبی) اور ابو صالح نے کہا ہے کہ بروج سے مراد سبع سیارات ہیں۔ (قرطبی) علماء ہیئت نے جب یہ مشاہدہ کیا کہ سورج تین ماہ تک شمال کی طرف مائل ہوتا ہے پھر تین ماہ تک مستقر رہتا ہے اس کے بعد وہ تین ماہ تک جنوب کی طرف مائل ہوتا ہے اور پھر تین ماہ تک مستقر رہتا ہے تو انھوں نے سورج کے مدار حرکت کو بارہ حصوں میں بانٹا اور ہر حصہ کو برج کہا اور مدار کے ہر حصہ میں جو بڑے بڑے ستارے پائے جاتے ہیں۔ ان کی ایک خیالی شکل اپنے ذہن میں مرتسم کرلی۔ اور اس شکل سے اس برج کا نام رکھ دیا گیا۔ ان برجوں کے نام یہ ہیں:۔ حمل۔ ثور۔ جوزا۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو اور حوت۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیت میں بروج سے کیا مراد ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ مدار آفتاب کی یہ تقسیم یونانی علماء ہیئت نے کی تھی۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ نزول قرآن سے پہلے عرب اس تقسیم کو جانتے تھے اور اس کو اپنی زبان میں استعمال کرتے تھے تو پھر ان برجوں سے وہی بارہ

مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿١٧﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ

آسمان کو ہر شیطان سے جو راندہ ہوا ہے ۱۶؎ بجز اس کے جو چوری چھپے سن لے تو (اس صورت میں) تعاقب کرتا ہے اس کا

شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

ایک روشن شعلہ ۱۷؎ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ۱۹؎ اور گاڑ دیے اس میں محکم پہاڑ

برج مراد ہونگے جن کے نام ابھی اوپر لکھے گئے ہیں اور اگر اس کا قابل اعتماد ثبوت بہم نہ پہنچے تو بھی آیت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت نہیں کیونکہ اس وقت برج سے مراد وہ سات سیارے یا دیگر بڑے بڑے چمکدار ستارے ہونگے جو کروڑوں چمکتے ہوئے ستاروں میں بھی خوب نمایاں نظر آتے ہیں۔

۱۵؎ یعنی یہ نہیں کہ چمکدار ستارے بنا دیئے اور انہیں غیر منظم طور پر بکھیر دیا کہ ان سے روشنی حاصل ہوتی رہے اور ان کی کرنیں اپنی اپنی تاثیرات سے متعلقہ اشیاء کو متاثر کرتی رہیں اور بس۔ بلکہ انکو ایسے موزوں طور پر سجایا ہے کہ دیکھنے والی آنکھ ان کے حسن ترتیب کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے الغرض یہ کوئی حسن مستور نہیں جس کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہو ستاروں بھری اندھیری رات ہو یا چودھویں کا چاند اس خاکدان ارضی پر اپنے انوار کی بارش کر رہا ہو۔ حجلہ عروسی سے نکلنے والی دلہن کی طرح حیاء کی سرخی گالوں پر لیے صبح کے وقت سورج جلوہ نمائی کر رہا ہو یا شام کے وقت مغربی اُفق کو اپنی حسرتوں کے خون سے سرخ کر کے وہ رات کی تاریکی میں گم ہونے کی تیاری کر رہا ہو۔ کون سا ایسا منظر ہے جس سے ہر شخص اپنے اپنے ذوق کے مطابق لطف اندوز نہیں ہوتا۔ خالق کائنات نے ہر چیز کو جس طرح مفید اور مستحکم بنایا ہے اتنا ہی اسے حسن و جمال بھی بخشا ہے۔

۱۶؎ اتنے مفید، حسین اور محیر العقول نظام کو قائم کر کے اس کی حفاظت کا بندوبست نہ کرنا حکمت ربانی کے خلاف تھا اس لیے فرمایا کہ ہر شیطان مردود کی دخل اندازی، اس کی تخریبی سرگرمی اور فساد انگیزی سے اس نظام کو اس طرح محفوظ کر دیا گیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس میں کوئی گڑبڑ پیدا کر سکے۔ یہ نظام شمسی جس طرح مرتب کیا گیا ہے اس کے ثوابت کے لیے جو جو مقامات متعین کیے گئے ہیں اور اس کے سیارات کے لیے حرکت کرنے کی جو راہیں مقرر کی گئی ہیں۔ کوئی تخریبی قوت بال برابر بھی اس میں فساد برپا نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی شیطان مردود قدرت کی طرف سے مقرر حد بندیوں کو توڑ کر آگے جانا چاہتا ہے تو شہاب ثاقب سے اس کی تواضع کی جاتی ہے۔

۱۷؎ شہاب کے بھی دو معنی ہیں۔ ایک لغوی اور ایک اصطلاحی۔ لغت میں شہاب چمکنے والی آگ کو کہتے ہیں الشہاب فی اللغۃ النار الساطعۃ اس کے ساتھ یہاں مبین کی صفت مذکور ہے یعنی ظاہر اور بعض دیگر مقامات پر اس کو ثاقب کی صفت سے موصوف کیا گیا ہے جس کا معنی ہے چھیدنے والا یعنی ایسی تیز آگ جو ہر چیز میں سے سوراخ کر کے گزر جاتی ہے اور اصطلاح میں اس روشنی کو کہتے ہیں جو فضا میں شام کے بعد لمبی لکیر کی طرح نمودار ہوتی ہے اور پھر آناً فاناً غائب ہو جاتی ہے اس شہاب کی حقیقت کیا ہے۔ جدید علم فلکیات کے ماہرین خود بھی وثوق سے اسکے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ وہ کہتے ہیں آج تک ہم اپنی تحقیق سے جس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ نظام شمسی کا کوئی چھوٹا سا تارا ٹوٹتا ہے جس کے اجزاء جب ہوا کے کرہ میں داخل ہوتے ہیں تو رگڑ سے بھڑک اٹھتے ہیں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ ہم شہاب ثاقب کی ماہیت کے متعلق آج جو بہترین توجیہہ بیان کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ نظام شمسی کا کوئی چھوٹا سا تارا ٹوٹتا ہے اس ٹوٹنے والے

تارے کا بیشتر حصہ ہماری فضا میں پہنچنے سے پہلے یا تو گر وہیں جاتا ہے یا بخارات میں تبدیل ہو کر اُڑ جاتا ہے اور اقل قلیل ہماری فضا میں پہنچ کر دکھائی دیتا ہے اور اس کے کئی ٹکڑے زمین پر بھی گر پڑتے ہیں۔ شہاب ثاقب کے ٹکڑے مختلف عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ سب سے بڑے ٹکڑے کا وزن چالیس ٹن تقریباً ۔ ۱۰۸۰ من ہے اور یہ ٹکڑا جنوب مغربی افریقہ میں ہے۔ اس سے کم وزن کا ایک ٹکڑا جو گرین لینڈ میں گرا تھا اس کا وزن ½۳۶ ٹن ہے۔ اسے کمانڈر پیری وہاں سے اٹھوا کر نیو یارک لے آئے (انسائیکلو پیڈیا گرولیر ENCY. GROLIER)

اٹھارھویں صدی میں پیرس کی سائنس اکیڈیمی نے شہاب ثاقب کا انکار کر دیا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سارے نمونے جو مختلف عجائب گھروں میں ہیں سب فرضی ہیں اور جن لوگوں نے ان کے گرنے کی چشم دید شہادتیں دی ہیں انھوں نے جھوٹ بولا ہے۔

لیکن اٹھارہ سو تین میں پیرس کے قریب ہی تین ہزار شہاب ثاقب کا مینہ برسا۔ اس طرح قدرت نے ان سائنسدانوں کے غرور کو توڑا اور ان کی کم علمی کا پردہ فاش کر دیا۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد ۱۵ صفحہ ۳۴۱۔

اسی ضمن میں وہ حجرِ اسود کے متعلق بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ زمینی پتھر نہیں ہے بلکہ کوئی آسمان سے اتری ہوئی چیز ہے۔ انھوں نے اپنی کم علمی کے باعث اسے بھی ایک شہاب ثاقب تصور کیا ہے لیکن یہ ان کی کم علمی ہے۔ بہر حال اس بات کا تو انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ یہ یہاں کا پتھر نہیں ہے۔

THE BLACK STONE OF THE KABA, THE HOLIEST OF HOLIES OF THE MUHAMMADANS, IS NO DOUBT A STONE METEORITE WITH ITS STRANGE BLACK CRUST 341 Enc. Bri. 15

جب تک یونانی علم ہیئت کے زیر اثر ہم یہ سمجھتے رہے کہ زمین سے خشک بخارات اٹھتے ہیں اور جب وہ کرہ ناری کے قریب پہنچتے ہیں تو جل اٹھتے ہیں۔ انہی جلنے والے بخارات کو شہاب ثاقب کہا جاتا ہے تو ہمیں قرآن کریم کی ان آیات کا مفہوم بیان کرنے کے لیے بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن جدید تحقیقات سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ شہاب ثاقب نظام شمسی کے کسی ٹوٹنے والے تارے کا جدا شدہ ٹکڑا ہے تو اب معاملہ بہت حد تک واضح ہو گیا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ ان شہابوں سے شیطانوں کے روکنے کا کام کیونکر لیا جاتا ہے۔ اگر آپ موجودہ تحقیقات کی روشنی میں اس کی کوئی علمی توجیہ پیش کرنے سے قاصر ہیں تو جلد بازی میں اس کا انکار نہ کیجئے۔ اس پر یقین رکھیے کہ یہ سچ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واضح ارشاد ہے۔ اسے بھی سرِ دست انھیں مسائل میں سے شمار کیجیے جس کو عقل انسانی ابھی تک نہیں سمجھ سکی اور انتظار کیجیے۔ حتیٰ کہ مستقبل کئی دوسری پیچیدہ گرہوں کی طرح اس عقدہ کی بھی گرہ کشائی کر دے اور اگر آپ فزکس کے طالب علم ہیں۔ اور مسلمان ہیں تو آپ ان مسائل کو سلجھانے کی ہر گز کوشش نہ کریں۔ کہیں آپ کے ذہن رسا کو نظر نہ لگ جائے کسی کالج میں لیکچرار بن جائیے پھر بھی مزید مطالعہ یا تحقیق کی طرف راغب ہو کر اپنی آرام دِہ زندگی کو بے آرام نہ بنائیے۔ اور اگر کچھ کرنے کے لیے دل مجبور ہی کرے تو کتابوں کے نوٹ اور خلاصے لکھ کر ہاتھ رنگئے تاکہ آپ کے شاگردوں کو بھی اس علم میں صرف اتنی ہی دسترس حاصل ہو جس سے وہ امتحان میں پاس ہو جائیں۔ مبادا آپ کی کاوش اور تحقیق سے کوئی قرآنی مسئلہ حل ہو جائے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے   مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا

اور ہم نے اگا دی اس میں ہر چیز اندازے کے مطابق ۔ ٢٠؎ اور ہم نے بنا دیئے تمھارے لیے بھی اس میں

الٰہی! ہمارے جوانوں کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار فرما۔ ان کے دلوں کو حقیقت سے آشنا کر دے۔ انھیں اپنی دینی اور قومی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی لگن بخش دے۔ ان تن آسانوں کو سوز آرزو سے تڑپا دے۔

خرد کو غلامی سے آزاد کر ۔۔۔ جوانوں کو پیروں کا استاد کر
جگر سے وہی تیر پھر پار کر ۔۔۔ تمنا کو سینوں میں بیدار کر
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے ۔۔۔ دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

١٩؎ عالم بالا میں اپنی قدرت کے کمالات کا ذکر کرنے کے بعد اب حضرت انسان کو کرۂ ارض میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ جہاں وہ اپنی زندگی کی مدت پوری کرتا ہے۔ فرمایا اس زمین کو دیکھو ہم نے اسے کتنا کشادہ کر دیا۔ اربوں کی تعداد میں تو صرف انسان یہاں بستے ہیں۔ پھر اسی پر ان کے رہنے کے مکان ہیں۔ یہیں ان کی وسیع سیرگاہیں ہیں۔ اس کے مزروعہ رقبہ کا شمار بھی کوئی آسان بات نہیں انسان کے علاوہ ان گنت قسم کے پرند وچرند کے لاتعداد افراد کا بھی یہ مسکن ہے۔ اس کی کشادگی کا اندازہ کرنا ہو تو ذرا ان صحراؤں کو دیکھو جو ہزاروں میل کے رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پھر یہ بلند و بالا پہاڑ جو اپنی جگہ پر کیل کی طرح ٹھکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی زمین میں سمائی ہوئی ہیں اور پھر بھی زمین کا بیشتر حصہ غیر آباد ہے تو جس قادر مطلق نے اتنی وسیع زمین بنائی ہے اور اس میں تمھاری آسائش کے لیے ہر ضروری سامان مہیا کر دیا ہے اس کی الوہیت اور وحدانیت کا انکار کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

٢٠؎ علامہ زمخشری نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ہر چیز کو حکمت کے میزان پر تولا گیا ہے اور ہر چیز کو اتنی ہی مقدار بخشی گئی ہے جو اس کے لیے مناسب ہے۔ اس میں نہ زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ کمی کا احتمال قال زمخشری وزن بمیزان الحکمة وقدر بمقدار یقتضیه لا یصلح فیه زیادة ولا نقصان۔ (بحر)

اب اگر آپ کسی چیز پر سرسری نظر ہی ڈالیں گے تو آپ کو اس میزان حکمت کا احساس ہو جائے گا۔ ہر چیز کے لیے خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان۔ نباتات ہو یا جمادات معین مقدار اور مخصوص خاصیتیں رکھ دی ہیں۔ جن میں کہیں رد و بدل آپ کو دکھائی نہیں دے گا۔ گندم کے پودے پر انار کے دانے نہیں لگ سکتے۔ چڑیا کی جو شکل اور حجم مقرر ہے۔ اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ شیر جیسے قوی جانور کے لیے بھی قد و قامت کا ایک خاص پیمانہ مقرر ہے۔ جس سے وہ آگے تجاوز نہیں کر سکتا۔ شیر بڑھ کر ہاتھی کا حجم اختیار نہیں کر سکتا اور ہاتھی اپنے حجم کو گھٹا کر بلی کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ ہر چیز کے لیے ایسے مضبوط قوانین اور ایسے معین پیمانے مقرر ہیں جن میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا

رزق کے سامان[21] اور ان کے لیے بھی جنھیں تم روزی دینے والے نہیں ہو[22] اور نہیں کوئی چیز مگر

عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ

ہمارے پاس اس کے خزانے (بھرے پڑے) ہیں[23] اور ہم نہیں اتارتے اسے مگر ایک معلوم اندازے کے مطابق۔ پس ہم بھیجتے ہیں ہوائیں کو

لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ

بار دار بنا کر[24] پھر ہم اتارتے ہیں آسمان سے پانی پھر ہم پلاتے ہیں تمھیں وہی پانی۔ اور تم اس کا ذخیرہ کرنے والے

[21] معایش کا واحد معیشۃ ہے۔ اس سے مراد وسائل معاش ہیں یعنی کھانے پینے کی چیزیں۔ اور ماوردی نے کہا ہے کہ اس سے عمر بھر اسباب رزق میں تصرف کرنا مراد ہے ۔وقیل انھا التصرف فی اسباب الرزق مدۃ الحیاۃ قال الماوردی: وھو الظاھر (قرطبی)

[22] تم اس غلط فہمی کا شکار ہو کہ تم اپنے رزق کے خود کفیل ہو اور اس کا اہتمام تم خود کرتے ہو یہ بات خلاف واقع ہے ۔ یہ پانی جو تم پیتے ہو۔ یہ روٹی جو تم کھاتے ہو۔ یہ گوشت سبزیاں پھل وغیرہ جو تم استعمال کرتے ہو ان کے فراہم کرنے والے تو ہم ہیں تم نے تو صرف ان کو پکا کر کھا لیا اور پکانے اور ان چیزوں کو کام میں لانے کی سمجھ بھی ہماری دی ہوئی ہے۔ اور اس کے علاوہ ادھر دیکھو یہ ان گنت پرندے یہ جنگلی جانور اور یہ کیڑے مکوڑے یہ سمندر میں بسنے والی بے اندازہ جاندار مخلوق کیا ان کا کھانا تمھارے مطبخ سے پک کر جاتا ہے انھیں بھی ہم دیتے ہیں اور تمھیں بھی ہم کھلاتے ہیں۔

[23] ہر چیز کے ہمارے پاس بھرے ہوئے خزانے ہیں کسی چیز کی کمی نہیں انہی سے ساری مخلوق کے رزق کا انتظام ہو رہا ہے اور انکی ضروریات کی کفالت کی جا رہی ہے اور تم تو اندازہ ہی نہیں لگا سکتے کہ یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے اور تمھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کب تک جاری رہیگا نامعلوم زمانہ سے لے کر ان کی خوراک کا انتظام انھیں قدرتی خزانوں سے ہو رہا ہے اور وہاں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اسی طرح ہوتا رہے گا اور یہ خزانے بھرے کے بھرے رہیں گے ۔لیکن ان معمور اور بھرے ہوئے خزانوں کو بانٹنے پر کوئی اندھی فطرت مقرر نہیں جو بلا تمیز یوں ہی لٹاتی رہے بلکہ اس کی تقسیم کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق جتنا چاہتا ہے جس وقت چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

[24] یہ آیت غور طلب ہے ۔جب نر مادہ کے ساتھ جفتی کرتا ہے اور مادہ تر لیا اس میں ڈالتا ہے تو عرب کہتے ہیں القحھا الفحل ای القی الیھا الماء ۔علماء تفسیر نے ہواؤں کو لواقح کہنے کی متعدد وجوہ ذکر کی ہیں ۔یا تو اس لیے ہواؤں کو لواقح کہا جاتا ہے کہ یہ بارش کے پانی بادلوں کے مشکیزوں میں اٹھائے ہوئے آتی ہیں یا اس لیے کہ بادلوں میں یہ اس رطوبت کو ملاتی ہیں جس سے ان سے بارش برسنے لگتی ہے وقیل الریح الملاقح التی تحمل الندی فتمجہ فی السحاب فاذا اجتمع فیہ صار مطراً یا اس لیے انھیں لواقح کہا گیا کہ یہ درختوں کو باردار کرتی ہیں

بِخٰزِنِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ

نہیں ہو۔ ٢٥ اور بیشک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (ان سب کے) وارث ہیں۔ اور یقیناً

یعنی نر درختوں کے گابھوں کو لے کر مادہ درختوں کے گابھوں میں جاکر ڈالتی ہیں ثم یبعث اللواقح فتلقح الشجر پھر اللہ تعالیٰ لواقح ہواؤں کو بھیجتا ہے جو درختوں کو باردار کرتی ہیں۔ (قرطبی)

قرآن پاک نے اس راز سے پہلے ہی پردہ اٹھا دیا تھا کہ نر مادہ کا وجود صرف جاندار مخلوق میں ہی نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی نباتات کی افزائش نسل کے لیے یہی طریقہ مقرر کیا ہوا ہے۔ سبحان الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون (٣٦ : ٣٦) یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں سے بھی جنھیں زمین اگاتی ہے۔ اور خود ان سے بھی اور ان چیزوں سے بھی جنھیں (ابھی) وہ نہیں جانتے اگر درختوں، پودوں، جڑی بوٹیوں کے شگوفے ان کی مادہ تک نہ پہنچیں تو کیونکر؟ انسان سارے کام چھوڑ کر اگر یہی ایک کام کرنے لگے تو پھر بھی وہ اس کا لاکھواں حصہ انجام نہیں دے سکتا۔ یہ چیز انسان کی طاقت سے ماوراء تھی اس لیے قدرت نے اپنی کرم گستری سے اس کا خود ہی اہتمام فرما دیا۔ حضرت انسان کو خبر تک ہی نہیں ہوتی اور اس کے باغوں میں، کھیتوں میں، چراگاہوں میں اور جنگلوں میں اور نہ معلوم اور کہاں کہاں ہوائیں چپکے سے عمل تلقیح کو انجام دے رہی ہوتی ہیں جن کے باعث درختوں کی ٹہنیاں رنگ برنگ خوش ذائقہ پھلوں سے لدگئی ہیں اور جھوم جھوم کر اپنے خالق کے حضور آداب بندگی بجا لا رہی ہیں۔ کھیتوں کے پودوں پر خوشوں کے تاج سجائے جا رہے ہیں۔ اور ان کو دانوں کے موتیوں سے آراستہ کیا جا رہا ہے اور وہ جھک جھک کر اپنے خالق کی ربوبیت اور کبریائی کے گیت گا رہے ہیں۔ چراگاہوں میں آپ نے کبھی دیکھا ہوگا کہ گھاس کس طرح زمین پر بچھی چلی جا رہی ہے۔ وہ بھی اسی کی بارگاہ عظمت میں سجدے کر رہی ہے۔ جس نے اس کی بقا اور بالیدگی کا حکیمانہ انتظام فرما دیا۔ ایک حضرت انسان جس کے لیے کارخانہ ہستی کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز مصروف خدمت ہے وہ بے شعور پڑا ہے۔ الا ما شاء اللہ۔ یہی حقیقت تھی جس کے پیش نظر حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو تابیر نخل نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ جب دوسرے تمام درختوں پر ہم عمل تلقیح نہیں کرتے بلکہ ہوائیں از خود اس کام کو انجام دے رہی ہیں تو آخر کھجور کے درخت نے کیا قصور کیا ہے کہ ہواؤں کی عملداری سے اسے خارج کر دیا گیا ہو اور اسکے لیے انسان کو زحمت گوارا کرنی پڑے لیکن جب صحابہ کرام نے دوسرے سال کم پھل آنے کی شکایت کی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ درخت اس عمل تابیر کے برسوں کے عادی تھے وہ ان کو اپنی طبعی حالت پر آنے کے لیے کچھ وقت چاہیے تھا، تو حضور نے فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم یہ دنیوی کام ہیں جنھیں تم بہتر سمجھتے ہو کیونکہ اس چیز کا تعلق احکام شرعی سے نہ تھا اس لیے اس پر عمل کرنا اور نہ کرنا انہی کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق عمل کریں۔ نیز اس قسم کے مسائل کا بتلانا نبی کے فرائض میں داخل نہیں ہوتا بلکہ ان عقدوں کو حل کرنے کے لیے انسان کو اپنے تجربہ، مشاہدہ اور غور و فکر سے کام لینا چاہیے اس لیے یہاں صحابہ کو مجبور کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حضور کا یہ ارشاد فرمانا نہ جاننے کی دلیل نہیں جیسے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی بلکہ حضور کے علم کی وسعت کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ جن مسائل کو سلجھانے کے لیے انسان کو ابھی صدیوں غور و فکر کرنا تھا ان کو حضور آج ہی سمجھتے ہیں۔

٢٥ تمہارے کنوئیں، تمہارے تالاب، تمہاری ٹینکیاں اور تمہارے ڈیم جن میں تم پانی کا ذخیرہ جمع کرتے ہو یہ بھی تو ہمارے خزانوں کی کرم گستریوں کی

عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ

ہم جانتے ہیں ان کو بھی جو گزر چکے ہیں تم میں سے اور یقیناً ہم جانتے ہیں بعد میں آنے والوں کو۔ ۲۶ اور بیشک

رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

آپکا پروردگار ہی انھیں (روز قیامت) جمع کریگا۔ بیشک وہ بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے ۲۷ اور بلاشبہ ہم نے پیدا کیا انسان کو ۲۸

وجہ سے سرسبز ہیں۔ اگر ان خزانوں کے منہ بند کر دیے جائیں تو حقیقت معلوم ہو جائے۔

۲۶ کمال قدرت کے ذکر کے بعد کمال علم کا بیان ہے یعنی جس طرح وہ ہر چیز پر قادر ہے اسی طرح ہر چیز کو وہ جانتا بھی ہے۔

۲۷ یعنی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ انسان کو قیامت کے دن پھر زندہ کرے اور ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور وہ ہر شخص کو خواہ اس کو مرے ہوئے ہزارہا سال بھی کیوں نہ گزر چکے ہوں اور خواہ اس کے ذرے اڑ کر کہیں سے کہیں کیوں نہ چلے گئے ہوں وہ ان سب کو جانتا بھی ہے اور ان کو یکجا کرنے پر قادر بھی ہے۔ جب حکمت اس بات کی مقتضی ہو اور کوئی چیز علم سے باہر بھی نہ ہو اور وہ ہر چیز پر قادر بھی ہو تو پھر قیامت کے انکار کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا بجز اس بدنصیب کے جسے اللہ تعالیٰ کے علم محیط، قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر ایمان نہ ہو۔

۲۸ قد و قامت میں انسان کو کائنات کی دوسری بڑی بڑی چیزوں سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ لیکن خالق کائنات نے بتایا کہ اس گرد و پیش اور بالا و پست میں جو کچھ تمھیں نظر آ رہا ہے یہ اسی پیکر خاکی کے لیے ہے جسے انسان کہا جاتا ہے۔ لازمی طور پر دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت انسان کو اتنی اہمیت کیوں بخشی گئی آخر اس میں کونسا ایسا جوہر ہے کہ زمین و آسمان، مہر و ماہ، بحر و بر، بادل اور ہوائیں سب اس کی خدمت گزاری میں سرگرم عمل ہیں۔ اس لیے یہاں انسان کی حقیقت کو بیان کر کے اس کی اس خصوصیت کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کے باعث اسے یہ بلند مقام نصیب ہوا۔ لیکن اس چیز کو سمجھنے سے پہلے اس بات کو ضرور ذہن نشین کر لیجئے کہ قرآن کریم خداوند علیم کا کلام ہے۔ یہ حق و صداقت کا مظہر ترجمان ہے۔ اسے اپنی سچائی کے ثبوت کے لیے کسی فلسفی، کسی سائنسدان قدیم ہو یا جدید کی تائید کی ضرورت نہیں۔ نہ قرآن اس بات کا محتاج ہے کہ ان کی تحقیقات اور جستجو کے نتائج اس کے بیان سے ہم آہنگ ہوں تاکہ جب ہم سنیں کہ فلاں سائنسدان کی تحقیق قرآن کے کسی بیان کے خلاف ہے تو ہم قرآن پاک کو اس کے موافق کرنے کے جنون میں اس کی آیات کو زبردستی وہ معنی پہنانے کی کوشش کریں جن کو قبول کرنے کے لیے وہ ہرگز تیار نہیں اور پھر ہم یہ سمجھیں کہ ہم نے قرآن پر بڑا احسان کیا ہے۔ ایسا سمجھنا انتہائی نادانی ہے اور یہ حرکت از حد بھونڈی ہے۔ قرآن کریم قائد ہے پیرو نہیں۔ راہنما ہے مقلد نہیں۔ انسان کی پیدائش کے متعلق کئی نظریے پیش کیے گئے اور اپنی موت آپ مر گئے۔ ڈارون کا نظریہ کہ انسان بندر کی ترقی یافتہ صورت ہے بڑے جوش و خروش سے اٹھا اور عقلمندوں کی قدیم دنیا میں ایک زلزلہ برپا ہو گیا۔ لیکن قرآن نہ پہلے نظریوں سے خائف تھا اور نہ اس سے وہ ہراساں ہے۔ جن نظریات کی بنیاد ہی ظن و تخمین اور ناقص استقرا پر ہو یا استقرا بکا یہ عالم ہو کہ اس کا سر ابھی معلوم نہیں۔ درمیان کی کئی کڑیاں بھی گم ہیں۔ چند بکھری ہوئی کڑیاں ملیں ان کو زبردستی جوڑ کر ایک زنجیر کا نام دے دینا اور اس کو استقرا تام تسلیم کر کے اس سے کوئی نظریہ اخذ کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ قرآن کریم نے صاف الفاظ میں

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ

کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔ اور جان کو ہم نے پیدا فرمایا اس سے پہلے

مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا

ایسی آگ سے جس میں دھواں نہیں ۲۹ اور (اے محبوب!) یاد فرماؤ جب آپ کے رب نے کہا فرشتوں کو میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو

مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ

کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کیچڑ تھی۔ تو جب میں اسے درست فرمادوں اور پھونک دوں

مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

اس میں خاص روح اپنی طرف سے ۳۰ تو گر جانا اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے ۳۱ پس سربسجود ہو گئے فرشتے سارے کے سارے۔

فرمایا کہ انسان (ابوالبشر آدم) کی تخلیق ایسی بجنے والی مٹی سے ہوئی جو پہلے بدبودار سیاہی مائل کیچڑ تھا۔ اس سے اس کا کالبد تیار ہوا پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص روح پھونکی۔ اسی روح کی وجہ سے اس کے سر پر خلافت ارضی کا تاج رکھا گیا اسی وجہ سے انسان مسجود ملائک بنا۔ انسانی تخلیق کے بارے میں قرآن کا یہی نظریہ ہے۔ اسی پر ہمارا ایمان ہے اور یہی حق ہے۔ اگر آج نہیں تو کل یقیناً انسانی تحقیقات اسی منزل پر پہنچ جائیں گی۔ یہاں چند الفاظ تحقیق طلب ہیں۔

صلصال : اُس خشک شدہ کیچڑ کو کہتے ہیں جسے اگر انگلی سے ٹکرایا جائے تو وہ بجنے لگے۔

حمأ : اُس مٹی کو کہتے ہیں جو کافی دیر پانی میں رہنے کی وجہ سے سیاہ ہو گئی ہو۔

مسنون : اس کا معنی بدبودار بھی ہے اور قالب میں ڈھلا ہوا بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

علماء لغت نے لکھا ہے کہ مختلف حالتوں میں مٹی کے مختلف نام ہیں۔ پانی میں بھگونے سے پہلے اسے تراب کہتے ہیں۔ پانی میں بھیگ جائے تو اسے طین (کیچڑ) کہتے ہیں اور جب کافی عرصہ پانی میں بھیگی رہے یہاں تک کہ اس کی رنگت سیاہ ہو جائے تو اسے حمأ کہتے ہیں اور جب اس میں بو پیدا ہو جائے یا اسے کوئی صورت دی جائے تو اسے مسنون کہتے ہیں اور جب وہ خشک ہو جائے تو اسے صلصال کہتے ہیں اور جب اسے آگ میں پکا لیا جائے تو اسے فخار کہتے ہیں۔

۲۹ انسان سے پہلے ایک اور نوع کو پیدا کیا گیا تھا جس کا نام جان ہے۔ اس کی تخلیق نار السموم سے ہوئی۔ سموم اس آگ کو کہتے ہیں جو سخت تیز گرم ہو اور جس سے دھواں نہ اٹھے۔ قال ابن عباس السموم الریح الحارۃ التی تقتل وعنہ انہا نار لادخان فیہا۔

۳۰ اس آیت کے متعلق حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ نے بڑی مفید اور جامع بحث کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

إِلَّآ إِبۡلِيسَ أَبَىٰٓ أَن يَكُونَ مَعَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ يَٰٓإِبۡلِيسُ

سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کردیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس!

مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمۡ أَكُن لِّأَسۡجُدَ لِبَشَرٍ

کیا وجہ ہے کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ گستاخ کہنے لگا کہ میں گوارا نہیں کرتا کہ سجدہ کروں اس بشر کو

خَلَقۡتَهُۥ مِن صَلۡصَٰلٖ مِّنۡ حَمَإٖ مَّسۡنُونٖ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَٱخۡرُجۡ مِنۡهَا

جسے تو نے پیدا کیا ہے بجنے والی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار تھی ۳۲؎ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا (اے بے ادب) نکل جا

فَإِنَّكَ رَجِيمٞ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيۡكَ ٱللَّعۡنَةَ إِلَىٰ يَوۡمِ ٱلدِّينِ ﴿٣٥﴾ قَالَ

یہاں سے تو مردود ہے۔ اور بلاشبہ تجھ پر لعنت ہے روزِ جزا تک۔ کہنے لگا

وہ فرماتے ہیں رُوح کی دو قسمیں ہیں۔ علوی اور سفلی۔ رُوح علوی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے لیکن مادی نہیں بلکہ مجرد ہے اور نظرِ کشف سے اس کا مقام عرش کے اوپر پتہ چلتا ہے۔ امام غزالی کا بھی یہی مسلک ہے کہ رُوح مجرد ہے۔ لیکن جمہور متکلمین کی رائے یہ ہے کہ یہ جسم لطیف ہے اپنی ماہیت اور صفت کے لحاظ سے دوسرے اجسام سے مختلف ہے اور جسم میں اس طرح حلول کیے ہوئے ہے جیسے زیتون کے دانہ میں تیل، یا کوئلہ میں آگ۔

(۲) اور روح سفلی اس بخار لطیف کا نام ہے جو عناصرِ اربعہ سے پیدا ہوتا ہے اور اسی کو نفس بھی کہتے ہیں اور یہی سفلی روح، علوی رُوح کا آئینہ ہے جس میں وہ ظاہر ہوتی ہے۔ رُوح انسانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف مضاف فرمایا ہے (نفخت فیہ من روحی) - یہ اضافت بعضیت کی نہیں بلکہ تشریفاً اور عزت افزائی کے لیے ہے جس طرح بیت اللہ۔ ناقۃ اللہ اور شہر اللہ کہا جاتا ہے۔ اس کی اضافت کی وجہ یہ ہے کہ تجلیات رحمانیہ کے قبول کرنے کی صلاحیت صرف اس میں پائی جاتی ہے تشریفاً لکونہ مخلوقاً بامرہ من غیر مادۃ ولاستعدادہ قبول التجلیات الرحانیۃ مالا یستعدلہ روح غیر الانسان کیونکہ یہ روح عالم خلق اور عالم امر دونوں کی خصوصیات کی جامع ہے۔ اسی لیے اسے خلافت کا مستحق قرار دیا گیا اور نورِ معرفت اور آتشِ عشق کا اہل قرار پایا۔ نیز ذاتی، صفاتی اور ظلالی تجلیات کا مہبط بنا۔ وصار مستحقاً للخلافۃ اھلاً لنور المعرفۃ ونار العشق۔ ومھبطاً للتجلیات الذاتیہ والصفاتیہ والظلالیۃ۔ (مظہری)

اسّ انہی صفات کی وجہ سے فرشتوں کو حکم ملا کہ اس کے آگے سجدہ میں گر پڑو۔ اگر آدم علیہ السلام مسجود لہ ہوں یعنی سجدہ انہی کو کیا گیا ہو تو پھر یہ سجدہ تعظیمی ہوگا اور اگر آدم علیہ السلام مسجود الیہ ہوں تو پھر آدم علیہ السلام کعبہ کی مانند ہوں گے اور سجدہ اللہ تعالیٰ کو ہوگا۔

۳۲؎ اس بدنصیب کی نظر صرف حمأ مسنون کو دیکھ سکی لیکن ونفخت فیہ من روحی کے راز کو نہ سمجھ سکی اور ایسی ٹھوکر کھائی کہ عمر

اے میرے رب! پھر مہلت دے مجھے اس دن تک جب مردے (قبروں) سے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک تو مہلت دیئے ہوئے گروہ میں سے ہے۔

اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ

(جنھیں) وقت مقررہ کے دن تک مہلت دی گئی ہے۔ وہ بولا اے رب! اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا۔ میں (گناہ کو)

لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ

ضرور خوشنما بنا دوں گا ان کے لیے زمین میں ۳۳ اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جنھیں ان میں سے

الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ

چن لیا گیا ہے ۳۴ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے۔ ۳۵ بیشک

بھر کی نیکیاں مسترد کر دی گئیں۔ اور ہمیشہ کے لیے در رحمت سے دھتکار دیا گیا۔ آج بھی کئی لوگ جمال مصطفوی کی رعنائیوں کو نہیں دیکھتے اور اپنے جیسا بشر کہنے کی جسارت کرتے ہیں انھیں شیطان کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

۳۳ شیطان کا گستاخانہ لہجہ ملاحظہ ہو۔ اغویتنی کی تحقیق کے لیے سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۶ کا حاشیہ دیکھیے۔

۳۴ یعنی وہ بندے جن کو تو نے اپنی عبادت و طاعت کے لیے چن لیا اور شکوک و شبہات کی آلودگیوں سے پاک و صاف رکھا۔ ان پر میرا بس نہیں چلتا۔ یہ وہ پاک لوگ ہیں جن کے عزم و استقامت کے سامنے شیطان جیسا منہ زور بھی ہار ماننے پر مجبور ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان ابلیس قال یارب وعزتک وجلالک لا ازال اغوی بنی آدم مادامت ارواحهم فی اجسامهم وقال الرب وعزتی وجلالی لا ازال اغفر لهم ما استغفرونی یعنی شیطان نے کہا اے رب مجھے تیری عزت و جلال کی قسم جب تک ان کی روحیں ان کے جسم میں رہیں گی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مجھے بھی اپنی عزت و جلال کی قسم، جب تک یہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے میں ان کو معاف کرتا رہوں گا۔ (قرطبی)

۳۵ هٰذَا کا اشارہ الیہ اخلاص ہے یعنی جس نے بناوٹ اور ریا، تکلف اور تصنع سے کلیۃً اجتناب کرتے ہوئے اخلاص کو اپنا شعار بنا لیا وہی اس راہ پر گامزن ہوا جو سیدھا اسے ہمارے پاس لے آئے گا۔ هذا ای الاخلاص صراط علیّ ای طریق فی الوصول الیّ من غیر ضلال مستقیم لا اعوجاج فیہ اصلا (مظہری)

عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ

میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلتا ۳۶ مگر وہ جو تیری پیروی کرتے ہیں

الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ

گمراہوں میں سے۔ اور بیشک جہنم وعدہ کی جگہ ہے ان سب کے لیے۔ اس کے سات

اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ

دروازے ہیں ۳۷ ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصّہ مخصوص ہے یقیناً پرہیزگار اس دن باغوں اور

جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ

چشموں میں (آباد) ہونگے ۳۸ (انھیں حکم ملیگا) داخل ہو جاؤ ان جنتوں میں خیر و عافیت کے ساتھ بے خوف ہو کر۔ اور ہم نکال دینگے جو کچھ ان کے

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمْ

سینوں میں کینہ (وغیرہ) تھا ۳۹ وہ بھائی بھائی بن جائیں گے اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہونگے۔ نہیں پہنچے گی انھیں

۳۶؎ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ فرما دیا کہ واقعی جو میرے بندے ہیں وہ شیطان کے دام فریب میں نہیں آسکتے۔ ان کو گمراہ کرنے کے لیے وہ سارے جتن کر کے دیکھ لے اسے کبھی کامیابی نہ ہوگی۔ الا من تبعک میں استثنا منقطع ہے کیونکہ عبادی سے مراد عبادی المخلصون ہیں۔

۳۷؎ دوزخ کے سات طبقے ہیں۔ ہر طبقہ کا الگ الگ دروازہ ہے۔ ان سات طبقوں کے نام یہ ہیں۔ جھنم۔ لظی۔ الحطمہ۔ السعیر۔ السقر۔ الجحیم۔ الھاویہ ہر طبقہ میں تدریجاً عذاب زیادہ ہوتا جائے گا اور مختلف گناہوں والے اپنے اپنے گناہوں کی سنگینی کے مطابق الگ الگ حصّوں میں ڈالے جائیں گے۔

۳۸؎ مغضوبین کے احوال بیان کرنے کے بعد اب محبوبین کی عزّت افزائیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

۳۹؎ دنیا میں دو نیک آدمی بھی بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے کھچے کھچے رہ سکتے ہیں۔ دل میں ایک دوسرے کے متعلق حسد اور منافرت بھی پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث شکر رنجی بلکہ جنگ و جدال تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے کا جب حکم ملے گا تو دلوں کو حسد و بغض کی آلائشوں سے پاک کر دیا جائے گا اور سب نیک بندے باہم شیر و شکر ہو جائیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ارجوان اکون انا وعثمان وطلحہ وزبیر منھم میں امید کرتا ہوں کہ میں، عثمان، طلحہ، زبیر انہی لوگوں میں سے ہوں گے۔

فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُم مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾ نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي

اس میں کوئی تکلیف اور نہ انھیں اس سے نکالا جائے گا بتادو میرے بندوں کو کہ میں بلاشبہ

أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾

بہت بخشنے والا ازحد رحم کرنے والا ہوں۔ اور (یہ بھی بتادو کہ) میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَن ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿٥١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا

اور بتائیے انھیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ[۳۹] جب وہ آپ کے پاس آئے تو انھوں نے کہا آپ پر سلام ہو[۴۰]

قَالَ إِنَّا مِنكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ

آپ نے کہا (اے اجنبیو!) ہم تو تم سے خائف ہیں۔ مہمانوں نے کہا مت ڈریئے ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم

عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَن مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ

بچے کی پیدائش کا۔ آپ نے کہا کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہوچکا ہے پس یہ

تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾ قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُن مِّنَ الْقَانِطِينَ ﴿٥٥﴾

کیسی خوشخبری ہے وہ بولے ہم نے تو آپ کو سچی خوشخبری دی پس نہ ہوجائیے آپ مایوس ہونے والوں سے۔

قَالَ وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا

آپ نے فرمایا کون ناامید ہوتا ہے اپنے رب کی رحمت سے بجز گمراہوں کے۔[۴۱] آپ نے کہا

[۳۹] سورۂ ہود آیات ۶۹ تا ۷۵، کے حواشی میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

[۴۰] یہ نُسَلِّمُ یا سَلَّمْنَا کا مفعول ہے اس لیے منصوب ہے۔

وجلون جمع ہے۔ اس کا واحد وَجِلٌ اس کا معنی خائف ہے کیونکہ وہ بغیر اذن ایسے وقت میں آگئے تھے جو عام ملاقات کا وقت نہ تھا۔

[۴۱] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں۔ میں تو ہر لحظہ اس کے فضل و کرم پر چشم امید لگائے بیٹھا ہوں اس کی رحمت سے مایوس تو صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہوں۔

خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

اے فرستادو! کس اہم کام کے لیے تم آئے ہو۔ انھوں نے کہا ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم کی طرف۔

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ لا اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ

مگر لوط کے گھرانے والے۔ ہم ان سب کو بچا لیں گے بجز اس کی بیوی کے ہم نے (بامر الٰہی) یہ طے

اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ لا قَالَ

کیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانیوالوں میں سے ہوگی۔ پس جب آئے خاندان لوط کے پاس یہ فرستادے۔ آپ نے (انھیں دیکھ کر) کہا

اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾

تم تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو۔[۶۳] فرشتوں نے کہا (ہم اجنبی نہیں) بلکہ ہم لے آئے ہیں تمھارے پاس وہ چیز جس میں وہ شک کیا کرتے تھے۔[۶۴]

وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ

اور ہم لے آئے ہیں آپکے پاس حق (عذاب) اور ہم بلاشبہ سچ کہہ رہے ہیں تو چلے جائیے اپنے اہل خانہ کے ساتھ رات کے کسی

الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ

حصہ میں اور خود انکے پیچھے پیچھے چلیے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی، اور چلے جائیے جہاں (جانے کا)

تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ

تمھیں حکم دیا گیا ہے۔ اور ہم نے (بذریعہ وحی) لوط کو آگاہ کر دیا اس حکم سے کہ یقیناً ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی جب وہ

[۶۳] میں تو تمھیں دیکھ کر پہچان بھی نہیں سکا کہ تم کون ہو تم یہاں کے رہنے والے بھی نہیں، ورنہ تم میرے واقف ہوتے، اور تم مسافر بھی نظر نہیں آتے، کیونکہ تم پر سفر کا کوئی نشان نہیں ہے۔

[۶۴] یعنی ہم وہ چیز لے کر آج تمھارے پاس آئے ہیں جس کے متعلق تم اپنی قوم کو بتلاتے تھے تو وہ اسے تسلیم نہیں کرتے تھے۔ تم ان کو اس سے ڈراتے تھے تو وہ مذاق کیا کرتے تھے۔ اب وہ وقت آگیا ہے جب اُن پر عذابِ الٰہی نازل ہوگا اور انھیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔

مُصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ

صبح کر رہے ہونگے اور (اتنے میں) آ گئے شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے۔ آپ نے (انھیں) کہا

هٰۤؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾

(ظالمو) یہ تو میرے مہمان ہیں انکے بارے میں تو مجھے شرمسار نہ کرو۔ اور ڈرو اللہ (کے غضب) سے اور مجھے رسوا نہ کرو۔

قَالُوْۤا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِيْۤ اِنْ

وہ بولے کیا ہم نے تمھیں منع نہیں کیا تھا کہ دوسروں کے معاملہ میں دخل نہ دیا کرو۔ آپ نے کہا یہ میری (قوم کی) بچیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو

كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

(تو ان سے نکاح کرو) ۴۵ (اے محبوب!) آپ کی زندگی کی قسم ۴۶ یہ (اپنی طاقت کے نشے میں) مست ہیں (اور) بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ پس آلیا انکو

الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

ایک سخت کڑک نے جب سورج نکل رہا تھا ۴۷ پس ہم نے اُن کی بستی کو زیر و زبر کر دیا اور ہم نے برسائے ان پر

۴۵ اس کی وضاحت سورۂ ھود کی آیات ۷۸ تا ۸۳ کے حواشی میں ملاحظہ فرمائیے۔

۴۶ علمائے تفسیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کی حیات پاک کی قسم اٹھائی ہے اور یہ حضور کی عظمت شان اور شرف رفیع کی قوی دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ ماخلق اللّٰہ نفسا اکرم علیہ من محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وما اقسم بحیاۃ احد الا بحیاتہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی چیز کو معزز اور مکرم پیدا نہیں کیا اور حضور کے بغیر کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ ھذا نھایۃ التعظیم وغایۃ البر والتشریف کہ اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم اٹھانا تعظیم و تکریم کی انتہا ہے۔ اصل میں یہ لفظ عُمر (یعنی ع پر ضمہ) تھا لیکن یہ کثرت استعمال کے لیے مفتوح کر دیا گیا ہے۔

۴۷ رات کی تاریکی میں حضرت لوط اپنے کنبہ کو لیکر بستی سے چلے گئے۔ اب یہ بستی اس پاک نفس بندۂ خدا سے بھی خالی ہو گئی۔ یہاں صرف ایسے لوگ باقی رہ گئے تھے جو شکل و صورت میں تو انسان تھے لیکن اپنے عادات و اطوار کے لحاظ سے ان میں انسانیت کی بو تک نہ تھی۔ اخلاقی لحاظ سے وہ اتنے گرے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے گھر میں بھی دخل اندازی کرتے اور اسکے مہمانوں پر دست درازی کرنے سے بھی انھیں شرم نہیں آتی تھی۔ اور ایسا فعل جس کے ذکر سے بھی عقل سلیم کو نفرت ہے وہ اس کا ارتکاب بھی چوری چھپے نہیں بلکہ ڈنکے کی چوٹ سے کیا کرتے تھے۔ اکیلے بھی نہیں بلکہ مجمع عام میں۔ آپ اندازہ فرمائیے اس قوم کے اخلاقی انحطاط کا جو ذلیل گناہوں کے ارتکاب میں اتنی دیدہ دلیر ہو اور جسے شرم و حیا کی بو تک بھی نہ ہو یقیناً وہ اس قابل تھی کہ اسکو اس پر ستم اب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا جاتا۔

حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾

کھنگر کے پتھر۔ بیشک اس واقعہ میں (عبرت کی) نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لیے ۴۸

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور بیشک یہ بستی ایک آباد راستہ پر واقع ہے ۴۹ یقیناً اس میں نشانی ہے اہل ایمان کے لیے۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ

اور بے شک ایکہ کے باشندے بھی بڑے ظالم تھے ۵۰ پس ہم نے اُن سے بھی انتقام لیا اور

اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾

یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں ۵۱ اور بے شک جھٹلایا اہل حجر نے (اللہ تعالیٰ کے) رسولوں کو ۵۲

۴۸ متوسم کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں مقاتل اور ابن زید سے اس کا معنی متفکرین یعنی غور و فکر کرنے والے منقول ہے۔ حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال للمتفرسین یعنی نور فراست رکھنے والے انہی ابو سعید سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ ثم قرأ ان فی ذالک لاٰیٰت للمتوسمین مومن کی فراست سے ڈرا کرو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پھر حضور نے یہی آیت پڑھی۔ ایک دفعہ حضرت انس حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ راستہ میں کسی عورت پر نظر پڑ گئی تھی حضرت عثمان نے انھیں دیکھ کر فرمایا یدخل احدکم علی وفی عینیہ اثر الزنا۔ بعض آدمی میرے پاس آتے ہیں اور انکی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ حضرت انس بول اُٹھے اَوَحیاً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا حضور کے بعد پھر وحی اترنی شروع ہو گئی ہے فقال لا ولکن برھانٌ وفراسۃٌ وصدق حضرت عثمان نے فرمایا نہیں لیکن یہ تو دلیل و فراست اور صداقت کا نتیجہ ہے اس قسم کے متعدد واقعات صحابہ اور تابعین سے منقول ہیں رضی اللہ عنہم۔ (قرطبی)

۴۹ یعنی قوم لوط کی بستیاں اس راستہ کے قریب ہیں جو اب بھی آباد ہے۔ اور اس پر کارواں چلتے ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جو حجاز سے شام کو جاتا ہے۔ اسی علاقہ میں وہ قوم آباد تھی اور اس کی بربادیوں کے نشان آج بھی پائے جاتے ہیں۔ مقیم کا معنی آباد یا واضح ہے۔

۵۰ حضرت شعیب کی بستی کا نام ہے۔ ایکہ لغت میں گھنے درختوں کی جگہ کو کہتے ہیں۔ مدین کا علاقہ بڑا زرخیز اور گنجان آباد تھا۔ ہر طرف باغات اور شاداب درخت دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔

۵۱ امام واضح راستہ کو کہتے ہیں۔

۵۲ حجر سے مراد قوم ثمود کا علاقہ ہے جو حجاز اور شام کی درمیانی زمین کا نام ہے۔ یہیں حضرت صالح مبعوث ہوئے۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ

اور ہم نے عطا کیں انھیں اپنی نشانیاں ۵۳ مگر وہ اُن سے رُوگردانی ہی کرتے رہے۔ اور وہ کھود کر بنایا کرتے تھے

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾

پہاڑوں کو اپنے گھر (اور) وہ بےخوف و خطر رہا کرتے تھے۔ پس پکڑ لیا انھیں ایک خوفناک چنگھاڑ نے جب وہ صبح اُٹھ رہے تھے۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ

پس نہ فائدہ پہنچایا انھیں اس (مال) نے جو وہ کمایا کرتے تھے ۵۴ اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ

اور زمین کو نیز جو کچھ ان کے درمیان ہے، مگر حق کے ساتھ ۵۵ اور بیشک قیامت آنے ہی والی ہے پس (اے حبیب!) ۵۶ آپ درگزر

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک کے سفر میں ہمارا گزر حجر کے علاقہ سے ہوا ہم وہاں ٹھہرے۔ وہاں کے کنوؤں سے لوگوں نے پانی بھرا اور اسی کے ساتھ آٹا گوندھا تو حضور نے حکم دیا کہ اس پانی کو انڈیل دو جو آٹا اس پانی کے ساتھ گوندھا ہے اسے اونٹوں کے سامنے ڈال دو اور حکم دیا کہ اس کنوئیں سے پانی لو جہاں سے حضرت صالح کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضور نے ہمیں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے مکانوں میں جب تم داخل ہو جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا تو روتے ہوئے داخل ہو ایسا نہ ہو کہ وہی عذاب تم پر بھی نازل ہو۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ حضور کے اس ارشاد سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے آثار و دیار کو ناپسند کرنا چاہیے تو اس میں انبیاء اور صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی بھی دلیل ہے۔ دلیل علی التبرک باثار الانبیاء والصالحین وان تقادمت اعصارھم وخفیت آثارھم (قرطبی)

۵۳ ناقہ صالح اس کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ۶۱ تا ۶۸۔

۵۴ یعنی پہاڑ کھود کر انھوں نے اپنے لیے جو مضبوط آرام گاہیں اور پناہ گاہیں تعمیر کی تھیں، جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آگئی تو انھیں کہیں پناہ نہ مل سکی۔

۵۵ یعنی زمین آسمان اور اس میں جتنی بھی چیزیں موجود ہیں ان کو اپنی اپنی جگہ پر یوں مرتب کر دیا گیا ہے کہ ہزاروں صدیاں گزرنے کے باوجود کائنات کے اس کارخانہ میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا۔ نیز اس کا یہ معنی بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کارخانۂ قدرت کو اس طرز پر بنایا ہے کہ یہاں باطل دوام پذیر نہیں ہو سکتا۔ یہ فضا حق کے لیے ہی سازگار ہے باطل کے لیے سازگار نہیں۔ والمعنی متلبسا بالحق لایلائم استمرار الفساد ودوام الشر فاقتضت الحکمۃ اھلاک امثال ئک وازالۃ فسادھم من الارض۔

۵۶ حضور کریم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حسن ادب اور حسن خلق کی تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے مجھے ادب و خلق کی خوب تعلیم دی۔

الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ﴿٨٥﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ

فرمایا کیجئے ان سے عمدگی کے ساتھ۔ یقیناً آپ کا رب ہی سب کا خالق (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی

اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ

ہیں آپ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں ۸۶ اور قرآن عظیم بھی (اپنی آنکھ اٹھا کر بھی)

عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

نہ دیکھئے ان (اموال) کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے انکے مختلف طبقوں کو ۸۷ اور رنجیدہ خاطر بھی نہ ہوں ان (کی گمراہی) پر ۸۸

ادبنی ربی فاحسن تادیبی اس ادب آموزی کی ایک حسین جھلک یہاں بھی ملاحظہ ہو:-

ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر وہ ستانے سے باز نہیں آتے، اگر اسلام کے خلاف ان کی سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہو رہی ہیں اے صاحب خلق عظیم آپ پھر بھی ان سے درگزر ہی فرماتے رہیے اور درگزر بھی ایسی شان سے جو آپ کے خلق عظیم کو زیبا ہو۔ وہ راستہ میں کانٹے بچھائیں آپ ان کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔ وہ پتھر برسائیں اور آپ رحمت کے پھول نچھاور کیجئے۔

۸۶ سبع مثانی حضرات سیدنا عمرؓ، سیدنا علیؓ، ابن مسعود کے نزدیک سبع مثانی سے مراد سورۂ فاتحہ ہے اور یہی قول حضرات قتادہ عطا، حسن، سعید بن جبیر سے منقول ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ ام القرآن وام الکتاب والسبع المثانی۔ قال ھذا حدیث حسن صحیح۔ نیز امام بخاری نے بھی حضور کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ام القرآن ھی السبع المثانی والقرآن العظیم۔ حضرت ابن عباس نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے لانھا تثنی فی الصلوٰۃ فیقرأ فی کل رکعۃ (مظہری) کہ اسے نماز میں دہرایا جاتا ہے اور ہر رکعت میں پڑھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ بھی مذکور ہے کہ یہ دو بار نازل ہوئی۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ میں۔ مثانی جمع ہے اس کا واحد مثناۃ ہے جو اسم ظرف ہے یا مثنیۃ ہے جو اسم فاعل ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے حبیب مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ کو جو نعمت لازوال بخشی ہے اس کی عظمت کا یہ نادان کیا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہم نے تو آپ کو سورہ فاتحہ بخشی اور قرآن عظیم جیسی بابرکت کتاب مرحمت فرمائی۔

۸۷ اس نعمت عظمیٰ کے سامنے اس گنج شائیگاں کی موجودگی میں یہ دولت دنیا اس قابل ہی کب ہے کہ آپ اس کی طرف نظر التفات کریں جس کے پاس کوہ نور کا ہیرا ہو وہ بھی کبھی کوڑیوں کی طرف دیکھتا ہے خواہ ان کوڑیوں کے ڈھیر ہی کیوں نہ لگے ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے من اوتی القرآن فرای احدا اوتی من الدنیا افضل مما اوتی فقد صغر عظیما وعظم صغیرا۔ جس شخص کو دولت قرآن بخشی گئی اور اس نے کسی دنیا دار کو دیکھا اور اس کے سیم و زر کو نعمت قرآن سے افضل خیال کیا تو اس نے بڑی بے انصافی کی۔ اس نے عظیم المرتبت چیز کو حقیر جانا اور ایک حقیر چیز کو بڑا خیال کیا۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ

اور نیچے کیجیے اپنے پروں کو مومنوں کے لیے ٦٠ اور فرمائیے کہ میں تو بلاشبہ (ایسے عذاب سے) کھلا ڈرانے والا ہوں۔ ٦١ جیسے ہم نے اُتارا ان بانٹنے والوں پر ٦٢ جنھوں نے کر دیا تھا قرآن کو

عام انسانوں کی راہنمائی کے لیے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کتنا مفید اور طمانیت بخش ہے عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم انظروا الی من هو اسفل منكم ولا تنظروا الی من هو فوقكم فهو اجدر ان لا تزدروا نعمة الله عليكم (مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی طرف دیکھو جو تم سے کمتر ہے۔ اپنے سے برتر کی طرف نہ دیکھو اس طرح جو نعمت اللہ تعالیٰ نے تم پر فرمائی تم اسے حقیر جاننے کی غلطی سے محفوظ رہو گے۔ آیت میں ازواجا منهم کا لفظ غور طلب ہے۔ صاحب لسان العرب نے لفظ زوج کے دیگر معانی بیان کرنے کے ساتھ اس کا یہ معنی بھی تحریر کیا ہے الزوج: الصنف من كل شیء۔ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۵۹ اے محبوب آپ ان نادانوں کی گمراہی پر رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں۔ یہ اس قابل ہی نہیں کہ آپ ان کے لیے غمزدہ ہوں انھوں نے دانستہ اپنے لیے گمراہی کو پسند کر لیا ہے۔

۶۰ کافروں سے اعراض کرنے کا حکم دینے کے بعد مومنوں کی طرف خصوصی توجہ فرمانے کا ارشاد ہو رہا ہے کہ اہلِ ایمان کے لیے اپنے پروں کو نیچا کریں۔ وہ پر جن کے لیے عرش کی بلندیاں بھی سمٹ آتی ہیں اور لامکاں کی رفعتیں بھی سرنگوں ہو جاتی ہیں۔ ان پروں کو نیچا کیجیے تاکہ آپ کے غلام بھی آپ سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہو سکیں۔ آیت کے اس حصے میں جو مٹھاس اور معنویت ہے اسے اہلِ دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۶۱ نذیر کا مفعول عذاب ہے جو محذوف ہے۔ کما انزلنا اس مفعول محذوف کی صفت ہے۔

۶۲ یہ کون لوگ تھے۔ ان کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ مقاتل اور فراء نے کہا ہے کہ یہ سولہ آدمی تھے جنھیں ولید بن مغیرہ نے حج کے دنوں میں مکہ کے مختلف راستوں اور گھاٹیوں پر مقرر کر دیا کرتا تھا۔ جن کا کام یہ تھا کہ ہر آنے والے کو وہ حضورؐ کے متعلق بدظن کرتے اور انھیں کہتے کہ خبردار اس شخص کے قریب بھی نہ آنا جس نے ہم میں سے نبوت کا دعوے کیا ہے۔ کبھی کہتے وہ تو مجنوں ہے کبھی کہتے وہ تو بڑا جادوگر ہے کبھی شاعر اور کاہن بتلاتے۔ لوگوں کو کہتے کہ اگر ہماری بات پر اعتبار نہ ہو تو ولید بن مغیرہ سے پوچھ لینا جو مکہ کا سردار ہے۔ ولید خود مسجد حرام کے دروازے پر بیٹھ جاتا۔ وہ لوگ جب اس سے ان باتوں کے متعلق دریافت کرتے تو وہ طے شدہ منصوبے کے مطابق ان کی زوردار تائید کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بڑی رسواکن موت سے دوچار کیا۔ انھیں مقتسمین اس لیے کہا تھا کہ انھوں نے راستے آپس میں بانٹ لیے تھے۔ ہر شخص اپنے مقررہ راستہ پر بیٹھ کر حضورؐ کے خلاف زہر افشانی کرتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مقتسمین یہ لوگ ہیں۔ عاص بن وائل عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ابوالبختری، النضر بن حارث، امیہ بن خلف اور منبہ بن الحجاج۔ (قرطبی)

عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

پارہ پارہ ۶۳ پس آپ کے رب کی قسم! ہم پوچھیں گے ان سب سے ان اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے ۶۴

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ

سو آپ اعلان کر دیجیے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور منہ پھیر لیجیے مشرکوں سے۔ ۶۵ ہم کافی ہیں آپکو مذاق اڑانے

الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ

والوں کے شر سے بچانے کے لیے۔ ۶۶ جو بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا ۶۷ سو یہ (حقیقت حال کو) ابھی

۶۳ یہ آیت مقتسمین کی صفت ہے۔ عضین جمع ہے اس کا واحد عضة ہے جس کا معنی ہے ٹکڑا۔ عرب کہتے ہیں عضیت الشیٔ تعضیة ای فرقته، وکل فرقة عضة جب کسی شے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو ہر ٹکڑے کو عضة کہتے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس آیت پر ایمان لاتے ہیں جو انکی مرضی کے مطابق ہو اور جو ان کی منشائے کے خلاف ہو اس کا انکار کر دیتے ہیں ای امنوا بما منه وکفروا بالباقی اس طرح بعض آیات کا انکار ان کے اس ایمان کو بھی ملیامیٹ کر دیتا ہے جو وہ بعض آیات پر لائے تھے۔

۶۴ اے محبوب! تیرے رب کی قسم ہم ان سب لوگوں سے ان کے کرتوتوں کے متعلق باز پرس کریں گے۔

۶۵ اے میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم آپ کو دیا جا رہا ہے اُس کو برملا لوگوں کے سامنے بیان کیجیے اور کسی کی مخالفت کی پروا نہ کیجیے فاصدع کا معنی ظاہر کرنا۔ الصدع الشق ۔ صدع کا معنی چیرنا ہے۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضورؐ نے برسرِ عام اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔

۶۶ آپ کسی کافر سے خائف نہ ہوں۔ آپ پر جو زبان طعن دراز کرے گا۔ جو گستاخی کی جرأت کرے گا اور جو مذاق کریگا ہم خود ان کو سنبھال لیں گے۔ ان کا شر آپ تک نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضورؐ کے خلاف بہتان اور افترا۔ کا طوفان برپا کرنیوالے اسلام کو ختم کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کر دینے والے یا تو حلقہ بگوش اسلام ہو کر پروانہ وار اس پر نثار ہونے لگے یا انھیں ایسی رسوائی اور ذلت سے دوچار کر دیا گیا کہ آج ان کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد مکہ کے یہ پانچ رئیس ہیں جو اسلام کی مخالفت اور حضورؐ کی دلآزاری میں سب سے پیش پیش تھے۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل۔ ابو ضمع اسود بن عبد یغوث اور حارث ان تمام کو اللہ تعالیٰ نے ذلت کی موت سے ہلاک کیا۔

۶۷ مستھزءین کی صفت ہے یا مبتدا ہے اور فسوف یعلمون اس کی خبر ہے یعنی یہ مذاق کرنے والے وہ بدبخت اور بدنصیب لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے علاوہ اپنے بتوں کو بھی الٰہ سمجھتے تھے! اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں فرما دیا کہ انھیں اپنی گمراہی کی پوری پوری سزا ملے گی۔

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۹۸﴾ وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ

سو آپ پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جائیے سجدہ کرنے والوں سے ۔ ۷۸ اور عبادت کیجئے اپنے رب کی

حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ﴿۹۹﴾

یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس الیقین ۔ ۷۹

۷۸ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب حسنِ خلق خدا کے لیے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے لبریز تھا حضور جب اپنی قوم کی گمراہی اور اس پر ان کے اصرار کو دیکھتے تو دل درد سے بھر جاتا اور شدید قسم کی گھٹن محسوس ہونے لگتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو اس غم و اندوہ سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ تلقین فرمارہے ہیں کہ جب ان کی نافرمانی اور کجروی کے باعث آپ غمگین ہو جائیں تو اسی وقت اپنے رب قدوس کی تسبیح اور اس کی حمد میں مشغول ہو جایا کریں اور اپنا سرِ نیاز اس کی بارگاہِ صمدیت میں جھکا دیا کریں۔ غم و اندوہ کے بادل خود بخود چھٹ جائیں گے دل کی افسردگی اور گھٹن دور ہو جائے گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی تو حضور فوراً نماز میں مصروف ہو جاتے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حزبه امر فزع الی الصلوٰۃ (رواہ احمد فی مسندہ) ہم غلاموں کے لیے بھی رنج و غم سے نجات پانے کا یہی مؤثر ذریعہ ہے۔

۷۹ یقین سے مراد یہاں موت ہے یعنی اے محبوب مکرم! عبادت کا یہ سلسلہ پورے ذوق شوق کے ساتھ اس وقت تک جاری رہے، جب تک اس دارِ فنا سے رحلت کا پیغام نہ آجائے۔ جب تک آنکھ جھپک رہی ہے، نبض چل رہی ہے میری یاد ہوتی رہے۔ میرے ذکر اور عبادت کا چراغ روشن رہے اور بندگی کا حق بھی یہی ہے کہ تادمِ واپسیں دل اپنے معبودِ برحق کے ذکر سے سرشار رہے۔ اللّٰھم اعنا علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک حتی یاتینا الیقین بجاہ طٰہٰ ویٰس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

تعارف سُورۃ النّحل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام : اس سورۃ کی آیت نمبر ۶۸ (واوحی ربک الی النحل الایۃ) میں النحل کا لفظ مستعمل ہوا ہے اس لیے اس سورۃ کا نام بھی النحل رکھا گیا۔ اس کی آیات کی تعداد ایک سو اٹھائیس کلمات کی تعداد دو ہزار آٹھ سو چالیس اور حروف کی تعداد سات ہزار سات سو سات ہے۔

زمانۂ نزول : یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئیں۔

مضامین : جبل ابی قبیس کے دامن میں مکہ کا شہر ہے۔ یہاں کے بازار نوادراتِ عالم سے بھرے پڑے ہیں۔ اس کی منڈیوں میں مختلف اجناس کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ جزیرۂ عرب کا ہر آدمی یہاں کے بسنے والوں کا احترام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ قبائل جن کا پیشہ ہی راہزنی اور قزاقی ہے وہ بھی ان کی دل سے عزت و تکریم کرتے ہیں اور ان کے قافلوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

یہ شہر اتنا بارونق کیوں ہے؟ اس کے باشندوں کا اتنا احترام کیوں کیا جاتا ہے؟ اس لیے کہ اس کی خشت اول حضرت خلیل کے پاک ہاتھوں نے رکھی۔ اور یہاں کے بسنے والوں کی اکثریت آپ ہی کی نسل سے ہے لیکن وہ دین جس کی اشاعت کا یہ شہر مرکز بنایا گیا تھا، وہ عقیدہ جو حضرت خلیل نے اپنی اولاد کو سکھایا تھا وہ ناپید ہو چکا ہے۔ کعبہ جسے خداوند وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا وہاں اب تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا پاٹ بڑی دھوم دھام سے ہو رہی ہے۔ نسل ابراہیم باقی ہے لیکن دین ابراہیم کا نام و نشان تک نہیں رہا۔

اڑھائی تین ہزار سال کے بعد اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لاتا ہے اور فاران کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اعلان فرماتا ہے۔

قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا

اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو نجات پا جاؤ گے

مکہ کے خاموش ماحول میں ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ توحید کا نعرہ بلند ہونے پر اہل مکہ کا رد عمل حیرت، نفرت اور عداوت کے مرحلوں کو طے کرتا ہوا اب سنگدلانہ تشدد کی شکل اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے آبائی عقاید، نظریات اور رسوم کے تحفظ میں ہی اپنی بقا کا راز

مضمر سمجھتے ہیں انھیں یہ اندیشہ ہے کہ اگر ان کے عقاید و نظریات پر کوئی آنچ آئی تو ان کا وجود تک مٹ جائے گا اور اپنا وجود کسے عزیز نہیں۔ اس لیے وہ ہر قیمت پر اپنے فرسودہ نظامِ حیات کو بچانا چاہتے ہیں لیکن اسلام کی سادگی، سچائی اور معنویت کے سامنے ان کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو رہی۔ دلائل کے میدان میں ان کے قدم اکھڑ چکے ہیں۔ انھیں اپنی فصاحت اور بلاغت پر بڑا ناز تھا لیکن قرآن کے حسنِ بیان اور دل موہ لینے والے اسلوب نے انھیں مبہوت اور ششدر کر دیا ہے۔ ان کے لرزہ خیز مظالم کے سامنے اہلِ ایمان کی ثابت قدمی اور استقامت نے ان کی شمشیرِ ستم کو کند کر دیا ہے۔ ان کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن بات یہ ہے کہ ان کی فہم و دانش کی قومیں خود ان کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کی تیاری کر رہی ہیں۔ اس قلبی اور ذہنی کشمکش نے ان کو کھوکھلا کر دیا ہے لیکن حق قبول کرنے کے لیے وہ کسی قیمت پر آمادہ نہیں۔ انھوں نے آنکھوں پر تعصب کی پٹی خوب کس کر باندھ لی ہے۔ طعن و تشنیع، تمسخر و استہزاء، بہتان تراشی اور نامعقول اعتراضات کے تیروں کے سوا ان کے ترکش میں کچھ بھی نہیں رہا اور وہ انھیں بڑی مہارت سے استعمال کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا نبی مکرم اس کی مخلوق کی سچی خیر خواہی میں سرگرمِ عمل ہے۔ وہ بہتان تراشی اور نامعقول اعتراضات کا طوفان برپا کر کے فضا کو تاریک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حبیب انھیں قرآن کریم کی شیریں اور نورِ صداقت سے درخشاں آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ وہ عداوت کا اظہار کرتے ہیں اور یہ محبت اور پیار کا دامن پھیلاتا ہے۔ وہ ناروا پھبتیاں کستے ہیں اور یہ اپنے دلنواز تبسم سے انھیں ٹال دیتا ہے۔

یہ سورۂ مبارکہ انھی حالات میں نازل ہوئی۔ اس کی آیات طیبات میں ہدایت پذیری کا وہ سارا مواد موجود ہے جس کی اس وقت ضرورت تھی۔ اسلام کے جن نظریات کو کفار عقل اور مشاہدات کے خلاف قرار دیتے تھے ان کو انفسی اور آفاقی دلائل سے ثابت کر دیا گیا ہے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود انھیں یہ بھی صاف صاف بتا دیا کہ اگر اب بھی تم نے ضد نہ چھوڑی اور عقل و فہم کی خداداد صلاحیتوں کی توہین سے باز نہ آئے تو دردناک عذاب کے لیے تیار ہو جاؤ۔

آخر میں ان صفات کو بیان کیا جن کا کسی مبلغِ اسلام میں موجود ہونا ازبس ضروری ہے۔

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَثَمَانُ وَعِشْرُوْنَ آيَةً وَسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ النحل مکی ہے اس کی ۱۲۸ (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے) آیتیں اور ۱۶ رکوع ہیں

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

قریب آگیا ہے حکم الٰہی[1] پس اس کے لیے عجلت نہ کرو۔[2] پاک ہے اللہ تعالیٰ اور برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں[3]

[1] حضور نبی کریم سے کفار بار بار مطالبہ کیا کرتے کہ ہم آپ کو نبی برحق تسلیم نہیں کرتے۔ آپ جس عذاب کی دھمکیاں ہمیں دیا کرتے ہیں وہ لے آئیے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ہر کام حکمت سے اور اپنے اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ ان کی اس قسم کی طفلانہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کے فیصلے بدل نہیں جایا کرتے۔ چنانچہ ہجرت سے پہلے جو بارہ تیرہ سال مکہ میں گزرے ان میں اگرچہ کفار کی طرف سے دلآزاریوں اور ستم رانیوں کی انتہا ہوتی رہی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا حلم انھیں برداشت کرتا رہا اور اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صبر کرنے اور انتظار کرنے کی تلقین کی جاتی رہی۔ مکہ مکرمہ کو چھوڑنے کی ساعت آپہنچی چند ماہ بعد اللہ تعالیٰ کا رسول یہاں سے کوچ کرنے والا ہے۔ اس وقت ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے رسول آج ان متکبروں اور سرکشوں کو بتا دو کہ خدا کے عذاب کی گھڑی اب آن پہنچی ہے۔ تمہارے غرور اور نخوت کو خاک و خون میں ملانے کے لیے اسکی شمشیر انتقام بے نیام ہونے والی ہے۔ چنانچہ ہجرت کے بعد ابھی دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ وہ خود بدر کے میدان میں آنے اور کیفر کردار کو پہنچے۔ اس کے بعد ہر آنے والی ساعت ان کے لیے ہلاکت و بربادی کا پیغام بن کر ہی آتی رہی۔ آیت میں الامر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نصرت اور کفار پر غالب آنا ہے۔ بعض کی رائے میں الامر سے مراد قیامت ہے یعنی قیامت کے برپا ہونے کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ اتی کا عام معنی "آگیا" ہے لیکن اہل زبان اسے دنا اور قرب کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں یعنی جب کوئی چیز جلد ظہور پذیر ہونے والی ہو تو اس کے لیے بھی اتی کا لفظ استعمال ہوتا ہے قال ابن عرفہ یقول العرب اتاک الامر وھو متوقع بعد۔ علامہ آلوسی نے اپنے عارفانہ رنگ میں لفظ "اتی" کے ذکر کی بڑی لطیف حکمت بیان کی ہے جس سے صرف اہل نظر ہی پوری طرح لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ انھیں کے ذوق کی تسکین کے لیے ان کی عبارت نقل کر رہا ہوں۔ (اتی امر اللہ) وھو القیامۃ الکبری التی یرتفع فیھا حجب التعینات ویضمحل السوی ولما کان صلی اللہ علیہ وسلم مشاھدا لذلک فی عین الجمع قال (اتی) ولما کان ظھورہ علی التفصیل بحیث تظھر لکل احد لا یکون الا بعد قال فلا تستعجلوہ (روح المعانی)

[2] استعجال کا معنی کسی چیز کو اس کے وقت مقررہ سے پہلے طلب کرنا ہے الاستعجال طلب الشیء قبل اوانہ (مظہری) کفار کو نزول عذاب کے لیے جلدی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔ جلدی تو کسی ایسے کام کے لیے کی جاتی ہے جس میں خیر و برکت ہو۔ تباہی و بربادی کے لیے تو مٹنے کی آرزو کی جاتی ہے۔ وہ بڑا ہی نادان ہوگا جو اپنی بربادی کے لیے سخت بے چین ہو۔

[3] بتایا اللہ تعالیٰ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے وہاں کمال ہی کمال ہے کسی کمی یا کمزوری کا کوئی احتمال ہی نہیں۔ باقی ہر چیز خواہ کتنی بڑی، کتنی مفید اور کتنی پائیدار ہو، وہ عیب سے خالی نہیں۔ اگر اس کا کوئی دوسرا عیب کسی کو نظر نہ آئے تو یہ عیب تو کسی سے مخفی نہیں کہ وہ اپنے موجود ہونے میں اپنے بنانے والے اور پیدا کرنے والے کی محتاج ہے اور جہاں افتقار اور احتیاج ہو، وہ خدا کا شریک کیسے

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ

اتارتا ہے فرشتوں کو روح (یعنی وحی) کے ساتھ اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے کہ

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

خبردار کرو (لوگوں کو) کہ نہیں کوئی معبود سوائے میرے پس مجھ سے ہی ڈرا کرو۔ اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو

ہو سکتا ہے۔

۲؎ روح سے مراد وحی ہے۔ جس طرح روح سے ہر چیز کی زندگی ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ وحی الٰہی حیات بخش ہے۔ زندہ ہونے کو تو لوگ نزول قرآن سے پہلے بھی زندہ تھے لیکن اس روح پاک کے نزول کے بعد حجاز کے صحراؤں میں جس حسین وجمیل زندگی کے چمنستان آباد ہوئے اس سے تو دنیا کی نگاہیں آشنا نہ تھیں۔

۵؎ کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر اللہ تعالٰی نے کسی کو نبی بنا کر بھیجنا ہی تھا تو عبد المطلب کے یتیم پوتے کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا؟ کسی رئیس اعظم کو نبی بنایا جاتا تو لوگ اس کی باتیں دھیان سے سنتے اور اس کا کہنا مانتے۔ ان کے اعتراض کو مسترد کرنے کے لیے فرمایا کہ نبی کے انتخاب کے لیے تمہارا مقرر کیا ہوا معیار غلط ہے۔ نبی تو وہ بنتا ہے جس کو اللہ تعالٰی خود نبی بنانا چاہتا ہے۔ جسے وہ ان قوتوں اور استعدادوں سے مالا مال کر کے پیدا کرتا ہے جو بار نبوت کو اٹھانے کے لیے ضروری ہیں۔

۶؎ نبی آکر اپنے لیے جاگیریں نہیں بناتا جیسے جھوٹے نبیوں کا شیوہ ہے۔ وہ اپنے لیے ناحق برتری کے دعوے نہیں کرتا۔ اس کی بعثت کی ایک ہی غرض ہوا کرتی ہے کہ وہ لوگوں کو اس حقیقت سے خبردار کرے کہ اللہ تعالٰی کے بغیر اور کوئی خدا نہیں۔ وہی ایک خدا ہے اور انسان کو اسی کی نافرمانی اور حکم عدولی سے ڈرنا چاہیے۔

۷؎ یہاں سے اللہ تعالٰی کی الوہیت اور اس کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت کے ان دلائل کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے جو اتنے واضح اور یقین آفرین ہیں کہ اگر کوئی معمولی عقل وفہم رکھنے والا بھی غور کریگا تو اللہ تعالٰی کی توحید کا اسے اعتراف کرنا ہی پڑیگا۔ ذرا غور تو کیجیے زمین وآسمان کا یہ کارخانہ کتنا وسیع ہے اور کتنے بے شمار پرزوں سے مرکب ہے۔ ہر پرزہ چھوٹا ہو یا بڑا اپنی اپنی جگہ پر اس خوبی سے فٹ ہے کہ نہ کوئی پیچ ڈھیلا ہوتا ہے نہ کوئی گراری ٹوٹتی ہے اور نہ انجن کی رفتار میں فرق پڑتا ہے۔ ہر چیز اپنا اپنا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ جس کے ذمے چلنا ہے وہ چل ہی رہی ہے نہ اپنی سمت بدلتی ہے نہ اپنے مقرر راستہ سے ایک بال برابر ادھر ادھر سرکتی ہے اور نہ اس کی چال میں فرق پڑتا ہے جس کے ذمے دوڑنا ہے وہ دوڑتی ہی چلی جا رہی ہے جنہیں ٹھہرنے کا حکم ملا ہے وہ دم بخود چپ چاپ کھڑی ہیں۔ انسان اس محیر العقول کارخانہ کی پیچیدگیوں میں غور کرے تو سر چکرا جاتا ہے اور اگر حقیقت شناس نگاہ سے وہ یہ منظر دیکھے کہ ہر چیز ایک حلقہ بگوش غلام کی طرح تعمیل حکم میں مصروف ہے تو بے ساختہ اس کی زبان سے یہ نکلتا ہے:۔ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ

اور زمین کو حق کے ساتھ وہ برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں۔ اس نے پیدا فرمایا انسان کو

نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ

نطفہ سے ؎ پس اب وہ بڑا جھگڑالو بن گیا ہے۔ نیز اس نے چوپاؤں کو پیدا کیا ؎ تمہارے لیے ان میں

فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ

گرم لباس بھی ہے اور دیگر فائدے ہیں اور انھیں (کا گوشت) تم کھاتے ہو ؎ اور تمہارے لیے ان میں زیب و زینت بھی ہے ؎

؎ یہ حضرتِ انسان جس کے حسن و کمال کے سامنے چاند اور سورج نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں، جس کی ہیبت سے جنگل کے شیر لرزہ براندام ہیں، جس کی تسخیری قوتیں اب ستاروں پر کمندیں ڈال رہی ہیں، اس کا اصل کیا ہے؟ پانی کی ایک بوند۔ یہ رعنائی و دلبری، یہ زور و تنومندی، یہ قلب اور یہ دماغ کیا اس ایک قطرہ میں سوئے ہوئے تھے۔ جس ہستی نے ان حیرت انگیز گوناگوں صلاحیتوں کو یوں سمیٹا اور پھر جس طرح ان کو پھیلایا اور ان کی نشوونما کی، اس کے آستانہ عظمت پر سر جھکایا جائے تو کہاں جھکایا جائے۔ لیکن یہ انسان نہ اپنے اصل میں غور کرتا ہے اور نہ اس مربی کریم کے لطف و کرم کا اعتراف کرتا ہے بلکہ اس سے اور اس کے فرستادوں سے بات بات پر الجھتا ہے اور جھگڑتا ہے۔ ایک دن اُبی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کیا آپ اس ہڈی کے متعلق یہیں کہتے ہیں کہ اسے پھر زندہ کیا جائے گا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری)

؎ انسان کی زندگی کی بقا کے لیے اور اس کو آرام دہ اور دلکش بنانے کے لیے جو چیزیں پیدا فرمائیں اب ان کا ذکر ہے۔ خلقها لکم میں لام اجلیہ ہے یعنی تمہاری خدمت گزاری اور تمہارے فائدہ کے لیے انھیں پیدا فرمایا۔

؎ الدفء السخانة وهو ما استدفئ به من اصوافها واوبارها واشعارها (قرطبی) یعنی وہ حرارت جو ان کی اون وغیرہ سے بنے ہوئے ملبوسات سے تم حاصل کرتے ہو۔ اس کے علاوہ متعدد منفعتیں حاصل کرتے ہو۔ ان کا دودھ پیتے ہو۔ ان کی ہڈیوں کو طرح طرح سے استعمال کرتے ہو۔ اور تو اور ان کے گوبر اور پیشاب کو بطور کھاد استعمال کر کے اپنی زراعت کو چار چاند لگاتے ہو اور ان کا گوشت کھاتے ہو۔

؎ اس کے علاوہ جب وہ صبح سویرے چرنے کے لیے بستیوں سے باہر نکلتے ہیں اور دن بھر چرنے کے بعد کلیلیں کرتے ہوئے شام کے وقت واپس آتے ہیں تو کتنا دلکش منظر ہوتا ہے۔ وہ راستے بھی آباد دکھائی دیتے ہیں جہاں سے وہ گزر رہے ہوتے ہیں۔ اپنے مویشیوں کو جب یوں بکمال مرغزاروں کو جاتے ہوئے یا وہاں سے آتے ہوئے تم دیکھتے ہو تو جو فرحت اور طمانیت تمہارے دل محسوس کرتے ہیں ذرا اس کا بھی اندازہ لگاؤ۔ تم اللہ تعالیٰ کے کس کس احسان کو بھلاؤ گے اور کہاں تک ناشکری کرو گے۔

تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ⑥ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ

جب تم شام کو (چرا کر) انہیں گھر لاتے ہو اور جب تم صبح انکو چرانے لیجاتے ہو۔ اور (یہ جانور) اٹھائے جاتے ہیں تمہارے بوجھ ان شہروں تک جہاں

تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ⑦

تم نہیں پہنچ سکتے مگر سخت مشقت سے ۱۲ بیشک تمہارا رب بہت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا

اور اس نے پیدا کیے گھوڑے اور خچر اور گدھے ۱۳ تاکہ تم اُن پر سواری کرو اور (تمہارے لیے ان میں) زینت ہے اور پیدا فرمائے گا ایسی

لَا تَعْلَمُونَ ⑧ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ

سواریاں جو تم نہیں جانتے ۱۴ اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے راہ راست کو دلائل سے واضح کرنا اور ان میں غلط راہیں بھی ہیں ۱۵ اور اگر اللہ تعالیٰ

۱۲ میدانی علاقہ ہو یا ریت کے ٹیلے ہوں۔ پہاڑوں کی بلندیاں ہوں یا وادیوں کا نشیب ہو۔ راستہ ہموار ہو یا قدم قدم پر گڑھے ہوں، یہ جانور تمہارے بھاری بھرکم سامان کو اپنی پشتوں پر لادے ہوئے کس طرح خاموشی سے چلے جا رہے ہیں۔ ذرا غور تو کرو۔ اگر تمہیں یہ سامان خود اٹھا کر لے جانا پڑتا تو تمہیں کس دقت کا سامنا ہوتا۔ ایسے جانوروں کا بہم پہنچانا تمہارے پروردگار کی ازحد شفقت اور بے پایاں رحمت کا کتنا بڑا ثبوت ہے۔

۱۳ اس کی ذرہ نوازیوں نے صرف بار برداری کے جانور ہی پیدا نہیں کیے بلکہ تمہاری سواری کا انتظام بھی فرما دیا جب تم اُن پر سوار ہوتے ہو تو وہ اپنی سبک رفتاری سے ہوا سے باتیں کرنے لگتے ہیں اور قلیل عرصہ میں تمہیں منزلِ مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔ قطع مسافت میں سہولت کے ساتھ ساتھ اس میں زینت کا پہلو بھی قابلِ لحاظ ہے۔ ایک خوبصورت نقرے گھوڑے پر انسان سوار ہو تو وہ کتنا سجیلا معلوم ہوتا ہے اور اپنے آپ کو اس وقت برتری کے جس جذبہ سے سرشار پاتا ہے وہ تو بیان سے ہی باہر ہے اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کے کن کن پہلوؤں کو آشکارا فرماتا ہے۔ یہ بات توجہ کے قابل ہے۔

۱۴ تمہاری بقا اور تمہارے آرام و آسائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیشمار چیزیں پیدا کی ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جن کو تم جانتے ہو اور بعض ایسی بھی ہیں جن کی تمہیں خبر تک نہیں تم ان کا نام بھی نہیں جانتے۔ اور بفرمانِ ایزدی وہ شب و روز تمہاری خدمت میں مصروف ہیں واخبرنا بان لہ من الخلائق مالا علم لنا بہ (بحر) اس آیت سے نقل و حرکت کے وہ ذرائع بھی مراد لیے جا سکتے ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت موجود نہ تھے لیکن بعد میں ایجاد ہوئے یا جو قیامت تک ایجاد ہوتے رہینگے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق ہے۔ یہ موٹریں، یہ دخانی بحری جہاز، یہ طیارے، یہ راکٹ اور خدا معلوم ابھی اور کیا کیا بننے والا ہے۔ یہ سب اسی کی صفت رأفت و رحمت کے مظاہر ہیں۔

لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٩ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ

چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اُتارا آسمان سے پانی تمہارے لیے اس میں سے

شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝١٠ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ

کچھ پینے کے کام آتا ہے اور اس سے سبزہ اُگتا ہے جس میں تم (مویشی) چراتے ہو[۱۶] اُگاتا ہے تمہارے لیے اسکے ذریعہ (طرح طرح کے) کھیت

وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ

اور زیتون اور کھجور اور انگور اور (انکے علاوہ) ہر قسم کے پھل۔ یقیناً ان تمام

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١١ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ

چیزوں میں (قدرتِ الٰہی کی) نشانی ہے[۱۷] اس قوم کیلئے جو غور و فکر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسخر فرما دیا تمہارے لیے رات، دن

۱۵؎ آیت کا مطلب یہ ہے کہ راہِ راست کو دلائل و براہین سے واضح کر دینا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمّہ کرم پر لیا ہوا ہے۔ یہ سب اسکی مہربانی ہے اور راستے دو قسم کے ہیں۔ ایک سیدھا راستہ جو انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ دوسرے وہ راستے جو انسان کو غلط سمت کی طرف لیجاتے ہیں۔ اس لیے ہر پگڈنڈی جو سامنے آئے اُس پر نہیں چل پڑنا چاہیے بلکہ پہلے اچھی طرح یہ معلوم کرنا چاہیے کہ کونسا ایسا راستہ ہے جو آپ کو اپنی منزل تک پہنچانے والا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ یونہی کسی راستہ پر گامزن ہو جائیں پھر آپ برسوں اُس پر چلتے رہیں لیکن آپ کی منزل قریب آنے کی بجائے دُور ہی ہوتی چلی جائے۔

۱۶؎ اس سے پہلے انسان اور اس کی بقا کے لیے جن اشیا کی ضرورت تھی اُن کی تخلیق کا ذکر فرمایا۔ ان آیات میں شانِ ربوبیت کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ جس قادرِ مطلق نے ایک قطرۂ آب سے انسان جیسی دلکش اور دلچسپ مخلوق پیدا فرمائی۔ اُس نے پیدا کرنے کے بعد اسے فراموش نہیں کر دیا بلکہ اس کی نشوونما کے تمام تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا فرمایا۔ سب سے پہلے پانی کا ذکر کیا۔ کیونکہ انسانی حیوانی اور نباتاتی زندگی کا دارومدار اسی پر ہے۔ انسان اسے پیتا ہے اور اپنی چراگاہوں کھیتوں اور باغات کو سیراب بھی کرتا ہے۔ اسی سے چراگاہوں میں سبز گھاس اور کھیتوں میں شاداب چارہ لہلہانے لگتا ہے جو جانوروں کی خوراک بنتا ہے۔ اگر پانی ہی نایاب ہو جائے تو زندگی کی ساری رنگینیاں خاک میں مل جائیں۔ یہاں شجر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین سے اُگتی ہے الشجر ھھنا کل ماتنبتہ الارض قالہ الزجاج اور ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ شجر سے مراد یہاں گھاس ہے۔

۱۷؎ ان چیزوں کے پیدا کرنے سے صرف تمہاری غذائی ضرورتوں کی تکمیل ہی مطلوب نہیں، ورنہ کوئی ایک جنس ہی پیدا کر دی جاتی اور اس سے تمہاری شکم پُری ہوتی رہتی۔ طرح طرح کے اناج اور گوناگوں پھل پیدا فرما کر جہاں اپنی قدرت کی نیرنگیوں کی نقاب کشائی کی ہے وہاں تمہارے

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

سورج اور چاند کو اور تمام ستارے بھی اس کے حکم کے پابند ہیں بیشک ان تمام چیزوں میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا

(قدرت الٰہی کی) نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو دانشمند ہے۔ اور (علاوہ ازیں) جو پیدا فرمایا تمہارے لیے زمین میں (اسے بھی مسخر کر دیا) الگ الگ ہے

اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳ وَهُوَ الَّذِيْ

اس کا رنگ روپ یقیناً اس میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے۔ ان لوگوں کیلئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں ۲۹ اور وہی ہے جس نے پابند حکم

رزق لطیف کی بھی ناز برداریاں کی گئی ہیں۔ گندم کی روٹی نہیں کھانا چاہتے تو چاول حاضر ہیں۔ پلاؤ پکا لیجئے۔ یہ بھی نہیں تو آج باجرے کا پراٹھا پکا کر تناول فرمائیے۔ کھجوریں کھائیے اور اگر ان سے جی بھر گیا ہے تو انگور کے خوشوں سے زمرد یں موتی توڑ کر اپنی نگاہوں اور اپنے ذائقے کی تسکین کیجئے۔ ہر اناج، ہر پھل میں غذائیت کی مقدار اور ان کے دیگر مخصوص اثرات کا آپ جتنی گہری نظر سے مطالعہ کریں گے اتنا ہی اس کی قدرت کے مستور جلوے اپنا گھونگھٹ اٹھاتے چلے جائیں گے اور تمہیں کہنا پڑے گا کہ رنگ میں، بو میں، ذائقہ میں اور اثر میں یہ تنوع پیدا کرنا اندھی فطرت کے بس کا روگ نہیں۔ یہ کسی علیم و خبیر ہستی کی کرشمہ کاری ہے۔ اسی لیے تو فرمایا اہل فکر کے لیے ان میں ہماری قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔

شاہ تمہاری ظاہر پسند نظریں تو اتنا ہی سمجھ سکتی ہیں کہ اب رات ہو گئی سونے کا وقت آ گیا۔ اب دن چڑھ رہا ہے اب ہمیں جاگنا چاہیے۔ سورج دن کو روشنی پہنچاتا ہے اور چاند کا کام رات کو منور کرنا ہے۔ آسمان کی نیلی چادر پر ستاروں کو اس لیے ٹانک دیا گیا ہے کہ وہ خوبصورت بن جائے۔ تم نے کبھی شب و روز کی گردش، شمس و قمر کے اثرات اور ستاروں کے مقصد کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ان میں سے ہر چیز ہزاروں فوائد کی حامل ہے۔ لیکن ان فوائد سے وہ جواں ہمت لوگ ہی آگاہ ہو سکتے ہیں جو اپنی عقل و خرد کی قوتوں کو استعمال کرنا جانتے ہوں۔ ایسے باہمت لوگوں کو مظاہر فطرت کے ان آئینوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے دلائل ضیاء پاشیاں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ؔ اس کا عطف سخر لکم کے نیچے ہے۔ ذرا کا معنی خلق (پیدا کیا ہے) اس ارشاد ربانی کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور ستاروں کو تمہاری خدمت کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ اسی طرح اس سطح زمین پر جن چیزوں کو پیدا فرمایا حیوانات، نباتات، معدنیات انہیں بھی تمہارے لیے مسخر فرما دیا لیکن ان سے فائدہ صرف وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو عقل و فہم سے کام لینا جانتے ہوں۔ بے علموں اور بے فکروں کے لیے تو یہ انمول خزانے بے مصرف ہیں۔ پانی میں بجلی کی حیرت انگیز قوت پہلے دن سے موجود تھی، کرۂ ہوائی کی موجیں تیری آواز کو آناً فاناً دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کی اہلیت رکھتی تھیں۔ تیرے ریگستانوں کے نیچے پیٹرول کے سمندر موجزن تھے لیکن ان سے فائدہ اٹھانا تیرا کام تھا۔ اغیار نے اپنی انتھک کوششوں اور جانفشانیوں سے ان پنہاں قوتوں

سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً

کر دیا ہے سمندر کو [۱۸] تاکہ تم کھاؤ اس سے تازہ گوشت اور نکالو اس سے زیور جسے تم

تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ

پہنتے ہو [۱۹] اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو کہ موجوں کو چیر کر جا رہی ہوتی ہیں [۲۰] سمندر میں تاکہ (ان کے ذریعہ) تم تلاش کرو اللہ تعالیٰ

کا سراغ لگایا اور ان سے خوب خوب متمتع ہوا۔ لیکن اے حامل قرآن! تیری سہل انگاری نے تجھے مہلت نہ دی کہ تو اپنی اس کتاب کا مطالعہ کرے جس نے سب سے پہلے ان قوتوں کی تسخیر کی دعوت دی۔ تیرے فقیر حال مست اور تیرے امیر مال مست رہے۔ تیرے بلند ہمت اسلاف نے علم و حکمت کی جو چمن بندی کی تھی اس میں بہار آنے کا وقت آیا تو تو اس سے غافل ہو گیا اور اس پر اغیار نے تسلط جما لیا۔ اہل ہمت ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں اور تجھے پتنگ بازی سے فرصت نہیں۔ کمر ہمت باندھ، مستقل مزاجی سے محنت اور جفاکشی کو اپنا شعار بنا اور آگے بڑھ کر علم و دانش اور فن و حکمت کے کاروانوں کی قیادت سنبھال۔ موجودہ بے دین قیادت انسانیت کو اپنے رب سے دور کر رہی ہے اور اسے ہلاکت کی طرف لیے جا رہی ہے۔ تیری مومنانہ قیادت جہاں انسانیت کے لیے امن و عافیت کی ضامن ہو گی وہاں بندے کا رشتہ اپنے رب سے استوار کرنے کا بھی باعث بنے گی۔

[۱۸] اس خاکدان ارضی میں اپنی عنایات کا جو بازار سجایا تھا اس سے متعارف کرانے کے بعد اپنی نوازشات کی ایک دوسری جلوہ گاہ کی طرف انسان کو متوجہ کیا جا رہا ہے۔ ان نیلگوں سمندروں کو دیکھو جن کا کوئی کنارہ نہیں۔ ان میں اٹھتی ہوئی لہروں کی بلندی کا اندازہ کرو، اس میں اٹھنے والے طوفان کتنے تند و تیز ہیں۔ لیکن سب کو پابند حکم کر دیا گیا ہے۔ اور اسی میں تمہاری خوراک کے لیے تازہ گوشت کا اہتمام کر دیا گیا ہے اور ہماری قدرت کے اس اعجاز میں بھی تو غور کرو کہ مچھلی جس پانی میں جنم لیتی ہے جس میں پرورش پاتی ہے اور جو اس کی خوراک ہے وہ تو اتنا کھاری اور کڑوا ہے کہ ہونٹوں پر بھی نہیں لگایا جا سکتا لیکن کیا مچھلی کے گوشت میں اس کا ذائقہ اور اس کی بدبو تم محسوس کرتے ہو؟ ہرگز نہیں۔

[۱۹] اس کے علاوہ ہم نے تمہاری زینت کے لیے اس میں خوبصورت موتی پیدا کر دیے ہیں کہ انکی دمک سے چاند بھی شرماتا ہے۔ وہ دیکھو! سمندر کی تہ میں آغوش صدف میں ایک چمکدار اور قیمتی موتی تمہارے حوصلوں کو دعوت دے رہا ہے۔ ہمت ہے تو آگے بڑھ کر اٹھا لو۔

[۲۰] سمندر بے کراں سہی، ان کی گہرائی بے پایاں سہی، ان میں اٹھنے والے طوفان تند سہی اور اس کے بھنور ہیبت ناک سہی لیکن ان تمام قہرمانیوں کے باوجود ہم نے ان کو حکم دے دیا ہے کہ تمہاری کشتیوں اور تمہارے جہازوں کو اپنے دوش پر اٹھائے اور تمہیں تمہاری منزل مقصود تک پہنچائے۔ اب تم دیکھتے ہو کس طرح تمہاری کشتیاں اور جہاز تمہیں اٹھائے ہوئے موجوں کو چیرتے خراماں خراماں چلے جا رہے ہیں۔ اگر سمندر کو مسخر نہ کیا جاتا تو تم اور تمہاری تجارت اور تمہاری مصنوعات اور ایجادات ملک میں ہی محصور ہو کر رہ جاتیں۔ ہم نے سمندروں کو تمہاری کشتیوں کے اٹھانے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ تمہارے کاروبار میں ترقی ہو۔ تمہاری مصنوعات اور ایجادات سے دوسرے لوگ بھی مستفید ہوں۔ مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں بحرپیمائی میں جو کمال حاصل کیا ان کے تجارتی جہاز طویل سمندری سفر طے کر کے ایک ملک کا سامان جس طرح دوسرے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٤﴾ وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

کے فضل (رزق) کو تاکہ تم (اس کا) شکر ادا کرتے رہو ٢٢ اور اللہ تعالیٰ نے گاڑ دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ ٢٣ تاکہ زمین لرزتی نہ رہے تمہارے ساتھ

وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥﴾ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ

اور نہریں جاری کر دیں اور راستے بنا دیئے تاکہ تم (اپنی منزل کی) راہ پا سکو۔ اور (راستوں پر) علامتیں بنا دی ہیں اور ستاروں کے ذریعے

يَهْتَدُوْنَ ﴿١٦﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٧﴾

وہ راہ یاب ہوتے ہیں ٢٤ کیا وہ ذات جس نے سب کچھ پیدا فرمایا اس کی مانند ہو سکتی ہے جس نے کچھ بھی نہیں بنایا کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے ٢٥

ملک میں لیجایا کرتے تھے۔ تاریخ کے طالب علم کے لیے کوئی مخفی راز نہیں۔ اب تو یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ کولمبس کے جہاز کا ملاح بھی احمد نامی ایک مسلمان تھا۔ آیت میں یہ چیز بھی ملحوظ ہے کہ رزق کو اللہ تعالیٰ نے فضلہ یعنی اپنا فضل فرمایا ہے۔ مواخر (م) الماخرہ جو المخر سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے شق الماء عن یمین و شمال پانی کو چیرتے ہوئے دائیں بائیں پھینکتے چلے جانا اور جب کشتی پانی کو چیرتی ہوئی آواز پیدا کرتی ہے تو کہتے ہیں مخرت السفینۃ (القرطبی)

٢٢ بحر و بر میں، خشکی اور تری میں، میدانوں اور پہاڑوں میں، جنگلوں اور صحراؤں میں ہر جگہ ہم نے اپنی قدرت اور حکمت اور اپنے انعامات کا بازار سجا رکھا ہے تاکہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اور اس کا شکر ادا کرو۔

٢٣ جب کوئی چیز ایک جگہ جم کر کھڑی ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں رسا۔ ثبت و رسخ۔ اس لیے بندرگاہ کو بھی مرسیٰ کہتے ہیں کیونکہ جہاز اور کشتیاں وہاں آ کر ٹھہرتی ہیں۔ پہاڑ بھی کیونکہ ایک جگہ جم کر کھڑے رہتے ہیں اور حرکت نہیں کرتے اس لیے ان کو بھی رواسی کہا جاتا ہے۔ تمید میدٌ سے ہے اس کا معنی ہے دائیں بائیں ڈولتے رہنا الاضطراب یمیناً و شمالاً ٹہنیاں جب ہوا کے جھونکوں سے اوپر نیچے ہوتی ہیں تو کہا جاتا ہے مادت الاغصان آیت کا مدعا یہ ہے کہ زمین کو جب پیدا کیا گیا تو وہ اضطراری طور پر کبھی دائیں اور کبھی بائیں ڈولتی رہتی۔ اس پر پہاڑ گاڑ کر اس کا توازن برقرار کر دیا۔ اگر براہین قطعیہ سے کرۂ زمین کی حرکت ثابت ہو جائے تو آیت اس کے منافی نہیں۔ مولانا دریا آبادی لکھتے ہیں ان تمید بکم سے جس حرکت ارض کی نفی مقصود ہے وہ زمین کی زلزلائی یا اضطرابی حرکت ہے جیسے ہلکا جسم ہوا سے تیرنے لگتا ہے مطلق حرکت ارض کے مسئلہ کو جو تمام تر ایک سائنسی بحث ہے قرآن مجید کی کم از کم اس آیت سے نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ (تفسیر ماجدی)

٢٤ دن میں سفر کرتے ہوئے تم مختلف مقامات اور نشانیوں سے اپنا صحیح راستہ معلوم کرتے ہو اور جب رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے اور کوئی علامت نظر نہیں آتی تو پھر آسمان کے ستارے تمہاری رہنمائی کرتے ہیں اور تمہیں اپنی منزل کا پتہ دیتے ہیں۔ ستاروں سے کس طرح رہنمائی ملتی ہے اس کے لیے آپ ان لوگوں سے دریافت کریں جو لق و دق صحراؤں میں بے آب جنگلوں میں سفر کرتے ہیں یا جنہیں سمندری سفر پر جانے کا کبھی اتفاق ہوا ہو۔

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم شمار کرنا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم انھیں گن نہیں سکو گے۔[۲۷] یقیناً اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جو لوگ پوجتے ہیں

دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿۲۰﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ

اللہ کے سوا (غیروں) کو وہ نہیں پیدا کر سکتے کوئی چیز[۲۸] بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ وہ مردہ ہیں وہ

أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿۲۱﴾ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ

زندہ نہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ کب انھیں اٹھایا جائے گا۔ تمہارا خدا (بس) خدائے واحد ہے[۲۹]

۲۶ یہ سب نوادرات جن کا ذکر ہو چکا اور ان کے علاوہ بے شمار عجائبات جن کا احاطۂ بیان میں لانا بھی مشکل ہے ان سب کو تو میرے مالک اور میرے رب نے پیدا کیا ہے۔ اے کافرو! اب تم بتاؤ کہ تمہارے ان بتوں نے بھی آخر کوئی چیز تخلیق کی ہے کہ تم نے ان کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ اور ان کی عبادت میں مگن رہتے ہو۔ جب انھوں نے آج تک ایک مکھی بھی نہیں بنائی اور نہ یہ بنا سکتے ہیں تو پھر خود فیصلہ کرو کہ معبود ہونے کے لائق کون ہے۔ میرا قادر خلّاق خدا یا تمہارے بے بس اور بے نوا بت۔ آخر کچھ تو سوچو۔ تمہیں تو اپنی عقل و دانش پر بڑا گھمنڈ ہے۔

۲۷ اللہ تعالیٰ کے انعامات بے حد و بے حساب ہیں اگر تم کوشش بھی کرو تب بھی ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ تمہارا فرض تو یہ ہے کہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اور اس کی بندہ نوازیوں کا شکریہ ادا کرتے رہو لیکن شکر ادا کرنا تو کجا تم نے اس کی وحدانیت کا انکار کر دیا اور ان بے جان مورتیوں کو اس کا شریک بنا دیا۔

۲۸ ان اصنام کی بے بسی کو مزید بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پرستش میں یہ لگے رہتے ہیں وہ بیچارے کوئی چیز پیدا کیا کریں گے وہ تو خود کسی خالق اور صانع کے محتاج ہیں۔ وہ تو بے جان مجسمے ہیں جن میں زندگی کا نشان تک نہیں۔ نہ وہ کچھ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ انھیں تو اپنے انجام کی بھی خبر نہیں یعنی الاصنام لا ارواح فیھا ولا تسمع ولا تبصر ای ھی جمادات فکیف تعبدونھا وانتم افضل منھا بالحیاۃ (قرطبی)

۲۹ ان تمام دلائل کے ذکر کرنے کے بعد اصل مقصد کا اعلان فرما دیا کہ اللہ وحدہٗ لا شریک ہی تمہارا خدا اور معبود ہے۔ جس کی قدرت، جس کی ربوبیت، جس کی ہمہ دانی اور ہمہ بینی کے متعدد شواہد تم دیکھ چکے ہو اس کے علاوہ زمین و آسمان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہاری معبود بن سکے۔ اے مسجودِ ملائک! اے مخدومِ مہر و ماہ! تجھے کیا ہو گیا کہ تو اپنے محسن و منعم حقیقی کا بندہ بننے کے بجائے اپنے ادنیٰ خادموں کی چاکری بلکہ بندگی پر ناز

فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ

پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر ان کے دل منکر ہیں اور وہ

مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ

مغرور ہیں [31] یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ

بیشک وہ پسند نہیں کرتا غرور و تکبر کرنے والوں کو۔ اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا نازل فرمایا ہے

رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ

تمہارے رب نے [32] ؟ کہتے ہیں (کچھ نہیں) یہ تو پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں تاکہ (اس ہرزہ سرائی کے باعث) وہ اٹھائیں اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ

الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا

قیامت کے دن اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں [33] جہالت سے۔ کتنا برا (اور گراں) ہے یہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر

کرنے لگا۔ اے خود فراموش! فطرت کے آئینہ میں اپنے جمال جہاں افروز کو تو دیکھ۔

[31] وہ حق کو سمجھتے تو ہیں لیکن ان کا غرور ان کو اجازت نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے حلقہ بگوش بن جائیں۔ فرمایا اگر وہ مغرور و متکبر ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ مغروروں اور متکبروں کی پروا نہیں کرتا۔ انہیں اس غرور کے نشہ میں ہی بدمست چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ موت کا وقت آئے اور وہ ناشاد و نامراد ابدی عذابوں میں دھکیل دیئے جائیں۔

[32] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا بدو قبائل میں ہونے لگا۔ وہ اس امر کی تصدیق کے لیے ایام حج میں اپنے قاصد مکہ روانہ کیا کرتے جب مکہ آتے اور کسی کافر سے ان کی ملاقات ہوتی اور وہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرتے تو وہ کہتا حاشا و کلا قطعاً وہ خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ گزشتہ قوموں کی کہانیاں ہیں جو اس نے خود گھڑی ہیں اور اب لوگوں کو سنا کر اپنے دام تزویر میں پھنسا رہا ہے۔ اس طرح لوگوں کو چشمہ ہدایت تک پہنچنے سے پہلے وہ بدظن کر کے واپس کر دیتا۔ اساطیر جمع ہے اسطر اور اسطور کی جس کا واحد سطر ہے اس کا معنی ہے ایک صف یا لائن کتاب کی ہو، درختوں کی ہو یا لوگوں کی۔

[33] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے تو اس کی دعوت پر جتنے لوگ ہدایت قبول کرتے ہیں ان سب کا ثواب اسے ملتا ہے۔ اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی اور جو شخص گمراہی کی طرف بلاتا ہے اور جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں ان سب کا گناہ بھی اس پر لادا جاتا

يَزِرُوْنَ ۝٢٥ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ

اور رہے ہیں (دعوت حق کے خلاف) مکر و فریب کیا کرتے تھے وہ لوگ جو ان منکرین سے پہلے گزرے ۳۳ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے (فریب) کی

الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ

عمارت جڑوں سے اکھیڑ کر رکھ دی پس گر پڑی ان پر چھت ان کے اوپر سے اور آگیا ان پر عذاب

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٢٦ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ

جہاں سے انھیں خیال و گمان بھی نہ تھا۔ اس کے بعد روزِ قیامت اللہ تعالیٰ انھیں ذلیل و رسوا کرے گا ۳۴

اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور ان سے پوچھیگا کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کیا کرتے تھے۔ کہیں گے وہ لوگ جنھیں

الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝٢٧ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ

علم دیا گیا ہے کہ بلاشبہ آج ہر قسم کی رسوائی اور بربادی کافروں کے لیے ہے۔ وہ کافر ۳۵ جن کی جانیں فرشتے

ہے اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

۳۳ ان سے پہلے جو کافر تھے انھوں نے بھی ہمارے انبیاء (علیہم السلام) کو ناکام کرنے کے لیے مکر و فریب کی انتہا کر دی لیکن وہ خود ہی اپنے مکر و فریب کا شکار ہو گئے۔ یہی انجام ان کا بھی ہونے والا ہے۔

۳۴ اس دنیاوی بربادی کے علاوہ قیامت کے دن بھی انھیں ذلیل و رسوا ہونا پڑیگا۔ سارے انبیاء اور ان کی امتیں جمع ہونگی۔ یہ غریب و نادار مسلمان جن کو آج یہ بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ عزت و کرامت کی خلعتیں پہنے کھڑے ہونگے۔ ان سب کے سامنے ان سرکشوں کو شرمسار کیا جائے گا۔

۳۵ یہ لوگ جو آج نخوت و غرور کے پہاڑ بنے بیٹھے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے پوری طرح کوشاں ہیں۔ انکی بساط تو اتنی ہی ہے کہ جب ملک الموت اپنی جماعت کے ساتھ جان نکالنے کیلئے آئیگا تو سارا نشہ ہرن ہو جائیگا۔ سروں کو جھکا دینگے اور کہینگے خدارا ہم پر اتنی سختی نہ کرو اور غصہ سے اس طرح گھور گھور کر ہماری طرف نہ دیکھو ہم ان خشمناک نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتے ہم تو ساری عمر خدا کے فرمانبردار رہے ہیں ہماری کیا مجال تھی کہ ہم نافرمانی کرتے۔ فرشتے جواب میں کہینگے اب کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ تمہاری نافرمانیاں محتاج بیان نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔ القوا السلم ای استسلموا وانقادوا۔ سرِ تسلیم خم کرینگے۔ غرور و نخوت سے اکڑی ہوئی گردن جھک جائے گی۔

الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ

قبض کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ تب وہ سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے کہتے ہیں ہم تو کوئی بُرا کام نہیں کیا

سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ

کرتے تھے (اہل علم جواب دیں گے) نہیں نہیں (تم بڑے بدکار تھے) بیشک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو (بُرے) کام تم کیا کرتے تھے ۳۸ (اے بدکارو!) پس داخل ہو جاؤ

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ

جہنم کے دروازوں سے تمھیں ہمیشہ رہنا ہو گا وہاں بیشک بُرا ٹھکانا ہے غرور و تکبر کرنے والوں کے لیے اور (یونہی) پوچھا

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

گیا ان سے جو متقی تھے ۳۹ کہ وہ کیا ہے جو اُتارا تمھارے رب نے؟ انھوں نے کہا (سراپا) خیر! جنھوں نے اچھے کام کیے ۴۰ ان کے

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ

اس دُنیا میں بھی ان کے لیے بھلائی ہے، اور آخرت کا گھر بھی (ان کے لیے) بہتر ہے اور بہت ہی عمدہ ہے

۳۸ جان نکالتے وقت ہی انھیں آگاہ کر دیا جائیگا کہ تمھاری قبر جہنم کا گڑھا ہے جاؤ اس میں داخل ہو جاؤ۔

۳۹ گرد و نواح سے مختلف نمائندے جو مکہ میں تحقیق احوال کے لیے آیا کرتے اُن کی ملاقات اگر کسی کافر سے ہوتی تو وہ جو جواب دیتا اس کا ذکر سابقہ آیات میں گزر چکا ہے اور اگر خوش قسمتی سے ان کی ملاقات کسی مومن سے ہو جاتی اور وہ اس سے اس کتاب کے متعلق دریافت کرتے تو وہ فوراً جواب دیتا خیرا یعنی جو کلام ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا ہے وہ تو سراپا خیر و برکت ہے اس میں دُنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ہے۔

۴۰ یا تو خیرا پر اس مومن کا جواب ختم ہو گیا اور للذین احسنوا سے نیا کلام شروع ہوا یا یہ بھی جواب کا حصہ ہے یعنی یہ کتاب جو اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوئی ہے اس نے ہمیں یہ سمجھایا ہے کہ جو لوگ اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کر لیں گے ان کے لیے اس دنیوی زندگی میں بھی بہتری ہے۔ فتح و نصرت ان کے قدم چومے گی۔ سب نیک فطرت لوگ دل سے ان کی عزت و تکریم کریں گے اور جب وہ اطاعتِ الٰہی کو اپنا شعار بنا لیں گے تو ان پر مکاشفات، مشاہدات اور الطاف کے دروازے کھول دیئے جائیں گے فتح اللہ علیھم ابواب المکاشفات والمشاھدات والالطاف (کبیر) اور قیامت کے دن ان کی جو عزت افزائی کی جائیگی اس کا تو آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

پرہیزگاروں کا گھر۔ انکے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے نہریں

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ

ان کے لیے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جسکی وہ خواہش کریںگے۔ یوں بدلہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو۔ وہ متقی جن کی

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا

روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش بختے ہیں ۵۹ (اس وقت) فرشتے کہتے ہیں (اے نیک بختو!) سلامتی ہو تم پر ۶۰ داخل ہو جاؤ

الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ

جنت میں ان (نیک اعمال) کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ یہ (منکر) کس کے منتظر ہیں بجز اسکے کہ آجائیں انکے پاس (عذاب کے)

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

فرشتے ۶۱ یا آجائے آپ کے رب کا (نازل) حکم۔ یونہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان کے پیشرو تھے۔

۵۹ پہلے کفار اور منکرین کی وحشتناک موت کا ذکر کیا گیا تھا اب اہل ایمان وتقویٰ کی موت کا ذکر ہو رہا ہے یعنی جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے تو انھیں ذرا گھبراہٹ نہیں ہوگی بلکہ شاداں وفرحاں اس دنیا سے روانہ ہوں گے ان کے لیے موت آج وصال یار کا مژدہ لے کر آئی ہے جس جمال جاں افروز کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے وہ بیتاب رہا کرتے تھے آج وہ جلوہ نمائی کرنے والا ہے طیبۃ نفوسھم بالرجوع الی اللہ۔

۶۰ فرشتے اس وقت انھیں سلام کہیں گے جب ملک الموت ان کے پاس آتا ہے تو کہتا ہے السلام علیک ولی اللہ اللہ یقرأ علیک السلام اے اللہ کے ولی! تم پر سلامتی ہو اللہ تعالیٰ بھی تمھیں سلام فرماتا ہے کتنا خوش بخت ہے وہ انسان جو یہاں سے جب رخت سفر باندھ رہا ہو تو رحمت کے فرشتے اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہوتے ہوں اور اس پر رحمت کے پھول نثار کر رہے ہوں۔

۶۱ یعنی روشن دلائل نے شک وشبہ کی ساری تاریکیوں کا خاتمہ کر دیا۔ آفتاب ہدایت جگمگا رہا ہے یہ لوگ پھر کیوں ایمان نہیں لا رہے کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ موت کا فرشتہ آئے اور ان کی روح نکال کرلے جائے یا عذاب الٰہی اترے اور ان کو خاک سیاہ بنا کے رکھ دے۔ کتنے نادان ہیں یہ لوگ جواب بھی ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور نہیں زیادتی کی تھی ان پر اللہ تعالیٰ نے بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر زیادتی کیا کرتے تھے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

پس لگی انھیں سزا ان کے برے اعمال کی اور گھیر لیا انھیں اس عذاب نے جس کا وہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا

مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہنے لگے وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا کہ اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ہم عبادت نہ کرتے

مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ

اس کے سوا کسی اور چیز کی [۴۲] نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے اس کے حکم کے بغیر

مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى

کسی چیز کو ایسی ہی (بے سروپا) باتیں کیا کرتے تھے ان کے پیشرو (اے سننے والے!) کیا

[۴۲] جب کفار توحید کے روشن دلائل کے سامنے لاجواب ہو گئے اور ان بتوں کو خدا ماننے کی کوئی توجیہ پیش نہ کر سکے تو آخر کار انھوں نے اس شبہ کا سہارا لیا کہ تم جو کہتے ہو کہ میرا خدا قادر مطلق ہے وہ جو چاہتا ہے وہ چشم زدن میں ہو جاتا ہے اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ شرک کرنے سے وہ ناراض ہو جاتا ہے۔ اس کی حلال چیزوں کو حرام بنا لیا جائے تو وہ اس کو ناپسند کرتا ہے تو پھر وہ ہمیں شرک سے باز کیوں نہیں رکھتا۔ آج تک ہم بھی اور ہمارے آباؤ اجداد بھی شرک کرتے رہے تو اس نے ہم کو شرک کرنے کی طاقت سے محروم کیوں نہ کر دیا اور کیوں ہمیں مجبور کر دیا کہ ہم اس کی توحید کا اعتراف کریں۔ اس کا جواب یا کہ یہ بیہودہ بات تمہاری ایجاد کردہ نہیں بلکہ تمہارے پیشرو بھی جب توحید کے دلائل کے سامنے لاجواب ہو جاتے تو وہ بھی اسی شبہ کی آڑ لیا کرتے۔ انھوں نے بھی رضا اور مشیت کو لازم ملزوم سمجھ کر ٹھوکر کھائی تھی اور تم بھی اسی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہو۔ ومبنی الشبهتين ان الرضا يلازم المشية وليس كذالك (مظہری) بیشک اگر وہ چاہتا تو تمہیں مجبور کر دیتا کہ تم اس کی توحید کو قبول کرو لیکن اس طرح ایک گدھے میں اور ایک انسان میں کوئی امتیاز باقی نہ رہتا۔ انسان کو دوسری مخلوق پر جو شرف بخشا گیا ہے اس کی وجہ یہی تو ہے کہ وہ اپنی راہ منتخب کرنے میں آزاد ہے۔ اسے حق و باطل سمجھا دیا جاتا ہے۔ اسے ہدایت و گمراہی کی راہیں بتا دی جاتی ہیں اور پھر اسے کہہ دیا جاتا ہے کہ ان دو راہوں میں سے جس راہ کو چاہے اختیار کرے۔ انبیاء کرام کی بعثت کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ حق و باطل کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیں کسی کو راہ ہدایت پر چلنے کے لیے مجبور کرنا یہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔

الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا

سو کیا رسولوں کے ذمہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہے کہ وہ صاف طور پر (حکم الٰہی) پہنچا دیں۔ اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (اس حکم کے ساتھ) جو انہیں یہ تعلیم دے)

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى

کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے

اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۚ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

ہدایت دی ۳۷ اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جس پر گمراہی مسلط ہو گئی۔ پس سیر و سیاحت کرو زمین میں

۳۶ اے نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نبی بن کر آئے کوئی اجنبا نہیں ہے آپ سے پہلے بھی انبیاء تشریف لائے اور انھوں نے آکر لوگوں کو یہی دعوت دی کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور گمراہی وضلالت کے سرغنوں سے دور رہو اسی میں تمہاری سلامتی ہے اور یہی فلاح کی راہ ہے۔ طاغوت طغیان سے ہے جس کا معنی سرکشی ہے۔ اب اس کا اطلاق گمراہی وضلالت کے ہر سرغنہ پر ہوتا ہے کل راس فی الضلالۃ (قرطبی) شیطان، کاہن، بت سبھی کو طاغوت کہا جاتا ہے۔

۳۷ انبیاء کی آمد کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرما دی اور بعض کے مقدر میں گمراہی لکھ دی۔ یہ امتیازی سلوک کیوں روا رکھا گیا۔ بعض کو ہدایت کیوں دی گئی اور بعض کو گمراہ کیوں کر دیا گیا۔ اس کے متعلق بنیادی چیز یہ ہے کہ ہدایت دینا یا گمراہ کرنا محض اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لیکن اس نے ہدایت دینے یا گمراہ کرنے کیلئے ایک اصول مقرر فرمایا ہے جب انبیاء اپنی قوم کو پیغام ہدایت سناتے ہیں اور انھیں ان کی غلط روی پر ٹوکتے ہیں تو ساری قوم کا ردعمل یکساں نہیں ہوتا بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے نبی کی دعوت پر غور کرتے ہیں اور اپنے عقائد و اعمال کو عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جب ان کا بطلان آشکارا ہو جاتا ہے تو وہ ان سے دست کش ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نور ہدایت سے منور کر دیتا ہے۔ قرآن کریم میں کئی مرتبہ اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے ارشاد ہے یھدی الیہ من اناب (رعد: ۲۷) اللہ تعالیٰ اپنی طرف اس شخص کی رہنمائی کرتا ہے جو دل سے رجوع کرے دوسری جگہ ہے ویھدی الیہ من ینیب (شوریٰ) اور بعض دوسرے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو انبیاء کی دعوت کو لائق اعتنا ہی نہیں سمجھتے ان کے اخلاص و ایثار کا مذاق اڑاتے ہیں حق کی روشن دلیلیں دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں ایسے لوگوں کے مقدر میں گمراہی لکھ دی جاتی ہے اس حقیقت کو بھی قرآن پاک نے بارہا وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ارشاد ہے ویضل اللہ الظالمین جو ظلم کی روش اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں گمراہ کر دیتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے کہ جس کے دل میں ہدایت کی طلب پیدا ہوتی ہے اُسے ہدایت کا انعام بخشا جاتا ہے اور جو دانستہ حق کا انکار کرے اور پیغام ہدایت کو سمجھنے کے بعد بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو اسے گمراہ کر دیا جاتا ہے۔

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٦﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى

اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کس قدر عبرتناک تھا انجام (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا ۳۵ (اے حبیب!) آپ خواہ کتنے ہی حریص ہوں انکے

هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

ہدایت یافتہ بننے پر ۳۶ تو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا جنھیں وہ (پیہم سرکشی کے باعث) گمراہ کر دیتا ہے اور نہیں انکے لیے

نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ

کوئی مدد کرنے والا۔ اور بڑی شد و مد سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں ۳۷ کہ (دوبارہ) زندہ نہیں کریگا اللہ تعالیٰ جو (ایکبار)

يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ ۙ

مر جاتا ہے۔ ہاں ضرور زندہ کریگا یہ اس کا وعدہ ہے اس پر لازم ہے اسکو پورا کرنا لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے (وہ انھیں دوبارہ)

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

زندہ کریگا) تاکہ واضح کردے ان پر وہ بات جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اور تاکہ خوب جان لیں کافر

۳۵ فرمایا مکذبین یعنی جو لوگ ہمارے رسولوں کی تکذیب کرتے رہے ہمارے کلام کو جھٹلاتے رہے اور معجزات کو سحر و نظر بندی کہتے رہے ان کو آخر کار تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔ تم مختلف ملکوں کی سیر و سیاحت کرو ان کے اجڑے ہوئے شہروں اور ویران کھنڈروں سے ان کی بربادی کی داستان سن لو۔

۳۶ اے محبوب! آپ کی انتہائی دلی خواہش کے باوجود وہ لوگ اب ہدایت قبول نہیں کر سکتے۔ جن کی پیہم سرکشیوں کی وجہ سے نور حق دیکھنے والی آنکھ ہی اندھی ہو گئی ہے۔

۳۷ کفار بڑے وثوق سے کہتے قیامت ہرگز نہیں آئے گی اور اس پر اللہ تعالیٰ کی قسمیں بھی اٹھاتے۔ انھیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ سراسر تمہاری غلط فہمی ہے۔ قیامت ضرور آئے گی اور تمہیں تمہاری قبروں سے ضرور اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ یہاں اس کی کئی دلیلیں ذکر کی گئیں۔ پہلی دلیل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت آئے گی اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے نیز حکمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قیامت برپا ہو اس دنیا میں تو ہر فرقہ اور ہر شخص اس بات کا مدعی ہے کہ حق پر صرف وہی ہے یہاں تک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں یا سینکڑوں من گھڑت بتوں کو اسکا شریک ٹھہراتے ہیں وہ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ حق کے اجارہ دار صرف وہی ہیں دنیا میں تو اس کا تصفیہ ہو نہیں سکتا اس لیے کوئی ایسا دن ضرور آنا چاہیے جب کہ حق و باطل میں کامل امتیاز ہو جائے یہاں تک کہ باطل کے علم بردار بھی تسلیم کر لیں کہ حق وہ ہے جو نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے غلاموں نے اختیار کیا۔ ولیعلم سے تیسری دلیل بیان فرما دی کہ کافروں کو بھی یقین ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے اور جس نظام

اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ

کہ بلاشبہ وہی جھوٹے تھے۔ ہمارا فرمان کسی چیز کے لیے جب ہم ارادہ کرتے ہیں اس (کے پیدا کرنے) کا صرف اتنا ہے کہ

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا

ہم اسے حکم دیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے ﴿۵۵﴾ اور جنھوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر (طرح طرح کے)

ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ

ظلم توڑے گئے تو ہم ضرور ان کو دنیا میں بھی بہتر ٹھکانا دیں گے ﴿۵۶﴾ اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

ہے کاش! یہ جان لیتے جنھوں نے (مصائب میں) صبر کیا اور (مشکلات میں) اب بھی اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

حیات کو وہ اپنائے رہے وہ سراسر باطل تھا۔

﴿۵۵﴾ کفار وقوع قیامت کے اس لیے منکر تھے کہ ان کے نزدیک ایسا ہونا ناممکن ہے انھیں بتا دیا گیا کہ قیامت برپا کرنے والا ان جیسا کوئی انسان نہیں ہے جس کا علم بھی ادھورا ہو اور قدرت بھی ناقص ہو بلکہ قیامت کا وقوع اس خداوند ذوالجلال کے حکم سے ہوگا جو ہر چیز پر قادر ہے اس کے کن کہنے کی دیر ہوتی ہے کہ ہر چیز موجود ہو جاتی ہے۔ آیت میں شیئ سے مراد وہ چیز ہے جس کا موجود ہونا علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے ورنہ ابھی تک بظاہر موجود نہیں قال بن الانباری اوقع لفظ الشیئ علی المعلوم عند اللہ قبل الخلق (قرطبی)

﴿۵۶﴾ منکرین قیامت کے ذکر کے بعد اب فرزندان اسلام کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو ہم پر ایمان لانے کے جرم کی پاداش میں قوم کے ظلم وستم کا نشانہ بنے یہاں تک کہ انھیں ان کے گھروں سے بھی نکال دیا گیا۔ ہم ان کی اس قربانی اور ایثار کو رائیگاں نہیں جانے دینگے۔ بلکہ اس دنیا میں بھی انھیں بہترین رہائش گاہ ملے گی۔ مدینہ طیبہ جیسی پاک بستی ان کا مسکن ہوگا۔ فتح ونصرت ان پر سایہ فگن ہوگی۔ یہی ظالم مغلوب ومقہور ہو کر ان کے سامنے پیش ہونگے۔ رہتی دنیا تک انکی للہیت و ایثار اور جانفروشی کے تذکرے ہوتے رہیں گے۔ حلال وپاکیزہ رزق انھیں عطا فرمایا جائے گا۔ اس کے علاوہ دار آخرت میں ان کی جو عزت افزائیاں اور پذیرائیاں ہونگی ان کا تو یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب کسی مہاجر کو اس کا سالانہ وظیفہ دیتے تو فرماتے خذ بارك الله فيه هذا ما وعدك الله في الدنيا وما ذخرلك في الآخرة افضل ثم تلا هذه الآية یعنی یہ لو اللہ تعالیٰ اسے بابرکت کرے۔ یہ تو وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تجھ سے دنیا میں دینے کا وعدہ کیا ہے اور جو چیز تمھیں آخرت میں دی جائے گی وہ تو اس سے بہت افضل ہے پھر آپ یہ آیت پڑھتے۔

ع ۵

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے (رسول بناکر) مگر مردوں کو۳۲ ہم وحی بھیجتے ہیں انکی طرف پس دریافت کرلو اہل

الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

علم سے اگر تم خود نہیں جانتے (پہلے رسولوں کو بھی ہم نے) روشن نشانیاں اور کتابیں دیکر بھیجا ۳۳ اور اسی طرح ہم نے نازل کیا آپ پر

الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴

یہ ذکر تاکہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لیے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ ۳۴

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ

کیا بےخوف (اور نڈر) ہو گئے وہ لوگ جنھوں نے بُرے مکر کیے کہ مبادا گاڑ دے اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں

۳۲ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم نہیں کرتے تھے اور دلیل یہ پیش کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی بشر کو اپنا رسول بنا کر بھیجے۔ اگر اسے کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو اس کے پاس فرشتوں کی کیا کمی تھی۔ کسی فرشتہ کو ہی رسول بنا کر بھیج دیتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ہمارا تو یہی دستور ہے کہ جب ہم انسانوں کی طرف کوئی نبی بھیجتے ہیں تو انھیں میں سے کسی مرد کو اس خدمت پر مامور فرماتے ہیں۔ آپ کوئی پہلے نبی تو نہیں۔ آپ سے پہلے بھی ہمارے انبیاء تشریف لائے اور وہ سب کے سب نوع انسانی کے فرد تھے۔ اے کفار اگر تم اس مسئلہ کی مزید تحقیق کرنا چاہو تو کسی صاحب علم سے پوچھ لو وہ تمھیں بتائے گا کہ نبی کی بعثت کا مقصد افہام و تفہیم ہے اور یہ مقصد تب ہی پورا ہو سکتا ہے جب کہ نبی بھی انسان ہو۔ ایک فرشتہ پیغام عذاب لے کر آ سکتا ہے لیکن نبی کے فرائض کو انجام دینا اسکے بس میں نہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو اگر کسی چیز کا علم نہ ہو تو وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے۔

۳۳ یہ ارسلنا کے ساتھ متعلق ہے کہ جو انبیاء بھیجے گئے انھیں دلائل سے بھی مؤید کیا گیا اور انھیں کتاب بھی دی گئی۔ زُبُر کا واحد زبور ہے اس کا معنی کتاب ہے۔

۳۴ اس آیت طیبہ سے واضح ہوا کہ ہمارے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت کے اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کا صحیح علم اپنے رسول کو عطا فرمایا اور اس کے معانی و مطالب کے بیان، اس کے اجمال کی تفصیل اور اوامر و نواہی کی وضاحت کا منصب فقط اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تفویض کیا اس لیے قرآن کریم کی جو تفسیر و تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمائی وہی قابل اعتماد ہے۔ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے فہم و خرد پر بھروسہ کر کے کسی آیت کی ایسی تاویل کرے جو ارشاد رسالتمآب کے خلاف ہو۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ فالرسول صلی اللہ علیہ وسلم مبین عن

اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٤٥ اَوْ يَاْخُذَهُمْ

یا آجائے اُن پر عذاب اس طرح کہ (ان کو اس کی آمد کا) شعور ہی نہ ہو ٦٣ یا پکڑ لے انھیں جب وہ

فِىْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝٤٦ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ

(اپنے کاروبار میں) دوڑ دھوپ کر رہے ہوں پس نہیں وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے یا پکڑ لے انھیں جبکہ وہ خوف زدہ ہو چکے ہوں ٦٤

اللہ عزوجل مراده ومما اجمله فی کتابه من احکام الصلوٰة والزکوٰة وغیر ذلک مما لم یفصله۔

٦٣ یہ کفار جو اسلام اور داعیٔ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں اتنے مصروف ہیں کہ انھیں اپنے تن بدن کا ہوش نہیں۔ یہ اتنے مطمئن اور غافل کیوں ہیں کیا انھیں یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ اگر ان کی سرکشیوں اور بداعمالیوں کے باعث غضب الٰہی جوش میں آگیا تو انھیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ زمین شق ہو اور یہ اس میں غرق کر دیے جائیں۔ یا جب وہ بڑے اطمینان سے دادِ عیش دے رہے ہوں اور رنگ رلیاں منا رہے ہوں۔ تو انھیں تہس نہس کر دیا جائے۔ کیا وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اگر عذاب الٰہی آیا تو وہ کوئی ایسا گوشۂ عافیت تلاش کر لیں گے جہاں وہ محفوظ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ سراسر ان کی نادانی ہے۔ انھیں خدا کے عذاب سے اتنا بے پرواہ اور غافل نہیں ہونا چاہیے۔

٦٤ تخوّف کا ایک معنی تو یہ ہے کہ پہلے عذاب کی نشانیاں نمودار ہوں جس سے وہ خوف زدہ ہو جائیں اور پھر ان پر عذاب آئے جو ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے۔ اس کے علاوہ اس کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ تخوف کا معنی تنقّص ہے یعنی پہلے انھیں کاروبار میں نقصان ہوتا ہے کھیتی باڑی سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ پیداوار گھٹنی شروع ہو جاتی ہے۔ صحت بگڑنے لگتی ہے۔ تندرست و توانا جسم گھل کر لاغر و نحیف ہو جاتا ہے۔ اس طرح جب ان کی معیشت اور زندگی کا تانا بانا کھوکھلا ہو جاتا ہے تو اچانک عذاب الٰہی کا طوفان آتا ہے اور انہیں جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیتا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق اعظم منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا اے لوگو! اویاخذھم علی تخوف کا کیا مطلب ہے۔ سب خاموش ہو گئے۔ بنی ہذیل کا ایک بوڑھا اٹھا اور اس نے عرض کی اے امیر المومنین! یہ ہماری لغت ہے یہاں التخوف کا معنی التنقص ہے یعنی آہستہ آہستہ کسی چیز کا گھٹتے چلے جانا۔ آپ نے پوچھا کیا یہ لفظ اس معنی میں عرب کے شعراء نے بھی استعمال کیا ہے۔ وہ بولا جی ہاں ہمارا شاعر ابو کبیر ہذلی اپنی اونٹنی کے متعلق کہتا ہے جس کی اونچی کوہان کو سفر کی طوالت نے لاغر کر دیا تھا ؎

تخوف الرحل منها تامكا قردا ✕ كما تخوف عود النبعة السفن

کہ کجاوے نے میری اونٹنی کی موٹی تازہ اونچی کوہان کو گھسا کر کم کر دیا ہے۔ جس طرح نبعہ درخت کی لکڑی کو گھسانے والا آلہ گھسا کر چھوٹا کر دیتا ہے۔ یہ شعر سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ لوگو جاہلیت کے اشعار یاد کیا کرو۔ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی ہیں۔ (قرطبی)

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ

پس بیشک تمھارا رب بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے ف کیا انھوں نے نہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ف

شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ الشَّمَآىِٕلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ

کہ ڈھلتے رہتے ہیں ان کے سائے دائیں سے (بائیں طرف) اور بائیں سے (دائیں طرف) سجدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اس حال میں

دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ

کہ وہ اظہار عجز کر رہے ہیں ف اور اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے ف

ف یعنی تمھیں اتنی ڈھیل جو دی جا رہی ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ درست ہے یا تمھارا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ وہ تمھیں مہلت دے رہا ہے۔ شاید تم باز آجاؤ۔ شاید تم سمجھ جاؤ۔

ف یعنی تمام وہ چیزیں جن کو تم بے جان اور بے شعور سمجھتے ہو وہ تو اپنے رب کے حضور میں سجدہ ریز ہیں۔ حیرت ہے تم پر کہ زیرک اور باشعور ہوتے ہوئے تم اپنے رب کی نافرمانی میں مست ہو۔ یہاں چند الفاظ غور طلب ہیں۔ یمین کو واحد اور شمائل کو جمع کیوں ذکر کیا گیا؟ دونوں واحد ہوتے یا دونوں جمع ہوتے نیز ظلالہ کی ضمیر کا مرجع "ما" ہے اور یہاں ضمیر واحد ہے اور سُجَّدًا اسی "ما" کا حال ہے۔ لیکن وہ جمع ہے اور ھم ضمیر کا مرجع بھی "ما" ہے اور وہ بھی جمع ہے۔ آخر اس اختلاف کی کیا وجہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "ما" کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک اس کا لفظ ہے دوسرا اس کا معنی اور مدلول ہے۔ لفظ کے اعتبار سے یہ واحد ہے اور معنی اور مدلول کے اعتبار سے یہ جمع ہے ظلالہ کی ضمیر کا مرجع "ما" کا لفظ ہے اس لیے ضمیر واحد ذکر ہوئی اور سُجَّدًا کا ذوالحال اور ھُمْ کا مرجع اس کا لفظ نہیں بلکہ اس کا معنی اور مدلول ہے اور وہ جمع ہے اس لیے یہاں حال بھی جمع اور ضمیر بھی جمع کی استعمال ہوئی۔ اسی طرح یمین کو واحد کرتے وقت "ما" کے لفظ کا لحاظ کیا اور شمائل کے وقت اس کے معنی کو پیش نظر رکھ کر جمع کا لفظ استعمال کیا اور علامہ قرطبی نے یہ لکھا ہے کہ عن الایمان والشمائل (جب دونوں جمع) عن الیمین والشمائل (پہلا واحد اور دوسرا جمع) عن الیمین والشمال (دونوں واحد) الایمان والشمال (پہلا جمع دوسرا واحد) یہ ساری ترکیبیں درست ہیں اور اہل زبان انکو اس طرح استعمال کرتے ہیں۔ (قرطبی)

ف الدخور الصغار والذل عاجزی اور درماندگی۔

ف یعنی بے شعور اور بے جان سائے ہی اسکے سامنے سجدہ ریز نہیں بلکہ آسمان اور زمین کی ہر چیز بلا استثناء اس کی بندگی کا حلقہ کانوں میں لٹکائے اور اس کی عبودیت کا طوق اپنے گلے میں ڈالے اس کی بارگاہ صمدیت میں سربسجود ہے اور ملائکہ کی اطاعت کا تو یہ عالم ہے کہ وہاں تکبر و سرکشی کا شائبہ تک نہیں۔

مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ

یعنی ہر قسم کے جاندار اور فرشتے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے۔ ڈرتے ہیں اپنے

رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَقَالَ

رب کی قدرت سے [۹۵] اور کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ

نے فرمایا نہ بناؤ دو خدا [۹۶] وہ تو صرف ایک ہی خدا ہے (اس نے فرمایا)

فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ

پس فقط مجھ سے ہی ڈرا کرو اور اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے [۹۷] اور اسی کی تابعداری اور اطاعت

وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

لازمی ہے [۹۸] تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا غیروں سے ڈرتے ہو۔ اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں

[۹۵] علامہ قرطبی اس آیت کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ یخافون قدرۃ ربھم التی ھی فوق قدرتھم ففی الکلام حذف یعنی وہ اپنے رب کی قدرت سے خائف ہیں جو ان کی قوت سے بالا اور ارفع ہے۔ اس کلام میں یہ الفاظ محذوف ہیں اس کا دوسرا مطلب انہوں نے یہ لکھا ہے کہ یخافون عقاب ربھم وعذابہ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب و عتاب سے ڈرتے ہیں جو اوپر سے نازل ہوتا ہے۔

[۹۶] دو خداؤں کی نفی سے تعدد کی نفی مطلوب ہے۔ یعنی وہ ایک ہی ہے دو نہیں اور جب دو نہیں جو کثرت اور تعداد کا ادنیٰ درجہ ہے تو اس سے زیادہ کیسے ہو سکتے ہیں توحید الٰہی کے روشن دلائل سن لینے کے بعد کسی دوسرے کو خدا سمجھنا انتہائی حماقت ہے چہ جائیکہ سینکڑوں معبود گھڑ لیے جائیں اور ان کی پوجا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو واقعی اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔

[۹۷] ہر چیز اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی مملوک ہے اس کا شریک تو وہ ہو جس کو اس نے پیدا نہ کیا ہو اس کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرانا اور اس کا مدمقابل ماننا یہ تو الٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔

[۹۸] دین سے مراد اطاعت و اخلاص ہے۔ واصبا کا معنی ہمیشہ ہے جب کوئی شخص کسی کام کو ہمیشہ پابندی سے کرے تو کہتے ہیں وصب الرجل علی الامر اذا واظب علیہ (قرطبی) معنی یہ ہے کہ اسی کی اطاعت فرمانبرداری ہر شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازم ہے۔

ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ﴿٥٣﴾ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ

پھر جب تمھیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب میں گڑگڑاتے ہو ۶۳۔ پھر جب اللہ تعالیٰ دور فرما دیتا ہے تکلیف کو

عَنْكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا

تم سے تو فوراً ایک گروہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے ۶۴۔ اس طرح وہ ناشکری کرتے ہیں

آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾ وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ

ان نعمتوں کی جو ہم نے انھیں عطا کی ہیں۔ پس (اے ناشکرو) لطف اٹھا لو چند روز ۶۵ تمھیں (اپنا انجام) معلوم ہو جائیگا اور مقرر کرتے ہیں انکے لیے

نَصِيبًا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۗ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿٥٦﴾

جنکو جانتے ہی نہیں حصہ اس مال سے جو ہم نے انکو دیا ۶۶۔ خدا کی قسم! تم سے ضرور باز پرس ہوگی اسکے متعلق جو تم بہتان باندھا کرتے ہو۔

۶۳؎ عجیب بات ہے کہ جن نعمتوں سے تم لطف اندوز ہو رہے ہو اور فائدہ اٹھا رہے ہو وہ تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم ہر دم اس کا شکریہ ادا کرتے رہتے لیکن تم اکڑ جاتے ہو اور نافرمان بن جاتے ہو تمھیں وہ کریم یاد ہی نہیں رہتا لیکن جب چاروں طرف سے مصیبتیں گھیرا تنگ کر لیتی ہیں تو ہر طرف سے مایوس ہو کر پھر اسی کے حضور گڑگڑانا شروع کر دیتے ہو بات تو تب تھی کہ اب بھی اکڑے رہتے اور اس کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوتے تجأرون جأر جؤارا ای صاح یعنی چیخنا چلانا جأر الرجل الی اللہ ای تضرع بالدعاء تجأرون کا معنی رونا اور گڑگڑانا۔

۶۴؎ جب وہ تمھاری فریاد کو قبول کرتا ہے اور تمھارے گڑگڑانے پر رحم فرما کر تمھاری مصیبتوں کو دور کر دیتا ہے تو پھر اس سے منہ موڑ لیتے ہو اور شرک کرنے لگتے ہو۔

۶۵؎ انھیں دھمکی دی جا رہی ہے اور کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے غائب کی بجائے خطاب کا صیغہ استعمال فرمایا جا رہا ہے کہ نابکارو! احسان فراموشو! چند روز مزے اڑا لو۔ ابھی تمھیں اپنی خیریت معلوم ہو جائیگی ہم سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے۔

۶۶؎ لا یعلمون کا فاعل بت بھی بن سکتے ہیں اور کفار بھی پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کفار اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے ان بتوں کے لیے حصہ مقرر کرتے ہیں جو کچھ نہیں جانتے نہ انھیں اس حصہ کی خبر ہوتی ہے اور نہ حصہ دینے والوں کا علم ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں آیت کا معنی ہوگا کہ کفار ان بتوں کے لیے حصہ مقرر کرتے ہیں جن کی حقیقت کا انھیں علم نہیں۔ یہ انھیں اپنا معبود اور الٰہ یقین کرتے ہیں حالانکہ وہ بے بس اور بے جان مجسمے ہیں نیز وہ ان کو اپنا نافع خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے چہ جائیکہ کسی غیر کو کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔ اس آیت کا مفصل مضمون سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے (الانعام آیت ۱۳۶) ملاحظہ ہو۔

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ ۙ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا

اور تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں سبحان اللہ! ۵۷ اور انکے لیے تو وہ (بیٹے) ہیں جنھیں وہ پسند کرتے ہیں اور جب

بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾

اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی تو (فرط غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے ۵۸ اور وہ (رنج و اندوہ سے) بھر جاتا ہے۔

يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ

چھپتا پھرتا ہے لوگوں (کی نظروں) سے اس بری خبر کے باعث جو دی گئی ہے اسے (اب یہ سوچتا ہے کہ) کیا وہ اس

۵۷؎ خزاعہ اور کنانہ کے قبیلوں کا یہ اعتقاد تھا کہ فرشتے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ سبحانہ سے اس کی تردید کر دی گئی کہ وہ اولاد سے پاک ہے۔ اُسے نہ بیٹے کی ضرورت ہے اور نہ بیٹی کی۔ لیکن ان کے اس عقیدہ کی قباحت کو ایک اور طرح سے بھی واضح کر دیا کہ بھلے مانسو! اپنے لیے تو تم ایک بیٹی بھی پسند نہیں کرتے خود تو چاہتے ہو کہ تمہارے بیٹے ہی بیٹے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے حصہ میں تم نے سب بیٹیاں ہی ڈال دی ہیں۔ کیا حماقت ہے کتنی کم فہمی ہے۔

۵۸؎ کفار کی یہی حالت تھی جب ان کے ہاں بچی پیدا ہوتی تو گھر میں صفِ ماتم بچھ جاتی۔ باپ کا چہرہ فرطِ غم سے سیاہ پڑ جاتا۔ عار اور شرم کے مارے وہ لوگوں کی نظروں سے چھپا چھپا رہتا۔ مضر، خزاعہ اور تمیم کے قبائل تو اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تاکہ کوئی ایسا آدمی انکا رشتہ طلب نہ کرے جو ان کی کفو سے نہ ہو یا وہ فقر و افلاس سے خستہ حال نہ ہوں۔ ان کا یہ دستور تھا کہ جب بچی کی عمر چھ سال ہو جاتی تو باپ جنگل میں جا کر اس کے لیے ایک گہرا گڑھا کھودوا آتا پھر بچی کی ماں کو حکم دیتا کہ اسے غسل کراؤ اور خوبصورت جوڑا پہناؤ پھر وہ اسے لے کر جنگل کی طرف چل پڑتا۔ اس گڑھے کے کنارے پر اپنے لختِ جگر کو کھڑا کر کے کہتا۔ دیکھو نیچے کیا ہے۔ جب وہ جھکتی تو اُسے دھکا دے کر اس میں گرا دیتا وہ معصوم ابا ابا کہہ کر چلاتی رہتی اور وہ سنگدل منوں مٹی اس پر ڈال کر دفن کر دیتا۔ اس طرح صنفِ نازک کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا جاتا معصوم بچیوں کا گلا گھونٹ دیا جاتا اور کوئی ان کی دلدوز چیخوں پر توجہ نہ دیتا۔ یہ تو اسلام کی برکت تھی اور حضورؐ کی پاکیزہ تعلیم تھی جس نے عورت کو بلند مقام پر فائز کیا اور بچیوں کے لیے والدین کے دل میں محبت، شفقت اور فدائیت کے جذبات کی تخم ریزی کی۔ حضورؐ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ قال النبی من ابتلی من البنات بشیئ فاحسن الیہن کن لہ سترا من النار۔ یعنی جس آدمی کے ہاں بچیاں پیدا ہوئیں اور اس نے ان کے ساتھ احسان کا برتاؤ کیا تو وہ اس کے لیے عذابِ جہنم سے آڑ بن جائیگی۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے قال رسول اللہ ﷺ من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامۃ انا و ھو وضم اصابعہ یعنی جس نے دو بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں وہ قیامت کے دن آئیگا اور میں اور وہ اس طرح ہونگے۔ یہ فرماتے ہوئے حضورؐ نے اپنی انگلیوں کو ملایا اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ سے مروی ہے قال رسول اللہ ﷺ من کان لہ بنت فادبہا فاحسن

هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾

بھی کر اپنے پاس رکھے ذلت کے ساتھ یا گاڑ دے اسے مٹی میں آہ! کتنا برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں ۔ ۹۹

لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم

ان لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بری صفتیں ہیں نشہ اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ صفات کا مالک ہے لشہ اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اور اگر (فوراً) پکڑ لیا کرتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو انکے ظلم کے باعث

مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾

تو نہ چھوڑتا زمین پر کسی جاندار کو ۲ے لیکن وہ مہلت دیتا ہے انھیں ایک مقررہ میعاد تک۔ پس جب آجاتی ہے انکی (مقررہ) میعاد تو نہ وہ ایک لمحہ پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے ہو سکتے ہیں۔

ادبها وعلمها فاحسن تعليمها واسبغ عليها من نعم الله التي اسبغ عليه كانت له سترا او حجابا من النار یعنی جسکی ایک بچی ہوئی اور اس نے اسکی تربیت کی اور بڑے اہتمام سے اسے علم کے زیور سے آراستہ کیا اور جو مہربانیاں اللہ تعالیٰ نے اس پر کی ہیں وہ اس نے اپنی بیٹی پر بھی کیں تو وہ بچی آتش جہنم سے اسکے لیے پردہ ہوگی۔ (قرطبی)

۹۹ یعنی کفار کی یہ من گھڑت تقسیمیں کتنی بھونڈی اور ناروا ہیں۔

نشہ اس کا معنی صفة السوء یعنی بری صفت مقصد یہ ہے کہ افلاس کے خوف سے یا عار کے اندیشے سے اپنی معصوم بچیوں کو اس بیدردی سے گڑھے میں پھینک دینا کتنی بڑی سنگدلی اور حماقت ہے۔ کیا انھیں خبر نہیں کہ رازق اللہ تعالیٰ ہے تمھیں بھی اور تمھارے بچوں کو بھی اسی کے دستر خوان کرم سے غذا ملتی ہے تمھاری بچیوں کا بھی وہی رزق داتا ہے۔ ظالمو! حیوانات بھی اپنی اولاد پر جان چھڑکتے ہیں اور تم انسان ہو کر اتنی سنگدلی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

لشہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اعلیٰ اور عمدہ ہیں۔ نہ وہ تمھاری طرح اولاد کا محتاج ہے اور نہ وہ تمھاری طرح بے رحم اور سنگدل ہے۔ وجوب ذاتی، استغنا مطلق اور جملہ صفات کمال علم، قدرت، حکمت وغیرہا۔

۲ے لوگ جس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں عجلت سے کام لیتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ بھی اتنی جلد بازی سے کام لے کر ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیتا تو زندگی کا نام و نشان ہی کہیں باقی نہ ہوتا۔ یہ ساری دنیا اجاڑ اور ویران ہوتی لیکن وہ تو بڑا کریم ہے وہ ہمیشہ عفو و درگزر سے ہی کام لیتا ہے تم گناہ کرتے ہو وہ چشم پوشی فرماتا ہے تم غلطیاں کرتے ہو اور وہ معاف فرماتا ہے اور اس کی عفو و درگزر کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ

اور تجویز کرتے ہیں ۳۳ اللہ تعالیٰ کے لیے (بیٹیاں) جنھیں وہ (اپنے لیے) ناپسند کرتے ہیں اور بیان کرتی ہیں انکی زبانیں جھوٹ (یہ) کہ

لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ

ان کیلئے فقط انھیں کے لیے بھلائی ہے ۳۴ یقیناً ان کے لیے تو آتش (جہنم) ہے اور انھیں کو (دوزخ میں) پہلے بھیجا جائیگا بخدا ہم

لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

نے بھیجا ہے (رسولوں کو) مختلف قوموں کی طرف آپ سے پہلے پس آراستہ کر دیا انکے لیے شیطان نے انکے (برے) اعمال کو

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ

پس وہی ان کا دوست ہے آج بھی ۳۵ اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر

الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً

یہ کتاب مگر اس لیے کہ آپ صاف صاف بیان کر دیں انکے لیے وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور (یہ کتاب) سراپا ہدایت اور

جب تک وہ مقررہ وقت آجاتے اس کے بعد پھر کسی تقدیم و تاخیر کی گنجائش نہیں رہتی۔

۳۳ یعنی ان مشرکین کے ڈھنگ بھی نرالے ہیں جب یہ بزعم خود بٹائی کرتے ہیں تو جو ردی اور خسیس چیز ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہوتا ہے اور جو اچھی اور عمدہ چیز ہو لے وہ اپنے لیے چن لیتے ہیں بیٹیاں اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے ان کے لیے۔ کمزور اور لاغر جانور اللہ تعالیٰ کے نام کا اور موٹا تازہ ان کا اپنا۔ غرضیکہ اس قسم کی بیسیوں حماقتیں ہیں جو ان سے آئے دن سرزد ہوتی رہتی ہیں۔

۳۴ وہ کہتے ہیں اگر بفرض محال اس نبی کی بات سچی بھی ہوئی اور قیامت آ بھی گئی تو جنت ہمارے ہی حصہ میں آئے گی اور اس دن بھی دوزخ کے شعلے اور محرومیاں انھیں بے نواؤں کے لیے مخصوص کی جائینگی۔ جو آج اپنے آپ کو جنت کی نعمتوں کا واحد حقدار خیال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کم بخت جھوٹ بول رہے ہیں ان کے لیے تو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ ہے اس میں قیامت کے دن انھیں پھینک دیا جائیگا ان بدبختوں کو جنت اور نعیم جنت سے کیا واسطہ مفرطون کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں لیکن مجھے قتادہ کا قول زیادہ پسند ہے ای معجلون الی النار اور اسی کے مطابق میں نے ترجمہ کیا ہے۔

۳۵ دنیا میں وہ شیطان کے چیلے بنے رہے نہ انہوں نے اپنے خدا کو پہچانا اور نہ اس کے رسول کریم سے تعلق جوڑا۔ آج قیامت کے دن وہ جائیں اور ان کا پیشوا ابلیس اسے ہی جا کر کہیں وہ انھیں عذاب الٰہی سے چھڑائے۔

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ

رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایماندار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اس سے

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾

زمین کو اس کے بنجر بن جانے کے بعد۔ بیشک اس میں (کھلی) نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو (حق کی آواز) سنتے ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ

اور بیشک تمہارے لیے مویشیوں میں ایک عبرت ہے [۷۶] دیکھو ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے شکموں میں،

بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ

گوبر اور خون ہے ان کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو بہت خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لیے اور ہم پلاتے ہیں

۷۶ے اللہ تعالیٰ اپنی ایک اور نعمت جلیلہ یاد دلا کر اس میں غور کرنے کا ارشاد فرماتے ہیں۔ ایک بھینس جو خوراک کھاتی ہے وہ سب اس کے حلق سے اتر کر اس کے معدہ میں چلی جاتی ہے بعدہٗ ایک اور وہ عوامل بھی یکساں ہیں جو خوراک کو ہضم کے مختلف مرحلوں سے گزارتے ہیں لیکن اس کا کچھ حصہ گوبر بن جاتا ہے اور کچھ حصہ خون بن کر جسم کے تمام اعضاء میں پہنچ جاتا ہے اور اس تقسیم میں بھی یہ حکمت ملحوظ ہے کہ ہر عضو کو خون کی اتنی مقدار ہی بہم پہنچائی جاتی ہے جتنی اس کو ضرورت ہوتی ہے لیکن خون اور گوبر کے علاوہ وہیں ایک اور چیز بھی اس خوراک سے بنتی ہے۔ رنگ بو اور ذائقہ میں وہ ان دونوں چیزوں سے مختلف ہوتی ہے وہ ہے سفید دودھ۔ اب کوشش سے سونگھو کیا اس میں گوبر کی بو کا شائبہ بھی ہے غور سے دیکھو کیا اس میں خون کی ہلکی سی سرخی بھی دکھائی دیتی ہے۔ وہ کون ہے جو اس طرح کی چیزوں میں سے ایسی پاک اور صاف چیز کشید کرتا ہے اور وہ اتنی لذیذ اور خوش ذائقہ ہے کہ خود بخود حلق سے نیچے اترتی چلی جاتی ہے ہر چیز اپنے خالق کی حمد و ثنا میں مصروف ہے لیکن اے انسان تو ہی اتنا ناشکرا ہے کہ اپنے کریم پروردگار کو نہیں پہچانتا اور سرکشی پر ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔ آیت میں الانعام سے مراد دودھ دینے والے مویشی ہیں بطونہ کی ضمیر کا مرجع الانعام ہیں۔ قاعدے کے لحاظ سے تو یہ چاہیے تھا کہ فی بطونھا ہوتا کیونکہ الانعام جمع ہے لیکن علمائے نحو نے کہا ہے کہ لفظ انعام مفرد ہے سیبویہ نے اسے ان مفردات میں شمار کیا ہے جو افعال کے وزن پر آتے ہیں اگرچہ قوم' رھط کی طرح اس کا مدلول بھی جمع ہے اس لیے کبھی لفظ کا لحاظ رکھتے ہوئے ضمیر واحد کی اس کے لیے استعمال ہوتی ہے جیسے یہاں کبھی معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے مؤنث کی ضمیر استعمال ہوتی ہے جیسی سورہ مؤمنون میں ہے۔ فی بطونھا فالوجه ان لفظ الانعام لفظ مفرد وضع لافادة الجمع كالرهط والقوم فهو بحسب اللفظ لفظ مفرد فيكون ضميره ضمير الواحد وبحسب المعنى جمع فيكون ضميره ضمير الجمع وهو التانيث فلهذا السبب قال في سورة المؤمنين في بطونها۔ (رازی)

زجاج نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ انعام اسم جنس ہے اس کی طرف مؤنث و مذکر دونوں ضمیریں لوٹ سکتی ہیں۔ (قرطبی)

ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا

تمہیں) کھجور اور انگور کے پھلوں سے ۹۸ تم بناتے ہو اس سے میٹھا رس ۹۹ اور پاک رزق

حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۶۷ وَاَوْحٰى رَبُّكَ

بلاشبہ اس میں بھی (ہماری قدرت کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھدار ہیں۔ اور ڈال دی آپ کے رب نے شہد کی

اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَ

مکھی کے دل میں یہ بات کہ بنا ۱۰۰ گھر (اپنے چھتے) پہاڑوں میں اور درختوں (کی شاخوں) میں اور

۹۸ ہمیں جو نعمتیں حیوانات سے حاصل ہوتی تھیں ان میں سے چند ایک کا ذکر کرنے کے بعد اب بعض ان فوائد کا بیان فرمایا جارہا ہے جو ہم نباتات سے اٹھاتے ہیں۔ فرمایا ہم اپنی حکمت سے تمہیں دودھ بھی پلاتے ہیں اور پھلوں کا رس بھی۔ اس صورت میں یہ نسقیکم سے متعلق ہوگا بعض نے تتخذون سے بھی اسے متعلق کہا ہے۔ اس وقت منه کا تکرار تاکید کے لیے ہوگا۔

۹۹ "سکر" لغت میں شراب کو کہتے ہیں السکر فی اللغۃ الخمر (البحر) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی جبکہ مسلمان بھی اسے استعمال کیا کرتے تھے۔ اس لیے اس کو یہاں ذکر کیا گیا بعد میں حرمت خمر کا حکم نازل ہوا تو یہ آیت منسوخ ہوگئی لیکن دوسرے علماء نے کہا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کا ذکر فرما رہا ہے۔ ایسے مقام پر کسی پلید اور نجس چیز کا ذکر کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ ان کی رائے میں سکر سے مراد کھجور اور انگور کا میٹھا رس ہے جو حلال ہوتا ہے قیل السکر العصیر الحلو الحلال (بحر، قرطبی) اس طرح نسخ کرنے کی بھی ضرورت نہ رہے گی اور وہ شبہ بھی دور ہو جائیگا۔ ترجمہ اسی قول کے مطابق کیا گیا ہے۔

۱۰۰ کائنات کی بڑی بڑی چیزیں اپنے جمال و جلال اور اپنی نفع رسانی کی وجہ سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہتی ہیں لیکن عام طور پر چھوٹی چیزوں کو حقیر سمجھ کر لائق التفات خیال نہیں کیا جاتا۔ اور پھر مکھی جیسی چھوٹی سی چیز کے لیے کس کو فرصت ہے کہ اس میں سوچ بچار کرنے بیٹھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری حکمت و قدرت کے جلوے صرف پہاڑوں سمندروں کہکشاؤں اور بلند و بالا درختوں میں ہی نظر نہیں آتے بلکہ ایک چھوٹی سی شہد کی مکھی بھی میری حکمتوں کی تجلی گاہ ہے۔ اسکے مختصر سے چھتے میں بھی عجائب کا ایک بازار لگا ہوا ہے۔ ذرا اس چھتے کو دیکھو کس مہارت سے اسکو مسدس خانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جن کے تمام اضلاع اور سارے زاویے مساوی ہیں بھلا کوئی ماہر انجنیئر بھی مسطر اور پرکار کے بغیر ایسے مسدس خانے بنا سکے پھر اسکے مختلف حصوں پر نظر ڈالو کہیں تو نوزائیدہ بچوں کی قیام گاہ ہے کہیں شہد کا ذخیرہ کیا جا رہا ہے کہیں موم تیار ہو رہا ہے کہیں خوراک کا گودام ہے پھر اس حیران کن نظم و نسق کو دیکھیے جسکے ماتحت یہ کثیر التعداد مکھیاں یہاں آباد ہیں کسی متمدن ملک کی بہترین تربیت یافتہ فوج بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان میں ایک مکھی سب کی سردار ہے دوسری مکھیاں اسکی فرمانبردار ہیں۔ اور اسکے حکم

مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ

ان چھپروں میں جو لوگ بناتے ہیں۔ پھر رس چوسا کر ہر قسم کے پھلوں سے پس چلتی رہا کر شہد اپنے رب کی آسان

بجالانے میں ذرا کوتاہی نہیں کرتیں بعض خوراک لانے کیلئے متعین ہیں بعض پہریدار ہیں۔ کیا مجال کہ کوئی اجنبی اندر قدم بھی رکھ سکے جو خوراک لانے پر مقرر ہیں وہ اپنے چھتہ سے دور دراز مقامات پر اڑ کر جاتی ہیں وہاں سے مختلف پھولوں کلیوں کونپلوں اور پتوں کا رس دن بھر چوستی رہتی ہیں اور پھر طویل مسافت طے کرکے اپنے چھتہ میں واپس آجاتی ہیں نہ وہ راستہ بھولتی ہیں نہ لیٹ ہوتی ہیں اور نہ اپنے فرض کو انجام دینے میں کسی کاہلی کی روادار ہیں پھر جس حکمت و خوبی سے پھلوں کے چوسے ہوئے اس رس کو شہد بنانے کا عمل تکمیل پاتا ہے وہ تو اتنا حیرت انگیز ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انسان اتنے علمی کمال اور صنعتی ترقی کے باوجود کوئی ایسی مشینری تیار نہیں کر سکا جسکے ذریعہ پھلوں وغیرہ کے رس سے شہد جیسا جوہر کشید کر سکے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ اس چھوٹی سی مکھی کو یہ مہارت اور یہ کمال کس نے سکھایا۔ یہ باقاعدگی' نظم و نسق کی پابندی' اپنے فرائض کی ادائیگی' اپنے امیر کی اطاعت' یہ فنی نزاکتیں اور اس پیچیدہ کام کو انجام دینے میں اتنی نفاستیں یہ سب چیزیں اس حیوان کو کس نے تعلیم کیں۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ اے محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یہ تیرے رب کی تعلیم ہے۔ اسی نے یہ سارے گر یہ سارے قاعدے اور یہ طریقے کار اس مکھی کو سکھائے ہیں اور اسکی وحی ہی کی برکت ہے کہ وہ شہد جیسی نعمت بنا کر انسان کی خدمت میں پیش کرتی ہے اس آیت میں وحی سے مراد الہام ہے یعنی وہ سمجھ جو اللہ تعالیٰ حیوانات وغیرہ کو عطا کرتا ہے جس سے وہ اپنے نفع و نقصان کو سمجھ سکتے ہیں اور اپنے طبعی فرائض خوش اسلوبی سے ادا کر سکتے ہیں الوحی ھھنا بمعنی الالھام ومن ذلک البھائم وما یخلق اللہ سبحانہ فیھا من درک منافعھا و اجتناب مضارھا وتدبیر معاشھا (قرطبی) وحی کے مفہوم کی مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ النساء کی آیت ۱۶۳ کا حاشیہ۔

ٹ ان راستوں سے مراد یا تو وہ راستے ہیں جہاں سے اڑ کر یہ مختلف باغات اور کھیتوں میں تلاش غذا کے لیے جاتی ہے اور پھر واپس آتی ہے یا ان راستوں سے مراد شہد تیار کرنے کے وہ تمام اصول اور مرحلے ہیں جن پر عمل کرنے سے مکھی شہد تیار کرتی ہے۔ ذللا حال ہے اسکے ذوالحال کے متعلق دو قول ہیں یا اس کا ذوالحال سبل ہے یا نحل پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ راستے اللہ تعالیٰ نے اس مکھی کی پرواز کے لیے ہموار اور آسان بنا دیئے ہیں اور آسانی سے جاتی ہے اور آسانی سے واپس آتی ہے۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مکھی سراپا اطاعت و انقیاد ہے کہ ان تمام کاموں کو سرانجام دیتی ہے۔ اپنے خالق کے بتائے ہوئے طریقوں سے سرمو ادھر ادھر نہیں ہوتی (السبل مسالکھا فی الطیران وقیل الطرق التی الھمک وافھمک فی عمل العسل۔ (البحر)

فیہ کی ضمیر کا مرجع شہد ہے یعنی اس شہد میں تمہارے لیے شفا ہے کسی حاذق طبیب یا ڈاکٹر سے پوچھیے وہ تمہیں بتائے گا کہ یہ ذرا سی مکھی جو لعاب تیار کرتی ہے وہ مختلف پھولوں سے جو جوہر کشید کرتی ہے وہ کتنی لاعلاج بیماریوں کے لیے زود اثر تریاق ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزوں میں مختلف صحت بخش اثرات رکھ دیئے ہیں اور علاج کے طور پر کسی چیز کو استعمال کرنا جائز ہے اور اسکے استعمال سے باذن الٰہی شفا بھی ہوتی ہے حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا لکل داء دواء فاذا اصیب دواء الداء برأ باذن اللہ اور جمہور علماء کا قول بھی یہی ہے کہ علاج کرنا اور دم کرانا مباح ہے وعلی اباحۃ التداوی والاسترقاء جمھور العلماء۔ (قرطبی)

رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ

کی ہموار راہوں پر (یوں) نکلتا ہے ان کے شکموں سے ایک شربت مختلف رنگوں والا اس میں

شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾ وَاللَّهُ

شفا ہے لوگوں کے لیے۔ بیشک اس میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں [۱] اور اللہ تعالیٰ

خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ۚ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ

نے پیدا فرمایا ہے تمھیں پھر جان قبض کریگا تمھاری [۲] اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جنھیں لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف تاکہ

لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٧٠﴾ وَاللَّهُ

وہ کچھ نہ جانے جان لینے کے بعد بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے

فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا

برتری بخشی ہے تم میں سے بعض کو بعض پر [۳] دولت کے لحاظ سے۔ پس (اب بتاؤ) کیا وہ لوگ جنھیں برتری بخشی

اس میں مکھی کے اس طریقہ کار میں اور شہد کی اس صحت بخش تاثیر میں جتنا تم غور کروگے اتنے ہی اللہ کی قدرت کے نشانات تمھیں نظر آئیں گے۔

[۲] جس نے ان گوناگوں نفع رساں چیزوں کو پیدا کیا ہے اے انسان تیرا بھی وہی خالق ہے۔ اگر مظاہر فطرت میں غور کرنے کی فرصت نہیں تو کم از کم اپنے آئینہ میں تو اس کی قدرت کی کرشمہ کاریوں کا مشاہدہ کر جب تو پیدا ہوا تھا تیرا کیا حال تھا تیری جسمانی اور ذہنی قوتوں میں کس طرح آہستہ آہستہ ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ تم نے شباب کی منزل میں قدم رکھا۔ پھر آہستہ آہستہ تمھاری قوتوں میں انحطاط شروع ہوا یہاں تک کہ تم پیر فرتوت بن گئے اور سنجیدگی رخصت ہوئی عقل و خرد نے ساتھ چھوڑ دیا۔ قوت طاقت کی جولانیاں بھولی بسری کہانیاں بن گئیں آنکھوں کے چراغ دھندلا گئے۔ کانوں کی سماعت میں فرق آگیا۔ ایک ایک کر کے سارے دوست اور سفر زیست کے ساتھی رخصت ہو گئے۔ چلنے پھرنے کی طاقت بھی سلب ہو گئی اور کروٹ بدلنے کے لیے بھی کسی کے سہارے کی ضرورت محسوس ہونے لگی جس نے تمھیں بچپن کی ناتوانی سے جوانی کی شیر افگن قوتوں تک پہنچایا اور وہاں سے اتار کر بڑھاپے کے بستر پر لٹا دیا کیا وہ ہر چیز پر قادر نہیں۔

[۳] کفار اپنے معبودوں کو خدا کا شریک مانا کرتے تھے وہ انھیں الٰہ بھی کہتے اور انھیں کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ ان کے اس عقیدۂ فاسدہ کی تردید ان کے اپنے حال سے دلیل قائم کرکے کی جا رہی ہے انھیں بتایا کہ یہ حقیقت تو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ سارے انسان مال و دولت میں یکساں نہیں کئی دولتمند اور مالدار ہیں، کئی مفلس اور نادار۔ کیا دولت مند لوگ یہ گوارا کرتے ہیں کہ وہ مال جو انھوں نے کمایا ہے۔ ان سے لیکر ان کے مفلس نوکروں اور

بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ؕ

گئی ہے وہ لوٹانے والے ہیں اپنی دولت کو ان لوگوں پر جو ان کے مملوک ہیں تاکہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں (ہرگز نہیں) تو کیا

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ۱۳۳؎ اور اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائیں تمھارے لیے تمھاری جنس سے

اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَةً وَّ

عورتیں ۱۳۴؎ اور پیدا فرمائے تمھارے لیے تمھاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے اور

نادار غلاموں میں بانٹ دیا جائے اور وہ سب مساوی طور پر اس کے مالک بن جائیں۔ جب وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تو یہ کتنی نادانی اور بے انصافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار کو اپنے میں تقسیم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کو خدا ماننے کے ساتھ بتوں کو بھی خدا مانتے ہیں اس کی عبادت کے ساتھ وہ بتوں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ ذرا وہ غور کریں کہ جو بات وہ اپنے لیے پسند نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے لیے آخر کیوں پسند کرتے ہیں۔ اگر انھیں نجات اور فلاح مطلوب ہے تو ان فضول اور لایعنی عقیدوں کو چھوڑیں اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائیں اس کی ذات اور اس کی صفات کمال میں کسی کو شریک نہ بنائیں قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا۔ یعنی کہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے نجات پا جاؤ گے۔

۱۳۳؎ یہ قوت و صحت یہ عقل و دانش اور یہ دولت و ثروت سب اس کی بخشی ہوئی نعمتیں ہیں۔ تم اس کی نعمتوں کا انکار نہ کرو بلکہ اس کا شکر یاد ا کرو۔ قول سے بھی اور عمل سے بھی۔ زبان سے بھی اور دل سے بھی شکر ادا کرو گے تو وہ اپنی مزید نوازشات کے دروازے تم پر کھول دیگا اور اگر ناشکری کرتے رہو گے تو اگلی نعمتوں سے بھی محروم کر دیے جاؤ گے۔

۱۳۴؎ اپنے مزید احسانات کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے یعنی ہم نے تمھیں تنہا پیدا نہیں کیا۔ ایسی تنہائی جس میں غم کے لمحے بڑے بھیانک جنتے ہیں اور خوشی کی ساعتیں بھی اداس بلکہ ہم نے تمھیں اس زندگی کا راستہ طے کرنے کے لیے ایک ساتھی بھی دیا (رفیقہ حیات) اور مزید کرم یہ فرمایا کہ وہ تمھاری ہی جنس سے ہے تاکہ تمھاری آرزوئیں اور تمنائیں تمھارے جذبات اور خواہشات سب یکساں ہوں تاکہ تم ایک دوسرے کے لیے باعث مسرت اور موجب اطمینان بنو اس پر مزید کرم یہ کیا کہ تمھیں اولاد کی نعمت سے بہرہ ور کیا اور تمھیں پوتے اور پوتیاں بخشیں۔ اس طرح تمھارے دلوں کو مسرت اور تمھاری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی۔ مزید برآں تمھیں کھانے کے لیے عمدہ سے عمدہ چیزیں مہیا فرمائیں۔ ان لوگوں بے شمار احسانات کے باوجود اگر تم شرک سے باز نہ آؤ تو تم سے بڑھ کر اور کون ناشکرا اور احسان فراموش ہوگا۔ اس آیت میں حفدۃ کا معنی ولد الولد یعنی پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں ہیں۔ بعض علماء نے اس کا معنی خدام بھی کیا ہے۔ آیت کے آخر میں دو لفظ ہیں :- الباطل اور نعمۃ اللہ مختلف علماء نے ان کا مدلول الگ الگ ذکر کیا ہے۔ مقاتل نے کہا کہ باطل سے مراد شیطان ہے اور

رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ

رزق عطا فرمایا تمھیں پاکیزہ تو کیا (یہ لوگ) باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں

هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۟ۙ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ

کی ناشکری کرتے ہیں اور یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان معبودوں کی جو

لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۟ۚ

انھیں آسمانوں اور زمین سے رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور نہ وہ کچھ کر سکتے ہیں

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ

پس (اے جاہلو!) نہ بیان کیا کرو اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم

نعمۃ اللہ سے مراد حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے۔ کلبی نے کہا ہے کہ باطل سے مراد حلت اور حرمت کے احکام میں شیطان کی اطاعت کرنا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ان کا اپنے بتوں سے شفاعت کی توقع رکھنا اور ان کی برکت پر یقین رکھنا باطل ہے۔ وقیل ما یرجی من شفاعۃ الاصنام و برکتھا اور نعمۃ اللہ سے مراد ما احل اللہ لھم جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کی تھیں۔

۷۳ کفار اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی پوجا کیا کرتے تھے انکے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ اس پوجا کی آخر کوئی وجہ بھی تو ہو۔ نہ تو ان معبودوں نے انھیں پیدا کیا ہے کیونکہ یہ تو ان کے اپنے گھڑے ہوئے ہیں اور نہ وہ ان کو رزق دینے پر قادر ہیں۔ کیونکہ زمین و آسمان میں کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں جس کے وہ مالک ہوں۔ جب ان کا ہے ہی کچھ نہیں تو وہ بیچارے کسی کو دیں گے کیا۔

۷۴ ضرب المثل کا معنی ہے ایک حال کو دوسرے حال سے تشبیہ دینا ضرب المثل تشبیہ حال بحال۔ یہاں منع کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے ساتھ تشبیہ نہ دی جائے۔ کیونکہ نہ اس کی کوئی مثل ہے نہ کوئی شبیہ۔ ساری مخلوقات اس کی عبید ہیں۔ اس لیے خالق کو مخلوق سے تشبیہ دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ نیز نہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی ذات کا پتہ چلے اور نہ اس کی صفات کا تمھیں علم ہے اور نہ تمھیں یہ خبر ہے کہ وہ کن کمالات سے موصوف ہے۔ اور نہ ان عیوب سے تم آگاہ ہو جن سے وہ پاک ہے۔ جب اس کی ذات و صفات کے بارے میں تمھاری لاعلمی کا یہ عالم ہے تو تمھیں کیا حق پہنچتا ہے کہ اس کے لیے مثالیں دیتے رہو۔

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى

نہیں جانتے۔ بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال [۱۴] (وہ یہ کہ) ایک بندہ ہے جو مملوک ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا

شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا

اور (اس کے مقابلہ میں) ایک بندہ ہے جسے ہم نے رزق دیا اپنی جناب پاک سے رزق حسن۔ پس وہ خرچ کرتا رہتا ہے اس سے

وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر۔ (اے اہل ستم) ہی بتاؤ کیا یہ برابر ہیں [۱۵] الحمد للہ! (حقیقت حال واضح ہو گئی) بلکہ نہیں ہے اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔

[۱۴] ان کافروں کو ان کی نادانی پر آگاہ کرنے کے لیے ایک مثال ذکر سمجھایا جا رہا ہے۔ کہ تم یہ بتاؤ کہ ایک شخص کسی کا زرخرید غلام ہے۔ اسکو کسی چیز پر قدرت نہیں۔ وہ کسی بھوکے کو باسی روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں دے سکتا۔ سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے کسی ننگے کو ایک پھٹا پرانا کپڑا بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ نہ اسے کسی کو خریدنے کی اجازت ہے نہ بیچنے کی۔ اسکے علاوہ ایک اور شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانۂ رحمت سے کثیر رزق عطا کیا ہے وہ اسے اپنی مرضی سے خرچ کرنے پر بھی قادر ہے۔ وہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر غریبوں اور محتاجوں کی ضرورتیں بھی پوری کرتا ہے اور مجمع عام میں بھی اسکی جود و سخا سے ہر سائل اپنا دامن طلب بھر کر لیے جا رہا ہے۔ اب بتاؤ یہ دونوں شخص اگرچہ انسان ہیں لیکن کیا تم ان کو ایک جیسا کہنے کی جرأت کر سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر غور کرو تم جو اپنے معبودوں کو خدا مانتے ہو اور انکی عبادت کرتے ہو اور انھیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو کیا یہ تمھاری نادانی نہیں۔ جب وہ دو آدمی انسان ہوتے ہوئے ایک جیسے نہیں ہو سکتے تو پھر یہ تمھارے بے بس اور بےجان بت جو اس زرخرید مقہور اور مجبور غلام سے بھی ہزار درجہ فروتر ہیں۔ وہ رب العرش العظیم کے ہم پلہ اور ہم پایہ کیسے ہو سکتے ہیں کہ تم ان کو اللہ بھی مانو اور ان کی عبادت بھی کرو۔ کچھ تو غور کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہاں بتوں کی اور اللہ تعالیٰ کی مثال بیان نہیں کی جا رہی بلکہ کافر اور مومن کی مثال دی جا رہی ہے۔ کافر ایسا ہے جیسے کسی کا کوئی حلقہ بگوش غلام ہو اور اس کے مالک نے اس کے ہر قسم کے اختیارات سلب کر لیے ہیں اور مومن وہ ہے جس پر اس کے خالق و مالک کے بڑے بڑے انعامات و احسانات ہیں اور اس نے اسے ان کو استعمال کرنے اور خرچ کرنے کی اجازت بھی دے دی ہے۔ ھٰذا عطاؤنا فامنن او امسک کا مژدہ بھی اسے سنا دیا گیا ہے۔ وہ اسے جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ جب بھی کوئی سائل دامن طلب پھیلائے ہوئے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ اسے خالی واپس نہیں کرتا۔ انصاف سے بتاؤ کیا یہ دونوں ایک جیسے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

[۱۵] اس آیت سے یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے سب بندے ایک ہی حیثیت کے نہیں۔ بعض وہ ہیں جو زرخرید غلام کی طرح بے بس، بے اختیار، مفلس، نادار اور بے فیض ہیں۔ نہ ان کے پاس کچھ ہے اور نہ وہ کسی کو کچھ دے سکتے ہیں لیکن بعض مقبول

محبوب بندے بھی ہیں جو من رزقناہ منا رزقا حسنا کی عنایت سے بہرہ ور ہیں اور فھو ینفق منہ سرّا وجھرا کی شانِ رفیع کے حامل ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمت کے خزانوں سے انھیں مالامال فرما دیا ہے۔ ظاہری اور باطنی نعمتوں سے ان کا دامن بھر دیا ہے۔ علمی اور روحانی فتوحات کی ان پر موسلا دھار بارش کی ہے۔ "منا" (یعنی جناب خاص سے) اور "رزقا حسنا" کے الفاظ میں آپ جتنا غور کریں گے ان مواہب ربانی اور عطیات خداوندی کی نفاست، عمدگی اور کثرت و فراوانی کی حقیقت کھلتی جائیگی۔ جن محبوبوں کو ان لامحدود عنایات سے سرفراز فرمایا گیا ہے انھیں انکو خرچ کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرما دی ہے چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے خزانوں اور نعمتوں کو بڑی فیاضی اور دریادلی سے محتاجوں، فقیروں اور سائلوں میں بانٹ رہے ہیں۔ نہ وہ خزانے ختم ہوتے ہیں اور نہ کریموں کے ہاتھ تھکتے ہیں۔ ان کے در پر مانگنے والوں کی بھیڑ لگی ہے۔ ہر کوئی اپنی ہمت، حوصلہ اور سمجھ کے مطابق مانگ رہا ہے اور اپنے ظرف کے مطابق لے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم حبیب معظم سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کیا دیا۔ اس کی حقیقت کسی غیر سے نہ پوچھیے کوئی کیا جانے خود اس رب کریم سے پوچھیے کہ اے غنی جس کے قبضۂ اختیار میں زمین و آسمان کے سارے خزانے ہیں۔ اے کریم جس کی جود و سخا کی ایک جھلک یرزق من یشاء بغیر حساب میں نظر آتی ہے جس کی صفت کمال صرف وہاب (عطا فرمانے والا) نہیں بلکہ انک انت الوھاب (بے اندازہ عطا فرمانے والا ہے) اے اکرم الاکرمین تو خود بتا کہ تو نے اپنے پیارے بندے محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا دیا اور کتنا دیا تو جواب ملتا ہے انا اعطینٰک الکوثر اے حبیب ہم نے آپ کو جو دیا بے اندازہ دیا۔ پھر ندا آتی ہے وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما یعنی اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

یا اس سے پوچھو جس کو دیا ہے کہ اے عبد اللہ! تیرے پروردگار نے جو غنی بھی ہے اور سخی بھی۔ تجھے کیا عطا فرمایا تو اس کی زبان حق ترجمان سے کبھی یہ صدا فردوس گوش بنے گی اُعطیتُ مفاتیح خزائن الارض مجھے میرے رب نے زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں عطا فرما دی ہیں اور کبھی وہ ان الفاظ میں اپنے کریم خدا کی کرم گستریوں کو بیان فرمائے گا فوضع یدہ بین کتفی فوجدت بردھا بین ثدی فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض یعنی میرے رب کریم نے اپنا دست فیض رساں میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ پھر کیا تھا آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو میں نے جان لیا۔ اور اپنے محبوب کے طفیل جو نوازشات اپنے محبوب کے غلاموں پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کا صحیح اندازہ لگانا بھی ہمارے علم نا تمام اور فکر نارسا کے لیے مشکل ہے قرآن ہی سے سنیے وہ بتاتا ہے الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون یعنی کان کھول کر سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ کسی مکروہ چیز کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی محبوب چیز کے ضائع ہونے کا حزن و ملال ہوگا دوسری جگہ ارشاد ہے ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون نزلا من غفور رحیم میزبان غفور و رحیم اور عالم ہے رحمان اسکے مقبول بندے ہیں۔ انکی فراواں نعمتوں، دلنواز رحمتوں کا وسیع دسترخوان بچھا ہوا ہے جس سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہیں کون ہے جو اس خوان کرم کی شیرینی اور رنگینی کا انکار کرے۔

شاید اسی قسم کے ارشادات ربانی کو دیکھ کر شاہ اسمعیل صاحب دہلوی جیسے آدمی کو بھی اپنی تقویۃ الایمان میں یہاں تک لکھنے کے بعد کہ "جس کا نام محمد اور علی ہے وہ کسی قسم کا اختیار نہیں" اپنی دوسری کتاب صراط مستقیم میں اپنے ہی ہاتھ سے سیدنا امام المشارق علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق لکھنا پڑا۔

قطبیت و غوثیت و ابدالیت وغیرہا ہمہ از عہد کرامت مہد حضرت مرتضیٰ تا انقراض دنیا ہمہ بواسطۂ ایشاں است و در سلطنت سلاطین و امارت امراء

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى

اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مثال کہ دو آدمی ہیں ان میں سے ایک تو گونگا ہے کسی چیز کی قدرت نہیں

شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ط

رکھتا اور وہ بوجھ ہے اپنے آقا پر جہاں کہیں وہ اس (نکمے) کو بھیجتا ہے تو وہ واپس نہیں آتا کسی بھلائی

هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ

کے ساتھ۔ کیا برابر ہو سکتا ہے یہ (نکما) اور وہ شخص جو حکم دیتا ہے عدل کے ساتھ اور وہ راہِ راست پر

ہم ہمت ایشاں را دخل است کہ بر سیاحین عالم ملکوت مخفی نیست۔ (صراطِ مستقیم صفحہ ۵۰ فخر المطابع)

ترجمہ :- کہ حضرت مرتضیٰ کے مبارک زمانہ سے لیکر دنیا کے ختم ہونے تک قطبیت غوثیت ابدالیت اور دیگر مدارج ولایت سب آپ کے واسطہ سے عطا ہوتے ہیں۔ نیز بادشاہوں کی سلطنت اور امراء کی امارت میں بھی آپ کی ہمت کو بڑا دخل ہے اور یہ حقیقت عالم ملکوت کے سیاحوں پر مخفی نہیں۔

دوسری جگہ اولیائے کاملین کے متعلق لکھتے ہیں: "و ہم چنیں اصحاب ایں مراتب عالیہ و ارباب ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال و شہادت می باشند۔ (صراطِ مستقیم صفحہ ۱۰۰ فخر المطابع) یعنی اسی طرح ان عالی مرتبت اولیاء کرام کو عالم مثال و شہادت میں تصرف کرنے کا مطلق اذن حاصل ہو چکا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ شفیع المذنبین و اولیاء ملتہ الکاملین الی یوم الدین ربنا الحقنا معھم انک اکرم الاکرمین۔ آمین۔

نہ مشرکین جو خدائی اور عبادت میں اپنے بتوں کو بھی اللہ جل مجدہ کا مثیل سمجھتے تھے ان کی حماقت کو واضح کرنے کے لیے ایک اور مثال ذکر فرمائی۔ فرمایا ایک شخص ہے جو پیدائشی طور پر گونگا بھی ہے اور بہرہ بھی۔ اسے کسی چیز پر کوئی اختیار بھی حاصل نہیں۔ وہ اپنے رفقاء پر صرف بوجھ ہے اور قدم بھی ایسے سبز ہیں کہ جس کام کے لیے بھیجا جاتا ہے وہ نامراد لوٹتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک اور شخص ہے جو عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے سرگرم عمل رہتا ہے۔ اس کا کوئی قدم راہِ ہدایت سے اِدھر اُدھر نہیں اٹھتا۔ اے مشرکو! تم ہی بتاؤ کیا یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ اگر یہ دونوں انسان ہوتے ہوئے ایک جیسے نہیں تو تمہارے اصنام اوثان جو اس منحوس غلام سے بھی گئے گزرے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہم پلہ کیسے ہو سکتے ہیں کہ تم انہیں الٰہ بھی مانو اور ان کی عبادت بھی کرو جو صرف اللہ کا حق ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہاں بھی کافر اور مومن کی مثال بیان کی گئی ہے۔ وقیل ھذا تمثیل للمومن والکافر فالابکم ھو الکافر ومن یامر بالعدل ھو المومن روی ذلک عن ابن عباسؓ۔

مُسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ

گامزن ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے آسمانوں اور زمین کی مخفی باتوں کو ۹۱ اور نہیں قیامت برپا

السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ تیزی سے جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد ۹۲ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ

پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں نکالا ہے تمھاری ماؤں کے شکموں سے ۹۳

لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ

اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور بنائے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم (ان بیش بہا نعمتوں

ع ۱۰

۹۱ سابقہ آیات میں بتوں کی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کمال کو بڑے دلنشین پیرایہ میں مثالیں دے کر سمجھایا گیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کی دلیل پیش کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے تمام غیبوں کو جاننا اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کوئی انسان اپنے حواس کے ذریعہ یا اپنی عقل کے زور سے ان کو نہیں جان سکتا۔ غیب اسے کہتے ہیں جس کا ادراک نہ حواس سے ہو سکے اور نہ عقل سے مالا یدرک بالحس ولا یفهم بالعقل (بحر)۔ غیب پر مطلع ہونے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو غیب پر مطلع کردے یعنی لا یعلم الغیب احد غیرہ تعالیٰ الا بتعلیمہ (مظہری) یعنی اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جان سکتا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔ واختصاصہ بعلم الغیب فلا اطلاع لاحد علی ذلک الا ان یطلعہ تعالیٰ علی من یشاء۔ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ کوئی بھی اس پر آگاہ نہیں ہو سکتا بجز اسکے کہ اللہ تعالیٰ خود آگاہ فرمائے۔

۹۲ اور اس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ جب وہ قیامت برپا کرنا چاہے گا تو اس زمین و آسمان، شمس و قمر، پہاڑوں اور سمندروں کو درہم برہم کرنے کے لیے صدیاں یا سال یا مہینے درکار نہیں ہونگے بلکہ کم سے کم مدت جس کا تم تصور کر سکتے ہو وہ لمح البصر ہے (تیزی سے دیکھنا) اتنا وقت بلکہ اس سے بھی کم وقت میں یہ سب کچھ زیر و زبر ہو جائیگا۔ جس کے علم کا یہ حال ہے اور جس کی قدرت کا یہ عالم ہے وہی خدائے برحق اور معبود برحق ہے۔

۹۳ اسی علیم و قدیر کی نوازش ہے کہ اس نے تم کو انسان کی شکل میں پیدا فرمایا اور جب تم پیدا ہوئے تھے تو تمھاری نادانی کا یہ حال تھا کہ تم اپنی ماں کو بھی نہیں پہچان سکتے تھے جس کے شکم میں تم ایک عرصہ گزار کر آئے تھے اسی خالق نے تمھیں ظاہری حواس کان آنکھیں وغیرہ بھی بخشیں اور اسی نے تمھیں سوچنے اور سمجھنے کی استعداد بھی مرحمت فرمائی تاکہ تم اپنے خالق و مالک کی عنایات بے پایاں کا اعتراف کرو اور اس کا

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ

شکر ادا کرو۔ کیا انھوں نے کبھی نہیں دیکھا پرندوں کی طرف ۹۴ کہ وہ مطیع اور فرمانبردار بن کر اڑ رہے ہیں

السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

فضائے آسمانی میں۔ کوئی چیز انھیں تھامے ہوئے نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ بیشک اس میں (کھلی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ

جو ایمان لائے ہیں ۹۵ اور اللہ تعالیٰ نے ہی (اپنے فضل و کرم سے) بنا دیا ہے تمھارے لیے تمھارے گھروں کو آرام و سکون کی جگہ۔ اور بنائے ہیں

لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ

تمھارے لیے جانوروں کے چمڑوں سے گھر (یعنی خیمے) جنھیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو ۹۶ سفر کے دن

تشکروا کہ افئدۃ جمع ہے فؤاد کی جیسے غراب کی جمع اغربۃ ہے۔ امھات۔ ام کی جمع ہے چاہیے تو یہ کہ اس کی جمع امات ہوتی لیکن تاکید کے لیے ہا بڑھا دی فزیدت الہاء تاکیداً کما زادوھا فی اھرقت الماء (قرطبی)

۹۴ اپنی قدرت کی ایک اور نشانی کی طرف توجہ دلائی کہ تم بلندی کی طرف کوئی چیز کتنے ہی زور سے پھینکو۔ وہ تھوڑی دور اوپر جا کر نیچے گر پڑے گی کیونکہ ہر ثقیل چیز مرکز زمین کی طرف لوٹتی ہے لیکن فضائے آسمانی میں محو پرواز پرندوں کو دیکھو یہ نیچے کیوں نہیں گر پڑتے۔ زمین کی کشش ثقل انکو اپنی طرف کیوں نہیں کھینچ لاتی۔ وہ کون ہے جس نے پرندوں کو ایسے بازو، لمبے پر اور ایسے دم بخشے ہیں کہ وہ ہوا کی وسعتوں میں گھنٹوں پرفشاں رہتے ہیں۔ کیونکہ پرندوں کے جسم کی مخصوص ساخت انکے بازو اور پر سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کو ہوا میں معلق رکھنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی۔

۹۵ جن ایمان والوں کے لیے پرندوں کی ہیئت ترکیبی میں آیات و علامات تھیں۔ وہ تو پتنگ اڑا کر ہی خوش ہوتے رہے اور دوسری قوموں نے اس رہنمائی سے فائدہ اٹھا کر طیارے بنائے اور معلوم نہیں کیا کیا بنا کر فضا کو مسخر کیا اور وہاں اپنے جھنڈے گاڑ دیے۔

۹۶ اب ان انعامات کا ذکر فرمایا جن سے ہر شخص ہر وقت مستفید ہوتا ہے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے انکی اہمیت کا احساس بہت کم ہوتا ہے در حقیقت یہ ہے کہ آسانیاں اور سہولتیں جن کو ہم خاطر ہی میں نہیں لاتے اگر ہم سے چھین لی جائیں تو زندگی گزارنا دوبھر ہو جائے۔ اس آیت میں انھیں نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جن سے ہم ہر وقت لطف اندوز ہوتے ہیں کہ دیکھو یہ کس کی کرم گستریاں ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ ان سے دل نہ لگا بیٹھنا انھیں ایک دن چھوڑنا ہو گا مبادا اس وابستگی کی وجہ سے چھوڑتے وقت تمھیں تکلیف ہو۔ تستخفونھا: تجدونھا خفیفۃ یعنی تم انکو ہلکا پھلکا پاتے ہو اور چمڑے وغیرہ کے بنے ہوئے خیمے بڑی آسانی سے سفر میں اپنے ہمراہ لے جا سکتے ہو۔ اثاث: متاع البیت گھر میں استعمال کا سامان

وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَآ

اور اقامت کے دن۔ اور اسی نے بنائے ہیں بھیڑوں کی صوف اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے

أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٨٠﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا

مختلف گھریلو سامان اور استعمال کی چیزیں ایک وقت مقرر تک۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں تمہارے آرام کیلئے ان چیزوں کے سائے جن کو

وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ

اس نے پیدا فرمایا ۹۷ اور اسی نے بنائی ہیں تمہارے لیے پہاڑوں میں پناہ گاہیں اور اسی نے بنائے ہیں تمہارے لیے ایسے لباس جو بچاتے ہیں

تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ

تمہیں گرمی سے ۹۸ اور (کچھ ایسے آہنی) لباس جو بچاتے ہیں تمہیں لڑائی کے وقت۔ اسی طرح وہ پورا فرماتا ہے اپنا احسان

عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ

تم پر تاکہ تم سر اطاعت خم کر دو ۹۹ پس اے محبوب! اگر (ان روشن دلائل کے باوجود) وہ منہ پھیر لیں تو (فکرمند نہ ہوں) آپ کے

بستر، چادریں، لباس وغیرہ۔

۹۷ اس آیت میں بھی انہیں انعامات کا تذکرہ فرمایا جو روزمرہ کے استعمال میں آنے والے ہیں۔ گرمی کا موسم ہو، چلچلاتی دھوپ ہو، سخت گرم لُو چل رہی ہو، آپ کسی گھنے درخت کے ٹھنڈے سایہ میں سستانے کے لیے رکیے۔ آپ کو پتہ چلے کہ سایہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ دیواروں کے سائے، مکانوں کے سائے ہر چیز کا ظل بنا کر تم پر احسان فرمایا۔ پھر پہاڑوں کو بھی ایسا نہیں بنایا کہ سپاٹ چٹانیں ہوں اور وہاں سفر کرتے کرتے اگر مینہ برسنے لگے، برف کا طوفان آ جائے تو تمہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے۔ بلکہ جگہ جگہ غاریں بنا دی ہیں جہاں تم آرام کر سکو۔ یا رات گزار سکو۔ اس نعمت کی قدر و قیمت آپ ان لوگوں سے پوچھیے جن کا بسیرا کوہستانی علاقوں میں ہے یا جنہیں کبھی پہاڑی سفر کا اتفاق ہوا ہو۔ اکنان جمع کن، وھو الحافظ من المطر والریح وغیرہ (ب) یعنی وہ غاریں جہاں انسان بارش اور ہوا وغیرہ سے بچ سکے۔

۹۸ پھر مزید کرم یہ کیا کہ طرح طرح کے لباس بنائے۔ کوئی گرمیوں میں پہننے کا، کوئی سردیوں میں استعمال کرنے کا اور کوئی ایسا لباس (فولادی زرہیں وغیرہ) جو زیب تن کر کے میدان جنگ میں جاتے ہو اور وہ تمہیں دشمن کے واروں سے بچاتا ہے۔

۹۹ وہ کریم جو ہر حال میں تم پر اپنی نعمتوں کا مینہ برسا رہا ہے جسے تمہاری ہر چھوٹی اور بڑی ضرورت کا خیال ہے جھک جاؤ اس کے حضور میں اور اس کے احکام کی اطاعت کو اپنا شعور بنا لو۔ احسان شناسی کا یہی تقاضا ہے اور تمہیں یہی بات زیب دیتی ہے۔

الْمُبِينُ ﴿٨٢﴾ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ

ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ یہ پہچانتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کو (اس کے باوجود) وہ انکار کرتے ہیں اس کا اور ان میں سے اکثر لوگ

الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا

کافر ہیں ۱۵۱ اور قیامت کے دن ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ ۱۵۲ تب ان لوگوں

يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ

کو اجازت نہیں ہوگی جنھوں نے کفر کیا اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا ۱۵۳ اور جب دیکھ لیں گے وہ لوگ جنھوں نے

ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٥﴾

ظلم کیا عذاب (آخرت) کو تو اس وقت وہ عذاب ان سے ہلکا نہیں کیا جائیگا اور نہ انھیں (مزید) مہلت دی جائے گی۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا

اور جب دیکھیں گے مشرک اپنے (خود ساختہ) شریکوں کو تو بول اٹھیں گے اے ہمارے رب! یہی ہیں ہمارے بنائے ہوئے شریک

ع ۱۱ / ۱۷

۱۵۱ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ گوناگوں انعامات اور پیہم نوازشات کے باوجود وہ دین حق کو قبول نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لاتے تو آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ آپ کا جو فرض تھا وہ آپ نے باحسن وجوہ ادا فرما دیا۔

۱۵۱ ان کے اس انکار کی وجہ یہ نہیں کہ آپ نے انھیں صحیح طور پر سمجھایا نہیں یا وہ اپنے رب کے احسانات سے بے خبر ہیں۔ آپ نے خوب سمجھایا اور انھوں نے اچھی طرح سمجھ بھی لیا لیکن وہ دانستہ کفر و شرک سے چمٹے ہوئے ہیں۔

۱۵۲ آج تو کفار اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دانستہ انکار کر رہے ہیں۔ قیامت کے روز ان کا کیا حال ہوگا جب ان کے انبیاء ان پر گواہی دیں گے کہ اے الٰہ العالمین! ہم نے ان کو تیرا پیغام پہنچایا۔ تیری توحید کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ تیرے احسانات کی یاد دہانی کرائی لیکن انھوں نے ہماری ایک بھی نہ سنی۔ اس دن وہ معذرت خواہی کی اجازت چاہیں گے یا دنیا میں واپس لوٹنے کی خواہش کریں گے تو ان کی کوئی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

۱۵۳ اس روز وہ بڑی کوشش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیں لیکن اس کوشش کو ٹھکرا دیا جائے گا۔ یستعتبون اس کا اصل عتبٌ ہے جس کا معنی (موجدۃ) ناراضگی ہے اور جب کوئی شخص کسی پر ناراض ہو تو کہتے ہیں عتب علیہ یعتب اذا وجد علیہ۔ اور جب کوئی شخص اپنی ناراضگی کا اظہار کرے تو کہتے ہیں عاتبہ اور جب کوئی شخص اس امر سے باز آجائے جو باعثِ ناراضگی ہے

الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ

جنھیں ہم پوجا کرتے تھے تجھے چھوڑ کر ۱۰۴ تو وہ شریک انھیں جواب دیں گے یقیناً تم

لَكٰذِبُوْنَ ۚ ﴿۸۶﴾ وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ

جھوٹ بول رہے ہو وہ پیش کریں گے بارگاہِ الٰہی میں اس دن اپنی عاجزی اور فراموش ہو جائیں گے

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ

انھیں وہ بہتان جو وہ باندھا کرتے تھے جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ

اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے پہلے عذاب پر ۱۰۵ اس وجہ سے کہ وہ فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے

تو کہتے ہیں تعتّب۔ عتبیٰ اسم ہے اس کا معنی ہے رضا (قرطبی) اگر کوئی کسی کی رضامندی کا طالب ہو تو کہتے ہیں استعتبہ، طلب منہ العتبیٰ ای استرضٰہ اور جب کوئی کسی کی خوشنودی کو طلب کرے اور وہ اس سے خوش ہو جائے تو کہتے ہیں استعتبتہ فاعتبنی ای استرضیتہ فارضانی (المنجد)

۱۰۴ روزِ محشر مشرکین اپنے آپ کو بری الذمہ اور بے گناہ ثابت کرنے کیلئے سارا الزام اپنے معبودوں پر لگائیں گے کہ اے الٰہ العالمین یہ وہ ہیں جن کو ہم تیرا شریک بناتے تھے۔ تجھے چھوڑ کر انھی کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان بتوں کو قوت گویائی عطا کرے گا اور وہ ان کی تردید کریں گے کہ انھوں نے خود ہی ہمیں گھڑا اور خود ہی ہمیں تیرا شریک بنایا خود ہی ہماری عبادت میں لگ گئے۔ ہم نے انھیں کب کہا تھا کہ وہ تیری عبادت چھوڑ کر ہماری پوجا شروع کر دیں۔ فینطق اللہ الاصنام حتی تظھر عند ذلک فضیحۃ الکفار (قرطبی)

یعنی اللہ تعالیٰ ان بے زبان اور بے جان بتوں کو قوتِ گویائی دے گا تاکہ کفار کی رسوائی ظاہر ہو۔ اس آیت میں غور کرنے سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کفار کا اپنے بتوں کے متعلق کیا عقیدہ تھا ان کا یہ کہنا ھٰؤلآء شرکآؤنا یہ وہ شریک ہیں جن کو ہم تیرا شریک ٹھہرایا کرتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے تو کفار اپنے بتوں کو خدا بھی کہتے تھے اور معبود سمجھ کر ان کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ والشرکاء الذین کانوا یدعوھم الٰھۃ من دونک قال اللہ تعالیٰ ذکرہ فالقوا یعنی شرکاء ھم الذین کانوا یعبدونھم من دون اللہ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں اربابا نعبدھم علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ ای اصنامھم و اوثانھم التی عبدوھا۔

۱۰۵ انھیں دوہرا عذاب ملے گا اپنی گمراہی کا بھی اور جن کو انھوں نے ہدایت قبول کرنے سے روکا۔ ان کے گناہوں کا وبال بھی انھیں پر ہو گا۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ

اور وہ دن (بڑا ہولناک ہوگا) جب ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ ان پر انھیں میں سے

وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ

اور ہم لے آئیں گے آپ کو بطور گواہ ان سب پر ۱۰۶ اور ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب ۱۰۷

۱۰۶ هؤلاء کا اشارہ الیست مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یعنی حضورؐ اپنی امت پر گواہی دیں گے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما رایت من خیر حمدت اللہ علیہ تعالیٰ وما رایت من شر استغفرت اللہ لکم یعنی میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میرا یہاں سے انتقال کر جانا بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اگر تمہاری کسی نیکی کو دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جب تمہارے کسی گناہ کو دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔ سورہ بقرہ آیت ۱۴۳۔ یکون الرسول علیکم شہیدا کی جو تفسیر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمائی ہے وہ پیش نظر ہے۔ آپ لکھتے ہیں: باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ در دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجاب کہ بدان از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا۔ (تفسیر عزیزی)

ترجمہ:۔ تمہارا رسول تم پر گواہی دیگا کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے؟ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کون سا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رکی ہوئی ہے۔ پس وہ تمہارے گناہوں کو پہچانتے ہیں۔ تمہارے ایمان کے درجوں کو، تمہارے نیک اور بد سارے اعمال کو اور تمہارے اخلاص اور ایمان کو بھی خوب پہچانتے ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے سورۃ النساء کی آیت ۴۱ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

۱۰۷ ہماری زندگی کے تمام گوشوں کے متعلق واضح ارشادات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ قانون، سیاست، معاشیات، معاشرہ، اخلاق، بین الاقوامی تعلقات غرضیکہ ہر وہ چیز جس کا تعلق مومن کی زندگی کے ساتھ ہے۔ ان سب کو قرآن پاک نے بیان کر دیا ہے لیکن اس سے استفادہ کرنا ہر ایک کی اپنی استعداد پر موقوف ہے۔ حضرت ابن عباس سے تو یہاں تک منقول ہے کہ آپؓ نے فرمایا:۔ لو ضاع منی عقال بعیر لوجدتہ فی کتاب اللہ یعنی میرے اونٹ کا عقال (وہ رسی جس سے پاؤں باندھے جاتے ہیں) گم ہو جائے تو میں اسے بھی کتاب اللہ میں پاتا ہوں۔ علامہ ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا ہے قد بین لنا فی هذا القرآن کل علم و کل شیء ہمارے لیے سارے علوم اور ساری چیزیں اس قرآن میں بیان کر دی گئی ہیں۔ وقال مجاهد کل حلال و حرام مجاہد نے کہا کہ ہر حلال اور ہر حرام قرآن میں بتا دیا گیا! اس کے بعد علامہ ابن کثیر اپنی رائے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کا قول زیادہ جامع ہے کیونکہ قرآن تمام علوم نافعہ کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ اس میں گزرے ہوئے لوگوں کی خبریں بھی ہیں اور آنے والے واقعات کا بھی علم ہے۔ ہر حلال

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

اس میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا اور یہ سراپا ہدایت و رحمت ہے اور یہ مژدہ ہے مسلمانوں کے لیے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى

بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو اور (ہر ایک کے ساتھ) بھلائی کرو اور اچھا سلوک کرو رشتہ داروں کے ساتھ

اور حرام اور تمام وہ امور جن کی طرف لوگ اپنی دنیا اور اپنے دین اپنی معاش اور اپنی معاد میں محتاج ہیں سب مذکور ہیں وقول ابن مسعود اعم واشمل فان القرآن اشتمل علی کل علم نافع من خبر ما سبق وعلم ما سیأتی وکل حلال وحرام وما الناس الیه محتاجون فی امر دنیاهم ودینهم ومعاشهم ومعادهم (تفسیر ابن کثیر) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ شعر بھی اس قول کی تائید کرتا ہے۔

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنه افهام الرجال

کہ قرآن پاک میں تو تمام علوم ہیں لیکن لوگوں کے ذہن ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

جب یہ آیت جب نازل ہوئی تو اسلام کے بڑے بڑے دشمن اس کے اعجاز اور جامعیت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ حضور نے یہ آیت ولید بن مغیرہ کو پڑھ کر سنائی تو اس نے کہا یا ابن اخی اعد میرے بھتیجے ایک بار پھر پڑھو حضور نے اسے پھر پڑھا تو وہ دشمن اسلام اور منکر قرآن یہ کہنے پر مجبور ہو گیا واللہ ان له لحلاوة وان علیه لطلاوة وان اسفله لمغدق واعلاه لمثمر وما هو بقول بشر۔ بخدا یہ تو بڑی شیریں ہے اس کا ظاہر بڑا رنگین ہے اس کا تنا جڑوں والا ہے اور اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہیں۔ بخدا یہ کسی بشر کا کلام نہیں حضرت ابن مسعود نے فرمایا هذه اجمع آية فى القرآن لخير يمتثل ولشر يجتنب یہ قرآن کی جامع ترین آیت ہے اس میں ہر وہ اچھی چیز جس پر عمل کرنا ضروری ہے مذکور ہے اسی طرح ہر وہ بری چیز جس سے اجتناب ضروری ہے موجود ہے۔ ایسی کتاب مقدس کی ایک آیت ہے جس کے متعلق اس کے نازل فرمانے والے نے فرمایا تبیانا لکل شیء ہے اس لیے اس میں ہمیں بھی زیادہ سے زیادہ غور کرنا چاہیے تاکہ اس گنج شائیگاں سے بیش از بیش مستفیض ہو سکیں۔ اس آیت میں تین چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تین چیزوں سے روکا گیا ہے۔ وہ تین چیزیں جن کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۱) عدل (۲) احسان (۳) اور ایتاء ذی القربیٰ اور دوسری تین چیزیں الفحشاء المنکر اور البغی ہیں۔ ان امور میں سے ہر ایک کے متعلق مختصر تشریح پیش خدمت ہے۔ حضرت سفیان ابن عیینہ نے فرمایا العدل ههنا استواء السريرة والاحسان ان تكون السريرة افضل من العلانية کہ یہاں عدل کا معنی یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دونوں یکساں ہوں احسان کا مطلب یہ ہے کہ باطن ظاہر سے بھی زیادہ پاکیزہ ہو حضرت سیدنا علی کا ارشاد ہے العدل الانصاف والاحسان التفضل یعنی عدل انصاف کرنا اور احسان فضل وکرم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کسی معاشرہ کا صحت مند بنیادوں پر قائم ہونا انہی دو چیزوں پر موقوف ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ ہر ایک کو اس کا پورا حق ملے اور قانون کے سامنے شاہ و گدا سب برابر ہوں۔ لیکن اتنا ہی کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر فرد اپنے

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ

اور منع فرماتا ہے بے حیائی سے، برے کاموں سے اور سرکشی سے۔ اللہ تعالیٰ نصیحت کرتا ہے تمہیں تاکہ تم

دوسرے ساتھی کے ساتھ برتاؤ کرنے میں احسان کو بھی پیش نظر رکھے یعنی اس کو حق سے زیادہ بھی دے اور اگر اس سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اس کے لیے ہر وقت سزا دینے پر ہی مصر نہ ہو بلکہ عفو و درگزر سے بھی کام لے۔ اسی طرح اس معاشرہ میں صرف یہ نہیں کہ حسد و عناد کے شعلے بجھ کر رہ جائیں گے بلکہ انس و محبت کی نسیم بھی ایسے غنچہ ہائے دل کو متبسم آشنا کرتی رہے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کی یہ تعریف منقول ہے ان تعبد الله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنی تو اپنے رب کی اس طرح عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر مراقبہ کی یہ کیفیت نصیب نہ ہو سکے تو کم از کم یہ تو یقین کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ارباب قلوب میں سے اعلیٰ درجے کے لوگ عبادت کرتے وقت کانک تراہ کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور بعض کی رسائی اس مقام تک نہیں ہوتی لیکن فانہ یراک کی لذتوں سے وہ بھی محظوظ ہوتے ہیں۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آؤ ایسا نہ ہو کہ تم عیش و عشرت کرتے رہو اور تمہارا کوئی رشتہ دار نان شبینہ کا محتاج ہو۔ اسلام نے خاندانی کفالت کا جو قاعدہ مقرر کیا ہے اس پر صحیح طور پر عمل کیا جائے تو ہمارے معاشرے کی کئی مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔ شریعت کی طرف سے ہر باپ پر اپنے اہل خانہ کی ذمہ داری عاید ہے اسی طرح اولاد پر اپنے والدین کی کفالت بھی فرض ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ قرابت کا یہ سلسلہ جہاں تک پھیلتا چلا جائیگا ذمہ داریاں ساتھ ساتھ بڑھتی جائیں گی۔ اسلام کا نظام میراث اسی خاندانی کفالت کی ایک عملی صورت ہے۔ مرنے والے کا ورثہ صرف اس کی اولاد میں بٹ کر نہیں رہ جاتا بلکہ متعدد دیگر رشتہ داروں کو بھی اس میں سے مناسب حصہ ملتا ہے۔ اگر کوئی انسان نادار ہے اور اس کا کوئی رشتہ دار بھی زندہ نہیں ہے تو اس کے دور کے رشتہ دار پر اس کی کفالت کی ذمہ داری عاید کی جائے گی۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث پاک ذکر کر کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

وہ تین چیزیں جن سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے پہلی چیز "الفحشاء" ہے۔ اس کا معنی ہے کل قبیح من قول وفعل ہر وہ بات اور ہر وہ کام جو قبیح ہو اسے فحشاء کہتے ہیں۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اس کا مفہوم کتنا وسیع ہے ہر وہ چیز جس سے افراد یا قوم کے اخلاق بگڑنے کا اندیشہ ہو وہ الفحشاء کی تعریف میں داخل ہوگی۔ "منکر" کا مفہوم ہے ما انکرہ الشرع بالنھی عنہ جس چیز کو شریعت نے ناپسند بھی کیا ہو اور اس سے روکا بھی ہو۔ "بغی" سے مراد حد سے تجاوز کرنا، اس میں تکبر، ظلم، حسد اور زیادتی سب آگئیں۔ بعض علماء نے عدل کا یہ مفہوم لکھا ہے کہ عدل کا معنی ہر معاملہ میں درمیانہ روی ہے عقاید ہوں یا عبادات ہوں، اخلاق ہوں یا معاملات، ہر چیز میں افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے میانہ روی اور اعتدال کے راستے پر گامزن رہنا عدل ہے اور احسان یہ ہے کہ اگر کوئی تجھ پر زیادتی کرے تو تو بدلہ لینے پر مصر نہ ہو بلکہ عفو و درگزر سے کام لے۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ قوت شہوانیہ کی متابعت میں افراط کو فحشاء کہتے ہیں۔ اور قوت غضبیہ کے مشتعل ہونے کے وقت جو کام کیا جائے اسے منکر کہتے ہیں۔ بغی کا مفہوم لوگوں پر جبر و تشدد کرنا اور ان پر بالادستی قائم کرنا ہے اور یہ قوت وہمیہ کا نتیجہ ہے۔

تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا

نصیحت قبول کرو۔ اور پورا کرو اللہ تعالیٰ کے عہد کو جب تم نے اس سے عہد کر لیا ۹۱ اور نہ توڑو (اپنی)

الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًا ط

قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد حالانکہ تم نے کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ۔

اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٩١﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا

بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور نہ ہو جاؤ اس عورت کی مانند جس نے توڑ ڈالا اپنے سوت کو ۹۲ مضبوط

۹۱ اس آیت میں دو چیزوں پر پابندی سے عمل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اسلام لاتے وقت جو عہد و پیمان بندہ اپنے رب سے کرتا ہے اس کو نبھائے اور باہمی معاملات میں جو قسمیں کھائی جاتی ہیں انکو بھی پورا کرے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ تم نے اس وقت اللہ تعالیٰ کو اپنے عہد و پیمان یا قسموں کا گواہ بنایا تھا تو یہ کتنی رذالت ہے کہ ایک چیز پر تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بناؤ اور پھر اس کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچاؤ۔ کفیل کا معنی گواہ ہے کفیلا ای شاهدا (مظہری) کفیلا ای شهیدا و یقال حافظا و یقال ضامنا (قرطبی) یعنی کفیل کا معنی گواہ ہے اور بعض نے اس کا معنی نگہبان اور بعض نے ضامن بھی کیا ہے۔

۹۲ اسلام سے پہلے عرب کے مشرک قبائل کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک قبیلہ سے دوستی کا معاہدہ کرتے اسکے بعد اگر انہیں موقع ملتا تو کسی دوسرے قبیلہ سے جو قوت اور دولت میں پہلے قبیلہ سے فزوں تر ہوتا اس کے ساتھ معاہدہ کر لیتے خواہ یہ ان کا نیا دوست قبیلہ ان کے پہلے معاہد قبیلہ کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرزندان اسلام کو اس اخلاقی گراوٹ اور عہد شکنی سے مجتنب رہنے کی ہدایت فرما رہے ہیں کہ تم یہ روش ہرگز اختیار نہ کرو۔ تم نے جو معاہدہ کیا ہے اس کو نبھاؤ اور جو پیمان باندھا ہے اس کو پورا کرو۔ اس خیال سے کہ یہ نیا قبیلہ قوت اور دولت میں پہلے دوست قبیلہ سے زیادہ ہے اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ سابقہ معاہدہ کو بلاوجہ توڑ دیا جائے اور نیا معاہدہ اس قبیلہ سے کیا جائے۔ ایسا کرنا تمہارے مقام سے بہت فروتر ہے۔ تم تو مکارم اخلاق کے داعی بنا کر بھیجے گئے ہو۔ اگر تم نے ایسی اخلاقی پستی کا ثبوت دیا تو لوگ مکارم اخلاق کا درس کس سے جا کر لیں گے۔ سیرت کی پختگی اور اطوار کی پاکیزگی کا نمونہ انہیں کہاں دستیاب ہوگا۔ اور اس عہد شکنی کو اپنی سیاسی فراست وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کر کے اپنے آپ کو دھوکہ نہ دو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری مثال اس احمق عورت کی سی ہوگی جو دن بھر سوت کاتتی رہتی ہے اور شام ہوتی ہے تو اس کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ عہد شکنی کا ارتکاب کر کے جس حماقت کا تم ثبوت دو گے وہ اس عورت کی بے وقوفی سے کم ہرگز نہیں ہوگا۔ دخل: ما یدخل فی الشیء ولم یکن منہ کسی چیز میں ایسی چیز ملانا جو اس سے نہ ہو۔ اس کا معنی دغابازی اور فریب کاری ہے۔ اربیٰ۔ ربا سے ہے اس کا معنی ہے زیادہ ہونا یعنی اکثر عددًا و اوفر مالًا۔

مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ

کاتنے کے بعد اور اسے پارہ پارہ کر ڈالا ۔ تم بناتے ہو اپنی قسموں کو ایک دوسرے کو فریب دینے کا ذریعہ تاکہ

تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ

اس طرح ہو جائے ایک گروہ زیادہ فائدہ اٹھانے والا دوسرے گروہ سے صرف آزماتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ ان قسموں سے ۱۱۱ اور واضح

لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

فرما دیگا تمہارے لیے قیامت کے روز ان باتوں کو جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے ۔ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِیْ

تو بنا دیتا تمہیں ایک امّت لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا

جسے چاہتا ہے ۱۱۲ اور ضرور تم سے باز پرس کی جائیگی ان اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو ۱۱۳ آپس میں

۱۱۱ وعدوں کو پابندی سے نبھانا ایک بڑی آزمائش ہے ایفاء عہد کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ تمہیں آزمانا چاہتا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تم اسلام کے تقاضوں کو کس حد تک پورا کرنے کی ہمت اور جرأت کا ثبوت بہم پہنچاتے ہو۔

۱۱۲ جن کو اللہ تعالیٰ نظر انداز کر دیتا ہے وہ راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں اور اس کی توفیق جس شخص کی دستگیری فرماتی ہے وہی ثابت قدمی سے صراط مستقیم پر گامزن رہتا ہے۔

۱۱۳ یہاں ایک بار پھر عہد شکنی اور دوستوں سے غدر اور دھوکہ بازی سے روکا جا رہا ہے نیز عہد شکنی وغیرہ پر جو برے اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کی طرف بھی ملت اسلامیہ کی توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے کہ اگر تم نے عہد شکنی کی تو اس طرح دوسرے لوگوں کو بھی عہد شکنی کا بہانہ مل جائیگا۔ نیز جب تمہاری عہد شکنی کا چرچا ہوگا تو تمہاری اس حرکت کو دیکھ کر لوگ اسلام سے بدظن ہو جائیں گے اور ان کا یہ کہنا بجا ہوگا کہ جب اس دین کے ماننے والے ایسی حرکتیں کرتے ہیں تو ایسے دین کو دور سے ہی سو سلام۔ اس کے علاوہ دنیا میں تمہارا بھرم کھل جائیگا اور تمہارے قول و قرار پر کسی کو اعتماد نہیں رہیگا جس طرح تم اپنے معاملات اور معاہدات میں سنجیدگی کا اظہار نہیں کرتے ہو تمہارے دوست بھی تمہارے ساتھ مخلصانہ برتاؤ نہیں کریں گے۔ یہ ساری خرابیاں جو تمہاری عہد شکنی پر مرتب ہونگی ان کے تم ذمہ دار ہوگے اور تمہیں اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کتنی واضح ہیں اپنے ماننے والوں کو معاہدہ کی حرمت پر پابندی کا کتنا

أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا

فریب دینے کا ذریعہ۔ ورنہ (جادۂ حق سے) پھسل جائے گا لوگوں کا قدم (اس پر) جم جانے کے بعد اور تمہیں چکھنا پڑیگا (اس کا)

السُّوٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٩٤﴾

برا نتیجہ کہ تم نے (اپنی عہد شکنی اور فریب کاری) کے باعث لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکدیا ف اور تمہارے لیے بڑا دردناک عذاب ہوگا۔

وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ إِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ

اور مت خریدو اللہ تعالیٰ کے عہدوں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض ف۱۳۳ بیشک جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی بہتر ہے

خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩٥﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا

تمہارے لیے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ جو (مال و زر) تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائیگا اور جو

صاف حکم دے رہا ہے۔ کتنی خوبی سے ان مجرمانہ نتائج کی نشاندہی فرمائی جو ایک مسلمان کی عہد شکنی پر مرتب ہوتے ہیں۔

ف۱۳۲ اگر ہم حقیقت پسندی کو گوارا کریں اور حالات کا صحیح جائزہ لینے کی ہمت بھی رکھتے ہوں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ تبلیغ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہماری اپنی بداعمالیاں ہیں۔ ورنہ اس دور میں جبکہ آمد و رفت کے ذرائع آسان ہو گئے ہیں اور تبلیغ و اشاعت کے وسائل سہل بھی ہیں اور ارزاں بھی۔ نورِ اسلام سے وسیع علاقوں کے محروم رہنے کی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ عقل نے وحی سے رشتہ منقطع کر کے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی بڑی کوششیں کیں لیکن اس کی ہر ایسی کوشش کا نتیجہ بڑا خطرناک نکلا۔ انسان ہر قسم کے خود ساختہ ازموں کو آزماتے آزماتے دل برداشتہ ہو گیا ہے۔ اب وہ محسوس کرنے لگا ہے کہ عقل کی آنکھ وحی الٰہی کے بغیر بینا نہیں ہو سکتی۔ تشنہ لب قوموں کو اسلام کے چشمۂ شیریں سے اپنی پیاس بجھانے کی دعوت دینے کا اب بہترین وقت تھا۔ لیکن ہم نے اپنی بدکرداریوں کے خس و خاشاک سے اس چشمہ کو اتنا گدلا اور مکدر کر دیا ہے کہ کوئی اس طرف رخ کرنے کی خواہش ہی نہیں کرتا۔ قرآن کریم نے ان الفاظ میں واضح طور پر بتا دیا کہ اگر تم نے فریب دہی، عہد شکنی اور دیگر رذائل سے اپنی سیرت کا دامن آلودہ کر لیا تو یاد رکھو اشاعتِ دین کی راہ میں روڑے اٹکانے والے تم ہو گے۔ اور اس سنگین جرم کے نتائج سے تمہیں دوچار ہونا پڑیگا۔ تذوقوا السوء کے کلمات کتنے معنی خیز ہیں۔ اب ہم اس کوتاہی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ وتذوقوا السوء فی الدنیا ھو ما یحل بھم من المکروہ۔ (قرطبی)

ف۱۳۳ جن فوائد اور منافع کے پیش نظر تم عہد شکنی کر رہے ہو، وہ تمہاری نظر میں بڑے اہم کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فوائد اور منافع تمہارے قول و قرار کی بہت ہی گھٹیا قیمت ہیں اور اتنی سستی قیمت پر مومن کو اپنا قول و قرار بیچتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ اس آیت میں ان حکام اور عدالت کی کرسی پر بیٹھنے والوں کو تنبیہ کی کہ تم نے یہ منصب سنبھالتے ہوئے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کا عہد

عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا

(ہمیشہ رہنے والی) ہے ۱۱۶ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور ہم ضرور عطا کریں گے انھیں جنھوں نے (مصیبت میں) صبر کیا ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید)

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔ جو بھی نیک کام کرے ۱۱۷ خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو

کیا تھا اور اللہ کی قسم اٹھائی تھی اب تم اس کو سراسر پس پشت ڈال کر مٹی میں ملیاں کر رہے ہو کیا تمھیں یہ سودا منظور ہے۔

۱۱۶ عہد شکنی رشوت ستانی چور بازاری اور دیگر ناجائز وسائل سے تم کتنا مال کیوں نہ فراہم کر لو وہ ختم ہونے والا اور فنا ہونے والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے بے پایاں ہیں وہ ختم نہیں ہوتے تم باقی کے بدلے فانی کو کیوں پسند کرتے ہو تم دنیا کے لالچ کے باعث نبی کریم کو ناراض کرنے کی غلطی نہ کرو۔ وہ تمھیں اپنے خزانہ غیب سے ایسی برکتیں مرحمت فرمائے گا جو تمھاری ساری ضروریات کی کفیل بن جائیں گی۔

۱۱۷ مغرب کی مادی تہذیب کے علمبرداروں کے ذہن میں عقبیٰ کی زندگی جاوداں کا کوئی تصور ہی نہیں۔ ان کی ساری کوششیں اسی دنیوی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار آرام دہ اور پر جلال بنانے پر مرکوز ہیں۔ وہ جو کام کرتے ہیں ان کے پیش نظر فقط مادی منفعت ہوتی ہے حتیٰ کہ جو ضابطہ اخلاق انھوں نے اپنا رکھا ہے جسے دیکھ کر ظاہر بین لوگ ان کی اخلاقی برتری کی قصیدہ خوانی کرتے ہیں اس کی تہ میں بھی کاروبار کی ترقی معاشی خوشحالی یا سیاسی وقار اور اقتدار کی ہوس ہی پنہاں ہوتی ہے لیکن صد افسوس وہ قوم جس کا بنیادی عقیدہ ہی دار آخرت پر ایمان تھا وہ بھی مادی تہذیب کی ظاہری ترقی سے مرعوب ہو رہی ہے۔ دن بدن ان کے ذہنوں میں بھی عقیدہ آخرت کی اہمیت گھٹتی جا رہی ہے۔ وہ بھی تیزی سے اس غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں کہ قرآن کی تعلیم کا مقصد فقط آخرت کی زندگی کو خوشگوار بنانا ہے۔ ہماری اس دنیوی زندگی کو خوشیوں سے ہمکنار کرنا نہ اس کے مقاصد میں داخل ہے اور نہ اس کی دسترس میں ہے بلکہ یہ حضرات احکام شریعت کو اپنی دنیاوی ترقی میں ایک رکاوٹ تصور کرنے لگے ہیں اگرچہ ہم بظاہر اس کا اعتراف کرنے سے ہچکچاتے ہیں لیکن اپنے معاملات میں جب بھی کوئی شرعی حکم ہمارے مفاد سے ٹکراتا ہے تو ہم بڑی آسانی سے اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ایسے اقدام پر ہمارے ضمیر کے جو پُر زور صدائے احتجاج پہلے بلند ہوا کرتی تھی اس کا جوش و خروش بھی مدھم پڑ رہا ہے۔ اس کا اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں کہ ہم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اسلام کی پابندی سے ہمارے کاروبار کی ترقی رک جائے گی اور ہمارا معیار زندگی بلند نہیں ہو سکے گا۔ قرآن کریم کی اس آیت طیبہ میں اسی غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہو کر اسلام کے پیش کیے ہوئے ضابطہ حیات کو اپناتے ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، شرقی ہوں یا غربی ان کے دونوں جہان سنور جاتے ہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ کا جو اجر انھیں اس دنیا میں ملے گا اس کو قرآن پاک نے حیاۃ طیبہ کے جامع الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے حیاۃ طیبہ کا لفظی معنی پاکیزہ زندگی ہے لیکن اس کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ ساری پائیدار مسرتیں اور حقیقی کامیابیاں اس میں سمٹی ہوئی ہیں دولت

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور دیں گے انھیں ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض

يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ

جو وہ کیا کرتے تھے۔ سو جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے اس شیطان (کی وسوسہ اندازیوں)

کی فراوانی اور سامانِ تعیش کی بہم رسانی کے باوجود دل کو قرار اور اطمینان نصیب نہیں ہوتا اور جب تک دل میں اطمینان کی شمع روشن نہ ہو سچی خوشی اور حقیقی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ کا دل نورِ ایمان سے اور آپ کی شاہراہِ حیات اعمالِ حسنہ کے چراغوں سے جگمگا رہی ہے تو آپ کی طرح ایک کٹیا میں بیٹھے ہوئے بوسیدہ لباس پہن کر بھی مسرور اور شاداں ہو سکتی ہے۔ لیکن دل کے نگر میں اگر کفر کے اندھیرے خیمہ زن ہوں شک و شبہ کے عفریت پھنکار رہے ہوں تو وہاں مسرت کا گزر کیسے ہو سکے۔ آپ مغربی ممالک کی ظاہری ترقی پر ہی فریفتہ نہ ہو جائیں ان کے معاشرہ کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھیں مسرت، اطمینان، اعتماد نام کی کوئی چیز آپ کو وہاں شاذ و نادر ہی دستیاب ہوگی۔ ہمارے اپنے معاشرہ میں جہاں جہاں اس خدا فراموش اور تصورِ آخرت سے بے بہرہ تہذیب کے قدم جمتے جا رہے ہیں وہاں خاندانوں کی بنیادیں لرز گئی ہیں۔ اس ضرب المثل اعتماد اور باہمی ایثار کی جگہ خود غرضی اور بے اعتمادی نمودار ہو رہی ہے۔ بچے اپنے والدین کے نافرمان بنتے جا رہے ہیں۔ دولت کے حصول کا وہ بھوت ہم پر مسلط ہو چکا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا آدمی دولت سمیٹنے میں ہمہ تن مصروف ہے الا ماشاء اللہ حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی ہے۔ ہماری زیاں کاری کا یہ عالم ہے کہ ہم دولت فراہم کرنے کے لیے اپنے ملک اور اپنی قوم سے غداری کرنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔ سڑکوں اور پلوں کی تعمیر میں بددیانتی سے باز نہیں آتے جن کا براہِ راست ہمارے دفاع سے تعلق ہے۔ ہسپتالوں اور درسگاہوں کے ٹھیکے دینے اور ٹھیکے لینے میں کون سی ایسی قباحت ہے جس کا چرچا خاص و عام کی زبان پر نہیں۔ کیا یہ دولت جو ہم اس طرح اکٹھی کرتے ہیں ہمیں اطمینان اور خوشی کی نعمت سے مالا مال کر سکتی ہے۔ قومی مفاد کے ساتھ غداری کرکے کیا ہم اپنے آپ کو محبِ وطن یا قابلِ فخر شہری کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔ حیاۃ طیبہ کے دامن میں عزتِ نفس ہے بلند نظری ہے۔ اولو العزمیاں ہیں ایثار و خلوص ہے قناعت ہے اور ان تمام چیزوں کے علاوہ زندگی کی بازی جیتنے پر ایک بہار آفریں تبسم ہے۔ یہ حیاۃ طیبہ ساری دولتوں سے بڑی دولت ہے۔ ساری عزتوں سے بڑی عزت ہے۔ اور ساری راحتوں سے بڑی راحت ہے جو وہ اسی کو ملتی ہے جس کے دل میں ایمان کا نور ضوفشاں ہوتا ہے جس سے اس کا ظاہر اور اس کا باطن، اس کا قول اور اس کا عمل جگمگا رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ اجر ہے جو ایک بندہ مومن کو اس دنیا میں بخشا جاتا ہے لیکن یہ زندگی بہرحال فانی ہے اسے ایک دن یقیناً ختم ہونا ہے لیکن ایمان کا درخت اس دنیا سے رختِ سفر باندھنے کے بعد بھی ثمر بار رہتا ہے۔ اور اس کی برکت سے آئندہ زندگی جو ابدی ہے جو جاوداں ہے وہ بھی راحتوں اور مسرتوں کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

۹۸ قرآن کریم کی تلاوت کے آداب بتائے جا رہے ہیں کہ پڑھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے پناہ مانگو تاکہ فہم

الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى

سے جو مردود ہے۔ یقیناً اس کا زور نہیں چلتا ان لوگوں پر جو (سچے دل سے) ایمان لائے ہیں اور

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ

اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں ۱۱۹ اس کا زور تو صرف ان پر چلتا ہے جو یارانہ گانٹھتے ہیں اس سے اور جو

هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ ۱۲۰ اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ ۱۲۱ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے

قرآن میں شیطان کی فتنہ انگیزیوں سے تم محفوظ رہ سکو۔

۱۱۹ شیطان ان نفوس قدسیہ پر غالب نہیں آسکتا جو صدق دل سے ایمان لائے ہیں اور عملی دنیا میں اللہ تعالیٰ پر توکل کیے مصائب و آلام کے طوفانوں کو للکارتے اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

۱۲۰ شیطان تو صرف ان بدنصیبوں کو ہی اپنے شکنجہ میں کس کر ان کا گھومنا کاتا ہے انہی کو اپنے دام فریب میں پھنسا کر ذلیل و رسوا کرتا ہے جو اس کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور اس کے اشارے پر رقص کرتے ہیں اور اگر وہ انہیں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک بنانے کا اشارہ کرتا ہے تو بے چون و چرا اس کے اس حکم کی بھی اطاعت کرتے ہیں۔

۱۲۱ یہ درست ہے کہ شریعت کے بیشتر احکام کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے کوئی شرعی حکم ہی نازل نہیں ہوا، قابل فہم نہیں۔ آخر یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ ملت اسلامیہ نے بارہ تیرہ سال کا یہ طویل عرصہ کسی نظام کے بغیر گزارا ہو یقیناً یہاں بھی احکام کا نزول ہوا۔ حالات کے مطابق ان میں رد و بدل کیا گیا جس پر کفار مکہ کو یہ الزام لگانے کا موقع ملا۔ یہ کہنا کہ کفار نے اس امر پر اعتراض کیا کہ ایک واقعہ کو متعدد بار مختلف اسلوبوں سے کبھی تفصیلاً کبھی اجمالاً کیوں بیان کیا گیا ہے۔ ایک چیز کو ثابت کرنے کے لیے مختلف مقامات پر ستے دلائل پیش کرنا ہرگز قابل اعتراض نہیں۔ جن واقعات کو مختلف مقامات پر مختلف انداز میں کبھی تفصیلاً اور کبھی اجمالاً ذکر کیا گیا ہے وہ کلام کے سیاق و سباق میں اس موزونیت سے سجے ہوئے ہیں کہ اگر مقام تفصیل کی جگہ اجمال یا مقام اجمال کی جگہ تفصیل کی جاتی تو قطعاً موزوں نہ ہوتا۔

ایک صاحب نے اس آیت کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ کفار کو یہ اعتراض تھا کہ سابقہ کتب کی جگہ نئی کتاب کیوں نازل کی جارہی ہے لیکن یہاں ذکر آیت سے آیت کو بدلنے کا ہے نہ کتاب کو کتاب سے بدلنے کا۔ اور ان دونوں میں جو فرق ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

جو وہ نازل کرتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں تم صرف افترا پرداز ہو۔ بلکہ ان میں سے اکثر (آیت بدلنے کی حکمت کو) نہیں جانتے ۱۲۲؎

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ

فرمائیے نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ ۱۲۳؎ تاکہ ثابت قدم رکھے انھیں جو

اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ

ایمان لائے ہیں اور یہ ہدایت اور خوش خبری ہے مسلمانوں کے لیے ۱۲۴؎ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ

يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ

کہتے ہیں کہ انھیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے ۱۲۵؎ حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں

۱۲۲؎ یعنی احکام کی تبدیلی میں جو حکمتیں ہیں ان میں تو یہ لوگ غور کرتے نہیں اور اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کفار کا مقصد تحقیق حق تو تھا ہی نہیں تاکہ وہ اپنے قول کی معقولیت اور عدم معقولیت کے متعلق سوچنے کی زحمت گوارا کرتے بلکہ ان کے پیش نظر اعتراض برائے اعتراض تھا۔

۱۲۳؎ جس بے باکی سے انھوں نے زبان درازی کی اسی قوت سے ان کا رد کیا جا رہا ہے۔ فرمایا اسے لیکر روح القدس اترا ہے اور آپ کے پروردگار کے پاس سے لیکر آیا ہے اور حق کے ساتھ لایا ہے جو کلام سراپا حق ہو جس میں باطل کی ذرا آمیزش نہ ہو اور اس کو بھیجنے والا خود آپ کا رب ہو اور لانے والا ایک مقدس فرشتہ ہو جو ہر قسم کی انسانی کمزوریوں سے یکسر پاک ہو نہ وہ نسیان کا مریض ہو کہ بھولنے کا امکان ہو نہ اس کی کوئی ذاتی غرض ہو جس کی وجہ سے وہ اس میں رد و بدل کا خواہاں ہو اور نہ وہ بد دیانت اور خائن ہو تو پھر ایسے لائے ہوئے کلام کو ماننے میں تامل کرنا اور اسے افترا کہنا ایک نادان کا کام ہی ہو سکتا ہے۔

۱۲۴؎ برمحل اور برموقع احکام کی تبدیلی میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں انھیں دیکھ کر اہل ایمان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور انھیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کلام کسی علیم حکیم ہستی کا ہے جو ہر قسم کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے آگاہ ہے۔ یہ کتاب سراپا ہدایت ہے اور جو اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں ان کے لیے تو یہ فلاح دارین اور فوز عظیم کا مژدہ ہے۔

۱۲۵؎ جب انسان بوکھلا جاتا ہے تو معقولیت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ جب قرآن کریم کے متعلق ان کے تمام شبہات کا جواب دے دیا گیا اور ان کو اس جیسی کتاب نہیں تو اس کی چھوٹی سی سورت کی مانند سورت بنانے کے چیلنج نے جب ان کے لبوں پر مہر خاموشی ثبت کر دی تو کہنے لگے انکو کوئی سکھاتا ہے اور یہ سیکھ کر بیان کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ سیکھتے ہیں تو کس سے۔ انکے لیے کوئی

أَعْجَمِيٌّ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۰۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

عجمی ہے۔ اور یہ قرآن فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔ بیشک جو لوگ ایمان نہیں لاتے

بِآيَاتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ إِنَّمَا

اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت نہیں دیتا ۱۲۶ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہی لوگ

يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ ۚ وَأُولٰئِكَ

تراشا کرتے ہیں جھوٹ ۱۲۷ جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیات پر اور یہی لوگ

جواب ہوتا تو وہ دیتے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی کہتا بلعام لوہار سے، کوئی بنی مغیرہ کے ایک غلام یعیش کا نام لیتا۔ کوئی عایش اور جبر کو استاد ظاہر کرتا۔ حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی مادری زبان عربی ہو۔ سارے عجمی تھے اور سارے غلام تھے اور ان میں سے اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے۔ انکے کافر آقا ان پر سخت ظلم کرتے لیکن ان کے پاؤں نہ ڈگمگاتے۔ اگر یہ غلام ہوتے، اگر یہ قرآن سکھانے والے ہوتے تو انھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا کر اپنے آپ کو سنگدل آقاؤں کے ظلم و ستم کا ہدف بننے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز اگر کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیکھتے تھے تو وہ کوئی ایک ہی ہوگا۔ کفار کا مختلف لوگوں کے نام لینا انکے جھوٹے ہونے کی صریح نشانی تھی۔ اور سب سے بڑی دلیل انکے جھوٹے ہونے کی یہ تھی جسے قرآن حکیم نے ذکر فرما دیا ہے کہ تم جو لغت عربی کے امام ہو اور فصاحت و بلاغت کے عویدار ہو تم تو آج تک اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی بنا نہ سکے۔ یہ عجمی غلام جنھیں صبح سے لیکر شام تک اپنے دھندے سے فرصت نہیں ملتی وہ اتنے ماہر کہاں سے آ گئے کہ ایسا فصیح و بلیغ کلام سکھا سکیں جس کے ہر جملہ میں علم و حکمت کے سمندر موجزن ہیں۔ مبین کا معنی علامہ قرطبی نے کیا ہے۔ ای افصح مایکون من العربیة یعنی فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ ترین نمونہ۔

۱۲۶ یہاں پھر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ فرمایا ان لوگوں کو ہدایت نہیں ملتی جو قرآن پر دانستہ ایمان نہیں لاتے نا قابل تردید دلائل کے باوجود اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔ یہی وہ بدنصیب ہیں جن کے مقدر میں گمراہی لکھ دی جاتی ہے۔

۱۲۷ کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مفتری ہونے کا الزام لگانے کی گستاخی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا افترا بازی کرنا تو تمہارا شیوہ ہے جھوٹ بولنا تو تمہاری عادت ہے میرے محبوب کا مقام تو بڑا بلند ہے۔ اس کے غلام بھی جھوٹ اور غلط بیانی سے اپنی زبان آلودہ نہیں کرتے چنانچہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایکون المومن جبانا قال نعم فقیل لہ ایکون المومن بخیلا قال نعم فقیل لہ ایکون المومن کذابا قال لا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی۔ کیا مومن بزدل ہوتا ہے فرمایا ہاں۔ کیا مومن بخیل ہوتا ہے فرمایا ہاں۔ کیا مومن جھوٹا ہوتا ہے فرمایا نہیں۔

هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ

جھوٹے ہیں جس نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد بجز اس شخص کے جسے مجبور

اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ

کیا گیا اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ (تو اس سے مواخذہ نہ ہوگا)[۱۵۰] لیکن وہ (بدنصیب) کھل جائے کفر کے ساتھ

---

۱۵۰ یہ آیت حضرت عمار کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک دفعہ کفار نے آپ کو آپ کے والد یاسر کو اور آپ کی والدہ سمیہ کو پکڑ لیا۔ انھیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تاکہ وہ اسلام سے دستبردار ہو جائیں لیکن بے سود۔ آخر انھوں نے حضرت سمیہ کی ایک ٹانگ ایک اونٹ سے اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے باندھ دی اور ابوجہل نے ان کے مقام نہانی میں نیزہ مارا اور دونوں اونٹوں کو مختلف سمتوں میں دوڑا دیا۔ یہاں تک کہ چیر کر آپ کے بدن کے دو حصے ہو گئے۔ یہ پہلی شہیدہ ہیں جنھوں نے اپنی جان راہ خدا میں دی۔ پھر حضرت یاسر کو پکڑا اور ان کو بھی بڑی بیدردی سے قتل کر دیا۔ یہ تاریخ اسلام کے دوسرے شہید ہیں جن کے خون پاک سے زمین لالہ گوں ہوئی۔ اس کے بعد ان ظالموں نے حضرت عمار کو پکڑا اور انھیں مجبور کیا کہ اسلام کو چھوڑ دیں۔ آپ کی والدہ اور والد کے لاشے سامنے تڑپ رہے تھے انھوں نے بادلِ نخواستہ زبان سے کلماتِ کفر کہہ دیئے۔ بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی کہ عمار تو کافر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلا ان عمارا ملئ ایمانا من قرنہ الی قدمہ واختلط الایمان بلحمہ ودمہ ہرگز نہیں عمار تو سر سے لیکر قدم تک ایمان سے لبریز ہے ایمان اس کے گوشت اور خون میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ حضرت عمار وہاں سے چھٹکارا پا کر روتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضور نے پوچھا کیف وجدت قلبک اے عمار اس وقت تیرے دل کی کیا کیفیت تھی عرض کی مطمئنا بالایمان وہ تو ایمان سے مطمئن تھا۔ اس بندہ پرور آقا نے اپنے غلام کی اشکبار آنکھوں کو اپنے دستِ کرم سے پونچھا اور فرمایا ان عادوا لک فعد لھم بما قلت (مظہری) اس سے معلوم ہوا کہ اپنی جان بچانے کے لیے اگر کوئی شخص کفریہ کلمہ زبان پر لائے بشرطیکہ اس کے دل میں یقین اور ایمان موجود ہو تو اس کی اجازت ہے لیکن افضل اور عزیمت یہ ہے کہ جان دے دے لیکن کلمہ کفر سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کرے والافضل والاولی ان یثبت علی دینہ ولو افضی الی قتلہ (ابن کثیر)

جس طرح بیشتر صحابہ کرام نے اپنی جان دے دی لیکن تختہ دار پر بھی اپنے اسلام کا اعلان کرتے رہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا ایک ایمان افروز واقعہ لکھا ہے آپ بھی پڑھیے اور غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی جان بازی اور سرفروشی کی داد دیجیے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ کو رومیوں نے قید کر لیا اور اپنے سردار کے پاس لے آئے۔ اس نے آپ کو کہا کہ عیسائی بن جاؤ۔ میں تمھیں اپنی حکومت میں بھی حصہ دونگا اور اپنی بیٹی کا رشتہ بھی دونگا۔ آپ نے فرمایا لو اعطیتنی جمیع ما تملک وجمیع ما تملکہ العرب علی ان ارجع عن دین محمد طرفۃ عین ما فعلت یعنی تو مجھے اپنی ساری دولت اور جائداد اور سارے اہلِ عرب کی دولت اس شرط پر دے کہ میں ایک لحظہ

صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿١٠٦﴾

(جس کا سینہ) ف٢٩ تو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ

اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے پسند کر لیا دنیا کی (فانی) زندگی کو آخرت کی (ابدی) زندگی پر اور بیشک اللہ تعالیٰ

کے لیے بھی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے دست کش ہو جاؤں تو پھر بھی میں قبول نہیں کروں گا۔ اس نے دھمکی دی کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا آپ نے فرمایا بصد خوشی۔ اس نے آپ کو سولی پر لٹکانے کا حکم دیا۔ اور تیر اندازوں کو کہا کہ انکے ہاتھوں اور پاؤں پر آہستہ آہستہ تیر لگاؤ۔ انھوں نے ایسا کرنا شروع کیا۔ اور اس نے پھر عیسائیت قبول کرنے کی پیشکش کی۔ آپنے انکار کر دیا۔ پھر اس نے سولی سے اتارنے کا حکم دیا۔ پھر ایک تانبے کی دیگ آگ پر تپایا گیا۔ اور ایک مسلمان قیدی کو حضرت عبداللہ کے سامنے اس میں پھینک دیا گیا اور اس نے وہیں تڑپ کر جان دے دی۔ اس دھمکی کے بعد پھر اس نے کوشش کی کہ یہ عیسائیت کو قبول کریں آپ انکار کرتے رہے آخر انھیں دیگ میں پھینکنے کا حکم دیا جب جلاد انھیں اٹھا کر اس تپتی ہوئی دیگ کی طرف لیجا رہے تھے تو ثبات و استقامت کے اس پہاڑ میں اضطراب کی ہلکی سی جھلک نہ تھی۔ جب دیگ کے کنارے تک پہنچے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ بادشاہ کو خیال آیا کہ شاید اب اسلام کو چھوڑ کر میرا مذہب قبول کر لیں گے اس لیے واپس لانے کا حکم دیا۔ رونے کی وجہ پوچھی۔ آپنے فرمایا کہ میں اس لیے رو پڑا تھا کہ میری ایک جان ہے جسے رضائے الٰہی کے لیے اس دیگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ کاش میرے پاس اتنی جانیں ہوتیں جتنے میرے جسم پر بال ہیں اور میں سب کو اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس عذاب میں ڈال دیتا۔ بادشاہ نے آپ کو قید کر دیا اور کھانا پینا بند کر دیا۔ کافی دن بھوکا اور پیاسا رکھنے کے بعد کچھ شراب اور کچھ خنزیر کا گوشت ان کی طرف بھیجا لیکن آپنے ہاتھ تک نہ لگایا۔ بادشاہ نے پھر اپنے دربار میں طلب کیا اور نہ کھانے کی وجہ پوچھی آپنے فرمایا حالتِ اضطرار میں اگرچہ اس کا استعمال حرام نہیں لیکن میں تجھے یہ موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ تو میرے ایمان کی کمزوری کے باعث اظہار خوشی کرے۔ بادشاہ نے کہا اس طرح کرو کہ میرے سر کو بوسہ دو اور میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا کیا میرے ساتھ سارے مسلمان اسیروں کو آزاد کر دو گے۔ اس نے کہا ہاں۔ چنانچہ آپنے اس کے سر کو چوما۔ اس نے آپ کو اور تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ جب یہ سب حضرت فاروق اعظم کے پاس پہنچے اور آپ کو یہ ماجرا سنایا تو آپ نے فرمایا حق علی کل مسلم ان یقبل راس عبد اللہ بن حذیفة وانا ابدأ فقام فقبل راسه رضی اللہ عنہما۔ کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ عبداللہ کا سر چومے اور ابتدا میں کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے کھڑے ہو کر ان کے سر کو بوسہ دیا۔

ف٢٩ لیکن اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کی طرف پھر لوٹ آئے اور اس سے خوشی محسوس کرے ایسے شخص کے لیے عذاب الیم کے ساتھ غضب خداوندی بھی ہے۔

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى

ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کافر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں مہر لگادی ہے اللہ تعالیٰ نے جن کے

قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

دلوں، جن کے کانوں اور جن کی آنکھوں پر [۱۳۰] اور یہی لوگ (اپنے اعمال کے نتائج سے) غافل ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ

ضرور یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔ پھر بیشک آپ کے پروردگار کا معاملہ ان کے ساتھ

هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ

جنھوں نے ہجرت کی بڑی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد پھر جہاد بھی کیا اور (مصائب میں) صبر [۱۳۱] سے کام لیا بیشک آپ کا رب

مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ

ان آزمائشوں کے بعد (انکے لیے) بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانیوالا ہے ۔ اس دن کو یاد کرو جب آئے گا ہر نفس کہ جھگڑا کر رہا ہوگا

ع ۱۴ ۲۰

[۱۳۰] جن لوگوں نے دین اسلام سے رشتہ جوڑ کر توڑ لیا جنھوں نے دنیوی زندگی کی آسائش اور آرام پر دارِ آخرت کو قربان کر دیا ایسے لوگوں کو ہدایت جیسی نایاب اور بیش قیمت نعمت سے نوازا نہیں جاتا بلکہ ان سے تو فہم و خرد کی قوت سلب کر لی جاتی ہے۔ دیدۂ حق بین بے نور ہو جاتا ہے اور کان آوازِ حق سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں۔

[۱۳۱] حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور اس قسم کے دوسرے ارباب اخلاص کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ جنھوں نے فتنہ میں مبتلا ہونے کے بعد اور حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے وطن کو چھوڑا۔ حق و باطل کی ہر جنگ میں حق کا پرچم بلند کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اس راہ میں جس مصیبت اور تکلیف سے انھیں واسطہ پڑا۔ بڑے صبر کے ساتھ اس کو برداشت کیا۔ تو اے محبوب انھیں بتا دو کہ آپ کا رب غفور رحیم ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی نسبت بار بار اپنے محبوب کی طرف کی ہے۔ اس کی مٹھاس اور اس کی لطافتوں سے وہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں جنھیں مکتبِ عشق میں زانوئے ادب تہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔

عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

(صرف) اپنے متعلق ۱۳۲ اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کیا ہوگا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائیگا ۱۳۳

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا

اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن (اور) چین سے (آباد) تھی آتا تھا اسکے پاس

رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا

اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے ۱۳۴ پس اس (کے باشندوں) نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی پس چکھایا

۱۳۲ اس روز ہر شخص کو اپنی فکر دامنگیر ہوگی۔ عذاب الٰہی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے وہ سارے جتن کرے گا۔ اگر انکارِ جرم میں اپنی سلامتی محسوس کریگا تو بلا جھجک مکر جائیگا۔ اور کہے گا میں نے تو قطعاً کوئی جرم کیا ہی نہیں۔ میری ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں بسر ہوئی۔ لیکن جب فرشتے اس کی زندگی کا مکمل ریکارڈ پیش کر دیں گے اور اسکے اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا اس کی غلط کاریوں پر گواہی دینگے تو پھر وہ اقبالِ جرم کر کے فوراً معذرت خواہی کرنے لگے گا اور طرح طرح کے حیلے بہانے پیش کریگا۔ لیکن اس روز کسی قسم کی حیلہ سازی کام نہیں آئے گی۔ ہر شخص کو اس کے نیک بد اعمال کا بدلہ دیا جائیگا۔ نیکوں کی نیکیاں فراموش نہیں کی جائیں گی۔ بلکہ انھیں ان کا نیک بدلہ ملیگا اور بروں کی برائیاں اپنا رنگ لاکر رہیں گی۔ اور انھیں سزا بھگتنی پڑے گی۔

۱۳۳ ظلم یہ ہے کہ نیکوں کی نیکیاں فراموش کر دی جائیں۔ اور بروں کو ان کی برائیوں سے زیادہ سزا دی جائے ایسا نہیں ہوگا۔ اگر نیکوں کو ان کی نیکیوں کا اجر ان کے حق سے زیادہ دیا جائے یا بروں کی سزا میں تخفیف کر دی جائے تو یہ ظلم نہیں بلکہ ایسا عدل و انصاف ہے جو فضل و کرم کا آئینہ دار ہے۔ اور اس کی شانِ کریمی کو یہی زیبا ہے۔

۱۳۴ بعض علماء کی رائے ہے کہ آیت میں قریہ سے مراد مکہ ہے۔ کعبۂ مقدسہ کی وجہ سے مکہ کو جو عزت و شرف حاصل تھا وہ محتاجِ بیان نہیں۔ یہاں ہر طرح کا امن و امان تھا۔ کوئی حملہ آور اس پر چڑھائی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باشندے جہاں جاتے لوگ ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتے۔ کوئی ڈاکو یا راہزن ان پر دست درازی نہ کرتا۔ کھانے پینے کی تمام چیزیں غلہ، سبزیاں، پھل بکثرت دستیاب ہوتے۔ یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے۔ بجائے اس کے کہ اہلِ مکہ ایمان سے مشرف ہو کر مزید عنایاتِ الٰہیہ کے مستحق بنتے انھوں نے نافرمانی کی اور انعاماتِ ربانی کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت کو اپنا شعار بنایا۔ چنانچہ اسلام کے ساتھ ان کی جنگوں کا طویل سلسلہ شروع ہوا جس کے باعث امن و امان درہم برہم ہو گیا۔ ہر گھر میں آئے دن صفِ ماتم بچھنے لگی۔ تجارت کی وہ گرم بازاری باقی نہ رہی۔ قحط و خشک سالی نے انکا ناطقہ بند کر دیا۔ اس آیت میں اسی امر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آیت میں قریہ سے مراد کوئی خاص گاؤں نہیں بلکہ کوئی گاؤں کوئی بستی جسکے باشندوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے آپ کو طرح طرح کے مصائب سے دوچار کر دیا۔

اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ

انھیں اللہ تعالیٰ نے (ایسا عذاب) پہنا دیا انھیں بھوک اور خوف کا لباس ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے ۔ اور آیا

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ

ان کے پاس رسول انھی میں سے پس انھوں نے اسے جھٹلایا پھر پکڑ لیا انھیں عذاب نے اس حال میں کہ وہ

ظٰلِمُوْنَ ﴿١١٣﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ

ظلم و ستم کیا کرتے تھے ۔ پس کھاؤ اس سے جو رزق دیا تمھیں اللہ تعالیٰ نے جو حلال (اور) طیب ہے ۔ اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا

اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ

اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو ۔ اس نے تم پر حرام کیا ہے صرف مردار ،

الدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ

خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر بلند کیا گیا ہو غیر اللہ کا نام ذبح کے وقت ۱۳۵ پس جو مجبور ہو جائے (انکے کھانے پر) بشرطیکہ

قال ابن عطیه یتوجه عندی انها قصد بها قریة غیر معینة جعلت مثلاً لمکة علی معنی التحذیر لاهلها ولغیرها من القری الی یوم القیامة ۔ (بحر)

۱۳۵۔ یہ آیت اس سے پہلے تین مرتبہ گزر چکی ہے ۔ اب چوتھی اور آخری بار یہاں مذکور ہے ۔ اس آیت کا یہ حصہ خصوصی توجہ کا مستحق ہے کیونکہ اسکو صحیح طور پر نہ سمجھنے کے باعث ملت اسلامیہ میں افتراق و انتشار کا دروازہ کھل گیا ہے اور ایک فریق دوسرے کو کافر و مرتد کہنے سے بھی گریز نہیں کرتا اور بڑی شد و مد سے ان تمام جانوروں کو حرام و مردار کہتا ہے جنھیں کسی بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کے لیے ذبح کیا گیا ہو خواہ اسے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ہی لیا گیا ہو ۔ آئیے اس آیت کریمہ کو اپنی آرا اور اہوا کا اکھاڑہ نہ بنائیں ۔ بلکہ اسے سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور لغت عرب کی روشنی میں سمجھنے کی مخلصانہ کوشش کریں تاکہ حقیقت عیاں ہو جائے اور باہمی اختلافات و منافرت کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر قابو پایا جا سکے ۔ وباللہ التوفیق ۔

آیت کا جو مفہوم سلف صالحین اور علما متقدمین نے خود سمجھا ہے اور ہمیں سمجھایا ہے ۔ وہ تو یہ ہے کہ اگر کسی جانور کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیکر ذبح کیا جائے تو وہ جانور حرام ہے جس طرح مشرکین باسم اللات والعزیٰ کہہ کر جانوروں کو ذبح کیا کرتے تھے ۔ امام ابوبکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر احکام القرآن میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :۔ ولا خلاف بین

المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اھل لغیر اللہ عند الذبح ۔ یعنی سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ بیضاوی، قرطبی، رازی اور دیگر مفسرین اسلاف نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

لیکن علماء متاخرین میں سے بعض لوگوں نے اسلاف اور قدماء مفسرین کی متفقہ رائے سے اختلاف کیا اور اس آیت سے ایک نیا مفہوم اخذ کیا جس سے تکفیر کا دروازہ کھل گیا۔ غیروں کو اپنا بنانے کی توفیق سے جو لوگ محروم تھے انھوں نے اپنوں کو بیگانہ بنانے کا شغل اختیار فرمایا اور اس فن میں وہ جدت طرازیاں اور موشگافیاں کیں کہ عقل دنگ رہ گئی اور دل لرز اٹھا۔ آئیے پہلے ان کے دلائل کو سنئے تاکہ ان کی اس غلط فہمی کا ماخذ آپ کو معلوم ہو جائے۔ پھر ان میں غور فرمائیے۔ ان دلائل کی بے سروپائی آپ پر واضح ہو جائیگی۔

وہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ جس جانور پر غیر اللہ کا نام لے لیا جائے اور وہ اس غیر کے نام سے مشہور ہو جائے تو ایسے جانور کو اگر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بھی ذبح کیا جائے تو وہ حلال نہیں ہوگا بلکہ حرام ہوگا۔ جس طرح کتے اور خنزیر کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کے ذبح کیا جائے تو وہ ناپاک ہی رہتا ہے۔ وہ اپنے اس مفہوم کی تائید کے لیے کہتے ہیں کہ لغت عرب اور عرف میں اھل کا معنی ذبح کرنا نہیں ہے کوئی شعر کوئی عبارت ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس میں کسی فصیح و بلیغ نے اھل کو ذبح کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہو بلکہ اہل لغت کے نزدیک اھل کا معنی آواز بلند کرنا ہے۔ اور کسی چیز کو شہرت دینا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ اھل کا معنی ذبح کرنا ہے تو بھی آیت کا یہ معنی ہوگا کہ وہ جانور جسے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے اور اس کا جو معنی تم نے کیا ہے کہ "وہ جانور جسے غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے" یہ تو کسی طرح مراد نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آیت کا جو معنی تم نے کیا ہے وہ تو صراحۃً تحریف آیت ہے۔ یہ اُن کا استدلال ہے جو آپ نے پڑھ لیا۔

اب ہم بصد ادب ان کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اھل کا معنی اگر وہ لیا جائے جو تم نے لیا یعنی آواز بلند کرنا یا شہرت دینا تو چاہیے یہ کہ تمام ایسے جانور جن پر غیر اللہ کا نام لے لیا جائے یا انھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے نامزد کر دیا جائے تو وہ ابدی حرام ہو جائیں اور اگر تکبیر پڑھ کے ان کے گلے پر چھری پھیری جائے تب بھی وہ حلال نہ ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ کیونکہ بحیرہ، سائبہ وغیرہا جانور وہ اپنے بتوں کے لئے نذر مانتے تھے۔ اور ان سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا اپنے اوپر حرام کر دیتے تھے حالانکہ اگر کوئی مسلمان ان کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو وہ حلال ہیں۔ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر نامزد بھی کیا گیا۔ انھیں کے نام سے وہ مشہور ہوتے۔ حالانکہ انھیں اگر تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جائے تو وہ اس کے باوجود حلال ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں صراحۃً مرقوم ہے کہ اگر کسی مجوسی نے اپنے آتشکدہ کے لیے یا کسی مشرک نے اپنے باطل خداؤں کے لیے کسی جانور کو نامزد کیا اور کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اسے ذبح کر دیا تو اسے کھایا جائیگا۔ کیونکہ مسلمان نے اسے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا ہے مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم او الکافر لالھتھم توکل لانہ سمی اللہ ویکرہ للمسلم (فتاویٰ عالمگیری: کتاب الذبائح) تو اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ کسی چیز پر محض غیر اللہ کا نام لے دینے سے وہ حرام نہیں ہو جاتی۔

نیز ان کا یہ دعویٰ کرنا کہ اھل کا لفظ ذبح کے معنی میں لغۃً اور عرفاً مستعمل نہیں ہوتا یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ فصاحت و بلاغت کے امام حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اُھِلَّ کو ذبح کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہے اور آپ کا قول بلا اختلاف حجت اور سند ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔ اذا سمعتم الیہود والنصارٰی یھلون لغیر اللہ فلا تاکلوا واذا لم تسمعوھم فکلوا فان اللہ قد احل ذبائحھم وھو یعلم ما یقولون (فتح البیان، جلد اول صفحہ ۲۴۲)

یعنی جب تم سنو کہ یہود و نصاریٰ غیر خدا کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں تو ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ اور اگر نہ سنو تو کھالو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذبیحہ کو حلال کیا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔

آپ کے اس قول میں یھلون بمعنی یذبحون مستعمل ہے۔ اس لیے ان کا یہ کہنا کہ اھل کا لفظ ذبح کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا صحیح نہ ہوا۔ قدماء مفسرین نے بھی اھلّ کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اھل کا لغوی معنی تو آواز بلند کرنا ہے لیکن اب عرفاً یہ ذبح کرنے کے معنی ہیں یا ذبح کے وقت آواز بلند کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ لغت کے امام اصمعی سے لفظ اھل کی تحقیق نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

قال الاصمعی الاھلال اصلہ رفع الصوت فکل رافع صوتہ فھو مھل ..... وھذا معنی الاھلال فی اللغۃ ثم قیل للمحرم مھل لرفعہ الصوت بالتلبیۃ عند الاحرام .... والذابح مھل لان العرب کانوا یسمون الاوثان عند الذبح ویرفعون اصواتھم بذکرھا۔ اصمعی نے کہا کہ اھلال اصل میں آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں۔ تو ہر آواز بلند کرنے والا مُھِلّ کہلائے گا۔ یہ اھلال کا لغوی معنی ہے پھر محرم کو بھی مُھِلّ کہتے ہیں کیونکہ احرام باندھتے وقت وہ بلند آواز سے تلبیہ (لبیک اللھم لبیک الخ) کہتا ہے اور ذبح کرنے والے کو بھی مُھِلّ کہتے ہیں کیونکہ مشرکین عرب جانوروں کو ذبح کرتے وقت بلند آواز سے اپنے بتوں کا نام لیا کرتے تھے۔

علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور اپنی لغت کی شہرۂ آفاق کتاب لسان العرب میں اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔ واصل الاھلال رفع الصوت وکل رافع صوتہ فھو مھل وکذلک قولہ عز وجل وما اھل لغیر اللہ بہ ھو ماذبح للآلھۃ وذلک لان الذابح کان یسمیھا عند الذبح فذلک ھو الاھلال۔

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں:۔

اصل الاھلال رفع الصوت ... حتی قیل لکل ذابح مھلٌ وان لم یجھر بالتسمیۃ: اھلال کا لغوی معنی آواز بلند کرنا ہے ...... یہاں تک ہر ذبح کرنے والے کو مُھِلّ کہا جانے لگا۔ اگرچہ وہ بلند آواز سے تکبیر نہ بھی کہے علامہ سیوطی نے حضرت ابن عباس سے اُھِلَّ کا معنی ذُبِحَ نقل کیا ہے اور امام تفسیر مجاہد نے ما اھل کا معنی ما ذبح لغیر اللہ کیا ہے۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر مظہری میں اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔ قال الربیع بن انس یعنی ما ذکر عند ذبحہ اسم غیر اللہ والاھلال ..... حتی قیل لکل ذابح مھل وان لم یجھر مھل۔

از راہِ اختصار ان چند حوالوں پر اکتفا کیا جا رہا ہے ورنہ بے شمار حوالے پیش کیے جا سکتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اھل بمعنی ذُبِحَ مستعمل ہوتا رہتا ہے۔ ان ان گنت اور واضح تصریحات کے باوجود یہ کہنا کہ اھل ذبح کے معنی میں نہ لغۃ

استعمال ہوتا ہے اور نہ عرفاً یہ حق و انصاف سے اعراض کرنا ہے۔

نیز ان صاحبان کا یہ کہنا کہ ما اھل لغیر اللہ بہ کا یہ معنی بیان کرنا کہ غیر اللہ کے نام سے کسی جانور کو ذبح کرنا تحریف ہے یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ علامہ نووی شارح مسلم نے حدیث شریف کے ان الفاظ لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ کا یہ معنی کیا ہے اما الذبح لغیر اللہ ان یذبح باسم غیر اللہ یعنی جس کو اللہ کے نام کے سوا کسی نام سے ذبح کیا جائے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے فارسی ترجمہ قرآن میں اس آیت کا یہی معنی کیا ہے: "وآنچہ ذکر کردہ شد نام غیر خدا بر ذبح وے" یعنی ذبح کے وقت جس پر غیر خدا کا نام ذکر کیا جائے۔ کیا اس تحریف کا الزام یہ حضرات آپ پر بھی عاید کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ آیت کا معنی وہی ہے جو علامہ ابوبکر جصاص نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جو ابتدا بحث میں نقل ہو چکا ہے۔

نیز بخاری اور مسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت سعد بن معاذ نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی والدہ کے لیے جو کنواں کھدوایا تھا اس کا نام ہی بئر ام سعد رکھا گیا تھا یعنی سعد کی ماں کا کنواں۔ اگر کسی غیر کا صرف نام لے دینے سے کوئی چیز ناپاک ہو جاتی تو اس کنویں کا پانی بھی ناپاک ہو جاتا۔ اسے پینا، اس سے وضو یا غسل کرنا اور اس سے کپڑے دھونا سب ممنوع قرار پاتا۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک دنبہ اپنی طرف سے قربانی دیا کرتے اور دوسرا دنبہ امت کی طرف سے۔

کئی لوگ کسی ولی کے نام کی نذر مانتے ہیں۔ کیا اس طرح وہ چیز حرام ہو جاتی ہے یا نہیں۔ تو اس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ نذر کے دو معنی ہیں۔ شرعی اور عرفی۔ نذر شرعی عبادت ہے اور عبادت کسی غیر اللہ کے لیے جائز نہیں۔ اس لیے شرعی معنی میں تو نذر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کی نذر ماننا شرک ہے۔ لیکن عرف عام میں نذر عبادت کے معنی میں استعمال نہیں ہوتی۔ بلکہ نیاز کے معنی میں استعمال ہوتی ہے اور یہ شرک نہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد بزرگوار حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے فتاویٰ میں یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ وہی عبارت آپ کی خدمت میں بعینہٖ پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ امید ہے یہ گتھی بھی سلجھ جائے گی۔

لیکن حقیقت ایں نذر آنست کہ اہدائے ثواب طعام و انفاق و بذل مال بروح میت کہ امرسیت مسنون و از روئے احادیث صحیحہ ثابت است مثل ما ورد فی الصحیحین من حال ام سعد وغیرہا ایں نذر مستلزم مے شود پس حاصل ایں نذر آنست کہ اہدائے ثواب ہذا القدر الی روح فلاں۔ و ذکر ولی برائے تعیین محل منذور است نہ برائے مصرف و مصرف ایں نذر نزد ایشاں متوسلان آں ولی مے باشند از اقارب و خدم و ہم طریقان و امثال ذالک۔ وہمیں است مقصود نذر کنندگان بلاشبہ و حکمہ انہ صحیح یجب الوفا بہ لانہ قربۃ معتبرۃ فی الشرع (فتاویٰ عزیزی جلد اول صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ دیوبند)

ترجمہ: اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ اس طعام وغیرہ کا ثواب میت کی روح کو پہنچایا جاتا ہے اور یہ امر مسنون ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جیسے حضرت سعد کی والدہ کے کنویں کا ذکر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے پس اس نذر کا حاصل یہ ہے کہ اس طعام وغیرہ کا ثواب فلاں ولی کو پہنچے۔ نذر میں ولی کا ذکر اس لیے نہیں کیا جاتا کہ وہ اس نذر کا

مصرف ہے۔ اس کا مصرف تو اس ولی کے قریبی رشتہ دار، خدام درگاہ اور ہم مشرب لوگ ہوتے ہیں۔ ولی کا نام صرف اس عمل کو متعین کرنے کے لیے لیا جاتا ہے۔ نذر کرنے والوں کا بلاشبہ یہی مقصد ہوا کرتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی نذر صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ ایسی طاعت ہے جو شرعاً معتبر ہے۔

حضرت حکیم الامت کی اس ایمان افروز وضاحت کے بعد کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہتا۔ اگرچہ مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں لیکن محض مزید اطمینان کے لیے ایک دو حوالے اور پیش خدمت ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ عزیزیہ میں فرماتے ہیں:۔

اگر مالیدہ و شیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پختہ بخورانند جائز است مضائقہ نیست۔

یعنی اگر مالیدہ اور دودھ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے ارادے سے پکا کر کھلائیں تو کچھ مضائقہ نہیں جائز ہے۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اول صفحہ ۵ مطبوعہ دیوبند)

اسی صفحہ پر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیاء راہم خوردن جائز است واللہ اعلم۔

یعنی اگر کسی بزرگ کے نام فاتحہ دی گئی تو مالداروں کو بھی اس میں سے کھانا جائز ہے۔

حضرت شاہ صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و برآں فاتحہ و قل و درود خوانند تبرک مے شود و خوردن بسیار خوب است۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اول صفحہ ۷۰ مطبوعہ دیوبند)

یعنی وہ کھانا جس کا ثواب حسنین کریمین کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ، قل شریف اور درود شریف پڑھا جائے وہ تبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔

شاہ اسمٰعیل دہلوی کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

پس در خوبی ایں قدر امر از امور مرسومہ فاتحہا و اعراس و نذر و نیاز اموات شک و شبہ نیست۔ (صراط مستقیم ص۵۵)

اب فاتحہ خوانی کا طریقہ بھی شاہ اسمٰعیل دہلوی کے الفاظ میں سن لیجیے:۔

اول طالب را باید کہ باوضو دو زانو بطور نماز بنشیند و فاتحہ بنام اکابر ایں طریق یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری و حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ خواندہ التجا بجناب حضرت ایزد پاک بتوسط ایں بزرگان نماید بنیاز تمام و زاری بسیار دعائے کشود کار خود کردہ ذکر دو ضربی شروع نماید۔ (صراط مستقیم ص۱۱۰ فخر المطابع)

یعنی پہلے طالب کو چاہیے کہ وضو کرے اور نماز کے طریقہ پر دو زانو ہو کر بیٹھے اور اس طریقہ کے اکابر یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما کے نام کی فاتحہ پڑھے اور پھر درگاہ الٰہی میں ان بزرگوں کے وسیلے سے التجا کرے اور انتہائی عجز و نیاز اور کمال تضرع و زاری کے ساتھ اپنے حل مشکل کی دعا کرکے دو ضربی ذکر شروع کرے

بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ

وہ لذت کا جویاں نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو (تو کوئی حرج نہیں) بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور نہ بولو جھوٹ جن کے بارے میں تمہاری

اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

زبانیں بیان کرتی ہیں (یہ کہتے ہوئے) کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے ۱۳۶ اس طرح تم افترا باندھو گے اللہ تعالیٰ پر

البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی اور کا نام لیکر کسی جانور کو ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حرام ہوگا۔ اور وہ ذبح کرنیوالا مشرک ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے ذہن میں ایصال ثواب کا تصور تک نہیں بلکہ کسی ولی یا نبی کے لیے محض اس جانور کا خون بہانے (اراقۃ الدم) کو ہی وہ وجہ قربت سمجھ کر ذبح کرتا ہے تب بھی وہ جانور حرام ہوگا۔ کیونکہ جان کا مالک وہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے جان کو پیدا فرمایا۔ اس لیے اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ کی چیز کو کسی کے لیے قربان کرے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں متعدد بار اس مسئلہ کی تحقیق فرمائی اور ایسے جانور کی حلت و حرمت کا فیصلہ کرنے کے لیے یہی معیار مقرر فرمایا۔ آپ لکھتے ہیں:-

"فمتی کان اراقۃ الدم للتقرب الی غیر اللہ حرمت الذبیحۃ ومتی کان اراقۃ الدم للہ تعالیٰ والتقرب الی الغیر بالاکل والانتفاع حلت الذبیحۃ لان الذبح عبارۃ عن الاراقۃ لا عن المذبوح ای الذی یحصل بعد الذبح من اللحم والشحم وعلی ھذا قلنا لو اشتری لحمًا من السوق او ذبح بقرۃ او شاۃ لاجل ان یطبخ مرقًا وطعامًا لیطعم الفقراء ویجعل ثوابھا لروح فلان حلت بلا شبھۃ" (فتاویٰ عزیزی جلد اول ص۵۵)

"یعنی اگر کسی جانور کا خون اس لیے بہایا جائے کہ اس خون بہانے سے غیر کا تقرب حاصل ہو تو وہ ذبیحہ حرام ہو جائیگا اور اگر خون اللہ تعالیٰ کے لیے بہائے اور اسکے کھانے اور اس سے نفع حاصل کرنے سے کسی غیر کا تقرب مقصود ہو تو ذبیحہ حلال ہوگا۔ کیونکہ ذبح کا معنی خون بہانا ہے نہ وہ جانور جسے ذبح کیا گیا۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ اگر کسی نے بازار سے گوشت خریدا یا گائے یا بکری ذبح کی تاکہ اسے پکا کر فقیروں کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی کی روح کو پہنچائے تو یہ (گوشت گائے بکری) بلاشبہ حلال ہوگی"۔

میں علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان نہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے سوا کسی کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں اور نہ وہ محض اراقۃ الدم (خون بہانے) کو وجہ تقرب سمجھتے ہیں بلکہ انکے پیش نظر صرف ایصال ثواب ہوتا ہے۔ بفرض محال اگر کوئی شخص اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو اسے فوراً تائب ہونا چاہیے۔ مبادا اس گمراہی پر اس کی موت آجائے۔ نیز ان لوگوں کو بھی خدا کا خوف کرنا چاہیے جو ہر مسلمان پر بلا امتیاز شرک و کفر کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں اور اس کو اپنی سستی شہرت کے حصول کا آسان اور موثر ذریعہ سمجھتے ہیں۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

۱۳۶ کفار نے حلت و حرمت کے خود ساختہ قوانین مقرر کر رکھے تھے۔ اپنی مرضی سے جسے چاہتے حلال کر لیتے اور جسے چاہتے حرام کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اشیاء کو حلال و حرام کرنے کا اختیار تمھیں کس نے تفویض کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمھیں

الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿١١٦﴾

جھوٹا ۔ بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان تراشتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا

(وہ) تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں (انجام کار) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور یہودیوں پر ہم نے

حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

حرام کردیں وہ چیزیں جن کا ذکر ہم آپ سے پہلے کرچکے ہیں ۱۳۷ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْۗءَ

وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا کرتے تھے۔ پھر بیشک آپ کا رب ان کے لیے جنھوں نے غلطی کی (لیکن)

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

نادانی سے پھر انھوں نے توبہ کرلی اس کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا بیشک آپ کا پروردگار اس کے

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٩﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ

بعد (ان کے گناہوں کو) بہت بخشنے والا (اور ان پر) نہایت رحم کرنے والا ہے ۱۳۸ بلاشبہ ابراہیم ایک کامل امت تھے ۱۳۹ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے،

حلال و حرام کرنے کا اختیار بھی نہیں دیا اور نہ خود انھیں حرام کیا ہے تو تمہارا ان چیزوں کی حلت و حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا سراسر جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے اس کذب بیانی سے باز آجاؤ ورنہ اس کا انجام بجز خسران و نامرادی کے اور کچھ نہ ہوگا۔ آیت میں الکذب لا تقولوا کا مفعول ہے اور ھذا حلال وھذا حرام بدل ہے اور الکذب مبدل منہ ہے اور لما میں ما مصدریہ ہے۔ میں نے ترجمہ اسی ترکیب کے مطابق کیا ہے۔

۱۳۷ سورۃ الانعام میں ان کی تفصیل مذکور ہو چکی ہے۔ یہودیوں پر بعض ایسے جانور بھی حرام کردیے گئے تھے جو حقیقت میں پاک اور طیب تھے تاکہ ان کے اعمال سیئہ کی سزا دی جائے۔

۱۳۸ گناہگار دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک جو جان بوجھ کر نافرمانی کرتے ہیں۔ دوسرا گروہ جن سے بشری کمزوریوں اور نادانی کی وجہ سے لغزش ہوجاتی ہے دونوں کے ساتھ برتاؤ ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ یہاں اس برتاؤ کا ذکر کیا جارہا ہے جو عفو و درگزر اور لطف سے روا رکھا جائے گا۔

۱۳۹ لغت عرب میں امت کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں سے چند ایک معانی یہ ہیں:۔ (۱) وہ انسان جو تمام خوبیوں

حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَ

یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے، اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے[۱۴۰] وہ (ہر لحظہ) شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی (بیشمار) نعمتوں کے لیے[۱۴۱] اللہ تعالیٰ نے

هَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ

انھیں چن لیا اور انھیں ہدایت فرمائی سیدھے راستہ کی طرف اور ہم نے مرحمت فرمائی انھیں دنیا میں بھی ہر طرح کی بھلائی اور وہ

فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ

آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔ پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب!) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت

إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۳﴾ إِنَّمَا جُعِلَ

ابراہیم کی[۱۴۲] جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔ صرف ان لوگوں پر سنیچر کی پابندی

کا جامع ہو۔ (۲) امام اور پیشوا۔ (۳) علمبردار حق وصداقت۔ (۴) جو دنیا بھر سے الگ تھلگ ہو اور اس قوم کو بھی اُمت کہتے ہیں جس کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا ہو۔ قال فی القاموس الامة بالضم الرجل الجامع للخیر والامام وجماعة ارسل الیھم رسول ومن ھو علی دین الحق مخالف لسائر الادیان ان تمام معانی کے اعتبار سے حضرت خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ افضل الصلوات والتسلیمات کو امّۃ کہا جا سکتا ہے۔ کون سی ایسی خوبی اور کمال تھا جس سے آپ متصف نہ تھے۔ آپ کی امامت وپیشوائی کی گواہی خود قرآن نے دی ہے۔ قال انی جاعلك للناس اماما۔ اگرچہ آپ فرد واحد تھے لیکن اپنے اوصاف وشمائل اپنے عظیم عزم وحوصلہ اور عظیم کارناموں کے لحاظ سے آپ کسی قوم سے کم نہ تھے۔ جب ہر طرف کفر وشرک کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ توحید کی شمع آپکے دم سے ہی روشن تھی تمام دنیا ایک طرف تھی اور یہ اللہ کا بندہ ایک طرف۔ غرضیکہ امت کے جتنے معانی یہاں ذکر کیے گئے ہیں وہ سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صادق آتے ہیں۔

"قانتا" کا معنی اطاعت گزار فرمانبردار "حنیف" کہتے ہیں۔ جو ہر باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف متوجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے خلیل کی جو توصیف اور مدح وثنا فرمائی ہے اُسے پڑھ کر ہی عظمت خلیل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

[۱۴۰] کفار مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم دین ابراہیمی کے پیروکار ہیں حالانکہ تم نے سینکڑوں بتوں کو خدا بنا رکھا ہے اور ان کی پوجا کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم تو موحد تھے۔ ان کا کفر وشرک سے تو دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔

[۱۴۱] جن نعمتوں سے ہم نے ان کو سرفراز فرمایا انھوں نے اس کی شکر گزاری کا حق ادا کر دیا۔ ہم نے اپنے اس شکر گزار اور احسان شناس بندے پر مزید انعام واکرام فرمایا۔ جن کا ذکر ان آیتوں میں کیا گیا ہے۔

[۱۴۲] لفظ "ملت" کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں:۔ وقال ابو اسحٰق الملة فی اللغة السنة والطریقة

السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

حتی جنھوں نے اختلاف کیا تھا اس میں ۔ اور بلاشبہ آپ کا رب فیصلہ فرمائیگا انکے درمیان

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ

روز قیامت ان امور کے متعلق جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے ۔ (اے محبوب!) بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب

رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ

کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے ۱۴۳؎ اور ان سے بحث (ومناظرہ) اس انداز سے کیجیے جو

دف الالباس وهف الحجاز الملة الطرق المسلوكة ومنه ملة ابراهيم عليه السلام خير الملل۔
یعنی صحت عقائد، مکارم اخلاق، دعوت ارشاد کا حکیمانہ انداز، دلائل کی پختگی، بیان کی دلنشینی اور منکرین کے جور وجفا کے مقابلہ میں حلم و بردباری یہ وہ سنت ابراہیمی ہے جس کی پیروی کا حکم اس آیت میں دیا جارہا ہے جو شخص تبلیغ وارشاد کی ذمہ داری سنبھالتا ہے اسے اسوۂ ابراہیمی پر کاربند ہونا پڑتا ہے۔

۱۴۳؎ ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوسکتا ہے اگر اس کے پیش کیے ہوئے دلائل بودے اور کمزور ہونگے اگر اس کا انداز خطابت درشت اور معاندانہ ہوگا۔ اگر اس کی تبلیغ اخلاص وللّٰہیت کے نور سے محروم ہوگی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کردے گا۔ کیونکہ اسلام کی نشرواشاعت کا انحصار تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لیے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر واکراہ سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان ایمان ہی نہیں جس کے پس پردہ کوئی دنیاوی لالچ یا خوف وہراس ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دعوت اسلامی کے آداب کی تعلیم دی۔ اس آیت کا ایک ایک لفظ غور طلب ہے۔ دین اسلام کو سبیل ربك کے عنوان سے تعبیر کر کے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ یہ دعوت کسی سیاسی جتھہ بندی کے لیے یا کسی معاشی گروہ سازی کے لیے نہیں دی جارہی بلکہ اس راستہ کی طرف بلایا جارہا ہے جو بندے کو اپنے مالک حقیقی کی طرف لے جاتا ہے جو دوری اور بیگانگی کے صحراؤں سے نکال کر قرب ولطف کی منزل تک پہنچانے والا ہے۔ اس جادہ منزل حبیب دور بھاگنے والوں کو قریب لانے کے آداب بتائے جارہے ہیں حکمت، موعظہ حسنہ اور پسندیدہ انداز سے مجادلہ۔ ان تین چیزوں کے التزام کا حکم فرمایا گیا حکمت سے مراد وہ پختہ دلائل ہیں جو حق کو روز روشن کی طرح عیاں کردیں۔ اور شک وشبہ کی تاریکیوں کو نور یقین سے بدل دینے کی قوت رکھتے ہوں۔
ھو الدلیل الموضح للحق المزیح للشبھات موعظہ حسنہ اس پند ونصیحت کو کہتے ہیں جو خیر وفلاح کی یاد دہانی اس اسلوب سے

أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ

بڑا پسندیدہ اور شائستہ ہو۔ بیشک آپکا رب خوب جانتا ہے اُسے جو بھٹک گیا اسکے راستہ سے ۱۴۴ اور وہ خوب جانتا ہے

بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ

ہدایت پانے والوں کو۔ اور اگر تم (انھیں) سزا دینا چاہو تو انھیں سزا دو۔ لیکن اس قدر جتنی تمھیں تکلیف پہنچائی گئی ہے ۱۴۵

کرائے کہ پتھر دل بھی موم ہو جائیں قال الخلیل الوعظ ھو التذکیر بالخیر فیما یرق لہ القلب والعظۃ والموعظۃ الاسم (المفردات راغب اصفہانی) یعنی فلسفیوں کی طرح خشک دلائل کے انبار لگاتے نہ چلے جاؤ۔ بلکہ تمھارا اندازِ خطاب ایسا ہونا چاہیے جس کے لفظ لفظ سے اخلاص ومحبت کے چشمے ابل رہے ہوں۔ آپ کی آواز کا زیروبم شفقت و پیار کا آئینہ دار ہو۔ اور اگر بحث کا ہوارا ہی آمادہ پیکار ہو جائے اور بحث و مناظرہ تک نوبت جا پہنچے تو تم احسن اور عمدہ طریقہ سے مناظرہ کرو۔ اپنی علمی برتری کے گھمنڈ میں تہذیب اور شائستگی کا دامن مت چھوڑو۔ فریقِ مخالف کو ہر قیمت پر نیچا دکھانے کی کوشش نہ کرو۔ تمھارے پیشِ نظر فقط حق کی سربلندی ہو۔ جب تک کوئی مبلغ ان خوبیوں سے متصف نہ ہو اسے اس میدان میں قدم نہ رکھنا چاہیے اس معیار پر پورا اترنے کے لیے علم وآگاہی کی وسعتوں کے علاوہ مکارمِ اخلاق اور محاسنِ خصائل سے مزین ہونا بھی ضروری ہے اور یہ نعمت کسی صاحب دل کی صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۴۴ یہاں اس حقیقت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے کہ ایک داعی اور مبلغ کی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ وہ حکیمانہ انداز سے خلقِ خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے سرشار ہو کر رضائے الٰہی کے لیے تبلیغ کرے۔ اگر کوئی قبول نہ کرے تو اس کے لیے اسے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کچھ مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے قبولِ حق کی توفیق ارزانی فرما دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے محروم و نامراد کر دیتا ہے۔

۱۴۵ یہاں مکارمِ اخلاق کا درس دیا جا رہا ہے کہ اس رزمگاہ خیر و شر میں اگر تمھارا دشمن تم پر دست درازی کرے اور تمھیں اذیت پہنچائے تو اہلِ عزیمت کا شیوہ یہ ہے کہ دشمن سے انتقام نہ لیا جائے اور عفو و درگزر کا رویہ اختیار کیا جائے لیکن اگر تمھارا اخلاقی معیار ابھی اتنا بلند نہیں اور تم انتقام لینا ہی چاہتے ہو تو اس صورت میں جتنی زیادتی تم پر کی گئی ہے اس کا اتنا بدلہ لینے کی تو تمھیں اجازت ہے لیکن اس امر کی اجازت نہیں کہ تم جوشِ انتقام میں اس پر ظلم کرو۔ ورنہ پہلے وہ ظالم تھا اور معتوب اب تم ستم شعار اور موردِ عتاب تم بن جاؤ گے حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کتنا ایمان افروز ہے۔ عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتکونوا إمعۃ تقولون ان احسن الناس احسنا وان ظلموا ظلمنا ولکن وطنوا انفسکم ان احسن الناس ان تحسنوا وان اساؤا فلا تظلموا (ترمذی)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے اہلِ ایمان

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا

اور اگر تم (ان کی ستم رانیوں پر) صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔ اور (اے حبیب!) آپ صبر فرمائیے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر

بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ۱۴۷ اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان (کی ہٹ دھرمی) پر اور نہ غمزدہ ہوا کریں ان کی فریب کاریوں سے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو (اس سے) ڈرتے ہیں اور جو نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں ۱۴۸

بے سوچے سمجھے لوگوں کی پیروی کرنے والے نہ بنو۔ کہ تم یہ کہو جیسے عام کہا جاتا ہے کہ اگر ہمارے ساتھ لوگوں نے اچھا برتاؤ کیا تو ہم بھی اچھا برتاؤ کریں گے بلکہ اپنے آپ کو اس بات کا خوگر بناؤ کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں تو تم بھی حسن سلوک سے پیش آؤ اور اگر لوگ تمہارے ساتھ برا اور ناروا سلوک کریں تو تم پھر بھی ان پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ الامع والامعۃ: الذی یتابع کل احد علی رأیہ لاثبات لہ

۱۴۷ عام مسلمانوں کو تو انتقام لینے کی مشروط اجازت دی گئی لیکن اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ اے سراپا جود و کرم! آپ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہر حالت میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ آپ پر ظلم و ستم کی انتہا ہی کیوں نہ کر دی جائے آپ کا شعار عفو و درگزر ہی رہے۔ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ان کی سازشوں سے آپ دلگیر نہ ہوا کریں۔ اللہ تعالیٰ خود اسلام کی ترقی کا ضامن ہے۔ وہی کفار کے منصوبوں کو اپنی قدرت کاملہ سے خاک میں ملاتا رہے گا۔ ضَیْقٌ اور ضِیْقٌ۔ ضاق یضیق کے مصدر کی دونوں لغتیں ہیں۔ دونوں کا معنی غم و اندوہ ہے۔ والمراد انما ھو الغم فالصحیح ما قالوا انھما لغتان بمعنی (قرطبی) قال الاخفش الضَیق والضِیق مصدر ضاق یضیق (آلوسی) بعض نے دونوں میں فرق بتایا ہے۔ ضَیق کا معنی دل کا غمگین ہونا اور ضِیق کا معنی مکان یا کپڑے وغیرہ کا تنگ ہونا۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے کہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

۱۴۸ تبلیغ و اشاعت اسلام میں کامیابی کا انحصار فقط تائید الٰہی اور نصرت ربانی پر ہے۔ اس لیے مبلغ اسلام کو بتا دیا کہ یہ سعادت صرف ان پاکبازوں کو بخشی جاتی ہے۔ جو زیور تقویٰ سے آراستہ ہوں اور خلق خدا کے ساتھ احسان اور خیر خواہی کے جذبات سے ان کے دل معمور ہوں۔ دین کے داعی کو اپنی وسعت علمی، قوت بیان اور چرب زبانی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کا کلی اعتماد معیت و تائید ایزدی اور نصرت ربانی پر ہونا چاہیے۔ اور اس معیت و نصرت کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جو اس ضابطہ پر سختی سے کاربند ہیں جن کا ذکر وضاحت سے یہاں کیا گیا ہے۔ مسند ارشاد پر تشریف فرما ہونے والے کاش! ان واضح ہدایات کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں۔

ع ۱۶ — ۲۲

تعارف سورۃ بنی اسرائیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام : یہ سورۃ بنی اسرائیل کے علاوہ اسریٰ اور سبحان کے ناموں سے بھی موسوم ہے۔ اس میں بارہ رکوع ۱۱۱ آیات ۱۵۳۳ کلمات اور ۶۴۶۰ حروف ہیں۔

نزول : اس سورۃ کی پہلی آیت ہی بتا رہی ہے کہ اس کا نزول سفرِ معراج کے بعد ہوا۔ اور معراج ہجرت سے ایک سال پہلے نبوت کے دسویں سال ہوئی۔

مضامین : وہی مکہ ہے وہی اہل مکہ کا تشدد تعصب اور کج بحثی کی عادت ہے۔ عام مضامین کے لحاظ سے اس سورۃ کو ان سورتوں سے گہری مناسبت ہے جو مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئیں۔

لیکن وہ چیزیں یہاں ایسی موجود ہیں جو دیگر سورتوں میں نظر نہیں آتیں۔ ذکرِ اسرا کے فوراً بعد بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا گیا ہے۔ ان کو ان کی گزشتہ زندگی سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ان کی تاریخ کے نشیب و فراز، ان کے عروج و زوال کی داستان کے اہم ابواب ان کے سامنے کھول کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ انھیں بتایا جا رہا ہے کہ جب بھی انھیں سیاسی برتری معاشی خوشحالی بخشی گئی تو انھوں نے ہر بار سرکشی اور نافرمانی کی روش اختیار کی۔ اور جب بھی کوئی اللہ تعالیٰ کا رسول انھیں ان کی غلط روی پر متنبہ کرنے کے لیے تشریف لایا تو وہ بپھر گئے اور اسے اپنی عزتِ نفس کا سوال بنا کر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

اے بنی اسرائیل! جب بھی تمھاری سرکشی انتہا کو پہنچی تو ہمارا عذاب بھی کبھی بخت نصر کی شکل میں نمودار ہوا اور کبھی انٹی اوکس اور پومپی اور ٹیٹس رومی بادشاہوں کے روپ میں ظاہر ہوا۔ اور انھوں نے تمھاری اینٹ سے اینٹ بجا دی ہیکل سلیمانی کو برباد کر دیا اور تمھیں غلامی کی ذلت کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ اب پھر تمھیں پیامبرِ اسلام کی بعثت سے اصلاح احوال کا زریں موقع دیا جا رہا ہے۔ اگر تم اپنے ماضی کی خونچکاں داستان کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے تو اس نبی برحق پر ایمان لاؤ اور اس کا دین قبول کرلو۔ اگر تم اپنی نافرمانی کی عادت سے اب بھی باز نہ آئے تو ہمارا قانونِ مکافات پھر حرکت میں آجائے گا۔

یہ آیات جو مکہ میں نازل ہوئیں جہاں بنی اسرائیل کا کوئی فرد اقامت پذیر نہ تھا ان میں بنی اسرائیل کو خطاب اور ان کو اصلاحِ احوال کی دعوت بتا رہی ہے کہ مستقبل قریب میں انھیں دعوتِ قرآن کا مخاطب بنایا جانے والا ہے۔

نیز اس کے رکوع نمبر ۲، ۳ میں اس نظامِ حیات کی تفصیلات بیان کر دی گئی ہیں جو اسلام اقوامِ عالم کے سامنے پیش

کرنا چاہتا ہے اور دنیائے انسانیت میں رائج کرنا چاہتا ہے اس سے بھی صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مظلومیت کا دور ختم ہونے کے قریب ہے۔ شاندار مستقبل کا آغاز ہوا چاہتا ہے جبکہ اسلام ایک قوتِ حاکمہ کی حیثیت سے نمودار ہوگا چنانچہ ایک سال بعد جب محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی اور سرزمین یثرب کو مدینۃ الرسول ہونے کا شرف ارزانی فرمایا تو وہاں صرف اہلِ مکہ کے ہم عقیدہ مشرکین سے ہی واسطہ نہ پڑا۔ بلکہ یہود بھی قرآن کے مخاطب بنے اور انہیں سمجھانے کے لیے ان آیات نے بڑا موثر کردار انجام دیا نیز وہاں اسلام کی پہلی حکومت قائم ہوئی جس میں قرآن کے لائے ہوئے لائحہ عمل اور نظامِ حیات پر عمل کیا گیا۔

ویسے تو قرآن کی ہر آیت کی طرح اس سورۃ کی ہر آیت بھی ایک شمع روشن ہے اور اس لیے ہر آیت خصوصی توجہ کی مستحق ہے، اور اپنے اپنے مقام پر میں نے متعدد بار ضیاء القرآن کے قاری کی توجہ مبذول کرانے کی سعی کی ہے۔ لیکن سورۃ کے اس مختصر تعارف میں میں قرآن کا مطالعہ کرنے والے کی توجہ آیات ۶۱ تا ۶۵ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

ان آیات میں انسان کو مسجود ملائکہ بنانے کے شرف سے مشرف فرمانے کے بعد شیطان کے ایک چیلنج کا ذکر ہے۔ ابلیس کہتا ہے کہ یہ آدم خاکی جس کے سر پر تو نے تاجِ کرامت رکھا ہے۔ اگر تو نے مجھے مہلت دی تو (لاحتنکن ذریتہ) میں اس کی اولاد سے یہ تاجِ کرامت چھین لونگا بلکہ اس کو ایسی پٹی پڑھاؤں گا کہ وہ شرفِ انسانیت کی خلعتِ فاخرہ کو خود اتار پھینکے گا۔ جلالِ کبریائی اس لعین کے اس چیلنج کو قبول کرتا ہے اور اسے صاف صاف بتا دیا کہ واستفزز من استطعت الایۃ تجھے کھلی چھٹی ہے۔ ان کو گمراہ کرنے کا جو ذریعہ تو اختیار کر سکتا ہے اختیار کر۔ تجھے اجازت ہے۔ اپنے سارے جتن کر ڈال۔ اپنے سارے دام تزویر بچھا دے ترغیب و ترہیب کی کوئی صورت ایسی نہ رہنے دے جسے تو کام میں نہ لائے لیکن سن اور کان کھول کر سن۔ اِنّ عبادی لیس لک علیھم سلطان "میرے بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکتا۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم کس زمرہ میں داخل ہیں۔ کیا ہم وہ خود فراموش ہیں جو ابلیس کی ادنیٰ سی انگیخت پر ڈگمگانے لگتے ہیں اور اس کی تھوڑی سی وسوسہ اندازی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یا ان عبادی کے زمرہ میں شامل ہیں اور اس کی شورش و طغیان کے طوفانوں میں فولادی چٹان کی طرح سینہ تان کر کھڑے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ حق پر ثابت قدمی سے چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس سورہ مبارکہ کا طرۂ امتیاز اس کی پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول کے معراج کا ذکر فرمایا ہے۔ اس واقعہ کے ذکر کے باعث اس سورہ کو دوسری سورتوں کے مقابلہ میں ایک خصوصی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس کی تفصیل آپ آیت کی تشریح کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَكِّیَّةٌ وَّهِیَ مِائَةٌ وَّ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰیَةً وَّ اِثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے اس کی ۱۱۱ (اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے) آیتیں اور ۱۲ رکوع ہیں

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجدِ حرام سے

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ

مسجدِ اقصیٰ تک ۔ بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں ؕ

[1] اس آیت کریمہ میں حضور فخرِ موجودات سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک عظیم الشان معجزہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق عقلِ کوتاہ اندیش اور فہمِ حقیقت ناشناس نے پہلے بھی ردّ و قدح کی اور آج بھی واویلا مچا رکھا ہے اس لیے اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ تطویل لاطائل سے دامن بچاتے ہوئے ضروری امور کا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لیے حق کی پہچان آسان ہو جائے اور شکوک و شبہات کا جو غبار رُخِ حقیقت کو مستور کرنے کے لیے اٹھایا جا رہا ہے اس کا سدِّباب ہو جائے۔

جس روز صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول نے قریش مکہ کو دعوتِ توحید دی تھی اسی روز سے عداوت و عناد کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ ہر طرف سے مصائب و آلام کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ رنج و غم کا اندھیرا دن بدن گہرا ہوتا چلا جاتا تھا۔ لیکن اس تاریکی میں حضرت ابوطالب اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وجودِ مسعود ہر نازک مرحلہ پر تسکین و طمانیت کا سبب بنا کرتا تھا۔ بعثتِ نبوی کے دسویں سال مہربان و شفیق چچا نے وفات پائی۔ اس جانکاہ صدمہ کا زخم ابھی مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ مونس و ہمدم، مشیر و غمگسار، جو شریکِ رنج و راحت، رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ کفارِ مکہ کو اب ان کی انسانیت سوز کارستانیوں سے روکنے والا اور ان کی سفاکانہ روش پر ملامت کرنے والا بھی کوئی نہ رہا جس کے باعث ان کی ایذا رسانیاں ناقابلِ برداشت حد تک بڑھ گئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے۔ شاید وہاں کے لوگ اس دعوتِ توحید کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں لیکن وہاں جو ظالمانہ اور بہیمانہ برتاؤ کیا گیا اس نے سابقہ زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ ان حالات میں جب بظاہر ہر طرف مایوسی کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور ظاہری سہارے ٹوٹ چکے تھے۔ رحمتِ الٰہی نے اپنی عظمت و کبریائی کی آیاتِ بینات کا مشاہدہ کرانے کے لیے اپنے محبوب کو عالمِ بالا کی سیاحت کے لیے بلایا تاکہ حضور کو اپنے ربِ کریم کی تائید و نصرت پر حق الیقین ہو جائے اور حالات کی ظاہری ناسازگاری خاطرِ عاطر کو کسی طرح پریشان نہ کر سکے۔ غور کیا جائے تو سفرِ اسریٰ کے لیے اس سے موزوں ترین اور کوئی وقت نہیں ہو سکتا تھا۔

اس مقدس سفر کا تفصیلی تذکرہ تو کتب حدیث و سیرت میں ملیگا۔ یہاں اجمالی طور پر ان امور کا ذکر کر دیا گیا ہے جو مختلف احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبریل امین حاضر خدمت ہوئے اور خواب سے بیدار کیا اور ارادہ خداوندی سے آگاہی بخشی۔ حضور اُٹھے، چاہ زمزم کے قریب لے گئے۔ سینہ مبارک کو چاک کیا گیا۔ قلب اطہر میں ایمان و حکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا! اور پھر سینہ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضور اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقہ سے انبیاء کی سواریاں باندھی جاتی تھیں براق کو بھی باندھ دیا گیا۔ حضور مسجد اقصٰے میں تشریف لے گئے جہاں جملہ انبیاء سابقین حضور کے لیے چشم براہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح لتؤمنن بہ کا جو عہد روز ازل ارواح انبیاء سے لیا گیا تھا (کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا) کی تکمیل ہوئی۔ زاں بعد موکب ہمایوں بلندیوں کی طرف پر کشا ہوا۔ مختلف طبقات آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ساتویں آسمان پر اپنے جد کریم ابو الانبیاء حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خلیل نے "مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح" یعنی اے نبی صالح خوش آمدید اور اے فرزند نیک مرحبا کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہٰی تک پہنچے جو انوار ربانی کی تجلی گاہ تھی۔ جس کی کیفیت الفاظ کے پیمانوں میں سما نہیں سکتی۔ عقاب ہمت یہاں بھی آشیاں بند نہیں ہوا اور آگے بڑھے کہاں تک گئے؟ اسے ما و شما کیا سمجھیں۔ زبان قدرت نے مقام قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ ثم دنی فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنٰی وہاں کیا ہوا یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ فاوحٰی الٰی عبدہٖ ما اوحٰی علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے۔ جن کی لطافت و نزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی فاوحٰی الٰی عبدہٖ ما اوحٰی (سیرت النبی جلد ۳)

اسی مقام قرب اور گوشہ خلوت میں دیگر انعامات نفیسہ کے علاوہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرضداشت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار بارگاہ رب العزت میں تخفیف کے لیے التجا کی۔ چنانچہ نماز کی تعداد پانچ کر دی گئی! ور ثواب پچاس کا ہی رہا۔ فراز عرش سے محبوب رب العالمین مراجعت فرمائے خاکدان ارضی ہوئے! ابھی یہاں رات کا سماں تھا۔ ہر سو رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی سپیدۂ سحر کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

واقعہ معراج کو انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ یہ مسافت بیشک بڑی طویل ہے۔ اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ عجیب و غریب ہے اسی لیے وہ دل جو نور ایمان سے خالی تھے انھوں نے اسے اسلام اور داعئ اسلام کے خلاف سب سے بڑا اعتراض قرار دیا۔ کئی ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن کے دلوں میں یقین کا چراغ ضوفشاں تھا انھیں قطعاً کوئی پریشانی اور تذبذب نہیں ہوا اور نہ دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی اور غوغا آرائی سے

وہ متاثر ہوئے بلکہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بلا جھجک جواب دیا کہ اگر میرے آقا و مولا نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے۔ اہل ایمان کے نزدیک کسی واقعہ کی صحت و عدم صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ ان کی عقل اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پایاں کے سامنے کسی چیز کو ناممکن خیال نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔ ہمارے وضع کیے ہوئے قواعد و ضوابط اس کی قدرت کی بیکرانیوں کو محیط نہیں ہو سکتے اور جو اس واقعہ کی خبر دینے والا ہے وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی صداقت کے متعلق شک و شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا جب اس نے بتا دیا جس کی صداقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس قدرت والے نے ایسا کیا ہے جو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے تو پھر وہ امکان و عدم امکان کے چکر میں کیوں پڑیں۔ اس لیے جب شب اسریٰ کی صبح کو حرم کعبہ میں نبی برحق نے کفار کے بھرے مجمع میں اس عنایت ربانی کا ذکر فرمایا تو لوگ دو حصوں میں بٹ گئے بعض نے صاف انکار کر دیا اور بعض نے بلا چون و چرا تسلیم کر لیا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب یہ واقعہ پیش آیا۔

لیکن آج صورت حال قدرے مختلف ہے۔ ایک گروہ تو وہی منکرین کا ہے۔ دوسرا گروہ وہی ماننے والوں کا ہے لیکن اب تیسرا گروہ بھی نمودار ہو گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادی برتری کے حلقہ بگوش ہیں اور ادھر اسلام سے بھی ان کا رشتہ ہے۔ نہ وہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضامند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربیوں کے مزعومات و نظریات رد کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

ناچار وہ اس واقعہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا نام تو رہ جاتا ہے لیکن اس کے سارے حسن و جمال پر پانی پھر جاتا ہے اور اس کی معنویت کالعدم ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریقہ کار پر بڑے مطمئن نظر آتے ہیں۔ وہ دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے اسلام پر وارد ہونے والا ایک بہت بڑا اعتراض دور کر دیا۔ اس لیے ہمیں مختصراً تینوں گروہوں کو ایسے دلائل فراہم کرنا ہیں کہ اگر وہ تعصب کو بالائے طاق رکھ کر ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھا سکیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت اور اس کی شان کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور فخر موجودات باعث تخلیق کائنات سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں ان کے لیے تو واقعہ معراج کی صداقت پر اس آیت کریمہ کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اسی موقعہ پر اس آیت جلیلہ کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔ آیت کا آغاز "سبحان" کے کلمہ سے کیا گیا۔ یہ سَبَّحَ یُسَبِّحُ تَسْبِیْحًا باب تفعیل کے مصدر کا علم ہے۔ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے مبرا اور منزہ ہے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں:۔ "علم للتسبیح کعثمان للرجل وانتصابه بفعل مضمر ودلّ علی التنزیه البلیغ من جمیع القبائح التي یضیف الیه اعداء الله۔"

یعنی تسبیح مصدر کا علم ہے جس طرح عثمان (اس کا ہم وزن) کسی شخص کا علم ہوتا ہے اور یہاں فعل مضمر ہے جو اس کو نصب دیتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ان کمزوریوں، عیبوں اور کوتاہیوں سے بالکل پاک اور منزہ ہے جن سے کفار اللہ تعالیٰ کو متہم کرتے تھے۔ علامہ آلوسی نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے

"عن طلحة قال سألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن تفسیر سبحان اللّٰہ فقال تنزیہ اللّٰہ عن کل سوء" سبحان کے کلمہ سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے۔ اس کے لیے دلیل کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر قابلِ قبول نہیں ہوا کرتا۔ بطور دلیل ارشاد فرمایا الذی اسری بعبدہٖ کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے محبوب بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر طے کرایا اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیاتِ بینات دکھائیں جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کرا سکتی ہے واقعی اس کی قدرت بے پایاں اس کی عظمت بیکراں ہے اور اس کی کبریائی کے دامن پر کسی کمزوری اور بے بسی کا کوئی داغ نہیں تو جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی بڑا اہم عظیم الشان اور محیر العقول واقعہ ہوگا۔ اس لیے معراج کا انکار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سبوحیت کی ایک قرآنی دلیل کو منہدم کرنا ہے۔

اسریٰ: رات کو سیر کرانے کو کہتے ہیں۔ لیلاً پر تنوین تقلیل کی ہے کہ یہ سفر رات کے وقت ہوا لیکن اس سفر میں ساری رات ختم نہیں ہوئی بلکہ رات کے ایک قلیل حصہ میں بڑے اطمینان اور عافیت سے طے پایا۔ اسریٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر بعبدہٖ کے لفظ سے فرمایا گیا جس کی متعدد حکمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل رفعتِ شان اور علوِ مرتبت کو دیکھ کر امت اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے جس میں عیسائی کمالاتِ عیسوی کو دیکھ کر مبتلا ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ صمدیت میں مقامِ قاب قوسین او ادنیٰ پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا بم اشرفک یا محمد اے سراپا حمد و ستائش آج میں تجھے کس لقب سے سرفراز کروں تو حضور نے جواباً عرض کی بنسبتی الیک بالعبودیۃ مجھے اپنا بندہ کہنے کی نسبت سے مشرف فرما۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ذکرِ معراج کے وقت اسی لقب کو ذکر فرمایا جو اس کے حبیب نے اپنے لیے خود پسند فرمایا تھا۔

لنریہ من آیاتنا: ان کلمات سے اس سفر کی غرض و غایت بیان فرمائی۔ کہ یہ سفر یوں نہیں کہ بھاگم بھاگ کرتے ہوئے حضور گئے ہوں اور اسی عجلت سے واپس آ گئے ہوں۔ نہ کچھ دیکھا نہ سنا بلکہ صحیفہ کائنات کے ہر ہر صفحہ پر گلشن ہستی کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت، علم اور حکمت کے جتنے کرشمے تھے۔ سب بے نقاب کر کے اپنے محبوب کو دکھا دیے۔

اب آپ خود فرمائیے کہ جو معراج کو عالمِ خواب کا ایک واقعہ کہتے ہیں ان کے نزدیک یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی سبوحیت اور پاکی کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے۔ قرآن کا یہ اندازِ بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں بلکہ عالمِ بیداری کا ہے۔ اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآنِ کریم کی دوسری آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ رؤیا تھا یعنی خواب تھا ارشادِ باری ہے "وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس" یہاں رؤیا کا لفظ ہے۔ اس کا معنی خواب ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہ خواب آپ کو صرف اس لیے دکھایا تاکہ لوگوں کی آزمائش کی جا سکے۔ جب خود قرآن پاک نے تصریح کر دی کہ یہ خواب تھا تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے

اور اگر اس پر ہی اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج کا ہی ذکر ہے تو پھر حضرت ابن عباس کی تصریح کے بعد کوئی التباس نہیں رہتا۔ آپ نے فرمایا یہاں رؤیا سے مُراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے قال ابن عباس ھی رویا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علامہ ابن عربی اندلسی نے احکام القرآن میں حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے

ولو کانت رؤیا منام ما افتتن بھا احدٌ ولا انکرھا فانہ لا یستبعد علی احد ان یری نفسہ یخترق السموٰت ویجلس علی الکرسی ویکلمہ الرب (احکام القرآن)

یعنی اگر معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا۔ اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا۔ کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے گفتگو فرمائی تو ایسے خواب کو کبھی مستبعد اور خلاف عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔

یہ لوگ حضرت انس کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ کہ واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضورؐ نے فرمایا ثم استیقظت وانا فی المسجد الحرام پھر میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا۔ اس روایت کے متعلق فن حدیث کے ماہرین کی تصریح ملاحظہ فرمائیے خود بخود شبہ دور ہو جائے گا۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت انس سے شریک نے نقل کیے ہیں اور شریک لیس بالحافظ عند اھل الحدیث (روح المعانی جلد نمبر ۱۵) کہ اہل حدیث کے نزدیک شریک حافظ حدیث نہیں ہے۔

دوسری روایت سنیے: ان ھذا اللفظ رواہ شریک عن انس وکان قد تغیر باخرہ فیعول علی روایات الجمیع۔ (احکام القرآن لابن عربی)

کہ یہ الفاظ حضرت انس سے صرف شریک نے روایت کیے ہیں اُن کا حافظہ آخر میں کمزور ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی روایت کی بجائے اُن روایات پر بھروسہ کیا جائے گا جو باقی تمام راویوں نے بیان کی ہیں عجیب بات یہ ہے کہ حضرت انس سے یہ حدیث شریک کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث ابن شہاب، ثابت البنانی اور قتادہ نے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی روایات میں یہ الفاظ نہیں

وقد روی حدیث الاسراء عن انس جماعۃ من الحفاظ المتقنین والائمۃ المشھودین کابن شھاب وثابت البنانی وقتادہ فلم یات احدٌ منھم بما اتی بہ شریک (روح المعانی جلد نمبر ۱۵)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: وقولہ فی حدیث شریک عن انس ثم استیقظت فاذا انا فی الحجر معدودٌ فی غلطات شریک یعنی ان الفاظ کا شمار شریک کی غلطیوں میں ہوتا ہے۔ اس حدیث کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے کہ ان حضرات کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ لیکن محدثین پہلے تو اس قول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کو ہی مشکوک سمجھتے ہیں۔ اور اگر روایت ثابت ہو بھی جائے تو ان کے قول پر جمہور صحابہ کے ارشادات کو ہی ترجیح دی جائے گی کیونکہ اس وقت حضرت صدیقہ تو بالکل کمسن بچی تھیں۔ اور امیر معاویہ ابھی تک شرف اسلام سے بہرہ ور ہی نہ ہوئے تھے۔ نیز یہ ان صاحبان کی اپنی ذاتی رائے ہے حضورؐ کا ارشاد نہیں۔ علامہ ابن حیان اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وما روی عن عائشة ومعاویة انه کان مناماً فلعله لا یصح ولو صح لم یکن فی ذلک حجة لانهما لم یشاهدا ذلک لصغر عائشة وکفر معاویة ولانهما لم یسنداہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا حدثا بہ عنہ (بحر المحیط)

اسی سلسلہ میں مقالات سرسید کے مطالعہ کا بھی اتفاق ہوا۔ انھوں نے بھی بڑی شدومد سے معراج کو خواب ثابت کیا ہے اور اس ضمن میں طول طویل بحث کی ہے۔ ان کا مقالہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین اور عیسائی مورخین کے اعتراضات سے گھبرائے ہوئے ہیں اور ان کے زہر میں بجھے ہوئے طعن وتشنیع کے تیروں سے اسلام کو ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں خواہ اس کوشش میں اسلام کا حلیہ ہی کیوں نہ بگڑ جائے اور عظمتِ مصطفوی کا عقیدہ ہی کیوں نہ متزلزل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کے دلائل و براہین کو بھی کیوں منہدم نہ کرنا پڑے۔ آپ اس جذبہ کے اخلاص کی تعریف کر سکتے ہیں لیکن عواقب ونتائج کے لحاظ سے آپ اس کی تحسین نہیں کر سکتے۔ کیا معراج کا انکار کرکے آپ نے کسی کو حلقہ بگوش اسلام بنا لیا ہے۔ کیا آپ کی معذرت خواہی کو انھوں نے قبول کرکے آپ کے پیش کردہ ماڈرن اسلام پر اظہار ناراضگی چھوڑ دیا ہے ہرگز نہیں تو پھر اس محنت کا کیا حاصل بجز اس کے کہ ان صحیح واقعات کا انکار کرکے اپنے تمام علمی ورثہ کو مشکوک اور مشتبہ کر دیا جائے۔ ہاں میں اس طویل مقالہ کا ذکر کر رہا تھا اس میں حضرت سید نے لکھا ہے کہ واقعہ معراج کے متعلق جو احادیث مروی ہیں "ایک دوسرے سے اس قدر متضاد اور متناقص ہیں . . . . . کہ صراحۃً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت واعتبار کو کھو دیتی ہیں" مقالات سرسید ص ۶۲۔

لیکن تناقض وتضاد کے جو نمونے انھوں نے ذکر کیے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک حدیث میں ہے کہ حضور اس وقت حطیم میں تھے۔ دوسری میں ہے کہ حجر میں تھے تیسری میں ہے کہ مسجد حرام میں تھے۔ ذرا غور فرمائیے کیا ان روایات میں تضاد نام کی کوئی چیز ہے۔ حطیم اور حجر تو ایک جگہ کے دو نام ہیں۔ یعنی وہ جگہ جو اصل میں کعبہ شریف کا حصہ تھی، لیکن جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ گر گیا اور قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اسے باہر چھوڑ دیا۔ یہ حصہ حطیم یا حجر مسجد حرام میں ہے تو ان روایات میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔

تضاد کی ایک دوسری مثال مختلف آسمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چھٹے آسمان کے متعلق ایک حدیث میں ہے۔ ثم صعد بی الی السماء السادسة فاذا موسٰی ____ پھر مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام کو پایا۔ دوسری حدیث میں ثم عرج بنا الی السماء السادسة فاذا انا بموسٰی فرحب بی ودعا لی پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف اوپر لایا گیا۔ وہاں میں نے موسیٰ کو پایا انھوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لیے دعا کی۔ تیسری حدیث میں ہے۔ لقلجاوزت فبکی جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ آپ خود فرمائیے کہ احادیث کے ان کلمات میں کوئی تضاد ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس کے متعلق خود علماء نے تصریح کی ہے اور جو حدیث زیادہ صحیح اور قوی تھی اس کو خود ترجیح دے دی ہے۔ جو تضاد ممتنع ہے۔ وہ تو یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی پایہ کی ہوں۔ کسی کو کسی پر ترجیح بھی نہ دی جا سکتی ہو اور ان کو یکجا جمع بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔ بہرحال یہاں لوگوں کے شکوک وشبہات کا مجمل تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح دلائل نقلیہ کا سہارا لے کر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔

اور اگر اس پر بھی اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج کا ہی ذکر ہے تو پھر حضرت ابن عباس کی تصریح کے بعد کوئی التباس نہیں رہتا۔ آپ نے فرمایا یہاں رؤیا سے مُراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے قال ابن عباس ھی رؤیا عین اریھا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم علامہ ابن عربی اندلسی نے احکام القرآن میں حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے ولو کانت رؤیا منام ما افتتن بھا احدٌ ولا انکرھا فانہ لایستبعد علی احد ان یری نفسہ یخترق السمٰوٰت ویجلس علی الکرسی ویکلمہ الرب (احکام القرآن)

یعنی اگر معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا۔ کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے گفتگو فرمائی تو ایسے خواب کو بھی مستبعد اور خلافِ عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔

یہ لوگ حضرت انس کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ کہ واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضورؐ نے فرمایا ثم استیقظت وانا فی المسجد الحرام پھر میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا۔ اس روایت کے متعلق فنِ حدیث کے ماہرین کی تصریح ملاحظہ فرمائیے خود بخود شبہ دور ہو جائے گا۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت انس سے شریک نے نقل کیے ہیں اور شریک لیس بالحافظ عند اھل الحدیث (روح المعانی جلد نمبر ۱۵) کہ اہلِ حدیث کے نزدیک شریک حافظِ حدیث نہیں ہے۔

دوسری روایت سنئیے: ان ھذا اللفظ رواہ شریک عن انس وکان قد تغیر باخرہ فیعول علی روایات الجمیع۔ (احکام القرآن لابن عربی)

کہ یہ الفاظ حضرت انس سے صرف شریک نے روایت کیے ہیں اُن کا حافظہ آخر میں کمزور ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی روایت کی بجائے اُن روایات پر بھروسہ کیا جائے گا جو باقی تمام راویوں نے بیان کی ہیں عجیب بات یہ ہے کہ حضرت انس سے یہ حدیث شریک کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث ابنِ شہاب، ثابت البنانی اور قتادہ نے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی روایات میں یہ الفاظ نہیں وقد روی حدیث الاسراء من انس جماعۃ من الحفاظ المتقنین والائمۃ المشھورین کابن شھاب وثابت البنانی وقتادہ فلم یات احدٌ منھم بما اتی بہ شریک (روح المعانی جلد نمبر ۱۵)

علامہ ابنِ کثیر لکھتے ہیں: وقولہ فی حدیث شریک عن انس ثم استیقظت فاذا انا فی الحجر معدودٌ فی غلطات شریک یعنی ان الفاظ کا شمار شریک کی غلطیوں میں ہوتا ہے۔ اس حدیث کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے کہ ان حضرات کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ لیکن محدثین پہلے تو اس قول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کو ہی مشکوک سمجھتے ہیں۔ اور اگر روایت ثابت ہو بھی جائے تو ان کے قول پر جمہور صحابہ کے ارشادات کو ہی ترجیح دی جائے گی کیونکہ اس وقت حضرت صدیقہ تو بالکل کمسن بچی تھیں۔ اور امیر معاویہ ابھی تک مشرف باسلام ہی نہ ہوئے تھے۔ نیز یہاں صاحبان کی اپنی ذاتی رائے ہے حضورؐ کا ارشاد نہیں۔ علامہ ابن حیان اس کے متعلق لکھتے ہیں:-

وما روی عن عائشة ومعاویة انه کان منامًا فلعله لا یصح ولو صح لم یکن فی ذلک حجة لانهما لم یشاهدا ذلک لصغر عائشة وکفر معاویة ولانهما لم یسندا ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولاحدث ابہ عنہ (بحر المحیط)

اسی سلسلہ میں مقالات سرسید کے مطالعہ کا بھی اتفاق ہوا انھوں نے بھی بڑی شدومد سے معراج کو خواب ثابت کیا ہے اور اس ضمن میں طول طویل بحث کی ہے۔ ان کا مقالہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین اور عیسائی مورخین کے اعتراضات سے گھبرائے ہوئے ہیں اور ان کے زہر میں بجھے ہوئے طعن وتشنیع کے تیروں سے اسلام کو ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں خواہ اس کوشش میں اسلام کا حلیہ ہی کیوں نہ بگڑ جائے اور عظمت مصطفوی کا عقیدہ ہی کیوں نہ متزلزل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کے دلائل و براہین کو ہی کیوں منہدم نہ کرنا پڑے۔ آپ اس جذبہ کے اخلاص کی تعریف کر سکتے ہیں لیکن عواقب ونتائج کے لحاظ سے آپ اس کی تحسین نہیں کر سکتے۔ کیا معراج کا انکار کر کے آپ نے کسی کو حلقہ بگوش اسلام بنا لیا ہے۔ کیا آپ کی معذرت خواہی کو انھوں نے قبول کر کے آپ کے پیش کردہ ماڈرن اسلام پر اظہار ناراضگی چھوڑ دیا ہے ہرگز نہیں تو پھر اس محنت کا کیا حاصل بجز اس کے کہ ان صحیح واقعات کا انکار کر کے اپنے تمام علمی ورثہ کو مشکوک اور مشتبہ کر دیا جائے۔ ہاں میں اس طویل مقالہ کا ذکر کر رہا تھا اس میں حضرت سید نے لکھا ہے کہ واقعہ معراج کے متعلق جو احادیث مروی ہیں "ایک دوسرے سے اس قدر متضاد اور متناقض ہیں...... کہ صراحۃ ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت واعتبار کو کھو دیتی ہیں" مقالات سرسید ص۶۲۔

لیکن تناقض وتضاد کے جو نمونے انھوں نے ذکر کیے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اس وقت حطیم میں تھے۔ دوسری میں ہے کہ حجر میں تھے۔ تیسری میں ہے کہ مسجد حرام میں تھے۔ ذرا غور فرمائیے کیا ان روایات میں تضاد نام کی کوئی چیز ہے حطیم اور حجر تو ایک جگہ کے دو نام ہیں۔ یعنی وہ جگہ جو اصل میں کعبہ شریف کا حصہ تھی، لیکن جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ گر گیا اور قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اسے باہر چھوڑ دیا۔ یہ حصہ (حطیم یا حجر) مسجد حرام میں ہے تو ان روایات میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔

تضاد کی ایک دوسری مثال مختلف آسمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چھٹے آسمان کے متعلق ایک حدیث میں ہے۔ ثم صعد بی الی السماء السادسة فاذا موسٰی پھر مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام کو پایا۔ دوسری حدیث میں ثم عرج بنا الی السماء السادسة فاذا انا بموسٰی فرحب بی ودعا لی پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف اوپر لایا گیا۔ وہاں میں نے موسیٰ کو پایا انھوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لیے دعا کی تیسری حدیث میں ہے فلما جاوزت فبکی جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ آپ خود فرمائیے کہ احادیث کے ان کلمات میں کوئی تضاد ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس کے متعلق خود علماء نے تصریح کی ہے اور جو حدیث زیادہ صحیح اور قوی تھی اس کو خود ترجیح دے دی ہے۔ جو تضاد ممتنع ہے۔ وہ تو یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی پایہ کی ہوں کسی کو کسی پر ترجیح بھی نہ دی جا سکتی ہو اور ان کو یکجا جمع بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔ بہرحال یہاں لوگوں کے شکوک وشبہات کا مجمل تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح دلائل نقلیہ کا سہارا لے کر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔

اب ذرا ان حضرات کے ارشادات کی طرف توجہ فرمائیے جو معراج اور دیگر معجزات کا اس لیے انکار کرتے ہیں کہ یہ خلافِ عقل ہیں۔ ان لوگوں کا دعوٰے یہ ہے کہ کائنات کا یہ نظام اس میں یہ بے عدیل ارتباط اور موزونیت بے مثل ترتیب اور یکسانیت اس امر پر شاہد عادل ہے کہ یہ نظام چند قوانین اور ضوابط کے مطابق عمل پیرا ہے جنھیں قوانینِ فطرت (LAWS OF NATURE) کہا جاتا ہے اور فطرت کے قانون اٹل ہیں۔ ان میں رد و بدل ممکن نہیں۔ ورنہ کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اس لیے عقل معجزات کو تسلیم نہیں کرتی۔ کیونکہ معراج بھی ایک معجزہ ہے۔ اس لیے یہ بھی عقلاً محال ہے۔ اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ علماء اسلام نے معجزہ کی جو تعریف کی ہے وہ یہ نہیں کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو قوانینِ فطرت کے خلاف ہو اور نوامیسِ قدرت سے برسرِ پیکار ہو بلکہ معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ "الاتیان بامر خارق للعادۃ یقصد بہ بیان صدق من ادعی انہ رسول اللہ والمسامرۃ وغیرہا من کتب العقائد" یعنی مدعی رسالت کی سچائی ثابت کرنے کے لیے کسی ایسے امر کا ظہور پذیر ہونا جو عادت کے خلاف ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ یہ تعریف نہیں کی گئی کہ معجزہ وہ ہے جو قانونِ فطرت اور نوامیسِ قدرت کے خلاف ہو۔ ان لوگوں کا اعتراض تو تب قابلِ التفات ہوتا جب معجزہ کو نوامیسِ قدرت کے خلاف مانا جاتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معجزات قانونِ فطرت کے مطابق ہی رونپذیر ہوئے ہوں لیکن ابھی تک وہ قانونِ فطرت ہمارے ادراک کی سرحد سے ماوراً ہو۔ یہ دعویٰ کرنا کہ فطرت کے تمام قوانین بے نقاب ہو چکے ہیں اور ذہنِ انسانی نے ان کا احاطہ کر لیا ہے انتہائی مضحکہ خیز اور غیر معقول ہے۔ آج تک کسی فلسفی یا سائنسدان نے اس بات کا دعوٰے نہیں کیا۔

نیز قوانینِ فطرت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اٹل اور غیر متغیر ہیں' یہ بھی ناقابلِ تسلیم ہے۔ یہ خیال تب قابلِ تسلیم ہوتا' جب ان قوانین کو ہر قسم کے نقص اور عیب سے مبرا سمجھ لیا جاتے اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ اختیار کیا جائے' کہ اس کائنات کی آرائش و زیبائش کے لیے یہی قوانین کفایت کرتے ہیں لیکن اہلِ خرد کے نزدیک یہ خیال محلِ نظر ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے معجزہ (MIRACLE) پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

IT IS AN UNWARRANTED IDEALISM AND OPTIMISM WHICH FINDS THE COURSE OF NATURE SO WISE AND SO GOOD THAT ANY CHANGE IN IT MUST BE REGARDED AS INCREDIBLE ENCY. BRI. V.15 P.586

یعنی یہ ایک غیر معقول تصور اور خوش فہمی ہے جو یہ خیال کرتی ہے کہ فطرت کا طریق کار اتنا دانشمندانہ اور بہترین ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ کیا آپ اللہ تعالےٰ کے وجود کو مانتے ہیں یا نہیں اگر آپ منکر ہیں تو آپ سے معجزات کے متعلق بحث عبث اور قبل از وقت ہے۔ پہلے آپ کو وجودِ خداوندی کا قائل کرنا پڑیگا۔ اس کے بعد معجزہ کے اثبات کا مناسب وقت آئے گا اور اگر آپ وجودِ خداوندی کے قائل تو ہیں لیکن آپ کا تصور یہ ہے کہ خدا اور فطر(NATURE) ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا آپ خدا کو خالقِ کائنات تو مانتے ہیں لیکن یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس کا اب اپنی پیدا کردہ دنیا میں کوئی عمل دخل نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہیں کر سکتا بلکہ الگ تھلگ بیٹھ کر ایک بے بس تماشائی

کی طرح کائنات کے ہنگامہ ہائے خیر و شر کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے اور کچھ کر نہیں سکتا تو پھر معجزہ کے انکار کی وجہ سمجھ آسکتی ہے لیکن اگر آپ ذاتِ خداوندی کے قائل ہیں اور اسے خالق ماننے کے ساتھ ساتھ قادرِ مطلق اور مدبر با اختیار بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ کوئی پتہ اس کے اذن کے بغیر جنبش تک نہیں کر سکتا تو پھر آپ کا نوامیسِ فطرت کو غیر متغیر یقین کرنا اور اس بنا پر معجزات کا انکار کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عام معمول یہ ہے کہ وہ علت و معلول اور سبب و مسبب کے تسلسل کو قائم رکھتا ہے لیکن ظہورِ معجزہ کے وقت اس نے اپنی قدرت اور حکمت کے پیشِ نظر خلافِ معمول اس تسلسل کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ وہ ایک با اختیار ہستی ہے۔ وہ جب چاہے اپنے معمول کو بدل دے۔ ایک شخص کی سالہا سال کی عادت یہ ہے کہ وہ رات کو دس بجے روزانہ سوتا ہے اور صبح چار بجے بیدار ہوتا ہے۔ اگر کسی روز آپ اسے ساری رات جاگتے ہوئے دیکھیں تو آپ اس مشاہدہ کا انکار نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہہ سکتے ہیں کہ آج خلافِ معمول فلاں صاحب رات بھر جاگتے رہے۔ اسی طرح ان قوانینِ فطرت کو عادتِ خداوندی اور معمولِ ربانی سمجھنا چاہیے اور کسی چیز کا خلافِ معمول وقوع پذیر ہونا قطعاً اس کے ناممکن ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔

THE LAWS OF NATURE MAY BE REGARDED AS HABITS OF THE DIVINE ACTIVITY, AND MIRACLES AS UNUSUAL ACTS WHICH, WHILE CONSISTENT WITH DIVINE CHARACTER, MARK A NEW STAGE IN THE FULFILMENT OF THE PURPOSE OF GOD. ENCY. BRI. V.15 P.576

یعنی قوانینِ فطرت کو ہم عادتِ خداوندی کہہ سکتے ہیں۔ معجزات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے پیشِ نظر خلافِ عادت ایسا کیا ہے اور یہ قطعاً ناروا نہیں۔

مغربی فلاسفہ میں سے ہیوم (DAVID HUME) نے معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی شد و مد سے اس کا انکار کیا ہے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے وہ توجہ طلب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ عالم ایک مخصوص نہج اور متعین انداز کے مطابق چل رہا ہے اور معجزات ہمارے تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف رونما ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر معجزہ کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس جو دلائل ہیں وہ تجربہ اور مشاہدہ کے دلائل و براہین سے جب تک زیادہ قوی اور مضبوط نہ ہوں۔ اس وقت تک ہم معجزہ کو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ ثبوتِ معجزہ کے لیے ایسے وزنی دلائل موجود نہیں اس لیے عقلاً معجزہ کا امکان تسلیم کرنے کے باوجود ہم ان کے وقوع کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار ہیوم کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہم تمہارا یہ قاعدہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ معجزات تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہوتے ہیں۔ کیونکہ تجربات سے تمہاری مراد کیا ہے۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ معجزہ تمام تجربات کے خلاف ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ کلیہ محتاجِ دلیل ہے پہلے آپ یہ تو ثابت کریں کہ آپ نے تمام تجربات کا احاطہ کر لیا ہے۔ پھر آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ معجزہ ان تمام تجربات کے خلاف ہے جب تک آپ اپنی دلیل کی حقیقت ثابت نہیں کر سکتے اس وقت تک آپ کی دلیل قابلِ قبول نہیں۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ تجربات سے مراد تجرباتِ عامہ ہیں یعنی معجزہ تجرباتِ عامہ کے خلاف ہے تو پھر اس سے تو فقط اتنا ہی ثابت ہوا کہ معجزہ عام تجربات اور

معمولات کے خلاف ہے۔ تمام تجربات مشاہدات کے مخالف ہونا تو لازم نہ آیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معجزہ کسی تجربہ کے مطابق ہو لیکن وہ تجربہ آپکے فہم کی رسائی سے ابھی بلند ہو۔ (انسائیکلو پیڈیا جلد نمبر ۱۵ صفحہ ۵۸۶)

THIS PHRASE ITSELF (THAT MIRACLE IS CONTRARY TO EXPERIENCE) IS AS PALEY POINTED OUT, AMBIGUOUS IF IT MEANS ALL EXPERIENCE IT ASSUMES THE POINT TO BE PROVED, IF IT MEANS ONLY COMMON EXPERIENCE THEN IT SIMPLY ASSERTS THAT THE MIRACLE IS UNUSUAL A TRUISM (ENCY BRI. V.15 P. 586)

استاذ احمد امین مصری ہیوم کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہیوم نے اپنے ایک مقالہ (OF MIRACLE) میں معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی کوشش سے ان کا بطلان ثابت کیا ہے۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ کیونکہ معجزات ہمارے تجربہ کے خلاف ہیں۔ اس لیے ناقابلِ تسلیم ہیں۔ استاذ موصوف لکھتے ہیں کہ ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم ہیوم سے پوچھیں کہ ایک طرف تو تمہارا یہ دعویٰ کہ علت و معلول اور سبب و مسبب کا حقیقت الامر سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہم بارہا مشاہدہ کرتے آتے ہیں کہ ایسا ہو تو یوں ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے ایک چیز کو دوسری چیز کی علت فرض کر لیا حالانکہ حقیقت میں اس کا علت ہونا ضروری نہیں اور دوسری طرف تم معجزہ کا انکار اس اساس پر کرتے ہو کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے جب تمہارے نزدیک علیت اور معلولیت کا کوئی قانون ہی نہیں، ہر چیز بغیر تحقیق علت وقوع پذیر ہو رہی ہے اور کسی چیز کے ساتھ ربط نہیں تو پھر اگر معجزہ کا وقوع ہوا جس کی ہم تعلیل کرنے سے قاصر ہیں تو کونسی قباحت ہو گئی۔ پہلے بھی جتنی چیزیں معرض وجود میں آئیں وہ علتِ حقیقیہ کے بغیر موجود تھیں اور یہ امر بھی بغیر علت کے ظاہر ہوا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کو تو تم تسلیم کرتے ہو اور دوسرے کے انکار میں تم اتنا غلو کرتے ہو کہ تمہیں اپنے فلسفہ کی بنیاد بھی سرے سے فراموش ہو گئی ہے۔ (قصۃ الفلسفۃ الحدیثیہ جزو اول صفحہ ۲۴۵)

اور بعض صاحبان نے اپنے جذبۂ تجسس کو یہ تھپکی دے کر سلا دیا کہ ان واقعات کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ معجزات محض عقیدت مندوں کے جوشِ عقیدت کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ انھوں نے معمولی اور عادی واقعات کو مبالغہ آمیزی سے اس طرح بیان کیا کہ انھیں خرقِ عادت بنا کر رکھ دیا۔ جو لوگ تحقیق و جستجو کی خارزار وادیوں میں آبلہ پائی کی زحمت برداشت نہ کرنا چاہتے ہوں ان کے لیے محفوظ اور آسان ترین یہی طریقہ کار ہے لیکن کیا یہ کسی مشکل کا حل ہے۔ کیا اس سے کوئی عقدۂ لاینحل کھل سکتا ہے۔ یہ غور طلب ہے۔

آخر میں مَیں ایک اہم مقالہ کی طرف اشارہ کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں معجزات کے بارے میں جناب محترم سر سید احمد خاں نے ایک مفصل مقالہ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ اس وقت تک معجزہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ قوانینِ قدرت کے خلاف نہ ہو کیونکہ اگر وہ کسی قانونِ قدرت کے مطابق ہو گا تو اس کا ظہور نبی کے علاوہ کسی اور شخص سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے معجزہ کا خلافِ قانون ہونا ضروری ہے۔ قوانینِ قدرت اٹل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا ردّ و بدل کا رونما ہونا قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ نصوصِ قرآنیہ میں بارہا یہ تصریح کی گئی ہے کہ قانونِ قدرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ثابت ہوا کہ معجزہ کا

هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى

بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا ہم نے اس کتاب کو

وقوع باطل ہے۔

آپ نے سید محترم کا استدلال ملاحظہ فرمالیا۔ انھوں نے معجزہ کی من گھڑت تعریف کر کے معجزہ کا بطلان کیا ہے۔ حالانکہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ علمائے اسلام نے معجزہ کی یہ تعریف نہیں کی کہ وہ قوانین فطرت کے خلاف ہو، بلکہ معجزہ وہ ہے جو خارق عادت ہو، نیز معجزات کو قوانینِ فطرت کے خلاف کہنے کا دعویٰ تو تب درست ہو سکتا جب کہ پہلے تمام قوانینِ فطرت اور سُننِ الٰہیہ کا احاطہ کرنے کے دعوے کو کوئی ثابت کرے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اور جو یقیناً ثابت نہیں تو پھر معجزات کو سُننِ الٰہیہ کے خلاف ٹھیرانا سراسر لغو ہے۔

بہرحال جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے قادرِ مطلق ہونے کو تسلیم کرتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے بس تماشائی کی طرح اس ہنگامۂ خیر و شر کو دور سے بیٹھا ہوا دیکھ نہیں رہا بلکہ اس کے حکم اس کی حکیمانہ تدبیر اور اس کے اذن سے نبضِ ہستی محوِ خرام ہے اسے قطعاً ایسے معجزات کے بارے میں شک نہیں ہونا چاہیے جو صحیح اور قابلِ وثوق ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہوں۔

قرآن کریم میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم ترین معجزہ معراج کو جس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد عقلِ سلیم کو بلا چون و چرا ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح آیاتِ قرآنی اور احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے، وہ سچ ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

٣ے واقعہ معراج کی اہمیت صرف اسی قدر نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین و آسمان بلکہ ان سے بھی ماورا اپنی قدرت و کبریائی کی آیات بیّنات کا مشاہدہ کرایا بلکہ اس میں ستم رسیدہ اہلِ اسلام کے لیے بھی ایک مژدہ ہے کہ شبِ غم اب سحر آشنا ہونے والی ہے۔ تمھارا آفتابِ اقبال ابھی طلوع ہوا چاہتا ہے۔ مشرق و مغرب میں تمھاری سطوت کا ڈنکا بجے گا۔ لیکن مسندِ اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پروردگار کو فراموش نہ کرنا۔ اس کی یاد اور اس کے ذکر میں غفلت سے کام نہ لینا! اور اگر تم نے نشۂ حکومت سے بدمست ہو کر نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کی تو پھر اُن کے ہولناک نتائج سے تمھیں دوچار ہونا پڑے گا۔ دیکھو تم سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے فرعون کی غلامی اور ظلم و ستم سے نجات دی۔ بحرِ احمر کو ان کے لیے پایاب کیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اُن کے جابر دشمن کو سمندر کی موجیں خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئیں۔ لیکن جب انھیں عزت و وقار بخشا گیا تو وہ اپنے مالکِ حقیقی کے احکام سے سرتابی کرنے لگے اور اس کے انعامات کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے انھوں نے نافرمانی اور ناشکر گزاری کو اپنا شعار بنا لیا تو ہم نے ان پر ایسے سنگدل دشمن مسلط کر دیے جنھوں نے ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ اور اُن کے مقدس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اسی

لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًاؕ ② ذُرِّیَّةَ مَنْ

باعث ہدایت بنی اسرائیل کے لیے (اسمیں انھیں حکم دیا) کہ نہ بنانا میرے بغیر کسی کو (اپنا) کارساز۔ اے ان لوگوں کی اولاد ﴿ف﴾

حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③ وَ قَضَیْنَاۤ اِلٰى بَنِیْۤ

جنھیں ہم نے (کشتی میں) سوار کرایا نوح کیساتھ۔ بیشک نوح ایک شکر گزار بندہ تھا ﴿ف﴾ اور ہم نے آگاہ کردیا تھا بنی

اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَ لَتَعْلُنَّ

اسرائیل کو ﴿ف﴾ کتاب میں کہ تم ضرور فساد برپا کروگے زمین میں دو مرتبہ اور تم (احکام الٰہی سے)

عبرت آموزی کے لیے واقعہ معراج کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا۔

﴿ف﴾ کتاب سے مراد تورات ہے۔ اس کے نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل اسکے احکام کی پابندی کریں اور اپنی زندگی کو اُس شریعت کے سانچے میں ڈھال دیں جس کا تفصیلی بیان اس کتاب مقدس میں کیا گیا ہے۔ ان تمام احکام سے اہم ترین حکم یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین محکم رکھیں اور ہر معاملہ میں اسی کو اپنا کارساز حقیقی سمجھیں۔ وکیل اس کارساز حقیقی کو کہتے ہیں جس کے سپرد اپنے تمام امور کردیے جائیں۔ مجاہد نے اس کا معنی شریک کیا ہے "قال مجاهد الوكيل معناه في هذا الموضع الشريك" (طبری ابن جریر) اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات سارے جہان کیلئے صحیفہ بناکر نہیں اتاری گئی تھی بلکہ صرف بنی اسرائیل کیلئے ایک محدود وقت تک اس میں سامان ہدایت تھا۔ عالمگیر ہدایت کا داعی ابھی تشریف لانے والا تھا۔

﴿ف﴾ یہاں حرف ندا محذوف ہے۔ اصل میں ہے یا ذریۃ من حملنا یعنی اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے سفینۂ نوح میں پناہ دی اور طوفان کی تباہ خیزیوں سے بچایا تم اس احسان عظیم کو فراموش نہ کرو تم اس برحق اندیش کی اولاد سے ہو جو ہر وقت اپنے مالک وخالق کا شکر یاد کرتا رہتا تھا اور جس کا ایک سانس بھی اپنے رب کی ناشکری میں نہیں گزرا۔ اس شکر گزار بندے کے فرزند ہوکر اگر تم اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرو تو بڑی شرم کی بات ہے۔

﴿ف﴾ حضرت نوح کو اس عظیم لقب سے سرفراز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ پانی کا ایک گھونٹ پیتے یا ایک لقمہ بھی منہ میں ڈالتے یا کوئی نیا کپڑا پہنتے تو دل اور زبان سے اپنے منعم حقیقی کا شکر یہ ان الفاظ سے ادا کرتے الحمد للہ الذی اطعمنی ولو شاء لاجاعنی الحمد للہ الذی سقانی ولو شاء لاظمانی الحمد للہ الذی کسانی ولو شاء لاعرانی یعنی سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے کھانا کھلایا اور اگر وہ چاہتا تو وہ مجھے بھوکا رکھتا۔ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے پانی پلایا اور اگر وہ چاہتا تو وہ مجھے پیاسا رکھتا۔ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے کپڑا پہنایا۔ اور اگر وہ چاہتا تو مجھے ننگا رکھتا۔

لہ علامہ قرطبیؒ نے قضینا کا معنی اعلمنا و اخبرنا لکھا ہے یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ان عنایات بے پایاں کے باوجود تم آمادہ فتنہ و فساد ہو گے۔ دنیا تمہارے مظالم سے چیخ اٹھے گی اور تم عقیدہ توحید سے بھی برگشتہ ہو جاؤ گے اس کی پاداش میں تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا ولتعلن علوا کبیرا میں لتفسدن کی طرح لام قسم کے لیے ہے۔ تکبر، فتنہ و فساد، سرکشی اور بغاوت تمام معانی اس جملہ میں آگئے اراد التکبر والبغی والطغیان والاستطالۃ والعدوان (قرطبی)

بائیبل میں اس قرآنی دعویٰ کے بےشمار شواہد موجود ہیں جن میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام احکام شریعت کی تبلیغ اور ان پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اگر تم نے سرکشی کی تو تم پر سخت عذاب آئے گا۔

"اور میں تمہاری پرستش کے بلند مقاموں کو ڈھا دوں گا اور تمہاری سورج کی مورتوں کو کاٹ ڈالوں گا اور تمہاری لاشیں تمہارے شکستہ بتوں پر ڈال دوں گا اور میری روح کو تم سے نفرت ہو جائے گی اور میں تمہارے شہروں کو ویران کر ڈالوں گا اور تمہارے مقدسوں کو اُجاڑ بنا دوں گا .... اور میں تمہیں غیر قوموں میں پراگندہ کر دوں گا۔" (احبار باب ۲۶، آیات ۳۰، ۳۱، ۳۳)

اسی کتاب احبار کی چھتیسویں آیت میں ہے۔

"اور جو تم سے بچ جائیں گے اور اپنے دشمنوں کے ملکوں میں ہوں گے۔ ان کے دل کے اندر میں بے ہمتی پیدا کر دوں گا۔ اور اڑتی ہوئی پتی کی آواز ان کو کھدیڑے گی۔" کتاب استثنا کے باب ۲۸ کی آیات ۴۹، ۵۰ ملاحظہ ہوں۔

"خداوند دور سے بلکہ زمین کے کنارے سے ایک قوم کو تجھ پر چڑھا لائے گا جیسے عقاب ٹوٹ کر آتا ہے۔ اس قوم کی زبان کو تو نہیں سمجھے گا۔ اس قوم کے لوگ ترش رو ہوں گے۔ جو نہ بڈھوں کا لحاظ کریں گے۔ نہ جوانوں پر ترس کھائیں گے۔" اسی کتاب کے باب ۳۱۔ آیت ۲۰ میں ان کے نافرمان بننے کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔

"اس لیے کہ جب میں اُن کو اس ملک میں جس کی قسم میں نے ان کے باپ دادا سے کھائی اور جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے پہنچا دوں گا اور وہ خوب کھا کھا کر موٹے ہو جائیں گے تب وہ اور معبودوں کی طرف پھر جائیں گے اور ان کی عبادت کریں گے اور مجھے حقیر جانیں گے اور میرے عہد کو توڑ ڈالیں گے۔" (کتاب استثنا باب ۳۱۔ آیت ۲۰)

موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء تشریف لائے انہوں نے بڑے اثر انگیز پیرایہ میں انہیں آنے والے عذاب سے ڈرایا۔ حضرت یسعیاہ کا صحیفہ اسی قسم کی ترہیبات سے لبریز ہے۔ حضرت یرمیاہ نبی کے لہجہ میں جو درد و سوز ہے، اپنی قوم پر آنے والی تباہی سے جس طرح وہ بے چین اور مضطرب ہیں اور آنسوؤں کا سیل رواں جس طرح اُن کی آنکھوں سے جاری ہے۔ وہ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ اس خوفناک ہلاکت و بربادی کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ ان کی بار بار کی سرزنش کے باوجود جب قوم اسرائیل گمراہی سے باز نہ آئی تو بے اختیار آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔

"خداوند فرماتا ہے، پہاڑوں کی طرف اپنی آنکھیں اٹھا اور دیکھ کونسی جگہ ہے جہاں تُو نے بدکاری نہیں کی۔ . . . . تو نے اپنی بدکاری اور شرارت سے زمین کو ناپاک کیا۔ . . . . . خداوند نے مجھ سے فرمایا کیا تُو نے دیکھا برگشتہ اسرائیل نے کیا کیا ہے۔ وہ ہر ایک اونچے پہاڑ پر اور ہر ایک ہرے درخت کے نیچے گئی اور وہاں بدکاری کی اور اس کی بے وفا بہن یہوداہ نے یہ حال دیکھا۔ . . . . . وہ بھی نہ ڈری بلکہ اس نے بھی جاکر بدکاری کی اور ایسا ہوا کہ اس نے اپنی بدکاری کی برائی سے زمین کو ناپاک کیا اور پتھر اور لکڑی کے ساتھ زناکاری کی۔ (کتاب یرمیاہ باب ۳۔ آیت ۲، ۶، ۷، ۸، ۹)

اسی کتاب کا باب ۴، آیت ۱۳ ملاحظہ ہو۔

"دیکھو وہ گھٹا کی طرح چڑھ آئے گا۔ اس کے رتھ گردباد کی مانند اور اس کے گھوڑے عقابوں سے تیز تر ہیں۔ ہم پر افسوس کہ ہائے ہم غارت ہو گئے۔"

باب ۵ کی مندرجہ ذیل آیات بھی مطالعہ فرمائیے:۔

"میں تجھے کیونکر معاف کر دوں۔ تیرے فرزندوں نے مجھ کو چھوڑا اور ان کی قسم کھائی جو خدا نہیں ہیں جب میں نے ان کو سیر کیا تو انھوں نے بدکاری کی اور پرے باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے۔ وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی مانند ہو گئے۔ ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا۔ خداوند فرماتا ہے کہ کیا میں ان باتوں کے لیے سزا نہ دوں گا؟ اور کیا میری روح ایسی قوم سے انتقام نہ لے گی؟" (آیات ۷، ۸، ۹)

"اے اسرائیل کے گھرانے دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا لاؤں گا۔ خداوند فرماتا ہے، وہ زبردست قوم ہے۔ وہ قدیم قوم ہے۔ وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا۔ ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں۔ وہ سب بہادر مرد ہیں۔" (آیات ۱۵، ۱۶، ۱۷)

"کیونکہ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ درخت کاٹ ڈالو اور یروشلم کے مقابل دمدمہ باندھو۔ یہ شہر سزا کا سزاوار ہے۔ اس میں ظلم ہی ظلم ہے۔ جس طرح پانی چشمہ سے پھوٹ نکلتا ہے، اسی طرح شرارت اس سے جاری ہے۔ ظلم اور ستم کی صدا اس میں سنی جاتی ہے۔ ہر دم میرے سامنے دکھ، درد اور زخم ہیں۔ اے یروشلم تربیت پذیر ہو۔ تا نہ ہو کہ میرا دل تجھ سے ہٹ جائے۔ نہ ہو کہ میں تجھے ویران اور غیر آباد زمین بنا دوں۔" (باب ۶۔ آیات ۶، ۷، ۸)

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ شمالی ملک سے ایک گروہ آتا ہے اور انتہائے زمین سے ایک بڑی قوم برانگیختہ کی جائے گی۔ وہ تیر انداز، نیزہ باز ہیں۔ وہ سنگدل اور بے رحم ہیں۔ ان کے نعروں کی صدا سمندر کی سی ہے۔" (آیات ۲۲، ۲۳)

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرورِ وقت کے ساتھ بنی اسرائیل نے شریعتِ موسوی سے اپنا رشتہ بالکل منقطع کر لیا تھا۔ احکامِ الٰہی کی پابندی، اخلاق کی بلندی، معاملات میں دیانت و صداقت جس کی تعلیم حضرت کلیم نے انھیں دی تھی اور سب سے اہم عقیدۂ توحید جو حضرت موسیٰ کی بعثت کا مقصدِ اولین تھا۔ ان تمام امور کو انھوں نے یکسر فراموش کر دیا تھا۔ ایک توحید پرست قوم کا، ایک صاحبِ کتاب رسول کی امت کا اتنی بلندی سے اتنی پستی میں گرنے کا سبب معلوم

سلطنت اسرائیل اور یہودا

حماۃ
تدمر
ارام
دمشق
بحر روم
عکہ
دور
سامریہ
اسرائیل
عمون
یافا
اشدود
عسقلان
غزہ
یروشلم
حبرون
بیرشبع
موآب
دولت یہودیہ
صحرائے عرب
ادوم
شمال

عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝٤ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ

بڑی سرکشی کرو گے۔ پس جب آگیا پہلا وعدہ ان دونوں وعدوں سے تو ہم نے تمہاری سرکوبی کے لیے بھیجے اپنے چند بندے

اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝٥

جو بڑے کرخت (اور) سخت تھے۔ پس وہ گھس گئے (تمہاری) آبادیوں میں ؎ اور جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا وہ پورا ہو کر رہنا تھا

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَ

پھر ہم نے پلٹا دیا تمہارے حق میں زمانہ کی گردش کو جو دشمن کے خلاف تھی اور ہم نے قوت دی تمہیں مال سے، بیٹوں سے اور

جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝٦ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وقف

بنا دیا تمہیں کثیر التعداد ؎ اگر تم اچھے کام کرو گے تو ان کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا۔

رعایا میں ان کو غلاموں کی حیثیت سے اس طرح تقسیم کر دیا گیا کہ کبھی یہ متحد ہونے کا خواب بھی نہ دیکھ سکیں۔ اس طرح پہلے فساد اور اس کی پاداش میں ان کی مکمل بربادی کی پیشگوئیاں جو ان کے انبیاء نے کی تھیں، پوری ہوئیں۔ اس آیت کریمہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

؎ جاس مجوساً طلب الشئ باستقصاء فجاسوا خلال الدیار ای توسطوھا وترددوا بینھا (مفردات) یعنی وہ ان کے شہروں میں گھس گئے اور وہاں خوب لوٹ مار کی۔

؎ بخت نصر کی موت کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور بابل کی سلطنت زوال پذیر ہوئی۔ سیرس دوم شاہ فارس (CYRUS II) جسے بائیبل میں خورس لکھا گیا ہے، نے میڈیا اور بابل پر ۵۳۹ ق م قبل مسیح حملہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ سب سے پہلے اس نے یہودا کی سلطنت کو بحال کرنے اور یروشلم کے ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنے کا فرمان صادر کیا۔ بے شمار یہودی جو بابل میں جلاوطنی کی ذلیل زندگی بسر کر رہے تھے انہیں فلسطین واپس جانے کی اجازت دی۔ چنانچہ کتاب عزرا میں مرقوم ہے۔

"اور شاہ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے سال میں اس لیے کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کی زبانی آیا تھا پورا ہو۔ خداوند نے شاہ فارس خورس کا دل ابھارا۔ سو اس نے اپنی تمام مملکت میں منادی کرائی اور اس مضمون کا فرمان بھی لکھا کہ شاہ فارس خورس یوں فرماتا ہے کہ خداوند آسمان کے خدا نے زمین کی سب مملکتیں مجھے بخشی ہیں اور مجھے تاکید کی ہے کہ میں یروشلم میں جو یہوداہ میں ہے اس کے لیے ایک مسکن بناؤں۔ پس تمہارے درمیان جو کوئی اس کی ساری قوم میں سے ہو اس کا خدا اس کے ساتھ ہو اور وہ یروشلم کو جو یہوداہ میں ہے جائے اور خداوند اسرائیل کے خدا کا گھر جو یروشلم میں ہے بنائے۔" (باب ١ : آیت ١، ٢، ٣)

وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ

اور اگر تم برائی کروگے تو اس کی سزا بھی (تمھارے) نفسوں کو ملے گی۔ پس جب آ گیا دوسرا وعدہ (تو اور ظالم ان پر غالب کیے) تاکہ غمناک بنا دیں

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا

تمھارے چہروں کو اور تاکہ (پھر) داخل ہو جائیں مسجد میں جیسے داخل ہوئے تھے اس میں پہلی مرتبہ تاکہ فنا و برباد کر کے رکھ دیں اسے جس پر

بنی اسرائیل کے قافلے جب طویل جلاوطنی کے بعد فلسطین واپس پہنچے اور انھوں نے ہیکل کی تعمیر شروع کی تو وہاں کی مقامی آبادی نے مزاحمت کی لیکن جب دارا اول (DARIUS I) فارس کا بادشاہ بنا تو اس نے حجی نبی اور زکریا نبی کے اصرار پر فرمان صادر کیا کہ منہدم شدہ ہیکل سلیمانی کے مقام پر فوراً دوسرا ہیکل تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ۵۱۵ قبل مسیح میں اس ہیکل کی تعمیر کا کام ختم ہوا۔

اس کے باوجود ۴۴۵ قبل مسیح تک وہاں کے حالات بنی اسرائیل کے لیے تشویشناک ہی بنے رہے۔ یہاں تک کہ نحمیا کی کوششوں سے ۴۴۵ قبل مسیح میں شاہ فارس کے حکم سے ایک وفد یروشلم بھیجا گیا اور حضرت عزیر علیہ السلام کو دین موسوی کی ترویج اور تنفیذ کا کام سپرد کیا گیا۔ آپ نے یروشلم پہنچ کر اپنی مساعی جمیلہ سے سیاسی استحکام کے ساتھ ساتھ اصلاح عقائد اور تربیت اخلاق کی نعمت سے ایک بار پھر بنی اسرائیل کو بہرہ اندوز کیا۔ اس طرح غم والم کے ایک طویل دور کا خاتمہ ہوا۔ اور بنی اسرائیل کو چین کا سانس لینا نصیب ہوا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا صفحات ۱۲۶، ۱۲۷، جلد ۱۷)

بائیبل میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ شاہ فارس ارتخششتا نے حضرت عزیر کو یروشلم روانہ کرتے وقت ان الفاظ سے الوداع کہی:۔

اے عزرا تو اپنے خدا کی اس دانش کے مطابق جو تجھ کو عنایت ہوئی حاکموں اور قاضیوں کو مقرر کر۔ دریا پار کے سب لوگوں کا جو تیرے خدا کی شریعت کو جانتے ہیں انصاف کریں اور تم اس کو جو نہ جانتا ہو سکھاؤ اور جو کوئی تیرے خدا کی شریعت پر اور بادشاہ کے فرمان پر عمل نہ کرے اس کو بلا توقف قانونی سزا دی جائے خواہ موت یا جلاوطنی یا مال کی ضبطی یا قید کی۔

(عزرا باب ۷، آیت ۲۵، ۲۶)

اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل پر اسی عنایت ربانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ؕ حضرت عزیر علیہ السلام کی کوششوں سے اصلاح عقائد و اخلاق کی جو نئی روح ان میں پھونکی گئی تھی وہ بھی زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ آپ کے بعد بہت جلد یہ پھر دنیا پرستی، لذت کوشی اور جاہ طلبی کی لعنت میں گرفتار ہو گئے۔ ایرانی سلطنت کے زوال کے ساتھ یونانیوں کا عروج شروع ہوا۔ چنانچہ سکندر اعظم نے مشرق اوسط کے دیگر ممالک کے ساتھ فلسطین پر اپنا قبضہ جما لیا۔ یونانی عقیدہ کے لحاظ سے بدترین قسم کے شرک میں مبتلا تھے اور اخلاقی لحاظ سے وہ اباحیت پسند تھے۔ انھوں نے اپنے زمانہ اقتدار

فلسطین ، بزمانہ دولتِ مکابیہ

ہیرود اعظم کی سلطنت (بنی اسرائیل)
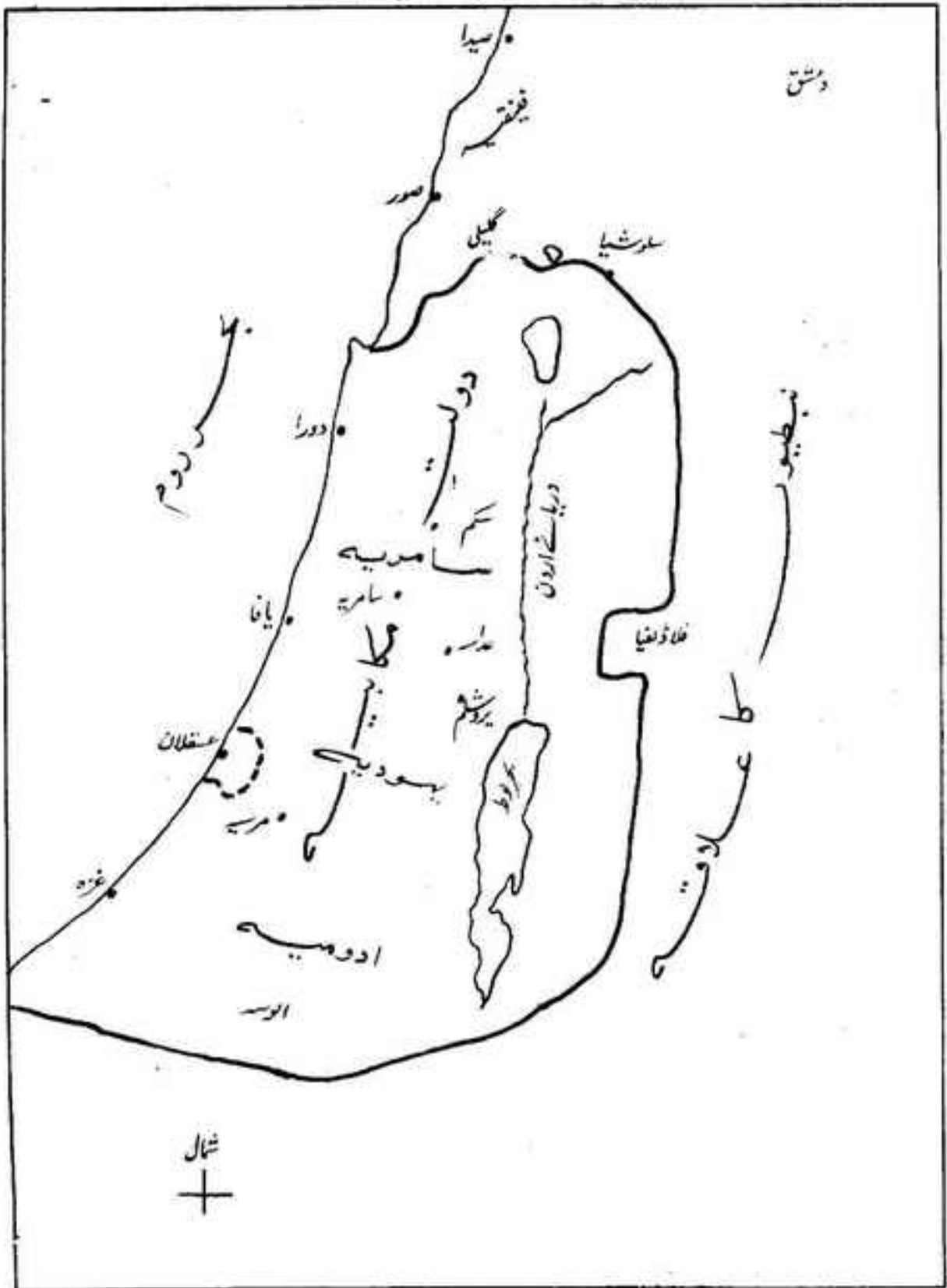
صیدا
کوہ لبنان
دمشق
صور
بحیرہ طبریہ
ہیرود اعظم
بحر روم
سامریہ
یافا
لد
یروشلم
بیت لحم
یہودیہ
حبرون
عسقلان
غزہ
ادومیہ
فلاڈلفیا
شمال
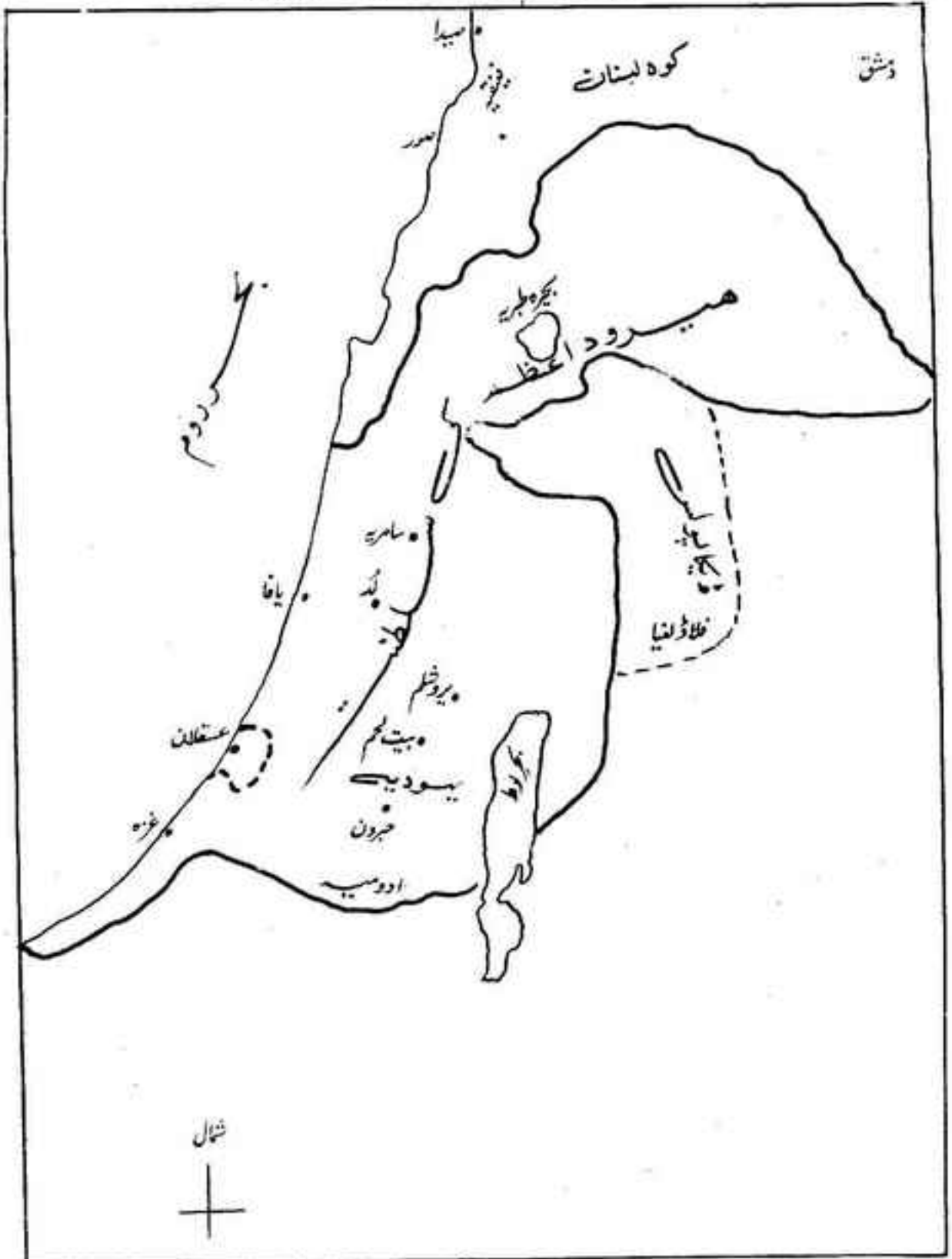
میں اپنی مادر پدر آزاد تہذیب اور تمدن کو یہاں فروغ دینے کی انتہائی کوشش شروع کی۔ فلسطین ایک الگ ریاست تھی۔ جس کا سردار یونانیوں کا مقرر کیا ہوا کوئی یہودی ہوا کرتا لیکن انتظامی لحاظ سے اس کا الحاق شام کے ساتھ کر دیا گیا تھا جہاں کا گورنر کوئی یونانی ہوتا۔ یونانی تہذیب کو مقبول بنانے کی کوششیں رنگ لائیں اور خود یہودیوں کا با اثر اور متمول طبقہ اس کا دلدادہ بن گیا۔ ۱۶۸ قبل مسیح میں حالات کو سازگار محسوس کرتے ہوئے شام کے رومی فرمانروا انٹی اوکس چہارم (ANTIOCHUS IV) نے یونانی رسم و رواج کو جبراً مسلط کرنے کا عزم مصمم کیا اور ہیکل میں سابقہ قربان گاہ کے اوپر جہاں حضرت موسیٰ کی شریعت کے مطابق سوختنی قربانیاں دی جاتی تھیں ایک اور قربان گاہ تیار کرائی اور اس پر زیس (ZEUS) کے لیے قربانی دی۔ (زیس یونانی دیومالا میں کوہ اولمپس کے دیوتاؤں کے سردار کا نام ہے) اور شاہی فرمان جاری کیا کہ فلسطین کے ہر شہر اور ہر قصبے میں ایسی قربان گاہیں تعمیر کی جائیں جہاں مشرکانہ دستور کے مطابق یونانی دیوی دیوتاؤں کے نام کی قربانیاں دی جائیں اور جو شخص ایسا کرنے سے انکار کرے اس سے نپٹنے کے لیے ہر مقام پر با اختیار افسر مقرر کیے۔ اس ظالمانہ حکم نے ایک انقلابی تحریک کو جنم دیا جو تاریخ میں مکابی تحریک (MACCABEES) کے نام سے مشہور ہوئی۔ موڈین (MODIN) کے قصبے میں جو یروشلم سے زیادہ دور نہیں جب ایک بوڑھے یہودی مذہبی راہنما (MATTATHIAS) کو حکم دیا گیا کہ وہ ان کے ایک دیوتا کے لیے قربانی دے تو اسے یارائے صبر نہ رہا۔ اس نے صرف اس بیہودہ حکم کو بجا لانے سے ہی انکار نہ کیا بلکہ اس یہودی کو بھی تہ تیغ کر دیا جو ایسی قربانی دینے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا اور گرولیر انسائیکلوپیڈیا (GROLLIER ENCY.) نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس نے شاہی کمشنر کو بھی قتل کر دیا اور اپنے پانچ لڑکوں جان، سمن، یہوداہ، الیعزر اور جوناتھان سمیت وہاں سے نکل کر ایک پہاڑ میں خیمہ زن ہو گیا۔ یہودیوں کی ایک کثیر تعداد اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی اور انہی کوششوں سے ایک آزاد یہودی مملکت معرضِ وجود میں آئی۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۴ صفحہ ۵۴۹)

لیکن مکابی کی یہ انقلابی تحریک بھی رفتہ رفتہ سرد پڑ گئی۔ ذاتی اقتدار کے لیے قومی مفاد کو نظر انداز کرنا ان کے لیے ایک معمولی کام بن گیا۔ چنانچہ انہی کے ایک شخص انٹی پیٹر (ANTIPATER) کی تحریک پر رومی بادشاہ پومپی (POMPEY) کے نمائندہ سکارس (M.A. SCAURUS) نے یروشلم پر حملہ کر کے یہودیوں کو پھر اپنا غلام بنا لیا۔ اس قومی غداری کے صلہ میں انٹی پیٹر کو رومی دربار میں بڑی اہمیت حاصل ہو گئی۔ لیکن قوم نے اس کی غداری کو معاف نہ کیا اور کسی باوری نے زہر دے کر اسے ہلاک کر دیا۔ اس کا لڑکا ہیروڈ (HEROD) جان بچا کر روم چلا گیا۔ انٹونی (ANTONY) شاہ روم نے ۴۰ قبل مسیح میں اس کو یہوداہ کی سلطنت کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ہیروڈ انٹی پاس (HEROD ANTI-PAS) فرمانروا بنا۔ اس کا عہدِ حکومت ۴ قبل مسیح تا ۳۹ عیسوی ہے۔ اسی کے زمانہ حکومت میں حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور اپنے وعظ و ارشاد کا آغاز فرمایا۔ آپ کے خطبوں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل ایک بار پھر اخلاقی انحطاط کی انتہائی پستیوں میں گر گئے تھے۔ کتاب متی باب ۲۳ میں آپ کو ملیگا کہ آپ نے بنی اسرائیل کے مذہبی سرداروں کو بار بار ان تحقیر آمیز الفاظ سے زجر و توبیخ فرمائی۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس، اے اندھے راہ بتانے والو، اے

احمقو اور اندھو، اے سانپو! اے افعی کے بچو! اس بگڑے ہوئے ماحول میں حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوتِ حق کو کیسے برداشت کیا جا سکتا۔ چنانچہ انھوں نے حضرت مسیح کے خلاف رومی گورنر پیلاطس کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا اور ان پر کفر و الحاد کا الزام لگا کر اسے مجبور کیا کہ وہ انھیں سُولی پر چڑھائے ورنہ وہ عَلَمِ بغاوت بلند کردیں گے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اوّل، سورۃ النساء آیت نمبر ۱۵۸ کا حاشیہ)

اس بادشاہ کی اخلاقی پستی کا اندازہ لگانے کے لیے مندرجہ ذیل واقعہ پڑھیے:۔

ایک دفعہ جب یہ روم گیا ہوا تھا تو اس کی ملاقات اپنے بھائی فلپ کی بیوی ہیرڈیاس (HERODIAS) سے ہوئی۔ وہ اس پر فریفتہ ہوگیا اور اسے اپنے گھر ڈال لیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس پر شدید احتجاج کیا اور اس کو اس فعلِ قبیح سے باز آنے کی تلقین کی لیکن شاہی غرور و نخوت نے اجازت نہ دی کہ وہ اس نبی برحق کی نصیحت کو قبول کرتا۔ وہ آتش زیر پا ہوگیا، اور اپنی داشتہ کے اکسانے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مجمعِ عام میں قلم کردیا۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا صفحہ ۵۱۱ : جلد ۱۱)

اس کے بعد ہیرڈ اگرپا دوم (HEROD AGRIPPA II) جو اس کا لڑکا تھا، تخت نشین ہوا۔ اس کا حال یہ تھا کہ اپنی بہن (BERENICE) کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ یاد رہے کہ یہ خاندان صرف سیاسی حکمران ہی نہ تھا بلکہ یہودیوں کا روحانی سردار بھی تھا اور بڑے بڑے مذہبی پیشوا مقرر کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص ۵۱۲، جلد ۱۱)

جس قوم کے فرمانرواؤں اور روحانی پیشواؤں کی اخلاقی زبوں حالی کا یہ حال ہو اس کے عوام کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ انہی حالات میں حضرت مسیح نے ان کو واشگاف الفاظ میں ان کے ہولناک انجام سے آگاہ فرمایا۔

"اے یروشلم! اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتی اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتی ہے۔ کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کرلیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کرلوں مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو تمہارا گھر تمہارے لیے ویران چھوڑا جاتا ہے۔"

(متی باب ۲۳۔ آیت ۳۷، ۳۸)

اگرپا دوم ۴۴ء میں مرا اور اس کے بعد فلسطین کا علاقہ براہِ راست رومیوں کے قبضہ میں آگیا جس سے بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی اور یہودیوں نے رومی حکومت کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کردیا۔ ابتدا میں انھیں کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ شام کا رومی گورنر بھی ان سے شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ آخر ۶۶ء میں ولی عہد حکومت ٹیٹس (TITUS) کی قیادت میں ۲ ہزار کا رومی لشکر فلسطین پر حملہ آور ہوا۔ اسی سال گلیلی فتح ہوا۔ اور ۷۰ء میں اس نے یروشلم پر قبضہ کیا اور ہیکل کے معبد کو تباہ و برباد کردیا۔ ۱۰ لاکھ سے زیادہ یہودی مارے گئے اور ایک لاکھ کو غلاموں اور لونڈیوں کی حیثیت سے فروخت کردیا گیا۔ اس فتح عظیم کی یادگار کے طور پر روم میں قوس ٹیٹس تعمیر کی گئی۔

(گرولیر انسائیکلوپیڈیا، جلد ۱۹۔ صفحہ ۱۵۶)

یہ ان کی دوسری فساد انگیزی اور ان کی سزا تھی جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہودیوں کی

فلسطین ۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں
صیدا
دمشق
صور
بحر روم
قیصاریہ
سامریہ
یافا
یروشلم
بیت لحم
یہودیہ
عسقلان
غزہ
حبرون
ادومیہ
شمال
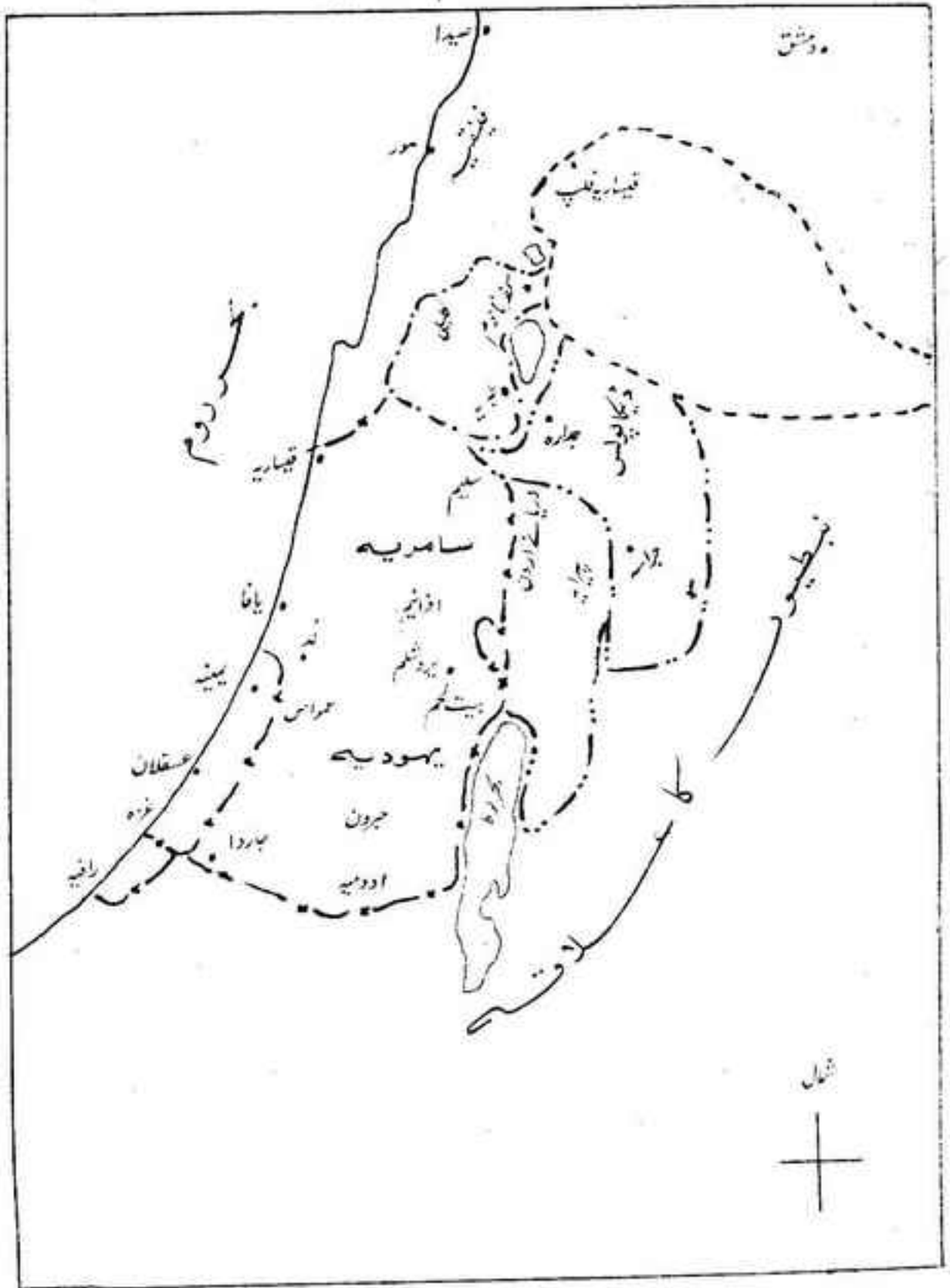
تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَ جَعَلْنَا

تباہ کر دیں۔ قریب ہے کہ تمھارا رب تم پر رحم فرمائے گا۔ اور اگر تم فسق و فجور کی طرف دوبارہ لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے۔

جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ

اور ہم نے بنا دیا ہے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ۔ بلاشبہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب راہوں سے

بربادی کا وہ طویل دور شروع ہوا جو ابھی تک ختم نہیں ہوا۔

[۱۱] ہادیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے بنی اسرائیل کو ان کی فساد انگیزیوں کی وجہ سے جن وحشتناک تباہیوں سے دوچار کیا گیا تھا انھوں نے بنی اسرائیل کو بالکل بے جان کر دیا تھا۔ ان کی جمعیت منتشر ہو چکی تھی۔ ان کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ وہ مایوسی کے گھپ اندھیروں میں خانماں برباد افراد کی طرح اپنی زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ان کے مطلعِ حیات پر امید کی ایک روشن کرن ظاہر ہوئی! اور زبانِ قدرت نے انھیں صلائے عام دی! کہ اے اجڑے ہوئے اسرائیلی قبیلو! اے نظرِ رحمت سے گرے ہوئے لوگو! جاگو! وہ دیکھو رحمتِ الٰہی کا نقیب تشریف لا رہا ہے اس کے بھیجنے والے نے اسے دنیا بھر کی برباد شدہ قوموں کو آباد کرنے کے لیے زخمی دلوں پر مرہم لگانے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ رحمتِ عامہ کی خلعتِ زیبا پہن کر آ رہا ہے۔ اٹھو! آگے بڑھو! اور اس کا دامنِ کرم تھام لو! تمھیں رحمتِ الٰہی کا مستحق قرار دے دیا جائے گا۔

[۱۲] لیکن اگر تم نے میرے محبوب رسول کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو تم نے سابقہ انبیا کے ساتھ روا رکھا تھا تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی شمشیرِ غضب کند نہیں ہو گئی۔ پھر تمھاری سرکوبی کر دی جائے گی اور تمھیں اپنے کرتوتوں کی سزا پہلے کی طرح بھگتنا ہو گی۔

آفتابِ اسلام کے طلوع سے لے کر آج تک کی یہودی قوم کی تاریخ کا طالب علم خوب جانتا ہے کہ یہ ساری مدت ان کی فساد انگیزیوں اور ان پر مرتب ہونے والی روح فرسا سزاؤں سے عبارت ہے۔ یہ ساری دنیا میں منتشر ہو کر ایک بے اثر اقلیت کی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔ جہاں بھی ان کے سبز قدم پہنچے ادبار و زوال ان کے ہمرکاب رہا۔ جب بھی عیسائیوں نے ان پر غلبہ پایا تو ان کو سخت اذیتیں دیں۔ اپنی شرارتوں کی وجہ سے سارے یورپ میں یہ بڑی حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مشرقِ اوسط کی مسلمان ریاستوں نے جب اپنے مرکز (خلافتِ عثمانیہ) سے غداری کی اور پہلی جنگِ عظیم کے بعد انگریزی استعمار نے ان کے حصے بخرے کر کے انھیں کئی چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم کر دیا تو فلسطین میں انگریزی تسلط انتداب کی شکل میں قائم ہو گیا جب انگریزی جرنیل ایلن بی (ALLEN BE) یروشلم میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوا تو اس نے کہا کہ آج صلیبی جنگ ختم ہوئی ہے۔ اس کے بعد فلسطین کو یہودی وطن بنانے کی تحریک شروع ہوئی

فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا

اور ہم نے مدھم کر دیا رات کی نشانی کو اور بنا دیا دن کی نشانی کو روشن تاکہ (دن کے اجالے میں) تم تلاش کرو رزق

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ

اپنے رب سے اور تاکہ تم جان لو سالوں کی تعداد اور حساب کو اور ہر چیز کو ہم نے

فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝۱۲ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ

بڑی وضاحت سے بیان کر دیا ہے اور ہر انسان کی (قسمت کا) نوشتہ اس کے گلے میں ہم نے لٹکا رکھا ہے

المَحْو کا معنی کسی چیز کو مٹا دینا اور اس کے اثر کو زائل کرنا یہاں اس سے مراد مدھم کر دینا۔ دھندلا دینا اور اس داغ کو جو چاند میں نظر آتا ہے اس کو بھی اہل عرب محو کہتے ہیں۔ المحو السواد فی القمر کانہ اثر محو۔ چاند کے لیے محو کے لفظ کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ چاند کی روشنی آہستہ آہستہ گھٹتی جاتی ہے یہاں تک کہ مہینہ کی آخری تاریخوں میں وہ بالکل بے نور ہو جاتا ہے یا یہاں محو کا لفظ دھندلا اور دھیما کر دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی چاند اگرچہ روشن ہے لیکن اس کی روشنی دھندلی اور مدھم ہے اور اس سے ہر چیز دھندلائی ہوئی نظر آتی ہے اس کے برعکس سورج کی روشنی بڑی تیز ہے ہر چیز اپنے اصلی رنگ و روپ میں دکھائی دینے لگتی ہے کوئی التباس باقی نہیں رہتا۔ اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ رات سے مراد گمراہی کی تاریکی ہے اور دن سے مراد حق کا اجالا ہے۔ اس آیت میں گویا اس امر کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ کفر و شرک کی شب دیجور ختم ہونے والی ہے اور حق کا آفتاب طلوع ہونے والا ہے جس کی شوخ کرنیں باطل کے اندھیروں کو ختم کر کے رکھ دیں گی اور ہر طرف اُجالا ہی اجالا ہو گا۔

یعنی ہر وہ چیز جس کی طرف تم دین و دنیا کی فلاح حاصل کرنے کے لیے محتاج ہو اس کو نہایت شرح و بسط سے اس کتاب میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ای تحتاجون الیہ فی امر الدین والدنیا (مظہری)

ہر شخص اس تفصیل سے یکساں طور پر مستفیض نہیں ہوتا بلکہ جتنی کسی کو استعداد بخشی جائے گی اسی کے مطابق وہ بہرہ مند ہو گا۔ اگر کسی کم نظر کو وہ حقائق نظر نہیں آتے جو اہل بصیرت کو بے حجاب دکھائی دیتے ہیں تو اسے اپنی کم نظری کا شکوہ کرنے کا تو حق پہنچتا ہے لیکن اسے ان حقائق سے انکار کرنے کا کوئی حق نہیں جو نفوسِ قدسیہ کے سامنے بے نقاب ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے بجا فرمایا ہے:-

جمیع العلم فی القرآن لکن ؎ تقاصر عنہ افہام الرجال

سارے علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن عام لوگوں کی عقلیں ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اہل عرب دیگر مشرک قوموں کی طرح فالوں اور شگونوں کے بڑے معتقد تھے۔ وہ خارجی عوامل کو اپنی کامیابی اور ناکامی میں بڑا موثر تسلیم کرتے تھے۔ کسی کام کو نکلے راستہ میں بلی وغیرہ کوئی جانور سامنے سے گزرا تو یقین کر لیا کہ یہ کام نہیں ہو گا اور راستہ

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ

اور ہم نکالیں گے اسکے لیے روز قیامت ایک کتاب جسے وہ اپنے سامنے کھلا ہوا پائیگا (اسے حکم ملیگا) پڑھو اپنا دفتر عمل۔

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

تم خود ہی کافی ہو آج اپنی باز پرس کرنے کے لیے ۲۰ جو راہ ہدایت پر چلتا ہے تو وہ راہ ہدایت

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ

پر چلتا ہے اپنے فائدے کے لیے۔ اور جو گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور نہیں اٹھائیگا کوئی

وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۗ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ ۲۱ اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو ۲۲

ہی سے واپس لوٹ آئے۔ صبح سویرے کسی پرندے کی آواز کانوں میں پڑ گئی تو سارا دن طرح طرح کے اندیشوں کی نذر ہو جاتا۔ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کی فلاح و خسران کا انحصار طوطے کوے اور بلی چوہے پر نہیں بلکہ اس کے ان اعمال پر ہے جن کو وہ اپنے اختیار سے بجا لاتا ہے وہی اسے سرفراز کرتے ہیں اور وہی اس کی ذلت کا سبب بنتے ہیں وہ اپنے اعمال کے نتائج سے رستگاری حاصل نہیں کر سکتا وہ مکافات عمل کے قانون کو نہیں بدل سکتا اس کا اور اس کے اعمال کا رشتہ اتنا گہرا اور مضبوط ہے جیسے کوئی چیز گلے میں لٹک رہی ہو اور وہ اس سے جدا نہ ہو سکتی ہو طائر کے لفظی تحقیق کے لیے ضیاء القرآن جلد دوم سورۃ اعراف آیت ۱۳۱ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

۱۹ آج تو وہ اپنی چرب زبانی سے اپنے اعمال کی گندگی پر پردہ ڈال سکتا ہے لیکن کل روز حشر اس کے اعمال کا صحیفہ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس لیے اگر تم نامرادی کی ذلت گوارا کرنے کے لیے آمادہ نہیں تو آج ندامت کے آنسو بہا کر ان کی سیاہی کو دھو ڈالو۔

۲۰ اس کے اعمال کا صحیفہ خود ہی اس پر حقیقت حال کو آشکارا کر دے گا اپنے متعلق کسی سے پوچھنے اور کسی کے بتانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

۲۱ اس آیت میں دو گروہوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا ہے ایک گروہ تو وہ تھا جس کی ترجمانی ولید بن مغیرہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ اس نے اہل مکہ کو کہا اتبعونی واکفروا بمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وعلی اوزارکم: تم میری پیروی کرو اور محمد کا انکار کرو تمہارے سارے بوجھ میں اپنے سر پر اٹھاؤں گا۔ دوسرا گروہ عیسائیوں کا ہے جو عقیدہ کفارہ کے قائل ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ ان کے گناہوں کے عوض اللہ تعالیٰ نے اپنے فرزند (العیاذ باللہ) مسیح کو سُولی دے دیا اب ان سے ان کے گناہوں کے

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا

اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کردیں کسی بستی کو (اسکے گناہوں کے باعث) تو (پہلے) ہم (نبیوں کے ذریعہ) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم

فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ

دیتے ہیں مگر وہ (الٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں اس میں ۲۳ پس واجب ہو جاتا ہے ان پر (عذاب کا) فرمان۔ پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ

بارے میں کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ آپ خود غور فرمائیے کہ اگر ان دونوں نظریوں کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو انسان کس قعرِ مذلت میں جا گرتا ہے۔ پہلی صورت میں تو انسان اندھی تقلید کا خوگر ہو کر عقل و فہم اور غور و فکر کی خداداد صلاحیتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ دوسری صورت میں اس کے دل سے احساسِ ذمہ داری مٹ جاتا ہے اور اپنی نجات کو ہر حال میں یقینی تصور کرتے ہوئے وہ بڑے اطمینان سے ہر قسم کی غلط کاریوں کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا ضمیر بھی اسے ملامت نہیں کرتا بلاشبہ ایسا انسان اپنے بنی نوع کے لیے ایک خونخوار بھیڑیے سے بھی زیادہ اذیت رساں بن جاتا ہے۔ اسلام جو دینِ فطرت ہے وہ انسان کی تربیت میں اس قسم کی کسی لوچ کو برداشت نہیں کرتا چنانچہ اس آیت نے صاف صاف بتا دیا کہ جس نے راہِ ہدایت اختیار کی اس نے اپنی بہتری کا سامان مہیا کیا اور جس نے گمراہی کو پسند کیا اس کی سزا اسے ضرور بھگتنی پڑے گی۔ اس لیے حق و باطل کو پہچاننے کے لیے اپنی عقل و فہم کو استعمال کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اندھی تقلید کے باعث کسی کی پیروی کرتے رہو۔ بہرحال نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ اور یہ بھی نہیں ہوگا کہ جہان بھر کے گناہ تم کرتے پھرو اور سارا بوجھ لاد دیا جائے ایک تنہا مسیح پر۔ عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ کے متعلق کسی موزوں مقام پر شرح و بسط سے لکھا جائیگا انشاء اللہ تعالےٰ

۲۲ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہماری سنت یہ ہے کہ ہم لوگوں میں اپنے رسول بھیجتے ہیں جو ان کو حق کی دعوت دیتے ہیں اور نجات کی راہ دکھاتے ہیں اور اپنی صداقت کو اٹل دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں۔ اگر پھر بھی وہ گمراہی پر ڈٹے رہیں تو ان پر عذاب نازل کیا جاتا ہے ومن لم تبلغه الدعوة فهو غير مستحق للعذاب من جهة العقل والله اعلم (قرطبی)

۲۳ اس آیت میں "امرنا" کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں آمَرْنَا بمعنی اَمَّرْنَا ہے یعنی ہم اس علاقہ کی حکومت سرکش اہلِ ثروت کے حوالے کر دیتے ہیں اور وہ دولت و اقتدار کے باعث فسق و فجور کا بازار گرم کرتے ہیں۔ ای سلّطنا اشرارها فعصوا فيها فاذا فعلوا ذلك اهلكنا هم۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ آمَرْنَا کا معنی اَكْثَرْنَا یعنی ہم ایسے لوگوں کی تعداد بڑھا دیتے ہیں جو اپنی ثروت اور دولت کے نشہ میں فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں۔ لیکن علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ امرنا کے بعد یہ عبارت مقدر ماننی پڑے گی۔ امرنا مترفیها بالطاعة علی لسان الرسول یعنی ہم ان کو ان کے رسول کے ذریعہ اطاعت کا حکم دیتے ہیں لیکن وہ نافرمانی کرتے ہیں اور ان کا پھر وہی انجام ہوتا ہے جو ہر نافرمان کے مقدر میں ازل سے لکھا جا چکا ہے۔ صاحب روح المعانی نے بھی حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر سے یہی مفہوم روایت کیا ہے:-

امرنا بالطاعة كما اخرجه ابن جرير وغيره عن ابن عباسؓ سعيد بن جبير على لسان الرسول المبعوث اليهم (روح المعانی)

الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا

دیتے ہیں اور کتنی قومیں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے نوح کے بعد[۲۴] اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے اچھی طرح باخبر ہے (اور انھیں)

بَصِيْرًا ۝۱۷ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ

خوب دیکھنے والا ہے۔ جو لوگ طلبگار ہیں صرف دنیا کے[۲۵] ہم جلدی دیدیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (انہیں سے) جسے چاہتے ہیں[۲۶] لے

لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا

پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے جہنم۔ تاپے گا وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا

اس آیت سے سابقہ آیت کے مضمون کی تصدیق فرمائی جارہی ہے کہ جب کوئی بستی گناہوں اور بدکاریوں کا اکھاڑا بن جاتی ہے تو اسی وقت اس کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجادی جاتی بلکہ پہلے انھیں سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کے لیے انکے پاس رسول بھیجے جاتے ہیں جو انھیں احکامِ الٰہی پر کاربند ہونے کی تلقین کرتے ہیں خصوصًا وہاں کے بااقتدار طبقہ کو سمجھانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی اصلاح سے سارا گاؤں اصلاح یافتہ ہو جائے۔ لیکن وہ اس پند و نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ اپنی کج فہمی کے باعث اسے ذاتی وقار کا مسئلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی بڑھ چڑھ کر مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ اس وقت عذاب کی بجلی کوندتی ہے۔ اور ان کے خرمنِ حیات کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ تدمیر کسی کو جڑ سے اکھیڑ دینا۔ دمرنا ای استاصلنا ھا بالھلاک۔ (قرطبی)

[۲۴] اگر تم ہمارے اس قانون کا عملی ثبوت طلب کرتے ہو تو ان قوموں کے حالات پر نگاہِ عبرت ڈالو جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آئیں۔ انھیں کس طرح ان کے برے اعمال کی پاداش میں ہلاک و برباد کر دیا گیا۔

[۲۵] العاجلۃ صفت ہے اس کا موصوف الدار محذوف ہے۔ اور لغتِ عرب میں بکثرت ایسا ہوتا رہتا ہے کہ موصوف کو حذف کر دیا جاتا ہے اور صفت اس کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ اس سے مراد دار دنیا ہے یعنی جس کے دل میں اخروی زندگی سنوارنے کا کبھی خیال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کی ساری تگ و دو اسی زندگی کو باعزت اور آرام دہ بنانے پر مرکوز رہتی ہے۔ اسے ہم اسی دنیا میں اپنی مرضی کے مطابق اس کی جدوجہد کا معاوضہ دیدیں گے۔ لیکن قیامت کے دن اسکی محرومیاں دیدنی ہونگی۔ مذموم جس کی مذمت کی جائے اور مدحور جسے ٹھکرا دیا جائے اور بارگاہِ خداوندی سے دھکے دے کر نکال دیا جائے۔

[۲۶] آیت کی ترکیب سے اس کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہوگا لمن نرید بدل البعض ہے۔ اس کا مبدل منہ لہ ہے جس کا مرجع "مَنْ" ہے جو ابتدا آیت میں ہے۔ من اور لہ صورۃً اگرچہ واحد ہیں لیکن معنیً جمع ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:۔

وتقدیرہ لمن نرید تعجیلہ منھم والضمیر راجع الی مَنْ وھی موصولۃ او شرطیۃ وعلی التقدیرین ھی منبئۃ عن الکثرۃ فھو بدل بعض من کل۔

مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ

(اور) ٹھکرایا ہوا ہوگا۔ اور جو شخص طلبگار ہوتا ہے آخرت کا اور جد و جہد کرتا ہے اس کے لیے پوری طرح درآنحالیکہ وہ

مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ

مومن بھی ہے تو یہی وہ (خوش نصیب) ہیں) جن کی کوشش مقبول ہوگی ۲۸؎ ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی

علامہ ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: فتلک (لمن نرید) بدل من لہ بدل البعض تقید بہ لانہ لایجد کل متمنٍ متمناہ (مظہری) میں نے اسی ترکیب کے مطابق آیت کا ترجمہ کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۸؎ طالب دنیا کا انجام بیان کرنے کے بعد اب طالب مولیٰ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے یعنی اس کی کوئی نیکی فراموش نہیں کی جائے گی بلکہ راہ حق میں جو قدم بھی اس نے اٹھایا ہوگا۔ جو عمل بھی اس نے کیا ہوگا اسے ضرور شرف قبول بخشا جائے گا۔ طالب مولیٰ کی پہچان کیا ہے؟ اس کے لیے تین علامتوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) من اراد الاخرۃ یعنی ہر عمل سے اس کا مقصد آخرت کی سرخروئی ہو۔ کوئی دنیوی مقصد اس کے اعمال کا محرک نہ ہو۔

(۲) وسعیٰ لہا سعیہا: اور اس کے لیے وہ پوری طرح اپنی امکانی کوشش بروئے کار لا رہا ہو۔ قربانی کا وقت آئے تو بصد مسرت دل و جان پیش کر دے اس راہ کے ہر کانٹے کو پھول سے زیادہ عزیز جانے مصائب و آلام کے طوفان اُمڈ کر آئیں، تو چٹان بن کر کھڑا ہو جائے۔ غرضیکہ اپنی جسمانی و ذہنی قوتوں اور دیگر وسائل کو حق کی سربلندی کے لیے وقف کر دے اور چاہیے بھی ایسا۔ یہ کتنی شرم کی بات ہے کہ دنیا کے طلبگار تو اپنی لیلائے مقصود کے لیے دوڑ دھوپ کی انتہا کر دیں اور طالب مولیٰ صرف باتیں بنانے اور آرزوئیں کرنے پر ہی اکتفا کرے۔ اس لیے راہ حق میں قدم رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ سعیٰ لہا سعیہا کے کلمات طیبات کو ہر وقت اپنے پیش نظر رکھیں اور جب بھی ان کا راہوار شوق سست گام ہونے لگے تو سعیٰ لہا سعیہا کا مہمیز لگا کر اسے ہوشیار کریں۔ طالب مولیٰ کی تیسری علامت یہ ہے کہ دل نور ایمان سے چمک رہا ہو۔ کفر و شرک اور نفاق کا کوئی اندھیرا موجود نہ ہو۔ کیونکہ اعمال کی قبولیت کا انحصار صرف ایمان پر ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو عمر بھر کی ساری ریاضتیں بےسود ہیں۔

۲۹؎ طالب دنیا کی مساعی کا معاوضہ دینے کے لیے وعدہ اس طرح فرمایا ما نشاء لمن نرید "ہم جتنی مقدار چاہیں گے اور جسے چاہیں گے اسے دیں گے" لیکن طالب مولیٰ کو یوں سرفرازی بخشی "فاولئک کان سعیہم مشکورا" ان کی ساری کاوشیں قبول فرمائی جائیں گی۔ کوئی عمل اکارت نہ جائیگا۔ نیاز و اخلاص جتنا زیادہ ہوگا جزا میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ ایک کے بدلے دس۔ ایک کے بدلے ہزار اور ایک کے بدلے بےحساب کا وعدہ بھی فرمایا گیا الحمد للہ علی منہ واحسانہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ وحبیبہ الذی بجاھہ تغفر الذنوب وتقبل الطاعات وینال الرضوان ورضوان من اللہ اکبر۔

وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝

(جو طالب دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخشش سے ۲۹ اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں ۳۰

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ

دیکھو! کیسے بزرگی دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر ۳۱ اور آخرت باعتبار درجوں کے سب سے بڑی

دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ

اور باعتبار فضل و کرم سب سے اعلیٰ ہے نہ ٹھیراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ۳۲ ورنہ تم بیٹھے رہو گے

۲۹ یعنی دنیوی نعمتوں کا دروازہ مومن اور کافر، مطیع اور عاصی، سعید اور شقی سب کے لئے کھلا ہے۔ روزی سب کو دی جاتی ہے۔ زندگی اور اس میں نشو ونما کی سہولتیں سب کے لیے عام ہیں۔ جو چاہے آگے بڑھے اور اپنا حصہ لے۔ كُلًّا میں تنوین عوض کی ہے۔ اصل میں تھا کل الفریقین مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض کل پر تنوین آ گئی۔

۳۰ اے محبوب تیرے رب کی بخششیں عام ہیں۔ ان کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہے۔ دیدۂ دل اگر بینا ہو تو اس آیت کے آئینہ میں جمالِ مصطفوی کا کچھ نظارہ کرے۔ "دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے"۔ معلوم ہوا کہ ربوبیت کا جو خصوصی تعلق اس یتیم مکہ کے ساتھ ہے وہ اور کسی کو بھی حاصل نہیں۔

۳۱ اس دنیا میں فرق مراتب کو اگر نگاہِ عبرت سے دیکھا جائے تو کتنے عقدے ہیں جو کھل جاتے ہیں اور کتنی غلط فہمیاں ہیں جو دور ہو جاتی ہیں لیکن حقیقی قدر و منزلت کا پتہ تو قیامت کے دن چلے گا کہ بارگاہِ الٰہی میں کس کو پذیرائی نصیب ہوئی اور صاحب لواء الحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچم حمد کے نیچے کسے پناہ ملی؟ اس لیے اس فانی دنیا کے حسن پر ہی دل نثار نہ کرو بلکہ حقیقی کامیابی حاصل کرنے کے لیے مصروفِ عمل رہو۔

۳۲ یہاں مخاطب عام انسان ہے یا خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے اور مراد حضور کی امت دعوت ہے یعنی دنیا و عقبیٰ کی سرخروئی اور رستگاری کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید پر کامل یقین ضروری ہے۔ اگر کسی اور کو اس کی ذات کی طرح قدیم اور واجب مان لیا۔ اگر کسی کے متعلق یہ تسلیم کیا کہ اس کی صفات بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ (علم، قدرت) وغیرہ کی طرح ذاتی اور قدیم ہیں تو وہ جان لے کہ اس نے اپنی بربادی کا سامان فراہم کر لیا کیونکہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے محروم ہو جاتا ہے اور جو بدنصیب اس کی نگاہِ رحمت سے محروم ہو جائے۔ اس کی پھر کون دستگیری کر سکتا ہے۔ اسی لیے آیت میں صراحتاً ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بناؤ۔ ورنہ تم ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔

مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا ﴿۲۲﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ

اس حال میں کہ تمھاری مذمت کی جائے گی اور بے یار و مددگار ہو جاؤ گے اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور

بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ

ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو ۳۳؎ اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تیری زندگی میں ان دونوں میں سے کوئی ایک یا

۳۳؎ یہ چند آیات بڑی اہم اور توجہ طلب ہیں۔ ان میں اسلامی تمدن کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں جن کے طفیل اسلامی معاشرہ کو اقوامِ عالم میں ایک منفرد مقام حاصل ہو گیا ہے۔ ان آیات میں بڑے دلکش انداز میں بتایا جا رہا ہے کہ انسان کا تعلق اپنے کریم رحیم پروردگار سے کیسا ہونا چاہیے! اور اپنے ماں باپ، قریبی رشتہ دار اور معاشرہ کے دوسرے افراد کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے۔ آج بھی جب مادی تہذیب کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے اور کئی سادہ لوح اس پر فریفتہ ہو چکے ہیں ان ہدایات کے پیشِ نظر ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان تعلقات کو جس طرح قرآنِ حکیم نے صحیح انسانی بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ ان کی برکت سے ہمارے باہمی تعلقات زیادہ اخلاص و محبت پر مبنی ہیں۔ اس لیے ان آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں بڑے تدبر سے کام لینا چاہیے۔ پہلی آیت کا آغاز "قضیٰ" کے کلمہ سے ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قضیٰ کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے:۔ (۱) بمعنی امر (۲) قضیٰ بمعنی خلق (پیدا کیا) جیسے فقضاھن سبع سمٰوٰت اس نے سات آسمان پیدا فرمائے۔ (۳) قضیٰ بمعنی حکم جیسے فاقض ما انت قاض: تو فیصلہ کر جو تو کرنا چاہتا ہے (۴) بمعنی فرغ: فارغ ہونا۔ فاذا قضیتم مناسککم جب تم اپنی عبادات سے فارغ ہو جاؤ۔ (۵) بمعنی اراد۔ اذا قضیٰ امرا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے (۶) بمعنی عہد: اذا قضینا الیٰ موسی الامر۔ جب ہم نے موسیٰ سے اس امر کا عہد کر لیا۔ اس آیت میں قضیٰ پہلے معنی (حکم کرنا) میں استعمال ہوا ہے یعنی احکم الحاکمین نے یہ حکم فرمایا ہے۔ اس لیے اس کا حکم بجا لانا ہر اس شخص پر لازم ہے جو اپنے آپ کو اس کا بندہ اور اسے اپنا مالک یقین کرتا ہے۔ آیت کا مدعا یہ ہوا کہ اے محبوب! آپ کے رب نے یہ احکام نافذ فرمائے ہیں جن میں سے پہلا حکم یہ ہے کہ اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ اس اہم اور عظیم الشان فرمان کے معاً بعد جو حکم دیا جا رہا ہے وہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کے متعلق ہے۔ جب ماں باپ جوان ہوں اور اپنی ضروریات کے خود کفیل ہوں اس وقت تو بچے عموماً ان کے فرمانبردار ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کے دست نگر ہوتے ہیں لیکن جب بڑھاپا آجاتا ہے صحت بگڑنے لگتی ہے۔ وہ خود روزی کمانے سے قاصر ہو جاتے ہیں اور اولاد کے سہارے کے محتاج ہو جاتے ہیں اس وقت سعادت مند اولاد کا فرض ہے کہ ان کی خدمت گزاری اور دلجوئی کے لیے اپنی کوششیں وقف کر دے۔ اگر مرض طول پکڑ جائے اور ان کا مزاج چڑچڑا ہو جائے اور وہ بات بات پر خفا ہونے لگیں تو ان حالات میں بھی ان کی ناز برداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے! اور خبردار! کہیں اکتا کر

كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا

دونوں تو انھیں اُف تک مت کہو اور انھیں مت جھڑکو اور جب ان سے بات کرو تو بڑی تعظیم

كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ

سے بات کرو۔ اور جھکا دو ان کے لیے تواضع و انکسار کے پر ۳۴؎ رحمت (و محبت) سے اور عرض کرو

یا ان کی خفگی سے آشفتہ خاطر ہو کر تیری زبان سے اُف نکلے۔ بلکہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کا موقع دیا ہے تو اسے غنیمت سمجھ۔ ان کے علاج معالجہ میں، ان کو آسائش اور راحت پہنچانے میں ذرا سستی سے کام نہ لے۔ ان سے سخت کلامی مت کر۔ جب تو ان سے گفتگو کرے تو ایسے محبت بھرے انداز میں گفتگو کر کہ ان کے دل کا کنول کھل جائے اور اپنے لختِ جگر کی اس احسان شناسی کو دیکھ کر ان کا دل مسرور اور آنکھیں روشن ہو جائیں! اور وہ بے ساختہ تجھے دُعائیں دینے لگیں۔

۳۴؎ یعنی انتہائی تواضع اور انکسار سے ان کے ساتھ پیش آ ایسی تواضع جس میں رحمت و محبت کی خوشبو بسی ہوئی ہو۔ کیونکہ ایسی تواضع جس میں رحمت و شفقت کی مہک نہ ہو وہ کسی اور مقام پر مناسب ہو تو ہو۔ والدین کی بارگاہ میں وہ قطعاً پسندیدہ نہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ انسان یہ سب کچھ بھی اگر بجا لائے تب بھی ان احسانات کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔ جو ماں باپ نے اپنی اولاد پر کیے ہوتے ہیں۔ ان سے عہدہ برآ ہونے اور ان کا حقِ سپاس ادا کرنے کی اگر کوئی صورت ہے تو یہ کہ تو بارگاہِ خداوندی میں عجز و نیاز سے ان کی مغفرت اور بخشش کے لیے دعائیں مانگتا رہے اور عرض کرتا رہے کہ اے مولائے کریم! انھوں نے مجھے پالا میری پرورش کی میرے لیے تکلیفیں برداشت کیں، میں ان کا صلہ دینے سے قاصر ہوں۔ تو ان پر اپنا درِ رحمت کشادہ فرما جس طرح انھوں نے میری بے بسی کی حالت میں مجھ پر اپنی شفقتوں اور محبتوں کی انتہا کر دی اسی طرح تو بھی ان پر اپنی عنایاتِ بے پایاں اور رحمتِ بے انداز کے پھول برسا۔ اِس لیے قل رب ارحمھما الخ سے ان کے لیے دعاءِ مغفرت کرنے کا حکم دیا۔

والدین کے حقوق اور ان سے حسنِ سلوک کی اہمیت کو جس طرح ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اس کے بعد کون ایسا مسلمان ہے جو عملی زندگی میں ان سے انحراف کرے۔ اس موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشاداتِ طیبات بھی ہدیۂ قارئین کیے جائیں:- (۱) فی الصحیح عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم باکبر الکبائر؟ قلنا بلی یا رسول اللہ! قال الاشراک باللہ وعقوق الوالدین۔

ترجمہ: حضرت ابی بکرۃ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم نے ارشاد فرمایا کہ اے صحابہ! کیا میں تمھیں بتاؤں کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیے۔ تو حضور نے فرمایا سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنا ہے۔ (صحیح بخاری)

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ

اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انھوں نے بڑی محبت پیار سے مجھے پالا تھا جب میں بچہ تھا تمھارا رب بہتر جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے

۲۔ عن عبداللّٰہ بن عمرو قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم ان من اکبر الکبائر ان یلعن الرجل والدیہ قیل یارسول اللّٰہ وکیف یلعن الرجل والدیہ قال یسب ابا الرجل فیسب اباہ و امہ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ پر لعنت بھیجے۔ عرض کی گئی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو حضور نے فرمایا کہ ایک شخص کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ شخص اس کے جواب میں گالی دینے والے کے باپ اور ماں کو گالیاں دیتا ہے (تو گویا اس نے خود اپنے والدین کو گالی دی)

۳۔ عن ابی ھریرۃ جاء رجل الی النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم فقال من احق الناس بحسن صحابتی قال امک۔ قال ثم من؟ قال ثم امک قال ثم من؟ قال ثم امک۔ قال ثم من؟ قال ثم ابوک۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ! میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ تو حضور نے فرمایا تیری ماں۔ پھر اس نے یہی عرض کی اور جواب ملا تیری ماں۔ پھر اس نے یہی سوال دہرایا تو ارشاد فرمایا تیری ماں۔ چوتھی بار اس نے عرض کی یارسول اللہ! اس کے بعد؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا تیرا باپ۔

۴۔ عن ابی ربیعۃ الساعدی قال بینما انا جالس عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم اذ جاءہ رجل من الانصار فقال یارسول اللّٰہ! ھل بقی علی من بر ابوی شیئ بعد موتھما ابرھما بہ۔ قال نعم خصال اربع الصلاۃ علیھما والاستغفار لھما وانفاذ عھدھما واکرام صدیقھما وصلۃ الرحم التی لا رحم لک الا من قبلھما فھو الذی بقی علیک من برھما بعد موتھما۔

ترجمہ: حضرت ابی ربیعہ ساعدی فرماتے ہیں کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا اسی اثنا میں ایک انصاری حضور کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا اور عرض کی یارسول اللہ! میرے والدین کی وفات کے بعد بھی کیا مجھ پر ان سے حسنِ سلوک کرنا ضروری ہے۔ حضور نے فرمایا ہاں۔ چار باتیں تجھ پر ضروری ہیں۔ ان کی نمازِ جنازہ ادا کرنا، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہنا، جو وعدہ انھوں نے کیا تھا اس کو پورا کرنا، اور ان کے دوستوں کا احترام کرنا اور ان رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا جن سے ان کی وجہ سے رشتہ داری ہو۔ یہ نیکی ایسی ہے جو ان کی وفات کے بعد بھی تم پر لازمی ہے۔

ان واضح تعلیمات اور روشن ارشادات کے بعد آپ یورپ و امریکہ وغیرہ متمدن ممالک کے حالات کا جائزہ لیجئے وہاں آپ کو ایسی اولاد شاذ و نادر ہی ملے گی جو بوڑھے والدین کی خدمت کو اپنے لیے سرمایہ سعادت یقین کرتی ہو۔ شادی کے بعد لڑکا اپنے والدین سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور اپنے والدین کی خدمت کے لیے اخلاقی یا قانونی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔ اسی لیے تو ان ممالک کی حکومتوں کو ایسی پناہ گاہیں بنانا پڑتی ہیں جہاں بوڑھے اور بیمار والدین کو رکھا جائے تاکہ وہ زندگی کے آخری ایام وہاں بسر کر سکیں۔

إِن تَكُونُوا صَٰلِحِينَ فَإِنَّهُۥ كَانَ لِلْأَوَّٰبِينَ غَفُورًا ﴿٢٥﴾ وَءَاتِ

اگر تم نیک کردار ہو گے تو بیشک اللہ تعالیٰ بکثرت توبہ کرنے والوں کے لیے بہت بخشنے والا ہے۔ ۳۵ اور دیا کرو

ذَا ٱلْقُرْبَىٰ حَقَّهُۥ وَٱلْمِسْكِينَ وَٱبْنَ ٱلسَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾

رشتہ دار کو اس کا حق ۳۶ اور مسکین اور مسافر کو بھی ۳۷ اور فضول خرچی نہ کیا کرو ۳۸

۳۵ یعنی تمھارے دلوں میں اپنے والدین کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کے جو جذبات ہیں یا ان سے دل ہی دل میں جو نفرت، تھکاوٹ یا اکتاہٹ تم محسوس کرتے ہو تمھارا رب ان سے خوب واقف ہے۔ اگر شیطان نے تمہیں والدین کی شکرگزاری اور احسان شناسی کی راہ سے بہکا دیا ہے تو بہتر ہے اب ہی سنبھل جاؤ۔ آج ہی سچے دل اور شرح صدر سے ان کی خدمت میں لگ جاؤ اور اپنی سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کر لو۔ جو سچے دل سے جھک جاتا ہے اور غلطی سے باز آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے گا۔ کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

۳۶ لیکن انسان کی محبت و مروت اور حسن سلوک کے مستحق صرف والدین ہی نہیں بلکہ دوسرے رشتہ دار بھی حسب مراتب اس کے حقدار ہیں۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

من احب ان یبسط له فی رزقه وینسأ له فی اجله فلیصل رحمه۔ یعنی جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اسے رزق فراخ ملے اور اس کی عمر دراز ہو تو وہ صلہ رحمی کیا کرے اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن آبائہ الکرام نے فرمایا کہ یہاں ذی القربیٰ سے مراد حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس قول کے مطابق خطاب اعیانِ حکومت کو ہوگا کہ وہ بیت المال سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں کی خدمت کریں اور ان کی ضروریات کو بہم پہنچائیں۔

وقال علی ابن حسین هم قرابة النبی صلی الله علیه وسلم امر صلی الله علیه وسلم باعطائهم حقوقهم من بیت المال ۔ ۔ ۔ ویکون خطابا للولاة او من قام مقامهم (قرطبی)

الاحکام السلطانیہ: ابویعلیٰ اور الاحکام السلطانیہ ماوردی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومتِ اسلامیہ میں ایک مستقل محکمہ 'ولایۃ النقابۃ علی ذوی الانساب' کے نام سے قائم تھا جس کے فرائض میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اور دیگر رشتہ داروں کے متعلق تمام امور کی نگرانی کرنا تھا۔ ان کی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت ان کی ضروریات کی کفالت، ان کو ایسے پیشوں کے اختیار کرنے سے روکنا جو ان کے شایانِ شان نہیں، ان کے بچوں اور بچیوں کے نکاح کا انتظام کرنا، ان کو ایسے اعمال سے باز رکھنا جو ان کی خاندانی شرافت کے منافی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ

بیشک فضول خرچی کرنیوالے شیطانوں کے بھائی ہیں ۳۹ اور شیطان اپنے

لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝۲۷ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ

رب کا بڑا ناشکر گزار ہے۔ اور اگر (بوجہ تنگدستی) تجھے ان سے منہ پھیرنا پڑے اور تم اپنے رب کی رحمت (یعنی خوشحالی)

تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ۝۲۸ وَ لَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً

کے متلاشی ہو جس کی تمھیں توقع ہے تو (اس اثنا میں) ان سے بات کرو تو بڑی نرمی سے کرو ۴۰ اور نہ بنا لو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا

تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی لختِ جگر فاطمۃ الزہرا کو بلا کر باغ فدک عطا فرمایا۔ لیکن اس قول کے بطلان کے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور فدک اور خیبر ہجرت کے کئی سال بعد فتح ہوئے ان اللہ عزوجل انزل علیہ فی سورۃ بنی اسرائیل بمکۃ۔ (اصول کافی ۳۰/۲)۔

۳۷ یعنی والدین اور قریبی رشتہ داروں سے محبت اور مروت کے علاوہ تمھاری ملت کے دوسرے ضرورتمند افراد جیسے نادار اور مسافر بھی تمھارے لطف و احسان سے بہرہ اندوز ہونے چاہئیں ؎

دور دستاں را باحساں یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمرے افگند

۳۸ ان تاکیدی احکام کے بعد ضروری معلوم ہوا کہ لوگوں کو اسراف اور فضول خرچی سے روکا جائے تاکہ وہ جادۂ اعتدال سے منحرف ہو کر اپنے آپ کو طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا نہ کر دیں۔ ماں باپ کی خدمت، رشتہ داروں سے شفقت و محبت اور دیگر ضرورتمندوں سے لطف و احسان کا درس دینے کے ساتھ ساتھ بتا دیا کہ میانہ روی کو نہ چھوڑنا۔ یہی قرآن کی تعلیمات کا حکیمانہ انداز ہے جو اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ افراط و تفریط دونوں سے دامن بچانے کی ترغیب میں کبھی تساہل روا نہیں رکھا۔

۳۹ فضول خرچی پر مرتب ہونے والے برے نتائج سے اُمتِ مسلمہ کو بچانے کے لیے فضول خرچی کی مذمت ان الفاظ سے فرما دی۔

۴۰ اگر انسان استطاعت کے باوجود اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کی خدمتگذاری میں کوتاہی کرے تو یہ ہرگز قابل برداشت نہیں لیکن ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ اولاد خود افلاس و تنگدستی میں گرفتار ہو وہ خود نانِ شبینہ کی محتاج ہو۔ اس مجبوری کے عالم میں وہ اپنے والدین کی خدمت کیونکر کرے گی۔ ایسے آدمی کو فرمایا کہ محبت بھرے نرم نرم لہجہ میں باتیں کہنے پر تو کوئی لاگت نہیں آتی۔ تو اگر اور کچھ نہیں کر سکتا تو اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے تو ان کا دل لبھاتا رہ اور دل میں یہ عزم رکھ کہ جب مولا کریم نے مجھ پر رزق کا دروازہ کشادہ کیا تو میں اپنے والدین کی خدمت بجا لانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کروں گا۔

اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

اپنی گردن کے اِرد گرد اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کر دو ورنہ تم بیٹھ جاؤ گے ملامت کیے ہوئے درماندہ۔ ۴۱

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

بلاشبہ آپ کا رب کشادہ کرتا ہے روزی جس کے لیے چاہتا ہے ۴۲ اور تنگ کرتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) یقیناً وہ اپنے

خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ

بندوں (کے حالات) سے خوب آگاہ ہے اور (انھیں) دیکھنے والا ہے۔ اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشہ سے ۴۳ ہم ہی

نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا

رزق دیتے ہیں انھیں بھی اور تمھیں بھی۔ بلاشبہ اولاد کو قتل کرنا بہت بڑی غلطی ہے ۴۳ اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔

۴۱ یعنی اگر تم بخل کے عادی ہو جاؤ گے اور استطاعت کے باوجود کسی غریب کی امداد کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھاؤ گے تو لوگ تم سے نفرت کرنے لگیں گے۔ تمھیں حقارت کی نظر سے دیکھیں گے اور تمھیں طرح طرح سے ملامت کریں گے۔ اور اگر تم فضول خرچی کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تم مفلس و کنگال ہو جاؤ گے۔ اور دل گرفتہ اور نادم ہو کر زندگی کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہو گے۔

۴۲ تم دیکھتے ہو کہیں دولت کی فراوانی ہے اور کہیں فقر و افلاس نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ یہ قبض و بسط اللہ تعالیٰ کی حکمت کی جلوہ گری ہے۔ وہ اپنے بندوں کے نفع و ضرر کو خوب جانتا ہے۔ اس لیے حرام ذرائع سے روپیہ کما کر امیر بننے کی کوشش نہ کرو۔ مبادا! یہ ثروت تمھیں دین و دنیا میں رسوا کر دے۔ رزق کمانے کے حلال اور جائز ذرائع کو بیشک انتہائی عقلمندی اور سلیقہ شعاری سے استعمال کرو اور اگر تمھاری سنجیدہ کوشش کے باوجود تمھاری مالی پریشانی دُور نہ ہو تو پھر صبر کا دامن مضبوطی سے تھام لو اور رحمت خداوندی پر توکل کرو۔ وہ اپنے بندوں کے نفع و مصلحت کو خوب جانتا ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

۴۳ سابقہ آیات میں اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت کا حکم دیا اب ان آیات میں والدین کو اپنی اولاد پر رحمت و شفقت کرنے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے۔ جزیرہ عرب ایسا ملک تھا جہاں چار سُو ریگزار ہی ریگزار پھیلے ہوئے تھے جہاں کہیں کوئی چشمہ جاری ہوتا وہاں کھجوروں کے چند درخت اُگ آتے اور معمولی سی کھیتی باڑی ہو جاتی۔ بارش بھی بہت کم برستی۔ جہاں کہیں نشیبی علاقوں میں بارش کا پانی رُک جاتا تو قافلوں کے قافلے ادھر کا رُخ کرتے اور جب تک پانی کا آخری قطرہ تک خشک نہ ہو جاتا وہیں پڑے رہتے۔ غرضیکہ مرفہ الحالی کا وہاں تصوّر تک نہ کیا جا سکتا تھا۔ ایسے میں جبکہ اپنا پیٹ بھرنا مشکل ہو وہاں اولاد کی خوراک کا بندوبست کرنا بڑا ہی دشوار ہوتا ہے اس لیے معاشی خستہ حالی کے باعث ان کے ہاں اولاد کو قتل کرنے کا عام رواج تھا۔ لڑکیوں

الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِیْلًا (۳۲) وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بُرا راستہ ہے ۴۳؎ اور نہ قتل کرو اس نفس کو

کے متعلق تو ان کا رویہ بہت سنگدلانہ تھا۔ ایک تو وہ انھیں بوجھ سمجھتے۔ کیونکہ رہزنی اور قزاقی جوان کے سب سے بڑے وسائل معاش تھے، اس میں لڑکے تو حصہ لیتے لیکن لڑکیاں بڑی ہو کر بھی اس میں ان کا ہاتھ نہیں بٹا سکتی تھیں۔ اس لیے وہ ان کے لیے ناقابلِ برداشت بوجھ تھیں نیز غلط قسم کی نخوت نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اگر وہ کسی کو اپنی لڑکی کا رشتہ دیں گے تو ان کی ناک کٹ جائے گی ان تمام محرکات کے باعث ان میں لڑکیوں کا قتل ایک عام معمول ہو گیا تھا۔ یہ حالت صرف عرب کے بادیہ نشینوں کی ہی نہ تھی۔ بلکہ کئی دوسری قومیں بھی اپنی اولاد کو اپنے لیے ناقابلِ برداشت بارِ گراں تصور کرتی تھیں اور ان سے رہائی حاصل کرنے کیلئے ہر ممکن تدبیر عمل میں لاتی تھیں۔ آج بھی جب انسانی حقوق کی دھوم مچی ہوئی ہے اولاد کو کم کرنے کی کوششیں تیز تر ہوتی جا رہی ہیں اور اس کام نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے۔ جس کی پشت پناہی کے لیے حکومتوں نے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیئے ہیں اور اس تحریک کا مرکزی نقطہ یہی ہے کہ وسائلِ معاش پر اتنا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے جس کو وہ متحمل نہ ہوں۔ نسل کشی کی اس تحریک کو ختم کرنے کے لیے فرمایا کہ فقر و افلاس کے اندیشہ سے اولاد کو قتل نہ کرو۔ اس کے بعد اس اندیشہ کا قلع قمع ان الفاظ سے فرما دیا کہ رزاق ہم ہیں۔ انھیں بھی اور تمھیں بھی رزق مہیا فرمانا ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے۔ تم خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشان اور ہلکان کیوں کر رہے ہو۔

املاق کا معنی ہے فقر و افلاس الاملاق: الفقر وعدم الملک۔ لفظ 'خِطْأً' کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی نے لکھا ہے۔ قال الازھری یقال خَطِیءَ یَخطأ خِطْأً اذا تعمد الخطاء واخطأ اذا لم یتعمد یعنی ازہری نے کہا ہے کہ جس غلطی کا ارتکاب جان بوجھ کر کیا جائے اسے 'خطأ' کہا جاتا ہے اور جب نادانستہ طور پر کوئی لغزش ہو جائے تو وہاں اخطاء (باب افعال) استعمال ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے نسل کشی کو خِطْأً کبیرا (بہت بڑی غلطی) کہا ہے۔ اگر اس کا مشاہدہ کرنا ہو تو فرانس وغیرہ ممالک پر نظر ڈالیے جنھوں نے مصنوعی ذرائع سے ضبطِ تولید کر کے اپنی تعداد کو گھٹا دیا اور جب جرمن فوجیں ان پر حملہ آور ہوئیں تو ان کے پاس ایسے جوانوں کی شدید قلت تھی جو مادرِ وطن کی حفاظت کے لیے میدانِ جنگ میں سینہ سپر ہو سکیں۔ ایسا اقدام جس سے قوم اور وطن کی آزادی خطرہ میں پڑ جائے۔ اس کو اگر بڑی غلطی نہ کہا جائے تو کیا اسے دانشمندی کہا جائے۔

۴۳؎ ایک اور خرابی جس میں ساری قومیں بُری طرح مبتلا تھیں۔ اور اب بھی ہیں وہ بدکاری تھی اس کی قباحت و قباحت کو صرف دو مختصر فقروں میں بیان فرما دیا انہ کان فاحشۃ یعنی یہ بڑی بے حیائی کا فعل ہے وساء سبیلا یہ بہت ہی بُرا راستہ ہے۔ اس فعل کا فاحش ہونا کسی صاحب عقلِ سلیم پر مخفی نہیں۔ یہ حدیث پاک پڑھیے اگر ذرا بھی کسی کو خلش ہو گی تو دور ہو جائے گی ایک نوجوان بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ائذن لی بالزنی مجھے زنا کی اجازت دیجیے۔ حاضرین اس کی اس بےحیائی پر برافروختہ ہو گئے۔ اور اسے جھڑکنا شروع کیا لیکن مرشد کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے

محبت سے اپنے قریب بلایا جب وہ قریب ہو گیا تو اسے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا تو فرمایا اَتُحِبُّهٗ لِاُمِّكَ جس امر کی تم نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کیا تم اسے اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا بخدا ہرگز نہیں۔ میں آپ پر قربان جاؤں۔ حضور نے فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے یہ پسند نہیں کرتے۔ پھر دریافت کیا کیا تم اپنی بیٹی کے لیے پسند کرتے ہو۔ بولا میں قربان جاؤں ہرگز نہیں بخدا ہرگز نہیں۔ فرمایا ایسے ہی دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا کیا اپنی بہن کے لیے تم پسند کرتے ہو؟ عرض کی بخدا ہرگز نہیں۔ میں آپ پر قربان جاؤں۔ فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح پھوپھی خالہ کے متعلق اس سے استفسار فرمایا اور اس نے وہی جواب دیا۔ اس حکیمانہ اور شفقت بھرے انداز سے اس کے سامنے اس فعل کی قباحت کو بے نقاب کر کے رکھ دیا اور شاید ان سطور کو جو بھی پڑھے گا اس پر اس کی قباحت بالکل آشکارا ہو جائے گی اس کے بعد اپنا دست ہدایت بخش اس کے سر پر رکھا اور دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهٗ وَطَهِّرْ قَلْبَهٗ وَاَحْصِنْ فَرْجَهٗ : اے میرے خدا اس کا گناہ بخش دے۔ اس کا دل پاک کر دے اور اس کو بدکاری سے بچا اور اس کے بعد اس شخص نے پھر کبھی اس فعل کے ارتکاب کا تصور تک بھی نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں یہ بھی فرمایا وَيُزَكِّيْهِمْ کہ وہ ان کے دلوں کو پاک کرتا ہے۔ اس کی کتنی عمدہ مثال اس حدیث میں موجود ہے۔ یہ حدیث مسند امام احمد میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

زنی کے دور رس برے نتائج پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو 'سَاءَ سَبِيْلًا' کا مفہوم بھی واضح ہو جائے گا اس سے انساب میں اختلاط ہوتا ہے مال کسی کا ہوتا ہے اور وارث کوئی بنتا ہے۔ موذی بیماریاں بڑی کثرت سے پھیلتی ہیں۔ عورت کی عظمت کا چاند گہنا جاتا ہے۔ عورت ماں کے تقدس اور بیٹی کی عظمت سے محروم ہو کر ایک بازاری جنس بن جاتی ہے۔ پھر اس فعل شنیع کے ارتکاب سے اس کی سیرت اور اس کی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے اور حرامی اولاد شفقت پدری سے محروم ہوتی ہے۔ سارے معاشرہ میں کبھی بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی اس کی وجہ سے فتنہ و فساد کی چنگاریاں اٹھتی ہیں اور خاندانوں کے خاندان اس میں بھسم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو اگر غور سے دیکھا جائے تو سَاءَ سَبِيْلًا کی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ چند لمحوں کی لذت طلبی کے لیے اتنی گراں قیمت ادا کرنا کون پسند کرتا ہے۔ سَاءَ سَبِيْلًا کے متعلق اگر اب بھی کسی کو شک ہو تو وہ امریکی فوجیوں کے ان لاکھوں حرامی بچوں کی حالت زار کو دیکھے جو کوریا اور ویتنام وغیرہ ممالک کی گلیوں میں دھکے کھا رہے ہیں۔ اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ انہیں قباحتوں اور روح فرسا نتائج کی وجہ سے ہی قرآن کریم نے فرمایا کہ اس فعل شنیع کا ارتکاب تو بجائے خود اس کے قریب تک مت جاؤ یعنی تمام وہ امور جو اس فعل کے ارتکاب پر اکساتے ہیں ان سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا۔ بھڑکیلے تنگ اور چست لباس، بے پردگی، مرد و زن کا اختلاط جس میں مخلوط تعلیم پیش پیش ہے سب سے منع کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں جذبات کو اتنا مشتعل کر دیتی ہیں کہ کوئی لاکھ بچنا چاہے بچ نہیں سکتا۔ اس لیے فرمایا لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اس فعل شنیع کے قریب جانے کی کوشش مت کرو۔ کیا حکیمانہ انداز ہے اور حقیقت کی کتنی موثر تصویر کشی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غور کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ

زمین میں اکڑتے ہوئے (اس طرح) نہ تم چیر سکتے ہو زمین کو اور نہ پہنچ سکتے ہو پہاڑوں کے برابر

طُولًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿۳۸﴾ ذَٰلِكَ مِمَّا

بلندی میں ۳۷ یہ سب (جن کا ذکر گزرا) ان میں سے ہر بری بات اللہ تعالیٰ کو (سخت) ناپسند ہے ۔ یہ ہدایات جنھیں

أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا

بذریعہ وحی آپ کی طرف آپ کے رب نے بھیجا ہے دانائی کی باتوں میں سے ہیں ۔ اور اے سننے والے! نہ بنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ

آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا ﴿۳۹﴾ أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ

کوئی اور معبود ورنہ تجھے پھینک دیا جائیگا جہنم میں اس حال میں کہ تجھیں ملامت کی جائیگی اور دھکے دیئے جائیں گے ۔

اس کے خالق نے واشگاف الفاظ میں احساس ذمہ داری کا درس دیا ۔ وہی قوم آج اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہے ۔ کاش! ہم اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سچے دل سے کوشش کریں تو جن تکالیف پر ہم شکوہ سنج رہتے ہیں اور جن مصائب میں گھرے ہوئے ہیں وہ خود ہی ختم ہو جائیں گے ۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ دوسروں کی بے راہ روی اور بے اعتدالی ہماری بے راہ روی اور بے اعتدالی کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتی ۔ اگر آپ اپنے موجودہ معاشرے سے مطمئن نہیں ہیں اگر آپ اصلاح احوال کے تہ دل سے خواہاں ہیں تو اس انتظار میں وقت ضائع نہ کیجیے کہ دوسرے لوگ ٹھیک ہولیں تو میں بھی ٹھیک ہو جاؤں گا ۔ اصلاح کا آغاز اپنی ذات سے فرمایئے ۔ آپ کو دیکھ کر کئی بگڑے ہوئے اصلاح پذیر ہو جائیں گے ۔ زندگی کے کسی موڑ پر کل اولٰئک کان عنہ مسئولا کے الفاظ کو فراموش نہ کیجیے ۔

۳۷؎ انسان کے غرور و تکبر کی بیہودگی اور لغویت کو کس عمدہ پیرایہ میں بیان فرمایا گیا ۔ ایک عربی شاعر نے بھی خوب کہا ہے ۔

ولا تمش فوق الارض الا تواضعا ۔۔۔ فکم تحتہا قوم ھم منک ارفع

وان کنت فی عز وحرز ومنعۃ ۔۔۔ فکم مات من قوم ھم منک امنع

یعنی زمین پر چلتے ہوئے تواضع اور انکسار اختیار کر کتنے لوگ جو تم سے بھی زیادہ بلند مرتبہ تھے اب شکم زمین میں مدفون ہیں ۔

اگر تو آج معزز و محترم اور جاہ و سطوت کا مالک ہے تو کیا ہوا ۔

تم سے پہلے کثیر التعداد قومیں بڑی پر ہیبت تھیں لیکن اب موت کی نیند سو رہی ہیں ۔

بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ط اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا

پس کیا چن لیا ہے تمھیں تمھارے رب نے بیٹوں کیلئے اور (اپنے لیے) بنا لیا ہے فرشتوں کو بیٹیاں ۵۲ (صد افسوس) کہ تم تو ایسی بات کہتے ہو

عَظِيْمًا ﴿٤٠﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ

جو بہت سخت ہے۔ اور بلاشبہ ہم نے مختلف انداز سے بار بار بیان کیا ہے (دلائل توحید کو) اس قرآن میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ ۵۳

اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤١﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا

(بایں ہمہ) سوائے نفرت کے ان میں کسی چیز کا اضافہ نہ ہوا۔ آپ فرمائیے اگر ہوتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا جس طرح یہ کافر کہتے ہیں

اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

تو ان خداؤں نے (ملکر) تلاش کر لی ہوتی عرش کے مالک (پر غالب آنے) کی کوئی راہ ۵۴ وہ پاک ہے اور وہ بہت برتر و بالا ہے ان باتوں

كَبِيْرًا ﴿٤٣﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط

سے جو یہ لوگ کہا کرتے ہیں پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیزان میں موجود ہے۔

۵۲ عرب کے کئی مشرک قبائل فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں مانا کرتے تھے ان کی حماقت کا پردہ چاک کیا جا رہا ہے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم خود اپنے لیے تو لڑکے پسند کرتے ہو اور اگر کسی کے گھر بچی پیدا ہوتی ہے تو اس کے ہاں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔ تمھیں شرم نہیں آتی کہ جس چیز کو تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو اسے اللہ جل مجدہ کے لیے ثابت کرتے ہو۔

۵۳ یعنی ہم نے قرآن کریم میں دلائل توحید کو مختلف اسلوبوں اور متعدد پیرایوں میں بیان کیا ہے تاکہ ہر طبیعت اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق اس سے استفادہ کر سکے۔ کہیں رحمت کا وعدہ اور کہیں قہر و عذاب کی وعید کہیں بشارتیں اور کہیں دھمکیاں کہیں نیک لوگوں کی کامیاب زندگیوں کا تذکرہ اور کہیں نافرمان افراد اور سرکش اقوام کے ہولناک انجام کا بیان۔ لیکن اس کے باوجود جنھوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے وہ قریب آنے کی بجائے اور زیادہ دور بھاگے چلے جا رہے ہیں۔

۵۴ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہوتے تو کبھی نہ کبھی ان کی رائے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ٹکراتی اور وہ انتہائی کوشش کرتے کہ اپنی خدائی کی لاج رکھنے کے لیے آپس میں مل کر وہ ایک متحدہ محاذ بنا کر عرش کے مالک پر چڑھائی کر دیں اور اسے مغلوب کر دیں تاکہ وہ ان کی مخالفت نہ کر سکے۔ لیکن ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ تو پھر وہ تمھارے خدا کہاں چھپے بیٹھے ہیں۔ ان کی قوت و شوکت کا کوئی ایک مظاہرہ ہی ہمیں دکھا دو۔ اور اگر نہیں دکھا سکتے تو پھر ایسے بے بسوں کو اپنا خدا تسلیم کرنا کتنی نادانی اور لغویت ہے۔ کتنا عام فہم اور حقیقت افروز بیان ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ

اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے ۵۵

اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ

بیشک وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والا ہے۔ اور (اے محبوب!) جب آپ پڑھتے ہیں قرآن کو تو ہم (حائل) کر دیتے ہیں آپ کے درمیان اور

بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا

ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ جو آنکھوں سے نہاں ہوتا ہے ۵۶ اور ہم ڈال دیتے ہیں

۵۵ کائنات کی بلندیاں اور پستیاں اور ان میں بسنے والی ہر چیز بلا استثناء اس کی تسبیح بھی کر رہی ہے اور اس کی حمد بھی بیان کر رہی ہے یعنی وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور ہر صفت کمال سے متصف ہے۔ لیکن تم ان کی تسبیح و تحمید کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ بعض علماء کا خیال تو یہ ہے کہ ذی عقل اور جاندار چیزیں تو زبان قال سے اس کی حمد و ثنا کے گیت گا رہی ہیں اور بے زبان چیزیں زبان حال سے اپنے خالق کی حکمت وقدرت کی طرف اشارہ کر رہی ہیں لیکن احادیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ ہر چیز مصروف حمد و ثنا ہے۔ امام بخاری نے حضرت عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا لقد كنا نسمع تسبيح الطعام وهو يؤكل۔ کہ کھانا جب کھایا جا رہا ہوتا تھا ہم اس کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم انى لاعرف حجرا بمكة كان يسلم علىّ قبل ان ابعث انى لاعرفه الان۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکے کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں متعدد مقامات پر کھجور کے اس تنے کا ذکر کیا ہے جس سے حضور ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ اور جب منبر بن گیا اور حضور نے اس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دینے کے بجائے منبر پر خطبہ دیا تو وہ دلفگار ہجر محبوب کی تاب نہ لا کر رو پڑا۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن اشیاء کو ہم بے عقل اور بے حس خیال کرتے ہیں وہ بھی ادراک اور حس رکھتی ہیں لیکن ہم ان کی ان قوتوں کا ادراک نہیں کر سکتے۔

۵۶ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو مشرکین اذیت رسانی کی نیت سے نزدیک جانے کی کوشش کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان کے سامنے پردہ حائل کر دیتا اور وہ حضور کو نہ دیکھ سکتے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب سورۂ تبت نازل ہوئی اور ابو لہب کی بیوی ام جمیل نے سُنی تو غصہ سے بھری ہوئی حضور کی تلاش میں حرم کعبہ کی طرف آئی۔ حضرت صدیق نے دیکھا تو عرض کی حضور آقا! وہ گستاخ آرہی ہے ایسا نہ ہو کہ بد زبانی کرے۔ حضور نے فرمایا لن ترانی " وہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گی اور یہ آیت پڑھی چنانچہ وہ آئی۔ حضور اسے نظر ہی نہ آئے اور حضرت صدیق سے گستاخانہ باتیں کر کے چلی گئی۔ حضرت کعب سے مروی ہے کہ حضور جب کفار کی نظروں سے اوجھل ہونا چاہتے تھے تو یہ تین آیتیں تلاوت فرماتے۔ انا جعلنا على قلوبهم اكنة الآية (الكهف) ولئك الذين طبع الله على قلوبهم (النحل) افرايت من اتخذ الهه هواه (جاثیہ) ہجرت کی رات جب کفار نے کاشانہ اقدس کا محاصرہ کر رکھا تھا تو حضور سورة

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا

ان کے دلوں پر پردے ۷۳ تاکہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی (پیدا کر دیتے ہیں) اور جب آپ

ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝۴۶

ذکر کرتے ہیں صرف اپنے رب کا قرآن میں تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں نفرت کرتے ہوئے ۷۵

یٰسین کی پہلی آیتیں فاغشیناھم فھم لایبصرون تک پڑھتے ہوئے تشریف لائے اور انھیں خبر تک نہ ہوئی۔

بعض علماء کرام نے حجاب مستور کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ان سے قرآن کی سمجھ سلب کر لی گئی اور وہ اس میں علم و حکمت کے چمکتے ہوئے موتیوں کو نہ پا سکے۔

۷۴ ان کے پیہم انکار کی پاداش میں ان سے فہم و ادراک کی نعمت سلب کر لی گئی ہے۔ ان کے دل کی آنکھ اندھی اور کان بہرے ہو چکے ہیں۔ نہ انھیں نورِ حق نظر آتا ہے اور نہ انھیں صدائے حق سنائی دیتی ہے۔

۷۵ اے محبوب! ان حقیقت ناشناسوں کی طرف دیکھو! جب آپ قرآن کریم پڑھتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو بار بار بڑے دلنشین انداز اور ناقابلِ تردید دلائل سے پیش کیا گیا ہے۔ جہاں معبودانِ باطل کی بے بسی اور بے کسی کا پردہ چاک کیا گیا ہے تو وہ اس کلام معجز نظام کو مزید توجہ سے سننے کے بجائے اظہارِ نفرت کرتے ہوئے اُلٹے پاؤں پیچھے بھاگتے ہیں۔

اہلِ محبت جب بیانِ توحید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے مقرب رسولوں اور اس کے مقبول بندوں کے ان فضائل و کمالات کا ذکر کرتے ہیں جو اُن کو اُن کے رب کریم نے مرحمت فرمائے ہیں تو بعض لوگ ان پر یہ اتہام لگاتے ہیں کہ ان کا رویہ تو مشرکین مکہ جیسا ہے۔ وہ بھی خدا کی توحید کے پہلو بہ پہلو دوسروں کا تذکرہ کیا کرتے تھے اور یہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور اگر ان دانشوروں سے دریافت کیا جاتا ہے کہ حضرات! مقبولانِ بارگاہِ حق کی توصیف سے آپ کی زبان کیوں گنگ ہو گئی ہے تو فرماتے ہیں کہ تم نے ہم پر وہی اعتراض کیا ہے جو مکہ کے مشرک رسولِ خدا پر کیا کرتے تھے کہ وہ ایسا قرآن کیوں پڑھتے ہیں جس میں صرف خدا کا ہی ذکر ہوتا ہے۔ ان بزرجمہروں کی ایسی باتیں سن کر سر چکرانے لگتا ہے۔ کیا قرآن کریم بیانِ توحید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر رسولوں کے ذکرِ خیر سے محروم ہے۔ کیا اسی قرآن نے یہ نہیں بتایا کہ ہوا کو حضرت سلیمانؑ کا تابع فرمان بنا دیا گیا تھا اور وہ آپ کے اشارہ کے مطابق تیز یا آہستہ چلا کرتی تھی۔ کیا اسی قرآن میں نہیں کہ حضرت یوسف کا پیراہن حضرت یعقوبؑ کی نابینا آنکھوں پر جب ڈالا گیا تو وہ بینا ہو گئیں۔ کیا اسی صحف کے صفحات میں یہ موجود نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے رب کے اذن سے مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیتے، کوڑھیوں کو صحت بخشتے اور مُردوں کو زندہ کر دیتے۔ کیا اسی کتاب الٰہی میں سلیمانی دربار کے ایک عالم زبور کے متعلق یہ مذکور نہیں کہ انھوں نے چشم زدن میں بلقیس کا تخت سبا سے اٹھا کر حضرت سلیمان کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ اور ان کے علاوہ متعدد دیگر واقعات جن سے اپنے خاص بندوں پر اللہ تعالیٰ کی جود و سخا اور فضل و عطا کی شہادتیں ملتی ہیں موجود نہیں۔ ہیں اور یقیناً ہیں تو ان دانشوروں کو دوسروں پر زبانِ طعن دراز کرنے سے پہلے اپنے طریقہ کار پر

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَ اِذْ هُمْ

ہم خوب جانتے ہیں جس غرض کے لیے یہ سنتے ہیں اسے جب یہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور (ہم خوب جانتے ہیں)

نَجْوٰٓی اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

جب یہ سرگوشیاں کرتے ہیں، اس وقت یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم نہیں پیروی کرتے مگر ایک ایسے آدمی کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے ۵۹

اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

دیکھیے یہ گستاخ کس طرح آپ کے لیے مثالیں بیان کرتے ہیں پس (اس گستاخی کے باعث) وہ گمراہ ہو گئے اب وہ سیدھے راستہ پر

سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾ وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

چل نہیں سکتے ۶۰ اور انھوں نے (از راہِ انکار) کہا کہ جب ہم (مر کر) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ۶۱ تو کیا ہمیں اٹھایا جائے گا

نظر ڈالنی چاہیے کہ کہیں ان کی روش قرآن و سنت کی روش کے خلاف تو نہیں۔

حقیقت تو یہ تھی کہ کفار اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ دوسروں کی الوہیت کے بھی قائل تھے جب قرآن کریم میں توحید باری کا بیان ہوتا اور دوسروں کی الوہیت اور خدائی کی تردید کی جاتی تو یہ بات ان کو ناگوار گزرتی اور وہ تلملاتے ہوئے پیشانی پر سینکڑوں بل ڈالتے ہوئے محفلِ اقدس سے دور بھاگ جاتے۔ اگر کوئی اب بھی ایسا بدبخت ہو جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خدا اور معبود سمجھتا ہو تو اس کا وہی حال ہے جو مشرکین مکہ کا تھا لیکن اگر کوئی شخص محبوبانِ بارگاہِ رب العزت کے ان کمالات کا ذکر کرے جو کمالات مولا کریم نے انھیں مرحمت فرمائے ہیں جن کے بیان سے سارا قرآن لبریز ہے تو وہ قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لطفِ عظیم کا مرکز ہے۔ آدم کے کمالات کا انکار کر کے ابلیس کو بجز نامرادی اور دونوں جہان کی رسوائی کے کیا ملا تھا اسی طرح فخرِ بنی آدم باعثِ تخلیقِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا انکار کرنے والے کے حصے میں بھی ناکامی و خسران کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۵۹ ایک دفعہ عتبہ نے سرداران قریش کی دعوت کی حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے گئے اور قرآن کریم کی تلاوت شروع فرما دی۔ کفار لگے آپس میں سرگوشیاں کرنے اور آخر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہا کہ ان پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اس لیے یہ الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں۔

۶۰ بارگاہِ رسالت میں ان کی گستاخی اور اس کی وجہ سے نعمتِ ایمان سے ان کی محرومی کا ذکر ہو رہا ہے۔

۶۱ وقوعِ قیامت کے متعلق کفار کے شکوک و شبہات کے بیان کے ساتھ ان کا رد بھی کیا جا رہا ہے۔ رُفات: ما تکسر و بلی من کل شیء: ٹوٹی ہوئی بوسیدہ چیز کو رفات کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس کا معنی غبار فرمایا ہے۔

قال ابن عباس: الرفات الغبار۔

جَدِيْدًا ﴿٤٩﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿٥٠﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ

گا از سر نو پیدا کر کے۔ فرمایئے (یقیناً ایسا ہی ہوگا) خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ یا کوئی ایسی مخلوق بن جاؤ جس کا از سر نو پیدا

فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ

کرنا تمہارے خیال میں بہت مشکل ہے وہ کہیں گے ہمیں دوبارہ کون (زندہ کر کے) اٹھائے گا؟ فرمایئے وہی جس نے پیدا فرمایا

اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ

تمہیں پہلی مرتبہ پس وہ حیرت سے آپ کی طرف (دیکھ کر) سروں کو جنبش دیں گے۔ اور پوچھیں گے ایسا کب ہوگا؟

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿٥١﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ

آپ بتایئے شاید اس کا وقت قریب ہی ہو۔ اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ تعالیٰ بلائیگا۔ سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے

وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٥٢﴾ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ

جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہوگے کہ تم نہیں ٹھہرے دنیا میں مگر تھوڑا عرصہ اور آپ حکم دیجئے میرے بندوں کو کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں

هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ

جو بہت عمدہ ہوں ٦٢؎ بیشک شیطان فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان ٦٣؎ یقیناً شیطان

٦٢؎ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ میرے بندوں کو یہ بتا دو کہ باہمی گفتگو کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ادب و احترام کا خیال رکھیں۔ کوئی ایسی بات زبان پر نہ آئے جس سے کسی کا دل مجروح ہو۔ کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو جس سے کسی کی دل شکنی ہو۔ تمہارے سامنے ایک عظیم مقصد ہے جس کی تمہیں تکمیل کرنا ہے۔ جب تک تم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح یکجان اور مضبوط نہ ہوگے اس وقت تک اس مقصد کی تکمیل نہ ہو سکے گی۔ اگر شیطان نے ذرا سی شکر رنجی کا بھی تم میں سراغ لگا لیا تو اسے تمہارے تعلقات کو کشیدہ کرنے کا زریں موقع ہاتھ آجائیگا اور وہ تمہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا کر چھوڑے گا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ التقویٰ ھھنا۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کر سکتا ہے اور نہ اسے ذلیل و رسوا کر سکتا ہے اور تقویٰ یہاں اس سینہ میں ہے۔

٦٣؎ نزغ کا معنی ہے دو آدمیوں کے درمیان فتنہ و فساد برپا کرنا یقال نزغ بیننا ای افسد (قرطبی) وقال غیرہ النزغ الاغراء۔ بھڑکانا۔ برانگیختہ کرنا۔

لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ

انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمھارا رب تمھیں خوب جانتا ہے۔ اگر چاہے تو تم پر رحم (وکرم)

اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ

فرما دے اور اگر چاہے تو تمھیں سزا دے اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر (تاکہ ان کے کفر کے لیے آپ جوابدہ ہوں)

اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ

اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور بیشک ہم نے بزرگی دی ہے بعض انبیاء کو

عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ

بعض پر اور ہم نے عطا فرمائی ہے داؤد کو زبور۔ (انھیں) کہیے اب بلاؤ ان کو جنھیں تم گمان کیا کرتے تھے۔

مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾

(کہ یہ خدا ہیں) اللہ تعالیٰ کے سوا[۶۵] وہ تو قدرت نہیں رکھتے کہ تکلیف دور کر سکیں تم سے اور نہ ہی وہ (اسے) بدل سکتے ہیں۔

[۶۴] اے حبیب! آپ کا فرض دعوتِ حق پہنچا دینا ہے۔ آپ نے اپنا فرض باحسن طریق انجام دیدیا۔ اگر یہ لوگ اب بھی کفر و شرک سے باز نہیں آتے تو آپ دلگیر کیوں ہوتے ہیں۔ ان کے کفر و شرک کے لیے آپ جوابدہ نہیں ماجعلناك كفيلا لهم تؤخذ بهم (قرطبی)

[۶۵] علامہ قرطبی نے اس کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

جب قریش کو قحط میں مبتلا کر دیا گیا تو انھوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر فریاد کی اور اپنی خستہ حالی کا تذکرہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ ان سے دریافت کریں کہ جن معبودوں کی وہ پرستش اور عبادت کرتے ہیں اُن سے جا کر فریاد کیوں نہیں کرتے پھر خود ہی بتا دیا کہ وہ بیچارے خود بے بس ہیں اس مشکل وقت میں وہ تمھاری کوئی امداد نہیں کر سکتے اے مشرکین! تم خود سوچو کہ جو خدا مشکل میں کام نہ آئے اور جو معبود مصیبت کو دور نہ کرے اس کو خدا بنانے اور اس کی پوجا کرنے سے کیا حاصل! یہاں زعمتم کا مفعول انهم الهة محذوف ہے یعنی جن کو تم خدا خیال کرتے ہو۔ ای ادعوا الذین تعبدون من دون الله وزعمتم انهم الهة (قرطبی) زعمتم انها الهة (بیضاوی) ای من الاصنام والانداد (ابن کثیر)۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

وہ لوگ جنھیں یہ مشرک پکارا کرتے ہیں ۶۶؎ وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کون سا بندہ (اللہ سے) زیادہ قریب ہے

وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ

اور امید رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اور ڈرتے رہتے ہیں اس کے عذاب سے ۶۷؎ بیشک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی

مَحْذُورًا ﴿۵۷﴾ وَإِن مِّن قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

چیز ہے۔ اور کوئی ایسی بستی نہیں ہے مگر ہم اسے برباد کر دیں گے روز قیامت سے پہلے

أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿۵۸﴾

یا اسے سخت عذاب دیں گے یہ فیصلہ کتاب (تقدیر) میں لکھا ہوا ہے۔

۶۶؎ پہلے اگر آیت کی ترکیب ذہن نشین کر لی جائے تو آیت کا معنی واضح ہو جائے گا اولئک موصوف الذین یدعون صفت یدعون کے بعد ضمیر مفعول محذوف ہے۔ موصوف اپنی صفت سے مل کر مبتدا یبتغون الی ربھم ۔خبر۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین جن کو خدا بنائے ہوئے ہیں اور جن کو اپنی تکالیف و مصائب میں پکارتے ہیں یہ خدا نہیں بلکہ وہ تو خود ہر لمحہ ہر لحظہ اپنے رب کریم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مصروف عمل رہتے ہیں۔ اگر واقعی وہ خدا ہوتے جیسے مشرکین کا خیال ہے تو پھر انھیں کسی کی عبادت اور رضا جوئی کی کیا ضرورت تھی۔ مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ مقرب بندوں کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیر کی عبادت کرنا ممنوع ہے لیکن مقبولان بارگاہ ایزدی کا وسیلہ پکڑنا اور ان سے التماس دعا کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو ارشاد فرمایا وخذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم وتصل علیھم فان صلٰوتک سکن لھم آپ ان سے زکوٰۃ لیجیے انھیں پاک کیجیے اور ان کے لیے دعا فرمایئے آپ کی دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہے صحابہ کرام کشود مشکلات کے لیے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کرتے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دست مبارک جب دعا کے لیے اٹھتا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کی مشکلیں آسان فرمایا کرتا۔ ان کی بیماریاں دور ہو جاتیں ان کی تنگدستیاں خوشحالی میں بدل جاتیں۔

۶۷؎ یعنی اللہ تعالیٰ کے بندے اس کی رحمت سے مایوس بھی نہیں ہوتے اور اس کے عذاب سے بے خوف بھی نہیں ہوتے ان کی ایک آنکھ اگر اس کی رحمت و کرم پر ہوتی ہے تو ان کی دوسری آنکھ اپنے گناہوں پر گریاں اور اس کے عذاب سے ترساں رہتی ہے۔ بارگاہ الٰہی میں جنھیں شرف قبولیت بخشا جاتا ہے۔ ان کا یہی حال ہوتا ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ

اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے ٦٨ (اور وہ فوراً تباہ کیے

وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ

گئے تھے) اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی۔ پس انھوں نے زیادتی کی اس پر ٦٩ اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں

اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا

مگر لوگوں کو (عذاب سے) خوفزدہ کرنے کے لیے۔ اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا آپ کو کہ بیشک آپ کے پروردگار نے گھیرے میں لے لیا ہے لوگوں ٧٠

الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي

کو۔ اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو ٧١ مگر آزمائش لوگوں کے لیے نیز (آزمائش بنایا) اس درخت کو ٧٢ جس پر لعنت

٦٨ کفار مکہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے اور کہا کہ اگر ہمارے یہ مطالبات پورے کر دیئے جائیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ صفا کا پہاڑ سونا بن جائے دوسرا یہ ہے کہ یہ بے آب گیاہ پہاڑ یہاں سے ہٹا دیئے جائیں تاکہ میدان کشادہ ہو جائے اور ہم اس میں کاشتکاری کر کے اپنی زندگی کی ضروریات فراہم کر سکیں جبرائیل امین اسی وقت حاضر ہوئے اور آکر پیغام الٰہی پہنچایا کہ اگر آپ چاہیں تو ان کے مطالبات فوراً پورے کر دیئے جائیں لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تو ان کو نیست و نابود کر دیا جائے گا اور اگر آپ چاہیں تو انھیں غور و فکر کی مزید مہلت دی جائے۔ حضور نے عرض کی لا بل تستانی بھم نہیں میرے کریم! انھیں مہلت مرحمت فرما۔

٦٩ قوم ثمود کو ان کے مطالبہ کے پیش نظر جب اونٹنی کا معجزہ دکھایا گیا اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو انھیں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ اسی طرح ان لوگوں کا انجام بھی ہوتا ہے جن کا مطالبہ پورا کیا جاتا ہے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

٧٠ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنے علم سے تمام لوگوں کو اپنے نرغہ میں لے رکھا ہے آپ بے دھڑک اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہیں کسی کی مجال نہیں کہ آپ کو گزند پہنچا سکے۔

٧١ اس آیت کی وضاحت اسی سورۃ کی پہلی آیت کے ضمن میں گزر چکی ہے وہاں بتایا گیا ہے کہ اس آیت میں رؤیا کا لفظ خواب کے معنی میں مستعمل نہیں بلکہ عالم بیداری میں دیکھنے کے لیے مستعمل ہے حضرت ابن عباس کا قول ہے الملہ بری یا ھینا رؤیا عین یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں دیکھنا ہے۔ سعید بن جبیر، حسن، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریر اور ان کے علاوہ کثیر التعداد علماء تفسیر کی یہی رائے ہے اور اہل عرب کہتے ہیں رأیت بعینی رویۃً و رؤیا (مظہری)۔

٧٢ اس سے مراد زقوم ہے۔ اس کو بھی لوگوں کے فتنہ کا باعث بنایا کیونکہ جب ایک آیت میں بتایا گیا کہ جہنم میں زقوم کا درخت بھی

الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۠﴿٦٠﴾ وَ اِذْ قُلْنَا

بھیجی گئی ہے قرآن میں۔ اور ہم انھیں (نافرمانی کے انجام سے) ڈراتے رہتے ہیں۔ پس نہ بڑھایا اس ڈرانے نے انھیں مگر بڑی زیادہ سرکشی کرنے

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ

لگے۔ اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے [43] اس نے کہا کیا میں سجدہ کروں اس

خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ﴿٦١﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ

(آدم) کو جسکو تو نے کیچڑ سے پیدا کیا۔ اس نے کہا مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ (اس کی وجہ کیا ہے)؟ [44] اگر تو

اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ

مجھے مہلت دے روزِ قیامت تک تو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے چند افراد کے [45] اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہوگا تو ابوجہل کو اسلام پر طعن کرنے کا ایک زریں موقع ہاتھ آیا کہنے لگا ادھر تو آپ ہمیں ایسی آگ سے ڈراتے ہیں جو پتھروں کو جلا کر خاک سیاہ بنا دے گی۔ دوسری طرف آپ یہ کہتے ہیں کہ جہنم میں زقوم کے درخت بھی ہوں گے یہ بات ہماری سمجھ میں تو نہیں آسکتی۔ ابوجہل کے اس اعتراض سے بھی کئی لوگ تذبذب کا شکار ہوگئے۔

[43] اس سے پہلے یہ بتایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس دشمنی کی ابتدا کب ہوئی اب اس کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔

[44] اس آیت میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے اخبرنی عن هذا الذی فضلته علی لم فضلته (قرطبی) یعنی آدم کو تو نے مجھ پر فضیلت دی حالانکہ مجھے آگ سے اور اسے خاک سے پیدا کیا اس کی کیا وجہ ہے۔ چنانچہ علامہ زرکشی نے تصریح کی ہے کہ جب رأیت پر ہمزہ استفہام کا داخل ہو جائے تو پھر یہ لفظ دیکھنے کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ اس کا معنی اخبرنی "مجھے بتا" ہو جاتا ہے۔ واذا دخلت الھمزة علی رأیت امتنع ان تکون من رؤیة البصر والقلب وصار بمعنی اخبرنی (البرہان فی علوم القرآن جلد ۳ ص ۳۴۱)۔

[45] اگر تو مجھے مہلت دے تو میں اس آدم خاکی کی کمزوریوں کو آشکارا کر کے چھوڑوں گا لاحتنکن کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ قرطبی اور دیگر علماء لکھتے ہیں کہ جب ٹڈی کسی کھیت کو کھا کر چٹ کر جائے تو عرب کہتے ہیں احتنک الجراد الزرع اذا ذھب بہ کلہ۔ یہاں بھی یہ لفظ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ شیطان کہہ رہا ہے کہ اگر مجھے تو نے مہلت دی تو میں ان سب کو راہِ راست سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا اور ان کے ایمان کا صفایا کر دوں گا۔ اور ان میں سے چند افراد کے بغیر کوئی ثابت قدم نہ رہے گا۔

اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

جا چلا جا (جو مرضی ہو کر) سو جو تیری پیروی کریگا ان سے تو بے شک جہنم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہے ۔ ۹۵

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ

اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ۹۶ ان میں سے اپنی آواز (کی فسوں کاری) سے اور دھاوا بول دے ان پر

بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ

اپنے گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جا ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے)

۹۵ بارگاہ خداوندی سے شیطان کو لوگوں کے بہکانے کا اذن عام دیا جا رہا ہے کہ جا! جو تجھ سے ہو سکے وہ کر گزر۔ یہ تیرا اور تیرے پیروکاروں کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں تمہیں تمہاری سیاہ کاریوں کی پوری پوری سزا ملے گی جزاءً موفورًا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے وهو نصب على المصدر (قرطبی)

۹۶ اس آیت میں شیطان کو تمام ان وسائل کے اختیار کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے جو کسی کو راہِ حق سے برگشتہ کرنے کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا حربہ صوت (آواز) ہے یعنی اپنی آواز سے اپنے لیکچروں اور مباحثوں سے ان کی دولتِ ایمان کو غارت کرنے کے لیے جو کچھ تو کر سکتا ہے کر گزر۔ دوسرا حربہ اپنے ہر قسم کے حواریوں کو یکجا کر کے اہلِ حق پر یورش کرنے۔ تیسرا۔ ان کے مالوں یا ان کی اولاد میں شریک ہو جا یعنی محنتِ شاقہ سے مال وہ کمائیں اور خرچ تیری مرضی کے مطابق کریں۔ اولاد پیدا ہو ان کے ہاں لیکن ان کی تربیت اس طرح کی جائے کہ جب وہ جوان ہوں تو گنا ہوں اور بدکاریوں کے فروغ کا باعث ہوں۔ اور دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہو کہ یہ مال ان کے نہیں تاکہ وہ اپنی مرضی سے انھیں وہاں خرچ کریں جہاں خرچ کرنے سے انھیں فلاحِ دارین نصیب ہو سکے بلکہ ان مالوں میں تو ان کا حصہ دار ہے اور تیری اجازت کے بغیر وہ ایک کوڑی بھی کہیں خرچ نہیں کر سکتے اسی طرح اولاد جس کو انھوں نے پالا وہ ان کی اولاد نہیں تاکہ والدین کے حقوق کی بجا آوری ان پر لازم ہو بلکہ تیرے ہر ارشاد و حکم کی تعمیل ان پر فرض ہے اور مال و اولاد میں شیطان کی شرکت کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ شیطان کی وسوسہ اندازی سے حلال و حرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے اور وہ ہر طرح سے مال کمانے میں منہمک ہو جاتے ہیں اس لیے حرام ذرائع سے جو مال وہ کمائیں گے اور ناجائز طریقے سے جو اولاد پیدا ہو گی اس میں تو ان کا برابر کا حصہ دار ہو گا۔ چوتھا حربہ جو شیطان کے پاس لوگوں کو گمراہ کرنے کا سب سے زیادہ خطرناک حربہ ہے۔ وہ جھوٹے وعدوں کا ہے وہ حقیقت کو آشکارا ہونے نہیں دیتا ایسے ایسے گمراہ کن اور نظر فریب اور دلکش لالچوں میں انسان کو مبتلا کر دیتا ہے کہ انسان عمر بھر ان کے پیچھے لگا رہتا ہے اور ساری زندگی گمراہی کی اسی دلدل میں پھنسا رہتا ہے۔

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ

وعدے کرتا رہ۔ اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر مکر و فریب کا ۸۶ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا ۸۷

سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ

اور (اے محبوب!) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کیلئے۔ تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لیے کشتیوں کو

فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَاِذَا

سمندر میں تاکہ تم تلاش کرو (بحری سفر کے ذریعہ) اس کا فضل ۸۸ بیشک وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور جب پہنچتی

۸۶ یہاں تنبیہ فرمادی کہ شیطان کے وعدے ہرگز قابل اعتماد نہیں وہ محض دھوکہ دینے کے لیے اور تمہیں ہدایت کی راہ سے بھٹکانے کے لیے ایسی چکنی چپڑی باتیں کرتا ہے اس قسم کے کھوکھلے وعدوں کے فریب میں آجانا کسی عقلمند کو زیبا نہیں۔

الغرور تزیین الباطل مما یظن انہ حق: باطل کو اس طرح آراستہ و پیراستہ کرکے پیش کرنا کہ وہ سچ معلوم ہونے لگے اسے غرور کہتے ہیں۔

۸۷ اے شیطان میرے بندوں پر تیرا کوئی افسوں کارگر نہیں ہو سکے گا وہ تیرے دام فریب میں ہرگز نہیں پھنسیں گے۔ تو جتنے جتن کر سکتا ہے کر دیکھ۔ ان عبادی میں جو لطف ہے اس کی حقیقت کا ادراک وہی خوش نصیب کر سکتے ہیں جو ان عبادی کے زمرہ میں داخل ہیں۔

۸۸ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت و ربوبیت کا ایک اور کرشمہ بیان کیا جا رہا ہے کہ بیکراں سمندر کے گہرے پانیوں اور اس میں اٹھنے والی طوفانی موجوں کو تمہاری کشتیوں اور جہازوں کے لیے مسخر فرما دیا ہے ہزاروں بلکہ لاکھوں ٹن وزن اٹھاتے ہوئے تمہارے جہاز سطح آب پر اٹھلاتے پھرتے ہیں اور تمہاری عالمی تجارت کے لیے ایسی شاہراہیں ہموار کر دی ہیں جن کے ذریعہ تم آسانی سے اپنے تجارتی سامان کو ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف لے جاتے ہو اور نفع کماتے ہو کیا یہ اس کا احسان عظیم نہیں رزق حلال کمانے کے لیے اسلام نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو برانگیختہ کیا ہے یہاں بھی رزق کو فضلہ (اپنا فضل) فرما کر مسلمانوں کو بحری تجارت کا شوق دلایا ہے الازجاء السوق: ازجاء الفلک سوقہ بالریح اللینۃ۔ موافق اور آہستہ خرام ہوا سے کشتی چلانے کو ازجاء کہتے ہیں۔

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ

ہے تمھیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ پس جب وہ بخیر و

اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ

عافیت تمھیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ دھنسا

بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ

دے تمھارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والا بادل پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لیے

۹۰ چاہیے تو یہ کہ انسان اپنے رحیم و کریم مالک کے احسانات کا ہر وقت اعتراف کرتا رہے اور شکر ادا کرتا رہے لیکن انسان کی کم فہمی کا کیا کہنا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو بھی خدائی کے تخت پر بٹھا رکھا ہے اور ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتا ہے۔ انسان کی اس حماقت کو واضح کرنے کے لیے ارشاد ہے کہ جب تم تجارتی سامان سے بھری ہوئی کشتیاں اور جہاز لے جا رہے ہوتے ہو یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لیے بحری سفر کر رہے ہوتے ہو اس وقت جب خوفناک طوفان امڈ کر آتے ہیں اور گرداب ہلاکت قدم قدم پر منہ کھولے تمھیں ہڑپ کرنا چاہتے ہیں اس وقت تو تمھیں اپنے سارے دیوی دیوتا بھول جاتے ہیں اور صرف رب حقیقی کے حضور میں گڑگڑا کر اپنی نجات و سلامتی کے لیے دعائیں کرنے لگتے ہو۔ اگر تمھارے گھڑے ہوئے بتوں میں خدائی قدرت کا کچھ اثر بھی ہوتا تو ان خطرے کی گھڑیوں میں تمھارے دل ان کی طرف ہی مائل رہتے۔ ان مشکل لمحوں میں ان کی طرف سے تمھارا منہ موڑ لینا اور ایک رب قدیر کے حضور میں فریاد کرنا کیا یہ اس بات کی کھلی دلیل نہیں کہ انسانی فطرت میں عقیدۂ توحید کی تخم ریزی کی گئی ہے اور جب خارجی اور اجنبی آمیزش ختم ہوتی ہے تو عقیدۂ توحید خود بخود بے نقاب ہو جاتا ہے۔

۹۱ لیکن جب وہ اپنے فضل و کرم سے تمھاری سابقہ نافرمانیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے تم پر کرم فرماتا ہے اور تمھیں سلامتی سے ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس وقت پھر اس سے روگردانی کرتے ہو اور اس کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہراتے ہو۔ انسان کی ناشکری کی بھی آخر کوئی حد ہے۔

۹۲ یعنی اے مشرکین تمھاری حماقت کی بھی حد نہیں۔ سمندر میں تو تم عذاب الٰہی سے ڈر کر شرک سے تائب ہو جاتے ہو لیکن خشکی پر قدم رکھتے ہی پھر وہی تماشے شروع ہو جاتے ہیں گویا تم یہ سمجھتے ہو کہ خشکی پر شرک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ بے وقوفو! اللہ تعالیٰ چاہے تو جس سطح زمین پر تم کھڑے ہو اسی کو تمھارے سمیت دھنسا دے یا اولے برسا کر تمھیں اور تمھارے کھیتوں کو تہس نہس کر دے۔ الحاصب یقال للسحابۃ التی ترمی بالبرد۔ حاصب اس بادل کو کہتے ہیں جس سے اولے برستے ہیں۔ حاصب اس تیز ہوا کو بھی کہتے ہیں جو سنگریزوں کو الٹ پلٹ دیتی ہے۔

وَكِيۡلًا ۙ﴿۶۸﴾ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ يُّعِيۡدَكُمۡ فِيۡهِ تَارَةً اُخۡرٰى فَيُرۡسِلَ

کوئی کارساز۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں لے جائے سمندر میں دوسری مرتبہ اور بھیجے تم پر

عَلَيۡكُمۡ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيۡحِ فَيُغۡرِقَكُمۡ بِمَا كَفَرۡتُمۡ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا

سخت آندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہو ۴۳ پھر غرق کر دے تمھیں بوجہ کفر کے جو تم نے کیا پھر تم نہیں پاؤ گے

لَكُمۡ عَلَيۡنَا بِهٖ تَبِيۡعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِىۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِى الۡبَرِّ

اپنے لیے ہم سے اس ڈبونے پر کوئی انتقام لینے والا اور بیشک ہم نے بڑی عزت بخشی اولادِ آدم کو ۴۴ اور ہم نے سوار کیا انھیں (مختلف سواریوں پر)

وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ

خشکی میں اور سمندر میں اور رزق دیا انھیں پاکیزہ چیزوں سے اور ہم نے فضیلت دی انھیں بہت سی چیزوں پر جن کو ہم نے

۴۳ ہو سکتا ہے پھر تمھیں بحری سفر پیش آئے اور جب تم ساحل سے دور سمندر کے گہرے پانیوں میں پہنچ جاؤ تو اللہ تعالیٰ گرجتی ہوئی اور چنگھاڑتی ہوئی تند ہوا تم پر بھیج دے جو کشتیوں کو ریزہ ریزہ کر دے۔ اس وقت تم ہزار مرتبہ چلاؤ فریاد کرو شرک سے تائب ہونے کے وعدے کرو لیکن تمھاری کوئی التجا سنی نہ جائے پھر تم کیا کرو گے اس لیے خدا کے غضب سے ہر وقت ڈرتے رہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ مبادا اللہ تعالیٰ کی آتش انتقام بھڑک اٹھے اور تمھیں راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دے۔ نعوذ باللہ من غضبہ بجاہ حبیبہ المکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

۴۴ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے تمام وجوہ تکریم کو ایک جامع فقرہ میں بیان فرما دیا ہے:۔

"عقل و علم و گویائی پاکیزہ صورت معتدل قامت اور معاش و معاد کی تدابیر اور تمام چیزوں پر استیلاء و تسخیر عطا فرما کر اور اسکے علاوہ اور بہت سی فضیلتیں دیکر" (خزائن العرفان) علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وجوہ تکریم میں محمد بن کعب کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے عن محمد بن کعب بجعل محمد صلی اللہ علیہ وسلم منهم یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اولادِ آدم سے ہونا تمام نوع انسانی کے لیے وجہ صد افتخار ہے۔ کسی نے کیا خوب لکھا ہے:۔

اے شرف دودہ آدم بتو ✻ روشنی دیدۂ عالم بتو
کیست درین خانہ کہ خیلِ تو نیست ✻ کیست برین خوان کہ طفیلِ تو نیست
از تو صلائے بالست آمدہ ✻ "نیست" بہ مہمانی "ہست" آمدہ

یعنی آدم کے سارے خاندان کا عز و شرف حضور کی برکت سے ہے۔ سارے جہان کی آنکھ کا نور حضور ہی ہیں عالم وجود میں کون ہے جو آپکا خادم نہیں اللہ تعالیٰ کے اس دستر خوان کرم پر آپ حقیقی مہمان ہیں باقی سب طفیلی ہیں۔ روز میثاق الست بربکم کے جواب میں حضور نے ہی بلیٰ فرمایا تھا اور حضور کے صدقہ نیست کو ہست کی مہمانی کا شرف حاصل ہوا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ان انعامات

خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾ يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ

پیدا فرمایا نمایاں فضیلت۔ ۵۵ وہ دن جب ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ ۵۶ پس وہ شخص

أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ

جس کو دیا گیا اس کا نامۂ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں تو یہ لوگ (خوشی خوشی) پڑھیں گے اپنا نامۂ عمل اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا

فَتِيلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ

جائے گا۔ اور جو شخص بنا رہا اس دنیا میں اندھا ۵۷ وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا

وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا

اور بڑا گم کردہ راہ ہوگا۔ اور انھوں نے پختہ ارادہ کیا کہ وہ آپ کو برگشتہ کر دیں ۵۸ اس (کتاب) سے جو ہم نے اتاری

کا بھی ذکر فرمایا جو اس نے انسان پر فرمائے ہیں۔

۵۵ احناف اور جمہور اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ انسانوں میں جو رسول ہیں وہ سب مخلوقات سے افضل ہیں۔ ان کے بعد فرشتوں میں جو رسول ہیں ان کا درجہ ہے پھر عام فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں۔

۵۶ دنیا میں انسان کو جن فضائل و مکارم سے مشرف فرمایا گیا ہے ان کے ذکر کے بعد ان واقعات کو بیان کیا جا رہا ہے جو روز محشر انسان کو پیش آئیں گے۔ لغت میں امام اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی پیروی کی جائے خواہ وہ ہدایت پر ہو یا گمراہی پر۔ الامام فی اللغة كل من ائتم به قوم كانوا على هدى او ضلالة (کبیر) یعنی اہل حق کو ان کے انبیاء کے نام سے پکارا جائے گا۔ اے امت ابراہیم! اے امت موسیٰ! اور اہل باطل کو ان کے گمراہ پیشواؤں کے نام سے بلایا جائے گا۔ اے فرعونیو! اے نمرودیو! اے لعین کے پرستارو! وغیرہ۔ اہل حق کا صحیفۂ عمل ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا جو اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ لوگ دار عمل سے کامیاب و کامران ہو کر آئے ہیں۔ اور انکو ان کے تمام چھوٹے بڑے اعمال صالحہ کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

۵۷ جس نے اس دنیا میں حق کے نور کو نہ دیکھا آفتاب ہدایت طلوع ہوا اور انھوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب اور ہٹ دھرمی کی پٹی باندھ لی انھیں جب حشر کے میدان میں لا کھڑا کیا جائے گا تو ان کے دل کی آنکھیں تو پہلے ہی نور بصیرت سے محروم تھیں اب بطور سزا ان کی ظاہری آنکھیں بھی اندھی کر دی جائیں گی۔ اور انھیں کچھ سجھائی نہ دے گا۔

۵۸ لفظ "کاد" کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس رقمطراز ہیں کہ کاد: ھَمَّ (پختہ ارادہ کرنا) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے وكاد يفعل كذا قارب وهَمَّ نیز علامہ بدر الدین زرکشی نے سید شریف رضی کی کتاب 'الغرر' سے اس کے متعدد معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے الثالث انها بمعنى اراد یعنی کاد کا معنی کسی کام کا ارادہ کرنا ہے۔ اس آیت میں کادوا کا یہی تیسرا معنی زیادہ مناسب ہے

اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ ۖۗ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا ﴿۷۳﴾ وَ لَوْ لَاۤ

طرف وحی کی ہے تاکہ آپ بہتان باندھ کر (منسوب کریں) ہماری طرف اسکے علاوہ۔ تو اس صورت میں وہ آپکو اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے

اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ شَیْـًٔا قَلِیْلًا ﴿۷۴﴾ ۗ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ

آپکو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ضرور مائل ہو جاتے ان کی طرف کچھ نہ کچھ[۸۹] بفرضِ محال اگر آپ ایسا کرتے تو اس

اس لیے میں نے اس کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ (البرہان جلد ۲ صفحہ ۱۳۰)

ان آیات کی جو تفسیر علامہ ابن کثیر نے کی ہے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے :۔

" ان آیات میں اللہ تعالیٰ اس امر کی خبر دے رہے ہیں کہ وہ خود اپنے محبوب رسول کا مؤید و مددگار ہے۔ وہی راہِ راست پر آپ کو ثبات بخشتا ہے۔ وہی ہر قسم کی غلطی سے آپ کو محفوظ رکھتا ہے۔ شریروں کی شر انگیزیوں اور بدکاروں کی بدکاریوں سے وہی حضورؐ کو سلامت رکھتا ہے۔ حضورؐ کے سارے کام اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں۔ وہی اپنے حبیب کا مددگار، نگہبان اور ناصر ہے۔ وہی آپ کو اپنے دشمنوں پر فتح و ظفر بخشنے والا اور آپکے دین کو مخالفین کی مخالفت کے باوجود غلبہ بخشنے والا ہے۔ مشرق و مغرب میں اسلام کا پرچم تائیدِ الٰہی سے لہرا رہا ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً الی یوم الدین (تفسیر ابن کثیر)

ان آیات میں مزید تدبر کرنے سے نبوت کی ذمہ داریوں کی نزاکت کا احساس ہوتا ہے یعنی کلام الٰہی میں کسی وجہ سے ذرہ برابر کمی بیشی ناقابلِ برداشت ہے۔ کفارِ مکہ نے بارہا کوشش کی۔ قدموں میں زر و سیم کا ڈھیر لگا دینے، تاج و تخت پیش کرنے اور حسین و جمیل عورت کا رشتہ دینے کی بارہا پیشکشیں کیں لیکن حبیبِ کبریا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ فرما کر ان پیشکشوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا کہ اگر تم سورج میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دو اور چاند میرے بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اللہ تعالیٰ کے کلام میں بال برابر رد و بدل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مجھے جس مقصد کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے اس کی تبلیغ میں سرگرمِ عمل ہونگا۔ یہاں تک کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں یا میری زندگی ختم ہو جائے۔

[۸۹] علامہ زرکشی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں فالمعنی علی النفی وانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یرکن الیھم لاقلیلا ولا کثیرا من جھۃ ان لولا الامتناعیۃ تقتضی ذلک وانہ امتنع مقاربۃ الرکون القلیل لاجل وجود التثبیت ینتفی الکثیر من طریق الاولی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے پاؤں کو مضبوطی سے راہِ راست پر مستحکم کر دیا ہے۔ اس لیے کفار کی طرف ادنیٰ سا میلان بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم انکی طرف زیادہ مائل ہوں۔ 'لولا' امتناعیہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا یہ مفہوم بیان کیا جائے۔ (البرھان، جلد ۲ صفحہ ۱۳۰)

کل ذلک تعظیما لشان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما جبلت علیہ نفسہ الزکیۃ من کونہ لایکاد یرکن الیھم شیئا قلیلا للتثبیت مع ما جبلت علیہ یعنی نفس کی طہارت کے ساتھ تثبیتِ علم و ہدی کی سعادت نے حضورؐ کو اس مقامِ عالی و رشانِ رفیع پر فائز فرمایا ہے۔ (القرآن)

ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

وقت ہم آپ کو چکھاتے دوگنا عذاب دنیا میں اور دوگنا عذاب موت کے بعد[1] پھر آپ نہ پاتے اپنے لیے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا

اور انھوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے[2] اور اگر انھوں نے

لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ

یہ حماقت کی تب وہ نہیں ٹھہر سکیں گے یہاں آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ۔ یہی ہمارا دستور ہے ان کے بارے میں جنھیں ہم نے بھیجا آپ سے پہلے

[1] اس سے حضور کی عظمتِ شان کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ جتنا کوئی زیادہ عزیز ہوتا ہے اتنا ہی اس کی معمولی سے معمولی لغزش ناقابلِ برداشت ہوتی ہے

ع مرے در دیدہ بود کوہِ عظیم

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور تو معصوم تھے۔ یہ تنبیہ حضور کی اُمت کو کی جا رہی ہے کہ وہ کسی صورت میں دینِ حق اور احکامِ شریعت کو چھوڑ کر کفار کی خوشنودی حاصل کرنے کی طرف مائل نہ ہوں۔ وقال ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معصوماً ولکن ھذا تعریف للامۃ لئلا یرکن احد منہم الی المشرکین فی شیٔ من احکام اللہ تعالیٰ وشرائعہ (قرطبی)

قتادہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی اللھم لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین اے اللہ! مجھے چشم زدن کے لیے بھی اپنے نفس کے سپرد نہ کرنا۔ ہر وہ شخص جو دعوتِ حق کا فریضہ ادا کر رہا ہو اسے ہر لمحہ ان آیات کو اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ مبادا اس سے کوئی ایسی فروگذاشت ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بن جائے ہمارا علم ناتمام ہے۔ ہماری عقل خام ہے۔ ہم شیطان کی وسوسہ اندازیوں کا صحیح طور پر مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے لیے بچنے کا راستہ صرف یہی ہے کہ صدقِ دل سے اور عجز و نیاز سے اپنی بے بسی کا پورا اعتراف کرتے ہوئے ہر قدم پر بارگاہِ الٰہی میں یہی التجا کریں یا حی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ۔

[2] کفارِ مکہ نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جزیرہ عرب سے نکال دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ بھی کر دیکھو تمھیں اس کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔ ہم تمھیں نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔ یہ تو اسی محبوب کا لحاظ ہے کہ تمھاری غلط کاریوں کے باوجود تم کو عذاب سے نجات ملی ہوئی ہے۔ جب سرزمینِ عرب سے یہ سراپا یمن و برکت ہستی تشریف لے جائے گی تو تمھیں جلد ہی کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جائے گا۔

مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿٧٧﴾ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ

رسول بنا کر — اور آپ نہیں پائیں گے ہمارے اس دستور میں کوئی رد و بدل ۹۲ — نماز ادا کیا کریں — سورج ڈھلنے

الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ

کے بعد ۹۳ سے رات کے تاریک ہونے تک (نیز ادا کیجیے) — نماز — صبح — بلاشبہ — نماز صبح کا — مشاہدہ

مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى أَنْ يَّبْعَثَكَ

کیا جاتا ہے ۹۴ — اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو ۹۵ تلاوت قرآن کے ساتھ (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لیے — یقیناً فائز فرمائیگا

۹۲ ہمارا یہی دستور ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی کو اذیت پہنچاتی ہے اور اس کو اپنے وطن سے چلے جانے پر مجبور کرتی ہے اور وہ نبی ان کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت کر جاتا ہے تو پھر عذاب الٰہی کے نزول میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ یہ ہمارا ایسا دستور اور ایسی سنت ہے جس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں۔

۹۳ حضور کریم کو راہ حق سے منحرف کرنے کے لیے مشرکین جو جتن کیا کرتے تھے اور حضور کو تکلیف پہنچانے کے لیے جس طرح سرگرم رہا کرتے تھے۔ ان کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو نماز کی ادائیگی کی طرف متوجہ فرما رہا ہے۔ تاکہ ان جاں گسل لمحوں میں تائید خداوندی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ نماز پنجگانہ سفر معراج میں فرض ہوئی تھی۔ یہاں نمازوں کے اوقات بتائے جا رہے ہیں جن کی تفصیل حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو روز حاضر ہو کر اور جماعت کرا کے کر دی۔ "دلوک" کا معنی اگرچہ غروب آفتاب بھی کیا گیا ہے لیکن یہاں اس کا معنی زوال ہے۔ اکثر صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے۔ فی القاموس دلکت الشمس دلوکا غربت او اصفرت او مالت عن کبد السماء والمعنی علی الزوال اولی۔ غسق پہلی رات کے اندھیرے کو کہتے ہیں (الغسق ظلمة اول اللیل)۔ زوال آفتاب سے غروب شفق تک چار نمازوں کے اوقات ہو گئے۔ فجر کی نماز کا وقت الگ قرآن الفجر سے بیان کیا۔

۹۴ یعنی دن اور رات کے فرشتے اس وقت یکجا ہوتے ہیں۔

۹۵ هجود اضداد سے ہے سونے اور بیدار ہونے دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ لغت کے امام الازہری نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے تہجد ترک ہجود (یعنی نیند کو ترک کرنا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے تحرج اور تاثم حرج اور اثم کے ترک کو کہتے ہیں۔ (رازی)

پہلے نماز پنجگانہ کے اوقات بیان ہوئے جو ہر کس و ناکس پر فرض تھیں۔ اب اس مخصوص نماز کی ادائیگی کا ذکر ہو رہا ہے جو حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بطور فرض یا زائد عبادت لازم ہے۔ یہ نماز تہجد ہے یعنی جب لوگ سو رہے ہوں ہر طرف سناٹا چھایا ہو آغوش شب میں ہر چیز محو خواب ہو۔ اے حبیب اس وقت اٹھ! اور خلوت گاہ ناز میں شرف باریابی حاصل کر کے جبین نیاز کو

لذتِ سجود سے آشنا کر، تیری یہ بے خوابیاں یہ قلق اور بے کلی یہ اشک کا سیل رواں یہ شانِ بندگی کا ظہور سب کو شرفِ قبول بخشا جائیگا۔ اور آپ کو مقامِ محمود پر فائز کیا جائیگا جس کی بدولت شان کو دیکھ کر دنیا بھر کی زبانیں تیری ثنا گستری اور حمد و ستائش میں مصروف ہو جائیں گی۔ عسی کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اس وقت اس کا معنی یقین ہوتا ہے عسی ولعل من اللہ تعالیٰ واجبتان (البرہان)

مقامِ محمود کی وضاحت فرماتے ہوئے خود نبی کرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ ھو المقام الذی اشفع فیہ لامتی یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ امام مسلم نے حضرت ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ ایک روز غمگسار عاصیاں اور چارہ ساز بیکساں صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم نے حضرت خلیل کے اس قول کو پڑھا۔ "رب انھن اضللن کثیرا من الناس فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم (اے رب ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے جنھوں نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہونگے۔ اور جنھوں نے میری نافرمانی کی تو تو غفور رحیم ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ کے اس جملہ کو دہرایا "ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم۔ (اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر انھیں بخش دے تو تو ہی عزیز و حکیم ہے)

پھر حضورؐ نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور عرض کی امتی امتی ثم بکی۔ اے میرے رب میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ پھر حضورؐ زار و قطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا جبرئیل اذھب الی محمد فقل لہ انا سنرضیک فی امتک ولا نسوئک۔ اے جبرئیل میرے محبوب کے پاس جاؤ اور جا کر میرا پیغام دو۔ اے حبیب ہم تجھے تیری امت کے بارے میں راضی کریں گے اور آپ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے

روزِ حشر جب ہر دل پر خوف و ہراس طاری ہوگا جلالِ خداوندی کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی بڑے بڑے شجاع اور زور آور اور سرکش مارے خوف کے پانی پانی ہو رہے ہونگے۔ ساری خلقِ خدا آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت کلیم تک کا دروازہ کھٹکھٹائے گی لیکن کہیں شنوائی نہ ہوگی۔ آخر کار حضرت عیسیٰ کے پاس پہنچے گی اور ان سے شفاعت کی ملتجی ہوگی آپ جواب دیں گے کہ میں خود تو آج لب کشائی کی جسارت نہیں کر سکتا۔ ہاں تمھیں ایک کریم کا آستاں بتاتا ہوں جس پر حاضر ہونے والا کبھی نامراد واپس نہیں لوٹا۔ جاؤ! اللہ تعالیٰ کے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس اور وہاں جا کر عرض حال کرو۔ چنانچہ سب بارگاہِ محبوبِ کبریا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہونگے اور اپنی داستانِ غم پیش کرینگے حضورؐ سنکر فرمائیں گے انا لھا۔ ہاں میں تمھاری دستگیری کے لیے تیار ہوں۔ حضورؐ عرشِ عظیم کے قریب پہنچکر سجدہ میں گر جائیں گے۔ اپنی پاک اور مطہر زبان نور سے سبوح و قدوس رب کی حمد و ثنا کرینگے۔ ادھر سے آواز آئے گی یا محمد ارفع راسک قل تسمع اسئل تعط اشفع تشفع اے سراپا خوبی و زیبائی! اپنے سرِ مبارک کو اٹھاؤ۔ کہو تمھاری بات سنی جائے گی تم مانگتے جاؤ ہم دیتے جائیں گے تم شفاعت کرتے جاؤ ہم شفاعت قبول فرماتے جائینگے۔ اس طرح شفاعتِ حبیبِ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کا دروازہ کھلے گا۔

علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے قاضی ابوالفضل عیاض سے نقل کیا ہے کہ حضور پر نور سرورِ عالمیاں پانچ شفاعتیں فرمائینگے۔

۱۔ شفاعتِ عامہ جس سے مومن اور کافر اپنے بیگانے سب مستفیض ہوں گے۔
۲۔ بعض خوش نصیبوں کے لیے بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کی شفاعت فرمائیں گے۔
۳۔ وہ موحد جو اپنے گناہوں کے باعث عذابِ دوزخ کے مستحق قرار پاجائیں گے۔ حضورؐ کی شفاعت سے بخش دیئے جائیں گے۔
۴۔ وہ گنہگار جنہیں دوزخ میں پھینک دیا جائیگا حضور شفاعت فرماکر ان کو وہاں سے نکالیں گے۔
۵۔ اہلِ جنت کے مدارج میں ترقی کے لیے سفارش فرمائیں گے۔

خود سوچیے جس کا دامنِ کرم سب کو ڈھانپے ہوگا۔ جس کی محبوبیت کا ڈنکہ ہر جگہ بج رہا ہوگا۔ جس کی جلالت شان اپنے بھی دیکھیں گے اور بیگانے بھی۔ ایسے میں کونسا دل ہوگا جو اس محبوب کی عظمت کا اعتراف نہ کرے گا اور کونسی زبان ہوگی جو اس کی تعریف و توصیف میں زمزمہ سنج نہ ہوگی۔

یہاں بتایا جارہا ہے کہ اے مکہ کے باشندو! تم جس کی راہ میں کانٹے بچھانا اپنا مقدس فرض سمجھتے ہو جسے طرح طرح سے اذیت دے کر اپنی تفریح کا سامان کرتے ہو۔ طرح طرح کے شکوک و شبہات میں گرفتار ہوکر میرے برگزیدہ بندے کی جلالت شان کا انکار کرتے ہو۔ اس کی حقیقت سے پردہ تب اٹھے گا جب داورِ محشر عزت و جلال کے عرش پر متمکن ہوکر ہر چیز کو اپنے دربار میں گواہی کے لیے طلب فرمائے گا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر ومامن نبی یومئذ آدم ومن سواہ الا تحت لوائی ۔ (ترمذی شریف)

یعنی قیامت کے دن ساری اولادِ آدم کا سردار میں ہونگا۔ حمد کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا۔ سارے نبی میرے پرچم کے نیچے جمع ہونگے۔ یہ ساری باتیں اظہارِ حقیقت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ فخر و مباہات مقصود نہیں۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے ستائیس صحابہ سے حدیث شفاعت مروی ہونے کی تصدیق کی ہے۔ لیکن ان صریح احادیث صحیحہ کے باوجود معتزلہ اور خوارج نے شفاعت کا انکار کیا۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔ یہ حدیث متواتر ہے۔ پس بڑا بدبخت ہے وہ آدمی جو شفاعت کا منکر ہے۔ قال السیوطی ھذا حدیث متواتر فتعس من انکر الشفاعۃ ۔ امام بخاری اور مسلم نے حضرت فاروقِ اعظم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا انہ سیکون فی ھذہ الامۃ قوم یکذبون بعذاب القبر ویکذبون بالشفاعۃ کہ اس امت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو عذاب قبر کی بھی تکذیب کریں گے اور شفاعت کا بھی انکار کریں گے۔ آج سے پہلے بھی اس کا انکار معتزلہ اور خارجیوں نے کیا اور آج بھی ایک طبقہ بڑی شد و مد سے اس کا منکر ہے اور جب دلائل صحیحہ کے باعث انکار نہیں کرسکتے تو شفاعت کا ایسا مفہوم بیان کرتے ہیں جس میں شانِ مصطفےٰ کا انکار پایا جاتا ہے۔ لیکن انھیں یہ جسارت کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جو آج شفاعت کا انکار کرے گا وہ کل اس سے محروم کردیا جائے گا۔

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ

آپ کو آپ کا رب مقامِ محمود پر۔ اور دعا مانگا کیجیے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور

اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿٨٠﴾

جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو[96]

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿٨١﴾

اور آپ (اعلان) فرما دیجیے آگیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل[97] بے شک باطل تھا ہی مٹنے والا۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ

اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو باعثِ شفا ہیں[98] اور سراپا رحمت ہیں اہلِ ایمان کے لیے[99] اور قرآن نہیں بڑھاتا

[96] حضور کو جب ہجرت کا حکم ملا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں ایک دعا کی تلقین کی گئی کہ اے رب کریم میرا مکہ سے ہجرت کرنا بھی سچائی کے ساتھ ہو اور مدینہ میں ورود بھی سچائی کے ساتھ ہو یعنی دونوں کا انجام نیک ہو۔ کہیں سے کوچ کروں یا کہیں اقامت کروں تیری تائید و نصرت میرے شاملِ حال ہو۔ چنانچہ جو دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو سکھائی تھی، دنیا نے دیکھا کہ اس کا ایک ایک حرف پورا ہوا۔ مدینہ مہبطِ انوارِ الٰہی بنا تو چشمِ عرش کا نور بن گیا۔ اور چند سال بعد جب مکہ کا یہ مسافر دس ہزار جاں نثاروں کے جھرمٹ میں مکہ میں داخل ہوا تو کفر و شرک کی تاریکی کافور ہو گئی اور مکہ بقعۂ نور بن گیا۔

[97] یہ اعلان جو بظاہر انتہائی ناسازگار حالات میں ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں کیا گیا تھا آخر پورا ہوا۔ مکہ فتح ہوا حضور فتحِ مبین کا پرچم لہراتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔ کعبہ جو ایک عرصہ دراز سے ایک بتکدہ بن چکا تھا جس میں سینکڑوں بتوں کی پرستش ہوتی تھی حضور اس جگہ تشریف لے گئے حضور کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے بتوں کی طرف اشارہ فرماتے اور زبانِ پاک سے یہ آیت پڑھتے اور بت منہ کے بل زمین پر آگرتے۔ اس طرح پھر حق کا بول بالا ہوا اور باطل پسپا اور رسوا ہوا۔

[98] یعنی انسان ذہنی، قلبی، روحانی، جسمانی اور اخلاقی جن جن بیماریوں سے دوچار ہوتا ہے اس نسخۂ کیمیا میں ان تمام روگوں کے لیے شفا ہے غفلت کی کدورت، شک و ارتیاب کی تاریکی، کفر و شرک کی نجاست اس کے فیض سے سب دھل جاتی ہیں بشرطیکہ صرف اتنی ہے کہ اس کو دیا ہدایت کے لیے اپنا خضرِ راہ بنایا جائے پھر اس کی رحمت کے چشمے علم و عمل کے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں اور رشکِ صد ارم بنا دیتے ہیں۔

[99] لیکن جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور جو اس کو پہچانتے ہی نہیں اور اس کے پہچاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ ان کی بدبختی میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کا مطلعِ حیات تیرہ و تار ہو جاتا ہے۔

الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ

ظالموں کے لیے مگر خسارہ کو اور جب ہم کوئی انعام فرماتے ہیں انسان پر تو وہ (بجائے شکر کے) منہ پھیر لیتا ہے اور

نَاٰ بِجَانِبِہٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ کَانَ یَـُٔوۡسًا ﴿۸۳﴾ قُلۡ کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی

پہلو تہی کرنے لگتا ہے اور جب پہنچتی ہے اسے کوئی تکلیف تو وہ مایوس ہو جاتا ہے[۱۶۰] آپ فرمائیے کہ ہر شخص عمل پیرا ہے اپنی

شَاکِلَتِہٖ ؕ فَرَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ہُوَ اَہۡدٰی سَبِیۡلًا ﴿٪۸۴﴾ وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ

فطرت کے مطابق[۱۶۱] پس تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ سیدھی راہ پر (گامزن) ہے۔ یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے[۱۶۲] کہ

٩ ع ٩

۱۶۰ یہ دنیا دار المحن ہے۔ انسان کو اپنی زندگی میں مختلف قسم کے حالات سے واسطہ پڑتا ہے کبھی عزت و وقار کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہوتا ہے۔ راحت و مسرت کی چاندنی ہر طرف نور برسا رہی ہوتی ہے امیدوں کے غنچے کھل کھل کر پھول بن رہے ہوتے ہیں۔ جو قدم اٹھتا ہے کامیابی کی طرف اٹھتا ہے۔ ہر تدبیر ہم آہنگ تقدیر معلوم ہوتی ہے اور کبھی رنج و غم کا اندھیرا چھا جاتا ہے حزن و ملال کی اداسی ہر طرف دامن پھیلائے ہوتی ہے جدھر رخ کرتا ہے محرومی و نامرادی کا سامنا ہوتا ہے۔ ساری آرزوئیں حسرتیں بن کر رہ جاتی ہیں۔ ہر لحظہ بدلنے والے ان حالات میں ہر انسان کا ردِ عمل یکساں نہیں ہوتا۔ اس آیت میں الانسان سے مراد وہ انسان ہے جس نے قرآن کے نور سے اپنی شاہراہ حیات کو منور نہیں کیا ہوتا۔ بتایا جا رہا ہے کہ ایسا انسان دولت و اقتدار کے زمانہ میں سرکش اور نافرمان بن جاتا ہے۔ اور اپنے پروردگار حقیقی سے یکسر منہ موڑ لیتا ہے۔ اس کی دی ہوئی عزت، دولت، صحت کو اس کی نافرمانی میں صرف کرتا ہے لیکن جب غم و اندوہ کے بادل گھر کر آتے ہیں تو سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے اور اس کی ساری نخوتیں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ سطح زمین پر اکڑ اکڑ کر چلنے والا مایوسی و ناامیدی کے ایک ہی جھونکے سے خزاں زدہ زرد پتے کی طرح اڑنے لگتا ہے اور حالات کی ناسازگاری کے سامنے بڑی بے بسی سے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ آپ خود غور فرمائیے جو شخص قوت و اقتدار کے زمانہ میں آمادہ فتنہ و فساد ہو جائے اور حالات کی ذرہ سی تبدیلی پر دل ہار کر بیٹھ جائے وہ کس طرح اپنی قوم، اپنے وطن اور اپنی ذات کے لیے مفید نہیں ہو سکتا لیکن وہ خوش نصیب افراد جو قرآن کے چشمہ فیض سے فیضیاب ہوتے ہیں وہ موافق حالات میں اپنے محسن حقیقی کا دل و جان سے شکر ادا کرتے ہیں اور ناموافق حالات میں مایوس ہو کر ہمت نہیں ہارتے بلکہ اپنے رب کریم کی تائید و نصرت پر یقین محکم رکھتے ہوئے اپنی جدوجہد کو پہلے سے بھی تیز تر کر دیتے ہیں۔ یہ ہے وہ کردار جو ہدایت قرآن سے محروم رہنے والے لوگوں کا زندگی کے مختلف مراحل میں ہوتا ہے اور یہ ہے وہ کردار جس کی تشکیل قرآن کرتا ہے۔

۱۶۱ لفظ شاکلۃ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی رقمطراز ہیں کہ مجاہد نے اس کا معنی طبیعت کیا ہے اور مقاتل نے اس کا معنی جبلت کیا ہے یعنی ہر شخص وہ کام کرتا ہے جو اس کی سرشت اور فطرت کے مطابق ہو۔ اس آیت میں کافروں کی مذمت ہے کہ ان کی

سرشت کیونکہ خبیث ہے اس لیے ان کے اعمال بھی خباثت سے آلودہ ہونگے اور اس میں مومن کی توصیف ہے۔ کیونکہ مومن کی سرشت پاکیزہ ہے اس لیے ان کے اعمال بھی پاکیزہ ہونگے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا کہ میں نے قرآن کریم کو اول سے آخر تک پڑھا ہے اور مجھے اس آیت سے زیادہ امید افزا کوئی آیت نظر نہیں آئی۔ کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ ہر کوئی اپنی طبیعت کے مطابق کام کرتا ہے۔ بندے کا کام گناہ کرنا ہے اور رحمتِ خداوندی کا کام گنا ہوں کا بخشنا ہے۔: قال ابوبکر الصدیق قرأت القرآن من اولہ الی آخرہ فلم ارفیہ ایۃ ارجی واحسن من قولہ تعالیٰ قل کل یعمل علی شاکلتہ فانہ لایشاکل بالعبد الا العصیان ولایشاکل بالرب الا الغفران۔

۱۰۳؎ اس آیت کی شانِ نزول کیا ہے۔ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ یہود کی انگیخت پر مشرکین مکہ نے روح کی حقیقت کے بارے میں حضور رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا۔ دوسری یہ کہ ہجرت کے بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو وہاں کے احبار یہود نے اس معمہ کا حل امتحاناً دریافت کرنا چاہا۔ بہر حال یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس کی خلش ہر غور و فکر کرنے والا اپنے دل و دماغ میں محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ ہر زمانہ کے فلسفیوں نے اس معمہ کو حل کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن ہر کوشش نے اسے پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنا دیا۔ یہی سوال جب بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا تو زبانِ قدرت نے اس کا یہ مختصر لیکن جامع جواب دے کر تمام اوہام و شکوک کا دروازہ بند کر دیا الروح من امر ربی "یعنی روح میرے رب کا امر ہے" امام فخر الدین رازی اور ان کا تتبع کرتے ہوئے علامہ سید آلوسی صاحب روح المعانی ؒ نے اپنی اپنی تفاسیر میں علماءِ عقل و نقل کی آراء کو یکجا بیان کر دیا ہے۔ ان تفصیلات کا تذکرہ تطویل کا باعث ہوگا۔ اس لیے میں اس کے بیان سے صرف نظر کرتا ہوں لیکن ایک چیز کی طرف قاری کی توجہ مبذول کرنا ضروری سمجھتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محترم کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا تھا یا نہیں۔ اس کے متعلق امام رازی ؒ نے جو لکھا ہے وہی پیش خدمت ہے: انہ تعالیٰ قال فی حقہ الرحمٰن علم القرآن و علمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما وقال وقل رب زدنی علما وقال فی صفۃ القرآن ولارطب ولایابس الا فی کتاب مبین وکان علیہ الصلوٰۃ والسلام یقول ارنا الاشیاء کما ھی فمن کان ھذا حالہ وصفتہ کیف یلیق بہ ان یقول انا لااعرف ھذہ المسئلۃ مع انہا من المسائل المشہورۃ المذکورۃ بین جمہور الخلق بل المختار عندنا انہم سألوہ عن الروح وانہ صلی اللہ علیہ وسلم اجاب عنہ علی احسن الوجوہ۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی شان میں فرمایا ہے الرحمٰن علم القرآن رحمٰن نے قرآن سکھایا اور وعلمک الآیہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔ پھر حکم دیا کہ دعا مانگو رب زدنی علما اے اللہ میرے علم کو زیادہ فرما! اور قرآن کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ولارطب الآیہ کوئی تر اور خشک چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا کرتے تھے۔ اے اللہ مجھے تمام چیزیں اس طرح دکھا جس طرح وہ حقیقت میں ہیں۔ تو جس ذات کی یہ شان اور صفت ہو اس کے لیے کب مناسب ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں اس مسئلہ کو نہیں جانتا۔ حالانکہ یہ مسئلہ مشہور مذکور مسئلوں میں سے ہے۔ ہمارے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ انھوں نے روح کے متعلق دریافت کیا اور حضور نے اس کا کماحقہ

جواب دیا۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ اس آیت کے ضمن میں بڑی تفصیل بحث کے بعد لکھتے ہیں وھذہ الاٰیۃ لا تقتضی نفی العلم بالروح للنبیؐ لاصحاب البصائر من اتباعہ کہ اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضورؐ کو اور حضورؐ کے ارباب بصیرت اطاعت کیشوں کو روح کا علم نہ تھا۔ کیونکہ ان نفوسِ قدسیہ کا علم صرف حواس اور کسب و اکتساب سے ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ حواس اور کسب و اکتساب کے بغیر اشیاء کے حقائق کا علم انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کیا جاتا ہے۔ ان کے دلوں کے کان ہیں جن سے وہ ایسی باتیں سنتے ہیں جو ظاہری کان نہیں سن سکتے۔ ان کے دلوں کی آنکھیں ہیں جن سے وہ ایسی چیزوں کو دیکھتے ہیں جنہیں یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اس کے بعد علامہ موصوف نے یہ حدیث مشہور نقل کی ہے :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہٗ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ والحدیث۔

حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ نفلی عبادتوں کے ذریعہ میرے نزدیک ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں ہی اس کی قوتِ سمع بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور قوتِ بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر مظہری)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے روح کے معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اطباء کے نزدیک روح کی تعریف یہ ہے جسم لطیف منبعہ تجویف القلب الجسمانی فینتشر بواسطۃ العروق الضوارب الی سائر اجزاء البدن۔ کہ روح ایک جسم لطیف ہے جس کا منبع تجویفِ قلب ہے۔ جو بدن میں پھیلی ہوئی رگ و ریشہ کے ذریعہ جسم کی ہر جزء میں سرایت کر جاتا ہے اور علماء حقیقت کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے ھو اللطیفۃ العالمۃ المدرکۃ من الانسان ھو الذی ارادہ اللہ تعالیٰ بقولہ قل الروح من امر ربی وھو امر عجیب ربانی تعجز اکثر العقول والافہام عن درک حقیقتہ۔

یعنی یہ ایک لطیفہ ہے جو علم اور ادراک کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی کے متعلق اس آیت میں اشارہ ہے قل الروح من امر ربی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک عجیب راز ہے جس کی حقیقت کو سمجھنے سے بیشتر عقلیں قاصر ہیں۔ علامہ بدرالدین عینی شارح صحیح بخاری ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہیں دیا گیا۔ لکھتے ہیں قلت وجل منصب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو حبیب اللہ وسید خلقہ ان یکون غیر عالم بالروح وکیف وقد من اللہ علیہ بقولہ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما (عمدۃ القاری شرح البخاری جلد دوم ص۲)

ترجمہ :- میں کہتا ہوں کہ نبی کریم جو اللہ تعالیٰ کے حبیب اور اس کی ساری خلق کے سردار ہیں۔ آپ کا منصب اس سے بہت بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان کرتے ہوئے فرمایا وعلمک مالم تکن تعلم الآیہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر وہ بات سکھا دی جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور (اے محبوب!) آپ کے رب کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَ مَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا

روح کی حقیقت کے متعلق، (انہیں) آپ کہیے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا ہے تمہیں علم مگر

قَلِیۡلًا ﴿۸۵﴾ وَ لَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡہَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ

تھوڑا سا۔ اور اگر ہم چاہتے تو سلب کر لیتے وہ وحی جو ہم نے آپ کی طرف کی ہے پھر آپ کوئی ایسا

لَکَ بِہٖ عَلَیۡنَا وَکِیۡلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ فَضۡلَہٗ کَانَ

وکیل نہ پاتے جو آپ کے لیے اس کے متعلق ہماری بارگاہ میں وکالت کرتا بجز اس کے اپنے رب کی رحمت (کے جو ہر وقت آپ کے شامل حال ہے) یقیناً اس کا فضل و کرم آپ

عَلَیۡکَ کَبِیۡرًا ﴿۸۷﴾ قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا

پر بہت بڑا ہے (بطور چیلنج) کہہ دو اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی

بِمِثۡلِ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِہٖ وَ لَوۡ کَانَ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ

مثل ۱۴۵ تو ہرگز نہیں لا سکیں گے اس کی مثل اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے

۱۴۳ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عثمانی لکھتے ہیں یعنی قرآن کا جو علم تم کو دیا ہے خدا چاہے تو ذرا سی دیر میں چھین لے پھر کوئی واپس نہ لا سکے لیکن اس کی مہربانی آپ پر بہت بڑی ہے اسی لیے یہ نعمتِ عظمیٰ عنایت فرمائی اور چھیننے کی کوئی وجہ نہیں صرف قدرتِ عظیم کا اظہار مقصود ہے اور یہ کہ کیسی ہی کامل روح ہو اس کے سب کمالات موہوب و مستعار ہیں ذاتی نہیں۔

۱۴۴ پہلے اپنی قدرتِ کاملہ مطلقہ کا ذکر فرمایا کہ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ حتیٰ کہ آپ سے نعمتِ وحی بھی اگر سلب کر لوں تو کوئی دم نہیں مار سکتا۔ بیانِ قدرت کے معاً بعد اپنی رحمتِ بے پایاں کا ذکر فرما دیا جس سے اس نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سرفراز فرمایا۔

آیت کے اس جملہ میں تو اپنے جود و کرم اور فضل و عطا کی انتہا کر دی کہ اے محبوب ہم نے جو عنایاتِ خصوصی آپ پر فرمائی ہیں وہ قلیل اور محدود نہیں بلکہ وہ بہت زیادہ ہیں۔ آپ خود سوچیے کہ جس فضل و کرم کو اللہ تعالیٰ اپنی زبانِ قدرت سے کبیر فرما رہا ہے۔ اس کے حدود کا تعیین کرنا عقلِ انسانی کے امکان سے خارج ہے۔ حضور کا سید ولد آدم ہونا، مقامِ محمود پر فائز ہونا، اور رحمۃ للعالمین کا رحمت فرمایا جانا، ختمِ نبوت کا تاج سر پر رکھا جانا یہ اس فضل کبیر کے چند جھلکیاں ہیں اسی سے شانِ مصطفوی کا کچھ نہ کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے اللھم صل علی نبیک وحبیبک الذی شرفتہ بفضلک الکبیر وعطائک الجزیل ولطفک الجمیل وعلی اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم اللھم لا تحرمنا من شفاعتہ ولا تبعدنا عنہ فی الدنیا والآخرۃ۔

۱۴۵ یہ چیلنج آج بھی منکرینِ قرآن و رسالت کو للکار رہا ہے لیکن کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس کو قبول کر سکے۔

ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ

مددگار۔ اور بلاشبہ ہم نے طرح طرح سے (بار بار) بیان کی ہیں لوگوں کیلیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں [۱](تاکہ وہ ہدایت

فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٨٩﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ

پائیں) پس انکار کر دیا اکثر لوگوں نے سوائے اسکے کہ وہ ناشکری کریں۔ اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائینگے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں

لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿٩٠﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ

ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ۔ یا (اگر یہ نہ کر سکیں تو) تیار ہو جائے آپ کے لیے ایک باغ کھجوروں اور

عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٩١﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا

انگوروں کا پھر آپ جاری کر دیں ندیاں جو اس باغ میں (ہر طرف) بہ رہی ہوں یا آپ گرا دیں آسمان کو جیسے آپ کا

زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿٩٢﴾ اَوْ يَكُوْنَ

خیال ہے، ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو بے نقاب کر کے ہمارے سامنے لے آئیں یا تعمیر ہو جائے

لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۚ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ

آپکے لیے ایک گھر سونے کا یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں [۲] بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائینگے کہ آپ

[۱] ایک چیز کو بار بار مختلف اسلوبوں سے بیان کرنے کو تصریف الامر کہتے ہیں۔ ای بینا بوجوہ مختلفۃ فی التقریر والبیان (مظہری)

یعنی اس میں پند و موعظت بھی ہے اور احکام و حِکَم بھی۔ گزشتہ گم کردہ راہ اقوام کے دردناک انجام کا بھی ذکر ہے۔ اور مقبولانِ بارگاہِ صمدیت کی سرفرازیوں کا بیان بھی۔ غرضیکہ ہدایت پذیری کے لیے جس قسم کے سامان کی ضرورت ہے سب مہیا کر دیا گیا ہے اب بھی اگر کوئی ہدایت قبول نہیں کرتا تو اس سے بڑھ کر بدنصیب اور کون ہوگا۔

[۲] ان آیات میں کفار کے لغو مطالبات اور لایعنی فرمائشوں کا تذکرہ ہے۔

حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا

آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ آپ اتار لائیں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں۔ آپ (ان سب خرافات کے جواب میں اتنا) فرما دیں میرا رب (ہر عیب سے) پاک ہے

بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٣﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى

میں کون ہوں بجز آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔ اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت

اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٤﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ

مگر اس چیز نے کہ انھوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر! (ایسا نہیں ہو سکتا) فرمائیے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی

مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا

بجائے) فرشتے جو اس پر چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے تو ہم (انکی ہدایت کے لیے) ان پر اتارتے آسمان سے کوئی فرشتہ

رَّسُوْلًا ﴿٩٥﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

رسول بنا کر فقط فرمائیے کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان۔ بیشک وہ اپنے بندوں (کے احوال)

خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿٩٦﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ

کو خوب جاننے والا اور ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے اور جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تو آپ نہیں

شلہ ان سب خرافات کا ایک ہی جواب دینے کا حکم فرمایا کہ آپ انھیں کہیے کہ میری یہ مجال نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کو اس کام پر مجبور کروں جو اس کی حکمت کے خلاف ہو۔ اور اپنی من مانی کراکر رہوں۔ وہ قادرِ مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۱۱ شلہ وہ آپ کے دامنِ سیرت میں بھی کوئی داغ نہیں دکھا سکتے۔ وہ آپ کی دعوت کی حقانیت پر کوئی شبہ نہیں کر سکتے۔ اس قرآن حکیم کا مثل پیش کرنے کی انھیں بار بار دعوت دی گئی لیکن وہ اس دعوت کو قبول نہ کر سکے۔ ان کے پاس آپ کی رسالت کو تسلیم نہ کرنے کی اگر کوئی دلیل ہے تو صرف یہ کہ آپ بشر ہیں۔ اور ان کے نزدیک بشر مقام رسالت پر فائز نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کا یہ اعتراض بھی لا یعنی تھا کیونکہ رسول کی آمد کا مقصد تعلیم و ہدایت ہے۔ جب زمین پر بسنے والے انسان ہیں تو ان کی رہنمائی کا فریضہ ان کا ایک ہم جنس ہی احسن طریق پر ادا کر سکتا ہے۔ اگر یہاں فرشتے آباد ہوتے اور ان کی راہنمائی کے لیے کسی رسول کو مبعوث کیا جاتا تو ان میں کسی فرشتہ کو ہی یہ ذمہ داری سونپی جاتی۔

تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ ۖ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ

پائیں گے ان (گمراہوں) کے لیے کوئی مددگار اس کے سوا ۱۰ اور ہم اٹھائیں گے انھیں قیامت کے روز

وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا ۖ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ

منہ کے بل اس حال میں کہ وہ اندھے گونگے اور بہرے ہونگے ۱۱ ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ)

سَعِيرًا ﴿٩٧﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا

تو ہم انکے لیے اسکی آگ کو بھڑکا دینگے۔ یہ سزا ہے ان کی کیونکہ انھوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور انھوں نے کہا کیا جب ہم

عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿٩٨﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ

ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے از سر نو پیدا کر کے ۱۲ کیا انھوں نے نہیں دیکھا

اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ

کہ اللہ تعالیٰ جس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ پیدا فرما دے ان کی مثل

وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَا رَيْبَ فِيهِ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ﴿٩٩﴾ قُلْ

اور اس نے مقرر فرما دی ہے انکے لیے ایک میعاد جس میں ذرا شک نہیں پس انکار کر دیا ظالموں نے (اللہ کی قدرت کا) سوائے اسکے کہ وہ ناشکری کریں فرمائیے

۱۰ ہدایت دینے والا وہی ہے۔ نفس و شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے انسان بچ نہیں سکتا جب تک اس کی توفیق دستگیری نہ کرے جس سے اس نے اپنی نظرِ عنایت پھیر لی، اس کا راہ یاب ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ عقل و فہم کے چراغ بجھ جاتے ہیں اور علم حجابِ اکبر بن جاتا ہے۔

۱۱ کیونکہ انھوں نے خداداد صلاحیتوں کو معرفتِ حق کے لیے استعمال نہ کیا۔ اس لیے قیامت کے دن جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو آنکھوں سے اندھے، کانوں سے بہرے اور زبان سے گونگے ہونگے۔

۱۲ روزِ حشر ان کی ذلت و رسوائی کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔

لَوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ

اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تو اس وقت تم ضرور ہاتھ روک لیتے اس خوف سے کہ

الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ

کہیں (سارے خزانے) ختم ہی نہ ہو جائیں واقعی انسان بڑا تنگدل ہے۔ اور ہم نے عطا فرمائی تھیں موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن

بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ

نشانیاں ۱۲۲ آپ خود پوچھ لیں بنی اسرائیل سے جب موسیٰ آئے تھے ان کے پاس۔ پس فرعون نے

ع ٧

۱۲۲ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق نو آیات سے مراد آپ کے نو معجزات ہیں عصا، ید بیضا، سمندر کا شق ہونا، طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈکوں کی کثرت، برتنوں وغیرہ کا خون سے بھر جانا لیکن مندرجہ ذیل حدیث جس کو ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں ذکر کرنے کے بعد اسے حسن صحیح کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات سے مراد یہاں وہ احکام عامہ ہیں جو ہر نبی کی شریعت کا اساس ہیں۔ حدیث یہ ہے :- عن صفوان بن عسال قال قال یھودی لصاحبه اذھب بنا الی ھذا النبی فقال له صاحبه لا تقل له نبی انه لو سمعك لكان له اربع اعین فاتیا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فسئلاه عن تسع آیات بینات فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تشركوا بالله شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق ولا تمشوا ببری الی ذی سلطان لیقتله ولا تسحروا ولا تاكلوا الربوا ولا تقذفوا محصنة ولا تولوا للفرار یوم الزحف وعلیکم خاصة الیھود ان لا تعتدوا فی السبت قال فقبلا یدیه ورجلیه وقال نشھد انك نبی۔ (الحدیث)

ترجمہ :- صفوان بن عسال نے کہا کہ ایک یہودی نے اپنے ایک دوست کو کہا چلو اس نبی کے پاس چلیں اس کے دوست نے کہا کہ تم اپنی زبان سے اسے نبی نہ کہو۔ اگر اس نے یہ بات سن لی تو بڑا خوش ہوگا۔ پس وہ دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے موسیٰ کی نو آیات بینات کے متعلق سوال کیا تو حضور نے جواب میں فرمایا (وہ نو آیتیں یہ ہیں) :- (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (۲) چوری نہ کرو۔ (۳) زنا نہ کرو۔ (۴) کسی کو بے گناہ قتل نہ کرو (۵) کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس نہ لے جاؤ تاکہ وہ اسے قتل کرے (۶) جادو نہ کرو۔ (۷) سود نہ کھاؤ۔ (۸) کسی پاکدامن پر تہمت نہ لگاؤ (۹) میدان جنگ کے دن بھاگو نہیں اور اے یہودیو! تمھارے لیے خاص حکم یہ ہے کہ تم ہفتہ کے دن نافرمانی سے باز رہو۔ صفوان کہتے ہیں کہ حضور کا یہ جامع جواب سن کر انھوں نے حضور کے دونوں مبارک ہاتھوں کو چوما اور دونوں مقدس پاؤں کو بوسہ دیا! اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔

إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا ﴿١٠١﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ هَٰؤُلَاءِ

اسے کہا اے موسیٰ! میں تمہارے متعلق خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے ۱۲۲ کلیم نے جواباً فرمایا (اے فرعون!) تو خوب جانتا ہے کہ نہیں اتارا

إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ

ان نشانیوں کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے یہ بصیرت افروز ہیں اور اے فرعون! میں تیرے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ تو

مَثْبُورًا ﴿١٠٢﴾ فَأَرَادَ أَن يَسْتَفِزَّهُم مِّنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَن

ہلاک کر دیا جائے گا ۱۲۳ پس اس نے ارادہ کیا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھاڑ کر پھینک دے۔ سو ہم نے غرق کر دیا اسے اور اس کے

مَّعَهُ جَمِيعًا ﴿١٠٣﴾ وَقُلْنَا مِن بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا

سارے ساتھیوں کو ۱۲۴ اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ

الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ﴿١٠٤﴾ وَبِالْحَقِّ

اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تمہیں سمیٹ کر۔ اور حق کے ساتھ ہی

أَنزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿١٠٥﴾

وقف لازم

ہم نے اسے اتارا ہے اور حق کے ساتھ ہی وہ اترا ہے ۱۲۵ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر (رحمت الٰہی کا) مژدہ سنانے والا اور (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا

۱۲۲ جب فرعون نے دیکھا کہ سارا ملک مصر صدق دل سے میری خدائی کو تسلیم کر رہا ہے کسی نے کبھی اس پر اعتراض تک نہیں کیا بلکہ کسی کے دل میں خلش تک پیدا نہیں ہوئی تو یہ موسیٰ جو ہمارے شاہی محل میں پل کر جوان ہوا اور پھر مدین کے جنگلوں میں دس سال روپوش رہا اور گلہ بانی کر کے گزر اوقات کرتا رہا آج بڑی بیباکی سے میری خدائی کا انکار کر رہا ہے۔ ہو نہ ہو اس کا دماغی توازن درست نہیں یقیناً کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے جس کے اثر سے یہ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔

۱۲۳ فرعون کے اس الزام کا جواب کلیم اللہ نے اس طرح دیا۔ مثبور کا معنی ہلاک شدہ۔ اور فراء نے کہا کہ مثبور اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو بھلائی کی توفیق سے محروم ہو اور شر و فتنہ اس کی فطرت ہو۔ قال الفراء مصروفاً ممنوعاً عن الخير مطبوعاً على الشر۔

۱۲۴ فرعون تو سیدنا کلیم اور اس کی قوم کو مصر سے جلا وطن کرنے کا ارادہ ہی کرتا رہا اور ہم نے اسے اس کے لاؤ لشکر سمیت بیک بینی و دو گوش پکڑا اور سمندر میں غرق کر دیا۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا۔ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں ۱۱۹ اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا

آپ (کفار کو) کہیے خواہ تم ایمان لاؤ اس پر یا نہ ایمان لاؤ ۱۲۰ بیشک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب

يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ

اسے پڑھا جاتا ہے انکے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے ہیں ہر عیب اور نقص سے پاک ہے ہمارا رب

اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ

بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے ۱۲۱ اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے اور

۱۱۷ یعنی یہ کتاب سراپا حق ہے۔ اس میں کسی طرح کی آمیزش نہیں ہوئی۔

۱۱۸ یعنی آپکا کام پیغام حق سنا دینا ہے۔ اگر کوئی آپکی دعوت پر لبیک کہتا ہے تو یہ اسکی اپنی سعادت ہے۔ اور اگر کوئی پنبہ در گوش ہو کر اسے نہیں سنتا تو اسکی قسمت!

۱۱۹ انبیاء سابقین پر جو صحائف اور کتب نازل ہوئی تھیں ان کا نزول یکبارگی ہوا کرتا تھا لیکن قرآن کریم کے نزول کے لیے یہ اسلوب بدل دیا گیا۔ آیت میں اس کی وجہ اور اس کی حکمت بیان کی جا رہی ہے۔

۱۲۰ اگر تم قرآن پر ایمان لاؤ گے تو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ قرآن پر تمہارا کوئی احسان نہیں اور اگر ایمان نہیں لاؤ گے، تو تم قرآن کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے اپنا ہی نقصان کرو گے۔ اگر تمہارے جیسے ہٹ دھرم قرآن کی عظمت کو تسلیم نہ بھی کریں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جبکہ وہ لوگ جو تم سے علم وفضل اور فہم وذکا میں فوقیت رکھتے ہیں۔ وہ اس کے حسن معنوی پر سو جان سے فریفتہ ہیں اور جب کلام ربانی کی صدائے دلنواز وہ سنتے ہیں تو بے ساختہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

۱۲۱ اور ان کی زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تمجید کے کلمات بے ساختہ نکلنے لگتے ہیں اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس کتاب کے نزول کا وعدہ سابقہ آسمانی کتابوں میں کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔

يَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿١٠٩﴾ قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ ۖ أَيًّا مَّا

یہ قرآن انکے خضوع و خشوع کو بڑھا دیتا ہے ۱۲۲ آپ فرمائیے یا اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے

تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا

اسے پکارو اس کے سارے نام (ہی) اچھے ہیں ۱۲۳ اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ

تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي

بالکل آہستہ پڑھو اسے اور تلاش کرو ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ۔ اور آپ فرمائیے سب تعریفیں اللہ کے لیے

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن

ہیں جس نے نہیں بنایا (کسی کو اپنا) بیٹا اور نہیں ہے جس کا کوئی شریک حکومت و فرمانروائی میں ۱۲۴ اور نہیں ہے اس کا

لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ۖ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿١١١﴾

کوئی مددگار درماندگی میں اور اس کی بڑائی بیان کرو کمال درجہ کی بڑائی۔

۱۲۲ جب ان کے قلوب و ارواح پر برکات قرآنی کا نزول ہوتا ہے جب رحمت کے انوار برستے ہیں تو ان پر وجد و کیف کا عالم طاری ہو جاتا ہے دلوں میں عجیب قسم کی حرارت اور روح میں گداز پیدا ہوتا ہے سر بارگاہ رب العزت میں بےساختہ جھک جاتا ہے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری ہو جاتا ہے اور جوں جوں یہ قرآن سنتے ہیں ان کے جذبات نیاز میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

۱۲۳ ایک رات حضور فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یاد الٰہی میں مصروف تھے۔ اور یا اللہ یا رحمٰن کا ورد جاری تھا۔ ابوجہل نے سنا تو ٹھٹک کر رہ گیا اور کہنے لگا لو ادھر دیکھو! ہمیں تو ہمارے خداؤں کے نام لینے سے روکتا ہے اور آج خود دو خداؤں کو پکار رہا ہے۔ اس کے اسی شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ اور رحمٰن دو الگ الگ ذاتوں کے نام نہیں بلکہ جس ہستی کا علم ذاتی اللہ ہے اسی کا اسم صفاتی الرحمٰن ہے اور اللہ تعالیٰ کے کئی نام ہیں۔ ہر نام اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کمال پر دلالت کرتا ہے۔ تو جب صفات اچھی ہیں اور جس ذات کی صفات ہیں وہ حمید و مجید ہے تو جو اسماء ان صفات کمال پر دلالت کریں گے ان کے اچھا ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے ان اسماء حسنیٰ میں سے جس اسم سے بھی اس کو پکارا جائے درست ہے۔

۱۲۴ بلاشبہ وہ ذات پاک جو تمام صفات کمال سے موصوف ہے اور تمام عیوب و نقائص سے منزہ ہے۔ اسی کے لیے ہر طرح کی تعریف زیبا ہے۔ اس آیت میں ہر قسم کے مشرکانہ عقائد کی پرزور تردید کر دی۔